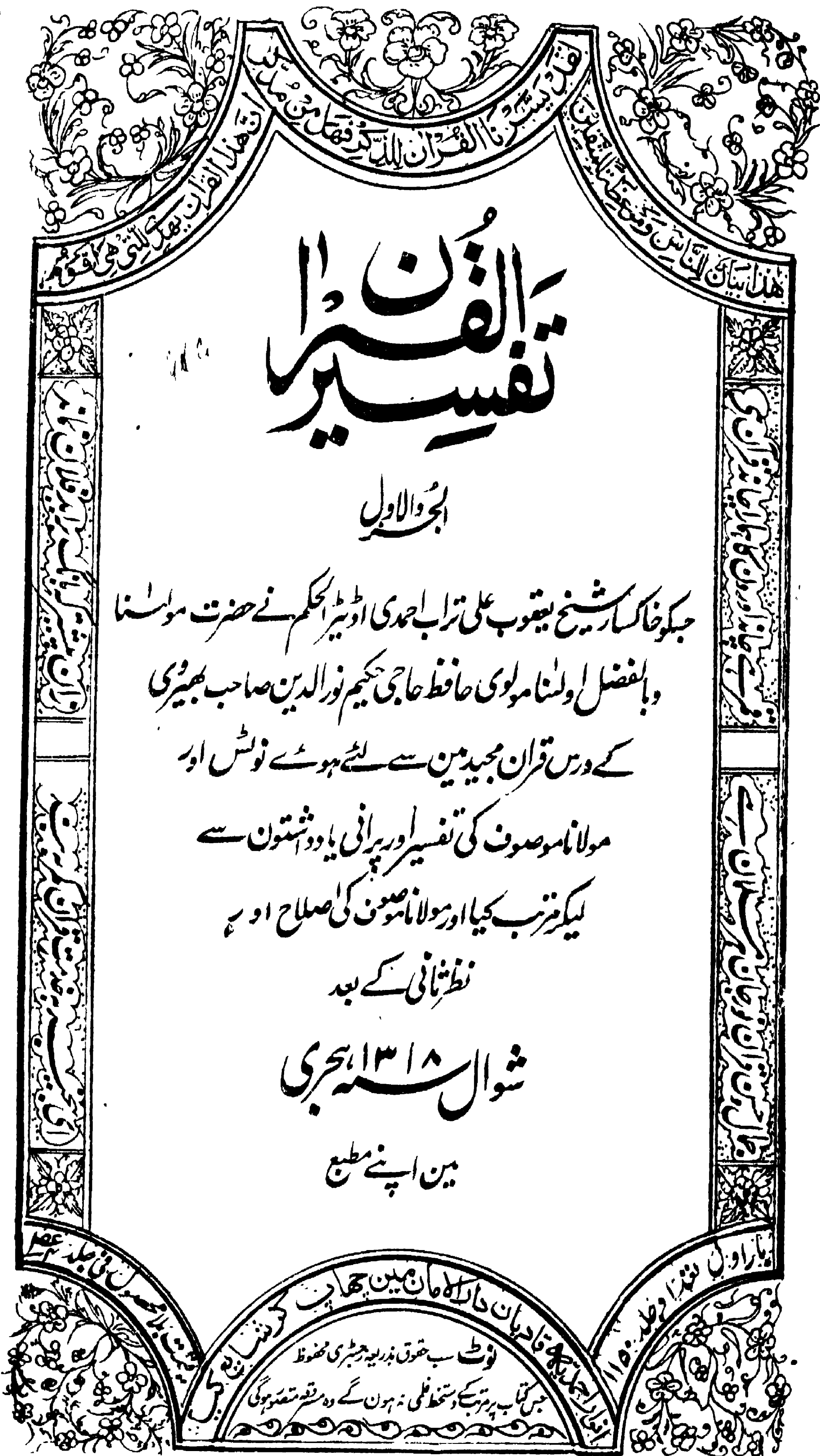


تفسیر القرآن

الجزو الاول

جسکو خاکسار شیخ یعقوب علی تراب احمدی اڈیٹر الحکم نے حضرت مولٰنا
وبالفضل اولٰنا مولوی حافظ حاجی حکیم نور الدین صاحب بھیروی
کے درس قرآن مجید مین سے لئے ہوئے نوٹس اور
مولانا موصوف کی تفسیر اور پرانی یادداشتون سے
لیکر مرتب کیا اور مولانا ممدوح کی اصلاح اور
نظر ثانی کے بعد

شوال سنہ ۱۳۱۸ ہجری

مین اپنے مطبع

انوار احمدیہ قادیان دار الامان مین چھاپ کر شائع کیا
بار اول تعداد ۱۱۵۰ جلد
قیمت ... محصول فی جلد

قریب زیادہ آیات لکھدی ہیں لیکن یکجائی طارق پر درج نہ ہونیکی وجہ سے ان مضامین پر پورا غور کرنا شاید کسیقدر مشکل ہو - اور ہماری غرض چونکہ قرآن شریف کے مضامین کو عام فہم بنانے کے لئے سعی کرنا ہے لہذا ہم ساری آیات کو پھر یکجا لکھتے ہیں تاکہ ناظرین کو پورا موقع انپر غور کرنیکا ملے اور اسکے بعد جو نتائج ان آیات کے باہم تعلقات اور روابط سے نکالکر ہم پیش کریں وہ آسانی سے سمجھ میں آجائیں +

رکوع ۳۵ ع ۳

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

رکوع ۳۵ ع ۳

ترجمہ - ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانہ کی سی ہے جو سات بالیاں اگائے اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور اللہ وسیع کرنیوالا اور جاننے والا ہے - جو لوگ اپنے مالونکو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر جو کچھ خرچ کیا ہے اسکے بعد کوئی احسان نہیں جتاتے اور نہ دل آزاری کرتے ہیں اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس اجر ہے اور ایسے لوگوں پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے - بھلی بات کہنی اور پردہ پوشی کرنا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد دُکھ دیا جاوے اور اللہ تعالے غنی اور حلیم ہے - کیا تم میں سے کوئی ایک پسند کرتا ہے کہ اسکے پاس کھجور اور انگور کا باغ ہو اور اُسکے نیچے سے نہریں جاری ہوں اسمیں ہر قسم کے میوے ہوں - اور وہ شخص بوڑھا ہو جاوے اور اولاد اس کی کمزور ہو - پھر اُس باغ پر باد صرصر (جلا دینے والی) کا ایک بگولا چلے جس میں آگ ہو پس وہ باغ جل جاوے اسطرح اللہ تعالی تمھارے لیے نشانات بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر کرو - اور جو لوگ اپنے مال خوشنودی خدا کی طلب میں اور اپنی ثبات خاطر سے خرچ کرتے ہیں انکی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغ عمدہ اور سبزہ خیز زمین میں ہو اور اُسپر زور کا مینہ برسے پس وہ اپنا پھل دوچند دے اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو اُس کو تھوڑا مینہ کافی ہے اور اللہ تعالی تمھارے اعمال کا دیکھنے والا ہے کیا تم میں سے کوئی ایک پسند کرتا ہے کہ اسکے پاس کھجور اور انگور کا باغ ہو اور اُسکے نیچے سے نہریں جاری ہوں جس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور وہ شخص بوڑھا ہو جاوے اور اولاد اُس کی کمزور ہو - پھر اس باغ پر باد صرصر (جلا دینے والی) ایک بگولا چلے جس میں آگ ہو پس وہ باغ جل جاوے اسطرح اللہ تعالی تمھارے لیے نشانات بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر کرو +

اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

شہادت کے لیے طلب کیے جاویں تو حاضر ہونے سے انکار نہ کریں تو معاملہ میعادی چھوٹا ہو یا بڑا اُسکی دستاویز کے لکھنے سے سُستی نکرو۔ اللہ تعالی کے نزدیک یہ بہت ہی منصفانہ کارروائی ہے اور شہادت کے لیے بھی یہی طریقہ ٹھیک ہے - اور شبہات کے دور کرنے کے لیے بھی بہت ہی مناسب اور قرین قیاس ہے - ہاں اگر سودا دم نقد ہو جسکو تم دست بدست لیا دیا کرتے ہو تو اُسکی دستاویز نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے تاہم جب اس قسم کا معاملہ کرو تو گواہ کر لیا کرو اور نہ دستاویز کے کاتب کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جاوے اور نہ گواہ کو اور اگر ایسا کروگے تو یہ تمھاری شرارت اور خلاف ورزی ہوگی - اللہ تعالی سے ڈرو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمھیں سکھا دے گا اور اللہ تعالی ہر چیز کو جانتا ہے - اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ ملے تو رہن بالقبض قرض لو - اور اگر تم میں سے ایک کا اعتبار کرے تو جسپر اعتبار کیا گیا ہے وہ اپنی امانت کو پورے طور پر ادا کر دیا کرے اور اللہ تعالی سے ڈرتا رہے جو اسکا رب ہے اور شہادت حقہ کو مت چھپاؤ جو شہادت حقہ کو چھپاتا ہے لاریب اُس کا قلب بدکار ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالی اُسکو خوب جانتا ہے۔

رکوع ۳۹

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓٮِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ اَنْتَ مَوْلٰٮنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

رکوع ۳۹

اللہ ہی کا ہے جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اور جو تمھارے دل میں ہے خواہ تم اُسکو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالی تم سے اسکا حساب لیگا پس جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دیگا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے - جو کچھ رسول پر اُسکے رب کیطرف سے اُتارا گیا ہے وہ اُسپر ایمان لایا ہے اور مومن بھی تمام کے تمام اللہ اور اُسکے فرشتوں اور اُسکی کتابوں اور اُسکے رسولوں پر ایمان لائے ہیں ہم اُسکے رسولوں میں کسی ایک میں فرق نہیں کرتے اور انھوں نے کہا ای ہمارے رب ہمنے تیرا ارشاد سنا اور تسلیم کیا ای ہمارے پروردگار تیری ہی حفاظت درکار ہے اور تیری ہی طرف لوٹکے جانا ہے اللہ تعالی کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اُسی قدر جس کے اُٹھانیکی اُسمیں طاقت ہو - جسنے اچھے کام کیے تو اسکا نفع بھی اسکے لیے ہے اور جسنے بُرے کام کیے تو اُنکا وبال بھی اُسی پر ہے - ای ہمارے رب اگر ہم بھولجاویں یا خطا کر بیٹھیں تو اُسکے وبال میں نہ پکڑ اور ای ہمارے رب جو لوگ ہمسے پہلے گذرے ہیں جسطرح تونے اُنپر بوجھ ڈالا تھا ہمپر نہ ڈال ای ہمارے پروردگار اتنا بوجھ جسکے اُٹھانیکی ہم میں طاقت نہیں ہمسے نہ اُٹھوا اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرما اور ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہمپر رحم کر تو ہی ہمارا حامی و مددگار ہے پس تو کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما - امین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سورۃ الفاتحہ

اللہ تعالےٰ کے مبارک نام کا آغاز - اللہ تعالےٰ کے نام کی تقدیس اور حمد- اُس کی صفات کاملہ کا بیان- کائنات پر اُن کا فیض ربوبیت - رحمانیت - رحیمیت اور مالکیت کی حکومت - حقیقی معبود اللہ تعالےٰ ہی کی ذات ہے - معبودان باطلہ کی تردید - اس کے حضور میں بندگی اور عبادت کا بجالانا - ہر ایک حاجت میں اعانت اور مدد اُسی سے چاہنا - اُس کی درگاہ سے صراط المستقیم (سیدھی راہ) کی طلب اور دُعا- اُس کی درگاہ سے نعمت پانے والوں کے نقش قدم پر چل کر الٰہی نعمتوں کے لئے التجا - عقوبت اور غضب کے نیچے آئی ہوئی جماعتوں اور کجروی اختیار کرنے والے فرقوں سے دور رہنے کی تمنا-

قرآن کریم پر نظر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو اللہ تعالےٰ نے تین حصوں پر منقسم فرمایا ہے - ان میں سے پہلے حصہ کا نام اُمّ الکتٰب (اُمّ بمعنی ماں ہے جیسے ماں کے بطن سے بچے نکلتے ہیں اسی طرح پر سورۃ الفاتحہ سے قرآن کریم کے کل مضامین نکلتے ہیں-) سبع مثانی (سات آیتیں جو بار بار دُہرائی جاتی ہیں- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیتوں کو بار بار دُہرانا چاہیے - خصوصاً نماز میں اور نماز بغیر ان کے ہوتی ہی نہیں -) اور فاتحہ ہے - جیسے فرمایا ولقد اٰتینٰک سبعًا من المثانی اور دوسرے حصہ کا نام قراٰن عظیم ہے - جیسے فرمایا ولقد اٰتینٰک سبعًا من المثانی والقراٰن العظیم - اور تیسرے حصہ کا نام تعوّذ ہے جو قرآن کریم کے آخر میں درج ہے -

سورۃ الفاتحہ کے متعلق ہم کوئی لمبی اور مبسوط بحث اس وقت نہ کریں گے بلکہ خدا تعالےٰ کے فضل و تائید پر بھروسہ کرکے امید کرتے ہیں کہ کسی دوسرے وقت پر سورۃ الفاتحہ کے معانی کو شرح اور بسط سے بیان کرنے کی جداگانہ رسالہ کی صورت میں کوشش کریں گے انشاء اللہ تعالےٰ -

دوسرے چونکہ کل قرآن کریم مختلف طرز و طرق میں فاتحۃ الکتاب کی تفسیر ہے اس لئے وقتاً فوقتاً اس کے مضامین کی تفسیر ہوتی رہے گی - اور جہاں ممکن ہوگا وہاں سورۃ الفاتحہ کی آیت مبینہ کی طرف اشارہ بھی کردیا جائیگا-

اس لئے

اس مقام پر مختصر طور پر جیسا کہ اس تفسیر القرآن کا منشا ہے سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ اور ضروری امور بیان کریں گے - بحولہٖ و بقوتہٖ -

سورۃ الفاتحہ کیا ہے؟

سورۃ الفاتحہ ایک جامع دعا ہے جو خدا تعالےٰ نے محض اپنی رحمانیت اور مہربانی سے انسان کو

يَأْكُلُونَ الرِّبٰوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۗ وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۚ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهٰى فَلَهُ مَا سَلَفَ ۖ وَأَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُولٰئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللّٰهِ ۖ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

رکوع ۳۸

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدٰىهُمَا الْأُخْرٰى ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ

اٹھیں گے جیسا کہ وہ شخص جس کو شیطان نے مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ اس کا باعث یہ ہے کہ انھوں نے کہا کہ بیع کا معاملہ بھی ربا جیسا ہی ہے حالانکہ اللہ تعالے نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے (پس ربا کو بیع پر قیاس کرنا صریح غلطی ہے) پس جس کے پاس پروردگار کی طرف سے نصیحت کی بات پہونچی اور وہ آئندہ کے لیے باز آگیا تو پہلے جو کچھ لے چکا ہے وہ اس کا ہو چکا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے اور جو (منع کرنے کے بعد بھی) پھر ربا کھائے پس وہی لوگ اہل جہنم ہیں رہ پڑے ہمیں ہمیشہ۔ اللہ تعالے ربا کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ ہر ناشکر گذار منکر خطاکار سے ناراض ہے۔ ہاں جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ایمان کے موافق اچھے اعمال کیے اور نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دیتے رہے انکے لیے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے۔ انپر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا نہ حزن۔ ایمان والو تقویٰ اللہ اختیار کرو۔ اور تقویٰ یہ ہے کہ جو کچھ ربا لوگوں کے ذمہ باقی ہے اسے چھوڑ دو بجالیکہ تم مومن ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کروگے تو اللہ اور اُسکے رسول کیطرف سے جنگ کا اعلان سنلو اور اگر تم توبہ کرو تو تمھارے لیے تمھارا راس المال ہے نہ ظلم کرو اور نہ ظلم کیے جاؤ۔ اور اگر کوئی مقروض تنگدست ہو تو اُسے فراخی تک کی مہلت دو اور اگر تم سمجھو تو یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے کہ اصل قرضہ بھی بخشدو اور اُس دن سے ڈرو جبکہ تم اللہ کیطرف لوٹائے جاؤگے پھر ہر شخص کو اُسکے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جاویگا۔ اور انپر کوئی ظلم نہ کیا جاویگا ✦ رکوع ۳۸

ایمان والو! جب تم ایک میعاد مقررہ تک قرض کا لین دین کرو تو اُسے لکھ لیا کرو اور مناسب ہے کہ تم میں کوئی لکھنے والا عدل سے لکھے اور کوئی کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو سکھایا ہے اور جس کے ذمہ قرض ہے اُسے چاہیئے کہ وہی دستاویز کا مضمون بولتا جاوے اور اللہ تعالیٰ سے جو اُس کا رب ہے ڈرے اور مضمون لکھاتے وقت اُس قرض سے کچھ نقصان نہ کرے اور اگر وہ شخص جس کے ذمہ قرض ہو (مدیون) کم عقل ہو یا معذور (کمزور) یا خود ادائے مطلب نہ کرسکتا ہو تو جو اُس کا جائز مختار ہو وہ انصاف کے ساتھ دستاویز کا مضمون بولتا جاوے اور اپنے لوگوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ کرلیا کرو۔ پھر اگر دو مرد نہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنکو تم پسند کرو گواہ کرلیا کرو۔ دو عورتیں اسلیے کہ اگر اُنمیں سے ایک بھول جائیگی

عرض حال

اے بجبر بخدمت قرآن کمر بہ بند   زان پیشتر کہ بانگ برآید فلان نماند

الحمد لله رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

مسلمانوں کی مذہب کیطرف سے لاپروائی اور عدم توجگی اور مخالفین اسلام خصوصاً دجالی فتنہ کی چالبازیوں اور حملوں کی کثرت نے اسلام کو بیکس انفو میں زبان کا مصداق بنا رکھا ہے اور مسلمانوں کی اخلاقی مجلسی۔ تمدنی حالت بھی ایسی ادبار کیطرف جاری ہے کہ بے اختیار کہنا پڑتا ہے مردے از غیب برون آید و کارے بکند چونکہ اللہ تعالی اسلام کا خود محافظ و ناصر ہے اس لئے اس نے اپنے وعدہ کے موافق ان تمام غلطیوں کی اصلاح اور مسلمانوں کی فلاح کے لئے اپنے برگزیدہ بندہ **مسیح موعود** کو ملہم القرآن اور خوارق العادت نشانات کیساتھ نازل فرمایا جو قرآنی حقائق و معارف کو دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے اور قرآنی دلایل و براہین کی تیز تلوار سے باطل پرستی کو ہلاک کر رہا ہے۔ مولی تعالی کا بیحد احسان اور فضل ہے کہ اس نے مجھے بھی اس **ثریا** پر سے ایمان لانیوالے امام کے حضور رہنے کا شرف نہایت موقعہ عطا فرمایا۔ والحمد للہ علی ذلک جسکے طفیل سے مولانا و بالفضل اولانا حکیم الامت مولوی حاجی حافظ حکیم نورالدین صاحب بھیروی سلمہ ربہ عاشق القرآن کے درس قرآن کی شمولیت نصیب ہوئی۔ مولانا موصوف کی **قرآن دانی** کا ایک زمانہ کو اعتراف ہے اور اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا کہ خود حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ انکی تفسیر آسمانی تفسیر ہوتی ہے۔

غرض اس پاک صحبت میں قرآن کریم جیسی نور شفاء و رحمۃ ہدایت کتاب کے مضامین عالیہ کے سننے کی توفیق محض اللہ تعالی کے فضل سے ملی مما رزقنھم ینفقون پر عمل کیلئے میرے دل میں یہ تحریک ہوئی کہ ان مضامین عالیہ کو ان لوگوں تک بھی پہنچایا جاوے جو ابھی تک اس نعمت سے محروم ہیں چنانچہ عملی طور پر اس سلسلہ کو میں اخبار الحکم میں قرآن کریم پر لطیف نوٹس کے عنوان سے شروع کیا مگر مجھے افسوس ہے کہ میں انکو جاری نہ رکھ سکا۔ کیونکہ طبیعت چاہتی تھی کہ مفصل لکھا جاوے اور اخبار کے چند صفحے اور مضامین کی کثرت مانع تھی آخر میں نے ارادہ کیا کہ ان نوٹس کو ایک ایسی تفسیر کے پیرایہ میں مرتب کروں جو زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے حضرت اقدس علیہ السلام کے آسمانی سلسلہ کی خدمت اور اشاعت کا موجب ہو اور نئی روشنی کے دلفریب نظاروں کے دیکھنے والوں اور مغربی فلسفہ کے بت پرستوں کو حقیقی نور اور روشنی کیطرف لانیکا ایک نیا ذریعہ ہو سکے۔ اس خیال پر میں نے اس تفسیر کو مرتب کرنا شروع کیا یہاں اس امر کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تفسیر کے ماخذ کیا ہیں **اول** حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں یا تقریروں سے جو تفسیر اس پہلے پارہ کے متعلق مجھے ملی **دوم** حضرت حکیم الامۃ کے درس قرآن مجید سے جمع کئے ہوئے نوٹس (یادداشتیں) **سوم** حضرت حکیم الامۃ کی عربی تفسیر **چہارم** حضرت حکیم الامۃ کی پرانی یادداشتیں قرآن کریم کے متعلق **پنجم** حضرت مولنا مولوی عبدالکریم صاحب سلمہ ربہ کے خطبات اور مواعظ

ان ذرایع خمسہ کی بنا پر میں نے پہلا مسودہ لکھا اور یہ مولانا مولوی نورالدین صاحب حکیم الامۃ کو بغرض اصلاح دیا آپ نے نہایت غور اور احتیاط سے تمام اسکی اصلاح کی ان بعد میں نے اس اصلاح شدہ مسودہ کو لیکر دوسرا مسودہ لکھا پھر اصلاح کے بعد تیسرا مسودہ کاتب کو لکھنے کو دیا اور پھر کچھ عرصہ تک نوٹس کا بیان ہوا پھر حضرت مولانا صاحب کو دکھاتا رہا مگر آخر صرف کاپیوں پر تیسری اصلاح ہوتی رہی۔ اس طرح پر خدا تعالی کے خاص فضل و کرم سے یہ پہلا پارہ چھپ کر تیار ہو گیا جو آج میں اپنی قوم کے سامنے پیش کرتا ہوں اس پارہ کی اشاعت میں جو توقف اور تعویق ہوئی بظاہر اسکے اسباب کچھ ہی ہوں مگر میں اسکو بہت ہی مبارک سمجھتا ہوں کیونکہ اس اثنا میں بہت سے لطیف مضامین مل گئے ہیں جنکو پڑھکر ناظرین انشاء اللہ خاص لطف اٹھاوینگے۔ **جو طرز** بیان اور تقسیم مضامین کا اصول میں نے اس تفسیر میں رکھا ہے وہ بالکل نرالا ہے یا کم از کم اردو زبان میں اس سے پہلے ہرگز نہیں ہے اور میں آیندہ سلسلہ میں اسمیں اور بھی اضافہ کرنا چاہتا ہوں اگر مولی کریم کی توفیق رفیق حال ہوئی۔

میں نے ارادہ یہی کیا ہوا ہے کہ اس طرز پر یکے بعد دیگرے ایک ایک پارہ شایع کرتا رہوں مگر یہ اللہ تعالی ہی کے فضل پر منحصر ہے کہ صحت اور فرصت عطا فرماوے اور پھر توفیق دے۔ اس کے بعد بلا فصل میں نے دوسرا پارہ اللہ تعالی کے فضل پر بھروسہ کر کے شروع کر دیا ہے میرا منشا یہ لگاتار کرنا ہے مگر توقع نہ ہوگا کہ میں اپنے اہل دول مگر اہل دل احباب کو توجہ دلاؤں کہ وہ جس قدر مالی مشکلات میں میری مدد کرینگے اسی قدر زیادہ فرصت مجھے اسکی ترتیب کے لئے مل سکے گی بہرحال آخر ساری توفیقیں اور نعمتیں اللہ تعالی ہی کے ہاتھ میں ہیں ھو نعم المولی ونعم النصیر

میں حضرت مولانا مولوی حاجی حافظ حکیم نورالدین صاحب سلمہ ربہ کی بیش قیمت امداد کا شکرگزار ہوں جنہوں نے اپنی گرامی اوقات کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے مسودوں کی اصلاح وغیرہ کے لئے دیا جزاہ اللہ احسن الجزا فی الدنیا و فی الآخرہ۔ میں ان تمام دوستوں کے لئے بھی دعا کرتا ہوں جنہوں نے عشق قرآن کیوجہ سے اس سیپارہ کی متعدد جلدیں خریدکیں اور بعض نے محض حسن ظن سے پیشگی قیمت بھیجدینے میں تامل نہ فرمایا اللہ تعالی انکو جزاء خیر دے

بالآخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی میری اس عاجزانہ خدمت کو قبول فرماوے اور مجھے اور میرے پڑھنے والوں کو قرآن کریم کا فہم پھر عمل پھر اسکی اشاعت کا شوق اور جوش عطا فرماوے اور میری اولاد کو قرآن کریم کے پڑھنے اس پر عمل کرنے اور اسکی خدمت کی توفیق دے

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

آمین

خاکسار

شیخ یعقوب علی تراب احمدی (مرتب تفسیر القرآن)

دارالامان قادیان
۲۵۔ جنوری ۱۹۰۱ء

اپنا فرض سمجھکر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کیا جاوے تو اس کا اجر خوف وحزن سے رہائی بتائی حالانکہ ایک سود خوار ہر وقت اس مرض میں مبتلا رہتا ہے اور اُسکے دل پر خوف وحزن کا استیلا ہو کر اسکا کاشانۂ دل کلبۂ احزان بنا رہتا ہے پھر صدقات کے باطل کرنے والی اشیا کا ذکر کرتے ہوے مزید تاکید کی خاطر احسان نمائی یا ایذا رسانی کا ذکر کیا اور اسکو ایک بدیہی مثال کے ذریعے سمجھایا +

پھر اس کے بعد خرچ کرنے والوں کی تحریک اور ترغیب کے لیے راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کی مثال ایک باغ سے دی۔ جو ایک سرسبز اور نشو و نما پانے والی زمین پر واقع ہو جہاں تھوڑی سی بارش اسکے لیے مفید ثابت ہو جاتی ہے یہ مثال بھی دراصل اس تمہید کے ضمن میں ہے جو اللہ تعالیٰ نے استیصال ربا کے لیے اُٹھائی ہوئی ہے۔ ایک دانشمند آدمی اسپر غور کرکے بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتا ہے کہ جبکہ اپنے پاس سے خرچ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور پھر اس خرچ کرنے میں من و اذی سے منع کیا جاتا ہے اور یہ دونوں باتیں مبطل صدقات ٹھیرائی جاتی ہیں تو پھر وہ قوم جو اسپر ایمان لائی کب قساوت قلبی کے ساتھ دوسرے کا خون چوسنے کے لیے ربا پر زور دیسکتی ہے۔ وہ نہایت خوشی اور اطمینان قلب کے ساتھ اسی روپیہ کو جو اصل زر پر متفرع ہو چھوڑنے کے لیے طیار ہوگی چنانچہ اس کا جو اثر مسلمانوں پر اسوقت پڑا وہ حیرت انگیز تبدیلی دنیا کی نظر میں ایک عجیب بات ہے اور ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کا مایہ ناز معجزہ ہے جس کے لیے ہم ان لوگوں کو جو آپ کی ذات بابرکات پر اپنی کورچشمی اور کم فہمی سے اعتراض کرتے ہیں چیلنج کرکے کہتے ہیں

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

محض خرچ کرنے کی ترغیب بام ربا سے اترنے کا پہلا زینہ تھا اور جب لوگ خوشی اور اطمینان قلب سے اسپر عامل ہو گئے تو پھر ان کو اپنی کمائی ہوئی چیزوں میں سے عمدہ اور پاک چیزیں دینے کا حکم دیا +

کاش اہل دنیا قرآن کریم کے اسی طرز بیان پر غور کرتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ قرآن کریم دنیا میں کونسی روح نفخ کرنی چاہتا ہے وہ ایک طرف نوع انسان کی خبر گیری اور ضعفاء و مساکین کی دستگیری کا درس دیتا ہے اور اسکے ضمن میں دنیا کے حب جاہ و جلال سے دور رکھنے کی تحریک کرتا اور اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کو مقدم کرنے کی تعلیم دیتا ہے

اے دوستو! جو پڑھتے ہو ام الکتاب کو اب دیکھو میری آنکھوں سے اس آفتاب کو

غرض پاک اور ستھری چیزوں کا راہ خدا میں خرچ کرنا اور وہ بھی اپنی کمائی ہوئی چیزوں سے یہ گویا بام ربا سے اُترنے کا دوسرا زینہ تھا اچھی چیز کی تفسیر بہت شرح طلب ہے لیکن مختصر طور پر اس جگہ

أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ

موجود ہے اور قرآن کریم کے دوسرے مقام پر فرمایا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ یعنی تم ہرگز ہرگز اس نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی عزیز ترین اشیا کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ اپنی محبوب و مرغوب اشیاء کا رضاء مولیٰ کے لیے دیدینے کا سبق جس انسان کامل صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو پڑھایا ہے۔ اس سے اسکی اپنی پاکیزہ فطرت اور باخدا طبیعت کا پتا ملتا ہے دنیا کے تمام محبوبات و مرغوبات کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر قربان کرتا ہے اور دنیا اور اسکے جاہ و جلال کا خواہشمند اور آرزومند نہیں مختصر یہ کہ اچھی چیز مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ کو اگر لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ سے ملا کر پڑھیں تو نہایت صاف اور واضح ہو جاتا ہے۔ اور البر کے معنے خود قرآن کریم نے پارہ دوم میں لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الآخر میں بڑی وضاحت سے کیے ہیں (جو ہمنے تفسیر القرآن پارہ دوم میں تصریح کرکے لکھے ہیں) +

برکات کے صدور کا موجب اور مقتضی صفت رحمٰن ہے اور انسے فوائد اور نتائج حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ کی صفۃ رحیم ہے۔ رحمانیت کی کیفیت یہ ہے کہ بدون سبقت کسی عمل عامل کے یہ صفت جوش میں آتی ہے جیسے انسان کی وہ تمام ضروریات زندگی ہوا۔ پانی۔ آگ۔ سورج۔ چاند۔ وغیرہ وغیرہ بدون کسی دعا اور عمل اس کو بلاتفریق کافر و مومن دیئے گئے ہیں۔ کوئی شخص دعوے کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میرے فلاں عمل کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح پر انسان کی روحانی ضرورتوں کے پورا کرنے کا سامان اور ابدی راحت کا ذریعہ کلام الٰہی ہی بدون کسی عمل اور دعا کے محض رحمانیت ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا بھی ہے اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْآنَ۔ اور چونکہ قرآن کریم کے فیوض و برکات سے بہرہ ور اور برخوردار ہونے کے لئے سعی اور مجاہدات کی ضرورت ہوتی ہے اور مجاہدات اور مساعی پر ثمرات کا مترتب کرنا یہ صفت رحیمیت ہی کا تقاضا ہے لہٰذا قرآن کریم کے فیض سے مستفیض ہونے کے اسباب کو صفت رحیمیت کے ذکر سے ادا کر دیا۔ اور اکتساب فیض بعد نزول کلام الٰہی تھا۔ اس لئے رحیم کی صفت کو بھی رحمٰن کے لفظ کے بعد میں رکھا۔

پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ابتداءً بیان فرمانے میں یہ بھی سر ہے کہ تا اُس ذات مستجمع جمیع صفات کاملہ سے مدد طلب کی جاوے جس کی صفات رحمٰن اور رحیم ہیں اور اس سر کو خود خدا تعالےٰ نے سورۃ الفاتحہ میں ان دونوں صفات کے تکرار سے بتلا دیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ تا طالب حق قرآن کریم کی تفہیم اور تعلیم میں مایوس نہ ہو بلکہ اس کے مدنظر رحمٰن اور رحیم خدا کی عظیم الشان صفات کا مفہوم رہے کہ وہ محض فضل و کرم سے ایسے اسباب بہم پہونچاویگا جو اس کے حصول کے لئے ضروری ہیں اور ان اسباب کی رعایت سے جدوجہد کرنے پر عمدہ نتائج بھی دیگا۔ اور جب اس طرح پر استمداد الٰہی کر چکے تو پھر خدا کے حضور یوں گویا ہو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ۔ الرَّحِيْمِ۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ ترجمہ۔ اللہ جس کا نام ہی تمام اقسام تعریفوں کا مستحق ہے اور ہر ایک تعریف خواہ بلحاظ ظاہر کے خواہ باعتبار باطن کے کیا باعتبار ذاتی کمالات کے یا باعتبار عجائبات قدرت کے غرض ہر قسم کی حمد و ثنا اسی اللہ کو سزاوار ہے جو ربّ العالمین۔ رحمٰن رحیم اور مالک یوم الدین ہے۔ ہم (اے صفات کاملہ والے مولا!) تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور مدد بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔ ہم کو وہ سیدھی راہ دکھلا (جو تجھ تک پہونچنے کی قریب ترین راہ ہے) جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہوا نہ ان لوگوں کی راہیں جن پر تیرا غضب دنیا میں ہی آیا۔ اور نہ ان لوگوں کی راہ جو راہ راست سے بھٹک گئے۔

سورۃ الفاتحہ کی ان آیات سے اولاً اس اللہ کا پتہ لگتا ہے جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے وہ ربّ العالمین ہو کر مبداء ہے تمام فیوض کا اور رحمان ہو کر معطی ہے اقسام انعامات کا اور رحیم ہو کر تمام سودمند دعاؤں اور کوششوں کا قبول کرنے والا ہے اور مالک یوم الدین ہو کر فرمانبردار اور نافرمان کو جزا اور سزا دینے والا ہے۔ سورۃ الفاتحہ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے اس لئے شروع کیا گیا کہ خدا تعالےٰ کی عبادت روح کے جوش اور کشش سے ہو اور ایسے جذب و جوش سے جو محبت صادق کا خلاصہ اور عطر ہو مگر ایسا جوش کسی کی نسبت اسوقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ وہ ایسی کامل خوبیوں کا جامع ہے جن کے ملاحظہ سے دل بے اختیار تعریف کرنے لگتا ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ کامل تعریف کمال حسن اور کمال احسان سے پیدا ہوتی ہے۔ اور قرآن کریم اسی عظیم الشان مقصد کی طرف رہبری کرتا ہے تاکہ اللہ کریم کے کامل حسن اور کامل

ان آیات پر یکجائی نظر کرنے سے یہ راز حرمت ربا کا معلوم ہوتا ہے کہ غربا اور مساکین کی حفاظت اور دستگیری کیجاوے اور باہم بنی نوع انسان میں عموماً اور مومنین مسلمین میں خصوصاً تعلقات اتحاد و یگانگت مضبوط ہوں اور ان کے معاملات داد و ستد اخوت اور مروت کے طریق پر ہوں انمیں رضاء الٰہی مقصود ہو نہ وہ سنگدلی اور قساوت قلبی بڑھانیکا موجب +

قرآن کے حقائق اور معارف کے سمجھنے کے لیے جہاں اور بہت سی ذرائع اور اسباب ہیں انمیں سے ایک تاریخ بھی ہے خصوصاً مکہ اور مدینہ کے عام حالات - لوگوں کے اخلاق و عادات ان کے رسم و رواج اور باہمی تعلقات کا اگر علم ہو تو قرآن شریف کے مضامین عالیہ سمجھنے میں بہت بڑی مدد ملتی ہے اور نہ صرف مدد ملتی ہے بلکہ قرآن شریف کی شان بلند و بلند رنگ کا اسی سے پتا ملتا ہے + مثلاً اسی مسئلہ ربا کے متعلق جب ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو اسوقت ان لوگوں میں ایکدوسرے کی ہمدردی مروت اور مساکین کی دستگیری اور اعانت کا طریق بالکل مفقود تھا دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ خود غرضی ان میں کام کر رہی تھی - اسلیے اگر باہم داد و ستد ہوتی تھی اور کوئی کسیکو قرض دیتا تھا تو کئی چند لیکر بیچارے **مدیون** کو تباہ کر دیتا تھا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس انسانی ہمدردی کی بیخ کن اور اخلاق فاضلہ کو تباہ کرنے والی بدعادت کو ان لوگوں میں پایا تو اللہ تعالیٰ کے اعلام و وحی سے آپنے اسکے استیصال کا بھی حکم سنایا کیونکہ جیسے آپ دوسری بربادی بخش اور تباہ کن خصائل و عادات سے بچانے آئے تھے امر **بالمعروف و نہی عن المنکر** کے ماتحت اس اصل کو بھی نیست و نابود کرنا ضروری تھا - چنانچہ واقعات بتاتے ہیں اور تاریخ شہادت دیتی ہے کہ وہی لوگ جو سود لینے میں بڑے سنگدل اور قسی القلب تھے باہمی ہمدردی اور شفقت علیٰ خلق اللہ کا نمونہ ٹھہرے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کا زندہ ثبوت +

غرض

چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک شائع متعارف خطرناک بدرسم کا استیصال کرنا چاہتا ہے اس لیے نہایت ہی فصیح و بلیغ طرز سے اسکی تمہید اُٹھائی ہے + اگر کوئی شخص فن تقریر کی خوبیوں سے کچھ بھی مذاق رکھتا ہے تو وہ قرآن کریم کے اس سلسلہ کو پڑھکر ذوق اور لذت سے بھر جائے گا اور بے اختیار ہو کر اسکی روح سجدہ کرنیکے لیے گر پڑیگی دیکھو قرآن کریم کس زور اور عمدگی سے اس تمہید کو اُٹھاتا ہے - سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنیکی ہدایت کی ہے اور اس مال کی جو راہ خدا میں خرچ کیا جاوے مثال اس دانہ سے دی ہے جو زمین میں بویا جاتا ہے اور جسکو سات بالیں لگتی ہیں اور پھر ہر ایک بال میں بہت سے دانے ہوں + اس میں وسعت رزق اور افزونی مال کا ایک گر بتایا ہے - کیونکہ سود کے ذریعہ بھی سود خوار اپنے روپیہ کو بڑھانا چاہتا ہے - اس لیے اس فطرتی خواہش اور مقصد کے پورا کرنے کا وہ مفید اور احسن طریق بتایا جو بنی نوع انسان کی دستگیری کا باعث اور افزونی مال کا موجب ہے - چونکہ بظاہر خرچ کرنے سے اسکے بڑھنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی اسلیے اسکو ایک ایسے بدیہی منظر اور مشاہدہ سے ثابت کیا جس کا انکار ایک معمولی زمیندار بھی نہیں کر سکتا - وہ دانہ جو مٹی میں ڈالا جاتا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ ایک دن یہی دانہ ہزاروں دانوں کا ذریعہ ہوگا - لیکن مشاہدہ صحیحہ بتا رہا ہے کہ یہی دانے جو اوائل میں نذر خاک کر دیے گئے تھے ایک بیش قیمت خرمن کا اصل ثابت ہوتے ہیں - اسیطرح جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو شخص نوع انسان کی ہمدردی اور خیر خواہی کے لیے خرچ کرتا ہے اس وقت گو وہ دیکھتا ہے کہ یہ مال ضائع ہی گیا لیکن اس دانہ کی طرح آخر وہ پھل لاتا اور برکت کا باعث ثابت ہوتا ہے - اس سے بہتر **تمہید** سود کے استیصال کے لیے کیا ہو سکتی تھی ؟ ہم وہ الفاظ اور طرز بیان نہیں پاتے جس میں اس تمہید کے **طرز ادا** کا ذکر کر سکیں +

پھر اس **انفاق** کے لیے یہ بتایا کہ وہ کسی پر احسان نمائی اور ایذا دہی کے لیے نہو بلکہ بیغرض ہو کر محض انسانی ہمدردی

اپنے حضور عرض کرنے کے لئے سکھائی ہے۔ اور یہ اس کی قبولیت کا نشان ہے۔ یہ امر انسانی عقل سے باہر تھا کہ خدا تعالےٰ کے حضور کوئی ایسی جامع اور اعلیٰ درجہ کی دعا بنا کر پیش کرتا۔ اس لئے مولا کریم نے اس کی کمزوری پر رحم کرکے خود ہی اس کو اپنے حضور عرض کرنے کے لئے ایک دعا تعلیم کی جو تمام انسانی ضرورتوں کی خواہ وہ جسمانی ہوں خواہ روحانی متکفل ہے۔

بعض کوتاہ بین کم ظرفوں نے اعتراض کیا ہے کہ جبکہ قرآن کریم کو کتاب اللہ اور منجانب اللہ قرار دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے شروع میں بسم اللہ کا ہونا۔ یا ایاک نعبد وغیرہ ایسے کلمات کا اندراج بتلاتا ہے کہ یہ معاذ اللہ خدا کا کلام نہیں؟ اس کے جواب میں اسیقدر کہنا کافی ہو سکتا ہے کہ کسی کی صداقت کی منجملہ اور دلائل کے ایک یہ بھی زبردست دلیل ہے کہ اس کا قول اور فعل باہم مطابق ہوں ٹھیک اسی طرح پر خدا تعالےٰ کے قول اور فعل پر اگر نگاہ کی جائے تو معلوم ہوگا کہ انہیں باہم کیسی مطابقت ہے۔ قرآن کریم جو خدا کا قول ہے اور نظام قدرت جو اس کی فعلی کتاب ہے باہم مطابقت رکھتے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قانون قدرت میں تین قسم کا کلام ہے۔ اولاً ہم دیکھتے ہیں کہ ایک جاہل۔ اُجڈ۔ ان پڑھ انسان گورنمنٹ میں کسی عرضی نویس سے کوئی عرضی لکھوا کر پیش کرتا ہے حالانکہ وہ عرضی یا تحریر اس کی اپنی تحریر اور کلام نہیں ہوتا تاہم کوئی اس کو جھٹلا نہیں سکتا۔ ثانیاً حاکم کا منشی یا سررشتہ دار مستغیث کوئی باضابطہ عرضی کا مضمون لکھدیتا ہے۔ ثالثاً خود گورنمنٹ کوئی مضمون بنا کر شایع کر دیتی ہے اور اس مضمون کے فارم اور نقشہ ہر وقت چھپے ہوئے موجود رہتے ہیں سائل کو اُسپر صرف دستخط کر دینے ہوتے ہیں یا پیش کر دینا ہوتا ہے۔ اب اسی طریق پر اگر خود خدا تعالےٰ اپنے عاجز و کمزور بندوں کو ایک جامع دعا تعلیم فرما وے تو اس میں کیا استبعاد عقلی لازم آتا ہے۔

علاوہ ازیں انسان جو اپنے بنی نوع۔ ہم نشینوں۔ قرابت داروں تک کی رضا کی باتوں کو کما ینبغی معلوم نہیں کر سکتا جبتک کہ اس کو بتلایا نہ جائے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدا تعالےٰ جو وراء الوراء ہستی ہے اس کی رضا جوئی کی راہوں کو اسی کے القاء اور الہام کے بدون سمجھ لے۔ غرض یہ ایک دعا ہے جو اپنے اندر ان تمام کمالات کو رکھتی ہے جو انسانی ضرورتوں کی انتہا ہو سکتے ہیں۔

اب ہم اصل منشاء کے موافق سورۃ الفاتحہ کو بیان کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کی عظمت اور بڑائی سے شروع کرتا ہوں جو بن مانگے دینے والا ہے اور سچی محنتوں کو ضایع نہیں کرتا۔ باء استعانۃ اور مدد طلب کرنے کے لئے ہے اور اس جگہ باء کو مدد طلب کرنے کے لئے ہی سمجھنا مناسب ہے۔ ایاک نستعین اور واللہ المستعان جس کے معنے ہیں تجھی سے مدد مانگتا ہوں اور تو ہی مدد مانگا گیا ہے ان معنوں کے لئے بڑی تائید کرتا ہے۔

اللہ۔ جو تمام صفات کاملہ اور عالیہ سے متصف اور جمیع رزایل و نقصان سے منزہ ہو۔ خدا تعالےٰ کا ذاتی نام اور اسم اعظم ہے۔

الرحمٰن۔ بے محنت انعام دینے والا۔ اور رحم بلا مبادلہ کرنے والا۔

الرحیم۔ حسب قوانین الٰہیہ انسانی محنتوں اور کوششوں پر ثمرات حسنہ مترتب کرنے والا۔

قرآن کریم کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بیان فرمانے اور اس مقام پر خصوصیت کے ساتھ رحمٰن اور رحیم کی صفت کے اظہار سے یہ غرض ہے تاکہ معلوم ہو کہ کلام الٰہی کا نزول اور اس کے انوار و

توحید الٰہی اور خداشناسی کی اور کیا تعلیم ہو سکتی ہے ؟ کاش کوئی سوچے !!!
غیر اللہ کے نام پر دینے کے ایک اور معنی لطیف بھی معلوم ہوتے ہیں کہ اگر تم کسیکو اعانت اور مروت کے طور پر کچھ مدد دو۔ تو اس مال کو اپنا سمجھکر نہ دو بلکہ یہ خیال کرکے کہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اسی کا مال ہے اسکے بندوں کی دستگیری کے لیے میں دیتا ہوں۔ میں اس مال پر اپنا کوئی اختیار نہیں رکھتا جب انسان اس مرحلہ ایمان پر پہونچا ہوا ہوگا پھر سود لینے کے کیا معنے ؟ یہ ایک ایسی حکیمانہ تعلیم ہے جس کے ایک ایک لفظ میں صدہا دفاتر توحید۔ تہذیب۔ تمدن اور اخلاق کے مخفی ہیں +

اس کے بعد پھر انفاق اور صدقات کی صورت پر بحث کی کہ علانیہ دو تو اچھا ہے اور اگر چھپا کر دو تو بہت ہی اچھا ہے۔ یہ جملہ بھی خدا کی مجید و حکیم کتاب میں عجیب ہے۔ جسپر غور کرنے سے ایک دوراندیش دل اور سلیم فطرت رکھنے والا انسان خاص قسم کا حظ پاتا ہے۔ عام طور پر طبائع انسانی کا رجحان اسی طرف ہے کہ وہ نام و نمود چاہتے ہیں۔ پس اگر مخفی طور پر دینے کا ہی حکم ہوتا تو ممکن تھا کہ بہت سی کمزور طبائع اس سے متاثر نہ ہو سکتیں اور اس نیکی سے محروم رہ جاتیں۔ اور ساتھ ہی ظاہر دینے میں بعض اوقات تقلید کرنے انسان فائدہ اٹھالیتا ہے کیونکہ یہ بھی ایک انسان کا فطرتی خاصہ ہے کہ وہ اپنے محسن کی تقلید کرنی چاہتا ہے نیکی میں بھی اور بدیوں میں بھی کرتا ہے اسلیے جب ایک شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں بذل مال کرے گا تو دوسرے کو بھی اس نیک کام کی تحریک ہوگی۔ ان مفاد اور مصالح کے لحاظ سے تو فرمایا کہ اگر علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن مخفی دینا اس سے بھی زیادہ بہتر اور مفید تھا اسلیے اسکے متعلق بھی فرمایا

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

یعنی اور اگر تم اسے چھپاؤ اور فقرا کو دو تو وہ اور بھی تمھارے لیے مفید ہے اور تمھاری بدیوں اور گناہوں کی پردہ پوشی کا موجب ہوگا
اب اس حصہ آیت کو پہلے حصہ ان تبدوا الصدقات فنعما ھی اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے سے مقابلہ کرو۔ اور اس ترکیب پر غور کرو۔ پہلے حصہ میں فنعما ھی فرمایا مگر دوسرے حصہ میں فھو خیر لکم ویکفر عنکم سیاٰتکم فرمایا۔ پہلے حصہ میں ھی کو فنعما کے بعد لانے اور دوسرے میں فھو کو مقدم کرنے سے جو زور اور تاکید بڑھتی ہے وہ ایک علمی بات ہے جو علم معانی کے جاننے والوں سے مخفی نہیں ہوگی۔ اور اگر میاں اسپر تفصیلی بحث کریں تو اس مضمون کے بہت طویل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ پھر دوسرے حصہ میں یکفر عنکم سیاٰتکم بھی ایک نتیجہ مخفی خیرات کا بتایا ہے چونکہ جزاء بالمثل ہے۔ اس لیے جیسے خیرات میں ایک خفا تھا ویسے ہی اسکے نتائج میں یہ خفا پیدا ہوا کہ وہ خیرات کنندہ کی کمزوریوں اور لغزشوں کو چھپالے گا +

اور یہ بھی مسلم بات ہے کہ جب انسان مخفی طور پر خیرات کرتا ہے تو اس میں وہ طبعی تقاضا نام و نمود اور شہرت کا بھی جو اخلاص کامل کی راہ میں ایک کمزوری ہی ہے دور ہو جاتا ہے اور اصل غرض رضاء الٰہی ہو جاتی ہے علاوہ اس کے اخلاق فاضلہ اور صفات حمیدہ میں خاص قسم کی ترقی ہوتی ہے خصوصاً اس سے وقار۔ استقلال۔ تحمل اور عظمت پیدا ہوگی۔ اخفاء راز کی قوت بڑھے گی جس کے ساتھ انسان غیبت اور بدگوئی سے بچ سکے گا۔ اور بدظنی سے پرہیز کرے گا۔ جس سے اسکی وقعت اور شہرت بجائے خود دوسرے رنگ میں پہلی صورت سے بھی بڑھ کر پیدا ہوگی۔ اور اس طریق خیرات و صدقات کو اللہ تعالیٰ نے افضل ٹھیرایا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ فھو خیر لکم اور یکفر عنکم سیاٰتکم کے الفاظ فنعما ھی کے مقابلہ میں بہت ہی پر زور ہیں +

اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے علیم ہونے کی صفت کا اظہار کرتا ہے اس صفت کے اظہار کی غرض جیسا کہ ہم پہلے بیان

ابن اللہ کے ڈھکوسلوں کے خدا میں دکھلائے ہیں۔ ایسا ہی برہموؤں نے ربوبیت تامہ سے انکار کر دیا ہے جبکہ وہ مانتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے انسان کی روحانی تربیت اور اصلاح کے لئے کوئی کامل قانون اور ہدایت نامہ نہیں بھیجا ہی باوجودیکہ اس چند روزہ فانی زندگی کے لئے خدا تعالےٰ کی ربوبیت کے لاانتہا فیضان ہر آن دیکھتے ہیں۔ اسی طرح پر ہمارے ناعاقبت اندیش اندرونی مخالف شیعہ لوگوں نے غلطی کھائی ہے اور بدظنی سے یہ تجویز کر لیا کہ خدا تعالےٰ نے اپنے حبیب صادق انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ برس کی دردمندانہ دعاؤں کو نہ سنا۔ اور عمر بھر انکو ایک بھی وفادار دوست نہ ملا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ الغرض اس طرح پر الحمد للہ رب العالمین کہہ کر اللہ کریم نے تمام مذاہب باطلہ کی تردید فرمائی ہے۔

اب دوسری خوبی جو رب العالمین کی نسبت اپنے اندر کچھ خصوصیت رکھتی ہے اور دوسرے درجہ کا احسان ہے وہ رحمٰن کے لفظ سے ظاہر کیا ہے اور ترتیب طبعی بھی یونہی چاہتی تھی کیونکہ اوّلاً عدم سے نکل کر وجود پذیر ہونا ضروری ہے پھر اس کا کمال اور نشوونما جو رب کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ صفت بہت ہی عام ہے مگر رحمٰن کی صفت اپنے اندر ایک خصوصیت رکھتی ہے کیونکہ وہ ذی روح مخلوق تک اپنا فیض پہونچاتی ہے۔ اور قرآن شریف کی اصطلاح میں رحمٰن اس لئے خدا کا نام ہے کہ وہ ہر ایک جاندار کو جس میں انسان بھی داخل ہے اس کے مناسب حال صورت۔ سیرت عطا فرماتا ہے اور اس کی طرز زندگی کے مناسب حال جس قسم کی قوتوں اور طاقتوں کی ضرورت تھی یا جیسی بناوٹ اس کے حسب حال تھی اس کو عطا کرتا ہے۔ اور پھر اس کی بقا کے لئے جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ بدون کسی فعل اور دعا کے محض اپنے کرم سے اس کے لئے مہیا کرتا ہے۔ چونکہ کلام پاک کا منشاء نوع انسان کی بہتری اور بھلائی مقصود ہے اس لئے یہاں صفت رحمانیت کے اظہار سے اُن احسانوں کا یاد دلانا ہے جو تمام مخلوق پر ہوئے ہیں اور انسان جبکہ سب مخلوق سے فائدہ اٹھاتا ہے تو اسطرح پر گویا وہ کل احسان مجموعی طور پر انسان ہی پر ہیں۔ اس لئے اس کو صفت رحمانیت کے بے انتہا احسانوں کو نصب العین رکھنے کے لئے اس صفت کا اظہار فرمایا۔

اس موقع پر اس امر کا اظہار بھی بے فائدہ نہ ہوگا اگر یہ کہدیا جائے کہ کل مذاہب باطلہ نے خدا تعالےٰ کی اس صفت کا بھی انکار کیا ہے۔ عیسائیوں نے تو خدائے حقیقی کے وجود کو ابن مریم کے وجود میں ڈھال کر خدا تعالےٰ کی تمام صفات سے ہی انکار کر دیا اور رحم بلا مبادلہ کو ناجائز قرار دیکر کفارہ کی بے بنیاد عمارت کھڑی کی۔ برہموؤں نے کلام الٰہی کی عدم ضرورت قرار دیکر رحمانیت کا انکار کیا۔ آریہ سرے سے ہی خدا کی تمام صفات سے منکر ہیں اور وید کے بعد خدا کو گونگا قرار دی بیٹھے ہیں۔ ایسی ہی غلطی ہمارے اُن اندرونی مخالفوں نے کھائی ہے جو الہام الٰہی اور فیوض رحمانی کا سلسلہ ایک خاص عرصہ تک مان کر رحمانیت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب کوئی مجدد خدا سے ہمکلام ہونے والا نہیں آسکتا۔

پھر تیسرا درجہ احسان کا خدا تعالےٰ نے الرحیم کے لفظ سے ظاہر فرمایا ہے۔ اور رحیم خدا تعالےٰ کی وہ صفت ہے جو لوگوں کی دعاؤں اور تضرع اور اعمال صالحہ کو قبول فرما کر آفات اور تضیع اعمال سے انکو محفوظ رکھتی ہے۔ یہ انعام اور احسان رحمان کی نسبت اور بھی خصوصیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ رحمان میں کفر و زندقہ اور اعمال کا تعلق نہ تھا مگر رحیمیت میں اعمال کا تعلق ضروری ہے یعنے انسان خدا تعالےٰ کے دیئے ہوئے انعاموں سے کام لیکر جب کسی دوسری چیز کے لئے محنت کرے تو اس کی محنت اور کوشش کو ضایع نہ کرنا اور ان محنتوں اور کوششوں پر ثمرات حسنہ مترتب کرنا یہ رحیمیت کا منشاء ہے۔ رحیمیت اپنے فیضان کے لئے موجود ذوالعقل کے مونہہ سے نیستی اور عدم کا اقرار چاہتی ہے اور صرف نوع انسان سے تعلق رکھتی ہے۔ اور یہ پہلی صفت ہے جو منشاء دعا کو اپنے اندر رکھتی ہے کیونکہ ربوبیت اور رحمانیت سے اکتساب فیض کے لئے دعا کی ضرورت نہیں ہے مگر رحیمیت اعمال اور دعا کو چاہتی ہے کیونکہ یہ صفت نوع انسان سے تعلق رکھتی ہے اور حیوان ناطق اپنے نطق سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ رحیمیت کے تیسرے درجہ پر رکھنے سے انسان احسان الٰہی کے مراتب اور مدارج

غرض

اچھی چیز کی ہدایت فرمائی اور اس میں ایک اور راز بھی مضمر ہے جو آیندہ آیات قرآنی میں صفائی کے ساتھ کھول دیا گیا ہے
اس تصریح کے بعد اللہ تعالیٰ کا مقصد چونکہ اخلاص سکھانا ہے اسلیے یہ تنبیہ کی ہے کہ ان صدقات اور خیرات سے
کہیں تم یہ نسمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے صدقات وخیرات کا محتاج ہے (سُبحَانَ اللہ تعالیٰ شانہ) اسلیے فرمایا

وَاعْلَمُوا اَنَّ اللہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ

یعنی یہ بخوبی جان رکھو کہ ہماری ذات سراسر بے نیاز اور سزاوار حمد وثنا ہے +

اس کے بعد تنگ دستی اور بخل کا ذکر کیا ہے اور وسعت رزق کا راز بتایا ہے۔ تنگدستی اور فقر کا خیال کر کے بخل کرنا یہ شیطانی فعل ہے کیونکہ ایسا وہم یہ گمان کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہم مال خرچ کریں تو مفلس و قلاش ہو جائیں گے انسان کو انسانیت کی اعلیٰ صفات۔ استقلال۔ ہمت۔ جوانمردی۔ مروت اور سخاوت سے محروم کر دیتا ہے اسمیں وسعت خیال نہیں رہتی تنگ ظرفی اور تنگ خیالی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر توحید کے منافی یہ امر ہے کیونکہ وہ اس مال ومنال کو اپنا خدا اور مشکلکشا تصور کرنے لگتا ہے۔ اس لیے ان کمزوریوں سے بچانے کے لیے اور اخلاق فاضلہ اور برکات کاملہ کے حاصل کرنے کا طریق بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ انفاق فی سبیل اللہ مغفرت کی راہ ہے جو اللہ تعالیٰ بتاتا ہے اور وسعت رزق کا راز اس میں مرکوز ہے۔ **ولنعم ماقیل**

نہ بذل مال در راہش کسے مفلس نمیگردد خدا خود می شود ناصر اگر ہمت شود پیدا

اس ذکر کے ضمن میں اللہ تعالیٰ حکمت کے حصول کی تدبیر بتاتا ہے۔ اور وہ بھی بذل مال ہے۔ حقیقت میں انفاق فی سبیل اللہ سے دل میں ایک کشایش اور سینہ میں وسعت اور انشراح پیدا ہوتا ہے جس سے اسرار الٰہیہ کے سمجھنے کی راہ کھلتی ہے +
پس ان آیتوں میں منشاء الٰہی یہ ہے کہ وہ یہ بتائے کہ جن لوگوں میں فہم وادراک موجود ہے اور جو اولوالالباب ہیں وہ نعمہائے کثیرہ اور برکات وافرہ کے وارث ہوتے ہیں کیونکہ انھیں حکمت دیجاتی ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں اور وہ اطاعت انھیں فائز المرام کر دیتی ہے۔ اسمیں یہ بھی راز ہے کہ یہ احکام جو بذل مال اور محق ربا کے متعلق دیے جاتے ہیں یہ ایسے صاف اور صریح اور روشن ہیں اور ان کے ساتھ تمدن۔ تہذیب اور نفع رسانی مخلوق اسی طور پر وابستہ ہے کہ ہر اہل دانش کو اپر عمل کرنے کے لیے طیار ہونا چاہیے +

اس کے بعد اللہ تعالیٰ **فطرت انسانی** کے عام تقاضے اور منشاء کے موافق اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ جو صدقات تم کرتے ہو ہم انھیں بخوبی جانتے ہیں اسکی ضرورت اس لیے ہوئی کہ عام طور پر انسانی فطرت میں یہ امر ودیعت رکھا ہوا ہے کہ وہ جب کسی کے حکم کی تعمیل کرتا ہے تو سب سے پہلے اسے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جس نے مجکو یہ حکم دیا ہے اور میں جو اس سرگرمی اور جوش کے ساتھ اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں کیا وہ بھی میری اس فرمانبرداری اور اطاعت کا علم رکھتا ہے؟ کیونکہ انسان اس علم سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور بوجہ نفع پسند منتہی ہونے کے چاہتا ہے کہ اگر اسے علم ہوگا تو وہ اسکی قدر کرے گا + پس اسی تقاضاء فطرت کے موافق اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ تم جو کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہو ہم اسے جانتے ہیں۔ اور ساتھ ہی جیسا کہ قرآن کریم کا اصل منشاء اور مقصد ہے وہ اللہ تعالیٰ کی **توحید** کو قائم کرنا چاہتا ہے اور کسی ایسے فعل میں جو محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہو کسی دوسرے کو شریک نہیں کرنا چاہتا اسلیے اللہ تعالیٰ اپنی کبریائی اور جلالت شان کے ساتھ فرماتا ہے کہ **مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ** +

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کے لیے کوئی صدقہ یا نذر ہرگز جائز نہیں ہے۔ ایسا فعل اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید کو ہٹا دیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے والا اور پھر اس سے کوئی بچانے والا نہیں ہوتا + اس سے بڑھکر

احسان پر دنیا کو اطلاع ملے اور اُس بے مثل و بے مانند ہستی کی طرف، جو ہمہ نور اور ہمہ احسان ہے روح کے جوش اور کشش سے چلے آئیں نہ ایسی تکلیف کا جُوا انسان کے کندھے پر رکھا جائے جسکو وہ برداشت نکرسکے اس لئے اس پہلی سورۃ میں جو اُمّ الکتاب کہلاتی ہے نہایت لطیف پیرایہ میں یہ نقشہ دکھایا ہے کہ وہ خدا جس کی طرف قرآن کریم بلاتا ہے کیسی خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے۔ سو اسی غرض سے اس سورہ شریف کو الحمد للہ سے شروع کیا گیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ سب خوبیاں اور تمام ستائشیں اُسی ذات کے لئے سزاوار ہیں جس کو اللہ کہتے ہیں اور قرآن کریم کی اصطلاح کے بموجب اللہ اُس ذات کا نام ہے جس کی تمام خوبیاں حسن و احسان کے نقطہ کمال پر پہونچی ہوئی ہوں اور کوئی نقص اس میں نہ ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں تمام صفات کا موصوف اللہ ہی ٹھہرایا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا حُسن کیسا ہے اور اسی کمال حسن کی وجہ سے حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کا نام نور ہے اللہ نور السمٰوات والارض یعنے اللہ تعالیٰ زمین آسمان کا نور ہے اور احسان کی خوبیاں اللہ تعالیٰ میں بہت ہیں جن میں سے چار بطور اصل الاصول اور اُمّ الصفات کے اس سورہ شریف میں بیان فرمائی ہیں۔ اور ترتیب طبعی کے لحاظ سے وہ پہلی خوبی رب العالمین ہے یعنے پیدا کرنا اور کمال مطلوب تک پہونچانا تمام عالموں میں جاری ہے۔ عالم۔ اسم آلہ ہے مایعلم بہ۔ خدا تعالیٰ کی ذات کا مظہر۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان کا ذریعہ۔ عالم ارضی۔ عالم سماوی۔ عالم اجسام۔ عالم ارواح وغیرہ سب عالم اس کی ربوبیت سے پرورش پا رہے ہیں اور یہاں خود انسان کو اپنی حالت نطفہ بلکہ اس سے بھی پیشتر جو عالم اس پر گذرے ہیں یا آیندہ گذریں گے ان سب میں اسی چشمہ ربوبیت سے فیضیاب ہونے پر اطلاع دی ہے۔ کیونکہ گو ربوبیت ہر موجود کی موجد اور ہر ایک ظہور پذیر چیز کی مربی اور مکمل ہے۔ لیکن بہ حیثیت احسان کے سب سے زیادہ فائدہ اور فیض انسان حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی کل مخلوقات سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے اس لئے یہاں انسان کو یاد دلایا ہے کہ تمہارا خدا رب العالمین ہے تاکہ انسان کی امید زیادہ ہو اور یقین کرے کہ ہمارے فائدے کی خاطر خدا تعالیٰ کی قدرتیں وسیع ہیں اور طرح طرح کے عالم اسباب ظہور میں لا سکتا ہے۔ یہ امر بھی اس موقع پر پیش نظر ہے کہ ربوبیت اپنے فیضان کے لئے عدم محض یا مشابہ بالعدم کو چاہتی ہے اس لئے ہمہ نیستی ہو کر تذلل اور خشوع سے باب رب العزۃ پر گرنے والا بہرہ مند ہوگا۔ پھر رب العالمین کے اظہار میں مولا کریم نے ہر ایک دشمن اسلام کو ملزم قرار دیا ہے اور اس کی تردید فرمائی ہے۔ اس طرح پر کہ ہر ایک برا مذہب خدا تعالیٰ پر بدظنی کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ خواہ وہ بیرونی ہو۔ جیسے آریہ۔ برہمو۔ عیسائی وغیرہ۔ خواہ اندرونی جیسے شیعہ وغیرہ۔ مثلاً آریوں نے بدظنی کر کے خدا تعالیٰ کے خالق ہونے سے انکار کیا اور روح اور مادہ کو اس کی پاک ذات کی طرح غیر مخلوق اور واجب الوجود اور موجود بوجود حقیقی مان لیا۔ حالانکہ عقل سلیم خدا تعالیٰ کی نسبت یہ نقص صریح سمجھتی ہے کہ وہ کسی چیز کا خالق نہ ہو۔ اب صاف سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب آریوں کا مسلہ خدا کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتا تو وہ اس کا اصلی رب اور مالک کب ہو سکتا ہے۔ اور اسی اعتقاد نے آریوں کو اس بدظنی پر مجبور کر دیا کہ وہ یہ مان لیں کہ وہ اپنے کسی پیارے اور عابد کو ابدی نجات نہیں دے سکتا۔ اس طرح پر مایوس کر کے گویا اس کی تمام امیدوں کا خون کر دیا۔ ایسا ہی عیسائیوں نے اب یعنے خدائے باپ کہکر صفت ربوبیت کے منشا کو کھو دیا۔ باپ کو بچے کے ساتھ ایک عارضی تعلق ہوتا ہے اور وہ دوام اپنے اندر نہیں رکھ سکتا۔ نشو و نما اور قوائے ظاہری و باطنی کی ترتیب کا تعلق باپ سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ حالانکہ رب کا تعلق ہر حالت اور ہیئت میں ہوتا ہے۔ پس عیسائیوں نے بھی گویا خدا کو معطل اور بیکار محض قرار دیدیا علاوہ اُن نقایص کے جو انھوں نے کفارہ اور

یورپ اور امریکہ میں گداگری کو روکنے کے لیے بہت تجاویز کی جاتی ہیں اور محتاجوں کی دستگیری کے لیے بھی تجاویز سوچتے رہتے ہیں لیکن اسلام جس پاکیزہ طریق سے اس مذموم پیشہ کو روکتا اور معًا جائز مستحقین کی دستگیری کی تاکید فرماتا ہے وہ دنیا میں ایک لاثانی **قانون** ہے اور وہ مجید و حکیم کتاب قرآن نے بیان کیا ہے **والحمد للہ علیٰ ذالک**

یہ قانون اور گولڈن رول محض اسی لیے لاثانی نہیں کہ وہ خدا کی کتاب میں ہے بلکہ وہ واجب العمل ہے ۔ اور **تمدن و تہذیب** کے اعلیٰ مقام پر واقع ہے کیا وہ کتاب اور اُس کا یہ حکم کہ اگر کوئی کُرتہ مانگے تو پیراہن بھی دیدے اس کا مقابلہ کر سکتی ہے اگر نرا لفظ پرست کوئی شخص ہو تو ممکن ہے کہ اس فقرہ پر خوش ہو جاوے یہ فقرہ تمدن و تہذیب کا بیخ کن اور گداگری کو بڑھانے والا اور معًا ناقابل عمل ہے کیا عیسائی دنیا اسپر عمل کرتی ہے یا کبھی کر سکتی ہے؟ کبھی نہیں یہ فخر اسلام اور اسکے قوانین ہی کو ہے کہ ایک بھی حکم ایسا نہیں جو دنیا کے کسی حصہ اور انسانوں کے کسی طبقہ میں ناقابل عمل ہو ۔

غرض

اسطریق پر ایسے مضمون کی تمہید اللہ تعالیٰ نے اُٹھائی ہے جس کا ذکر اس رکوع میں ہے اور جو ایک اہم اور ضروری **مضمون** ہے جس کا تعلق **تمدن** اور تہذیب کے ساتھ بہت بڑا ہے یعنی مسئلہ **سود**۔ چنانچہ اس مسئلہ کو شروع کرتے وقت بھی ایسے انداز سے اسکو اُٹھایا ہے جو پڑھنے اور سُننے والے کے دل میں ایک گہرا نقش پیدا کرے۔ جو شخص خیرات و صدقات اور اپنی کمائی ہوئی پاکیزہ چیزوں کو غریبوں اور مساکین کی حفاظت اور دستگیری میں خرچ کرے گا اور اُن سے کوئی اُمید احسان شناسی اور شکر گذاری کی نہ رکھے گا بلکہ اس میں اسکی غرض محض رضاء الٰہی ہو گی کیا اس سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے کسی کمزور اور درماندہ بھائی کی دستگیری قرض سے کرے جس میں اسکو اصل روپیہ بہر حال ملتا ہے وہ اس سے سود لینا چاہے؟ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس کے لیے ضروری ہے اللہ تعالیٰ کی ان آیات پر **ایمان** جو نرے **عقیدہ** کے رنگ میں نہو بلکہ عملی صورت میں ۔

مختصر یہ کہ اس تمہید کے بعد **سود** سے تباہ شدہ قوم اور **ملک** کو چھڑانے اور اس تمدن و تہذیب کو کھا جانیوالی عادت سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ اسطرح اس مضمون کو شروع کرتا ہے کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہ ہو سکیں گے مگر اس شخص کیطرح جسکو شیطان نے مس کر کے مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔ اب جو شخص قرآن کریم کے ان پہلے مضامین پر جو ہم یکجائی طور پر دیے ہیں غور کرے گا اور ان کے بعد معًا اس **سود** کے ذکر کو پڑھے گا اسکو **سود** کے مسئلہ کا سمجھ میں آجانا کچھ مشکل نہ ہو گا ۔ حقیقت میں مسئلہ سود کچھ ایسا مشکل اور پیچیدہ بھی نہ تھا لیکن مختلف اوقات میں مختلف ضرورتوں کے پیش آنے نے اسپر جو رنگ چڑھائے ہیں اس نے اسکو ایک قفل و سوا ہی بنا دیا ہے۔ خصوصًا اس زمانہ میں جبکہ عجیب عجیب صورتیں مثلاً بنکوں یا بیمہ کرنے والی کمپنیوں اور ہنڈویوں وغیرہ کی پیدا ہو گئی ہیں جن میں مصنفین کے اپنے ذاتی خیالات اور رائے ہی ہے ۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ فقہانے جو اس مسئلہ پر بہت طول طویل بحثیں کی ہیں جس قدر بحثیں وہ کرتے گئے ہیں اسی قدر یہ مسئلہ پیچیدہ اور لاینحل سا ہوتا گیا ہے اگرچہ ہمارا ایمان یہی ہے کہ فقہانے جو کچھ کیا ہے محض نیک نیتی اور خدا ترسی سے کیا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ اگر اس مسئلہ پر فقہا کی بحثیں لکھتے ہیں تو یہ مسئلہ عام طور پر پیچیدہ ہو جاوے گا اور اگر نہ لکھیں تو شاید بعض لوگ اسکو ویسا ہی گورکھ دھندا سمجھ لیں ۔ ہم اسپر قول فیصل لکھنے کے مجاز اور قابل نہیں حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راہ میں یہ مسئلہ جیسا کہ چاہیے آیا نہیں جسپر قطعی بحث ہو کر فیصلہ ہو جاتا عام طور پر سود کے لینے اور دینے کی حرمت میں تو کسیکو کوئی کلام اور بحث ہی نہیں البتہ اس زمانہ میں جو چند صورتیں پیش آئی ہوئی ہیں مثلاً بنکوں میں روپیہ جمع کرایا جاتا ہے یا پرامیسری نوٹ خریدے جاتے ہیں وغیرہ ان پر جو سود گورنمنٹ کی طرف سے ملتا ہے اسکے جواز اور عدم جواز پر فیصلہ دینا یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے ۔

نام اللہ ہے - اس مقام پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عبادت حسن کامل کا نتیجہ اور لازمہ ہے اس لئے الحمد للہ کے لفظ میں چونکہ اللہ تعالےٰ کے کمال حسن کا اظہار تھا اس لئے اس کے مقابل میں ایاك نعبد رکھا ہے -

اور استعانت سے سلسلہ فیض شروع ہوتا ہے اس لئے ایاك نستعین کو ایاك نعبد کے بعد بیان فرمایا تاکہ وہ سلسلہ فیضان ربوبیت کے ماتحت ہو - کیونکہ بدون خدا تعالےٰ کے فیض ربوبیت کے ظاہری یا باطنی طور پر نشوونما پانا یا کوئی پاک تبدیلی حاصل کرنا یا روحانی پیدایش سے حصہ لینا امر محال ہے اس لئے ایاک نستعین کو موخر ذکر فرمایا - علاوہ ازیں چونکہ ضرورت دعا کی تعلیم مقصود تھی اس لئے ایاک نعبد کے ساتھ ایاک نستعین ذکر کیا - اور عبادت کا اصل مغز چونکہ دعا ہی ہے اس لئے بھی بلافصل ایاک نعبد کے ساتھ ایاک نستعین فرمایا تاکہ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ ہر حال میں دعا ایک ضروری چیز ہے اور عبادت کا منشا یہی ہے - اور اس امر کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ استعانت کے لئے ضرور ہے کہ اول حسن و احسان الٰہی پر نظر ہو تا دعا جوش سے پیدا ہو - اور آداب دعا میں سے مقدم یہ ہے کہ رعایت اسباب کرلی جاوے اور پھر جب دعا کے لئے جوش پیدا ہو تو بے اختیار ہو کر کہے اھدنا الصراط المستقیم - اھدنا الصراط المستقیم - الرحمٰن کے بالمقابل ہے کیونکہ ہدایت پانا کسی کا حق نہیں ہے بلکہ محض رحمانیت الٰہی سے یہ دولت ملتی ہے -

ترتیب طبعی پر غور کرنے کے بعد انسان معًا بول اٹھے گا کہ بیشک اہدنا الصراط المستقیم ہی کی دعا ضروری تھی کیونکہ جب حسن و احسان الٰہی پر اطلاع رکھتے ہوئے انسان دیوانہ وار شیدا ہو جاتا ہے تو اس کی اصل مراد اور حقیقی تمنا یہی ہوتی ہے کہ ایسے کامل الصفات خدا تک پہونچے تا کہ کامل طور پر اس کے فیوضات و برکات سے بہرہ مند ہو - پس وہ نہایت اضطراب کے ساتھ ایسی راہ کا جویا ہوتا ہے جو اقرب اور استقامت کی راہ ہو کیونکہ قانون قدرت میں ہر ایک امر کے حاصل کرنے کے لئے کچھ اسباب ہیں انہی اسباب کی رعایت سے اس مقام پر انسان اہدنا الصراط المستقیم کی دعا کرتا ہے -

ہدایت کے کیا معنے ہیں ؟ قرآن شریف میں ہدایت کے چار معنے آئے ہیں جن کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے - اولاً وہ خواص طبعی ہدایت کہلاتے ہیں جن کے ذریعہ سے کائنات کا ہر ذرہ ذرہ اپنے فطرتی اور ذاتی کام میں لگا ہوا ہے - جیسے آنکھوں کا کام ہے دیکھنا کانوں کا کام ہے سننا وغیرہ یہ خواص طبعی ہیں - چنانچہ اسی کی طرف اللہ کریم نے اشارہ کرکے فرمایا اعطی کل شیٔ خلقه ثم ھدٰی یعنے ہر ایک چیز کو پیدا کرکے اس میں خواص طبعی رکھدئے ہیں - یہ ہدایت بجز اللہ تعالےٰ کے ممکن نہیں - اور اس ہدایت کے بالمقابل ضلالت یہ ہے کہ جو قوٰی اور طاقتیں اللہ تعالےٰ نے جس مطلب کے لئے عطا کی ہیں ان سے وہ کام نہ لیا جانے اور کھو بیٹھے -

ثانیاً - ہدایت کے معنے ہیں دعوت الی الحق - اس کے لئے اول ضروری ہے حق کا علم اور تعلیم حقہ کے لئے سب سے پہلا معلم تو فطرت انسانی ہے اس کی ساخت اور بناوٹ پھر اس میں دوسرا معلم نور قلب ہے جو نبوت کا ظل ودیعت رکھا گیا ہے - پھر عام نظارہ قدرت جو خدا تعالےٰ کی فعلی کتاب ہے - پھر چوتھا معلم انبیاء علیہم السلام کا پاک وجود ہے چونکہ ان سب ذریعوں کا بہم پہونچانا ہی مولا کریم ہی کے قبضہ اقتدار میں ہے اور اسی کے فضل پر موقوف ہے اس لئے فرمایا :- ان علینا للھدٰی اور رسول کریم کو فرمایا انك لتھدی الی صراط مستقیم* - اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

* خاکسار مولف اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ ۱۵ - ستمبر ۱۹۰۸ء کی رات کو قریباً پانچ بجے صبح کے ایک خواب کے نظارہ کے بعد میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب سلمہ ربہ اور پیرا ملازم حضرت اقدس علیہ السلام بیچا موجود ہیں اور یہ عاجز بھی ہے - پیرا نے مجھے علیحدہ بلا کر یہ کہا ہے انك لتھدی - لیجزی به - و انّا اصطفینٰك - اس کے بعد میں بیدار ہوگیا - انك لتھدی میں ہدایت کے معنے دعوت الی الحق کے ہیں

کرائے ہیں انسان کی اس فطرتی خواہش کے موافق ہے جو وہ حاکم کے حکم کی تعمیل میں اسکو معلوم کرنا چاہتا ہے اور اسکے سوا یہ راز بھی اس صفت کے اظہار میں ہے جیسا کہ ہمارے ناظرین تفسیر کو اس کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت واللہ بما تعملون خبیر پر ایمان اور یقین رکھنے سے انسان گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ کیونکہ یہ فطرت انسانی ہی ہے کہ جب وہ اپنے سے کسی مکرم اور عظیم کے سامنے کوئی بدکاری نہیں کرسکتا تو پھر احکم الحاکمین اور رب العالمین سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے جب اسے یہ علم ہو جاوے اور نرے عقیدہ کے رنگ میں نہیں بلکہ یقین کے طور پر ہو کہ واقعی اللہ تعالیٰ میرے اعمال کا نگران ہے اور انکو دیکھ رہا ہے تو وہ اس کی مدد سے بہت سے گناہوں سے بچ جائے گا +

اس کے بعد پھر ایک عظیم الشان امر پیش کرتا ہے جس میں توحید باری اور عظمت الٰہی کا سبق پڑھایا گیا ہے اور ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہونا بتایا ہے اور رسول کو بری الذمہ قرار دیا ہے اور پھر اصلی مضمون انفاق فی سبیل اللہ پر بحث شروع فرمائی ہے کیونکہ فرمایا کہ تم لوگ جو کچھ بھی خیرات کے طور پر خرچ کرو گے اور اللہ ہی کی رضا جوئی کیلئے خرچ کرتے ہو۔ انفاق فی سبیل اللہ کے ان مختلف احکام پر غائر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں بلکہ خالق کائنات کا کلام ہے جو انسانی طبائع کے نشیب و فراز اور ان کے جذبات اور بناوٹ کا پورا علیم ہے ورنہ ایسی ترتیب مضامین جو تقاضا ہائے فطرت کے ساتھ ساتھ چلی جاوے ممکن نہیں انسان ایسی بلند پروازی قطعاً نہیں کرسکتا + ہمیں یہ بھی بتا دیا کہ تم جو کچھ خرچ کرو گے اپنے ہی لیے کرو گے اب کون شخص ہے جو اپنی بھلائی اور فائدہ کو روا نہیں رکھتا۔ خدا کے لیے خرچ کرنا گویا اپنے لیے خرچ کرنا ہے۔ یہ جملہ عجیب اسرار اور نکات کو اپنے اندر رکھتا ہے خالق اور مخلوق کے تعلقات کا گہرا راز اس میں مخفی ہے۔ غور کرو اور سوچکر اسے نکالو +

پھر اسکے بعد وعدہ فرمایا کہ جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے تمھیں اس کا پورا اجر اور بدلہ ملے گا اس میں سے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔ بعض کمزور طبیعت کے لوگوں نے اسپر بھی ٹھوکر کھائی ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار اس قسم کے وعدے کیوں کرتا ہے ؟ کیا اس کی بات کا اعتبار نہیں معاذ اللہ من ذالک اس راز پر ان کم فہموں نے غور نہیں کی ورنہ بار بار وعدے کرنا یہ ایک عظیم الشان خزینۂ حکمت ہے جس میں انسانی طبائع کی فلاسفی رکھی ہوئی ہے۔ انسان ضعیف اور کمزور ہے جیسا کہ فرمایا خلق الانسان ضعیفا پس اسکی طبیعت کی کمزوری پر غالب آنے کے لیے یہ ضروری ہوا کہ علی التواتر وعدے کیے جاویں تا اسکا یقین اور بصیرت بڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اسکی محبت ترقی کرے اسکے بعد اس گروہ کا ذکر کیا جو مستحق خیرات و صدقات ہیں۔ یعنی فرمایا کہ خیرات اُن لوگوں کا حق ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور ملک میں کسیطرف جانا چاہیں تو جا نہیں سکتے۔ جو لوگ ان کے حالات سے ناآشنا اور بےخبر ہیں وہ انکو اپنی بیخبری اور انکی خودداری کی وجہ سے دولتمند سمجھتے ہیں لیکن اے مخاطب! اگر تو انکو دیکھے تو ان کے چہرہ سے انکو پہچان جاوے کہ وہ محتاج ہیں ہاں یہ سچ ہے کہ وہ لوگوں سے اڑ کر نہیں مانگتے ایسے لوگوں کی خبرگیری کے لیے جو کچھ بھی خرچ کیا جاوے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ اس آیت میں خیرات کا مستحق ایک خاص گروہ قرار دیا ہے اگرچہ اس سے دوسرے مستحق لوگوں کو دینے کی نفی نہیں ہے لیکن قرآن کریم گداگری کو ترقی نہیں دینا چاہتا۔ بلکہ صدقات اور خیرات کے ذریعہ عام ہمدردی اور شفقت علیٰ خلق اللہ کو پیدا کرنا ملحوظ رکھتا ہے اس لیے اسطور پر تخصیص فرمائی۔ تاکہ دنیا میں نرے اپاہج اور خیرات خورہی پیدا نہ ہوں اور پھران خر گداؤں کے طریقہ کو بھی رد کیا ہے جو جوکھٹ نہیں چھوڑتے جبتک کچھ لے نہ لیں۔ چونکہ اسطریق سے بہت سے انسانی فضائل زائل ہوتے اور اخلاق رزیلہ پیدا ہوتے ہیں اور گداگری نفس الامر میں تمدن کے لیے دیمک ہے اس لیے اس سے روکا ہے اور ایک ایسا قانون اسلام نے محتاجوں کی دستگیری کا دیا ہے جو آجتک کوئی متمدن قوم دنیا کو عطا نہیں کرسکی +

پر غائر نگاہ کر سکتا ہے بشرطیکہ فطرت سلیم ہو اور ایک انتہا درجہ کا جوش اور رقت اس کی روح میں پیدا ہوتی جاتی ہے چونکہ دعا عبادت کا مغز اور روح ہے اور اس سورۃ شریف میں اوّلاً دعا ہی کی تعلیم مقصود ہے اور دعا کی قبولیت کا یہی نشان ہے کہ وہ سچے جوش اور اضطراب سے پیدا ہو نہ یہ کہ روح اور دل زبان کے ساتھ نہ ہو بلکہ اکراہ اور جبر کیساتھ زبان سے چند الفاظ بولائے جائیں اور روح کا یہ اخلاص اور جوش پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ حسن اور احسان کامل پر اطلاع نہ ہو اس لئے مولا کریم نے اس سے پیشتر کہ انسان کی روح گداز ہو کر چشمہ کی طرح آستانہ الوہیت پر بہ نکلے اور ایک سرور اور ذوق کے ساتھ دعا کرے خدا تعالیٰ کے حسن و احسان کامل کی اطلاع دینی چاہی ہے۔ چنانچہ جوں جوں انسان اُن صفات پر جو بیان ہو چکی ہیں غور کرتا جائے گا اس کی روح میں ایک اضطراری جوش اور رقت پیدا ہوتی جائے گی۔ یہانتک کہ الرحیم کے لفظ پر پہونچکر دعا کا جوش پیدا ہوگا۔ مگر یہ جوش اپنے کمال تک پہونچ جائے گا جب کہ خدا تعالیٰ کے چوتھے درجے کے احسان پر پہونچے گا اور جس کو اسی سورۃ الفاتحہ میں مالك یوم الدین کے لفظ سے تعبیر کیا ہے "جزا و سزا کے دن کا مالک - اعمال پر نتائج مترتب کرنے والا - رحیمیت اور مالکیت یوم الدین میں فرق اتنا ہے کہ رحیمیت میں دعا اور عبادت کے ذریعہ سے استحقاق کامیابی قائم ہوتا ہے اور مالکیت یوم الدین کے ذریعہ وہ ثمرہ ملتا ہے -

الغرض

مالک یوم الدین تک پانچ امر بیان ہوئے ہیں -

(۱) الحمد للہ میں خدا تعالیٰ کے کامل حسن کا اظہار ہے - اور باقی چار فقروں (۱) رب العالمین (۲) الرحمٰن (۳) الرحیم (۴) مالک یوم الدین میں خدا تعالیٰ کے احسان کامل کے چار درجے بیان فرمائے ہیں جب انسان ان پانچ مراتب پر غور کرتا ہے تو اس کی روح ہمہ نیستی ہو کر آستانہ الوہیت پر گرتی اور پکارتی ہے ایاك نعبد وایاك نستعین تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں بعض نادانوں نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ایاك نعبد کو مقدم کیوں کیا ہے؟ حالانکہ ہم نے ابتدا میں اس امر کو بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت روح کے جوش اور طبیعت کی کشش سے ہونی چاہیے - اور اس مرتبہ کے پیدا کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کے حسن و احسان پر اطلاع ہو - چنانچہ جیسا کہ ابھی ہم بیان کر آئے ہیں کہ جب الحمد للہ سے شروع کر کے انسان مالک یوم الدین تک خدا تعالیٰ کے حسن و احسان کا مطالعہ کرتا ہوا پہونچیگا تو بے اختیار ہو کر اس کی روح سجدہ میں گر پڑیگی - اس تقدم میں اوّلاً اُس جوش صادق کا اظہار ہے اور یہ انسان کی ایک قلبی حالت کو بیان کرتا ہے - دوسرے سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ جب انسان خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو کام میں لاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو اور نعمتیں عطا کرتا ہے اور توفیق دیتا ہے اور انسان فطرتاً اپنی طاقت سے کام لینا چاہتا ہے - تیسرے ایاك نعبد کو مقدم کر کے انسان کو رعایت اسباب کی تعلیم فرمائی ہے اور کوشش اور مجاہدہ کا سبق دیا ہے کیونکہ اسلام انسان کو کامل انسان بنانا چاہتا ہے اور بناوٹ انسانی بتلا رہی ہے کہ وہ محنت اور مجاہدہ کرے - اسلام انسان کو سست و بیکار بنانا نہیں چاہتا اس لئے اس مقام پر ایاك نعبد کے تقدم نے اس لطیف سر کو بیان کر دیا ہے - اور ان لوگوں کو شرم دلائی ہے جنہوں نے قوائے انسانی کی بے حرمتی اور بے عزتی کی ہے یعنے کفارہ کا مسئلہ تراش کر شریعت حقہ کی بجا آوری سے اس کو معطل کر دیا اور بتلایا کہ انسان اس بوجھ کو اٹھا نہیں سکتا - گویا تمام تحقیقاتوں اور مجاہدوں کے دروازوں کو بند کر دیا - اسلام نے اس لطیف پیرایہ میں دنیا میں سعی اور کوشش کی بنیاد رکھدی ہے - چونکہ سورۃ الفاتحہ کی ترتیب لف و نشر مرتب کے طور پر ہے اس لئے پہلے پانچ فقروں کے بالمقابل آخر کے پانچ فقرے ہیں - چنانچہ الحمد للہ کے مقابل میں ایاك نعبد رکھا ہے جس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عبادت کے لائق وہی ذات کامل الصفات ہے جس کا

جو لوگ تاریخ کے فلسفہ سے واقف ہیں اور جنھوں نے سلطنت اودھ کی تاریخ کے آخری ایام پر نہایت غائر نظر کی ہے وہ تسلیم کریں گے کہ اس سلطنت کی بربادی اور تباہی کے گو دوسرے اسباب عیش پرستی اور سبہ کاری میں انہماک بھی تھے لیکن ان سب کی تہ میں وہ زبردست باعث تھا جو سود خواری کہلاتا ہے ہم ضروری نہیں سمجھتے کہ اسکے متعلق یہاں کوئی مبسوط بحث کریں۔ اور اگر تازہ نظیر چاہو تو جاؤ دلی کی گلیوں میں دیکھلو کہ خاندان مغلیہ کی یادگاروں (شہزادگان) کا کیا حال ہے؟ شاید یہ فقرہ کسی تفصیل کو چاہتا ہو تو ہم اتنا اور کہہ دیتے ہیں کہ غدر کے بعد شہزادوں کے کچھ وظیفے اور تنخواہیں مقرر ہو گئی تھیں مگر انھوں نے (بلا استثنائے بعض) ان تنخواہوں اور وظیفوں پر قرض لیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تنخواہیں اور وظیفے عموماً مہاجنوں کے ہاں جاتے ہیں۔ غرض جہاں تک بلند نظری سے کام لوگے یہی نظر آئے گا کہ قوموں کی بربادی کا بہت بڑا باعث سود خواری ہے۔ اس لیے کہ اسکی بدولت ایک طبقہ کمزور ہو جاتا ہے اور وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے پھر ناجائز طریق اختیار کرتا ہے کہیں چوری اور ڈاکہ زنی سے مال مارتا ہے کہیں خیانت و بددیانتی اپنا ذریعہ معاش ٹھیراتا ہے اور کہیں اسکی بے بسی اور بیکسی اسے اخلاقی پہلو ؤں میں گرانے لگتی ہے۔ یہانتک کہ وہ حق گوئی اور اخلاقی جرأت سے اول اول بے نصیب ہوتا ہے + جس کا لازمی نتیجہ انجام کار ایسی بیحیائی اور ذلیل معاش پر بھی مجبور کر دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور سود کی برائی کیا ہوگی؟ اور تمدن پر اس کا برا اثر کیا ہوگا؟ یہ حالت تو سود دینے والوں کی ہے اب اس کا دوسرا پہلو یعنی لینے والوں کی حالت پر نظر کرو کہ کیا یہ گروہ تمدن و تہذیب کا اعلیٰ جزو ہو سکتا ہے؟ ہم بلا خوف تردید کہنے کو طیار ہیں کہ ہرگز نہیں +

اول تو وہ گروہ جس کا ذکر ہمنے اوپر کیا ہے اسکے پیدا کرنیوالا یہی گروہ ہے اگر یہ لوگ جو سود دیتے ہیں سود لینے والے ہوتے بلکہ انسانی ہمدردی اور تعاون کے طریق پر کاربند ہوتے تو اس دوسرے گروہ کو بددیانتی۔ خیانت۔ جھوٹھ۔ حیلہ بازی۔ بالآخر بیحیائی اور ذلیل معاشرت (زناکاری وغیرہ) تک نہ پہونچنا پڑتا۔ جنکو تمدن و تہذیب کا دشمن سمجھا گیا ہے اور فی الحقیقہ ہے۔

دوم۔ خود سود خوار کے اپنے اخلاق فاضلہ نہیں رہتے۔ سب سے اول اسے ریاکاری سے کام لینا پڑتا ہے اور بجائے اخلاص کے وہ نفاق برتتا ہے۔ وہ مدیون سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے لیکن اسکی اصل نیت اسکو تباہ کرکے اسکا مال مارنا ہوتی ہے پھر اسکے کل حمیدہ خصائل پر موت آنے لگتی ہے جسکی جڑ یہی ریاکاری اور نفاق ٹھہرتی ہے۔ وہ اعلیٰ جوہر انسانیت جسے شرافت کہتے ہیں اسمیں مطلق نہیں رہتا۔ طبیعت میں حرص اور لالچ کی آگ کچھ ایسی تیز ہوتی ہے کہ ہر وقت انھیں تجویزوں اور تدبیروں میں لگا رہتا ہے رحم اور شفقت کا نام و نشان نہیں رہتا۔ معصوم بچوں کی آہ و زاری اور بیواؤں کی حالت زار اسکے رحم کو جوش میں نہیں لاسکتی + اور پھر روپیہ کی بیشی اور مال و املاک کی زیادتی اسکی رذیل اور ذلیل خواہشوں کو تحریک دیتی ہے۔ اور عیش و عشرت اور بدکاری کے اسباب تلاش کرنے لگتا ہے جسکا اثر بد ان لوگوں پر پڑتا ہے + جنکا اس سے بلاواسطہ یا بالواسطہ تعلق ہے + اور پھر زناکاری۔ میخواری۔ قماربازی اور وہ تمام بدیاں جو اخلاق فاضلہ کی دشمن اور روحانی قویٰ کے استیصال کا موجب ہیں پیدا ہو جاتی ہیں +

ہم اس مضمون پر بڑی بسیط بحث خدا کے فضل و کرم سے کر سکتے ہیں اور قوموں کے عروج و اوج اور ان کے انحطاط و زوال کی تاریخ پر نظر کرکے دکھا سکتے ہیں کہ انکی تباہی کا اصل راز کیا تھا؟ لیکن اسقدر بھی سمجھدار لوگوں کے لیے کافی ہے +

ہاں اس مضمون کا ایک روشن پہلو بھی پیش کیا جاتا ہے جو درحقیقت اپنے نتائج میں تاریک جا ٹھیرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس سے **تجارت** پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ اور مثال کے طور پر یورپ اور امریکہ کی قوموں کو پیش کیا جاتا ہے کہ ان میں سود کا لین دین جاری ہے اور پھر ان قوموں نے ایسی ترقی کی ہے۔ ہم اسکے جواب میں اول تو یہ کہتے ہیں کہ وہ اعلیٰ جوہر انسانیت یعنی خدا کے ساتھ سچا تعلق اسکی شناخت اور الوہیت کے ساتھ نیازمندانہ رشتہ یورپ اور امریکہ کو ابتک نصیب ہی نہیں ہوا ہے اور پھر انکی ظاہری خوشحالی یا حکومت کو سود کے جواز کی دلیل سمجھ لینا دانشمندی نہیں ہو سکتی۔ اس تہذیب اور تمدن کو ہم لیکر

طرف اشارہ ہے۔

یا

ہمارے محسن و مخدوم مولانا مولوی نورالدین صاحب سلمہ ربہ کے الفاظ میں انعمت علیہم کی مختصر سی تفسیر یوں سمجھو کہ مولا کریم ہمکو ایسی توفیق دے کہ ہم سے نیکی ہی کے کام سرزد ہوں ہمارے ہر قول و فعل میں صلاحیت ہو تاکہ منعم علیہ گروہ کے صالحین کے زمرہ میں شامل ہوں۔ اور اسپر پھر ایسی ترقی دے کہ تیری عبادت کرنے اور ہر نیکی کا کام کرنے میں ہماری یہ حالت ہو کہ گویا تجھکو دیکھ رہے ہیں۔ یہ شہید کا مرتبہ ہے اور پھر اسپر ترقی عطا فرما یہانتک کہ ہم سے نیکی کے کام یوں سرزد ہوں جیسے اندر کوئی لو لگی ہوئی ہو تاکہ درجہ صدق پر پہونچ جائیں۔ اور پھر اسپر بھی ترقی دے کہ کل کام نیکی کے یوں ہوں جیسے کوئی مشین یا کل اپنے انجن کے زور سے خود بخود چل رہی ہے جیسے انبیا علیہم السلام۔ غرض صراط مستقیم کی ہدایت کی دعا ہے۔ یعنے اُس راہ کی رہنمائی کی جو وصول الی اللہ کے لئے قریب ترین راہ ہے اور اللہ کے ہی فرمان کے مطابق اور اس ہی کے لئے ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئیے کہ اہدنا الصراط المستقیم میں جو جمع کا لفظ بولا گیا ہے یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہماری دعا بھی وسیع اور عام ہو۔ اور جیسے اللہ تعالےٰ کی صفات اربعہ جو ام الصفات میں بیان ہوئی ہیں اُنکے ہی مطابق ہماری دعا میں مخلوق الٰہی شامل ہو۔

غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ یہ فقرہ مالک یوم الدین کے بالمقابل واقع ہوا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اے جزا و سزا کے دن کے مالک ہمیں دنیوی اور اخروی سزاؤں سے محفوظ رکھ تاکہ ایسا نہ ہو یہودیوں کی طرح دنیا میں بھی ذلیل ہوں اور ایسا ہی نصاریٰ کی طرح راہ حق سے دور جا پڑیں۔ مغضوب وہ شخص ہے جسکو علم تو ہو مگر عمل نہ ہو۔ اور کسی کے سینہ جا عداوت ہو۔ یہ حال یہود کا ہے۔ علم دیا گیا پھر عمل نہیں کیا اور خدا کے برگزیدوں سے یہود کو بیجا عداوت رہی ہے۔ اس کا نتیجہ دنیا کی ذلت اور آخرۃ کی تباہی ہے جن کو زیادہ غضب دیا گیا ہے وہ بھڑک بھڑک اٹھتے ہیں۔ پس زیادہ غیظ و غضب بھی چونکہ حق کے قبول کرنے سے روک دیتا ہے اور بیجا عداوت کا بیج بوتا ہے اس سے پناہ مانگی ہے۔ مغضوب اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنے فاعل اپنے کمال کو پہونچکر مفعول ہو گیا ہے۔ جب کوئی چیز اپنے کمال کو پہونچ جاتی ہے تو اس کو اس کی کمال سے پکارا جاتا ہے جیسے بخیل کو کافور کہتے ہیں اور کہتر کو مہتر وغیرہ۔ الضال۔ جس کو علم نہ ہو۔ جہالت۔ یا کسی سے بیجا محبت کرنے والے ہوں۔ جیسے عیسائی۔ سچے علوم سے محروم۔ من مانی باتوں کو پسند کرنے والے۔

غرض

افراط۔ تفریط کی راہوں سے بچکر اعتدال اور استقامت کی راہ کی ہدایت کی دعا تعلیم فرمائی ہے۔

خلاصہ یہہ ہے

انسان خدا تعالےٰ کے سامنے کمربستہ کل آداب مودبانہ بجا لا کر اس چندروزہ اور فانی دنیا اور اس کے متاع سے بیزار ہو کر دنیوی متکبر کے تکبر اور فخر کو پس پشت ڈالکر اس احکم الحاکمین کے کبر و جلال کا اعتراف کرتا ہوا اس کے اسماء حسنی اور رب العالمین۔ الرحمن۔ الرحیم کی صفات کو بسر و چشم قبول کرتا ہوا مالکیت کی صفت پر ایمان لاتا ہے۔ اور ربوبیت۔ رحمانیت رحیمیت کے انعام حاصل کرکے ان کے بدلے میں عبودیت کا اقرار کرکے تذلل اور نیستی کے ساتھ گر جاتا ہے کہ میں باوجود تیرے اتنے انعامات کے اسقدر کمزور اور ضعیف ہوں کہ تیری مدد کے بدون تیری عبادت نہیں کر سکتا اور کہتا ہے کہ بقدر استطاعت تو تیری عبادت کرتا ہوں۔ مگر اس عبادت کے اُس درجہ پر پہونچنے کے لئے جہاں وہ سرور اور سکینت ہو جاتی ہے [illegible] مدد مانگتا ہوں جیسا کہ تونے فرمایا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اور جس کے لئے تیرے کامل [illegible] محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری ساری خوشی نماز میں ہے۔ غرض ویسی نماز اور حضور [illegible]

تاھم

مختصر طور پر ہم اس مضمون کو چند ضروری حصوں پر تقسیم کرکے ذیل میں درج کرتے ہیں +

ربٰو کیا ہے

ہمیں ضرورت نہیں کہ ربا کی لغوی تحقیقات کریں عموماً مفہوم مرادی کے طور پر ربٰے وہی مراد ہے جو لفظ سود یا بیاج سے ہے لفظی معنے اس لفظ کے زیادتی یا بڑھوتری کے ہیں لیکن اصطلاحی طور پر جو نقد روپیہ کسیکو قرض دیا جاوے اسکے معاوضہ میں جو رقم اصل سے زائد ایک میعاد مقررہ کے لیے لیجاوے وہ سود کہلاتی ہے +

سود کا اثر تمدن پر

انسان چونکہ مدنی الطبع بنایا گیا ہے اس لیے جب سے انسان دنیا میں آیا یا بلفظ دیگر یوں کہو کہ جب سے تمدن کی بنیاد پڑی اسی وقت سے انسان کے باہمی تعلقات کے لیے ایسے اصول مجلسی اخلاقی اور روحانی مدون ہوے ہیں جو باہم ایک دوسرے میں تعلقات محبت و یگانگت پیدا کرنیوالے ہوں یہ امر دیگر ہے کہ انسان پر ان کا کیا اثر پڑا یا اس نے کہاں تک انسے استفادہ کیا۔ لیکن ہمیں کوئی کلام نہیں ہے کہ ان اصولوں کی تہ میں یہی بات تھی اور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قریباً اخلاقی ہدایتیں اور معاشرتی اور تمدنی قواعد تمام قوموں میں یکساں ہیں۔ مثلاً جھوٹھ بولنا۔ چوری کرنا۔ بدکاری قتل وغیرہ ہر عصر و عہد میں ان صفات کو یکساں بُرا مانا گیا ہے۔

تمدن کی بنیاد انسانی ہستی کے ساتھ ہی پڑی ہے اگرچہ یہ امر دیگر ہے کہ مرور زمانہ کی وجہ سے اس میں اب انحطاط بھی آیا اور زمانہ کی ضرورتوں اور مقامی تاثیرات نے اس میں تدریجی ترقی بھی کی ہے۔ فلسفہ تمدن پر اگر بحث کرنا مقصود ہو تو ہم اسکے سارے پہلوؤں پر بحث کریں اور اسکے اُتار چڑھاؤ کو دکھائیں لیکن یہ بحث اس وقت مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود کچھ اور ہے۔ صرف مضمون کے سلسلہ کے لیے یہ بھی لکھنا پڑا ہے پس یاد رہے کہ یہ تمدنی زندگی کے اصول اللہ ہی نے وضع کیے تھے اور قدرتی طور پر وہ لاز آف نیچر سکھلاتے تھے اس لیے جب کسی قوم نے ان اصولوں کو توڑا اور انکی مخالفت کی وہ قوم جبھی اللہ تعالیٰ کے غضب کے نیچے آکر تباہ ہوئی ہے یہی راز قوموں کے اوج عروج اور ادبار و زوال کی تہ میں کام کرتا ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ وہ لوگ اور قومیں انکی پروا کریں یا نہ کریں اسے سمجھیں یا نہ سمجھیں ہم کبھی اس امر کے ماننے کے واسطے طیار نہیں کہ یہ تمدنی قواعد اور معاشرتی ہدایتیں انسان کی اپنی طبعزاد ہیں کیونکہ اگر انسانی ذہن رسا کا نتیجہ ہوتیں تو آنی اور فانی ہوتیں۔ جیسا کہ خود انسان ہے نہ کہ وہ غیر فانی اور لا تبدیل صدا قتیں ٹھہر جاتیں جیسا کہ نفس الامر میں ہیں + آفرینش عالم پر اسقدر زمانہ گذر جانے کے باوجود بھی ان قواعد تمدن میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور نہ آئے گا +

انھیں اصول تمدن میں سے ربا بھی ایک چیز ہے جو اسی طرح کسی قوم کی تباہی اور ہلاکت کے لیے زہر ہلاہل ہے جیسے دوسری بُرائیاں اور بدعادتیں۔ رباخوار انسان کی حالت اور ان کی زندگی پر جو اس کا اثر پڑتا ہے اس کا اندازہ کرنے کے لیے اگر سالانہ موتوں کی تعداد پر وسیع نظر کی جاوے جو محض سود کی وجہ سے ہوتی ہیں تو شاید نہایت ہی حیران ہونا پڑے۔ خاندانوں کے خاندان اس کی بدولت تباہ ہوے ہیں۔ یہی نہیں کہ سود دینے والوں کا خاتمہ ہوتا ہے بلکہ اکثر سودخوار بھی اسی سود کی نذر ہو جاتے ہیں چنانچہ اخبارات کے پڑھنے والوں سے یہ باتیں مخفی نہیں ہیں + کیونکہ بنکوں کے دیوالے نکالے جاتے ہیں اور خسارے اور نقصان ان کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

کو ایک جگہ فرمایا لا تھدی دوسرے مقام پر ارشاد ہوا لتھدی ۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ تہدی میں دعوت الی الحق مراد ہے ۔اس کے مقابل ضلالت یہ ہے کہ دعوت الی الحق نہ کرے کیونکہ یامرون بالمعروف مومن کی شان ہے
ثالثاً ہدایت کے معنے بھلے کاموں کے بعد ان میں منازل ترقی کو طے کرنا اور دوسرے اعمال صالحہ کی توفیق پانا ہی ہدایت ہے اور اس کو توفیق بھی کہتے ہیں اس کی طرف اللہ کریم نے اشارہ کر کے فرمایا ہے والذین اهتدوا زادهم هدی ۔ یعنے جو لوگ اچھے کام کرتے ہیں ہم انکو بھلے کاموں کی توفیق دیتے ہیں اور اسکے مقابل میں گمراہ کو گمراہی میں زیادہ کرنا ضلالت ہے ۔
رابعاً ۔اعمال صالحہ کے نتائج حسنہ کے بعد فائز المرام کر دینا بھی ہدایت ہے ۔چنانچہ قرآن کریم میں اسی ہدایت کے متعلق آیا ہے یهديهم ربهم بايمانهم تجری من تحتهم الانهار ۔یعنے جب کوئی ایمان سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کو اُس جنت کی راہ پر پہونچا دیتا ہے جس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں ۔اور اس کے مرادی معنی کامیابی ہے اس کے خلاف ضلالت ناکامی اور دوزخ کی راہ پر چلنا ہے ۔غرض اهدنا الصراط المستقیم میں قویٰ کے خواص طبعیہ توفیق ۔دعوت الی الحق اور کامیاب ہونے کی دعا ہے ۔پھر اس صراط المستقیم کے ثمرات کا پتہ دیکر ایک طرف اس صراط پر چلنے کے نتائج سے مطلع کیا ہے اور دوسری طرف اس صراط کی تفسیر ہے ۔صراط الذین انعمت علیہم یعنے وہ اقرب راہ جسپر چل کر ایک گروہ منعم علیہ بنگیا ہے اور تیرے فیوض و برکات کا مورد ہوا ہے ۔صراط الذین انعمت علیہم ۔الرحیم کے بالمقابل ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اے دعاؤں کو قبول کرنے والے! اُن رسولوں ۔صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین کی راہ ہم کو دکھا جنھوں نے دعا اور مجاہدات میں مصروف ہو کر تجھ سے انواع و اقسام کے معارف ۔حقایق ۔کشوف اور الہامات کا فیض پایا ہے ۔
انعمت علیہم کی تفسیر خود قرآن کریم نے دوسرے موقع پر بیان فرما دی ہے ۔من النبیین ۔والصدیقین ۔والشهداء ۔والصالحین ۔اس دعا میں جیسا کہ حضرت امام علیہ الصلوۃ والسلام نے بارہا فرمایا ہے چار کمالوں کی طرف اشارہ ہے ۔کمال اول ۔نبیوں کا کمال ۔نبوت کا خاص کمال یہ ہے کہ خدا تعالےٰ سے ایسا علم غیب پاوے جو بطور نشان کے ہو یا اس کو ایک اور پیرایہ میں یوں کہو جو عام ہو سکتا ہے کہ انسان کے اندر ہر وقت دو قسم کے خیالات کے سلسلہ میں سے کوئی ایک سلسلہ جاری رہتا ہے یا تو طول امل اور بیجا امیدیں خیالی پلاؤ کا سلسلہ لگا رہتا ہے ۔اور یا خیالی فسق کا سلسلہ لگا رہتا ہے ۔نبی ان دونوں قسم کے خیالات سے پاک ہو کر صرف خدا سے ہی باتیں کرتا ہے اور مکالمہ الہیہ کا شرف اس کو ملتا ہے تو اولاً مومن یہ دعا کرتا ہے کہ کمالات نبوت میں سے یہ کمال مجھے دیا جائے ۔
کمال دوم ۔پھر صدیق کا کمال یہ ہے کہ اکمل طور پر صدق سے اس کو پیار ہو اور چونکہ کل صداقتوں کی سرتاج اور مجسم صداقت کتاب اللہ یا قرآن کریم ہے اس لئے اس مقام پر گویا کتاب اللہ کے معارف اور حقایق بخوبی معلوم ہوں اور اس درجہ پر پہونچ جاویں کہ بطور خارق عادت کے نشان ہو جاویں اور اس کے صدق پر مہر کر دیں ۔کمال سوم ۔شہید کا کمال ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کو سچی شجاعت اور استقامت عطا ہوتی ہے کہ وہ دکھوں اور ابتلاؤں کی وقت میں ایسی قوت ایمانی اور قوت اخلاقی اور ثابت قدمی دکھلاوے کہ نشان ہو جاوے یعنے الاستقامۃ فوق الکرامۃ کا درجہ اس کو ملے ۔کمال چہارم ۔صالح کا کمال ہے ۔اور وہ یہ ہے کہ ہر قسم کے فساد سے پاک ہو جائے اور مجسم صلاح بنجائے ۔اور یہ صلاحیت اپنے کمال کو پہونچکر ایک نشان ہو ۔غرض انعمت علیہم میں ان چار کمالوں کی

اس لئے مولا کریم سے دعا ہے کہ وہ پہلے مجھے استقامت ۔اعمال صالحہ کی توفیق دے اور دعوت الی الحق کا سچا جوش اخلاص بھرا ہوا عطا فرماوے آمین ۔

ان کا قتل عام اور اخراج ہو چکا ہے فرانس میں کئی بار غدر ہوا۔ انگلستان میں انکی کوئی عزت نہیں بلاد اسلامیہ میں بھی ذلیل ہیں مراکو اور ایران میں قانوناً ایک خاص قسم کا لباس پہننا پڑتا ہے اور انھیں حکم ہے کہ کسی مسلمان کو دیکھکر اپنی سواری سے اُتر آئیں۔ یہ حالت زار اس قوم کی ہے جس کے تمول کی وہ حالت ہے کہ سلاطین عالم ان کے مقروض ہیں اس سے اور بھی گہرا راز اس اثر کا کھلتا ہے جو **سود کا تمدن پر ہوتا ہے**۔

سود کتب سابقہ میں

سود کبھی اور کسی زمانہ میں بھی جائز نہیں ٹھیرایا گیا **توراۃ** میں اسکی حرمت موجود ہے چنانچہ ہم ذیل میں چند مقامات لکھتے ہیں۔ **احبار** ۲۵ ب آیت ۳۵ اگر تمھارا بھائی تمھارے بیچ میں محتاج اور تہیدست ہو جاوے تو تم اسکی دستگیری کرو۔ خواہ وہ اجنبی ہو خواہ مسافر تاکہ وہ تیرے ساتھ زندگانی بسر کرے۔ تو اس سے سود اور نفع مت لے پر اپنے خدا سے ڈر تاکہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگانی بسر کرے **تو اسے سود پر روپیہ قرض مت دے** نہ اُسے نفع کے لیے کھانا کھلا۔

استثنا ۲۳ ب ۱۹ تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دیجیو۔ نہ نقد کے سود پر نہ غلجات کے سود نہ کسی چیز کے جسکی عاریت سود پر کی جاتی۔ اپنے بھائی کو سودی قرض مت دیجیو تاکہ خداوند تیرا خدا اس سرزمین میں جس کا تو وارث ہونے جاتا ہے ان سب کاموں میں جن میں تو ہاتھ لگانے برکت دے۔

زبور ۱۵ ب وہ انھیں جو خداوند سے ڈرتا ہے عزت دیتا ہے وہ جو اپنے ضرر پر قسم کھاتا ہے اور بدلتا نہیں وہ جو سود کے لیے **قرض نہیں دیتا** اور بے گناہوں کے ستانے کے لیے رشوت نہیں لیتا وہ جو کرتا ہے کبھی نہیں ٹلے گا۔

زبور ۱۱۲ ب تاریکی میں راست بازوں کے لیے نور چمکتا ہے کہ وہ مہربان اور دردمند اور صادق ہے نیک آدمی مہربانی کرتا ہے اور قرض دیتا وہ اپنی کارروائی راستی سے کرتا ہے یقیناً اُس کو کبھی جنبش نہ ہوگی۔ صادق کی یادگار ابدی ہے۔

امثال۔ جو **سود خوری** اور ظلم سے اپنی دولت بڑھاتا ہے وہ اسکے لیے جو مسکینوں پر رحم کریگا بٹورتا ہے۔

ان مقامات پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کتب سابقہ میں بھی اسکو حرام ٹھیرایا گیا ہے اور اس کی حرمت کا اصلی راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بدی کا اثر **عام** طور پر پڑتا ہے۔

اسلام کا کمال

کسی قوم اور ملک کے حالات اخلاق عادات کا پتا ان حکایتوں اور روایتوں سے بھی معلوم ہوجایا کرتا ہے جو ان میں عام طور پر مروج ہوں اس لحاظ سے اگر ان روایتوں اور حکایتوں پر نظر کی جاوے جو مسلمانوں میں سود خواروں کے متعلق ہیں قطع نظر اس کے کہ ان کی اصلیت کیا ہے تو معلوم ہوگا کہ ہر قرن میں سود خواری کو ایک ذلیل اور ناپاک کام سمجھا گیا ہے۔ اور سب برائیوں سے بڑھ کر اسے برا مانا گیا ہے۔ ایک معمولی مسلمان بھی جو شریعت کے اسرار سے آگاہ نہیں ہے سود خوار سے اتنا تنفر ظاہر کرے گا کہ اُس کے گھر کا پانی تک پینا بھی حرام سمجھتا ہے (گو ایسا تشدد شریعت میں ہو یا نہ ہو) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سود خواری کا درجہ عام مسلمانوں کی مذہبی نظر میں بہت ہی بڑھا ہوا اور اس تشدد کی غرض مسلمانوں کو اس مہلک مرض سے بچانا تھا جو تمام بداخلاقیوں کی جڑ ہے۔

دوسرے مذاہب اور ملل میں سود لینے کی برائیاں تو غالباً مذکور ہوئی ہیں مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ کسی نے سود دینے کو بھی ویسا ہی برا سمجھا ہو۔ یہ فخر جہاں تک ہمارا **علم** ہے **اسلام** اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی ہے کہ حضور نے سود لینے اور دینے والوں کو برابر ترازو میں رکھا ہے اور کسی حالت اور صورت میں دینے والے کے لیے کوئی رعایت اور سہولت **ملحوظ نہیں رکھی** جس سے اس بدی کی رہی سہی بھی جڑ کٹ جاتی ہے کیونکہ جب سود دینے والا ہی نہ ہوگا تو لینے والا کہاں سے **پیدا ہوگا**۔ **آج** اس زمانہ میں سود خوری اور سود دینا ایک عام بات ہوگئی ہے۔ اور یہ بھی دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی ہے جو پوری ہوگئی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا جیسا کہ ابوداؤد۔ نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں درج ہے۔

سُورۃ البقرہ

رکوع اوّل

دانائی کی باتوں کا آغاز۔خدائے علیم کا کلام۔اس کی طرف سے سچی کتاب۔اس کتاب کے ہادی ہونے کا دعوی۔متقیوں کا ہدایت نامہ۔ایمان بالغیب اور اس کا ثمرہ۔قیام نماز وادائے زکوٰۃ۔آخری دن پر ایمان۔آسمانی کتابوں کا ماننا۔ایمانداروں کا انجام۔ایسے ایمان سے انکار کرنے والوں کی حالت۔الٰہی عظمت کی بے پروائی سے دلوں کا سخت ہونا۔خدائی مہر۔ایسے منکروں کا انجام۔

ضروری یادداشت:۔ ہم نے سورۃ الفاتحہ پر تشریحی نوٹ لکھتے وقت اس امر کی صراحت کر دی ہے کہ قرآن کریم میں مختلف طرز وطرق پر الفاتحہ ہی کی تفسیر فرمائی گئی ہے۔اس لئے سورۃ البقرہ کے مطالب ومعانی پر پوری واقفیت حاصل کرنے اور ان سے حظ اٹھانے کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ ہمارے پڑھنے والے سورۃ الفاتحہ کے اُن مختصر مطالب کو جو ہم بیان کر آئے ہیں نصب العین رکھیں۔

عام مطالب قبل ازیں کہ رکوع اول کا ترجمہ اور اُس پر ضروری نوٹ بیان کریں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس رکوع میں اللہ کریم نے کیا کیا بیان فرمایا ہے۔

(الف) اپنے اسماء باطنی کا اظہار فرمایا ہے۔ یعنے جیسے سورۃ الفاتحہ میں اسماء ظاہری اللہ رب العالمین۔رحمٰن۔رحیم۔مالک یوم الدین وغیرہ کا ذکر فرمایا تھا۔سورۃ البقرہ کو اسماء باطنی سے شروع کیا ہے۔

(ب) عرب کے اُس واجب الاحترام طرز مختصر نویسی کی طرف ایما فرمایا ہے جو عربی زبان کی فضیلت اور اس کے جامع اور ام الالسنہ ہونے کی قوی دلیل ہے۔

(ج) الوہیت۔ربوبیت۔رحمانیت۔رحیمیت۔مالکیت یوم الدین کا اقتضا اور ان صفات کا مظہر قرآن کریم کو بتلایا ہے۔

(د) اہدنا الصراط المستقیم۔کی قبولیت کی بشارت دی ہے۔

(ہ) قبولیت دعا کے اسباب بتلائے ہیں۔

(و) قرآن کریم کی صداقت پر ایک زبردست دلیل بیان کی ہے۔

(ز) ایمان۔ایقان۔عرفان یا فلاح کی حقیقت اس کے حصول کی راہیں دکھلائی ہیں اور ان کے ثمرات کو بتلایا ہے۔مندرجہ بالا امور کے اظہار سے انعمت علیہم تک کی صراحۃً تفسیر فرمائی اور اس کے خلاف عمل کرنے سے برے نتائج کا پیدا ہونا ضمناً دکھلا کر غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

(ح) مغضوب علیہم کی تفسیر فرمائی۔اور محرومی کے اسباب بتلائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا کریں جو انسانیت کے دائرہ سے انسان کو نکال رہی ہے۔ اور دہریت اور مادہ پرستی کی طرف لے جا رہی ہے۔ اخلاقی حالت جو کچھ ان ممالک کی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان کی معاشرہ کو دیکھکر افسوس اور رحم آتا ہے۔ کیا اس تہذیب و تمدن کا یہی اثر اور نتیجہ نہیں کہ **بدکاری** عام ہو رہی ہے اور زناکاری کو کوئی جرم نہیں سمجھا جاتا۔ قمار بازی کے نت نئے طریق ایجاد ہوئے ہیں اور سب سے بڑھ کر ام الخبائث اور جماع الاثم **شراب** کا وہ دور دورہ ہے کہ پانی کو صرف نہلانے اور کپڑے دھونے کے لیے سمجھا گیا ہے اور پینے کے لیے شراب ہی رہ گئی ہے جس قوم اور ملک کی روحانی اور اخلاقی حالت یہ ہو وہ قوم اور ملک تو بہت ہی قابل رحم ہے اسے ترقی یافتہ سمجھنا ہی غلطی ہے + کیونکہ اس کا انجام بہر حال خطرناک ہے +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لاانتہا درود ہوں کہ آپنے دنیا میں تشریف لاکر **سود جیسی ام الجرائم شئے کو حرام فرمایا**۔ یہ ایسی بدی ہے کہ اس کے پیٹ سے شرابخوری۔ زناکاری۔ قماربازی جیسی لاانتہا بدیاں جننے والی بدیاں نکلتی ہیں +

غرض

جہاں تک نظر کی جاوے سود کا اثر تمدن و تہذیب پر اچھا پڑتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ یہ ایک خطرناک زہر ہے جو قوموں کو تباہ کیا کرتی ہے۔ اور اسی لیے **اسلام** نے اسے حرام ٹھیرایا +

یہودی

ہم دنیا کی ایک مشہور اور اپنے وقت کی زبردست قوم کا ذکر کرتے ہیں وہ قوم جس میں انبیاء علیہم السلام کثرت سے آتے رہے وہ **قوم** جو ملوک کہلاتی وہ **قوم** جو نحن ابناء اللہ و احباءہ کے دعوے کرتی تھی۔ وہ **قوم** خود جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ایک وقت چنا تھا اور فضلتکم علی العلمین کہا تھا۔ وہ **قوم** جو توراۃ کی وارث کہلاتی ہے؟ **ہاں** جو آج دنیا میں **یہودی** نام سے پکاری جاتی ہے + اس قوم کی حالت پر نظر کرو جو پکار کر کہتی ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

یہودی آج دنیا بھر میں سب سے زیادہ دولتمند اور متمول ہیں لیکن کس قدر افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ انکی یہ دولت اور ثروت ان کا **متمول** باوصفیکہ اکثر سلاطین عالم ان کے مقروض ہیں لیکن انکی وہ ذلت و خواری جو عام نظروں میں ہے اسے کم نہیں کر سکتا + ان کی ایسی حقارت کیوں کی جاتی ہے؟ اور کیوں سب نے بالاتفاق اس قوم کو سنگدل اور قسی القلب یقین کر لیا ہے، اس کے گو اور وجوہات اور اسباب بھی ہیں جن کا ذکر خدا تعالیٰ کی حمید اور مجید کتاب نے صراحت سے کیا ہے مگر اس کا ایک باعث اور زبردست باعث **سود خواری** بھی ہے۔ یہودیوں میں یہ سود کا لین دین ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ اور اسی نے انھیں ہمیشہ سنگدل اور جفاکار بنائے رکھا۔ یہاں تک کہ یہ جفاکار قوم خدا تعالیٰ کے برگزیدوں اور ماموروں کو (جو ناقۃ اللہ کہلاتے تھے) بھی دکھ دینے اور ستانے سے باز نہ رہ سکے۔ یہ ظلم اور قساوۃ اسی سے پیدا ہوا تھا کیونکہ ظالم سودخوار نوع انسان کے محتاج افراد کو جس طرح قتل کرتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اسی نے یہودیوں پر بھی اپنا اثر کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں انسے عام نفرت اور حقارت پیدا ہوگئی۔ **شیکسپیر** نے **تاجر وینس** نامی ڈرامے میں **شایلاک** یہودی کا جو قصہ لکھا ہے وہ سود خواری کی مذمت دکھانے کو کافی ہے جس نے ایک پونڈ گوشت پر قرض دیا تھا۔ اس میں شایلاک کی نسبت جس قدر کریہ اور سخت الفاظ استعمال کیے ہیں ان کی نظیر شاید مشکل سے ملے۔ مگر ہمیں **تعجب** ہے کہ انگریزی تہذیب کے دلدادہ اس **ڈراما** کو کثرت کے ساتھ دیکھتے اور پڑھتے ہیں یہاں تک کہ نصاب تعلیم میں بھی اسے داخل کیا گیا ہے لیکن اسپر بھی سود کی حمایت اور اسکے جواز و حلت کے لیے سعی کرنا عجیب بات ہے۔ **غرض** یہودیوں کی ذلت اور حقارت کا بہت بڑا باعث یہ **سود** ہی ہے جس نے انھیں سنگدل بنایا اور وہ خدا کے ماموروں کا مقابلہ کرنے والے ہوگئے۔ اس سے پتا لگتا ہے کہ **سود** کیسی بری چیز اور انسانی فضائل کیسے قطع کرنے والی ہے اب اس قوم کا جو حال ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ہر چند کہ متمول ہے لیکن مشرق و مغرب میں ایک چپہ بھر زمین کی مالک نہیں اور وہ سلطنتیں اور قومیں جو متمدن اور مہذب کہلاتی ہیں انکو خارج کرنے پر مستعد پائی جاتی ہیں روس میں

مانگتا ہوں اور پھر اس پر بس نہیں بلکہ اور ترقی کر کے کہتا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم یعنے اس کے بعد کہ اے میرے مولا مجھے ایسی عبادت کی توفیق دی اس پر استقامت اور دوام بھی عطا فرما - کیونکہ اس استقامت پر وہ درجہ ملتا ہے جہاں ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ یعنے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس بات پر استقامت اور دوام رکھتے ہیں تو ان پر ملائک نازل ہوتے ہیں یعنے انکو الہام الٰہی سے بہرہ ملتا ہے - اور خود انعمت علیہم کہہ کر تصریح کر دیتا ہے کہ نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین کے کمال عطا فرما - اور مجھے بھی اُن برگزیدہ بندوں میں داخل فرما جنپر تیرے انعام ہوئے ہیں - مگر ہاں اُن لوگوں کی راہ سے بچائیو جنپر تیرا غضب اسی دنیا میں بے جا عداوت اور علم پر عمل نکرنے کی وجہ سے بھڑکا اور امت غضبیہ کہلائی - گویا اس میں غضب بیحد - علم پر عمل نہ کرنے کی ظلمت اور ان کے بد نتائج سے پناہ مانگتا ہے اور ایسے ہی ان لوگوں کے اعمال و افعال سے پناہ مانگتا ہے جو جاہل ہیں یا کسی کی بے جا محبت میں سرشار ہیں - غرض ایک نہایت مودبانہ اور مضطربانہ حالت سے اس پاک ذات کے احسان اور اپنی کمزوریاں پیش کرتا ہے اور اس کی قبولیت کا اُمیدوار ہو کر کہتا ہے :- **آمین** مولا کریم ایسا ہی کر -

سورۃ الفاتحہ جیسا کہ ابتدا میں بیان کیا گیا ہے کل قرآن کریم کو ایک طرح پر اپنے اندر رکھتی ہے - اس لئے اس کے متعلق اس وقت اسی قدر ضروری مضامین کے بیان کرنے پر کفایت کر کے رحمٰن رحیم خدا کے نام سے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر قرآن عظیم کا ترجمہ کرتے ہوئے بیان کریں گے - مولا کریم ہمارے ساتھ ہو - ھو نعم المولیٰ و نعم النصیر - اللّٰھم علمنی من القرآن ما جھلت و ذکرنی من القرآن ما نسیت - آمین



احادیث میں تو سود کی یہاں تک برائی کی گئی ہے کہ سود خوار۔ شاہد۔ کاتب وغیرہ سب ایک ہی حکم کے نیچے رکھے گئے ہیں غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ سود کی برائی کو پورے طور پر ذہن نشین کرنا چاہتے تھے اور اس رسم بد کا کلی استیصال آپ کا منشاء مبارک تھا اور حقیقت میں ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ یہ بدی بھی ایک نوع سے تمام بدیوں کو اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور تمدن کی دشمن ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ ربا کا استیصال کرنا ہی آپ کی اعلیٰ درجہ کی **تمدنی اصلاح** کا ثبوت ہے اور اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ آپ کی نظر کیسی وسیع اور باریک در باریک **بدیوں** تک پہنچتی ہے۔

ایک **حدیث** میں سود لینے والے۔ اور دینے والے اور کاتب تک اور گواہوں تک کو مطعون ٹھیرایا ہے اس کی جڑ بھی وہی استیصال ربو ہے۔

سود خواری کی برائی میں صحیح بخاری کے اندر ایک **حدیث** آئی ہے جسکو ہم یہاں نقل کرتے ہیں

حدثنا موسیٰ بن اسمٰعیل قال حدثنا جریر بن حازم قال حدثنا ابو رجاء عن سمرۃ بن جندب قال قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم رأیت اللیلۃ رجلین اتیانی فاخرجانی الیٰ ارض مقدسۃ فانطلقنا حتیٰ اتینا علیٰ نہر من دم فیہ رجل قائم علیٰ وسط النہر و رجل بین یدیہ حجارۃ فاقبل الرجل الذی فی النہر فاذا اراد ان یخرج رمی الرجل بحجر فی فیہ فردہ حیث کان فجعل کلما جاء لیخرج رمی فی فیہ بحجر فیرجع کما کان فقلت ما ھذا فقال الذی رأیتہ فی النہر اٰکل الربوٰ

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے رویا میں دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ارض مقدس میں لے گئے پھر ہم سب ایک خون کی ندی پر پہنچے جہاں دیکھا کہ ایک شخص اس خون کی ندی میں کھڑا ہوا ہے اور ایک دوسرا شخص اس ندی کے کنارے پر اس کے سامنے پتھر لیے کھڑا ہے جب وہ شخص جو خون کی ندی کے بیچ کھڑا ہے باہر آنے کی کوشش کرتا ہے تو باہر والا شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے اور اسے باہر نہیں نکلنے دیتا بس وہ واپس ہٹ جاتا ہے ایسا ہی ہوتا رہا یعنی جب کبھی وہ نکلنے کے لیے کوشش کرتا باہر والا پتھر مار کر اسے ہٹا دیتا۔ اس نظارہ کو دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ یہ شخص کون ہے جو خون کی ندی سے باہر نکلنا چاہتا ہے اور نہیں نکل سکتا۔ اس کا جواب یہ دیا کہ یہ شخص **سود خوار** ہے۔

مفصل اور پوری **حدیث** کو **بخاری*** نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔ اس پر غور کرنے سے صاف یہ عقیدہ کھل جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سود خوار کو کس درجہ تک برا سمجھتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کیا سزا مقرر کی ہے۔

لاریب ایک سود خوار دنیا سے خون ہی چوستا ہے اس کے ذریعہ سے جو جو آفتیں نوع انسان کی کمزور افراد پر آتی ہیں اور جس قدر غریب اس بلا سے پامال ہوتے ہیں ان پر کسی قدر بسط سے ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔

غرض جہاں تک قرآن کریم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات میں **سود** کے متعلق غور کیا جاوے اس کی قباحت اور مذمت پائی جاتی ہے۔ اور تجربہ خود اس پر زبردست گواہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آفت سے بچائے رکھے۔ آمین

* دیکھو صحیح بخاری جلد ۱ باب آکل الربا۔

کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا۔ چہ جائے کہ سفر و حضر میں انسان اس کو اپنے پاس رکھ سکتا۔ اس سے پہلا سبق جو انسان کو حاصل ہوا وہ قلّ و دلّ لکھنے کی تعلیم ہے۔ جو قانون قدرت کے اس نظارہ کے موافق ہے کہ مخلوقات کو زبان ایک اور کان دو دیئے ہیں۔ یہ طرز اور اسلوب بھی قرآن کریم کی صداقت اور زبان عربی کے ام الالسنہ ہونے کی ایک دلیل ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ طبع سلیم سے اسپر غور کیا جائے کیونکہ فطرۃ اللہ میں قدرتی باتیں اپنے اختصار و ایجاز میں کمال رکھتی ہیں اور بے انتہا عجائبات ان میں موجود ہیں۔

تو

عرب چونکہ مختصر نویس۔ مختصر کلام کرنے والے تھے اللہ کریم نے انکی طرز پر قرآن کریم میں کلام کی ہے چنانچہ عرب اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيهِ رَاجِعُون کی بجائے رجع اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ کو حوقل سے ادا کر لیتے اور بہت سے لمبے لمبے فقرات مختلف طرز پر مختصراً بولتے ہیں۔ عربی میں مختصر نویسی کے بہت سے قائدے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے جو الم میں استعمال کر کر دکھایا ہے۔

اب

اسقدر ضروری امور کے بعد الم کے معنے جو کچھ بیان کئے جائیں گے انکا سمجھ لینا مشکل نہ ہوگا۔

ا۔ الم سورۃ البقرہ کا نام ہے جو الحمد شریف کی تفسیر ہے۔ عرب ایسے نام رکھتے ہیں حماسہ میں ایک شاعر کا نام بالام ہے۔ اور کتاب اللہ میں ایسے ناموں کے کئی سر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس نام میں مندرجہ ذیل چند اسرار منجملہ بہت سے اسرار کے لکھے جاتے ہیں

(ا) اس سورہ شریف میں تین قصے بیان ہوئے ہیں آدم۔ اسرائیل۔ ابراہیم۔ اس لئے الف سے آدم ل سے اسرائیل اور م سے ابراہیم مراد ہے۔

(ب) عرب یا حلقی حروف بولتے ہیں یا وسطی یا شفتی۔ الم میں الف حلقی۔ ل وسطی۔ م شفتی ہے۔ چونکہ اس سورہ شریف میں تحدی کی گئی ہے اس لئے الم کے الفاظ سے یہ بتلایا ہے کہ قرآن کریم گو انہی الفاظ کا مرکب کلام ہے جو تمہاری کلام کے اجزا ہیں مگر اس کی مثل لانے سے عاجز ہو اسلئے یہہ نام گویا قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا نشان ہے۔

(ج) حروف کے بہت اقسام ہیں شدیدہ۔ رخوہ وغیرہ۔ دنیا نے جو تقسیم حروف کی کی ہے قرآن کریم نے نصف ضرور لی ہے اس کو الم میں دکھایا ہے۔

(د) عرب میں اصول کلمات کی تقسیم پنج حرفی تک ہے اور مقطعات قرآنی بھی پنج حرفی تک ہیں۔ ایک سے لیکر پنج حرفی تک قرآن کریم میں موجود ہے۔ جیسے ق۔ کھیعص۔

(ہ) شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ہر حرف کو اپنے معنوں کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہوتی ہے" ان حروف کی باریکی کو وہ لوگ خوب سمجھتے ہیں جو سماع و اعمال و علم اشتقاق کے واقف ہیں۔

عرب لوگ الف یا ہمزہ استفہام کے لئے بولتے ہیں۔ پس محاورہ عرب کے موافق الف بہ نوع سوال کو جو انسان زبان حال سے کہتا ہے ظاہر کرتا ہے۔

ل تعریف کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنے غیر متعین کو متعین کر دیتا ہے۔

م اشیاء متفرقہ کو جمع کر دیتا ہے کیونکہ بولنے کے وقت نیچے اور اوپر کے ہونٹ کو ملا دیتا ہے جہاں سے شروع ہوتا ہے وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ پس اب صاف ظاہر ہے کہ رضاء الٰہی کے طالب کے لئے غیب غیر متعین کا تعین اس سورہ شریف میں ہوتا ہے۔

(و) الم کے لفظ سے بطریق جمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس بشارت کی طرف ایما ہے جو اکتیس نبیوں کے بائیس صحیفوں میں مرتسم ہے۔

یہ وہ اسرار ہیں جو سورۃ البقرہ کا نام الم رکھنے میں بطریق اختصار وہ بیان کرنے کیلئے مناسب معلوم ہوئے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا اٰکِلُ الرِّبٰوا فَاِنْ لَّمْ یَاْکُلْ اَصَابَہٗ مِنْ بُخَارِہٖ وَ یُرْوٰی مِنْ غُبَارِہٖ (ابو داؤد ص ۱۱۷ نسائی ابن ماجہ وغیرہ) قولہ بخارہ اثرہ بان یکون موکلا او شاھدا او کاتبا او ساعیا او اکل من ضیافتہ وھدیتہ (مرقاۃ و لمعات)

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ ان میں کوئی ایسا نہ ہوگا۔ جو سود خوار نہ ہوگا۔ کوئی خود (یعنی بلا واسطہ) سود نہ کھائے گا تو اُسکو بخار یا غبار تو ضرور پہنچ رہے گا۔ یعنی وہ سود خوار سے بذریعہ ضیافت ہدیہ وغیرہ اس کا حصہ پائے گا۔ یا وہ معاملہ سود کا بواسطہ شہادت و کتابت وغیرہ مددگار ہوگا۔

اب یہ پیشگوئی کھلے کھلے طور پر پوری ہوگئی +

سود کی حرمت و مذمت پر خدا اور اُس کے رسول ؐ کی شہادت

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ربا (سود) کی حرمت و مذمت پر اللہ اور اُس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی شہادت کو یکجا کر دیا جاوے تاکہ ناظرین تفسیر کو زیادہ موقع غور و فکر کا مل سکے۔

الف ۔ (اللہ تعالے کی ہدایت)

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَہٗ مَوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ فَانْتَھٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ جو لوگ ربا کھاتے ہیں وہ اُس شخص کیطرح اُٹھیں گے جسکو شیطان نے مخبط الحواس کر دیا ہو۔ اس کا باعث یہ ہے کہ انھوں نے کہا کہ بیع کا معاملہ بھی ربا جیسا ہی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے (پس ربا کو بیع پر قیاس کرنا صریح غلطی ہے) پس جسکے پاس پروردگار کیطرف سے نصیحت کی بات پہنچی اور وہ آیندہ کے لیے باز آگیا تو پہلے جو کچھ لے چکا ہے وہ اس کا ہو چکا اور اس کا معاملہ اللہ تعالے کے حوالہ اور جو (منع کرنے کے بعد بھی) پھر ربا کھاوے پس وہی لوگ اہل جہنم ہیں رہ پڑے اُس میں ہمیشہ اللہ تعالے ربا کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالے ہر ناشکر گذار منکر خطاکار سے ناراض ہے۔ ہاں جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ایمان کے موافق اچھے اعمال کیے اور نماز کو قائم کیا اور زکوۃ دیتے رہے ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے۔ انپر کسی قسم کا خوف ہوگا نہ حزن۔ ایمان والو تقوی اللہ کا اختیار کرو۔ اور تقویٰ یہ ہے کہ جو کچھ ربا لوگوں کے ذمہ باقی ہے اُسے چھوڑ دو بحالیکہ تم مومن ہو اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اُسکے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان سُنلو اور اگر تم توبہ کر دو تو تمھارے لیے تمھارا راس المال ہے نہ ظلم کرو اور نہ ظلم کیے جاؤ + (بقرہ)

اور پھر فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً وَّ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ۔ ایمان والو سود در سود (بڑھ بڑھ کر) مت کھاؤ اور تقوی اللہ اختیار کرو تاکہ تم بامراد ہو جاؤ۔ اور اُس آگ سے ڈرو جو کہ کافروں کے لیے طیار کی گئی ہے (آل عمران رکوع ۱۴)

الم۔ ذالک الکتب لا ریب فیہ۔ ھدی للمتقین۔

الم۔ یہ کتاب ہے اس میں کوئی ہلاکت و تردد نہیں۔ متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔

الم سے کیا مراد ہے

الم کے معنے سمجھ میں آجانے کے لئے اس امر کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم جیسا کہ ظاہر ہے زبان عربی میں نازل ہوا۔ اور ہمارے سید و مولا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خود عرب تھے اور قرآن کریم کے پہلے مخاطب عرب ہی تھے جن میں آجتک کوئی نذیر نہ آیا تھا۔ اس لئے قرآن کریم میں اُسی قسم کے محاورات اور روزمرہ کو استعمال کیا ہے جو عربوں میں مروج تھا۔ اگر اسپر کوئی یہ کہے کہ پھر قرآن کریم کا مشن عام اور عالمگیر کیونکر ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب کئی طرز پر ہو سکتا ہے مگر ہم یہاں صرف ایک بات پیش کریں گے اور اسپر مفصل بحث مقام مناسب پر ہوگی۔

یہ بات نہایت صفائی اور وضاحت کے ساتھ سمجھ میں آسکتی ہے کہ صراط مستقیم ایک اور صرف ایک ہی ہو سکتی ہے کیونکہ دو نقطوں کے درمیان قریب تر خط خط مستقیم کہلاتا ہے اور وہ کبھی ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ پس الوہیت اور عبودیت کے درمیان جو خط قریب تر واقع ہے وہ صراط مستقیم ہے جس کے انخفاضی نقطہ پر عبودیت پڑی ہے اور ارتفاعی نقطہ پر الوہیت ہے۔ اس بحث کو اب ہم درمیان نہ لائیں گے کہ انسان حقیقی تعلق الوہیت سے پیدا کرنے کے لئے کس طرح پر معراج حاصل کرتا ہے اور کیونکر وہ مدارج ترقی طے کرتا ہے کیونکہ یہ ایک جدا مضمون ہے۔ پس الوہیت اور عبودیت کے مابین اقرب راہ صراط المستقیم ہے جس کو کہیں اسلام کے نام سے کہیں فطرۃ اللہ کے نام سے کہیں دین القیم کے نام سے اور کہیں ہدایت کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے۔ اب جیسے یہ راہ ایک ہی اور ایک ہی ہونی چاہیے اسی طرح پر اس راہ کی حقیقت کے اظہار کے لئے زبان بھی ایک ہی زبان ہے جو ام الالسنہ کہلاتی ہے۔ جس طرح پر صراط المستقیم کے خلاف اور راہیں نکالی گئی ہیں اسی طرح پر مختلف زبانیں عربی سے بگڑ کر بنالی گئی ہیں اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہر زبان میں عربی زبان کا ایک حصہ موجود ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زبان سے بڑھکر کوئی دوسری زبان کھولکر بیان کرنے والی نہیں ہے۔ اور عربی زبان اپنے الفاظ کے اندر ایک علم اور اُنکی حقیقت اور خاصیت و معانی کا خزانہ رکھنے میں عدیم المثال ہے۔ جیسے کافور۔ دبا لینے والی چیز۔ قلب۔ پھیرنے والا۔ ارض۔ زورت چکر کھانے والی وغیرہ۔ مگر اور کوئی زبان اس طرح پر اپنے الفاظ کی حقیقت بیان نہیں کرسکتی۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زبان کے جو الفاظ دوسری زبانوں میں مختلط ہوئے ہیں وہ زبانیں اُن کی وجوہ تسمیہ بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ مثلاً اگر کسی انگریز سے ارتھ (ارض) کی وجہ تسمیہ پوچھیں تو نہ بتا سکے گا جیسا کہ ایک عرب۔

ان سب امور پر یکجائی نظر کرنے سے عربی زبان کا ام الالسنہ ہونا ثابت ہوتا ہے واضح اور مبسوط طور پر یہ راز سربستہ ہمارے امام علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی گرانقدر تصانیف میں کھول دیا ہے جن میں سے ایک خاص کتاب اس مضمون پر لکھی ہے جس کا نام منن الرحمن ہے۔

الغرض

صراط المستقیم کے اظہار کے لئے یہ ماننا پڑے گا کہ ایک ہی زبان ہو سکتی ہے۔ اور وہ عربی ہے۔ چونکہ دوسری کل زبانیں عربی ہی سے نکلی ہیں اس لئے قرآن کریم کل قوموں کے لئے ہادی اور نذیر قرار پایا۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کے اصول اور ہدایتیں ایسی عالمگیر ہیں کہ دنیا کا کوئی قطعہ اور کوئی قوم اور کوئی انسان خواہ وہ کسی طبقہ اور درجہ کا ہو اُنکی تعمیل میں تکلیف مالایطاق کا اعتراض نہیں کرسکتا۔ **پس**

قرآن کریم اہل عرب کے محاورات اور روزمرہ کے موافق نازل ہوا ہے۔ اب عرب چونکہ بڑی لمبی باتوں کو مختصر الفاظ میں بیان کر دینے کے عادی تھے اس طرز کو قرآن کریم نے لیا ہے۔ اور یہ بہت ضروری بات تھی اگر ایسا نہ کیا جاتا تو قرآن کریم جو قیامت تک اور کل دنیا کے لئے ایک ہی کتاب کل صداقتوں کا مجموعہ ہے اس قدر ضخیم ہو جاتی جس کا اٹھانا اور پھر پڑھنا ایک انسان

تلک امانیہم - بقرہ - ۶ - ۱۲) یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم - واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین - بقرہ - ۶ - ۵ - وقالوا کونوا ھودا او نصاریٰ تھتدوا قل بل ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین بقرہ - ۶ - ۱۶ - یاایہا الذین اٰمنوا ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیہا فی نار جہنم فتکوی بہا جباھھم وجنوبہم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون (توبہ - ۶ - ۵ -)

پرستی اور یہودیت چھوڑ کر نماز پڑھا کریں اور خدا پرستی اختیار کریں اور جو لوگ پہلے ہی خدا پرست اور مسلمان ہوں انکو نماز پڑھنے کی حاجت نہیں ہے - حالانکہ کوئی مسلمان اسبات کا قائل نہیں ہو سکتا -)

وازانجملہ حکم فرضیت **زکوٰۃ** ہے کہ وہ بھی باتفاق تمام اہل اسلام عام حکم ہے - مگر اس حکم کے متضمن آیات کی سیاق وسباق میں ایسی ہی خصوصیت ذکر یہود پائی جاتی ہے کئی آیات میں ذکر ہے کہ پہلے یہودیوں کو زکوٰۃ کا حکم دیا تھا - ایک آیت میں حکم زکوٰۃ کے بعد یہودیوں سے نقل کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو کہتے ہیں تم یہودی ہو جاؤ - ایک آیت میں ذکر ہے کہ یہودی علما اور نصرانی درویش لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں - اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انکو دردناک عذاب ہوگا - ان خصوصیات کا لحاظ کرنے میں اگر کوئی آپ کی چال چلے اور قرینہ تخصیص کا مخالف عموم ہونا ضروری نہ مانے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حکم فرضیت زکوٰۃ یہودیوں سے (جو لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور مسلمانوں کو یہودی بنانا چاہتے ہیں) مخصوص ہے - ان پر خدا نے کفر اور مال مردم خوری کی سزا میں جزیہ (ٹیکس) لگایا ہے مسلمان خدا ترس اس سزا سے بری ہیں (اسبات کے کہنے پر بھی کوئی مسلمان جرأت نہیں کر سکتا +

وازانجملہ حکم فرضیت **حج** ہے کہ وہ بھی باتفاق اہل اسلام عام ہے - مگر اس حکم کے متضمن آیات کے سیاق وسباق میں بھی ایسی ہی خصوصیات پائی جاتی ہیں - ایک آیت میں حکم فرضیت حج بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ جو شخص کفر کرے گا اس سے خدا بے پروا ہے اور فرمایا اے اہل کتاب تم خدا کی آیات سے کیوں کفر کرتے ہو - اور اس سے پہلے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم کے دین کی

قل صدق اللہ فاتبعوا ملۃ ابراھیم وما کان من المشرکین ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعلمین فیہ اٰیات بینات مقام ابراھیم ومن دخلہ کان اٰمنا - وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا - ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین یااھل الکتب لم تکفرون باٰیات اللہ - واللہ شھید علی ما تعملون (اٰل عمران - ۶ - ۱۰)

پیروی کرو وہ مشرک نہ تھے - ان خصوصیات کے لحاظ میں بھی اگر کوئی آپ کی چال چلے اور بے ضبطی اختیار کرے تو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حکم حج بھی مشرکوں اور یہودی کافروں سے مخصوص ہے ان ہی کو خدا نے حکم دیا ہے کہ وہ کفر و شرک چھوڑ کر کعبہ کا حج کریں - جسکو خاص خدا کی عبادت کے لیے مقرر کیا گیا ہے مسلمان خدا پرست جہاں رہیں خدا کی عبادت کریں - انکو اس تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے (اس کا بھی کوئی مسلمان قائل نہیں ہو سکتا +

ازانجملہ حکم فرضیت **روزہ** ہے وہ بھی باتفاق اہل اسلام عام حکم ہے مگر اس حکم کے متضمن آیات میں حکم روزہ رمضان کے بعد یہ

یاایہا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون - شہر رمضان الذی انزل فیہ القراٰن ھدی للناس وبینٰت من الھدی والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ومن کان

فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے مشکل نہیں چاہتا - اور اس کے بعد گنتی پوری کرنے کا بھی ذکر ہوا ہے اور اس سے پہلے پہلی امتوں کا ذکر ہوا ہے کہ ان پر بھی ایسے ہی روزے فرض ہوئے تھے جیسے تم پر - اس میں بھی اگر کوئی آپ کی چال چلے اور بیقانونی

منعم علیہ گروہ کا دستور العمل ثابت کیا اور ضمناً بتلا دیا کہ دعا میں جو مغضوب اور ضال کی راہ سے بچنے کی درخواست ہے۔ اس راہ پر چلنے والا اس راہ سے نجات پا جائے گا کیونکہ تمام انعمت علیہم کی جماعت کے پاس جنکو دوسرے لفظوں میں متقی کہتے ہیں جو کچھ علیحدہ علیحدہ ہدایتیں آئیں یہ سب کی جامع ہے۔

یہانتک سورۃ الفاتحہ کی تفسیر مختصر طریق پر ہو چکی اور کتاب کے مصنف متکلم اور اس کتاب کے مادہ اور صورۃ اور غایۃ کا بیان ہو چکا تو اب اس بات کا تذکرہ ہوتا ہے کہ اس ہدایت پر انسان کیونکر پہونچ سکتا ہے یا یہ کہو کہ آگے اس رکوع میں قبولیت دعا مذکور کے اسباب اور ذرایع پر بحث فرمائی ہے جو اپنے موقع پر آتی ہے۔

الکتاب کے لفظ میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو قرآن کریم میں کمی بیشی کا گمان کرنے والے نادانوں اور منکران قرآن کریم کو ملزم کر رہی ہے۔ کیونکہ کتاب کے معنے ہیں لکھی ہوئی۔ محفوظ اور مجموعہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جسوقت کوئی آیت نازل ہوتی تھی اسی وقت لکھی جاتی تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مخالفوں کی دست برد اور تحریف سے قرآن کریم ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ چنانچہ دوسری جگہ صراحت کیساتھ بیان فرمایا انا لہ لحافظون یعنے ہم قرآن کریم کے محافظ ہیں پس جھوٹے ہیں وہ نادان جو کہتے ہیں کہ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مرتب اور مکمل نہیں ہوا اور ظالم ہیں وہ کم ظرف جو قرآن کریم کی نسبت ایک طرفۃ العین کے لئے بھی یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ انسانی دست برد کے نیچے آیا ہے۔ پھر کتاب کا لفظ بتلا رہا ہے کہ کوئی صداقت نہیں ہے جو قرآن کریم میں نہیں ہے کیونکہ کتاب بمعنی مجموعہ بھی ہے اور فیھا کتب قیمۃ قرآن کریم کا دعویٰ ہے۔

لاریب فیہ۔ اس میں کوئی ہلاکت نہیں۔ کوئی تردد و چکر نہیں ہے۔ ریب اصل میں اس جنگل کو کہتے ہیں جہاں انسان کو راستہ کا پتہ نہ لگ سکتا ہو اور بھٹکتا ہوا ہلاک ہو جانے۔ قرآن کریم کی نسبت مولا کریم نے فرمایا کہ اس میں ہلاکت کی۔ راہیں نہیں ہیں۔ یعنے اس میں جو بات ہے پکی اور جو امر ہے وہ فیصل شدہ اور مفصل و محکم۔ اس کا ہر ایک پہلو اپنے اندر روشنی اور نور رکھتا ہے خواہ وہ عبادت کا ہو یا معاشرت کا۔ ہر حکم انسانی طاقت اور فطرت کے مطابق ہے۔ غرض کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کے کرنے میں انسان مشکلات میں پھنسکر ہلاک ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم۔ یہ ایک دعویٰ ہے اس کی دلیل یوں بیان فرمائی کہ ھدی للمتقین۔ دیکھلو تمام گزشتہ متقیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک جماعت اس کی بدولت ہی کامیاب ہوئی۔

ہدی للمتقین کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ جو شخص رضاء الٰہی کا طالب اور اس کی مخلوق پر اخلاص وصواب کے ساتھ شفقت کرنے والا ہو۔ وہ قرآن شریف کو اپنا دستور العمل بنا وے تو ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ متقی کی تفسیر خود خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ بیان فرما دی ہے مگر اس جگہ جو کچھ متقی کے معنے ہیں وہ آگے اسی جگہ آتے ہیں۔

ازالہ وہم یہ امر بھی یاد رہے کہ ہدی للمتقین پر اکثر لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ ہدایت کی ضرورت تو ان لوگوں کو ہے جو فاسق اور بدکار ہوں اور جو متقی ہیں انکو ہدایت بکار نہیں۔ اس لئے انجیل کی یہ تعلیم کہ حکیم بیمار کو مطلوب ہے نہ تندرست کو بہت صحیح ہے" اس قسم کا سوال ہدایت کی فلاسفی پر غور نہ کرنے اور صحیفہ فطرت پر عدم تدبر سے پیدا ہوتا ہے۔ دیکھو آفتاب کا فیضان توسیع اور عام ہے لیکن وہ احمق ناقدر شناس اس سے کیا فائدہ اٹھائے گا جو گھر کی کھڑکی اس نیت سے بند کر دے کہ آفتاب کی روشنی اندر نہ آنے پاوے۔ آفتاب کی روشنی مخصوص نہیں ہے لیکن اس کے حصول کے ذریعہ کو بہم پہونچانا لازمی امر ہے اسی طرح سے قرآن کریم کی ہدایت مخصوص امر نہیں لیکن صدق نیت سے خدا کی طرف قدم اٹھانے والے متقی فائز المرام ہو کر ارتقا سے فلاح کے درجہ پر پہونچ جاتے ہیں اور ناعاقبت اندیش مستعجل وہم و شک میں پڑ کر بھٹکتا پھرتا ہے۔ مسیح کا قول کہ طبیب کی ضرورت بیماروں کو ہے" بظاہر کتنا ہی دل خوش کن اور چکنا چپڑا کیوں نہ ہو مگر مسیحی خود ہی سوچکر بتلا ویں کہ کیا وہ طبیب احمق نہ کہا جائے گا جو یہ کہے

بعض آیات سے بعض غلط نتیجے اور ان کا رفع

مسئلہ سود بہت ہی مشکل ہے اس کی جزئیات پر بحث کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہماری رائے میں یہ ایسے فقیہ کا کام ہے جو خدا تعالی سے خاص تائید پاوے۔ بہرحال اس مقام پر ہم ایک خاص امر کا ذکر کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ گذشتہ صفحوں میں اس مسئلہ کے سلجھانے اور سمجھانے کے لیے چند رکوعوں کو یکجا جمع کر کے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ قرآن کریم کے اس طرز بیان سے بعض لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہوا ہے کہ ان آیات کے سیاق سیاق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سود صرف مسکینوں سے لینا منع ہے البتہ دولتمندوں اور متمول اشخاص سے لینا چاہیے + یہ دھوکا بڑے بڑے سمجھدار لوگوں کو لگا ہے لیکن ہم اس کے ماننے کو طیار نہیں ہیں

جس شخص کو قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے اُسے غنی قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا۔ ایسی صورت میں وہی مشکلات اور مصائب جو **سود کے جواز** سے غربا پر آتے ہیں ان حاجتمند خیالی غنی پر بھی آئیں گے۔ یہ ناممکن ہے کہ زہر زید کو تو ہلاک کرے لیکن بکر کو اُسی مقدار کا زہر فائدہ پہنچاوے۔ علاوہ بریں اس سیاق سیاق میں کسی جگہ کوئی مستثنٰی اس امر کا نہیں ہے کہ **اغنیا** سے سود حلال ہے بلکہ عام طور سے اللہ تعالی **حرمت ربٰو** کا حکم دیتا ہے۔ پھر یہ عمومیت کسی صورت میں دور نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی لفظ اس حکم کو مخصوص بمساکین ٹھیراتا ہے۔

او نریبل سید احمد خان صاحب آنجہانی نے بھی اس مسئلہ پر یہی رائے ظاہر کی ہے کہ یہ آیات مخصوص بمساکین ہیں لیکن کوئی وجہ موجہ اس کے متعلق پیش نہیں کی۔ صرف **قرینہ** پیش کیا ہے ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ اصول صحیح نہیں کیونکہ اگر یہ قاعدہ کلیہ تسلیم کر لیا جاوے گا کہ ہر ایک سیاق وسباق جس میں کوئی خصوصیت پائی جاوے وہ حکم عام کی تخصیص کر دے گا تو پھر قرآن کریم کے احکام کو حالت عمومی سے بدل دینا پڑے گا (معاذ اللہ منہا) کیونکہ ان احکام کے سیاق وسیاق میں کوئی نہ کوئی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ او نریبل سر سید کے اس قسم کے اعتراضات پر مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی نے اشاعۃ السنہ میں ایک عمدہ آرٹیکل لکھا تھا (مولوی محمد حسین صاحب اس وقت سلسلہ عالیہ کے خاموش مخالف ہیں لیکن خدا تعالی کے وعدہ کے موافق ہم ان کے رجوع کے منتظر ہیں) **اسلام** حکمت کی ہر بات کو اپنا حق سمجھتا ہے اس لیے ہم ان کے الفاظ میں اس حصہ کو یہاں نقل کر دینا ہی کافی سمجھتے ہیں

"اور اگر راقم کے نزدیک قرینہ تخصیص کا حکم عام سے مخالف ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور ہر ایک سیاق وسباق جس میں کوئی خصوصیت پائی جاوے حکم عام کی تخصیص کا موجب ہو سکتا ہے۔ تو اس سے کوئی حکم اسلام کا اپنے عموم پر باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ ہر ایک حکم کے آگے یا پیچھے ایسا ذکر پائے جاتے ہیں جن میں کوئی نہ کوئی خصوصیت موجود ہے حالانکہ ان خصوصیات سے کوئی عموم احکام اسلام کو مخصوص ومقید نہیں کرتا۔

اس کی **تمثیل** میں ہم چند عام احکام قرآن نقل کرتے ہیں۔ جن کی سیاق وسباق میں کچھ کچھ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ومعہذا وہ جملہ اہل اسلام کے نزدیک (جن میں غالباً آپ بھی شامل اور ان سے متفق الرائے ہوں گے) ان خصوصیات سیاقیہ وسباقیہ سے مخصوص ومقید نہیں ہیں از انجملہ ایک حکم **فرضیت نماز** ہے جو تمام اہل اسلام کے نزدیک ہر مسلم عاقل بالغ کے حق میں عام ہے حالانکہ اس حکم کی متضمن آیات کے سیاق وسباق میں کچھ کچھ خصوصیات پائی جاتی ہیں ایک آیت میں حکم نماز کے بعد یہ ذکر ہے کہ تم

اقیموا الصلوۃ ولا تکونوا من المشرکین (الروم-۶-۴)

مشرک نہ بنو۔ ایک آیت میں حکم نماز کا مخاطب خاصکر یہودیوں کو کیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی آپ کی راہ چلے اور یہ ضبطی اختیار کر کے قرینہ تخصیص کا عموم حکم عام کے مخالف ہونا ضروری اور شرط تخصیص تسلیم نہ کرے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حکم فرضیت نماز مشرکوں اور یہودیوں سے مخصوص ہے اور عام نصوص میں انھیں لوگوں کو کہا گیا ہے کہ وہ بت

واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الا اللہ وبالوالدین احسانا وذی القربی والیتمی والمساکین وقولوا للناس حسنا واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ۔ (بقرہ-۶-۱۰) اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ان اللہ بما تعملون بصیر۔ وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصرٰی

ہم نے

جیساکہ اس رکوع کے شروع میں بیان کیا ہے سورۃ البقرہ میں سورۃ الفاتحہ کا رنگ اور تفسیر دکھائی ہے اس لئے اس طرز پر اب ہم اس رکوع کو شروع کرتے ہیں بحولہ وبقوتہ تعالےٰ۔

الم۔ یعنی اللہ بہت جاننے والے نے غیب غیر متعین کو متعین کیا ہے اس عالم میں جو مرکب ہے سماوی اور ارضی اسباب سے ایسے حروف کیساتھ جو حلقی اور وسطی اور شفتی مخارج سے نکلے ہیں اور تمہارے حروف کی جنس سے ہیں جس کی تصدیق کرتی ہیں الواح موسیٰ اور اکتیس نبیوں کی چالیس کتابیں میں نے ہی جبرئیل اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ تم کو پہونچایا۔

سورۃ الفاتحہ میں بہی ایک سوال اور درخواست ہے جو اہدنا الصراط المستقیم کے لفظ میں ادا ہوئی ہے۔ اس لئے اس مقام پر لفظ الف سے اُس اہدنا الصراط المستقیم کی دعا کی طرف ایما فرمایا ہے۔ اور چونکہ دعا کے لئے ایک جوش صادق اور اخلاص کی ضرورت ہے جس کا منبع اور چشمہ حسن و احسان ہے جو سورۃ الفاتحہ کے الفاظ اللہ۔ رب العالمین۔ الرحمن۔ الرحیم۔ مالک یوم الدین میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس مفہوم کو الحمد للہ سے شروع کرکے دکھلایا ہے۔ اس لئے اس مقام پر یعنے سورۃ البقرہ میں ل سے اُن محامد کی تخصیص کرکے دکھائی جیسے الحمد للہ کا الف لام بتلارہا ہے۔

پھر ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیت یوم الدین کا اظہار اور اقتضا مبنی ہے علم پر کیونکہ جبتک علم تام نہ ہو صفات تامہ کا ظہور کیونکر ہو۔ اس لئے م کے لفظ میں ان ہر چہار صفات کو جو ام الصفات ہیں بیان کرکے دکھایا ہے اور فرمایا ہے الم یعنے انا اللہ اعلم۔

اور جیساکہ سورۃ الفاتحہ میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ ایاك نعبد وایاك نستعین صفات الٰہی پر جو اوپر بیان ہوئی ہیں غور کرنے سے ایک جوش کے ساتھہ مونہہ سے نکلتا ہے اسی طرح الم گویا بجائے خود الحمد للہ سے لیکر ایاک نستعین تک کی ایک جامع تفسیر ہے۔

اور الم کے یہ معنے کہ انا اللہ اعلم ہیں گو حدیث شریف سے بھی ثابت ہیں اور سورۃ الفاتحہ کے ساتھہ مطابقت دکھلانے میں بھی ہم نے ثابت کیا ہے کہ یہی معنے ہو سکتے ہیں۔ ہمارے زمانہ کے امام علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام نے بہی یہی معنے کئے ہیں۔ یوں بہی ثابت ہو سکتے ہیں کہ ہر ایک چیز کے لئے چونکہ چار علتوں کا ہونا ضروری ہے یعنے علت فاعلی۔ علت مادی۔ علت صوری۔ علت غائی۔ اب اس مقام پر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذالك الكتاب علت مادی ہے اور لاریب فیه علت صوری ہے اور هدی للمتقین علت غائی ہے۔ لہذا اربعہ متناسبہ کے قاعدہ سے تین معروف چیزوں کے ذریعہ چوتھی غیر معلوم چیز معلوم ہوسکتی ہے۔ اور وہ علت فاعلی یہاں الم ہے۔

ذالك الكتاب لاریب فیه هدی للمتقین۔ بے شک یہ کتاب (جس میں کوئی ہلاکت وحیرت کی راہ نہیں) متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ یا بے شک یہ کتاب (محفوظ۔ مرقوم۔ مجموعہ) ہے اس میں ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔ یا یوں کہو یہی ہے اصلاح کرنے والی کتابوں کی جامع۔ یا یہی ہے محفوظ یا یہی ہے حجۃ یا یہی ہے رسول کی سامنے کی لکھی ہوئی کسی قسم کی کوئی ہلاکت اس میں نہیں یا اس میں تردد کا کوئی مقام نہیں یہی ہدایت نامہ ہے تمام متقی جماعت کا۔

ان تین فقروں یعنے ذالک الکتاب۔ لاریب فیہ۔ ہدی للمتقین میں اہدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیہم۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی جامع تفسیر ہے۔ اور اُس دعا کی قبولیت کی طرف ایما ہے۔ ذالك کا لفظ بتلارہا ہے کہ وہ ہدایت جو اہدنا میں مانگی ہے اس کا ثمرہ ذالک الکتاب ہے۔ اور چونکہ وہ صراط المستقیم منعم علیہ گروہ کی صراط مطلوب ہے اس لئے لاریب فیہ نے اس کی صداقت پر مہر کی اور ہدی للمتقین نے تائید کرکے اس کتاب کو

اور اسباب کے قائل اور مسلمان تو کب ہو سکتے ہیں۔ راقم عبارات* مذکورہ سے بھی امید نہیں کہ اس کا قائل ہو جاوے۔ اور ان تخصیصات کو جو احکام عام فرضیت نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ اور حرمت شراب و زنا بیان ہوئے ہیں یا جو اور احکام میں ہو سکتے ہیں صحیح تسلیم کرے۔

اس بیان سے وہ اعتراض رفع ہوا اور بخوبی ثابت ہوا کہ راقم عبارت مذکورہ نے جو اپنا اختلاف جدید حکم عام حرمت سود قرض میں ظاہر کیا ہے اور اس حکم کو مسکینوں سے مخصوص کر کے اس سے مالداروں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے وہ بے محل و مخالف اجماع سابق ہونے کے علاوہ بجائے خود بھی حق و صحیح نہیں ہے۔ اور سیاق و سباق آیہ حرمت ربا میں جو مسکینوں پر صدقہ و خیرات کرنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ وہ حکم حرمت سود قرض مسکینوں سے مخصوص نہیں کر سکتا۔

بعض ذریات راقم عبارت مذکورہ اس حکم سود میں ایک اور تخصیص کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ اس میں خاص کر دگنا چگنا سود لینا حرام ہوا ہے۔ تھوڑا سا سود جو اصل رقم کے برابر نہ ہو اس حکم حرمت سے مستثنیٰ اور جائز ہے۔ اور اس پر وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جس میں یہ ارشاد ہے۔ اے ایمان والو! چند در چند سود نہ لو اور خدا سے ڈرو۔

يا ايها الذين امنوا لا تاكلوا الربوا اضعافا مضعفة و اتقوا الله لعلكم تفلحون (ال عمران - ع ۱۳)

اس کا جواب بھی بیان سابق میں ادا ہوا ہے۔ کہ کوئی قید یا خصوصیت حکم مطلق یا عام کے اطلاق یا عموم کو باطل نہیں کرتے جبتک کہ وہ قید یا خصوصیت اطلاق یا عموم حکم کے مخالف نہ ہو یعنی عموم یا اطلاق کے معارض نہ ہو۔ اور یہ قید چند در چند کی جو اس آیت میں ہے اس حکم عام و مطلق کی کہ سود (خواہ کیسا ہو) لینا چھوڑ دو۔ مخالف نہیں ہے۔ بلکہ یہ حکم خاص کہ دو چند در چند سود نہ لو" اور وہ حکم عام ایک دوسرے کے مؤید و مصدق ہیں۔ حکم عام کا مؤید و مصدق حکم خاص ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ حکم عام میں ہر قسم کے سود سے (جس میں چند در چند لینا بھی شامل ہے) منع کیا گیا ہے۔ حکم خاص بھی حکم عام کی تائید سے خالی نہیں ہے۔ اس میں حکم عام کی بعض صورتوں (دو چند لینے کی صورت) کی تائید تو پائی جاتی ہے گو بعض صورتوں (کم سود لینے کی صورت) کی تائید سے وہ ساکت ہے۔ بہر حال یہ حکم خاص اس حکم عام کا مخالف کسی وجہ سے نہیں ہے۔

مخالف تب ہوتا جبکہ اس میں یہ کہا جاتا کہ چند در چند سے سود کم لے لیا کرو اس قدر سود لینا حلال ہے۔ اور یہ بات نہ اس آیت میں صراحۃً کہی گئی ہے اور نہ قید چند در چند سے مفہوم و مقصود ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس قید سے یہ مقصود نہیں ہے تو یہ قید کیوں لگائی ہے اور اس سے مقصود کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ چند در چند سود لینا کم سود لینے سے زیادہ ظلم اور حق تلفی کا موجب ہے اس سے بچنے کی بھی کوشش کرو اور اس میں خدا سے ڈرو۔

اس کی پوری نظیر یہ حکم قرآنی ہے کہ قرابتیوں اور مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو۔ حالانکہ اجنبیوں کا حق ادا کرنا بھی ویسا ہی فرض ہے۔ اور یہ حکم کہ اپنی اولاد کو فقیر کے خوف سے قتل نہ کرو حالانکہ اولاد سے علاوہ لوگوں کو مارنا بھی ویسا ہے گناہ ہے اور اولاد کو فقر کے خوف کے علاوہ اغراض فاسدہ سے قتل کرنا بھی ویسا ہی گناہ ہے۔ اور یہ حکم کہ یتیموں کے مال میں خیانت نہ کرو اور اسکو ظلم سے نہ کھاؤ حالانکہ اوروں کے مال میں بھی خیانت کرنا جائز نہیں اور نہ اس کا ظلم سے کھا لینا جائز ہے۔

وات ذا القربى حقه والمسكين وابن السبيل • ولا تقتلوا اولادكم خشية املاق • ولا تقربوا مال اليتيم الا بالتي هي احسن (بنی اسرائیل - ع ۳ -)
ان الذين ياكلون اموال اليتمى ظلما انما ياكلون في بطونهم نارا (النساء ع ۱) ولا تكرهوا فتيتكم على البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الدنيا ومن يكرههن فان الله من بعد اكراههن غفور رحيم (النور - ع ۴)

اور یہ حکم کہ اپنی باندیوں کو مال کے طمع سے زنا پر مجبور نہ کرو۔ اگر وہ پاک رہنا چاہیں حالانکہ کسی اجنبی عورت کو اور اپنی

* مراد از سید احمد خان صاحب *

ہوتا ہے کہ جب انسان مرئی اشیاء اور محسوسات کو دیکھکر خدا تعالےٰ پر جو نفس الامر میں قطعاً ظاہر لیکن انسانی آنکھ میں نہاں در نہاں ہستی ہے ایمان لاتا ہے تو اس کے اندر ایک جوش پیدا ہوتا ہے کیونکہ جن اشیاء کو دیکھکر اس نے مولا کریم کی ہستی کو مانا ہے وہ سب کے سب اسپر احسانات الٰہی ہیں پس اُن احسانات کو دیکھکر اس کا دل خدا کی کبریائی اور ثنا سے بھر جاتا ہے اور اس طرح پر وہ الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین پکارتا ہوا خدا کے حضور گر جاتا ہے۔ اور عظمت لامر اللہ کے لئے اس ابتدائی مرحلے پر پہونچ جاتا ہے جو یقیمون الصلوۃ میں خدا تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے یعنے **متقی کا دوسرا درجہ** وہ نماز جو اسلامیوں کو سکھائی گئی ہے اسے ٹھیک درست رکھتے ہیں اقامۃ الصلوۃ ایمان بالغیب (جو قلبی حالت کا نام ہے) کے بعد پیدا ہوئی۔ اور جوارح پر ایمان کا اثر اور عمل شروع ہوتا ہے۔ یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایمان کے دو عظیم الشان حصے ہیں ایک کا نام تعظیم لامر اللہ ہے اور دوسرے کا نام شفقت علی خلق اللہ۔ پس جبکہ ایمان بالغیب کے بعد وہ تعظیم لامر اللہ کے لئے طیار ہوتا ہے تو اس کو اقامۃ الصلوۃ کی توفیق ملتی ہے۔

صلوٰۃ کا لفظ صلی سے نکلا ہے جس کے معنے ہیں کسی لکڑی کو گرم کر کے سیدھا کرنا۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان جب سے نماز کی طیاری کرتا ہے اسی وقت سے وہ سیدھا ہونا شروع ہوتا ہے اور جب خدا تعالےٰ کے حضور دنیا اور اس کی بیجا مشیختوں سے دست بردار ہو کر اللہ اکبر کہکر کھڑا ہو جاتا ہے اور مولا کریم کی عظمت و جبروت کا اعتراف کرتا اور ہر عیب سے اس کی تسبیح بیان کرتا ہے اور اپنی عبودیت کا اقرار کر کے دعائیں مانگتا ہے تو ہر قسم کی دل کی کجی دور ہوتی اور ایک راستی اور استقامت اس کے بدلے میں دی جاتی ہے اس لئے اھدنا الصراط المستقیم کی دعا ہر رکعت میں ضروری ہے اور یقیمون الصلوٰۃ میں یقیمون کا لفظ بتلاتا ہے کہ اس ابتدائی حالت میں گویا نماز گری پڑتی ہے۔ اور حقیقت میں اس حالت میں انسان عجیب مشکلات میں ہوتا ہے لیکن جب وہ خدا تعالےٰ کے حضور اخلاص و صواب سے کھڑا ہو کر اس کی عظمت کا اعتراف کرتا ہے اور اسی سے استعانت چاہتا ہے تو جیسا کہ نماز کی خصائص میں سے ہے کہ وہ اس کو فواحش اور منہیات سے بچا لیتی اور بغاوت کی راہوں سے ہٹا لیتی ہے۔ خدا کی عظمت کے ساتھ ساتھ اس کے ایمان کی دوسری شاخ سرسبز ہونے لگتی ہے۔ یعنے شفقۃ علی خلق اللہ کا درجہ اس کو ملتا ہے جو گویا قبولیت دعا کے لئے تیسرا ذریعہ اور تکمیل ایمان کا تیسرا وسیلہ اور تکمیل ایمان کا دوسرا شعبہ ہے۔ چنانچہ جب اس درجہ تک متقی پہونچ جاتا ہے تو پھر اس کو یہ توفیق ملتی ہے کہ وہ دل کے جوش اور اخلاص کے ساتھ

ومما رزقناھم ینفقون

پر عامل ہوتے ہیں یعنے جو کچھ مولا کریم نے اپنی رحمانیت یا رحیمیت سے انکو دیا ہے اس میں سے یا اس کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (اس آیت میں انسانی قلب اور قویٰ کی فرمانبرداری یومنون سے اور اعضا کی فرمانبرداری صلوۃ سے اور اموال کی فرمانبرداری انفاق سے ظاہر ہے) ومما رزقناھم سے مُراد جو کچھ اللہ تعالےٰ نے عطا کیا ہے۔ زبان دی ہے تو اس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام لے۔ علم دیا ہے لوگوں کو پڑھائے۔ مال و دولت دی ہے اُس کو مستحق امداد لوگوں پر خرچ کرے۔ غرضکہ جو کچھ دیا گیا ہے۔ اس منزل پر جب مومن پہونچتا ہے تو اس کو ایک استقامت اور شجاعت ملتی ہے جیسا کہ انعمت علیھم میں مرکوز ہے۔ یومنون بالغیب میں صالح کے درجہ پر ہوتا ہے کیونکہ اصلاح کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور قدم اٹھاتا ہے۔ مگر پھر جب ایمانی صدق کی حالت میں جب تعظیم لامر اللہ کے واسطے جوش ظاہر کرتا ہے وہ درجہ گویا صدیق کا ہوتا ہے اور انفاق رزق شجاعت اور ہمت بلند کو چاہتا ہے پس اس مقام پر گویا شہید ہوتا ہے اور خدا کی راہ میں عزیز سے عزیز جان تک کے دینے میں بھی دریغ نہیں کرتا۔ یہ گویا فلاح کی دوسری منزل ہے جو انسانی ہستی کا اصل مقصود ہے اور یہی اس کی زندگی کا معراج ہے۔ ومما رزقناھم ینفقون سے یہ

منکم مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر - یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدة ولتکبروا الله علی ما ھدٰکم ولعلکم تشکرون (بقرہ رع ۲۲ -)

اختیار کرے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ خاصکر رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم پہلی اُمتوں سے مخصوص ہے - اس اُمت مرحومہ کے لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں انکو یہ اجازت دی گئی ہے کہ اگر وہ رمضان میں روزہ رکھنے کو مشکل سمجھیں تو بجاے رمضان کسی اور مہینہ یا کئی مہینوں میں جس میں روزے رکھنے آسان ہوں روزے رکھ لیا کریں اور گنتی پوری کر دیا کریں (اور اس کا بھی کوئی مسلمان قائل نہیں ہو سکتا)

ازانجملہ حکم **حرمت شراب** ہے - یہ حکم بھی ہر ایک مکلف کے حق میں باتفاق اہل اسلام عام ہے باوجودیکہ اس حکم کے متضمن آیات کی سیاق و سباق کچھہ کچھہ خصوصیات پائی جاتی ہیں - ایک آیت میں اس حکم کے بعد یہ ذکر ہے کہ شیطان شراب پلاکر

یا ایہا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون - انما یرید الشیطٰن ان یوقع بینکم العداوة والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر الله وعن الصلوٰة فھل انتم منتھون - واطیعوا الله واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلٰغ المبین - لیس علی الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا واٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت ثم اتقوا واٰمنوا ثم اتقوا واحسنوا والله یحب المحسنین - (س - مائدہ - ع ۱۲)

تم میں بغض و عداوت پھیلانا - اور تمکو ذکر خدا سے اور نماز سے روکنا چاہتا ہے - اور یہ ذکر کہ جو ایمان لائے ہیں اور انھوں نے نیک عمل کیے انپر گناہ نہیں اس میں جو وہ پی چکے ہیں (جس سے واقع میں یہ مراد ہے کہ جو مومن نیک عمل حرمت شراب سے پہلے شراب پی کر فوت ہو چکے ہیں وہ گناہ گار نہیں مرے) اس میں اگر کوئی آپ کے اصول پر چلے - اور تخصیص حکم عام میں بیقانونی اختیار کرے تو وہ بدست آویز سیاق یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ ان لوگوں سے مخصوص ہے جو شراب پی کر آپس میں لڑیں - اور نماز پڑھنا چھوڑ دیں اور وہ لوگ جو قوت معدہ اور دماغ کے سبب یا تھوڑی شراب پینے کے التزام سے شراب پی کر بدحواس ہوکر آپس میں نہ لڑیں بلکہ آپس میں محبت کریں اور ذکر و نماز سے غافل نہ ہوں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہو سکتا -)

ازانجملہ حکم **حرمت زنا** ہے - یہ حکم بھی باتفاق اہل اسلام عام ہے مگر اس حکم کے متضمن آیات کی سیاق و سباق میں بھی ایسی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں - ایک آیت میں حکم ممانعت زنا سے پہلے یہ ذکر ہے کہ اپنی اولاد کو فقیری کے خوف سے

ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطأ کبیرا - ولا تقربوا الزنٰی انه کان فاحشة وساء سبیلا - ولا تقتلوا النفس التی حرم الله بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل انه کان منصورا - ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا - (بنی اسرائیل - ع ۴)

قتل نہ کرو - اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ یتیموں کا مال نہ کھاؤ اور اس سے پہلے سورہ نساء میں ذکر ہے کہ تمھاری مائیں اور بیٹیاں تمپر حرام ہیں - اس میں بھی اگر آپ کے اصول پر کوئی چلے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ اس آیت میں عام زنا کی ممانعت مراد نہیں بلکہ خاصکر یتیم لڑکیوں سے یا اپنی اولاد سے زنا کی ممانعت مراد ہے اور اس حکم سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو اور عورتوں سے زنا کرتے ہیں - کیونکہ وہ کسی کی حق تلفی اور ظلم نہیں کرتے - (اور اس بات کا بھی کوئی مسلمان قائل نہیں ہو سکتا -)

اسی قسم کی **تخصیصات** تمام احکام میں بقرینہ سیاق و سباق ہو سکتے ہیں اگر قرینہ تخصیص کا عموم عام کے مخالف ہونا ضروری اور شرط تخصیص تسلیم نہ کیا جاوے اور بے ضبطی اور بے قانونی اختیار کرکے ہر ایک قرینہ اور خاص ذکر کو جو سیاق و سباق میں احکام عام کے پایا جاے موجب تخصیص ٹھیرایا جاوے -

کہ دوائیں کھاتا ہوں اور فائدہ مریض کو ہوگا ؟ کیا کوئی دانشمند اس امر کو مان سکتا ہے کہ مریض کی مرض کا علاج نہ کیا جائے اور طبیب کی نسخہ دانی یا خواص الادویہ ہی سے مرض کافور ہو جائے ؟ ممکن نہیں۔ پس انجیلی یسوع کا یہ قول ایک دل خوش کن وعدہ ہو تو ہو مگر اس کی عملی صورت ممکن نہیں۔ پس قرآن کریم کی یہ بات کیسی فلسفیانہ بنا پر قائم ہے کہ وہ متقیوں کے لئے ہدایت نامہ ہے یعنے جو لوگ صدق اور اخلاص کے ساتھ خدا تعالےٰ کی راہوں پر چلتے ہیں وہ فلاح پا جاتے ہیں اور یہی قرآن کریم کی علت غائی ہے کہ ھدی للمتقین۔

اس سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنکو ہدایت کی ضرورت ہے اور جو اس ضرورت کو محسوس کر کے عملی طور پر اس ضرورت کو پورا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ احساس ضرورت کا تعلق دل سے ہے اس لئے احساس کے بعد پہلی حالت جو متقی کی ہوتی ہے وہ خدا تعالےٰ نے یوں بیان فرمائی ہے **یومنون بالغیب**۔

اب یاد رہے

کہ اھدنا الصراط المستقیم کے حصول کی راہوں پر بحث ہونے لگی ہے۔ مولا کریم بتلاتا ہے کہ اگر انسان چاہتا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم کی دعا قبول ہو تو یہ حالتیں اپنے اندر اس کو پیدا کرنی چاہئیں گویا قبولیت دعا کے چھ اسباب بیان فرمائے ہیں اور یہ اسباب ایسے ہیں کہ ایک کے حاصل کرنے سے دوسرے کی توفیق ملتی ہے۔ یہ امر بھی یاد رہے کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کی پاک تفسیر کا سر بھی ان آیات میں آئے گا اگر کامل فکر سے کام لیا جاوے چنانچہ فرمایا کہ متقی کون ہوتے ہیں ؟

الذین یومنون بالغیب ۔ متقی وہ ہوتے ہیں جو الغیب پر ایمان لاتے ہیں۔ یا لوگوں سے غائب رہ کر بھی مومن بنے رہتے ہیں۔

متقی کا پہلا درجہ ایمان بالغیب ہے۔ اور ایمان اس حالت میں مان لینے کا نام ہے جبکہ علم ابھی کمال تک نہیں پہونچا اور شکوک و شبہات سے ہنوز لڑائی ہے۔ پس جو شخص ایمان لاتا ہے یعنے باوجود کمزوری اور نہ مہیا ہونے کل اسباب یقین کے اس بات کو اغلب احتمال کی وجہ سے قبول کر لیتا ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کے حضور راستباز اور صادق شمار کیا جاتا ہے اور اس فعل پر خدا تعالےٰ کی طرف سے اس کو توفیق دیجاتی ہے یہانتک کہ وہ ایقان اور فلاح تک پہونچ جاتا ہے۔

الغیب سے مراد اللہ کریم بھی ہے۔ اور الغیب سے مراد یہ بھی ہے کہ جیسا مومن باللہ جلوت میں ہو خلوت میں بھی ہو۔ لوگوں کے سامنے مومن بننا آسان ہے مگر خلوت اور تنہائی میں کارست وارد۔ پس سب سے پہلا اور ابتدائی مرحلہ مومن متقی کے لئے ایمان بالغیب کا ہے۔ ایمان بالغیب حسن ظن اور صبر سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ متقی کو اولاً ہدایت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ پس اس احساس کے بالمقابل دل میں ایک نور ایمان کا پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ جوش دل سے نکل کر جوارح پر اپنا اثر کرنے سے پیشتر زبان پر آتا ہے۔ اور پھر تمام اعضا اور جوارح اور اپنے متعلقات سے کام لیتا ہے۔

یومنون بالغیب پر غور کرنیسے یہ پتہ لگتا ہے کہ چونکہ ایمان اس علمی حالت کا نام ہے جو قرائن قویہ کو دیکھکر پیدا ہوتی ہے جیسے دور سے دھواں نکلتا ہوا دیکھکر آگ کی موجودگی کی نسبت ایک خفیف سا علم بین الشک والیقین پیدا ہوتا ہے اور اپنی ابتدائی حالت کی وجہ سے ظنی حالت میں ہوتا ہے۔ اگر انسان واقفیت تامہ کے لئے سعی کی طرف نہ چلے تو اندیشہ ہوتا ہے کہ مبادا وہ علم اس کا زائل ہو جائے اسی طرح پر غیب کا لفظ نہایت لطیف طور پر ایمان کی فلاسفی کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور ترتیب الفاظ آیت پر غور کرنیسے اور بھی لطف پیدا ہوتا ہے جس سے معلوم

وعن عبادة بن الصامت عن النبي صلى الله عليه وسلم قال واذا اختلف هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد (مسلم ص۲۵)

وعن عمر رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الورق بالورق ربا الا هاء وهاء (مسلم ص۲۴ ومثله في البخاري ص۲۹)

وعن سهل بن ابي حثمة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع التمر بالتمر وقال ذلك الربا (مسلم ص۸)

دوسری صورت یہ کہ ان چھ چیزوں میں سے کسی چیز کا اپنے ہم جنس یا غیر جنس (مگر ہم پیمانہ وہم وزن سے) (مثلاً چاندی کا چاندی یا سونے سے) مبادلہ کریں تو ایک جانب نقد ہو دوسری اُدھار (مثلاً آج روپیہ دیا۔ اور کل اس کے بدلے چاندی یا سونا لینا کیا)

تیسری صورت یہ ہے کہ ان ہی چھ چیزوں میں سے کسی چیز کا ہم جنس سے مبادلہ کریں نیز ایک جانب کا مقدار وزن یا ناپ سے معلوم ہو دوسری جانب کا مجہول صرف اٹکل پچو۔

ایسی ہی بعض اور **صورتیں** ہیں جن پر احادیث میں ربا کا اطلاق پایا گیا ہے۔ **ان سب صورتوں میں** گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ربا کا حکم صادر فرمایا ہے مگر اس کے ساتھ یہ صاف اور صریح نہیں فرمایا کہ جو حکم ربا ان صورتوں میں صادر ہوا ہے یہ انہی صورتوں میں محدود و محصور ہے یا وہ اور صورتوں میں بھی جو انسے ملتی جلتی ہوں جاری ہو سکتا ہے۔ **اسوجہ** سے ان صورتوں میں (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں بیان نہیں ہوئیں پر وہ ان صورتوں سے جو حدیث میں بیان ہوئی ہیں ملتی جلتی ہیں) حکم ربا کا جاری ہونا محل اشتباہ اور جولانگاہ اختلاف واجتہاد علماء امت محمدیہ ہو گیا ہے۔

فرقہ ظاہریہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ اور وہ حکم ربا کو اُن ہی صورتوں میں محدود سمجھتے ہیں جن کا بیان حدیث میں ہو چکا ہے۔ ان کے نزدیک ایک سیر شکر کا دو سیر سے مبادلہ یا ایک پنسیری لوہے کا دو پنسیری سے مبادلہ (جس کا ذکر حدیث میں وارد نہیں ہے) جائز ہے۔ اور یہ بڑھوتری داخل ربا نہیں۔

جمہور فقہا علماء اسلام اُن غیر منصوص صورتوں میں بھی حکم ربا جاری کرتے ہیں۔ پر وہ باوجود اس حکم کی علت اور اس وصف کے تعین میں (جس کی نظر سے وہ غیر منصوص صورتیں منصوص صورتوں سے ملتی جلتی اور اُن کے حکم میں ہیں) مختلف ہو گئے ہیں۔

امام شافعی فرماتے ہیں بڑھوتری کے حرام یا ربا ہونیکی علت چار چیزوں (گیہوں۔ جو نمک۔ کھجور) میں ان چیزوں کا کھایا جانا ہے۔ اور دو چیزوں (چاندی۔ سونے) میں ان کا نقدی (یا دام) ہونا۔ ان اوصاف کے ساتھ ہمجنس ہونیکی شرط پائی جائے گی تو ربا محرم متحقق ہوگا۔ بناء علیہ ان کے نزدیک ایک انڈے کا دو انڈے سے یا ایک کھجور کا دو کھجور سے مبادلہ (جنمیں کھایا جانا اور ہمجنس ہونا پایا جاتا ہے) یا ایک پیسہ کا دو پیسہ سے مبادلہ (جسمیں دام یا نقد ہونا اور ہمجنس ہونا پایا

وقد اختلف في الالحاق هل يلحق بهذه الاجناس المذكورة غيرها فيكون حكمه حكمها في تحريم التفاضل والنساء مع الاتفاق في الجنس وتحريم النساء فقط مع الاختلاف في الجنس والاتفاق في العلة فقالت الظاهرية انه لا يلحق بها غيرها وذهب من عداهم الى انه يلحق بها ما يشاركها في العلة واختلفوا في العلة ما هي فقيل الاتفاق في الجنس والطعم وقيل الجنس والتقدير بالكيل والوزن (الدراري المضية) شرح الدرر البهية للشوكاني) اختلفوا في العلة على مذاهب فالقول الاول وهو مذهب الشافعي رضي الله عنه ان العلة في حرمة الربا الطعم في الاشياء الاربعة واشترط اتحاد الجنس وفي الذهب والفضة النقدية والقول الثاني قول ابي حنيفة رضي الله عنه ان كل ما كان مقدر ففيه الربا والعلة في الدراهم والدنانير الوزن وفي الاشياء الاربعة الكيل واتحاد الجنس - والقول الثالث قول مالك رضي الله عنه ان العلة القوت او ما يصلح به القوت وهو الملح والقول الرابع وهو قول عبد الملك بن الماجشون ان كل ما ينتفع به

اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۔ یعنے مسئلہ جزا و سزا کے قائل ہیں ۔ یہاں مخصوصاً قیامت کے لئے منحصر نہیں بلکہ یہ کہ ہر پچھلے نتیجے کے منتظر ہیں ۔ یہ آیت مالک یوم الدین کے بالمقابل ہے ۔

جزا و سزا کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو تمام نیکیوں کی اصل و جڑ ہے ۔ اگر نتائج پیدا نہ ہوں تو پھر نیکیوں کی ضرورت ہی کیا ہے ! لیکن یہ حقیقت اسلام نے آکر بیان کر دی اور کھول کر جزا و سزا کے مسئلہ کو بیان کیا ۔ انسان اگر آخرۃ پر یقین رکھے یعنے مسئلہ جزا و سزا کا قائل اور معترف ہو تو وہ گناہوں سے محفوظ رہ سکتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بدی کی سزا بدی ہے ۔ گناہ پیدا ہی جب ہوتا ہے جب اس مسئلہ پر پورا یقین نہیں ہوتا اور علم نہیں ہوتا ۔ غرض جب متقی اس درجہ تک پہونچ جاتا ہے تو وہ اپنے ایمان کو یقین کے درجہ تک پہونچا لیتا ہے ۔ پس جن لوگوں میں یہ صفات پیدا ہوں یعنے مومن بالغیب ہوں ۔ تعظیم لامر اللہ کے لئے نمازوں کو درست رکھتے ہوں اور شفقت علی خلق اللہ کے لئے جو کچھ محسن مولا سے ملا ہے اس کی مخلوق کی فائدہ اور نفع رسانی کے لئے خرچ کرتے ہوں ۔ اور پھر ان کے یہ افعال حسب فرمودہ الٰہی ہوں یعنے صواب کا رنگ رکھتے ہوں اور پھر انبیاء علیہم السلام قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحایف پر ایمان رکھتے ہوں اور اور مسئلہ جزا و سزا کے ماننے والے ہوں تو ایسے ہی لوگ ہیں جو مظفر و منصور ہونے والے ہیں چنانچہ فرمایا

اولئك على هدى من ربهم واولئك هم المفلحون

یہی لوگ اپنے رب سے ہدایت پر ہیں اور بیشک یہی لوگ مظفر و منصور ہونے والے ہیں ۔ یعنے جن لوگوں کیلئے قرآن کریم ہدایت نامہ ہے وہ یہی لوگ ہیں اور اس ہدایت نامہ پر عمل درآمد کرنے سے وہ اس درجہ پر پہونچ جائیں کہ دل میں ایک ایسی کیفیت حالی عشق اور محبت کی باذنہ تعالےٰ پیدا ہو جائے کہ تمام وجود لذت معرفت سے بھر جائے اور تجلیات الٰہی کو دیکھ لے اور ہر قسم کی ظلمت و قبض رفع ہو جائے یہانتک کہ بوجہ کمال عشق و محبت و بباعث انتہائی جوش صدق و صفا کے بلا ہی محسوس اللذت اور مدرک الحلاوت ہو ۔ تو یہ وہ درجہ ہے جس کو اطمینان اور فلاح کہتے ہیں ۔ حقیقی فلاح یہی ہے کہ انسان خدا تعالےٰ کی رضا حاصل کر لیوے ۔ پس ایسا انسان ہمیشہ مظفر و منصور ہوتا ہے ۔ یہانتک جیسا کہ ہم نے بالتصریح بیان کیا ہے انعمت علیہم تک کی تفسیر بیان ہو چکی ۔ اب اُن لوگوں کا ذکر فرماتا ہے جو مغضوب علیہم ہیں ۔ اُن کے ذکر کرنے سے مولا کریم کا یہ منشاء ہے کہ تا اُن اسباب کو اختیار نہ کیا جائے جو انسان کو مغضوب علیہ بنا دیں ۔

یہ امر پھر صفائی بیان کے لئے مکرر کہنا پڑتا ہے کہ قرآن کریم میں دراصل تین ہی قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا ہے ۔ منعم علیہ یا متقی ۔ مغضوب علیہم یا کافر ۔ ضالین یا منافق ۔

منعم علیہ کی تفسیر میں ضمناً مغضوب علیہ اور ضالین کا ذکر ہو لیا ۔ لیکن اب صراحت کیساتھ مغضوب قوم کا ذکر فرماتا ہے ۔ یہ بھی یاد رہے کہ متقی یا منعم علیہ گروہ جیسا کہ بیان ہوا خدا تعالےٰ کی نعمتوں کی قدر کرتا اور اس کی عطا کردہ طاقتوں سے کام لیتا ہے ۔ اس لئے وہ یوماً فیوماً اپنے اندر نئی طاقتیں جو ہدایت کا منشاء ہے پاتے ہیں اور پھر آخر کامیاب ہو جاتے ہیں جو ہدایت کی انتہا ہے ۔ لیکن جو لوگ خدا تعالےٰ کی دی ہوئی طاقتوں سے کام نہیں لیتے اور انعام الٰہی کی قدر نہیں کرتے وہ خدا تعالےٰ سے توفیق اور قوت نہیں پا سکتے اور اُن انعامات الٰہی سے بہرہ مند نہیں ہو سکتے عام طور پر قدرت کا لاتبدیل اور لاتحویل قانون یہی ہے کہ جب انسان کسی طاقت سے کام لینا چھوڑ دے تو وہ طاقت بتدریج کمزور یا بالکل زائل ہو جاتی ہے ۔ اور بالمقابل جس طاقت سے ٹھیک وہی کام لیں جس کے لئے وہ وضع ہوئی ہے تو وہ بتدریج بڑھتی جاتی ہے ۔ شکر نعمت پر ازدیاد نعمت کی

باندی کو طمع مال کے بغیر وہ عفت (پاک رہنا) نہ بھی چاہتی ہو زنا پر مجبور کرنا بھی ویسا ہی گناہ ہے۔ ومعہذا ان آیات میں یہ قیود اور خصوصیات اس غرض سے لگائی گئیں کہ ان حالتوں میں اور ان خصوصیات کے وقت وہ احکام جو ان آیات میں بیان ہوئے ہیں زیادہ مؤکد ہیں فعل حسن زیادہ نیک اور فعل بد زیادہ بد۔ ان **قیود** سے کوئی مسلمان یہ مقصود نہیں سمجھ سکتا کہ یہ قیدیں نہ ہوں تو یہ فعل حسن واجب نہیں اور فعل بد جائز ہیں ایسا ہی قید چند در چند کو سمجھنا چاہیے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ چند در چند سود لینا زیادہ بُرا ہے نہ یہ کہ اس سے کم سود لینا جائز ہے +

اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ قرض کا سود علی العموم والاطلاق حرام ہے اور وہ کسی تخصیص کا محل نہیں ہو سکتا اور اس میں کسی اختلاف جدید کی گنجایش نہیں ہے جیسا کہ وہ اختلاف قدیم کا محل نہیں ہے اور وہ سلف سے خلف تک بلا اختلاف و شبہ حرام مسلم چلا آتا ہے اسوقت کے لوگوں نے جو اسمیں اختلافات و تخصیصات پیدا کی ہیں کہ وہ مسکینوں سے لیا جائے یا چند در چند لیا جائے تب حرام ہے اور غنی اور مالداروں سے اس کا لینا یا کم مقدار اس کا کسی سے لے لینا جائز ہے یہ اتفاق و قرارداد سابق کے بھی مخالف ہے اور نصوص قرآن کے بھی مخالف ہے +

غرض

قرآن کریم کے ان مقامات پر نظر غور کرنے سے مجوزین حلت ربٰو کی دلیل بالکل پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک اور امر جسپر ہمکو علیٰ قدر فہم روشنی ڈالنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ اس آیت میں جو **ربٰو** کا لفظ آیا ہے اس سے خود زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا مفہوم سمجھا جاتا تھا اور اس کے عام اقسام کیا ہیں؟ سود کے متعلق

امام مالک اپنی کتاب **مؤطا** میں زید بن اسلم تابعی سے یوں نقل کرتے ہیں مالك عن زيد بن اسلم انه قال كان الربٰو فى الجاهلية ان يكون للرجل على الرجل الحق الى اجل فاذا حل الاجل قال اتقضى ام تربى فان قضى اخذ والا زاد فى حقه واخر عنه فى الاجل

یعنی مالک زید بن اسلم سے نقل کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں سود کی یہ شکل تھی کہ ایک شخص کا دوسرے کے ذمہ ایک میعادی قرض ہوتا جب وہ میعاد گذر جاتی تو قرضخواہ مدیون سے یوں کہتا کہ اب قرض ادا کروگے یا اصل رقم بڑھاؤگے اگر وہ قرض ادا کرتا تو اس سے لے لیتا ورنہ مقروض رقم بڑھا دیتا اور قرضخواہ میعاد زیادہ کر دیتا۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں **ربٰو** کے متعلق بیان کیا ہے کہ قرض کا سود ایک ایسا امر ہے جو زمانہ جاہلیت میں معروف و مشہور تھا اسکی صورت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کو اس شرط پر کچھ مال قرض دیتا کہ وہ ہر ایک مہینہ میں ایک رقم معین (سود) اسکو دیتا رہے اور اصل رقم بدستور اس کے ذمہ باقی رہے پھر جب میعاد قرض گذر جاتی تو قرض دہندہ اپنی پوری رقم کا مقروض سے مطالبہ کرتا وہ ادا نہ کر سکتا تو قرضخواہ میعاد بڑھا دیتا اور مقروض اصل رقم کو زیادہ کر دیتا۔

مختصر یہ کہ یہی صورت **ربٰو** کی عام طور پر جاری و ساری تھی اور یہ بالکل موٹی بات تھی۔ ایسا ہی سود کی دو بڑی قسمیں قرار دی گئی ہیں ایک تو یہی مندرجہ بالا صورت **ربٰو نسیہ** یعنی قرض کا سود اور دوسرا **بیع کا سود**۔

سود بیع کی کئی صورتیں ہیں جو احادیث نبویہ سے ثابت ہیں۔

ازانجملہ ایک صورت یہ ہے کہ چاندی۔ سونے۔ گیہوں۔ جو۔ کھجور اور نمک کا مبادلہ اپنے ہمجنس سے (مثلاً چاندی کا چاندی سے یا سونے کا سونے سے) کریں تو اس میں ایک جانب بڑھوتری ہو۔ دوسری جانب کمی (مثلاً ایک روپیہ کے بدلے دو روپے لیں یا ایک سیر گیہوں کے بدلے دو سیر گیہوں)

عن ابى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل يدا بيد فمن زاد او استزاد فقد اربى (مسلم ص ۲۵)

بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے جو قُویٰ انسان کو دیئے ہیں اُن کو جائز محل پر خرچ کرے ورنہ وہ سلب ہو جائیں گے۔ اِقَامَۃُ الصَّلوٰۃ اور انفاق مِمَّا اُوتِیَہ کے بعد اسکو توفیق ملتی ہے کہ وہ کلام اللہ پر اُس طرح سے ایمان لاوے جو ایمان لانے کا حق ہے چنانچہ فرمایا۔ والذین یومنون بما انزل الیک۔ اور متقی وہ لوگ ہیں جو اُس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتاری گئی۔ یعنے قرآن کریم پر۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ ایک نیک کام کے بعد دوسرے کی توفیق ملتی ہے کیونکہ ہدایت کا ایک منشا یہ بھی ہے اور قرآن کریم کی علت غائی ہدایت ہے اس لئے اس مقام پر متقیوں کے اس درجہ کو پہلی صفات کے بعد رکھا ہے۔ کیونکہ جب وہ استقامت پاتے ہیں تو پھر اُنپر خود ملائکہ کا نزول ہو کر ایمانی حالت کو عینی اور حالی صورت میں لاکر کلام الٰہی پر ایمان لانے کی حقیقت کھل جاتی ہے کیونکہ ایمانی حالت اب حسن ظن سے ترقی کرکے وہم اور شک کے داغوں سے صاف ہوتی جاتی ہے۔

دوسری بات معرفت کی جو اس آیت سے پیدا ہوتی ہے وہ یہہ ہے کہ ایمان بالغیب اور اقام الصّلوٰۃ۔ انفاق فی سبیل اللہ اپنے خیالی اور فرضی اصولوں کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ بطریق صواب ہوتا ہے۔ اس آیت میں برھموؤں کی تردید کی ہے۔ جب تک انسان مَا اُنْزِلَ اللہ کے موافق نیکی کے کام نکرے وہ نیکی کے کام اپنے اندر حسن اور زندگی کی روح پیدا نہیں کر سکتے۔

پھر تیسری بات جو اس آیت میں مرکوز ہے یہ ہے کہ اس درجہ پر آکر وہ گویا آثار نبوت سے حصہ پاتے ہیں جو منعم علیہ گروہ کا معراج ہے۔ ہمارے خیال میں اَنْعَمْتَ علیھم کی تفسیر کے ساتھ ان آیتوں کو جو لطیف تعلق ہے وہ ہم دکھا چکے ہیں۔ اور جب وہ اس درجہ تک پہونچتے ہیں تو پھر اس بات پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی پاک کلام کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے چنانچہ فرمایا وما اُنْزِلَ مِن قبلک یعنے اُن صحایف انبیا پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تم سے پیشتر نازل ہوئے۔

اس مقام پر کہ وَمَا اُنْزِلَ مِن قبلک فرمایا یہ اعتراض ہوا ہے اور نادان پادریوں نے غلط فہمی اور دھوکہ دینے کی غرض سے استنباط کیا ہے کہ مومن کامل کے لئے ضروری ہے کہ توریت انجیل وغیرہ صحف پر عمل کرے۔ اس کا مختصر جواب یہہ ہے کہ

اوّل۔ موجودہ اناجیل وغیرہ بالاتفاق عیسائیان اصل نہیں بلکہ ترجمہ ہیں اور یہ ایک مسلّم امر ہے کہ ترجمہ مترجم کے خیالات کا نمونہ ہوتا ہے نہ اصل۔ چہ جائے کہ ترجمہ در ترجمہ در ترجمہ ہو۔ پھر ان اناجیل کی حقیقت ہی کیا رہی؟

دوم۔ قرآن کریم بجائے خود تمام دنیا کی صداقتوں کا وہ خواہ وید میں ہوں یا تورات و انجیل میں ژند و ستا میں ہوں یا قوانین کنفوشش حکیم میں۔ غرض کہیں ہوں وہ سب کے سب قرآن کریم میں موجود ہیں چنانچہ پاک کتاب کا دعویٰ ہے فیھا کُتُب قیّمہ یعنے قرآن شریف میں پہلی کتابیں ہی ہیں۔ پس قرآن کریم پر ایمان لانا گویا کل کتابوں پر ایمان لانا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور الہام الٰہی پر ایمان لانا ہی درحقیقت ایمان بالآخرۃ کی کلید ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا وجود مسئلہ جزا و سزا کا ایک نمونہ ہوتا ہے۔ جب مومن مندرجہ بالا مراتب ایمان طے کر لیتا ہے تو گویا اس کے ایمان میں ایک پختگی و رسوخ آجاتا ہے اور آخرۃ پر اسکو یقین پیدا ہو جاتا ہے جو علمی حالت سے بڑھی ہوئی حالت ہے اس لئے اس موقع پر فرمایا کہ

وبالاخرۃ ھم یوقنون

اس مسئلہ میں یہی مسلک اختیار کیا ہے چنانچہ اپنے رسالہ میں اقرار کیا ہے کہ

"قسم دوم سود (بیع کے سود) کی ان صورتوں کے متعلق جن کا حکم حدیث میں مذکور نہیں ...... ان کی نسبت ہم صرف یہ ظاہر کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ہم امام الائمہ فخر الامہ حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی رائے زریں سے اتفاق رکھتے ہیں یا یوں کہیں کہ ہم ان کی رائے کے تابع ہیں" (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۲)

پس سود بیع کے متعلق اگر کوئی امر متنازعہ فیہ معلوم ہو تو اس میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ تبتک حضرت امام حجۃ الاسلام کی طرف سے کوئی امر پیش نہ ہو قابل تسلیم ہوگا۔

اسقدر بحث کے بعد اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے حضرت امام حکم و عدل ربانی کا ایک فیصلہ سود کے متعلق بھی دینا ضروری ہے جو ہمنے اپنے اخبار الحکم مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء کے ص۵ اور ۶ پر درج کیا ہے۔

سوال

سودی روپے کے لینے اور دینے کے متعلق کیا حکم ہے +

حضرت اقدس ؑ

ہمارے نزدیک سودی روپیہ لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ مومن وہ ہوتے ہیں جو اپنے ایمان پر قائم ہوں اللہ تعالیٰ ان کا خود متولی اور متکفل ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے اسقدر مومن دنیا میں گذرے ہیں وہ کبھی ایسی مشکلات میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ اللہ تعالیٰ ہر ضیق سے انکو نجات دیتا ہے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک نمونہ پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ جب کسی سے کچھ روپیہ لیتے تو اُس کے ساتھ کچھ اور بھی دیدیتے بطور پر کہ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ پر عمل ہوجاوے۔ اور یہ جو زائد دے دیتے وہ بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ اصل سے دو چند سہ چند ہوتا۔ ایسی صورتیں جائز ہیں کہ اگر کسی اپنے دوست سے روپیہ لے اور کوئی شرط اُس کے ساتھ نہ ہو تو فیصلہ مواسات کے طور پر کچھ بڑھا کرکے دے۔

لیکن جیسے آجکل عام طور پر مروج ہے کہ پہلے سود کا فیصلہ ہوجاتا ہے یہ جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

ایمان بڑی بابرکت چیز ہے مومن کو اللہ تعالیٰ ایسی مشکلات میں نہیں ڈالتا۔ مومن اپنے ربّ کی نسبت یقین رکھتا ہے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ مومن کو یہ ضرورت نہیں ہوتی اگر ہوتی ہے تو وہ خود کفیل ہوجاتا ہے۔ سود تو کوئی چیز نہیں اگر اللہ تعالیٰ مومن کو کہتا کہ تو زمین کا پانی نہ پیا کر تو میں ایمان رکھتا ہوں کہ اسکو آسمان سے پانی ملتا۔ جس قدر ضعف اور لاچاری ہوتی ہے اُسی قدر ایمان کی کمزوری ہوتی ہے۔ کوئی گناہ چھوٹ نہیں سکتا جبتک اللہ تعالیٰ توفیق اور قوت نہ دے جب وہ قوت عطا کرتا ہے تو پھر سہولت کے دروازے کھول دیتا ہے اگر عذر نکال نکال کر گناہ کیے جائیں جیسے مثلاً کہتے ہیں کہ سودی روپیہ لیے بغیر گذارہ نہیں تو پھر عذروں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی کتاب کے کسی حکم پر عمل نہ ہو۔ سب راستبازوں کا تجربہ یہی ہے کہ جبتک خدا تعالیٰ رحمت کا دروازہ نہ کھولے کچھ بھی نہیں بنتا۔ افسوس یہ ہے کہ جیسا بھروسا انسان مخلوق کے دروازوں پر رکھتا ہے اگر اپنے خالق کے دروازہ پر رکھے تو کبھی محتاج نہ ہو + مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کرتے +

عذر رکھ کر معصیت میں مبتلا ہونا یہ سفلی عذر ہے جو شیطان سے آتا ہے ورنہ خدا تعالیٰ کے فضل پر بھروسا کرے تو سب کچھ ہوتا ہے۔ میں نے بعض بیماریوں میں آزمایا ہے اور دیکھا ہے کہ محض دعا سے اُس کا فضل ہوا اور مرض جاتا رہا ہے۔ ابھی دو چار دن ہوئے میں کثرت پیشاب اور اسہال کی وجہ سے میں مضمحل ہوگیا تھا میں نے دعا کی تو الہام ہوا دُعَاءُكَ مُسْتَجَابٌ اس کے بعد ہی دیکھا کہ وہ شکایت جاتی رہی۔ خدا ایک ایسا نسخہ ہے جو سارے نسخوں سے بہتر ہے اور چھپانے کے قابل ہے مگر پھر

عذاب اُن کے لئے موجود ہے (کیونکہ جس شخص کو کوئی طاقت عطا ہو اور وہ اس سے کام نہ لے تو حکیم کا کام یہی ہے کہ بتدریج وہ نعمت اُس سے سلب کر لے اسی طرح جب سلیم الفطرۃ انسان فطرت سلیمہ سے کام نہیں لیتا تو اس کے قویٰ بتدریج کمزور ہو جاتے ہیں) انسانی قویٰ تین قسم کے ہیں:۔

اول۔ قلب یا مرکز اعصاب جو اندر ہی اندر اپنا کام کرتا ہے۔

دوم۔ وہ قویٰ ہیں جو کانوں کے ذریعہ کام کرتے ہیں۔

سوم۔ وہ قویٰ ہیں جو نظارہ قدرت کو دیکھکر کام کرتے ہیں۔ اور ہر قسم کے قویٰ ایمانیات سے وابستہ ہوتے اور تعلق رکھتے ہیں۔ جب یہہ قویٰ مردہ یا پژمردہ ہو جاتے ہیں تو پھر انسان ان نتائج سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا جو ان سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ایک بڑے دُکھ میں پڑتا ہے۔ اور یہ امر بالکل صاف ہے کہ نفی سکھ کا نام دُکھ یا عذاب ہے۔

اب اس جگہ غور کرنے سے یہ آیت بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ پہلا کام ان ناقدر شناس گروہ نے یہ کیا کہ انکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اور عدم وجود کو برابر سمجھا ان کے اس کام کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے اُن سے وہ طاقتیں چھین لیں۔ اللہ تعالےٰ کی رحمت عامّہ و تامہ انسان کے شامل حال ہے جس کو انسان کے اعمال گھٹا بڑھا سکتے ہیں جیسے اوپر ہم نے مثالوں کے ذریعہ سے اس امر کو صاف کر دیا ہے۔ تو چونکہ ایمانیات کے متعلقہ قویٰ کو ان کافروں نے خرچ نہیں کیا اس لئے وہ بیکار ہو گئے جیسے ایک شخص جو فرانسیسی زبان کے پڑھنے نہ پڑھنے کو برابر سمجھے تو نتیجہ یہی ہو گا کہ وہ زبان اُسے نہ آئے اب اس کے حرف موجود ہیں یہ دیکھتا ہے مگر اُن کے دیکھنے سے کوئی مفید بات اور نتیجہ خیز علم نہیں سیکھ سکتا۔ ایسا ہی اُنکو سنتا ہے مگر فائدہ ندارد۔ اور بھی مختلف اسباب ہیں جو ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم کے درجہ تک پہونچا دیتے ہیں اور وہ سب اپنے اپنے محل پر انشاء اللہ بیان ہوں گے۔

ختم اللہ علیٰ قلوبھم کے معنے اب ہمارے خیال میں بالکل صاف ہو چکے ہیں۔ ختم کے معنے مہر لگانے کے ہیں یعنے بدکار انسان جو اللہ تعالےٰ کی پاک تعلیمات پر توجہ نہیں کرتا۔ یہ مغضوب علیہم قوم میں سے ہوتا ہے۔ عارف باللہ لوگ اس کو اس کے آثار اور نشانات سے شناخت کر لیتے ہیں۔ اولیاء اللہ سے دشمنی کرتے ہیں اور عالم ہو کر عامل نہیں ہوتے۔

ختم اللہ علیٰ قلوبھم کے یہ معنے بھی ہیں کہ اُنپر نشان لگا دیا جاتا ہے یعنے وہ اپنی بے باکیوں اور شوخیوں میں حد سے زیادہ متجاوز ہو کر متمیز ہو جاتے ہیں۔

غرض

راستبازکی بے جا عداوت اور خدا تعالےٰ کے انعام کی بے قدری سلب ایمان کا موجب ہو جاتی ہے اور یہی غضب الٰہی ہے۔ مولا کریم ہم کو اور ہمارے پڑھنے والوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

اس طرح پر

اس رکوع اول میں سورۃ الفاتحہ کی ایک تفسیر ہو چکی ہے۔ اور ایک مفصل تفسیر الضّآل کی باقی ہے گو ضمناً آچکی ہے وہ دوسرے رکوع میں آتی ہے۔

نفیہ الربا (تفسیر کبیر ص۱۳۵ ج ۳) | جاتا ہے) ربا اور حرام ہے۔ اور ایک پیمانہ چونہ کا دو پیمانہ سے مبادلہ یا ایک سیر لوہے کا دو سیر لوہے سے مبادلہ (جس میں نقد ہونا پایا جاتا ہے نہ کھایا جانا) حرام اور داخل ربا نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں ربا کی علت چار چیزوں (گیہوں وغیرہ میں) ان کا ہمجنس ہونا اور وزن کیا جانا ہے۔ اور دو چیزوں (سونے چاندی) میں ان کا ہمجنس ہونا اور وزن کیا جانا ہے۔ ان کے نزدیک جو چیز وزن کی جاتی ہے یا پیمانہ میں ناپی جاتی ہے (گو کھانے میں نہ آوے) اس کا اپنے ہمجنس سے کمی بیشی کے ساتھ مبادلہ (جیسے ایک سیر چونہ کا دو سیر سے مبادلہ) حرام و داخل ربا ہے اور جو چیز ماپ تول میں نہیں آتی (گو کھانے میں آوے) اس کا اپنے جنس سے کمی بیشی کے ساتھ مبادلہ (جیسے ایک کھجور کا دو کھجور سے مبادلہ) جائز ہے اور وہ مثبت ربا نہیں ہے ایسا ہی امام مالک وغیرہ سے اختلاف منقول ہے جن کی عربی عبارت منقولہ حاشیہ میں موجود ہے۔

انہیں غیر منصوص صورتوں کے حکم اور اس کی اختلاف کی نظر سے یہ سود قسم دوم (بیع کا سود) محل اختلاف مجتہدین و فقہاء مسلمین چلا آیا ہے۔ اور انہی صورتوں کے خیال سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا چنانچہ ابن ماجہ و دارمی نے ان سے روایت کیا ہے

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان اخر ما نزلت اٰیۃ الربا وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم یفسرہا لنا فدعوا الربا والریبۃ - رواہ ابن ماجۃ والدارمی (مشکوٰۃ ص۲۳۵) | کہ آنحضرت صلعم نے انتقال فرمایا اور ربا کی تفسیر نہیں فرمائی یعنی آنحضرت نے یہ ارشاد نہ فرمایا کہ بیع کا سود (جسکو خدا تعالیٰ نے حرام فرمایا تھا) وہ علاوہ ان صورتوں

کے جو آنحضرت نے بیان کر دی ہیں کن کن صورتوں میں پایا جاتا ہے اور آیت ربا کا حکم ان صورتوں کے شامل ہے یا نہیں۔

یہ شک و اختلاف یا اس قسم کا کوئی اور شک و اختلاف قسم اول (قرض کے سود کی) حقیقت یا حکم میں کسی صحابی کسی تابعی کسی امام کسی مجتہد (متقدم ہو یا متاخر) کسی کتاب میں (چھوٹی ہو خواہ بڑی) پایا نہیں جاتا۔ اور کتاب و سنت و اقوال علماء امت کے ملاحظہ سے صاف یقین ہوتا ہے کہ قرض کا سود بغیر کسی شک و تردد و اختلاف و نزاع کے حرام ہے۔ اور امت محمدیہ میں جو سود محل شک و اختلاف ہے وہ صرف بیع کا سود ہے۔ بلکہ اس سود میں سے بھی خاصکر ان غیر منصوص صورتوں کا سود جن کی نسبت آنحضرت صلعم نے صریح حکم نہیں فرمایا۔

جو لوگ اس وقت سود قسم اول (قرض کے سود) کو حرام کے تسلیم کرنے کے ساتھ حلال بھی کہتے ہیں اور بے کھٹکے اس سود کا لین دین کرتے ہیں وہ لوگ کسی صحابی یا تابعی یا امام متقدم یا متاخر کا کوئی قول (قوی یا ضعیف باسند یا بے سند) اس سود کے محل اختلاف اور مشتبہ ہونے کے ثبوت میں پیش نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اس سود کو مشتبہ بنانے اور اسکو اپنے مستحدث اختلاف کا متحمل محل قرار دینے کے لیے قسم دوم (بیع سود) کا وہ اختلاف (جو اسکی غیر منصوص صورتوں کی نسبت پایا جاتا ہے) پیش کرتے ہیں۔ اور اس سے قسم اول سود کو بھی محل اشتباہ و اختلاف قرار دیکر اس میں اپنے اختلاف کے دخل کی گنجایش نکالتے ہیں۔ (اشاعۃ السنۃ)

یہی مسلہ سود جو مختلف فیہ اور مختلف فیہ ہے مگر ہم بجائے خود اسپر کوئی بحث نہیں کرتے اور نہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام خلیفۃ اللہ فی الارض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم لوگوں کو ایک عجیب گر ایسی مشکلات اور معضلات کے حل کرنے کے متعلق بتا دیا ہے اسلیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسی اصل کو یہاں درج کر دیں۔

"ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسی ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اسپر وہ عمل کریں اور انسان کے بنائے ہوئے فقہ پر اسکو ترجیح دیں اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کر لیں کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے۔" (ریویو بر حکم ربانی بر مباحثہ مولوی محمد حسین بٹالوی و عبد اللہ چکڑالوی)

خود مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جنھوں نے مسئلہ سود پر بہت بڑی بحث کی ہے انھوں نے بھی باوجود اہل حدیث کے ایڈوکیٹ کہلانے کے

فلاسفی یہی ہے۔ مثلاً دیکھو ایک نادان ہندو فقیر خلاف منشاء قدرت اپنا ہاتھ جو کاروبار کرنے کے لئے اور مخلوق الٰہی کی نفع رسانی کے لئے اللہ تعالےٰ نے بنایا تھا کھڑا کرکے سُکھا دیتا ہے اب قدرت کا قانون اس کو بے اثر نہ چھوڑے گا۔ الغرض خدا تعالےٰ کی دی ہوئی قوتوں سے کام نہ لینے والے لوگ مغضوب علیہم ہوتے ہیں۔

قرآن کریم کے طرز اور اسلوب سے پتہ لگتا ہے کہ وہ مختلف طریق پر تفسیر کرتا ہے۔ جب انعمت علیہم کا بیان ہو چکا تو اب سورۃ فاتحہ کے دوسرے حصہ مغضوب علیہم اور ضالین کا تذکرہ فرماتا ہے گویا یہ مغضوب علیہم کی ایک تفسیر ہے جو ایک قسم کی تفصیل کا پہلو لئے ہوئے ہے یعنے دو زبردست اسباب جو مقدمۃ الغضب الٰہی ہیں بیان کر دیئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر (انکار کیا) کیا اور تیرے انذار اور عدم انذار کو برابر سمجھ لیا وہ نہ مانیں گے۔ یا بے ریب جو منکر ہوئے جنھوں نے کفر کیا اس لئے کہ تیرا ڈرانا اور نہ ڈرانا ان کے نزدیک مساوی الوزن ہے گویا تیری تعلیم کا وجود و عدم انپر مساوی ہے وہ نہیں مانیں گے کیونکہ انھوں نے تیرے وجود اور عدم وجود کو برابر سمجھ لیا ہے۔ ایمان چھن جانا نتیجہ ہے کفر اور مساوات انذار اور عدم انذار کا۔ پس پہلا سبب جو انسان کو مغضوب علیہ بنا دیتا ہے وہ خدا کی کسی نعمت کی ناقدری اور ناشکری ہے اور دوسرے کسی چیز کے عدم اور وجود کو برابر سمجھنا ہے جیسے اگر کوئی شخص انگریزی زبان کے سیکھنے یا نہ سیکھنے کو برابر سمجھے تو وہ کب اور کیونکر انگریزی زبان سیکھے گا۔ اسی طرح جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ہدایتوں کی پرواہ نہیں کرتے وہ اُن سے بہرہ مند کیونکر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ انسان کا خاصہ ہے کہ جب تک وہ کسی کام کو ہمہ تن گوش اور توجہ مجسم ہو کر نہ سُنے تو اُس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اور یہ بھی مسلم بات ہے کہ انسان تمام دوسرے عالموں کا مجموعہ ہے اور اس لئے اُس کو عالم صغیر کہتے ہیں اور یہ ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے کہ جن قُویٰ سے کام نہ لیا جائے وہ بیکار محض ہو جاتے ہیں یا کم از کم پژمردہ تو ہو ہی جاتے ہیں پس مغضوب علیہ قوم اول خدا کے نعمتوں کی قدر نہیں کرتی اور پھر اُن کا وجود اور عدم وجود برابر سمجھتی ہے اس لئے اُن سے فائدہ نہ اٹھا کر مغضوب ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نافرانوں کے انذار کے لئے تشریف لائے مگر جن لوگوں نے ناعاقبت اندیشی کی راہ سے آپ کے انذار اور عدم انذار کو برابر سمجھا تو انکو دولت ایمان کب نصیب ہو سکتی تھی پس ان الذین کفروا سواء علیہم ءانذرتہم ام لم تنذرہم جملہ معترضہ بطور علت موجبہ ہے اور اس کا نتیجہ ہے لا یومنون۔

اب مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ خوب سمجھ میں آسکتا ہے کہ ان الذین کفروا۔ الی الآیہ۔ لاریب جو منکر ہوئے اس لئے کہ تیرے انذار اور عدم انذار کو برابر سمجھا اس لئے کہ وہ با ایمان نہیں ہو سکتے۔ اور ایمان نہ لاویں گے۔

پس اس میں کسی کا کیا قصور ہے نادانوں نے خود اپنے کرتوت اپنے فعل اور ہاتھ سے محرومی کے اسباب بہم پہونچا لئے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

مہر کر دی اللہ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر ان کی آنکھوں پر پٹی ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ یا یوں کہ اللہ تعالےٰ نے مہر لگا دی (یہ گواہی دیتا ہے) کہ نہ تو وہ اپنے اندرونی قویٰ کو تحریک دیں اور بیرونی محرکات کے لئے کان رکھیں اور نہ نظارۂ قدرت پر نگاہ کریں کہ وہی تحریک دے۔ جب ہدایت سے فایدہ نہ اٹھایا تو دکھ دینے والا

یعنی ایمان والو! تقویٰ اللہ اختیار کرو اور تقویٰ یہ ہے کہ جو کچھ ربٰو لوگوں کے ذمہ باقی ہے اسے چھوڑ دو بحالیکہ تم مومن ہو ۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اُسکے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

قرآن شریف کے جس قدر اوامر اور نواہی ہیں کسی کے ترک یا فعل پر ایسا شدید حکم نافذ نہیں ہوا کہ خدا اور اسکے رسول سے جنگ کے لیے آمادہ ہو جاؤ ۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے یہ خصوصیت کے ساتھ اسی ربا کے متعلق فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اور اُس کے رسولؐ کے نزدیک یہ نہایت ہی مکروہ اور معیوب امر ہے اور ایسا خطرناک کہ اس کے مقابلہ میں اللہ اور اُسکا رسولؐ جنگ کرتا ہے یعنی من الربٰو میں ظاہر فرمایا ہے کہ بقیہ ربٰو چھوڑ دو اضعافا مضعفہ ہو یا نہ ہو

یہ دونوں امر تو عملی اور علمی پہلو کے لحاظ سے حرمت جہاد کے لیے کافی ہیں اس کے بعد جو لوگ سود کے مجوز ہیں ان کے اعتراضات ہیں اور ان کے اعتراضوں میں سے سب سے وزنی یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور آپؐ نے ربٰو کی حقیقت بیان نہ فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایسے جلیل القدر اور قرآن کریم کے سچے محب کے متعلق اس قسم کا مضمون منسوب کرنا بڑی جرأت ہے وہ شخص جو حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہتا ہے کبھی اس قسم کا قول جس کے یہ معنے لیے جاتے ہیں کہہ سکتا ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی (جن کی شان میں آیا ہے یا ایہا النبی بلغ ما انزل الیک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ) توہین نہیں کرتا بلکہ اُس مجید کتاب کی بھی ہتک کرتا ہے جس کی نسبت فرمایا ہے کتاب مفصلا ۔ قول فصل وما ھو بالھزل اور تفصیل کا مضمون خود قرآن مجید میں بھی ہے جہاں فرمایا اولم یکفھم انا انزلنا الیک الکتب ۔ پس کیوں قرآن کریم اور نبی رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان کے موافق اس حدیث کے معنوں پر کیوں غور نہیں کرتے کہ کہیں اس کے یہ معنی تو نہیں کہ حضرت عمرؓ نے بطور خواہش ظاہر کیا کہ کیا اچھا ہوتا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سود خوروں کو اپنے سامنے سزائیں دیدیتے تاکہ اس تباہی اور بربادی سے دوسروں کو ایک سبق ملتا انہی اعتراضات کے ضمن میں جس امر نے مسئلہ ربا کی پیچیدگیوں کو بڑھایا ہے وہ ربٰو اور بیع کے متعلق موشگافیاں ہیں اور بدیہی بات کی تعریف جامع مانع کرنا حالانکہ یہ امر تو اور بھی واضح ہے کیونکہ بیان جنگ میں اس آیت کا رکھنا صاف دلالت کرتا ہے کہ کوئی حالت منتظرہ اسمیں رہی ہی نہیں اس لیے کہ اعلان جنگ میں تو فریق مخالف کو وجوہات جنگ بیان کر دی جاتی ہیں پھر ربٰو کی حقیقت بیان نہ کرنا کیا معنے رکھتا ہے ؟ علاوہ بریں قرآن شریف بیع اور ربٰو دو مختلف لفظ بولتا ہے اور ان لوگوں کا قول پیش کرتا ہے قالوا انما البیع مثل الربٰو اگر وہ بیع اور ربٰو کو دو مختلف چیزیں نہ سمجھتے تو کیوں ایسا کہتے ۔ بیع اور ربٰو میں تفرقہ تو ایسا بدیہی ہے کہ ایک معمولی اور عام بازاری آدمی بھی ان باتوں کو سمجھتا ہے پھر تفرقہ نہ ہونے کے معنے ہی کیا ہوئے ۔ میرے نزدیک بدیہی امور کی تعریف کر کے اسے نظری بنا دیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے جو اس کی پیچیدگی بڑھی ہے۔

ہر شخص اس امر میں تمیز کر سکتا ہے یہانتک کہ بازاریوں کے علاوہ آج غیر قومیں بھی بیع اور بیاج کے جھگڑے اور مقدمات آسانی سے فیصل کر دیتی ہیں۔

پس یہ کہنا کہ نفس ربٰو اور بیع میں تفرقہ نہیں رہ سکا ۔ یہ خام خیالی ہے ۔ ان امور چہارگانہ پر نظر کرنے کے بعد سود کا مسئلہ بہت صاف ہے اور اسکی حرمت میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔

الغرض

(گویا ان کا دعویٰ ہے کہ انعمت علیہم میں داخل ہونے والی جماعت کے کام ایمان باللہ سے شروع ہو کر ایمان بالآخرۃ پر ختم ہوتے ہیں) یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ قال یقول الفاظ کے معنے صرف زبان سے کہنے ہی پر محدود نہیں ہوتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان زبان کا کام اعضا اور اشارات سے بھی لے لیتا ہے۔ چونکہ یہ آیت منافقان اعتقادی اور عملی دونوں پر حاوی ہے اس لئے یقول کے لفظ سے اس کو ظاہر کیا ہے یعنے کبھی مونہہ سے کہتے اور کبھی اپنے افعال سے بتلاتے ہیں۔ اس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ وہ اسماء جو زمین پر انسان اپنے مونہہ اور زبان سے تجویز کر لیتا ہے اپنے اندر کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں رکھتے جبتک کہ آسمانی شہادت اور تصدیق ان کے ساتھ نہ ہو۔ پس خدا تعالےٰ کبھی التباس بین الایمان والکفر نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ جیسے ہم دنیا میں خدا تعالےٰ کے قانون اور فعلی کتاب میں امتیاز دیکھتے ہیں۔ ہر سلسلہ الٰہیہ میں امتیاز موجود ہے۔ رات دن۔ نور اور ظلمت۔ گرمی۔ سردی وغیرہ ہر بات میں ایک امتیاز ہے۔ اسی طرح سے کفر اور ایمان میں متمیز نشانات ہوتے ہیں۔

مِنَ النَّاسِ میں جو مِن آیا ہے وہ بعضیہ ہے چنانچہ خود قرآن کریم میں اس کے نظائر موجود ہیں۔ ومنہم من یمشی علی بطنہ ومنہم من یمشی علی رجلین۔ یعنے بعض جانور مخلوق الٰہی میں ایسے ہیں جو اپنے پیٹ کے بل رینگ کر چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ اپنے دو پاؤں پر چلتے ہیں۔ گو یہ بات بھی ساتھ ہی ہے کہ دوسروں میں سے وہ ایک خصوصیت اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں۔ لیکن اپنی نوعیت کے لحاظ سے عمومیت ہوتی ہے۔ یہاں ایک خاص انسانی گروہ کا ذکر ہے جنکو منافق کہا جاتا ہے۔

آمنا باللہ وبالیوم الآخر۔ یعنے وہ ایمان جو اللہ سے شروع ہو کر یوم الآخرۃ پر ختم ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ صرف اللہ اور یوم آخرۃ پر ایمان لایا اور ایمان بالملائکہ اور ایمان بالرسل سے انکار ہی نہیں بلکہ کل ارکان ایمان مراد ہیں۔ بات یہ ہے کہ جیسا ہم نے الم کے معنے بیان کرتے وقت بتلایا ہے قرآن کریم کا طرز حکیمانہ ہے اور خدا تعالےٰ کے افعال کا نمونہ ہے اس میں رعایت اختصار کو بھی ملحوظ رکھا ہے اور تفصیل بھی۔

آمنا باللہ وبالیوم الآخر کے الفاظ کہنے میں یہ بھی ستر ہے کہ منافقوں کی عملی حالت کی سستی کو بھی دکھایا جائے کیونکہ یومنون بالغیب کے بعد اعمال کا ذکر ہے جیساکہ سورۃ البقر کے رکوع اول میں بیان ہوا ہے اور یہاں منافقان اعتقادی کی حقیقت ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے گویا عملی حصہ میں سست ہیں۔

غرض

پہلا نشان منافقوں کا یہ ہے کہ اپنے افعال اور زبان سے اپنے آپ کو مومن بتلاتے ہیں اور یہ طرز روش اختیار کر کے اپنے خیال میں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم

یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسہم وما یشعرون۔ چھوڑ دیتے ہیں اللہ کو اور مومنوں کو (اور اس ترک کا نتیجہ یہ ہوتا ہے) کہ وہ اپنے آپ کو محروم کر لیتے ہیں اور نہیں سمجھتے۔

یخادعون کے معنے کرنے میں اکثر مترجموں نے دھوکا کھایا ہے جبکہ انھوں نے یہ معنے کئے ہیں کہ دھوکا دیتے ہیں اللہ کو۔ خدا تعالےٰ نے ان معنی کی تصدیق کہیں نہیں فرمائی اور نہ لغت عرب اس کی تائید کرتی ہے بلکہ قاموس وغیرہ لغت کی کتابوں میں خادعہ کے معنے ترک لکھے ہوئے موجود ہیں۔ اور قرآن کریم خود ان معانی کی تصدیق کرتا ہے جیساکہ سورۃ نساء میں جہاں منافقوں کا ذکر فرمایا ان المنافقین یخادعون اللہ و

دیکھتا ہوں کہ یہ بخل ہے اسلیئے ظاہر کرنا پڑتا ہے۔

اسلام اور غیر اسلام میں یہی فرق ہے کہ وہ اپنی قدرت کے کرشمے دکھاتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ہوتا تھا اب بھی خدا تعالیٰ وہی کرشمے دکھاتا ہے اور تازہ بتازہ کرشمے دکھاتا ہے اور ہم پہچانتے ہیں کہ گویا وہی زمانہ اور وقت ہے اس سے بڑا حوصلہ ہوتا ہے وہ اپنے بندوں کو جلتی آگ میں بچا لیتا۔ ابراہیم علیہ السلام کیلیے کہا یَا نَارُ کُونِی بَرْدًا وَّسَلَامًا اور یہاں بھی ڈگلس کے سامنے جو کلارک کا مقدمہ تھا وہ اس آگ سے کم نہ تھا۔

غرض مومن کو خدا تعالیٰ ایسی مشکلات میں نہیں ڈالتا۔ جو پڑتا ہے اپنی ہی کمزوری کی وجہ سے پڑتا ہے۔

سوال

بابو عطاء الٰہی صاحب سٹیشن ماسٹر نے عرض کی کہ حضور ریلوے کے محکمہ میں ملازموں کی تنخواہ میں سے ماہوار کچھہ حصہ وضع ہوتا ہے اور وہ گورنمنٹ کے پاس جمع رہتا ہے پھر اسپر کچھہ بونس دیا جاتا ہے کیا وہ سود میں داخل ہے ؟

حضرۃ اقدس ؑ

بات اصل یہ ہے کہ سود کی تعریف یہ ہے کہ اپنے ذاتی فائدہ کے لیے روپیہ قرض دیا جاتا ہے یہ تعریف جہاں صادق آتی ہے وہ سود ہے۔ لیکن جبکہ محکمہ ریلوے کے ملازم خود وہ روپیہ سود کے لالچ سے نہیں دیتے بلکہ جبراً وضع ہوتا ہے تو یہ سود کی تعریف میں داخل نہیں ہے + اور خود جو کچھہ وہ روپیہ نذر دے دیتے ہیں وہ داخل سود نہیں ہے۔

غرض یہ خود دیکھ سکتے ہو کہ آیا یہ روپیہ سود لینے کے لیے تم خود دیتے ہو یا یہ خود وضع کرتے ہیں اور یہ طلب اپنی طور پر دیتے ہیں

مسئلہ ربوٰ پر ایک نظر حضرۃ حکیم الامۃ کی آنکھہ سے

حضرت حکیم الامۃ کے حضور مسئلہ ربوٰ اور اس کی پیچیدگیوں کے متعلق عرض کیا تو آپ نے مختصر طور پر ربوٰ کی حرمت اور اس کی جزئیات پر فرمایا

دوسرا - قابل غور یہ امر ہے کہ ربوٰ کے مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں **جہاد** کے ساتھ منضم کر کے بیان فرمایا ہے جسکی وجہ عام طور پر صاف ہے۔ لڑائیوں میں خواہ وہ قومی ہوں یا ملکی روپیہ کی بہت ضرورت پڑتی ہے اور بجیال خویش مہذب ممالک میں قومی اور ملکی قرضوں کی افزونی کا یہی سبب ہے + اور وہ لڑائیاں جو ملکی تعلقات کی بنا پر ہوتی ہیں انکا اثر حاکم و محکوم کی ذات پر برپا ہوتا ہے اس لیے اگر سود پر قرضے لیے جاویں تو سب سے بڑھ کر پولیٹیکل اثر تو یہ پڑتا ہے کہ اگر وہ قوم جس کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے قرضخواہ ہے تو قطع نظر اس کے کہ اس کے ساتھ جنگ حقوق جائز کی بنا پر تھی یا نہیں حملہ آور قوم کوشش کرے گی کہ اسکا ستیاناس کر دے تاکہ ان قرضوں سے اسے نجات ملے اور اسطرح خطرناک خون ناحق ہو جاتے ہیں اور اگر اس قوم نے قرض دینا ہے تو ہر چند وہ حق پر ہے لیکن محض اس خیال سے کہ اس کی رقوم قرضہ معرض خطر میں نہ آجائیں وہ کوشش کرے گی کہ حملہ آوروں کا نقصان نہ ہو + اور خواہ اندرونی طور پر اپنی رقوم اور ملک کے حقوق ہی کیوں تلف نہ ہو جائیں - یہ عظیم الشان خرابی اور نقصان تو سیاسی ہے۔

پس خدا تعالیٰ نے مسئلہ جہاد کے ذکر میں سود کا ذکر کر کے ان ملکی نقصانات سے بچانا چاہا ہے جنکا ذکر اوپر ہوا۔

دوسرا - قابل غور یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ ربوٰ کے متعلق فرمایا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ
فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ

رکوع ۲

ایمانداروں میں دورنگی یا دودلی نہیں ہوتی - صرف زبانی ایمان والے مقبولان الٰہ نہیں ہوتے
اللہ تعالےٰ اور مومنوں کو چھوڑ کر نادان انسان اپنی ذات سے دشمنی کرتا ہے اور خود اس
سے ناواقف ہوتا ہے - ایسے لوگوں کا انجام بُرا ہوتا ہے - ان لوگوں کا اندرونی آزار -
اس آزار کی افزونی آخر کار ہلاکت اور تباہی ہے - اللہ کے ایماندار بندوں اور نافرمانبردار
منکروں میں کبھی باہمی ملاپ نہیں ہوسکتا - جو لوگ ایسا ملاپ چاہتے ہیں وہ منافق ہیں
مصلح نہیں - اللہ تعالےٰ کے نزدیک یہ مفسدانہ کام ہیں - بے وقوفی اور کمینہ پن ہے -
خدائی باتوں میں دل لگی یا ہنسی شرارت کو زیادہ کرتی ہے اور آدمی کو بہکاتی ہے یہ تجارت
فائدہ مند نہیں - خدا کی کتاب میں ایسے لوگوں کی مثال - جب آگ مشتعل ہوتی ہے تو اُس کی
روشنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آخر اس روشنی سے محروم ہو کر اندھیروں میں مبتلا ہو کر
اندھے ہوتے ہیں - مینہ آسمان سے برستا تاریکی بجلی اور کڑک سے گھبرا جاتے ہیں -
آنکھیں چندھیا جاتیں قدم آگے بڑھاتے رک جاتے ہیں - ایسے لوگوں کا انجام کہ وہ
الٰہی انتقام میں گھِر جاتے ہیں - اللہ تعالےٰ کا ہر شئے پر قادر ہونا -

اس رکوع میں الضالین کی تفسیر بیان کی گئی ہے - اور اخباری صورت میں بتلایا گیا ہے کہ اُن عادات اور افعال سے پرہیز کیا جاوے جو ان لوگوں میں ہوتے ہیں -

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن کریم کے احکام دو قسم کے ہیں ایک وہ جو امر اور نہی کی صورت میں ہیں - دوسرے اخباری طرز کے -

عام مطالب (۱) منافقوں کے عام نشانات بتلائے ہیں -

(۲) ترقی اسلام کی پیشگوئی فرمائی ہے -

(۳) منافقان اعتقادی و عملی کی تفریق کر کے دکھائی ہے -

(۴) منافق اعتقادی کی انتہائی حالت اور ایسا ہی منافق عملی کا انجام دکھایا ہے -

(۵) سلسلہ حقہ کی صداقت اور شناخت کا ایک زبردست نشان بتلایا ہے - اور منافقان عملی کی تمثیل میں کھول کر دکھا دیا ہے کہ ہر آسمانی سلسلہ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے قائم ہوتا ہے اس میں تین باتیں ضروری ہوتی ہیں -

(۶) اور اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ راستبازوں اور ریاکاروں کے درمیان آخری فیصلہ انکا انجام ہوتا ہے
غرض متذکرہ بالا امور اس رکوع کے روح و رواں ہیں جن کے اندر بے انتہا عجائبات بھرے ہوئے ہیں - جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے قرآن کریم کی غرض و غایت تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہوگی چنانچہ جب انعمت علیہم اور کس طرح انسان اُن میں شریک ہوسکتا ہے اور مغضوب علیہم اور غضب الٰہی کے ابتدائی اصولوں کا تذکرہ ہو چکا تو اب تیسرے گروہ الضالین کا تذکرہ فرماتا ہے -

ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الآخر وما ہم بمومنین - اور کچھ حصہ ان تمام لوگوں میں سے ان کا ہے جو بتاتے ہیں کہ ایمان لائے ہم اللہ پر اور یوم آخرۃ پر اور وہ مومن نہیں ہیں -

اور اس کا دودھ پیتا ہے تو اسکو گھاس بھی دے۔

بارہواں اصل ادائے امانات کے متعلق

بعض اوقات انسان ایسی حالت میں اصل رقم قرض سے زیادہ مالیت رہن کرتا ہے یا امانت رکھدیتا ہے تو اس کے ادا کرنے کے متعلق حکم دیا فان امن بعضکم بعضاً فلیؤد الذی اوتمن امانته ولیتق الله ربه یعنی جب تم میں سے کوئی دوسرے کے پاس امانت رکھدے تو جس کے پاس امانت رکھی ہے وہ پورے طور پر اسے ادا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔ یعنی خوف الٰہی کو مدنظر رکھ کر ادائے امانت کرے۔ تاکہ کوئی کوتاہی ادائیگی کی نہ ہوجاوے۔

حکیم الامۃ کا معمول

دار الامان میں اکثر لوگ آتے ہیں اور حضرت حکیم الامۃ کے پاس اپنی امانت رکھدیتے ہیں حکیم الامۃ کا معمول ہے کہ اسے ایک پرزہ کاغذ پر اس کی امانت کی تفصیل اور تعداد لکھدیتے ہیں جسے دکھا کر وہ ہر وقت لے سکتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امانت کے لیے بھی لکھدینا چاہیے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ اس تحریر کے لیے و لا تسئموا ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا الی اجله ہی سے استدلال ہوسکتا ہے اور امانات کو قرض کے قانون کے اندر اللہ تعالیٰ کا بیان فرمانا بھی اسی قسم کی مصلحت رکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

تیرھواں اصل قانون شہادۃ کے متعلق

آخر میں گواہوں کے متعلق حکم دیا کہ گواہ اپنی شہادت کو ہرگز نہ چھپائیں۔ اور کتمان شہادت کا نتیجہ بتایا کہ اس سے دل پر گناہ کا زنگ شروع ہوجاتا ہے چنانچہ فرمایا ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمها فانه اثم قلبه والله بما تعملون علیم۔ اس آیت کا آخری حصہ والله بما تعملون علیم سے ہی حلف یا اقرار صالح کا بھی بطور اشارۃ النص پتا لگتا ہے جو عدالتوں میں گواہ کو دیا جاتا ہے اسطرح یہ تیرھواں اصل بیان کرکے اس رکوع میں گویا قانون قرضہ اور قانون شہادت کی دفعات کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اسپر زیادہ بحث اور تفسیر کی حاجت نہیں بجز اس کے کہ اگر مسلمانوں میں اس ضابطہ اور قانون کی پابندی شروع ہوجاوے تو انکی بہت سی کمزوریوں کی اصلاح ہوجاوے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آمین

رکوع ۳۹

اللہ تعالیٰ کی وسعت قدرت کا اظہار کرکے گناہوں سے بچنے کی راہ بتائی گئی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی صفت **غفور** کے بیان سے امید بڑھائی گئی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر مامور کی سچائی کا ایک نشان بتایا ہے کہ وہ خود بھی ما انزل الیه پر ایمان لاتا ہو۔ مومن کا فرض ہے کہ وہ اللہ پر اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر ایمان لاوے اور رسولوں کے امر رسالت میں کسی قسم کی تفریق نہ کرے اور پھر حقیقی کامیابی کا گر بتایا کہ دعاوں میں لگا رہے اور دعاوں کا منتہاء مقصد کفر پر کامیابی ہو۔

اس رکوع کا ترجمہ بھی پہلے دیا جاچکا ہے۔ چونکہ معاملات باہمی کے متعلق ایک زبردست قانون پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس لیے ہر قسم کی کمزوریوں اور خطاکاریوں سے بچنے کے لیے ایک گر بتایا جس کے متعلق ہم پہلے بھی کئی مرتبہ بیان کرچکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی **صفات** اور **وسعت قدرت** پر ایمان لانا انسان کو گناہوں سے بچالیتا ہے۔ اس لیے اس کے متعلق ارشاد الٰہی یوں ہوا

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

کی راہ میں خرچ کرتے سے جی چرائے کوئی دوسرا بھلا کام کرے خواہ وہ ادنی ہو یا اعلیٰ اُس میں نکتہ چینی کرے مومنوں کے رنج و راحت میں شریک نہ ہو۔

نفاق کیوں پیدا ہوتا ہے؟ نفاق کے اسباب بہت سے ہیں جو وقتاً فوقتاً قرآن کریم میں بیان ہونگے مگر عام وجہ جس سے نفاق پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے ساتھ وعدہ کرکے اُس کا ایفا نہ کیا جائے۔ اس لئے خدا تعالےٰ سے بہت وعدے نہ کرنے چاہییں۔ عام طور پر انسان عہد الست میں قالوا بلیٰ کہکر اُسکی ربوبیت کا اقرار اور وعدہ کرچکا ہے اس لئے مومن انسان کو محتاط ہونا چاہیے۔

غرض

منافق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ **اذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون** ۔جب انکو کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد اور شرارت نکرو جواباً کہتے ہیں ہم تو سنوارنے والے ہیں۔ **اذا قیل لھم** کے متعلق کہا گیا ہے کہ کہنے والے کون ہیں؟ یاد رہے کہ انکے کہنے والے کافر ہی ہیں یعنے خود کافر انکو کہتے ہیں کہ میاں تم کیوں یکسو ہوکر امن قائم نہیں کرتے ہو؟ کیونکہ ایسی دو دلی سے تو فساد پیدا ہوتا ہے۔ مگر وہ مریض دل اس کا نام اصلاح رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو صلح کل کہتے ہیں ایسے لوگ جو اپنا اصول یہ بتلایا کرتے ہیں کہ بامسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام۔ اس مقام پر سوچیں اور خوب غور کریں کہ وہ اسی زمرے میں داخل کئے گئے ہیں۔

فساد فی الارض ۔جس سے مخلوقات کے امن عامہ میں کسی قسم کا خلل واقع ہو وہ فساد فی الارض ہے۔ وہ لوگ جو نوجوان بچوں کو دھوکا دیکر افعال بد کا ارتکاب کرتے ہیں مفسد فی الارض ہیں۔ جو بیچاری ناواقف اور ناسمجھ لڑکیوں کو ورغلا کر خراب کرتے ہیں مفسد فی الارض ہیں۔ ایسا ہی کیمیا گر۔ ٹوٹکے باز۔ غرض فساد فی الارض میں وہ تمام عیوب اور جرائم داخل ہیں جو بنی نوع انسان کے امن عامہ کے مخل ہیں۔ خواہ وہ آبرو سے متعلق ہوں یا جان سے یا مال سے۔ اور ایسا ہی وہ تمام بد عقیدے اس میں شامل ہوئے جو خدا تعالےٰ کی صفات کے خلاف ہوں کیونکہ اُن سے بھی ایک عظیم الشان فساد پیدا ہوتا ہے۔

ایسے لوگ جو مفسد فی الارض ہوکر اپنے آپ کو مصلح اور ریفارمر کہتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ خدا تعالےٰ کا فتویٰ اُن کی نسبت یہ ہے **الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون** ۔ خبردار ہو رہو (سن رکھو) کہ یہی لوگ مفسد ہیں مگر وہ سمجھتے نہیں کہ اس کے بدنتائج ان کو کیا ملیں گے۔ چونکہ فساد عقل سے دریافت ہوسکتا ہے اسلئے قرآن کریم کے ابلغ نظام نے اس موقع پر لا یشعرون فرمایا۔ یعنے اگر انکو ذرا بھی عقل ہو تو وہ اپنے فساد کو معلوم کرلیں۔

بات یہہ ہے کہ پہلی نشانی منافق کی یہہ ہے کہ وہ ہر بات کا جواب گول مول سا دیتا ہے جس میں اسکی اندرونی حالت مخفی رہے۔ دوسرا نشان ان منافقوں کی تمیز کا یہہ ہے کہ چونکہ حقیقی اصلاح اور نیکی تو ایمان پر مبنی ہے اس لئے انپر اتمام حجت کے لئے جب کہا جاتا ہے کہ **واذا قیل لھم آمنوا کما آمن الناس قالوا انومن کما آمن السفھاء الا انھم ھم السفھاء ولکن لا یعلمون** ۔ اور جب ان منافقوں کو کہا جاتا ہی کہ تم بھی مومن بنجاؤ جس طرح اور لوگ مومن ہوئے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم اوچھے لوگونکی طرح مومن ہوجائیں (خدا تعالےٰ فرماتا ہے) سن رکھو کہ یہی لوگ اوچھے ہیں لیکن انکو علم نہیں ہے۔

اس آیت میں چونکہ تصفیہ مذہب سے یعنے ایمان کا فیصلہ ہے اس لئے وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ آمِنُوا کے بالمقابل لَا یَعْلَمُوْنَ فرمایا۔ کیونکہ اگر وہ علم رکھتے تو ایمان اور نفاق میں تمیز کر سکتے چونکہ عقل اور علم کھو چکے ہیں اب نہ وہ

قانون شہادۃ اور ساتواں اصل

پھر گواہوں کے لیے یہ قانون دیا کہ جب انکو ادائے شہادۃ کے لیے بلایا جاوے تو وہ ہرگز انکار نہ کریں چنانچہ فرمایا ولا یاب الشہداء اذا ما دعوا

میعادی معاملات میں عام اصل اور آٹھواں

عام میعادی معاملات میں خواہ میعاد تھوڑی ہو یا زیادہ دست آویز تحریری ہونی چاہیے۔ اسمیں ہرگز سستی نہ ہو کیونکہ اس میں شہادت مستحکم ہوتی ہے اور ازالہ شبہات ہوتا ہے چنانچہ فرمایا ولا تسئموا ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا الی اجلہ ذلکم اقسط عند اللہ واقوم للشہادۃ

نواں اصل تجارۃ حاضرہ کے لیے

پھر تکلیف مالا یطاق سے بچانے کے لیے دست بدست تجارتوں کے لیے خاص حکم دیا کہ نقد تجارت میں یا تحریری دست آویز کی حاجت نہیں لیکن ایسی تجارتوں میں مال مسروقہ کی فروخت وغیرہ کا احتمال اور اسکے بعد نئی مصیبتوں کا سلسلہ شروع ہو سکتا تھا اسکے تدارک کے لیے فرمایا۔

واشہدوا اذا تبایعتم۔ یعنی جب ایسی تجارت حاضرہ ہو تب بھی گواہ کر لیا کرو۔

دسواں اصل حفاظت گواہان وکاتب

دیوانی اور فوجداری معاملات و مقدمات میں گواہوں اور کاتب پر بعض اوقات فریق زبردست کی طرف سے اثر ڈالا جاتا ہے اور کبھی نقصان پہونچایا جاتا ہے اسلیے اس سے روکا ولا یضار کاتب ولا شہید وان تفعلوا فانہ فسوق بکم واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ واللہ بکل شیء علیم ٭

گیارہواں اصل کاتب کے نہ ملنے کی صورت میں بحالت سفر کیا کرنا چاہیے ٭ ٭ ٭

ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان کو حالت سفر میں قرض لینے کی ضرورت پڑ جاوے اور ایسا موقعہ ہو کہ کاتب بالعدل نہ ملے پھر کیا کرنا چاہیے اس کے لیے یہ قانون دیا۔ وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا فرھٰن مقبوضۃ یعنی جب سفر میں ہو اور کاتب نہ مل سکے تو یہ کرو کہ قرض کے بدلہ کوئی چیز قرض خواہ کے پاس رہن کردو

رہن پر امام حکم عدل کا فیصلہ

رہن کا مسئلہ بھی آجکل متنازعہ فیہ ہو رہا ہے کہ آیا شے مرہونہ سے فائدہ اٹھانا چاہیے یا نہیں اس کے متعلق حضرت امام حکم کے حضور ایک مرتبہ سوال ہوا اس کا جو جواب آپ نے دیا وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

فرمایا کہ موجودہ تجاویز رہن جائز ہیں گذشتہ زمانہ میں یہ قانون تھا کہ اگر فصل ہو گئی تو حکام زمینداروں سے معاملہ وصول کر لیا کرتے تھے اگر نہ ہوتی تو معاف ہو جاتا اور اب خواہ فصل ہو یا نہ ہو حکام اپنا مطالبہ کر ہی لیتے ہیں۔ پس چونکہ حکام وقت اپنا مطالبہ کسی صورت میں نہیں چھوڑتے تو اسی طرح یہ رہن بھی جائز رہا کیونکہ کبھی فصل ہوتی اور کبھی نہیں ہوتی ہے تو دونوں صورتوں میں مرتہن نفع و نقصان کا ذمہ وار ہے۔ پس رہن عدل کی صورت میں جائز ہے۔ آج کل گورنمنٹ کے معاملے زمینداروں سے ٹھیکہ کی صورت میں ہو گئے ہیں۔ اور اس صورت میں زمینداروں کو کبھی فائدہ اور کبھی نقصان ہوتا ہے تو ایسی صورت میں عدل سے رہن بیشک جائز ہے۔

جب دودھ والا جانور اور سواری کا گھوڑا رہن باقبضہ ہو سکتا ہے اور اس کے دودھ اور سواری سے مرتہن فائدہ اٹھا سکتا ہے تو پھر زمین کا رہن تو آپ ہی ہو گیا۔

پھر زیور کے رہن کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا زیور ہو کچھ ہو جبکہ انتفاع جائز ہے تو خواہ نخواہ تکلف کیوں بناتے ہیں جاوے اگر کوئی شخص زیور کو استعمال کرنے سے اس سے فائدہ اٹھاتا ہے تو اس کی زکوٰۃ بھی اس کے ذمہ ہے زیور کی زکوٰۃ بھی فرض ہے چنانچہ کل ہی ہمارے گھر میں زیور کی زکوٰۃ ڈیڑھ سو روپیہ دیا ہے پس اگر زیور استعمال کرتا ہے تو اسکی زکوٰۃ دے اگر بکری رہن رکھی ہو

ھو خادعھم۔ منافق خدا کو چھوڑتے ہیں اور خدا انکو چھوڑتا ہے۔ غرض منافق اللہ تعالےٰ کے فرمودہ اور مومنوں کی تجربہ کردہ راہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن انعامات و برکات سے جو اس راہ کا خاصہ ہیں محروم ہو جاتے ہیں۔

یخدعون کے معنے یسکون بھی لغت اور قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے ثابت ہیں یہاں کسی طویل بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

وما یشعرون یعنے اُن انعامات اور مرضیات الٰہی کی حقیقت سے بے خبر اور بے بہرہ ہیں اور اللہ تعالےٰ اور مومنوں کی راہ ترک کرنے کے بُرے نتائج سے بے خبر ہیں۔ ادنیٰ فہم بھی نہیں رکھتے۔

جیسے ایمان کا پہلا درجہ احتمالات کے بیچ میں ہوتا ہے اسی طرح سے علم کا ابتدائی درجہ شعور کہلاتا ہے اور اس عدم شعور کی ایک وجہ بتلائی ہے کہ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون۔ ان کے دل کمزور ہیں، نہ تاب مقابلہ ہے نہ قوت فیصلہ ہے اور اللہ تعالےٰ اس مرض کو تو بڑھائے ہی گا (اور جوں جوں مرض بڑھیگا) انکے لئے ٹیس دینے والا عذاب ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

یہ بات ہم نے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دی ہے کہ یہ قانون قدرت ہے کہ جب انسان ایک طاقت کو بیکار چھوڑتا ہے تو رفتہ رفتہ وہ زائل اور پژمردہ ہو جاتی ہے۔ منافق چونکہ اپنی علمی اور عملی طاقتوں سے کام نہیں لیتا اس لئے اس کا مرض بڑھتا ہی جاویگا۔

منافق کے دل میں جو مرض ہوتا ہے وہ کمزوری کا مرض ہوتا ہے نہ تو مسائل اسلام میں قوت فیصلہ ہوتی ہے اور نہ اہل اسلام سے تاب مقابلہ مگر اُن کا یہ مرض تو دن بدن بڑھنے والا ہو گا کیونکہ مسائل اسلام اور جماعت اسلام ترقی کریگی۔ فزادھم اللہ مرضا میں ضمناً ترقی اسلام کی پیشگوئی ہے۔ پس جوں جوں یہ جماعت ترقی کرے گی اور مسائل بڑھیں گے اُنکے مشکلات بڑھتے جاویں گے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ ٹیس دینے والے عذاب میں مبتلا ہو جاویں گے کیونکہ اُنکی عادت ہی تکذیب ہو رہی ہے۔ تکذیب الرسل یا تکذیب آیات اللہ ایک ایسی کریہ اور عذاب الٰہی کو کھینچ لانے والی حرکت ہے کہ سب امراض روحانی اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور انسان سعادت کی روشن اور منور سڑک کو چھوڑ کر شقاوت کے تاریک اور ہلاک کر دینے والے گڑھوں میں جا گرتا ہے۔ یہ بات بحضور دل یاد رکھنی چاہیے کہ دردناک امراض جن میں ٹیس پڑ کر انسان مصیبت میں بے قرار ہو جاتا ہے کسی نہ کسی شعبہ کذب کے باعث آتی ہیں جن کا علم نہیں ہوتا۔

اب خدا تعالےٰ منافقوں کے کھلے کھلے نشان بیان فرماتا ہے۔ اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتلا دیا جاوے کہ اعتقادی اور عملی نفاق کیا ہوتا ہے اور نفاق کیونکر پیدا ہوتا ہے۔

اعتقادی نفاق تو یہ ہوتا ہے کہ جو افعال اور اعمال زبان اور دیگر جوارح سے بطرز مومن صادر ہوتے ہیں انکا یقین قطعاً قطعاً دل میں نہیں ہوتا بلکہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر ارکان ایمان پر ایمان نہیں ہوتا۔ چونکہ اعمال بدون ایمان کچھ نتیجہ پیدا نہیں کر سکتے اس لئے ایسے منافق بہت ہی بری حالت میں ہوتے ہیں۔ عملی نفاق یہ ہے کہ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ امانت میں خیانت کرے۔ معاہدہ کرے تو غداری کرے۔ لڑائی میں غلیظ گالیاں دے۔ عشاء اور فجر کی نماز میں عموماً سستی ہو۔ عام طور پر نماز میں حضور قلب اور صدق نیت سے شامل نہو۔ بلکہ نمایش اور ریاکاری کے طور پر خدا تعالےٰ

بعد ابتلا دیتو سہی کہ آپ کے یسوع کی تعلیم خود اُس کے اقرار سے ناقص ٹھیری یا ابھی کچھ کسر رہ گئی پھر جبکہ یسوع خود معترف ہے کہ میری تعلیم ادھوری اور کچی ہے تو پھر اپنے گرو کی پیشگوئی کو ذہن میں رکھکر اسلامی تعلیم کی خوبیاں ہم سے سنو اور اپنے یسوع کو جھوٹا مت ٹھیراؤ کیونکہ جب تک ایسا نبی دنیا میں ظہور نہ کرے جس کی تعلیم انجیل کی تعلیم سے اکمل اور اعلیٰ ہو تب تک یسوع کی پیشگوئی باطل کے رنگ میں رہتی ہے مگر وہ مقدس نبی تو آچکا اور تم نے اُسکو شناخت نہیں کیا ہماری تحریروں پر غور کرو تا تحقیق معلوم ہو کہ وہ کامل تعلیم جسکی مسیح کو انتظار تھی قرآن ہے اور اگر یہ پیشگوئی نہ ہوتی تب بھی قرآن کا کامل اور انجیل کا ناقص ہونا خدا کی حجت کو پوری کرتا تھا سو جہنم کی آگ سے ڈرو اور اُس آنیوالے نبی کو مان لو جس کی نسبت مسیح نے بشارت دی اور اُسکی کامل تعلیم کی تعریف کی مگر پھر بھی آپکے یسوع کا اسمیں کچھ احسان نہیں کیونکہ خود زور آور نے کمزور کو گرا دیا اب صرف سمجھ کا گھاٹا ہے ورنہ اب انجیل کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں +

اس جواب کو پڑھ لینے کے بعد کسی قسم کا اعتراض اسپر رہ ہی نہیں سکتا +

وسعت امید

فیغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء واللہ علی کل شئ قدیر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت اور اُس کی شان غفران کو ظاہر کرتا ہے جسپر ایمان لا کر مومن کی امید وسیع ہوتی ہے اور وہ اس غفرانیت سے حصہ لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگلی آیتوں میں جو دعا تعلیم کی ہے اسمیں غفرانک ہی فرمایا ہے فیغفر لمن یشاء کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس شخصکو چاہتا ہے محفوظ کر لیتا ہے یعنی گناہوں سے اُسکی حفاظت فرماتا ہے اور ہر قسم کی روحانی سمیات سے اسے محفوظ رکھتا ہے تریاقی خاصیت کو زیادہ کر دیتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ حصول مغفرت کی راہ بتاتا ہے کہ وہ ایمان سے حاصل ہوتی ہے چنانچہ فرمایا

امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کل امن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر

امن الرسول

خدا تعالیٰ کے مرسل و مامور کیلیے یہ ضروری ہے کہ وہ خود بھی ما انزل الیہ پر ایمان لائے اور یہ ایمان ثابت ہوتا ہے اسکی عملی زندگی سے اگر کوئی شخص نماز کا حکم کرتا ہے لیکن خود نماز نہیں پڑھتا تو معلوم ہوا کہ وہ مامور نہیں ہے حضرت مولانا مولوی عبد الکریم صاحب نے اس اصل پر ایک لمبی تقریر ۱۸۹۵ء کے دسمبر میں بیان کی تھی جو رپورٹ سالانہ جلسہ ۱۸۹۵ء میں چھپ چکی ہے حقیقت میں خدا تعالیٰ کے ماموروں اور خود ساختہ ریفارمروں میں بھی یہ بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایمان کی کسی قدر تفصیل فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔ پھر اسکے فرشتوں پر پھر اللہ کی کتابوں پر اور اُسکے رسولوں پر۔ ایمان باللہ۔ ایمان بالملائکہ۔ ایمان بالکتب اور ایمان بالرسل کیا ہوتا ہے اور اسکی غرض اور حقیقت کیا ہے اسپر مفصل تفسیر القرآن پارہ دوم میں ہم بحث کر آئے ہیں اسلیے یہاں خلاصۃً اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ جمیع صفات کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں سے منزہ ہے وہ اپنی ذات میں اپنی صفات میں اسماء اور محامد اور افعال میں واحد اور لا شریک ہے وہ اپنی ذات میں یکتا صفات میں بے ہمتا اور افعال میں لیس کمثلہ شئ ہے اور اسبات پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اپنی رضامندی اور ناراضی کی راہوں کو ظاہر کرتا رہا ہے اور ملائکہ کے ذریعہ اپنا کلام پاک اپنے نبیوں اور رسولوں کو پہونچاتا رہا ہے اور اُسکی بھیجی ہوئی کتابوں میں آخری کتاب قرآن شریف ہے جس کا نام شفا۔ فضل۔ رحمۃ اور نور ہے اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو خاتم النبیین ہیں اب کوئی نبی اور رسول آپ کے سوا اور آپ کی مہر کی سند کے بدوں نہیں آسکتا چنانچہ اسوقت بھی جو آیا وہ اُنہی کا غلام اور متبع ہو کر آیا ہے جس سے رسالت محمدیہ (علیہ السلام والتحیۃ) کے کمال اور حقیقت کا پتا لگتا ہے۔

لا نفرق بین احد من رسلہ اور وفات مسیح اور عدم رجوع مسیح ناصری پر استدلال +

ایمانیات میں لا نفرق بین احد من رسلہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں موجود ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کے امر رسالت میں ہم کوئی تفریق نہیں کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ان میں بلحاظ ان کے مراتب اور مدارج کے کوئی امتیاز اور ترتیب نہیں بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ ان سب کو ہم اللہ تعالیٰ ہی کے مرسل و مامور تسلیم کرتے ہیں۔ اور کسی کے ساتھ کوئی ایسی جزئی مخصوص نہیں کرتے جو امر رسالت میں داخل ہو اور پھر کسی دوسرے کو وہ نہ ملی ہو جیسا کہ بعض لوگ اپنی غلطی اور کمزوری سے یہ اعتقاد

سود مند تو نہ ہوئی۔ بھلا وہ کب بامراد ہو سکتے تھے۔ جیسے مومنوں کے انجام پر فرمایا اولٰئک علی ھدی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون یہاں فرمایا کہ ماکانوا مھتدین۔ مومن بامراد ہونے والے ہیں اور منافق جنھوں نے ضلالت کو مول لیا ہے نامراد رہنے والے ہیں۔ مومن اور منافق کا انجام بتلا دیتا ہے کہ کون خدا سے سچا تعلق رکھنے والا ہے اور کون بزدل منافق ہے۔

اب آخر میں خدا تعالٰے اعتقادی اور عملی منافق کی تفریق دو عام فہم اور مشاہدہ میں آئی ہوئی مثالوں کے ذریعہ بیان فرماتا ہے۔ اعتقادی منافق کی مثال یہ ہے مثلھم کمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ما حولہ ذھب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمٰت لا یبصرون ٥ صم بکم عمی فھم لا یرجعون۔ یعنے منافق اعتقادی کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صحرانشین (آفات جنگل یعنے درندوں اور جنگلی جانوروں کے حوادث سے محفوظ رہنے کے لئے آگ جلائے۔ پس جب آگ خوب روشن ہوئی اور اُس کا اردگرد بھی خوب منور ہوگیا۔ پھر اللہ تعالٰے اُس روشنی کو لے گیا اور اُنکو تاریکی میں پڑا رہنے دیا اندھوں کی طرح نہیں دیکھ سکتے۔ حق کے شنوا نہیں حق کے گویا نہیں اور حق کے بینا نہیں۔ پس وہ واپس نہ ہوں گے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب صحراؤں اور خوفناک جنگلوں میں رات آجاتی ہے تو راہ رو آگ جلا لیتے ہیں تاکہ صحرائی جانور اور جنگلی درندوں اور دیگر حوادثات وآفات سے محفوظ رہیں مگر کیا وہ من کل الوجوہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یونہی آگ بجھی پھر وہ اپنے تئیں موت کے موُنہہ میں سمجھیں۔ ٹھیک اسی طرح پر اعتقادی منافق اُن مصائب اور تکالیف سے بچنے کے لئے جو مامور من اللہ کے منکرین پر مختلف رنگوں میں آنے والے ہوتے ہیں صرف اقرار باللسان کی روشنی یا ایسے اعمال کے ذریعہ سے (جو تکلف اور تصنع سے صادر ہوتے ہیں نہ بطریق تلذذ) اپنے آپ کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں اور کچھ عرصہ تک اُن بادیہ نشین آگ جلانے والوں کی طرح محفوظ بھی ہوجاتے ہیں لیکن جیسے آخر کو آگ کی روشنی جاتی رہ کر دھواں اور گرمی چھوڑ کر اُسکو معرض بلا میں چھوڑ جاتی ہے اسی طور پر اس کی یہ نمایشی کارروائی آخر کھل جاتی ہے اور بجائے سُکھ کے اُس کو دُکھ میں مبتلا کر دیتی ہے۔

ذھب اللہ بنورھم میں ہم کو یہ سر معلوم ہوتا ہے کہ جیسا پہلے بیان ہوا اعمال صالحہ پر مزید اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے اور جن قوتوں کا استعمال چھوڑا جاتا ہے وہ ضایع ہو جاتی ہیں اسی طرح چونکہ منافق اپنے اندرونی قویٰ جن میں فطرت سلیمہ اور دل بھی شامل ہیں اُن کے استعمال کو تو چھوڑتا ہے اس لئے اعمال جوارح کا پول خود بخود ظاہر ہوجاتا ہے کیونکہ وہ دل کے زیر کمان صادر نہیں ہوتے۔ پس اُن کی کرتوت خود اُن کو اُس عارضی روشنی سے نکال کر خوفناک تاریکی میں پہونچا دیتی ہے جو ذھب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمات لا یبصرون میں خدا تعالٰے نے بیان فرمائی ہے۔

یہ بات بھی مشاہدہ صحیحہ میں آچکی ہے کہ جب آدمی روشنی سے اندھیرے میں یکایک آجائے تو وہ دیکھ نہیں سکتا۔ پس قرآن کریم کی فلاسفی کیسی صاف اور درست ہو کہ ترکھم فی ظلمات لا یبصرون۔

مدینہ کے منافقوں نے ہمارے سید ومقتدا فخر ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بلایا چونکہ حضور کا تشریف لیجانا بجائے خود ایک عالم آشوب جنگ تھی اس لئے انھوں نے گویا اپنے ہاتھ سے آگ روشن کی (نار بہ معنی جنگ بھی ہے) مگر جب آپ کے وہاں تشریف لیجانے سے ادھر اودھر روشنی پھیلی تو یہ احمق اپنی منافقانہ کارروائیوں کی وجہ سے علیحدہ ہو کر ہلاک ہوگئے۔

پھر فرمایا کہ ایسے منافق یعنے اعتقادی منافق جن کا کانشنس (نور قلب) سُن ہوجاتا ہے بہروں۔ گونگوں

یعنی اللہ تعالےٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ زمین و آسمان میں ہے جو کچھ تمھارے دل میں ہے خواہ تم اُسے ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالےٰ تم سے حساب لے گا حفاظت فرماتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

عزیمت اور خطرات

اس آیت کے ایک حصہ وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ پر نظر کرنے سے ایک لطیف بات حاصل ہو جاتی ہے کہ اسلام انسان کو کہانتک پاک و صاف کرنا چاہتا ہے گندے اور ناپاک منصوبوں سے بھی روکتا ہے ۔ کیونکہ جب کہ ہر ایک امر کا محاسبہ ہے تو پھر صاف ظاہر ہے کہ محاسبہ کا خوف بُرے منصوبوں سے روکے گا ۔

اس آیت اور اسی قسم کے دوسرے مقامات قرآنی پر عدم تدبر کی وجہ سے بعض نادان پادریوں نے اعتراض کیا ہے کہ اسلامی تعلیم میں ہے کہ جب تک کوئی گناہ کا مرتکب نہ ہو جاوے تب تک ایسے شخص سے مواخذہ نہ ہوگا اور محض دلی خیالات پر خدا تعالےٰ پرسش نہ کرے گا مگر انجیل میں اس کے خلاف ہے یعنی دلی خیالات پر بھی مواخذہ ہوگا ؟ اس سوال کا جواب حضرت حجۃ الاسلام نے خود دیا ہے جو ہم یہاں بجنسہ درج کرتے ہیں ۔

واضح ہو کہ اگر انجیل میں ایسا ہی لکھا ہے تو ایسی انجیل ہرگز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور حق بات یہی ہے کہ جو اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں فرمائی ہے کہ انسان کے دل کے تخیلات جو بے اختیار اُٹھتے رہتے ہیں اسکو گنہگار نہیں کرتے بلکہ عنداللہ مجرم ٹھہر جانے کی تین ہی قسم ہیں (۱) اوّل یہ کہ زبان پر ناپاک کلمے جو دین اور راستی اور انصاف کے برخلاف ہوں جاری ہوں (۲) دوسری یہ کہ جوارح یعنی ظاہری اعضاء سے نافرمانی کے حرکات صادر ہوں (۳) تیسری یہ کہ دل نافرمانی پر عزیمت کرے یعنی پختہ ارادہ کرے کہ فلاں فعل بدضرور کروں گا ۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ یعنی جن گناہوں کو دل اپنی عزیمت سے حاصل کرے اُن گناہوں کا مواخذہ ہوگا مگر مجرد خطرات پر مواخذہ نہیں ہوگا کہ وہ انسانی فطرۃ کے قبضہ میں نہیں ہیں خدائے رحیم ہمیں اُن خیالات پر نہیں پکڑتا جو ہمارے اختیار سے باہر ہیں ۔ ہاں اُسوقت پکڑتا ہے کہ جب ہم اُن خیالات کی زبان سے یا ہاتھ سے یا دل کی عزیمت سے پیروی کریں بلکہ بعض وقت ہم اُن خیالات سے ثواب حاصل کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے صرف قرآن کریم میں ہاتھ پیر کے گناہوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ کان اور آنکھ اور دل کے گناہوں کا بھی ذکر کیا ہے جیساکہ وہ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۔ یعنی کان اور آنکھ اور دل جو ہیں ان سب سے بازپرس کی جاوے گی اب دیکھو جیساکہ خدا تعالیٰ نے کان اور آنکھ کے گناہ کا ذکر کیا ایسا ہی دل کے گناہ کا بھی ذکر کیا مگر دل کا گناہ خطرات اور خیالات نہیں ہیں کیونکہ وہ تو دل کے بس میں نہیں ہیں بلکہ دل کا گناہ پختہ ارادہ کر لینا ہے صرف ایسے خیالات جو انسان کے اپنے اختیار میں نہیں گناہ میں داخل نہیں ہیں ۔ ہاں اُسوقت داخل ہو جائیں گے جب اُن پر عزیمت کرے اور اُن کے ارتکاب کا ارادہ کر لیوے ایسا ہی اللہ جل شانہ اندرونی گناہوں کے بارہ میں ایک اور جگہ فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ یعنی خدا نے ظاہری اور اندرونی گناہ دونوں حرام کر دیے ۔ اب میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ عمدہ تعلیم بھی انجیل میں موجود نہیں کہ تمام عضووں کے گناہ کا ذکر کیا ہو اور عزیمت اور خطرات میں فرق کیا ہو اور یہ ممکن نہ تھا کہ انجیل میں یہ تعلیم ہو سکتی کیونکہ یہ تعلیم نہایت لطیف اور حکیمانہ اصولوں پر مبنی ہے اور انجیل تو ایک موٹے خیالات کا مجموعہ ہے جس سے اب ہر ایک محقق نفرت کرتا جاتا ہے ۔ ہاں آپکے یسوع صاحب نے پردہ پوشی کے لیے یہ خوب تدبیر کی کہ لوگوں کو باتوں باتوں میں سمجھا دیا کہ میری تعلیم کچھ اچھی نہیں آیندہ اسکا مضحکہ ہوگا بہتر ہے کہ تم ایک اور آنیوالے کا انتظار کرو جسکی تعلیم معارف کے تمام مراتب پورا کرے گی ۔ مگر شاباش اے پادری صاحبان آپنے اس وصیت پر خوب ہی عمل کیا جس تعلیم کو خود آپکے یسوع صاحب بھی قابل اعتراض ٹھیراتے ہیں اور ایک آیندہ آنے والے نبی مقدس کی خوشخبری دیتے ہیں اُسی ادھوری تعلیم پر آپ گر گئے ہیں

[illegible]

مومن ہو سکتے ہیں اور نہ مصلح - ان دونوں آیتوں پر یکجائی نظر کرنے کے بعد یہ سمجھ میں آنا کچھ مشکل نہیں معلوم دیتا کہ منافق نہ تو عقل صحیح رکھتا ہے اور نہ حقایق الاشیاء کا علم حقہ ہی اُسے نصیب ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے اس کو نہایت خلجان اور اضطراب میں زندگی بسر کرنی پڑتی ہے - (اللهم طهر قلوبنا من النفاق - آمین)

شعور کا تعلق حسیات اور مشاہدات سے ہوتا ہے اس لئے فساد فی الارض کے لئے لایشعرون فرمایا - اور علم ایک روحانی امر ہے اس لئے اس آیت میں لایعلمون فرمایا ہے -

سفیہ سلیم کی ضد ہے - سلیم وہ انسان ہوتا ہے جو عقل میں پختہ اور قوی ہو - قوت فیصلہ رکھتا ہو اور سفیہ وہ جو کم عقل اور ناسمجھ ہو - ہر بات سے ہلکا ہو سکے پھر ان منافقوں کے نشانات میں سے تیسرا نشان فرمایا - واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا واذا خلوا الی شیاطینهم قالوا انا معکم انما نحن مستهزءون اور جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مومن ہیں اور جب اپنے سرداران شرارت سے تخلیہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو اُن کو بناتے تھے - یعنے باظہار ایمان مومنوں کے ساتھ ہنسی کرنیوالی ہیں

شیطان کا اشتقاق دو لفظوں سے پایا جاتا ہے یا تو شطن سے جس کے معنے دوری کے ہیں اور یا شیط سے جس کے معنے ہلاکت کے ہیں - پس اللہ تعالےٰ سے بعد و حرمان کی راہیں بتلانے والے اور ہلاکت اور نامرادی کا شکار بنانے والے لوگ بھی شیطان کہلاتے ہیں اور ایسے اعمال اور افعال جو خدا تعالےٰ سے بُعد کا موجب اور ہلاکت کا ذریعہ ہوں شیطانی کرتوت ہیں -

شیطان کیا ہے اور اُس کا بندوں سے کیا تعلق ہے ؟ اس بحث کے لئے یہ موقع نہیں ہے گو لفظ شیطان کے معنے ہی اس کی حقیقت کو ایک حد تک بتلا رہے ہیں - تاہم مفصل یہ بحث اپنے مقام پر ہوگی - یہاں شیطان سے مراد سردار ہیں اپنے افعال اور اُنکے نتائج کی وجہ سے شیطان کہلاتے ہیں -

یہ آیت الا انهم هم السفهاء کے دعوے کی دلیل ہے کیونکہ بجز سفیہ اور اوچھے آدمی کے کون ہے جو ایسا کرسکتا ہے ؟ یہ منافق جو مسلمانوں پر ٹھٹھا مارتے اور ہنسی کرتے ہیں یاد رکھیں کہ الله یستهزئ بهم ویمدهم فی طغیانهم یعمهون - اللہ اُن سے ہنسی کرتا ہے (اس طرح پر کہ) اُنکو اُنکی اس سرکشی میں کھلا چھوڑ دیتا ہے (یہانتک) کہ بھٹک بھٹک کر ہلاک ہوجاتے ہیں - اللہ تعالےٰ کی پاک ذات استہزا سے پاک ہی مگر ہر ایک صفت اللہ تعالےٰ کی اپنے اندر ایک کمال اور شان رکھتی ہے - الله یستهزئ بهم کی تفسیر خود اللہ کریم نے اسی جگہ فرمادی ہے - وؔ تفسیر کا فائدہ دیتا ہے یعنے یمدهم فی طغیانهم اُنکو سرکشی اور ترک حدود اللہ میں ایسا کھلا چھوڑ دیتا ہے کہ وہ آنکھیں رکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور کان رکھتے ہوئے نہیں سنتے - دل رکھتے ہوئے نہیں سمجھتے - یہانتک کہ وہ اس درجہ پر پہونچ جاتے ہیں کہ احاطت به خطیئته اُنکی خطاکاریاں اُنکو گھیر لیتی ہیں پھر وہ بھٹکتے پھرتے اور ذلیل ہوتے ہیں - سچی خوشی اور راحت نہیں ملتی - اور ایسی بری درگت ہوتی ہے کہ جن لوگوں کے سامنے آیات اللہ کی تضحیک کرتے اور مسلمانوں پر پھبتیاں اڑاتے تھے اب وہ خود اُنکی اس حماقت پر ہنستے ہیں - جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا کہ او لاً منافق شامل ہوگئے پھر اُنکو نام لے لے کر پکڑ کر باہر نکال دیا - اس طرح پر استہزائے الٰہی کا ظہور ہوگیا -

یعمهون کے معنے ٹکریں کھا کر ہلاک ہونا یعنے ایسا اندھا ہونا کہ بہک بہک کر مرنا - پس جن لوگوں میں اس قسم کے آثار اور نشان پاؤ یاد رکھو کہ اولئك الذین اشتروا الضلالة بالهدی فما ربحت تجارتهم وما کانوا مهتدین - یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید لیا - پس اُنکی تجارت اُنکے لئے

يَجْعَلُونَ اَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ -
یعنے عملی منافق کی مثال اس مینھ کی مثال ہے جو بادل سے برستا ہے جس میں ظلمت - رعد اور برق تین چیزیں ہوتی ہیں - اور کڑک سے مرجانے کے خوف سے کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں - اور اللہ کافروں پر احاطہ کرنے والا ہے - جب بارش ہوتی ہے تو اس میں تین چیزیں ہوتی ہیں ظلمت (اندھیرا) رعد (کڑک) اور برق (بجلی) اور تین ہی قسم کی مخلوق مینھ کے وقت ہوتی ہے -
اول وہ لوگ جو ہر طرح سے آرام و آسایش کے ذخیرے رکھتے ہیں اور بادل محل پر بیٹھ کر مینھ کے سیر کا لطف اٹھاتے ہیں -
دوم وہ لوگ جو عین بارش میں راہ چلتے ہیں -
سوم وہ آدمی جن کے گھر میں پورا ذخیرہ بھی خوراک اور ضروری اشیاء کا نہیں ہوتا اور گھر بھی کچھ کچھ ٹپکتا ہے -
اب خدا تعالےٰ بارش کی مثال سے یہ بتلانا چاہتا ہے کہ مینھ ایک فضل الٰہی ہے جیسے اس عام بارش کے وقت تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں اسی طرح الہام الٰہی کی بارش کے وقت بھی تین ہی قسم کی مخلوق ہوتی ہے - ایک تو وہ جو من کل الوجوہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں - دوم وہ جو بالکل فائدہ نہیں اٹھا سکتے - سوم وہ جو کچھ فائدہ اٹھاتے ہیں اور نقصان کا احتمال زیادہ ہے - آخر الذکر لوگ منافق ہوتے ہیں جو تاریکی میں پڑے ہوئے ہوتے ہیں اور اسلام کا منور اور درخشاں چہرہ نہیں دیکھ سکتے اور نہ دوست دشمن میں تمیز کر سکتے ہیں -
رعد سے مراد ایسے مسائل ہیں جن میں بظاہر جان کا خطرہ ہو یا اور ایسی ہی مشکلات و مصائب پیش آنے والی ہوں جیسے جہاد زکوٰۃ وغیرہ کیونکہ متقی کو ابتداءً ظالم لنفسہٖ ہونا پڑتا ہے - مگر منافق جو کمزور دل کا انسان ہوتا ہے اُن سے ڈرتا ہے اور کم بخت کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ یہ کمزوری برا رنگ لائیگی کیونکہ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے آخر نوبت بہ کفر رسد کا معاملہ ہو جاتا ہے جس پر واللہ محیط بالکافرین اشارہ کر رہی ہے -
ان منافقوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ -
قریب ہے کہ بجلی ان کا چوندکر دے انکی آنکھوں کو - جبکہ ذرا روشنی ہوتی ہے تو چل پڑتے ہیں اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو پھر ٹھہر جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہے تو انکی سماعت اور بینائی کو لے جاوے کیونکہ وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے یعنی منافق جہاں کہیں کچھ مفاد ذاتی دیکھتے ہیں اور کامیابیوں اور فتوحات کی برق انکی آنکھوں کو چکا چوند کر دیتی ہے پھر روشنی دیکھتے ہی قدم اٹھانے کو طیار ہو جاتے ہیں اور صوم اور صلوٰۃ کے پابند بنتے ہیں جہاں خطرہ نظر آیا وہیں ٹھہر گئے - یہ اشارہ برق میں فرمایا کیونکہ بجلی میں دو ہی خاصیتیں ہوتی ہیں ایک طرف تو مواد ردیہ کو جلاتی ہے دوسری طرف ہوا کو صاف کرتی اور بہت سے مفاد پہونچاتی ہے - اسی طرح پر منافق جہاں کامیابی کا پیارا پیارا چہرہ دیکھتا ہے وہاں اسلام کا عامل اور خیرخواہ بنتا ہے ورنہ برا جانتا اور کوستا ہے - چونکہ منافق عملی میں سمع اور بصر کا مادہ ابھی موجود تھا جس سے وہ کڑک سنتا اور چمک دیکھتا تھا مگر اس کی متشکک حالت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ وہ کہیں یہ بھی نہ کھو بیٹھے - اور منافق عملی کا انجام کفر تک پہونچ جاتا ہے جیسا کہ واللہ محیط بالکافرین سے پایا جاتا ہے اور ان اللہ علی کل شیٔ قدیر کا اشارہ ہے -
یہاں الضالّ کی تفسیر ختم ہوئی -
خدا تعالےٰ نے منافقوں کی اس مثال میں واضح اور بین طور پر دکھلا دیا ہے کہ ہر سلسلہ حقہ جو خدا کی طرف سے قائم ہوگا

کر بیٹھتے ہیں کہ کل انبیاء علیہم السلام تو وفات پا گئے لیکن حضرت مسیح علیہ السلام بدستور اب تک زندہ ہیں یہ اس ایمان کی ہدایت کے خلاف ہے یا مثلاً یہ اعتقاد کہ کل انبیاء میں سے کوئی فرد بھی خاکی عنصری جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں گیا لیکن مسیح اسی جسم کے ساتھ چلے گئے ہیں یا مثلاً یہ خیال کرنا کہ کل انبیاء کی مشکلات اور مقابلہ اعدا کے وقت اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں مدد فرمائی مگر مسیح کی مدد بجز اس کے نہ ہو سکی کہ انھیں آسمان پر لے جائے۔ یا مثلاً یہ اعتقاد کہ کبھی کوئی نبی دوبارہ دنیا میں اصلاح امت کے لیے نہیں آیا لیکن حضرت عیسیٰ خود ہی دوبارہ آئیں گے۔ اس قسم کے امور تراش لینا **تفریق بین الرسل** ہے جس سے منع کیا گیا ہے پس یہ آیت بڑی صفائی کے ساتھ ثابت کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ ہرگز ہرگز حیات ظاہری کے رنگ میں زندہ نہیں ہیں اور نہ اُن کے دوبارہ آنے کے وعدہ میں انکا ہی آنا مراد ہے بلکہ وہ بروزی رنگ کی آمد ہے۔

پھر اسما ایمان کی تکمیل کی صورت بتائی ہے کہ مومن کامل وہ ہوتا ہے جو جب ربانی ہدایتوں کو **مامور من اللہ** اور مرسل الٰہی کے منہ سے سنتا ہے تو کہہ اُٹھتا ہے **وقالوا سمعنا و اطعنا غفرانک ربنا و الیک المصیر** یعنی اُنھوں نے بتا دیا کہ اے رب ہمنے (تیرے مامور و مرسل کے ذریعہ تیری بات کو سن لیا اور تسلیم کر لیا اے ہمارے پروردگار تیری ہی **حفاظت مطلوب** ہے یعنی اس اطاعت اور تسلیم و تعمیل میں کوئی کمی اور فروگذاشت ہوئی ہو تو تو ہی حفاظت فرما اے ہمارے رب ہمارا رجوع آخر تیری طرف ہے

نکتہ — اسمیں اصل نکتہ یاد رکھنے اور عمل کرنے کے قابل یہ ہے کہ اقرار تسلیم و رضا ہی کافی نہیں ہے بلکہ قول اور فعل کے ساتھ پھر دعاؤں کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل اور غفر شامل حال نہ ہو انسان کمزوریوں اور فروگذاشتوں سے بچ نہیں سکتا۔ اس لیے دعاؤں کو کسی حال میں چھوڑنا نہیں چاہیے اور پھر دعاؤں میں بھی **استغفار** بکثرت ہو

کفارہ کا رد — چونکہ بعض فطرتیں اپنی سستی اور کمزوری سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ احکام شریعت ہماری طاقت سے باہر ہیں اور ہم سے ادا نہیں ہو سکتے اسلیے اس اعتراض اور سستی پیدا کرنیوالے خطرہ کو یوں دور فرمایا **لا یکلف نفسا الا وسعها** یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف مالا یطاق کبھی نہیں دیتا۔ اسی خطرناک غلط فہمی نے عیسائی قوم کو تباہ کیا اور وہ شریعت کی بیحرمتی کرنے والی ٹھیری چنانچہ اس نے شریعت کو (معاذ اللہ) لعنت قرار دیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے ایک لغو اور بیہودہ فطرۃ اللہ کے خلاف **کفارہ کا مسئلہ** تراش لیا جو ساری بدیوں کی جڑ ہے اسلیے اسکے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی رد فرمایا **لها ما کسبت و علیها ما اکتسبت** یعنی ہر شخص اپنے ہی اعمال و افعال کا ذمہ وار اور انکے نتائج کا برخوردار ہے اسلیے یہ بالکل غلط اور بیہودہ بات ہے کہ یسوع مسیح دنیا کے گناہ اُٹھا لے گیا

بالآخر

دعا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کی پیشگوئی — ساری توفیقیں **اعمال حسنہ** اور **ایمان کاملہ** کی اللہ تعالیٰ ہی سے آتی ہیں اسلیے پھر عملی رنگ میں دعا تعلیم کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعا کا تعلیم فرمانا مطالب مندرجہ دعا کے عطا فرمانے کی پیشگوئی ہے کیونکہ قرآن کریم کے بغور مطالعہ و سنتہ اللہ کے وجود اور زندہ ثبوت سے ہمیں پتا ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ماموروں اور مرسلوں کو جو جو کامیابیاں اور نعم عطا فرمانا چاہتا ہے اسکے لیے اول خود ہی دعائیں سکھا دیا کرتا ہے پس اس دعا کی تعلیم صریح ثبوت اس امر کا ہے کہ مطالب مندرجہ دعا آنحضرتؐ کو ملنے والے تھے اور پھر بطور پیشگوئی ہے چنانچہ آپؐ کی زندگی اور فتوحات اس کا ثبوت بیّن ہیں۔ پس ہم بھی اسی دعا پر اس سورۃ کو اب ختم کرتے ہیں جو نہایت ہی موزون اور حسب حال آن پڑی ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

آمین

اور اندھوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کے واپس آنے کی اب کوئی بات نہیں بنتی وہ تو ہلاکت ہی کا نشانہ ہونگے۔ دیکھو جو آدمی بہرہ بھی ہو پھر گونگا اور اندھا بھی ہو اگر کسی گڑھے میں گر پڑے وہ بھلا پھر کیونکر نکل سکتا ہے۔ منافق اعتقادی کے ذکر میں اس مقام پر اس کی حالت بیان کرتے ہوئے قلب کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ نور قلب تو وہ پہلے ہی کھو چکا ہے۔ جب اس نے اس سے کام ہی لینا نہ شروع کیا تو اس سے فائدہ کیا اٹھائے گا۔ اور یہ اشارہ اس آیت میں موجود ہے فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضاً۔ یعنے انکے دلوں میں جو مرض ہے وہ تو اب بڑھے ہی گا۔ بقول شخصے۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اور حسب فحوائے ان بعض دواء داء یعنے بعض دوا ہلاکت ہوتی ہے۔

اللہ اللہ کیا نظام قرآنی ہے کہ ابتدائے نشان نفاق کی حالت میں تو ذرا مریض تھا مگر پھر یوماً فیوماً سنت اللہ کے موافق یہ مرض بڑھا یہانتک کہ ذَہَبَ اللّٰہُ بِنُورِہِم تک نوبت آپہونچی۔ جب دل ضایع ہوگیا تو پھر ترقی کے ذریعے تین ہیں اور عام طور پر اسی طرح مشاہدہ میں آتا ہے۔

اول۔ انسان سماعی باتوں سے کچھ واقفیت پیدا کرتا ہے۔ دیکھو بچہ جب بولنا سیکھتا ہے تو پہلے اُن آوازوں کو مونہہ سے نکالتا ہے جو اس کے کان میں پڑتی ہیں۔ سننے کے بعد بولنے سے بہت سی مشکلات حل ہوجاتی ہیں اور زبان کام دینے لگتی ہے۔ اور یہ بھی نظام قدرت ہے کہ جو بچے بہرے پیدا ہوتے ہیں وہ بول ہی نہیں سکتے اس کو دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ بولنے کے لئے سننا مقدم اور ضروری ہے۔ قرآن کریم نے بھی اسی طرز پر اس کو بیان کیا ہے پہلے صُم کہا پھر اس کا لازمی نتیجہ بکم کہا۔ تیسرا ذریعہ جس سے انسان ترقی کر سکتا ہے وہ آنکھ ہے کیونکہ نظارہ قدرت کو دیکھتا ہے۔ مگر منافق لوگ نہ کان رکھتے ہیں نہ زبان اور نہ آنکھ پس ایسے گم کردہ راہ کی سلامتی کی امید کیونکر ہوسکتی ہے لہذا انپر یہ فتوی ہوچکا۔ فھم لا یرجعون۔

اس مقام پر کوئی معترض یہ سوال کرسکتا ہے کہ پھر منافق اور کافر میں کیا فرق ہے؟ منافق نے جو اعمال کئے ہیں یہ مانا کہ اس سے وہ اعمال بطریق احتظاظ جیسا کہ مومن سے صادر ہوتے ہیں نہیں ہوئے مگر ایک عمل تو اس نے کیا ہے اسکی جزا اس کو کیوں نہ ملے گی؟ پس یاد رکھنا چاہیے کہ اس سوال کو خود مولا کریم نے ہی حل کر دیا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ پس منافق اوپر کے طبقہ جہنم سے اس لئے بچا کہ اس نے بظاہر گو نمایشی طور پر ہی سہی کچھ اعمال تو کئے ہیں اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ چونکہ وہ اعمال بہ طریق تکلف صادر ہوتے ہیں اس لئے ایک طرف اندرونی قویٰ جو افعال جوارح خارجیہ کے محرک ہیں اور انپر کمانڈ کرتے ہیں بیکار ہوتے جاتے ہیں اور دوسری طرف وہ اعمال ایک قسم کی تکلیف اور بوجھ پیدا کرتے جاتے ہیں کیونکہ اندرونی قویٰ کے خلاف مرضی صادر ہوتے ہیں اس لئے خارجی طاقتیں بھی رفتہ رفتہ سلب ہوجاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُنکی نسبت فرمایا ہے وما کانوا مھتدین۔ جس میں معنا اول ہدایت سے مراد وہ ہدایت ہے جسکو توفیق کہتے ہیں اور پھر اسی لفظ میں نتیجہ کے طور پر وہ ہدایت مرکوز ہے جس کا نام کامیابی ہے

الحاصل

منافق اعتقادی کا ذکر کرکے اب اللہ تعالے منافق عملی کی مثال بیان فرماتا ہے اور اسپر الضال کی تفسیر جو اس رکوع میں شروع کی تھی ختم کر دیتا ہے۔

منافق فی العمل کی مثال یوں دی ہے او کصیب من السماء فیہ ظلمات ورعد وبرق

تفسیر القرآن

الجزء الثانی

جسکو

خاکسار شیخ یعقوب علی تراب احمدی ایڈیٹر اخبار الحکم قادیان دار الامان من فتن الزمان نے حضرت
حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریروں یا تحریروں اور حضرت حکیم الامۃ مولنا
وبالفضل اولٰنا مولوی حافظ حاجی حرمین شریفین حکیم نور الدین صاحب بھیروی کے
درس قرآن مجید میں سے لیے ہوئے نوٹس اور آپ کی پرانی یادداشتوں
اور مولنا مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی کے خطبات سے لیکر
مرتب و مزین کیا اور حضرت حکیم الامۃ اور مولنا مولوی عبد الکریم
صاحب کی اصلاح کے بعد شائع کیا

اور

اخبار الحکم و تفسیر القرآن کے کارخانہ انوار احمدیہ

پریس قادیان دار الامان من فتن الزمان میں

۲۷ - اکتوبر ۱۹۰۴ء

بار اول

قیمت ۱۲ بلا محصولڈاک

رکوع نمبر ۳

انسان پر عبادت فرض کی جاتی - عبادت کس کے حضور میں کیجائے - انسانوں کو عبادت کا بجالانا کیوں لازمی ہے - انسانوں پر جسمانی فضل کا سامان اللہ کی طرف سے - اس فضل کے ہوتے کسی اور کو اللہ کا ساجھی بنانے کی ممانعت - جس اللہ نے اپنی ربانی حفاظت سے جسمانی تربیت کا سامان بنایا روحانی تربیت کا سامان بھی اُسی نے فرمایا - نبی کے ذریعہ اپنی کلام کا نزول اس کے لاثانی ہونے کا دعویٰ انسانوں کا اس کی مثل بنانے سے عاجز ہونا - باوجود عاجز ہونے کے مقابلہ سے باز نہ آنے کا انجام آگ کا عذاب - ایمان لانے والوں کو بشارت - ایمان کا عملی ثبوت اصلاح حال ہے ایمان اور نیک اعمال کا نتیجہ - سرسبز و شاداب جنتوں کا انعام - خدا کی طرف سے انکے ثمرات کا فراغت سے میسر آنا - بہشتی زندگی - بہشتی زندگی پر منکروں کا اعتراض - مومنوں کی تصدیق اور اپنے رب کی نعمتوں کو حق سمجھنا - منکرین کا خدا کے فضل کی مثالوں کو خلاف شان خدا سمجھ کر گمراہ ہو جانا - انکی گمراہی کی وجہ - خدا کے عہد کی شکست دنیا میں - فساد کی نیت آخر کار نقصان اٹھانا - انسان کو خدا کا محض نیستی سے پیدا کرنا اس کا فضل ہے پھر بعد موت اس کے حضور میں رجوع - ایسی بے اختیاری پر انسان کو خدا کے کاموں میں اعتراض کرنا نادانی ہے - اس دنیا کے سامان جو انسانوں کی حاجات میں لگ رہے ہیں خدا کی طرف سے ہیں پھر بعد موت عالم آخرت میں اس کے فضل و بخشش کے سامانوں پر کیا اعتراض ؟ آسمانی عالموں کی طرف اشارہ - آسمانی طبقات کے عجائبات - اللہ تعالےٰ کا علم کامل ہے -

عام مطالب اس رکوع میں مولا کریم نے اُن راہوں کا ذکر فرمایا ہے جو منعم علیہ - مغضوب علیہ - الضال بنا دیتی ہیں - سورۃ الفاتحہ کے مطالب کی تفسیر جب اس رکوع میں دکھائیں گے اسوقت اسپر صراحت سے بحث کریں گے -

اس وقت ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس رکوع میں مہتم بالشان مطالب کیا ہیں ؟ پس یاد رکھنا چاہیئے کہ مندرجہ ذیل امور اللہ تعالےٰ نے اس رکوع میں بیان فرمائے ہیں اور انکو صحیفہ فطرۃ اور شاہد قدرۃ کے نظائر پیش کر کے دلائل و براہین سے موکد فرمایا ہے -

اولاً - خدا تعالےٰ نے ایک خدا کی پرستش کی ہدایت فرمائی - اور اس عبادت کی ضرورت پر قدرتی نظائر پیش کر کے ایک علمی رنگ کی دلیل دیتے ہوئے علوم ارضی اور سماوی کی طرف ایک لطیف پیرایہ میں توجہ دلائی اور ضمناً ضرورۃ نبوۃ اور الہام پر بحث فرمائی -

ثانیاً - ضرورۃ عبادۃ اللہ کے بعد چونکہ طریق عبادت و رضاء الٰہی کے معلوم کرنے کا ذریعہ صرف الہام الٰہی ہے جسکی اس رکوع کی پہلی آیتوں میں ایماءً ضرورت بتلائی ہے اس لئے یہاں اثبات کلام الٰہی پر دلیل بیان فرما کر منکرین کلام پاک کو عذاب النار سے ڈرایا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیصلہ کن جنگ کی طرف بطور پیشگوئی ایما ہے -

ثالثاً - عبادۃ کی ضرورۃ کو تسلیم کرنے والوں اور پھر اس کے طریقہ کی راہ الہام الٰہی یا کتاب اللہ پر ایمان لانے والوں اور سچے ایمان کے ثمرات اعمال صالحہ بجا لانے والوں کو جنت الخلد کا وعدہ جزا کے طور پر دیا اور یوں مالک یوم الدین کی تفسیر فرمائی -

رابعاً - مومنوں اور کافروں میں ایک امتیاز بتلایا اور کفر اور ایمان کی حالت میں صدر انسان کا نقشہ دکھلا دیا کہ مومن کیونکر

تفسیر القرآن

اے بیخبر بخدمت قرآں کمر بہ بند · زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

قرآن شریف حی و قیوم خدا کی زندہ اور ابدی کتاب ہے یہی وہ پاک صحیفہ ہے جو حقیقی نجاۃ کی راہ بتاتا ہے۔ لیکن اسکے معلوم کرنے کے واسطے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان حقائق و معارف کا کچھ بھی علم ہو جو اس مجید کتاب میں موجود ہیں جب تک انسان قرآن شریف کے حسن و جمال سے اطلاع نہ پاوے اسپر عمل کے لیے طبیعت میں جوش اور دل میں شوق پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہی وہ تذکرہ ہے جس نے عرب جیسی لاشے اور گمنام قوم کو تاریخ عالم کا قابل قدر اور مایۂ ناز حصہ بنا دیا۔ مگر اسوقت مسلمان چاہتے ہیں کہ محض یورپ کی اتباع سے وہ کامیابی حاصل کریں جو ان کے زیر نظر ہے ع ایں خیال است و محال است و جنوں + ہر قسم کی ترقیوں کی مخزن اور رہنما یہی حمید کتاب ہے + اسی کی طرف علمی اور عملی توجہ پکار رہے +

اس مقصد کو مدنظر رکھکر مینے قرآن کریم کی ایک تفسیر مرتب کرنی شروع کی ہے جسکا پہلا اور دوسرا پارہ بالکل مکمل ہو کر شائع ہو چکا ہے اور خدا کے فضل و کرم سے مقبول ہوا اور مفید سمجھا گیا ہے مینے اس تفسیر کو کسطرح مرتب کیا ہے یہ شروع میں بتا دیا گیا ہے لیکن ہر ترتیب مینے ایسی رکھی ہے جس سے خدا کی اس حمید و مجید کتاب کی عظمت کا پتا لگتا ہے۔ ترتیب آیات کو عجیب اسلوب سے ظاہر کیا ہے۔ تقسیم مضامین ہر رکوع کو جداگانہ دکھایا ہے۔ پھر قرآن کریم کے علمی اعجاز کو ہر مقام پر ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے بزرگان ملت نے اس تفسیر کو چھپنے سے پہلے پڑھنے اور مناسب اصلاح کا فخر بخشا ہے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس زمانہ میں یہ تفسیر قرآن کریم کے حقائق و معارف کا کرشمہ ظاہر کرنے اور اسے زندہ اور بابرکت کتاب دکھانے کا بجائے خود ایک ذریعہ ہے اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کی اشاعت میں مجھے مدد دے۔ ورنہ میں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی مجید کتاب کی خدمت ہے جس طرح وہ عزیز و حکیم خدا پسند کرے گا ہو رہے گی + پہلے دونوں سیپاروں کی قیمت عہ علاوہ محصولڈاک ہے۔ اسکے بعد بطور رسالہ ماہوار دو جزو پر شائع ہوتی ہے اس کی سالانہ قیمت تین روپے مع محصول ڈاک ہے۔ ماہوار رسالہ کے پہلے تین نمبروں کے ساتھ سورۃ البقرہ ختم ہو گئی ہے۔ تمام درخواستیں اس پتہ پر آنی چاہییں۔

شیخ یعقوب علی تراب احمدی ایڈیٹر الحکم و مرتب تفسیر القرآن قادیان

نئی طبع ہونیوالی کتابیں

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر۔ یہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح کی مشہور و معروف کتاب اصول تفسیر میں ہے اس کا اردو ترجمہ مع مفید حواشی اور نوٹوں کے کیا گیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رض کی لائف۔ ایک مشہور مصنف کی عربی تاریخ کا ترجمہ۔

حقیقت نماز اور سلک مروارید حصہ دوم۔ ایڈیٹر الحکم کی تالیفات۔

دفتر الحکم میں ان کے لیے درخواستیں آنی چاہییں۔

ضرور ہے کہ اس میں ظلمت ۔ رعد ۔ برق ہو ۔ اگر وہ بالکل کھلا کھلا برق لامع ہو تو یاد رکھو کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے نہیں ہے ۔ اس آیت میں فیہ ظلمت و رعد و برق میں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی حالتیں ظلمت اور رعد ہی سے بھری ہوئی ہوتی ہیں ۔ برق آخر میں ہوتی ہے ۔ یعنے ان الفاظ کی ترتیب سلسلہ حقہ کی کامیابی کی دلیل ہے ۔ بارش کے وقت دیکھ لو ۔ پہلے بادل آتے ہیں پھر وہ گرجتے ہیں ۔ پھر انہیں بجلی بھی کوندتی ہے ۔ اسی طرح سے کسی سلسلہ حقہ کے ابتدا میں بہت سے ابتلا اور ظلمتیں ہوتی ہیں ۔ پھر اس میں رعد ہوتی ہے ۔ مخالفوں کے حملے ۔ جان کے خطرے ۔ مال کا اندیشہ ۔ مسایل حقہ پر عملدرآمد کرنے سے برادری کا ڈر سوسائٹی کے قوانین کا حذر ۔ خود اپنی آرام طلب جان پر ایک قسم کا بوجھ ۔ مگر ان ساری باتوں کے بعد آخر یہاں تک نوبت پہونچ جاتی ہے کہ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔ حق آجاتا ہے اور باطل اپنی نحوستوں کو لیکر بھاگ جاتا ہے ۔ غرض یہ ایک نشان ہے جو سلسلہ حقہ کی شناخت کے لئے بیان کیا گیا ہے ۔ پس ابتدائی تکالیف اور مصائب کسی طالب حق کو گھبراہٹ میں نہ ڈالیں ۔ اور کوئی ابتلا شکوک کا موجب نہ ہو ۔ کیونکہ برق لامع ان سب مرحلوں کے بعد ہے ۔ کسی قسم کی ظلمت خواہ وہ جہالت کی ظلمت ہو یا رسم پرستی کی سچائی کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی ۔

الغرض

خدا تعالےٰ نے ان دونوں ابتدائی رکوعوں میں منعم علیہ لوگوں کی بابت بتلایا کہ وہ تقوی اختیار کرتے ہیں ظاہر و باطن میں یکساں خدا تعالےٰ پر ایمان لاتے ہیں ۔ نماز کو ٹھیک درست رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو دیا ہے اسکو خدا تعالےٰ کی رضا کے لئے مخلوق الہی پر شفقت کے خیال سے خرچ کرتے ہیں اور پھر یہ سب کام صواب سے کرتے ہیں یعنے انبیاء علیہم السلام کے فرمودہ کے موافق بجا لاتے ہیں ۔ اپنے خیالات اور خود ساختہ طریقوں پر عمل نہیں کرتے ۔ مسئلہ جزا و سزا پر ایمان لاتے ہیں ۔ ایسے لوگ مظفر و منصور ہوتے ہیں اور ہدایت کا تمغہ انکو دیا جاتا ہے ۔ اللھم اجعلنا منھم آمین

پھر

مغضوب علیہم وہ لوگ ہوتے ہیں جو علوم حقہ کو عملی رنگ میں ظاہر نہیں کرتے اور یہ توفیق انکو اس لئے نہیں ملسکتی کہ وہ اولیاء اللہ اور خدا کے برگزیدوں سے بیجا عداوت کرتے اور ان کے انذار اور عدم انذار کو برابر سمجھتے ہیں ۔ اور خواص الاعضاء کو بیکار چھوڑ کر غضب الہی کے نیچے آتے ہیں ۔ اللھم لاتجعلنا منھم ۔ آمین ۔

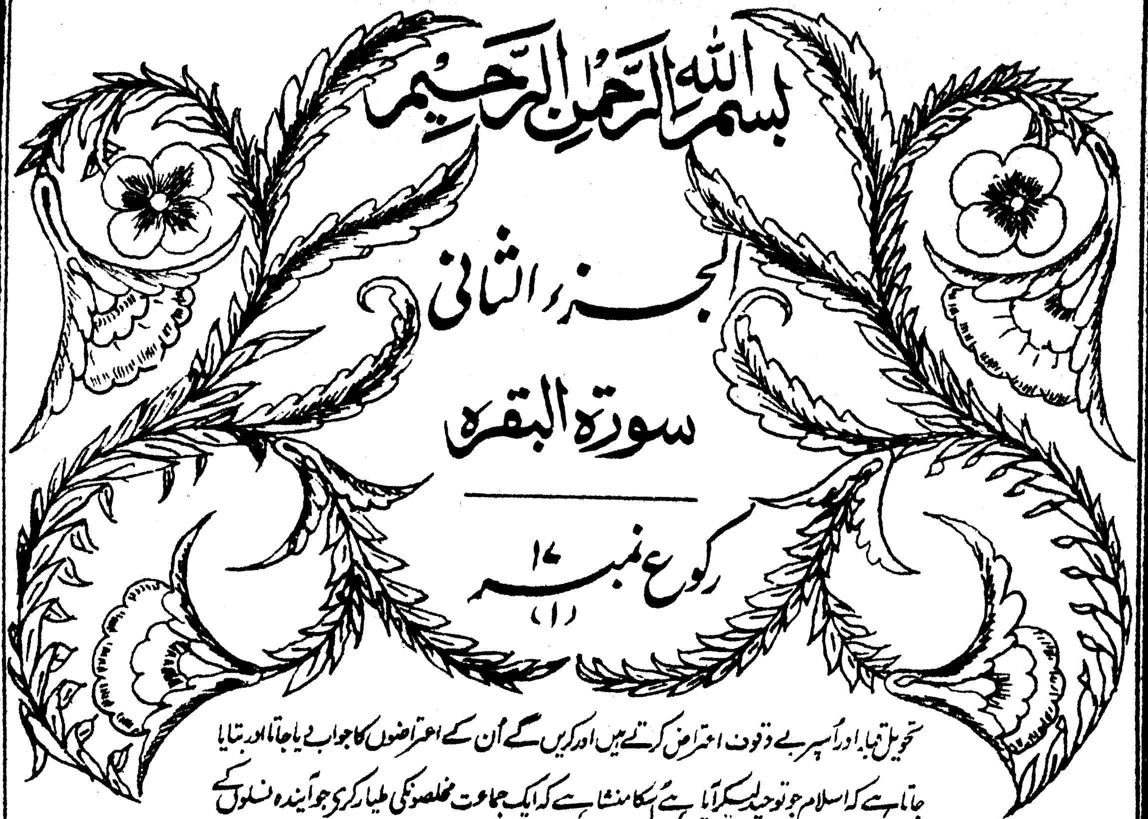
پھر

بتلایا کہ الضال وہ ہیں جو علوم حقہ سے محروم رہنے والے ہیں اور دین کو دنیا پر مقدم نہیں کرتے ۔ خدا کی دی ہوئی اشیاء سے نفع نہیں اٹھاتے ۔ علوم حقہ سے اس لئے محروم رہتے ہیں کہ کبھی اعتقاد کے ذریعہ نفاق ظاہر کرتے ہیں اور کبھی عمل کے ذریعہ سے بلکہ ہر معاملہ میں پولیسی سے کام لیتے ہیں ۔ اللھم لاتجعلنا منھم ۔ اللھم طہر قلوبنا من النفاق ۔ آمین

الحاصل

سورہ فاتحہ کی ایک تفسیر ختم ہوئی ۔

فٹ نوٹ ۔ یاد رہے کہ سورۃ الفاتحہ میں مغضوب علیہم اور الضالین کی راہ سے بچنے کی جو دعا تعلیم فرمائی گئی اس میں راز یہ ہے کہ جیسے یہود نے حضرت مسیح ابن مریم کی توہین اور تکفیر کی تھی اسی طرح سے مسیح موعود علیہ السلام کی تکفیر اور تکذیب کی جائے گی اور اس زمانہ کے علما یہود سیرت ہو جائیں گے جو احادیث سے ثابت ہے ۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے یہ دعا تعلیم فرمائی تا کہ اس گروہ میں شامل نہ ہو دیں ۔ اور چونکہ اسوقت الضال گروہ کا غلبہ ہوگا اسلئے انکی راہ سے بچنے کی بھی دعا تعلیم فرمائی ۔ اس مضمون کو کسی دوسرے موقع پر ہم وضاحت سے لکھیں گے ۔ منہ



تحویل قبلہ اور اُسپر بے وقوف اعتراض کرتے ہیں اور کریں گے اُن کے اعتراضوں کا جواب دیاجاتا اور بتایا جاتاہے کہ اسلام جو توحید لیکر آیا ہے اسکا منشا ہے کہ ایک جماعت مخلصونکی طیار کریں جو آیندہ نسلوں کے لئے نمونہ بنیں اسلام اب مشرق و مغرب میں پہیلے گا تحویل قبلہ منجملہ اُن امتیازی نشانوں کے ہے جو کچوں اور پکوں میں فرق کردیتی ہیں پس قبلہ کی طرف مونہہ کرنا قبلہ پرستی نہیں اور اگر کہو کہ ایک جہت کیوں اختیار کی؟ انسان عبادت کرتے وقت کسی نہ کسی طرف تو مونہہ کرے ہی گا۔ یاد رکہو تم اب معلم الخیر بنتے ہو اور ایک نیا پر تم حکمران ہو گے۔ تحویل قبلہ کیا ہے؟ اتباع رسول کی شناخت کا ایک نشان ہے۔ اللہ تعالےٰ کسی کے عمل کو ضایع نہیں کرتا کیونکہ وہ رؤف اور رحیم ہے بیت المقدس کیطرف سے ہٹ کر بیت اللہ کیطرف جو بیت الحرام (معزز گہر) ہے مونہہ کرنیکا حکم دیاجاتا ہے۔

اہل کتاب پر حجت پوری کیجاتی ہے کہ انکو اسکا علم پہلے سے ہے۔ اللہ تعالےٰ انکی کرتوتوں کا بدلہ انکو دیگا وہ غافل نہیں ہے۔ اہل کتاب تیرے قبلہ کی اور نہ تو اُن کے قبلہ کی پیروی کرنے سے رہا تیری پیروی کیا وہ تو اپنے ہاں ہی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے۔

یاد رکہو علم کے بعد عمل نہ کرنا ظالم بنادیتا ہے اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسی طرح شناخت کرتے ہیں جسطرح اپنی اولاد کو اہل کتاب میں سے ایک گروہ عمداً کتمان حق کرتا ہے اُن کے کتمان حق سے کیا ہوتا ہے یہ تحویل قبلہ حق ہے اور حقیت پر مبنی ہے اور اس کے نتایج ثابت ہو کر رہیں گے۔

عام مطالب | اِس رکوع میں مولےٰ کریم نے مندرجہ ذیل امور کو بیان فرمایا ہے۔

اوّل۔ تحویل قبلہ پر اوچہے اور بیوقوف لوگوں کے اعتراض کرنے کی پیشگوئی (سیقول السفہاء)

دوم۔ تحویل قبلہ پر اعتراض کرنیوالوں کو پہلا جواب اور اسلام کے مشرق و مغرب میں پہیلجانے کی پیشگوئی (للہ المشرق والمغرب)

سوم۔ مسلمانوں کے فاتح اور حکمران ہونے کی پیشگوئی (لتکونوا شہداء علی الناس)

چہارم۔ تحویل قبلہ ضعیف الایمان اور کامل متبعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیشہ کے لئے ایک امتیازی نشان قایم کرنے کا

(۲) اب ہم اس رکوع کا ترجمہ اور ضروری نوٹس لکھتے ہیں۔ یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ اں اے لوگو! فرمانبردار بنجاؤ! (کس کے؟) اپنے رب کے (وہ کون ہے؟) (وہی جس نے تم کو پیدا کیا (اور نہ صرف تم کو) اور اُن لوگوں کو بھی جو تم سے پیشتر ہوگذرے ہیں (اس فرمانبرداری کا نتیجہ کیا ہوگا؟) تاکہ تم سکھ پاؤ۔

اس آیت میں ایاك نعبد کی تفسیر شروع فرمائی ہے اور جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ ایاک نعبد کہنے کے لئے ایک جوش پیدا ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے خدا تعالےٰ کے حُسن و احسان کا ذکر بھی ساتھ ہی فرمایا ہے تاکہ اعبدوا کے حکم کے ساتھ ہی خدا تعالےٰ کے احسانوں کی تصویر نظر آجائے۔ پس پہلے اس آیت میں ربوبیت کے فیضان کو بیان فرمایا ہے الناس۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ یا تو نسیان سے مشتق ہے۔ یا اُنس سے۔ مگر زیادہ لطافت کے ساتھ انسان کی حقیقت اسی طرح سمجھ میں آتی ہے۔ جب اسکو اُنس سے مشتق قرار دیں۔ اصل میں اُنسان تھا۔ مگر کثرت استعمال کی وجہ سے اِنسان ہوگیا۔ انسان دو محبتوں کا مجموعہ ہے۔ ایک انس اللہ تعالےٰ کی پاک جناب سے ہو۔ اور دوسرا اُنس الہی مخلوق سے کہ انکی ہمدردی کرے پایا جاوے۔ چنانچہ انسان کے لئے بشر کا لفظ بھی قرآن کریم میں بولا گیا ہے۔ اور بشر کے معنے میں حضرت اقدس حجۃ اللہ علے الارض مسیح موعود مہدی مسعود اوام اللہ فیوضہم نے فرمایا ہے کہ بشر وہ ہے جو اللہ تعالےٰ سے اور اُسکی مخلوق سے تعلق رکھے۔ چنانچہ فرمایا ع آں را بشر بدانم کز ہر شرے رہیدہ

دوسری حقیقت جو انسان کے اندر اُنسان یعنے دو محبتوں کی رکھی گئی ہے۔ وہ اُن دو داعیوں کا تعلق ہے جنمیں سے ایک داعی خیر کہلاتا ہے۔ اور دوسرا داعی شر۔ انسان کے اندر جو خیالات کا سلسلہ جاری رہتا ہے وہ ان ہی دو سلسلوں میں ابتداءً محدود رہتا ہے۔ گویا نیکی اور بدی کے لئے ملایکہ اور شیاطین۔ اور پھر ان کی تحریک سے قوئے میں ایک جنگ رہتی ہے پس سعید الفطرۃ انسان بدی کی طاقتوں پر غالب آجاتا ہے۔ اور شقی اور بدبخت انسان داعی شر کے ہتھکنڈوں میں پھنس جاتا ہے۔ اور اگر یہ دونوں سلسلے انسان کے اندر نہ ہوتے تو وہ کبھی بھی کسی نیکی کی جزا پانے کے قابل نہ ہو سکتا۔ کیونکہ اگر اس کو ایک ہی قسم کے اسباب دیئے جاتے مثلاً جو نیکی کی ہی طرف کھینچتے۔ یا اُسکی فطرت ہی ایسی واقع ہوتی کہ وہ نیکی کے کاموں کے سوا کچھ نہ کر سکتا۔ تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اسکے بعد نیک کاموں کے صدور پر اُس کو اجر کامل ملے۔ جیسے ایک نامرد محض اپنی عفت پر فخر نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایسا انسان کامل انسان نہیں بن سکتا یہی وجہ ہے کہ انسان کامل ملائکہ کا مسجود بنجاتا ہے کیونکہ ملائکہ میں ایسے متضاد قوئے کی جنگ نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ تو یفعلون ما یؤمرون ہیں۔

پس انسان اس لئے بھی دو محبتوں کا مالک کہلاتا ہے اور خلق شیطان کی فلاسفی بھی مختصر طور پر انسان اسی سے سمجھ سکتا ہے۔ غرض ان دو محبتوں کے مالک انسان کو مخاطب کرکے مولا کریم نے فرمایا

یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ سنو! اے اللہ تعالےٰ اور پھر باہمی محبت و مودت کے لئے بنائے ہوئے لوگو! یا اے داعی خیر اور داعی شر دیئے ہوئے لوگو! اپنے اُس مربّی کے عبد (فرمانبردار) بنجاؤ! جسنے تم کو اور نہ صرف تم کو بلکہ تمہارے اباو اجداد اور اُن سب کو جو تم سے پہلے ہوگذرے ہیں افضل ترین نعمت خلق سے بہرہ ور کیا۔ یہ عبادت تمہارے لئے دُکھوں سے رُستگاری کا موجب ہو جاویگی۔ اور تم سکھ پاؤ گے

اعبدوا یعنے عبد بنجاؤ۔ عبادت کرو۔ فرمانبردار ہو جاؤ! یہ لفظ ایاك نعبد کے بالمقابل واقع ہوا ہے۔ اور اسکی تفسیر سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیتوں یقیمون الصلوۃ کے رنگ میں گذری ہے۔

عبادۃ سے مراد توحید ہے۔ جسکے تین جزو ہیں (۱) توحید الذات (ب) توحید الاسماء (ج) توحید الافعال اور عبادۃ اسم جامع ہے جس میں وہ تمام معتقدات۔ اقوال۔ اور اعمال مذکور ہیں جو اللہ کریم کو عزیز ہیں۔ تجرید متابعت رسول صلعم بھی توحید الافعال و توحید الاعمال کے ضمن میں آتی ہے۔ چنانچہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ قرآن کریم میں وارد ہے کیا معنے جس نے

عرض حال

زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند ای بے خبر بخدمت قرآں کمر بہ بند

الحمد للہ رب العالمین + الرحمٰن الرحیم + مالک یوم الدین + والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و مسیحہ احمد و آلہما و اصحابہما اجمعین +

تفسیر القرآن کا پہلا پارہ شائع کرتے وقت درحقیقت مینے بڑی جرأت سے کام لیا تھا۔ لیکن میں ہی خوب جانتا ہوں کہ اُسوقت میری کیا حالت تھی ایک طرف تو مجھے یہ خیال تھا کہ یہ پہلی تفسیر ہے جو سلسلہ عالیہ احمدیہ کیطرف سے بصورت تفسیر شائع ہوئی ہے اور پبلک (قطع نظر اس کہ اسکے لکھنے والا سلسلہ عالیہ احمدیہ کا ایک ادنیٰ خدمتگذار ہے) معلوم نہیں اسپر کس قدر نکتہ چینیاں کرے گی۔ اور وہ نکتہ چینیاں مجھے اپنی قوم میں خدا جانے کن کن ملامتوں کا نشانہ بنائیں گی۔ دوسریطرف میری خوشی اور ناز کا انتہا نہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ایسے مہتم بالشان اور سعادۃ بخش کام کی توفیق دی ہے جو فی الحقیقت اپنی نوعیت میں وہ روح رکھتا ہے جو انبیا علیہم السلام کی زندگی کا مقصد سمجھی جاتی ہے +

لیکن میں سچ کہتا ہوں اور وَاللّٰهُ عَلٰى مَا اَقُوْلُ شَهِيْدٌ میں اپنے دل میں دوسری حالت کا تصور کر کے ان تمام نکتہ چینیوں اور ملامتوں کو ہیچ سمجھتا تھا + میری خوشی بہت ہی بڑھجاتی تھی جب میں یہ تصور کرتا تھا کہ مجھے خدا تعالیٰ کے برگزیدہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں رہ کر ایک ایسے شخص کے درس فیض سے مستفیض ہونے کا موقع ملا ہے جو قرآن کریم کے حقائق و معارف پر غائر نظر رکھنے اور اسکے نکات کے بیان میں عالمگیر شہرت رکھتا ہے اور باوصفیکہ اس کا سلسلہ درس قرآن عرصہ دراز سے جاری ہے لیکن کسیکو یہ توفیق نہیں ملی کہ ان معارف و حقائق کو مجموعی صورت میں مرتب کر کے نوع انسان کے فائدہ اور قرآن کریم کی عظمت و شان کے اظہار کیلیے شائع کرے۔ اور میں وہ پہلا شخص ہوں جسے خدا نے توفیق دی ہے۔ تو میں اس ایک فخر کے مقابلہ میں ساری ملامتوں کو پرکاہ سے بھی کمتر خیال کرتا تھا +

مگر میری پہلی حالت تھوڑے ہی دن کے بعد جاتی رہی جبکہ مینے دیکھا کہ پبلک نے قطع نظر اسکے کہ وہ احمدی تھی یا غیر احمدی اس تفسیر القرآن کو نہایت ہی عزت اور شکرگذاری کے ساتھ دیکھا۔ میں اگر ان خطوط کا خلاصہ جو تفسیر القرآن کے پہلے پارہ کے بعد مجھے ملے درج کروں تو یقیناً انمیں میری نسبت اسقدر اعتقاد اور حسن ظن کا اظہار کیا گیا ہے جو بلا مبالغہ میری اپنی قابلیت سے بہت بڑھکر ہے + کچھ تو اس قدردانی اور درحقیقت میرے اس عزم نے جو مینے قرآن کریم کی کل تفسیر کو مرتب کرنیکے لیے خدا تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کر کے کیا ہوا ہے زیادہ تقویت دی اور مینے دوسرا پارہ شروع کیا لیکن خدا تعالیٰ کی مرضی کچھ ایسی ہی تھی کہ میں اسکو جلد شائع کرنیکے قابل نہو سکا۔ ادھر قدردانان تفسیر کا اشتیاق اضطراب کی حد تک پہنچ گیا اور انھوں نے مجھے جس قدر اوراق چھپ چکے تھے ان کی اشاعت پر مجبور کیا اور آئندہ کیلیے ماہوار اشاعت پر مصر ہوے۔ ناظرین کو ایسے مشتاق اور قدردان پاکر انکے حکم کی تعمیل ضروری سمجھی لیکن پھر بھی کچھ امور ایسے پیش آگئے کہ دو نمبروں کے بعد ماہواری اشاعت اور اسیطرح پارہ دوم کے اجزا کی اشاعت معرض التوا میں رہگئی + یہ ذکر اب فضول ہے کہ اس عرصہ میں ناظرین تفسیر کو کسقدر صدمہ پہونچا اور انھوں نے کس طرح مجھے غیرت دلائی مگر حق یہی ہے کہ ساری توفیقیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہیں۔ اب مجھے توفیق ملی اور دوسرا پارہ بھی مکمل ہو کر شائع ہوگیا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ +

اس سیپارہ کی ترتیب میں بھی وہی طریق ملحوظ رکھا گیا ہے جو سیپارہ اول میں رکھا گیا تھا۔ اس مرتبہ البتہ یہ زیادتی ہوئی ہے کہ بہت بڑا حصہ حضرت مولینا مولوی عبد الکریم صاحب کی بھی اصلاح اور نظر ثانی کے نیچے رہا یعنی حضرت حکیم الامتہ کے بعد آپ بھی ملاحظہ فرماتے رہے + جس سے میں اس خدمت کی اور بھی عظمت اور قدر کرتا ہوں بالآخر میں مولانا موصوف و حضرت حکیم الامتہ کیلیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے اور آپکی عمر میں برکت بخشے جنھوں نے اس پاک خدمت میں مجھے پوری مدد دی ہے۔ ختم کرنے سے پہلے میں پھر دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ کریم میری اس خدمت کو قبول فرماوے اور مجھے اور اس تفسیر کے پڑھنے والوں کو قرآن کریم کا فہم اور پھر عمل کرنیکی توفیق عطا فرماوے اور اسکے حقائق و معارف کی اشاعت کا سچا جوش بخشے۔ نیز اُس عرش عظیم سے دعا ہے کہ وہ میری اولاد کو بھی قرآن کریم کے پڑھنے سمجھنے عمل کرنے اور پھر اسکی اشاعت

دار الامان قادیان ۲۳ اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء

خاکسار یعقوب علی تراب احمدی ایڈیٹر اخبار الحکم و مرتب و مؤلف تفسیر القرآن

انشراح صدر کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایمان لاتا ہے۔

{ہمارے محسن و مخدوم حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب سلمہ ربہ نے بارہا فرمایا ہے کہ نیکی سیکھنے کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے ماننے کا عادی ہو"۔ ہم اس کو وسیع کرکے یوں کہہ سکتے ہیں کہ مومن کامل بننے کے لئے ابتداءً چھوٹی باتوں پر ہی ایمان لانا ضروری ہوتا ہے۔ چونکہ ہر فعل پر ایک نتیجہ مترتب ہوتا ہے اس لئے پھر اس کو بڑے بڑے نیکی کے کام کرنے کی توفیق ملتی ہے اور اسی طرح پر جب کوئی کبیرہ گناہ کرتا ہے تو اسکی ابتدا چھوٹے گناہوں سے ہوتی ہے مثلاً بدنظری کرنے والا انسان ایک دن زنا کی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو جائے گا۔} غرض اس حصہ میں کفر اور ایمان میں ایک لطیف امتیاز بتلایا ہے۔

خامساً و آخراً۔ منکرین پر اثبات باری تعالےٰ اور پھر کسی بے معنی یا معطل ہستی نہیں بلکہ خالق ما فی السموات و ما فی الارض و بکل شیئٍ علیم خدا کی ہستی کے ثبوت پر بحث فرمائی۔ اسی کے ضمن میں قیامت کا ثبوت دیا اور ضعف اسلام اور پھر اس کے زندہ ہونے کی پیشگوئی کی ہے۔ اور مسیح علیہ السلام کے معجزات کی حقیقت بتلائی ہے۔

ہمارے خیال میں اس رکوع کی تلخیص میں یہی پانچ امر ہیں جن کو استعارہ کے طور پر اس رکوع کے پانچ عنصر کہہ سکتے ہیں اور سورۃ الفاتحہ میں بھی امور خمسہ ہی کا ذکر ہے۔ اب ہم دکھلاتے ہیں کہ اس رکوع میں سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کو کیونکر بیان کیا گیا ہے کیونکہ جیسا کہ ہم نے پہلے بتلا دیا ہے سورۃ البقر کا ہر ایک رکوع جداگانہ طرز پر سورۃ الفاتحہ کی جزئاً یا کلاً تفسیر ہے۔ بہرحال ذیل میں اُس طرز تفسیر سورۃ الفاتحہ کو دکھایا جاتا ہے جو اس رکوع میں اللہ تعالےٰ نے رکھا ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں ایاک نعبد کی تعلیم سے پہلے واجب الاحترام اور قابل العبادت ہستی کی عظمت کو قائم کرنے کے واسطے اللہ تعالےٰ کی چار صفات عظیمہ کا جو امّ الصفات کہلاتی ہیں ذکر فرمایا ہے تاکہ عبادت جوش تام اور صدق کامل کا نتیجہ ہو جو حسن اور احسان سے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ ایک مسلم بات ہے کہ واجب العبادت وہی ہستی ہو سکتی ہے جو ہر حالت۔ ہر وقت انسان کی کفیل۔ وکیل۔ مربّی ہو۔ اس لئے اس رکوع میں بھی یاایھا الناس اعبدوا ربکم کی تعلیم کو ملحوظ رکھکر ساتھ ہی احسان الٰہی یعنے خلق کا جو افضل ترین نعمت ہے ذکر کیا بلکہ ربکم کہکر مدامی تربیت کی ضرورت کی سیری کے سرچشمہ کو بیان فرمایا۔ اور پھر اگلی آیات میں صفت الرحمٰن کے منشاء کا اظہار فرمایا۔ اور جہاں الرحمٰن کی صفت کا فیضان عام جسمانی ضرورتوں کا کفیل ہے وہاں روحانی ضرورتوں کی پیاس کا چشمہ یعنے الہام الٰہی کا مژدہ سنایا اور پھر اسپر دلیل فرمائی۔ اور پھر بشر الذین آمنوا کہکر الرحیم اور ساتھ ہی مالک یوم الدین کی تفسیر بیان فرمائی۔

آؤ اب ایک اور طریق پر سورۃ الفاتحہ کے ایک حصہ کو اس رکوع میں مشاہدہ کریں۔

تلخیص رکوع ہذا کے امر اول میں عبادت الٰہی کا نتیجہ فرمایا ہے لعلکم تتقون ہر ایک دکھ سے نجات یا ہر ایک سکھ سے متمتع ہونا۔ چونکہ عبادت الٰہی ذریعہ ہے تتقون یعنے حصول سکھ کا۔ پس اس رکوع کے شروع میں جہاں ایک طرف اللہ۔ الرب۔ الرحمٰن۔ الرحیم کی فلاسفی بتلائی وہاں انعمت علیھم کی راہ بتلائی یا یہ کہو کہ اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر کردی اور بتلا دیا کہ اھدنا الصراط المستقیم میں صراط سے کیا مراد ہے جس کی توضیح لفظ اعبدوا میں موجود ہے۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس امر اول میں انعمت علیھم کا ذریعہ بتلایا ہے اور فلا تجعلوا للہ انداداً میں زمرہ مضلین کی توضیح اجمالاً اور امر رابع میں تفصیلاً بیان فرمائی ہے۔ اور آخر میں عاجز انسان کو خدا بنانے والوں پر حجت پوری کرتے ہوئے الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً کہکر اُنکی اور بھی صراحت کردی ہے۔

اور نشانات الٰہیہ کو جھٹلانے والے اور باوجود حجت کے پورا ہوجانے اور عاجز آجانے والوں کو جہاں عذاب النار سے ڈرایا وہاں مغضوب فرقہ کی صراحت فرمائی۔

مجدد دین ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا ہو اور اس کے ضمن میں یہ اشارہ کرنا کہ یہودیت کی بدعتیں اور عیسوی مذہب کا دجل اور مغرب جسے نصرانی مذہب کے عقاید مانا گیا ہے قطعاً بدعتی طریقہ ہے۔ آدم سے لیکر ابراہیم تک مدکے طریق و مشرب میں اسکی کوئی سند اور تائید نہیں اور اسلام ہی عالمگیر اور قدیمی مذہب ہے جو حضرت ابو الانبیا آدم سے شروع ہوا اور ابراہیم علیہ السلام نے اسکی تجدید کی اور پھر یہودیت اور نصرانیت کے تباہی آمیز عقاید کے شیوع کے بعد اُسی سادہ اور پاک مذہب کو حامل قرآن علیہ صلوٰۃ الرحمن نے زندہ کیا۔ اور زندہ ثبوتوں اور حجتوں کی تکمیل کے بعد خدا کا اُن سب کو سفیہ یا نادانی سے اپنی ہی جان کا دشمن قرار دینا جو طریق محمدی سے یا بلفظ دیگر ابراہیم کی ملت سے یا بلفظ دیگر اسلام سے روگردان کرتے ہیں اور سیقول السفہاء میں سفیہ قرار دینا اُن لوگوں کو جو اس ابراہیمی قبلہ کے تعیین پر اعتراض کرین گے اور اس مین اشارہ کرنا کہ نصرانی دین الہی کے حقایق و معارف کی ادراک سے بے نصیب اور دنیا کے مادی اشیا کے عالم اور فلاسفر ہوں گے اس لئے کہ سب سے زیادہ بیت اللہ الحرام پر اعتراض کرنے والی قوم یہی ہے۔

پس اگر پہلے چار رکوعوں پر پورا فکر کر لیا جاوے اور اُن کے باہمی تعلق پر نظر کر لی جاوے تو بے اختیار انسان کو اقرار کرنا پڑیگا کہ قرآن کریم کی ترتیب اور نظام کیسا ابلغ اور اکمل ہے اور ہمارا تو ایمان یہی ہے کہ یہ ترتیب بلاریب اللہ تعالے کیطرف سے ہے ورنہ اس قسم کا مستحکم تعلق جو زنجیر کی کڑیوں کیطرح پایا جاتا ہے انسانی دانش اور فکر تجویز ہی نہیں کرسکتی بہر حال یہ کلید ہے اس رکوع کے فہم کے لیۓ۔

اب ہم اس رکوع کو اللہ تعالے کے فضل و کرم پر بھروسہ کر کے شروع کرتے ہیں

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

ترجمہ۔ اب وقت قریب ہے کہ بیوقوف کہینگے کس دلیل اور وجہ نے اُن مسلمانوں کو اس قبلے سے پھیر دیا ہے جسپر پہلے تھے تم کہو مشرق اور مغرب سب اللہ کا ہے جسے چاہے صراط مستقیم کا پتا بتادے۔

صحف سابقہ میں بشارات

ہم پہلے اس رکوع کا تعلق پہلے سیپارہ کے آخری چند رکوعوں کے ساتھہ دکھلا چکے ہیں۔ اب ہم اس سے پیشتر کہ اس آیت کی تفسیر کریں اس امر کا بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ صحف سابقہ میں بھی بیت اللہ کے ابدالآباد کے لئے قبلہ ہونے کی بشارات موجود ہیں۔ چنانچہ یسعیاہ نبی کے ۶۰ باب اور ۴۲ باب اور ۵۴ باب میں جو پیشگوئیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق ہیں اُنمین بعض فقرات جو بیت اللہ کے متعلق ہیں اُنکو ہم یہان نقل کرتے ہیں۔

جعلنا البیت مثابۃ للناس کے بالمقابل یسعیاہ کے ۶۰ باب میں یوں لکھا ہے۔

اسکا جلال تجھہ پر نمود ہوگا اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے اپنی آنکھیں چاروں طرف اٹھا کر نگاہ کر وے سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں وے تجھہ پاس آتے ہیں تیرے بیٹے دور سے آئین گے سمندر کی فراوانی تیری طرف پھریگی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی اونٹیاں کثرت سے آکر تجھے چھپا لینگی۔ قیدار[1] کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہونگی نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے وہ میری منظوری کیلئے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنی شوکت کے گھر کو (بیت الحرام) بزرگی دونگا۔

اجنبیوں کے بیٹے تیری دیواریں اٹھائیں گے اور ان کے بادشاہ تیری خدمت گذاری کرین گے (خادم الحرمین الشریفین سلطان روم اور تمام معزز رؤسا اور ملوک پر غور کرو۔

آگے کو کبھی تیری سرزمین مین ظلم کی آواز نہ سنی جائیگی (طہر ابیتی للطائفین والعاکفین الآیۃ)

[1] قیدار حضرت اسماعیل کی نسل سے عرب کا عظیم الشان جد ہے یہ لفظ پوری وضاحت سے بتاتا ہے کہ اس وحی میں مخاطب بیت الحرام ہے (منہ)

خلق کے معنے میں یہ امر مرکوز ہے کہ علمی وجود سے خارجی وجود کا لباس پہنایا جاوے - اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علمی وجود کا کمال خارجی وجود ہے - اب اس صورت میں یعنے اس کمال کے لئے بھی مرتب ہی کی ضرورت لاحق رہی - غرض یہ ہے حقیقت رب کی ۔۔
اب صاف سمجھ میں آسکتا ہے کہ عبادت کا حکم کیوں دیا ہے؟ پھر عبادت کا طریق بتلایا - اب نتیجہ عبادت بتلایا -

لعلکم تتقون

اس عبادت اور فرمانبرداری کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم سکھ پاؤگے - اور دکھوں سے مخلصی حاصل کروگے - ذرا سوچو اور بلند نظری سے کام لو قرآن کریم کی علت غائی کیا ہے - ھدی للمتقین پھر متقی کون ہیں الذین یومنون بالغیب الی الآخر - اب ایمان یا اتقا کا سچا ذریعہ کیا ہے؟ اعبدوا ربکم اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ابدی سکھ - اور فائز المرام ہونا - کیونکہ متقی ہی فائز المرام ہوتے ہیں -
اس عبادت کا حکم دیکر صفات الٰہی کا تذکرہ فرمایا ہے - اب اسکو اور وسعت کے ساتھ بیان فرمایا -

الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناءً وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرت رزقا لکم فلا تجعلوا للہ اندادًا وانتم تعلمون ۔ وہ تمہارا مربی اور خالق وہی ہے جسنے تمہارے لئے چکر کہانے والی زمین کو آرامگاہ بنایا - اور آسمان کو قیام زمین کا موجب بنادیا - اور وہ چھت ہے - اور پھر اسنے بادلوں سے پانی برسایا (جسنے تمہارے خوردنی نوشیدنی بلکہ پوشیدنی ضرورتوں تک کو پورا کیا) اور اس بارش کے ذریعے گوناگوں پھل نکالے جو تمہارے رزق ہیں - پس ایسے مربی و محسن کے ساتھ جو جامع جمیع صفات کاملہ اور ہر نقص سے منزہ ہے کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ - اور اس بات کو تم خوب جانتے ہو کہ مستحق عبادت ایسا ہی محسن و مربی ہوتا ہے - یا یہ کہ شرک اچھی چیز نہیں -
ہمنے اس سے پہلی آیت کی توضیح کرتے وقت اور سورۃ الفاتحہ سے تعلق ظاہر کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالےٰ کی صفات اربعہ یا ام الصفات کو دکھایا گیا ہے - اب اس آیت میں صفت الرب کی توضیح اور صفت الرحمن کا اقتضا بتلایا ہے - یعنے یہی نہیں کہ تم کو پیدا کردیا - بلکہ پیدا کرنے کے بعد ربوبیت کے تقاضا کے موافق تربیت کی امور ضروریہ کو ترتیب دی ہے - دیکھو اور غور کرو کہ کیا لطیف ترتیب ہے ۔
پیدا ہونے کے بعد سلسلہ تربیت کیونکر چلتا ہے؟ ذرا بلند نظری سے کام لو - ایک بچہ کو پیدا ہوتے ہی جس چیز کی ضرورت پڑتی ہے وہ زمین ہے - اور اگر بالفاظ دیگر یوں کہدیں کہ اسے گہوارہ کی ضرورت ہے تو بیجا نہیں - اللہ اللہ! کلام قرآنی میں کیا نظام رکھا ہے -؟ ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو ان تمام مراتب پر حاوی ہیں جو مطلوب ہیں - الارض کا لفظ فرمایا جس کے معنے ہیں زور سے چکر کہانیوالی چونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو چیز اپنی حالت پر ٹھہری رہے تو وہ کھوکھلی ہو جاتی ہے - اور قرارگاہ نہیں رہ سکتی - اسلئے ارض کو متحرک بنایا ہے - کوئی سائینس دان اس فلسفی کو بتلا نہیں سکتا کہ الارض متحرک کیوں ہے؟ یہ مسئلہ قرآن کریم نے حل فرمایا کہ چونکہ وہ فراش بنائی گئی ہے اسلئے اس کا متحرک ہونا ضروری ہے تاکہ سارے اجزاء باہم پیوست ہوکر رہیں -
بہرحال دوسرے مقام پر الم نجعل الارض مھادا بھی فرمایا ہے تاکہ اس امر کی اور بھی صراحت ہو جاوے ۔
مغربی فلسفہ اور سائینس کے پوجاری اس مقام پر غور کریں کہ قرآن کریم اپنے الفاظ کے اندر ایک سائینس اور حقیقت رکھتا ہے - جیساکہ الارض کے لفظ میں حرکت الارض اور صورت حرکت الارض کا ثبوت اور نمونہ دکھلایا ہے اور جعل لکم الارض فراشا کہکر اس حرکت کی ضرورت بھی بتلادی ہے -

غرض

ہم دور نکل گئے - بات یہ تھی کہ بتلایا جاوے سلسلہ تربیت کیونکر چلتا ہے؟ اولاً ضرورت تھی قدم رکھنے اور قیام کی - اسکیلئے زمین کا وجود بنایا - پھر فراشا کہکر یہ بھی بتلادیا کہ چونکہ آرام گاہ کی ضرورت تھی - اسلئے یہی حرکت کرنے والی زمین آرامگاہ اور عمدہ بستر ہے ۞

موجب ہوا (وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ)

پنجم۔ اللہ تعالے کسی کے نیک کام کو ضایع نہیں کرتا کیونکہ اسکی رحیمیت اسکی مقتضی ہے یہ اس لئے بتایا کہ مومنوں کی امید وسیع ہو (وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ)

ششم۔ فتح مکہ کی پیشگوئی (فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ)

ہفتم۔ اہل کتاب پر اس نشان سے اتمام حجت اور اُن کے ضدی اور منکر رہنے کی پیشگوئی (إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ)

ہشتم۔ بعد العلم ہوائے نفس کی اتباع ظالم بنا دیتی ہے (وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ)

نہم۔ اہل کتاب میں سے ایک گروہ کا کتمان حق کرنا اور اسکا انجام (وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ)

دہم۔ تحویل قبلہ کی حقیقت اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قبلہ خدا کی ربوبیت کے فیض سے اب ہمیشہ کے لئے بآدر اور مرجع خلایق ہونگے (الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ)

تلك عشرة كاملة

یہ دس عظیم الشان مطالب اس رکوع میں منجملہ ورلاانتہا مطالب اور معارف کے بیان ہوئے ہیں اس رکوع میں عظیم الشان پیشگوئیاں موجود ہیں۔ مگر

اہل نظر کے لئے

۱۵۰

اس رکوع کے حل مضامین کی کلید اس رکوع کو شروع کرنے سے پیشتر اس امر کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس رکوع کے مطالب اور مضامین کو پورے طور پر سمجھنے کے واسطے سورۃ البقرہ کے رکوع ۱۳ سے آخر رکوع ۱۹ تک خوب غور کریں رکوع ۱۳ میں جیساکہ ہم نے بیان کیا ہے نبوت بنی اسرائیل کے خاندان سے منتقل ہوکر بنی اسماعیل کے خاندان میں قایم ہوتی ہے جیساکہ آیت مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا اسکی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پھر مخالفان اسلام کو زجر و توبیخ اور یہودیوں اور عیسائیوں کے خیالی منصوبوں اور فرضی ڈھکوسلوں کا ذکر کرکے آخر نجات کی حقیقی راہ **اسلام** کو قرار دینا پھر جہات کے مسئلہ کو لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ کہکر صاف کر دینا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے والوں کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی سوال کے نہونیکی بابت وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ کہہ کر تسلی دینا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہکر کہ یہود و نصاریٰ تم سے کبھی خوش نہ ہوں گے اپنی دعوت پر مستقیم رہنے کا اشارہ کرنا اور اہل کتاب پر جو ابراہیم کے نسل کہلانے پر ناز کرتے ہیں اسلام کی حجت اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت ثابت کرنے کے لئے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی دعا کا ذکر کرنا اور ضمناً سیدنا اسماعیل کے بابرکت فرزند ہونے اور اُن کی نسل سے یا ابراہیم کی نسل سے عظیم الشان موعود فاران کے نور مصدق ساعیر دطور محمد احمد صلے اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا اور یہ دکھانا کہ جیسے اس کعبہ کے معمار ابراہیم و اسماعیل تھے اور یہی توحید کا گھر تھا جسے آدم نے بنایا اور اُن کے سچے فرزندان ابراہیم و اسماعیل نے پھر از سر نو اُسے کھڑا کیا اسی طرح ایک زمانہ دراز کے بعد جبکہ جھوٹے قبلے اور مصنوعی بیت ایل پیدا ہو جائیں گے اور یہودیت اور نصرانیت مسوخ ملت اور مصنوعی خدا کو پیش کریں گے اسی بیت ایل کی حفاظت اور تصدیق فرماکر ابراہیم کی نسل سے آخری نبی پیدا ہوگا اور یہ خبر دینا کہ یہی گھر سدا خدا کی تقدیس و تمجید کا گھر اور ابراہیمی ملت کا منبع اور مذہب حق کی یادگار رہے گا اور بطلان اور شرارت اور دجل و کفر کے حملوں سے مامون و محفوظ رہے گا۔ اور یہ بتانا کہ ابراہیم کا طرز اور طریق عبادت یہی ہے جو مراسم حج کی شکل میں اس بیت اللہ میں بجالایا جاتا ہے لہٰذا اُن سب پر جو ابراہیم کے فرزند کہلاتے اور اسکی ملت کو خدا کی خوشنودی سمجھتے ہیں اسی راہ کو اختیار کریں جسے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طاعت کی اُس نے خدا ہی کی اطاعت کی۔

غرض خوف - رجا - رغبت - اخلاص - دعا، اللہ تعالےٰ ہی سے ہو - کیوں ہو؟ ربکم وہ تمہارا رب ہے۔

تربیت کے معنے ہیں کسی شے کو اُسکی استعداد کے موافق کمال تک پہنچانا - چونکہ انسان کو نطفگی کی حالت سے اور گہوارہ سے لے کر گور تک - پھر قیامت میں صراط پر دوزخ ہو یا بہشت - ہمیشہ ہمیشہ کمال کی ضرورت ہے - کیونکہ فنات جو عالم صغیر کہلاتے ہیں وہ ہمیشہ ایک حالت میں نہیں رہتے اور انسان ہر آن ایک نیا انسان ہوتا ہے - پس تربیت الٰہی کی ضرورۃ ہر حال میں لگی ہوئی ہے اگر خدا تعالےٰ کی ربوبیت اپنا فضل نہ کرے تو ایک سانس میں ہی انسان تباہ ہو جاوے - اب تم ہی بتلاؤ کہ کیسا نادان ہے وہ انسان جو ایسے محسن و مربی کی فرمانبرداری نہ کرے - جسکی ہر حالت میں اور ہر وقت ضرورت ہے۔

غرض قرآن کریم نے اعبدوا ربکم کہکر عبادت اور اُسکی ضرورت کے مسئلہ پر حکیمانہ طرز کی ایک کامل بحث فرمائی ہے جسکی تفسیر کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہو سکتی ہے۔

اب اور رب پر ایک لطیفہ

عیسائی اور آریہ قومیں بڑے فخر و ناز کے ساتھ کہا کرتی ہیں کہ ہم خدا تعالےٰ کو خدا آباپ کہہ کر پکارتے ہیں - اور اس سے بڑھ کر عظمت و شفقت الٰہی کے اظہار کے لئے دوسرا لفظ نہیں ہے - کاش ان عقل کے دشمنوں کو زبان کی خوبیوں اور پھر عبد اور معبود کے تعلقات کی حقیقت پر پہنچ لیجانے کی خواہش جوشزن ہوتی !!!

یاد رکھنا چاہیئے کہ اب کا لفظ وسیع المعنی نہیں ہے - بلکہ ایک خاص وقت تک باپ کا تعلق بیٹے سے ہوتا ہے اور پھر اس تعلق کی ایک حد ہوتی ہے - بلکہ باپ کی نسبت ماں کو بیٹے سے زیادہ محبت اور تعلق ہوتا ہے - اور یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں اور آریوں کی برزخ قوم براہمو خدا تعالےٰ کو ماں کہہ کر پکارتی ہیں ؛

لیکن

اصل یہ ہے باپ اور ماں دونوں کے تعلقات بچہ کے ساتھہ خواہ وہ کیسے ہی گہرے اور دیرپا کیوں نہوں ایک خاص نوع کے ہوتے ہیں - اور ایک خاص وقت تک ہوتے ہیں۔

مگر رب ایک ایسا وسیع المعنی اور جامع لفظ ہے جس کا تعلق ہر حال - ہر طبقہ میں لاحق حال رہنا ضرور ہے - اب انصاف تو کرو کہ کیا اسلام نے خدا تعالےٰ کو رب کہکر اپنے عالمگیر ہونے کا ثبوت دیا اور خدا تعالےٰ کی صفات کی حقیقت کے مسئلہ کو سمجھا اور دنیا کو سمجھایا؟ یا "خدا باپ" پر ناز کرنے والے نادان آریہ اور عیسائیوں نے یا اُن کے بڑے بھائی "خدا ماں" کہنے والے برہموؤں نے؟ ایک بے لوث انسان کی روح بول اُٹھیگی کہ اس حقیقت کو اگر سمجھا ہے تو اسلام نے

خلق الانسان جبکہ ابدالاباد کے لئے ہے کیونکہ تمام سکھ وجود ہی کے لئے ہیں - پس ربکم کا لفظ کیا لطیف اور موزوں طریق پر استعمال فرمایا ہے - اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ؛

فرمانبرداری کا ذریعہ کیا ہے؟ چونکہ فرمانبرداری کے لئے دو باتوں کا ہونا ضروری ہے - اول عجائبات قدرۃ کا نظارہ - دوم انعامات و احسانات الٰہیہ کی یاد - اول الذکر سے ایمان بڑھتا اور ثانی الذکر سے محبت میں ترقی ہوتی ہے - پس اس مقام پر اولاً ربکم کا لفظ بیان فرماکر اُن تمام عجائبات قدرۃ اور انعامات الٰہیہ کو جو ابدالاباد تک انسان پر ہوتے ہیں بہیئت مجموعی بیان فرمایا - اور پھر اُن کی مختصر سی صراحت الذی خلقکم کہکر فرمائی - کیونکہ اولاً انسان اپنے قریب کی باتوں کو سمجھتا اور دیکھتا ہے اور پھر اُسکی اور بھی وضاحت اور وسعت کے لئے یہ فرمایا کہ دیکھو! تم ہی کو اُسنے پیدا نہیں کیا - تم ہی پر یہ افضلترین نعمت (خلق) کا انعام نہیں کیا - بلکہ تم سے پہلے بھی یعنی تمہارے آبا و اجداد کو بھی اُسنے ہی پیدا کیا - اور پالا پوسا - اس مقام پر ذرا گہری نگاہ سے غور کرنے کے بعد صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ ہمیشہ خالق اور ہمیشہ سے رب چلا آیا ہے - اور ابدالاباد تک رہیگا - اُسکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔

ربکم کے بعد خلقکم بیان کرنے میں یہ سر ہے کہ ربوبیت کا پہلا تقاضا خلق ہے - اور خلق گویا ربوبیت کے بطن سے نکلتی ہے -

یہ ایک عام بات ہے کہ ہر مذہب میں لوگوں کے رسوم و عادات مختلف قسم کے ہوتے ہیں لیکن بعض اس قسم کے ہوتے ہیں کہ اُن کے فعل یا ترک سے کوئی عظیم الشان اثر قوم پر یا مرتکب پر نہیں پڑتا خواہ وہ کام اپنی حیثیت میں کتنا ہی برا اور بڑا کیوں نہو۔ گر بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رسم و رواج کے سردار ٹھہر جاتے ہیں مثلاً شراب پینا۔ زنا کرنا۔ چوری کرنا۔ جھوٹ بولنا بجائے خود بہت ہی بُرے افعال ہیں اور انکا ارتکاب کرنیوالا ذلیل بھی سمجھا جاتا ہے لیکن رواجاً نہ اسقدر کہ اسکا مرتکب قوم یا برادری سے خارج کر دیا جاوے دوسری طرف مثلاً اگر ایک ہندو خواہ وہ کتنا ہی بڑا نیک ہو جھوٹ نہ بولتا ہو پوجا پاٹھ بھی اپنے مذہب اور دستور کے موافق کرتا ہو گر وہ گائے کا گوشت کہا لے یا مسلمان ہو اور خنزیر کہا لے تو وہ قوم اور برادری سے فوراً خارج کر دیا جاویگا۔ غرض اس قسم کی عادات اور رواج ہر قوم میں ہوتے ہیں اور اس خصوصیت سے اہل مکہ بھی خالی نہ تھے۔

بیت ایل مکہ والونکی قومی عبادتگاہ تاریخ اور قومی روایت متفقاً شہادت دیتی ہے کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے اہلِ حجاز و اہل عرب کا مرکز اور جائے تعظیم چلا آتا تھا کفار مکہ گو بت پرستی کے لباس میں تھے لیکن اس بیت ایل کو مقدس عبادت گاہ تعیین کرتے تھے۔

امتیاز بین المومنین والمنافقین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دین حق کا وعظ شروع فرمایا اور خدا کا کلام دن بدن پھیلنے لگا تو دشمنان دین نے ہر طرح سے مخالفت شروع کی یہانتک کہ بعض لوگ نفاقاً بھی اسلام میں داخل ہو گئے اور یوں مسلمانوں کو انکی اس قسم کی شمولیت سے کئی قسم کے نقصان پہونچنے کا احتمال ہوا۔ خدا تعالے نے منافق اور مومن کی تحیص و تمیز کیلئے یوں کیا کہ نمازوں میں حضرت ہادی کامل علیہ الصلوۃ کا موہنہ بیت المقدس کیطرف پہیرا اس سے وہ منافق چہٹ گئے جو بیت اللہ الحرام کو عزت اور ایمان کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ یہاں مدینہ طیبہ میں بھی اِس تدبیر نے وہی کام دیا جو کی زندگی میں بیت المقدس کو قبلہ نماز بنانے نے دیا تھا کہ اس تدبیر سے مشرکان عرب جو نا معلوم قدامت سے بیت اللہ کے احترام کے معترف تھے آپ سے الگ ہو گئے تھے اسطرح پر ایک اور عظیم الشان فایدہ جناب رسالتماب علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ ہوا کہ حضور کو اپنے مذہب کی ترقی اور خالص پیروؤں کا اندازہ معلوم ہو گیا اور آیندہ کے واسطے معتمد وفاداروں اور غدار منافقوں میں امتیاز ہو گیا

مدینہ میں تحویل قبلہ کی پہلی وجہ الغرض جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام مدینہ میں تشریف لے گئے جہاں بکثرت یہود موجود تھے اور جو اول اول باغراض مختلفہ آپ کی تشریف آوری سے خوش ہوئے اور آپکے تابعین میں خوب مل جل گئے پہر آخر اپنی امیدوں کے خلاف دیکھکر خفیہ اضرار اور افساد میں ریشہ دوانیاں کرنے لگے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالے کی وحی کے موافق قدیمی ابراہیمی و اسماعیلی قبلہ بیت اللہ کیطرف نماز میں توجہ کی اس سے خالص انصار اور یہودیوں میں امتیاز کی راہ نکل آئی چنانچہ اسی رکوع میں اللہ تعالے نے اسکی طرف یوں ایما فرمایا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ اور ہم نے وہ قبلہ جس پر تو تہا اِس لئے تجویز کیا تہا کہ رسول کی اطاعت کرنیوالے مخلصوں اور اُلٹے پاؤں پر پہر جانے والے (نافرمانوں) میں امتیاز کر دیں۔

غرض

تحویل قبلہ کی ایک بڑی بھاری وجہ یہ تہی کہ منافقوں اور مخلصوں میں امتیاز کر دیا جاوے اسطرح پر اس سے وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى** میں مرکوز تہی۔

تحویل قبلہ میں ایک راز ختم نبوت کیطرف ایما یا دوسری وجہ علاوہ بریں تحویل قبلہ میں ایک اور عظیم الشان راز بھی ہے۔ جسپر بفضلہ تعالے ہمیں اس تحریر کے وقت اطلاع ملی ہے کہ بیت المقدس بنی اسرائیل کے انبیا علیہم السلام کی عبادت گاہ اور قبلہ تہا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر بنی اسرائیل ہی میں سے نبی مبعوث ہوتے آئے تہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے بنی اسرائیلی کے خاندان نبوت کو قطع کر دیا تہا۔ یوں تو حضرت عیسی علیہ السلام کی بعثت نے بتا دیا تہا کہ آیندہ اِس خاندان سے نبی نہوں گے اور انکا بن باپ ہونا ہی اِس بات کی نشانی تہی مگر رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے قطعی فیصلہ کر دیا۔ اب جبکہ بیت المقدس کی طرف سے موہنہ پہیر کر بیت الحرام کی طرف موہنہ کیا گیا اِس میں یہ اشارہ تہا کہ اب بنی اسرائیل کی قوم ابد الآباد کے لئے رد ہو چکی اور بیت المقدس آیندہ قبلہ نہ رہیگا بلکہ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صاف ثابت ہوتا ہے کہ سنت اللہ یا قانون قدرت یہی ہے کہ خدا تعالےٰ نے کسی فضا کو محض خالی نہیں رکھا۔ غبارہ باز کہہ سکتا ہے کہ وہ جتنی دُور تک اوپر جاتا ہے اُسے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں کچھ بھی نہو۔ اور ہمارے تجارب رید صاف شہادت دیتے ہیں کہ کوئی پول مجرّد کہیں نظر نہیں آتا۔ کیا سورج کی روشنی یا بارش کی بوندیں کسی خلاء محض سے ہوکر آتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پھر ہم کیونکر استقرار مستمر کے خلاف مان سکتے ہیں کہ ان مملو فضاؤں سے آگے کوئی خلا محض بھی ہے۔

نادان دہریہ اگر ایسا خیال کرے تو مانا کرے۔ کیونکہ اُسکی ہمہ نادانی کی یہی شہادت کافی ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کا منکر ہے لیکن خدا تعالےٰ کے وجود کو ماننے والا اگر ایسا یقین کرتا ہے تو گویا وہ خدا تعالےٰ کی ہمہ قدرت اور کامل طاقت کا منکر ہے۔ کیونکہ ایسا اعتقاد کرنا کہ اُس نے بے انتہا فضا نراپول ہی چھوڑ دیا ہے اُسکی کامل خالقیت کی توہین ہے کہ تھوڑا سا بنا کر عاجز آگیا (نعوذ باللہ من ذلک)

الغرض

آسمان نظر کیوں نہیں آتے؟ | یونانیوں اور آجکل کے ہیئت دانوں کے معتقدات دربارہ وجود آسمان غلط محض ہیں اور حقیقت وہی ہے، جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔ ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ اگر آسمان کا کچھ وجود ہے تو پھر وہ نظر کیوں نہیں آتے؟ اسکا جواب صاف ہے کہ ہر وجود کا مرئی ہونا ضروری نہیں ہے۔ جو وجود جس قدر لطیف اور بسیط ہوگا اُسی قدر وہ غیر مرئی ہوگا۔ سماوی وجود کو اللہ تعالےٰ نے نہایت لطیف قرار دیا ہے چنانچہ اُس کی تصریح میں یہ آیت اشارہ کر رہی ہے وکل فی فلك یسبحون یعنے ہر ایک ستارہ اپنے اپنے مدار میں جو اُسکا مبلغ دَور ہے یا فلک ہے تیر رہا ہے۔ اور درحقیقت خدا تعالےٰ نے یونانیوں کے محدد کی طرح اپنے عرش کو قرار نہیں دیا بلکہ وہ ایک اعلیٰ سے اعلیٰ طبقہ ہے جس سے باعتبار اُسکی کیفیت اور کمیت کے اور کوئی اعلےٰ طبقہ نہیں ہے۔ کیونکہ خدا لئے غیر محدود کے مناسب حال اُسکے عرش کا لامحدود ہونا ہی ضروری ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ آسمان کی کیفیت کے متعلق بقدر بحث کافی ہے۔ باقی امور متعلقہ آسمان اپنے اپنے موقع پر بیان ہوتے رہینگے (انشاء اللہ العزیز)

القصّہ

آسمان زمین کے لئے بنار صلی ہے۔ اور اسجگہ والسماء بناء میں آسمان سے مُراد عام آسمان ہے جسکے سات مختلف طبقے ہیں۔ چونکہ قیام زمین کے لئے السماء کی ضرورت تھی۔ اسلئے اسکے بعد ہی السماء کا ذکر فرمایا۔

پھر دوسری ضرورت تربیت کیلئے پانی کی ہے۔ پانی انسان کی اصل اور کل چیزوں کا مایۂ حیات ہے جیسا خود خدا تعالےٰ نے فیصلہ فرمایا وجعلنا من الماء کل شئ حی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز کو زندہ بنایا۔ پس اس ضرورت کی تکمیل یوں فرمائی وانزل من السماء ماء اور ہم نے بادل سے پانی اُتارا

یہاں السماء سے کیا مراد ہے؟ | اس سماء کے معنے بادل کے ہیں۔ ہم سبع سمٰوات کی بحث میں بتلائینگے کہ ایک طبقہ آسمانوں کا وہ ہے جہاں بارش بنتی ہے۔ غرض یہاں بادل مراد ہے۔

پھر تیسری ضرورت یا تیسرا درجہ تربیت کا اشیاء خوردنی کا وجود ہے جو زمین سے اُگتی ہیں۔ اسلئے اس مینہ کی بدولت انکے پیدا ہونیکا ذکر فرمایا چنانچہ فرمایا فاخرج به من الثمرات رزقا لکم یعنے اُس بارش کا نتیجہ یہ ہوا کہ الارض میں سے گوناگوں پھل پھول کھانے کے لئے پیدا کیے ان تمام مدارج تربیت پر یکجائی غور کرنیکے بعد والسماء بناء کی حقیقت خوب سمجھ میں آتی ہے۔

المختصر

یہاں تک الرب کی فلاسفی اور صفت الرب کے تقاضے اور اُن کی تکمیل اور تبلیغ تربیت کے مدارج ثلاثہ اور صفت الرحمٰن کا منشاء بیان فرما کر اللہ تعالےٰ اُسی لفظ اعبدوا کی طرف ہدایت کرتا ہے اور توجہ دلاتا ہے

چونکہ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے عبادت جوش محبت کا نتیجہ ہے۔ اور محبت حسن واحسان کے ذکر سے پیدا ہوتی ہے اسلئے انسان کو اپنے یہ انعام واکرام جتا کر کہ اُسے خلق کیا۔ پھر وہیں نہیں چھوڑا بلکہ خلق کے بعد تبلیغ تربیت کا کفیل ہوا اور مربی ہوکر ہر قسم کی ضرورتوں کو پورا کیا

آیندہ کہیں کبھی شرک اور بت پرستی نہ ہوگی وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ

تیرا سورج پھر کبھی نہ ڈھلیگا اور تیرے چاند کا زوال نہ ہوگا الخ اور پھر ۵۴ باب میں یوں لکھا ہے۔

جسطرح پر میں نے قسم کھائی تھی کہ پھر زمین پر نوح کا سا طوفان کبھی نہ آویگا اسی طرح اب میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تجھ سے پھر کبھی آزردہ نہ ہونگا اور تجھ کو نہ گھر کونگا پہاڑ تو جاتے رہیں اور کوہ ٹل جائیں پر میری مہربانی تجھ پر سے کبھی غائب نہ ہوگی اور میری صلح کا عہد کبھی جنبش نہ کریگا الخ "

الغرض یہ سارا باب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور مکہ معظمہ کے احترام و اعزاز کی پیشگوئی پر مبنی ہے اور بہت سے مقامات پر اس قسم کی بشارتیں ملتی ہیں ہم موجب تطویل سمجھ کر چھوڑتے ہیں منصف مزاج غور کریں۔

غرض

صحف انبیاء سابقین اور قرآن کریم کے اُن مقامات سے جنکا حوالہ ہم نے اوپر دیا ہے صاف واضح ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ ہی ابدی قبلہ مقدر ہو چکا تھا اس لئے اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام واقعات کو بطور پیشگوئی پہلے ہی سے بیان کر دیا تھا ہمارے مخدوم حضرت مولانا مولوی عبد الکریم صاحب سلمہ ربہ نے بارہا اپنے خطبوں اور وعظوں اور عام تقریروں میں اس بات پر زور دیا ہے کہ سورۃ البقرہ کو خوب غور سے اور بہت ہی غور کے ساتھ پڑھنا چاہئیے اس میں راز یہی ہے کہ اس سورہ شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے بروز احمد قادیانی صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات کو نہایت شرح اور بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے مگر

اہل دل کے لئے

ہاں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے پیش آنیوالے واقعات کو اس میں بیان کیا ہے اور اللہ تعالےٰ نے اس سلسلہ کو رکوع نمبر ۱۳ سے خصوصیت کے ساتھ شروع فرمایا ہوا ہے جہاں نبوت کے خاندان اسماعیل میں منتقل ہونے کا ذکر فرمایا اور پھر رکوع نمبر ۱۶ میں یہ کہدیا وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ یرغب مضارع کا صیغہ استعمال کر کے بتا دیا ہے کہ سفیہوں اور صالحین کے امتیاز کے لئے ایک وقت آتا ہے جبکہ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى پر ایک رنگ میں عمل شروع ہو گا۔

ہمارے مخالف تہذیب کے ٹھیکیدار غور کریں بعض ناواقف اور قرآن کریم پر تدبر نہ کرنیوالے اور حقیقی اور سچی تہذیب کے منشا سے دور لوگوں نے حضرت اقدس حجۃ اللہ مسیح موعود ادام اللہ فیوضہم کی تحریروں پر نکتہ چینی کی ہے کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں مخالفوں کو سخت الفاظ سے یاد کیا ہے اسکا جواب باصواب ہمارے امام علیہ الصلوۃ والسلام نے ازالہ اوہام میں مفصل دیا ہے ہم یہاں صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ ابراہیم کے دین سے مونہہ پھیرنے والے کا نام سفیہ رکھتا ہے سفیہ کا جو مفہوم اور منشاء ہے اس پر ہمارے مخالف غور کریں اور پھر بتائیں کہ کیا وہ اسکو تہذیب کے خلاف کہیں گے ؟ قرآن کریم سچی تہذیب کا ماخذ اور منبع ہے اس سے مونہہ پھیرنے والا جہنم کا کندہ ہے۔ پھر تعجب ہے اِن لوگوں کی سمجھ پر جو امام الزمان کی تحریروں پر نکتہ چینی کرتے ہیں کاش وہ سوچتے!!!

ایک ضمنی بات اسی کی تائید میں اس موقعہ پر ہم کو ایک اور بات کے ضمناً اظہار کی ضرورت پڑی حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی لائف کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے یہی جواب دیا تھا کان خلقہ القرآن گویا قرآن کریم مجسم سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجسم صفت تھی اب اگر کوئی حضرت اقدس کی تحریر پر نکتہ چینی کرتا ہے تو وہ قرآن کریم پر اعتراض کرتا ہے اور یوں گویا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر حملہ کرتا ہے تہذیب کے مدعیو! سوچو تو سہی کہ تمہارے اعتراض کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

اب

اسقدر بیان کے بعد ہم اصل سلسلہ مضمون کی طرف توجہ کرتے ہیں تحویل قبلہ کی متعلق ضروری امور کا بیان اب آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاویگا۔

فراشاً کے معنے آرام گاہ ہے۔ اگر لفظ فراش کی خوبیوں کو باریک نظر سے دیکھیں تو بناوٹ زمین کا مسئلہ بھی حل ہوا جاتا ہے۔ جو جیالوجسٹوں نے بڑی تحقیق و تدقیق کے بعد معلوم کیا ہے۔ کہ زمین ابتداً گیس کی حالت میں تھی۔ ہم اسمضمون کو مفصل تو الم نجعل الارض مهادا والجبال اوتادا میں بیان کرینگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسیقدر ذیل میں لکھتے ہیں۔

اسکے بعد الرب کی صفت کی اور توضیح فرمائی کہ الارض جو انسان کے قیام کا اول ذریعہ ہے اسکی تربیت اور تکمیل بھی بھی صفت الرب کر رہی ہے۔ اور وہ اسطرح پر کہ اسکے استحکام اور قیام کے لئے آسمان بطور بناء اصلی کے بنایا ہے۔

آسمان کیوں زمین کے لئے بناء اصلی ہے؟ اس امر کا بیان کر دینا اس موقع پر بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتلایا جاوے کہ آسمان کی زمین اور اہل زمین کو کیوں ضرورت ہے؟

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ زمین ابتداءً ایک کرۂ ناری تھا۔ اور گیس کی حالت میں تھا۔ ایثر سے جسکو آجکل ایتھر (Eather) کہتے ہیں اسکا منجمد ہونا شروع ہوا۔

بہرحال زمین کا منجمد ہونا اور صورت موجودہ میں آنا آسمان ہی کے باعث سے ہے۔

دیکھ لو! کہ اگر ذرا ہی روشنی آسمان سے نہ آئے تو دنیا کی حالت نازک ہو جاتی ہے۔ پرورش زمین کے تمام اسباب کا سلسلہ آسمان سے وابستہ ہے۔ بارش نہ ہو تو اہل زمین ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اور خود زمین مرجاتی ہے۔ زمین کی تمام قوتوں کا نشو و نما آسمان پر منحصر ہے۔

غرض مشاہدۂ قدرت اور صحیفۂ فطرۃ پر غور کرنے والا دل اور سورج کو مرکز عالم ماننے والا دانشمند خوب سمجھ سکتا ہے کہ آسمان ہی زمین اور اہل زمین کے لئے بناء اصلی ہے۔ چونکہ آسمان کا لفظ بھی آجکل کے فلسفہ دانوں میں ایک زیر بحث لفظ ہے۔ اسلئے مختصر طور پر ہم اسپر بحث کرینگے۔

آسمان کی کیفیت السماء کے لفظ پر اکثر ناواقف لوگوں نے جو ام الالسنہ (عربی) کی وسعت سے ماہر نہیں ہیں دھوکا کھایا اور دھوکا دیا ہے۔ اور انہوں نے قرآن کریم کے منشاء کو غلط طور پر سمجھ کر یہ کہا ہے کہ گویا قرآن کریم کسی متعسر الخرق اور صلب اور کثیف مادہ کو آسمان قرار دیتا ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ ہاں! یہ بھی سچی بات ہے کہ قرآن کریم نے خلاء محض بھی اسکو نہیں بتلایا۔ جیسا کہ آجکل کے نادان لوگوں نے مانا ہے جیسا کہ ہم عنقریب بیان کرینگے خلاء محض کوئی چیز نہیں ہے۔ قرآن کریم نے آسمان کو ہوا یا پانی سے بھی زیادہ نرم اور لطیف مادہ قرار دیا ہے جسمیں ستارے تیرتے ہیں۔ اور اسی کی طرف اشارہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

کل فی فلک یسبحون۔

یونانیوں نے البتہ آسمان کو اجسام کثیفہ مانا ہے۔ اور پیاز کے چھلکوں کی طرح تہ بہ تہ مانا ہے۔ اور آخری تہ کا آسمان جسکو وہ فلک الافلاک کہتے ہیں جمیع مخلوقات کا انتہا قرار دیا ہے۔ اور اسکے پیچھے نہ خلا ہے نہ ملاء۔ مگر یہ بات جیسے تجربۂ صحیحہ کے صریح خلاف ہے ویسے ہی اسلامی تعلیمات کے بھی خلاف ہے کیونکہ آجکل کے آلات دوربین تو نہایت دور تک کے ستاروں کو دکھا دیتے ہیں۔

چنانچہ پیرس (دار الخلافہ ملک فرانس) کی نمائشگاہ میں جو سنہ ۱۹۰۰ء میں ہوئی ہے چاند ایک میل کے فاصلہ پر دکھایا گیا تو پھر تعجب کی بات ہے کہ جبکہ آسمان ایک کثیف جوہر ہے اور پھر ایسا کثیف کہ قابل خرق والتیام نہیں۔ اور اتنا بڑا کہ چاند اور سورج کو اس سے کچھ نسبت ہی نہیں۔ پھر آسمان کا آلات دوربین سے بھی نظر نہ آنا حیرت انگیز امر ہے۔ غرض یونانیوں کے مسلمات کے موافق آسمان کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے وہ تجربۂ صحیحہ اور عقل سلیمہ کے رو سے صحیح ثابت نہیں ہوتی۔

اور یہ امر جو فلسفۂ جدیدہ کے محققین نے حقیقت السماء کے متعلق بیان کیا ہے کہ اسکا کوئی مادی وجود نہیں۔ بلکہ وہ نرا پول ہی پول ہے۔ یہ بھی ثابت شدہ صداقت اور فیکٹ نہیں ہے بلکہ ایک غلطی ہے جو ان عالمان علم ہیئت نے کھائی ہے۔ کیونکہ اگر ہم اس فضاء کی نسبت جو چمکتے ہوئے ستاروں تک ہمیں نظر آتا ہے بذریعہ اپنے تجارب استقرائیہ کے تحقیقات کرنا چاہیں تو

قطع نظر کرکے ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری قوموں نے ہدایت ربانی کے نہونے سے کس طرح اختلاف کئے ہیں۔ پھر جبکہ تقرر جہت ثلج قلب اور اطمینان دل کا موجب تہا اور رفع فساد و نفاق کے لئے بامر الہی ثابت اور مقرر ہوا اور اس طریق سے آخرکار دوسری اطراف خالی رہجاتی تہیں اس لئے کوئی سمت مقرر نہ فرمائی بلکہ ایک خاص مقام کو قبلہ ٹہرایا جو کل جہات کے لئے مشترک ہوگیا مثلاً یہ صاف بات ہے کہ جو لوگ مکہ معظمہ سے شمال کیجانب ہیں وہ جنوب کیطرف موںہہ کرتے ہونگے اور مکہ معظمہ سے جنوب کیجانب ہیں وہ شمال کیطرف اسی طرحپر مشرق اور مغرب کے رہنے والے۔ اور یوں بحمد اللہ تمام جہات کے لوگوں کو راستی سے نفع اٹہانے کا موقعہ ملگیا اسی لئے مکہ کو ام القریٰ کہا گیا جسکے معنے یہہ ہیں کہ تمام اطراف کی بستیاں اسی ماں کی چہاتیوں سے فیض کا دودہ چوسینگی اور یہ نام ہی اسبات کی طرف اشارہ تہا کہ یہ قبلہ عالمگیر قبلہ ہوگا۔

غرض

یہانتک قبلہ اور اس کے متعلق ضروری امور کی بحث تہی اگرچہ اسپر بہی اگر انصاف سے نظر کیجاوے تو آسانی کے ساتھہ سمجہہ میں آجاتا ہے کہ مخالفین کو اعتراض کرنے کی کوئی گنجایش باقی نہیں تاہم ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں اُن اعتراضات کا جواب بہی لکہدیا جاوے جو تعیین قبلہ پر کئے جاتے ہیں۔

تعیین قبلہ پر اعتراض اور اسکا جواب بعض ناواقف اور ناخدا ترس لوگوں نے جو بجائے خود قسم قسم کی بت پرستیوں اور مردہ پرستیوں میں ہلاک ہو رہے ہیں مقدس اسلام کی تعیین قبلہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اسلام ہی (معاذ اللہ) بت پرستی سکہاتا ہے کیونکہ نماز کے وقت مسلمان مکہ کیطرف موںہہ کرتے ہیں۔

اس اعتراض کے جواب سے پیشتر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شرک کے معنے بتا دیئے جاویں۔

شرک کیا ہے شرک کے معنی ہیں ساجہی بنانا یا ملا دینا اور اللہ تعالے کے ساتھہ شرک کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالی کے اسما یا افعال یا دونوں میں کسی کو ملا دینا۔

شرک کی دو بڑی قسمیں ہیں اول شرک اعتقادی دوم شرک عملی۔ اعتقادی شرک تو یہ ہے کہ خدا تعالی کے اسما اور افعال میں دوسرے کو شریک مانا جاوے یہانتک کہ ریا بہی باریک طور پر اسی میں داخل ہے۔ اور عملی شرک یہ ہے کہ اُن افعال اور اعمال میں جو مخصوص اللہ تعالے کے لئے کئے جانے ہیں یا کئے جانے چاہئیے کسی دوسرے کو ملایا جاوے یا مختصر الفاظ میں یوں کہو کہ تعظیم لامر اللہ میں کسی غیر کو شریک کیا جاوے یہ شرک کبہی شرک فی العبادت کے رنگ میں پیدا ہوتا ہے یعنی اللہ تعالی کی عبادت میں کسی اور کو شریک کیا جاوے اور کبہی شرک فی الطاعت کی صورت میں یعنے اللہ تعالے کے سوا کسی دوسرے کو مطاع مان لیا جاوے اور کبہی شرک فی المحبت اور اپنے سے کسی فوق کی شکل میں جلوہ گری کرتا ہے۔

شرک کیونکر پیدا ہوتا ہے شرک پیدا تب ہوتا ہے جب کسی غیر کو اللہ کے سوا کامل علم یا کامل تصرف والا مانا جاوے یہ یاد رکہو کہ مطالب کے حاصل کرنے اور مکروہات سے بچنے میں جو امید و بیم کا سلسلہ انسان میں جاری رہتا ہے اوس کے لئے ہر ایک انسان کو کسی دوسری زبردست طاقت کیطرف بعض وقت جہکنا پڑتا ہے اور جس طاقت کو اپنے سے فوق اور مطلب برآری کا ذریعہ انسان یقین کرتا ہے۔ اُس کے حضور با امید و بیم ضرور حاضر ہونا چاہتا ہے اور اس فوق الطاقت شئی میں جسکو انسان اپنا ملجائے و ماوی یقین کرتا ہے لازم ہے کہ علم کامل اور تصرف کامل کا اعتقاد بہی رکہتا ہو کیونکہ اگر اس شئے کو جسے ہمنے حصول مطالب کے لئے ذریعہ بنایا ہے ہماری تکلیف کا علم ہی نہیں تو وہ ہماری تکلیف کے دور کرنے میں کس ارادہ اور رحم سے کام لیسکتی ہے اور اگر علم کامل تو اوسکو حاصل ہو مگر اس میں تصرف کامل نہیں تو بدون قدرت و تصرف ہمارے مطالب برآری میں اوسکا علم ارادہ اور رحم کیا مفید ہو سکتا ہے پہر بعد اس یقین کے محتاج انسان اپنی مطلب برآری کیلئے اُس علم اور تصرف والے کے آگے کامل محبت اور سچی ارادت سے بہ تعظیم تام پیش آتا ہے پہر اس محبت اور تعظیم سے ایک درخت شرک کا پہلتا اور پہولتا ہے۔ .... پس اسیطرح کوئی انسان اللہ تعالے کے سوا کسی اور ہستی کو کامل علم اور کامل تصرف والا

ضرور ہے کہ وہ انزل من السماء کا مصداق ہونے سے ربانی کلام ہو۔ اسلئے اسکا ثبوت فرمایا۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علٰے عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین ۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکٰفرین ۔

اے لوگو! جب تم کو حصول سکھ کے لئے عبادت کرنی چاہیئے تو مرضی الٰہی کے معلوم کرنیکے واسطے خود ہی مان لوگے کہ کلام الٰہی کی ضرورت ہے۔ جب ایک انسان دوسرے انسان کی رضا رباوجود اسی کی نوع ہونیکے معلوم نہیں کرسکتا تو خدا تعالےٰ کی مرضی کیونکر معلوم کرسکتا ہے ؟ پس کلام الٰہی کی ضرورت تو بدیہی ہے مگر اسکی شناخت و تصدیق کا کیا معیار ہو ؟ سنو! اسکا جواب ہم خود دیتے ہیں

وان کنتم فی ریب - یعنے اگر تم تردد و شک میں ہو جو کچھ ہمنے اپنے بندے پر نازل کیا ہے (اور تم اسکو اسکی خانہ زاد گھڑت قرار دیتے ہو ؟) تو بھلا تم بھی اُسکی سورۃ کی مانند کوئی سورۃ لے آؤ! (کیونکہ مصنوعی چیز تو آخر مصنوعی ہی ہے جب ایک انسان بنا سکتا ہے تو دوسرا انسان بھی اُسکو بنا ہی لیگا - اسلئے کہ وہ قوئے بشری کے علاقے میں ہے) اور (دیکھو بھی تم کو عام اجازت ہے کہ) تم خدا تعالےٰ کے سوا اپنے ہی شہادت دینے والوں کو بلالو اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو۔ اور اگر تم مقابلہ نکر سکے اور ہرگز نہ کرسکوگے (کیونکہ قدرتی اشیاء آخر قدرتی ہی ہیں وہ مصنوعی نہیں ہوسکتیں !!) پھر اس آگ سے ڈرو جسکا ایندھن پتھر اور آدمی ہیں اور وہ منکروں کے لئے طیار کی گئی ہے ۔

اس آیت میں مندرجہ ذیل امور بیان فرمائے ہیں۔

اول - قدرتی اور مصنوعی چیزوں میں جو امتیاز ہوتا ہے وہی امتیاز قرآن کریم کی حقانیت اور منجانب اللہ ہونیکی دلیل ہے ۔

چنانچہ یہ مسلم بات ہے کہ قدرتی چیزیں کبھی مصنوعی نہیں ہوسکتیں - اور مصنوعی چیزیں قدرتی نہیں ہوتیں - جیسے ایک گھاس کا تنکا یا گندم کا دانہ قدرتی ہیں یہ کبھی مصنوعی نہونگے - کوئی انسان خواہ وہ کیسا ہی دانشمند اور مدبر و موجد کیوں نہو اُسکو نہ بنا سکیگا ۔ اسیطرح کپڑا یا روٹی مصنوعی چیزیں ہیں مگر خدا تعالےٰ کی غیرت کے خلاف ہے کہ وہ روئی کی بجائے کپڑا پیدا کرے یا گندم کے دانے کی بجائے روٹیاں اُگائے

اب یہ ایک صاف اور ثابت شدہ صداقت ہے - اسی معیار پر کلام الٰہی کو پرکھنا چاہیئے کہ آیا وہ قدرتی ہے یا مصنوعی یا خدا تعالےٰ کا کلام ہے یا عاجز انسان کی تک بندی ؟ پس یہ معیار خود فیصلہ کر دیگا - تم سب کے سب کوشش کرو اور اسکی مثل بنا لاؤ -

(پہلی پیشگوئی)

دوسرے یہ ہے کہ اسمیں قرآن کریم کے بے مثل ہونے پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پیشینگوئی ہے اور بتلایا ہے کہ کبھی بھی کوئی شخص یا قوم اسکی نظیر لانے پر قادر نہوگی - کیونکہ قرآن کریم تو ہمیشہ پڑھا جاویگا - اور ہمیشہ یہ آیت تحدی کرتی رہیگی

(دوسری پیشگوئی)

تیسرے - اس کی نظیر لانے کے مدعیوں اور اُس نظیر پر شہادت دینے والوں کی ہلاکت اسکے عدیم المثل ہونے پر آخری فیصلہ ہوگا - اور یہ دوسری پیشینگوئی اس آیت میں ہے

چوتھے بُت پرستی سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے

(تیسری پیشگوئی)

پانچویں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی ہلاکت کی - ہاں لڑائی میں ہلاک ہو جانیکی پیشینگوئی ہے جو تیسری پیشینگوئی ہے ۔

قرآن کریم نے تحدی کیوں کی ؟

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ قرآن کریم کا منشاء اخلاقی تعلیم تھا تو پھر اُسکو تحدی کرنے کی کیا ضرورت تھی اسکا ایک مختصر سا جواب تو یہی ہے کہ "تا کہ انسان کو اُسکے (یعنے قرآن کریم کے) منجانب اللہ ہونے پر یقین ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ قرآن کریم اوامر و نواہی لے کر آیا ہے اسلئے اُسکی تعمیل کے لئے ضروری تھا کہ اُسکے ساتھ تحدی ہوتی - کیونکہ انسان فطرتاً کسی حکم کی تعمیل نہیں کرتا - جب تک کہ حاکم کے رعب سطوت - اور جبروت کا اُسے علم نہو اور جسکے عدم تعمیل کی صورت میں اسکو یقین ہو کہ حاکم انتقام لینے کی پوری طاقت رکھتا ہے - چنانچہ یہی انسان کا فطری اقتضاء ہے جو اُسکو کچہری کے سمنوں اور ضروری کاغذات کی تعمیل کے لئے بیقرار اور نعل در آتش بنا دیتا ہے -

چونکہ خدا تعالےٰ ہر ایک انسان سے براہ راست کلام نہیں کرتا بلکہ خاص انسانوں کو اس شرف سے مشرف فرماتا ہے - اسلئے اگر یہ کلام تحدی کے بدوں ہو تو ایسے لوگ جو خدا تعالےٰ ہی کی ذات پر ہزارہا وساوس پیش کرتے ہیں اُسے کیونکر مانیں ؟ پس خدا تعالےٰ کی ہستی پر ایمان پیدا کرنے کے

خاتم النبیین ہو چکے اور مکہ معظمہ ہمیشہ قبلہ اہم اور مرکز اشاعت حق ٹہر گیا یہ ایک لطیف راز ہے جسپر زیادہ غور کرکے مومن مزید لطف اٹھا سکتے ہیں۔

تحویل قبلہ میں تیسری وجہ پھر تحویل قبلہ میں ایک اور راز بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ابتداءً جب بیت المقدس کی طرف مونہہ کیا گیا تھا اُس میں بیت المقدس کی فتح کی طرف اشارہ تہا اور بیت المقدس کے بعد جب کہ مکہ معظمہ کی طرف مونہہ کیا گیا تو یہ گویا فتح مکہ کی طرف پیشگوئی ایک ایما تہا۔ سوچو اور غور کرو۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔

المختصر

بیت اللہ اللہ تعالے کے وعدہ کے موافق ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے ثمرہ میں قبلہ اُمم قرار پایا اب ہم چاہتے ہیں کہ تعیین قبلہ پر جو اعتراض مخالفین اسلام نے کئے ہیں اپر ایک نظر کریں ان اعتراضوں پر غور کرنے سے پیشتر چند ضروری امور کا بیان خالی از فایدہ ہوگا

اول۔ جہت یا قبلہ کی ضرورت یہ بات ہر انسان کو ماننی پڑے گی کہ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے اور وہ اس دنیا میں زمین کی پشت پر رہکر جب کوئی کام کریگا خواہ وہ اوسکی روزمرہ کی ضروریات کے متعلق محنت ومشقت کے ہوں یا عبادت کے متعلق بہرحال اپنے کاروبار اپنی نشست و برخاست غرض ہر صورت میں اسکا مونہہ ایک ہی طرف ہوگا نہ مختلف سمتوں میں شلاً مشرق کی طرف ہو یا مغرب کی طرف جنوب کی جانب یا شمال کی سمت۔ یہ ایک بدیہی اور ہر روز ہمارے مشاہدہ میں آنیوالی بات ہے اسکا انکار تو ہو ہی نہیں سکتا۔ پس یہ ثابت ہو گیا کہ کوئی نہ کوئی قبلہ یا جہت عبادت الٰہی کے وقت ضرور ہو گی۔

دوم۔ ہر قوم اور مذہب کو اپنا ایک ہی قبلہ بنانا پڑتا ہے اس امر کے بعد اب دوسرا غور طلب امر یہ ہے کہ ہر قوم اور مذہب کو اپنا ایک ہی قبلہ بنانا پڑتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ ہر مذہب ومشرب اپنی جگہ پر اسکے اصول خواہ کچھہ ہی کیوں نہوں لیکن ایک وحدت اور اتحاد ضرور پہیلانا چاہتا ہے گو سناتن دہرم کے پیرو ہندو امتیاز ذات کے مسئلہ کو پیش کرکے ہمارے اس اصول کو توڑنا چاہیں مگر ہم یہ کہیں گے کہ آخر وہ بھی مثلاً سورج کو گنگاجی کو بلکہ برہمن قوم کو بہت بڑا اعزاز دیکر انکی تکریم وتعظیم میں متحد فی الارادہ کرنا چاہتے ہیں۔ خواہ کچھہ ہی ہو ہر مذہب وملت کے لوگ اپنی قومیت اور ملت میں ایک وحدت ارادی ضرور قایم کرنا چاہتے ہیں اس لئے عبادت کے معاملہ میں چونکہ کوئی نہ کوئی جہت تو ضرور ہوتی ہے اس لئے کوئی نہ کوئی جہت متفق طور پر ضرور مقرر کرنی پڑتی ہے ورنہ اتحاد اور یگانگت بلکہ یکجہتی میں مختلف صورتیں اپنا اثر کئے بغیر نہ رہیں گی اور یوں نفاق وشقاق پہیلے گا مثلاً اگر کچھہ لوگ مشرق کو منہہ کئے کہڑے ہوں کچھہ مغرب کو کچھہ جنوب یا شمال کیجانب تو یہ ناموزوں صورت ہی خود بخود دیکھنے والے کو بتا دیگی کہ یہ متفق الرائے گروہ نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے سے بیزار اور ناراض ہے پس یہ ضروری امر ہے کہ ایک ہی جہت مقرر ہو۔

سوم دنیا میں مختلف قبلے ہیں مذہب کی تواریخ پر غور کرنیسے پتہ لگتا ہے کہ دنیا میں مختلف قبلے ابتک موجود ہیں اور خود نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پاک عہد میں بھی موجود تھے۔ بیت اللہ ایک بڑا قبلہ تہا ہندوستان میں سومنات۔ کاشی۔ جگناتھہ ہردوار وغیرہ قبلے ابتک موجود ہیں۔ ایسا ہی یونان میں اپالو اور ڈلفائی بت پرستوں کے معبد اور قبلے تہے یہودیوں میں سلیمان کی ہیکل ایک قبلہ تہا اور اٹلی میں روما ابتک عیسائیوں کے قبلہ موجود ہیں۔ جہاں ہر سال ہزاروں لاکہوں عیسائی زائر بن جاتے ہیں۔ بغرض دنیا میں مختلف قوموں کے قبلوں کا موجود ہونا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ہر ایک قوم نے اپنے لئے ایک ایک قبلہ ضرور ٹہرایا ہے۔

مندرجہ بالا امور کے سمجھہ لینے کے بعد اب اس امر کا بیان ضروری ہے کہ اسلام نے جو قبلہ مقرر کیا ہے وہ دنیا کے تمام مقرر کردہ قبلوں پہ فضیلت اور بزرگی رکہتا ہے۔ چونکہ تقرر جہت اتحاد کے لئے ایک ضروری شے ہے۔

قبلہ اسلام کل اطراف پر حاوی ہے اور یہ تقرر اگر باہمی رائے اور اتفاق سے ہو تو یہ یقینی امر ہے کہ اختلاف رائے باہمی نفاق وشقاق کا موجب ہو کیونکہ یہ کبہی نہیں ہو سکتا کہ سب کے سب ممبروں کی رائے ایک ہی ہو لہذا خالق فطرت انسانی نے یہ تعیین بطور فیصلہ کے اپنی حکمت اور مشیت کی بنا پر خود ہی فرمائی تاکہ کسی شخص کو اپنی اختلاف رائے کی وجہہ سے دوسرے سے نوبت بہ جنگ پہونچنے کا موقعہ نہ ملے۔ اس سے

خواہ وہ جسمانی ہوں یا روحانی اعبدوا کی ہدایت فرمائی ہے۔

نظامِ روحانی میں بھی تربیت کا سلسلہ اسی اسلوب سے چلتا ہے۔ اس صورت میں الارض سے مراد قلب انسان ہو سکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کے طرزِ بیان سے ثابت ہے وکلا الارض وما طحٰہا۔ اور نزول الماء من السماء سے مراد الہام الٰہی ہے جو روحانی پیاسوں کی سیری اور تسلی کا موجب ہوتا ہے فاخرج بہ من الثمرات سے مراد اعمال صالحہ ہوتے ہیں جو الہام الٰہی کی بنا پر سلیم الفطرت انسان سے سرزد ہوتے ہیں اور پھر امر ایک ثابت شدہ صداقت ہے کہ اعمال صالحہ عالم اخریٰ میں قسم قسم کے پھلوں کی صورت میں متشکل ہوں گے۔

الغرض! خدا تعالیٰ کے ان تمام امور کا اظہار وجہ عبادت کا بیان ہے۔ اور اعبدوا کے حکم کی دلیل ہے۔ اور ان مشاہدات قدرت کو یعنے زمین و آسمان کے وجود اور نزول باران رحمت اور اخراج ثمرات کو پیش کر کے اپنی یگانگت کی حجت قائم کی ہے۔ اور اُسی اعبدوا ربکم کی تفسیر یا یہ کہو کہ عبادت کا مرحلہ اول یوں بیان فرمایا کہ فلا تجعلوا للّٰہ اندادا۔ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ کرو ف نے اس امر کی خوب وضاحت کر دی ہے۔ یعنے عبادت کی ابتدائی منزل اور اصل یہ ہے کہ خدا کے ساتھ کوئی دوسرا ند و ضد نہو۔ اور وہ امور جو صفت الرب کے تقاضا کی صورت میں پیش کئے ہیں۔ اسپر بطور دلیل ہیں۔ کہ جب کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں جو تم کو پیدا کر سکے۔ زمین و آسمان کو بنا سکے وغیرہ وغیرہ۔ تو پھر باوجود ایسے علم کے جو تمہارے قوٰی میں مرکوز اور تمہاری فطرت میں مجبول ہے کہ واجب العبادت اور قابل پرستش ایسی ہی ہستی ہونی چاہیئے جسکی صفات اوپر ذکر ہوئیں پھر کسیکو اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔

اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسیکو شریک کرنے والا یا خدا کی صفات کسی عاجز انسان کو دینے والا مرف خدا تعالیٰ ہی کی توہین نہیں کرتا بلکہ قوائے انسانی کی قدر و منزلت کو خاک میں ملا دیتا ہے

وانتم تعلمون۔ اللہ تعالیٰ نے اُس وعدہ کو جو فطرت انسانی میں مجبول ہے اور جسکا واضح طور پر سورہ اعراف میں عہد میثاق کی صورت میں بالفاظ واذ اخذ ربک من بنی آدم (الآیہ) ذکر فرمایا ہے) یاد دلایا ہے۔ دیکھو اُس مقام پر بھی رب ہی کا ذکر ہے۔ اور یہاں تعلمون اس لئے بھی فرمایا کہ تم مشاہدات قدرت کو اور اُن نظایر کو جو تمہاری ہی تربیت کے لئے ضروری ہیں دیکھ کر یہ علم پیدا کر سکتے ہو کہ وہ جامع جمیع صفات کاملہ صرف ایک ہی ہے

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وانتم تعلمون کا لفظ کھلے کھلے طور پر بتلا رہا ہے کہ شریک الٰہی کے بنانیکے لئے کوئی علمی دلیل نہیں ہو سکتی اور بعد علم تام انداد اللہ تجویز نہیں ہو سکتے۔ یا یہ کہو کہ انداد اللہ تجویز کرنے والے علم حقیقی سے بہرہ ور نہیں ہیں۔ پس اس ایک لفظ وانتم تعلمون سے فرقہ ضال کا کیسا رد کیا ہے کہ جو کہتے ہیں کہ ایک کھاتا پیتا پیشاب پاخانے کی ضرورتیں رکھنے والا عاجز انسان خدا یا خدا کا بیٹا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اور ان الفاظ کی صداقت کیسے بیّن طور پر ثابت ہوتی ہے جب اُن سے دلیل مانگتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "اسکی دلیل نہ ہم جانتے ہیں ہمارا خدا"

(دیکھو جنگ مقدس یعنے مباحثہ حضرت اقدس سیدنا میرزا صاحب سلمہ ربہ اور عبداللہ آتھم عیسائی۔ قول مارٹن کلارک۔ قایم مقام آتھم)

علاوہ ازیں ہم نے یہ ترجمہ بھی کیا ہے کہ تم جانتے ہو کہ شرک اچھی چیز نہیں ہے۔ اسپر سوال ہوتا ہے کہ جب علم ہو تو پھر کوئی شرک کیوں کرے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ بعض علم ایسے ہوتے ہیں کہ وہ زیر عمل آتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ عمل کے نیچے نہیں آتے۔ چنانچہ فرقہ مغضوب کو علم ہے عمل نہیں کرتے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ علم ہے تو عمل کرو۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ مغضوب بن جاؤ!

المختصر

وانتم تعلمون دو دھاری تلوار ہے جو ایک طرف فرقہ الضال کو ہلاک کرتی ہے اور دوسری طرف المغضوب کی راہ سے بچنے کی ہدایت فرماتی ہے۔ اور یوں غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تفسیر ہے۔ سبحان اللہ! وبحمدہ!! کیسا مرتب اور منظم کلام ہے کہ ایک ایک لفظ میں مذاہب باطلہ کی تردید کرتا جاتا ہے۔ اور اپنے دعاوی کا ثبوت کس قدر محکم دلایل سے دیتا ہے دبے انتہا درود ہو اُس رحمۃ للعالمین پر! جو دنیا کے لئے یہ کامل نور لے کر آیا۔!!! اللّٰہم صل علی محمد وآلہ واصحابہ اجمعین)

چونکہ اعبدوا کا لفظ بالطبع اُس فرمان کو چاہتا ہے جو عبادت کی راہیں۔ ہاں! اُس خدا کی عبادت کی راہیں بتلائے جو وحید و فرید خدا ہے۔ پس

ایسا قرین قیاس و دانش ہے کہ ہر سلیم الفطرۃ کو ماننا پڑے گا کہ ایسی جدید قوم کو جس کے استیصال کے درپے مختلف قومیں ہو رہی تھیں اور ایسے نئے مذہب کے لئے (حنیفیتاً قدیمی) جسے اولاً مخلصین و منافقین میں تمیز کرنا اور دشمنوں کے جابرانہ حملوں کا دفاع اختیار کرنا تھا از بس ضروری تھا کہ اس کی صیانت و حفاظت کے لیے کوئی ایسی حکیمانہ تدبیر اختیار کی جاتی چنانچہ مولیٰ کریم صحیح تحویل قبلہ کی وجہ یہ فرماتا ہے ✦

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ

ترجمہ اور ایسی ہی تدبیروں سے تو ہم نے تم کو اعلیٰ درجہ کا (میانہ رو) معلم الخیر گروہ بنایا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم لوگوں پر حاکم بادشاہ۔ نگران ہو جاؤ گے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر حکمران ہوں گے۔ اور وہ قبلہ جس پر تو تھا وہ تو ہم نے اس لیے ٹھہرایا تھا کہ ان لوگوں کو .... جو رسول اللہ کی اطاعت کرتے ہیں ان لوگوں سے الگ کر دیں جو ارتداد اختیار کرتے ہیں۔ اور اگرچہ یہ امر بہت دشوار ہے .... مگر ان لوگوں کے لیے دشوار نہیں .... جن کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی کی آسان ترین راہ دکھائی۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ منشا کبھی نہیں ہے کہ وہ تمھارے ایمان (ایمان اور اعمال صالحہ خصوصاً نمازیں) ضائع کر دے۔ (یہ تو اس کی شان اور صفات ہی کے خلاف ہے)

١٦١ بیشک اللہ تو عام طور پر بدون کسی محنت اور خدمت کے مہربانی فرماتا ہے اور ساتھ ہی **رحیم** بھی اس کی صفت ہے کہ وہ مساعی پر نتائج مترتب کرتا اور سچی محنتوں کو ضائع کرنے والا نہیں ہے ✦

اُمَّةً وَسَطًا اعلیٰ درجہ کا معلم الخیر گروہ۔ میانہ رو معلم الخیر گروہ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں افراط و تفریط سے بچا ہوا اعتدال کے نقطہ پر جو ائمت پر قائم ہوتی ہے قرآن کریم نے اس کا نام منعم علیہ گروہ رکھا ہے۔ یا علی الصراط المستقیم بھی اسی کو کہتے ہیں چونکہ اوپر کی آیت میں کہا گیا تھا يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ یعنی اللہ تعالیٰ جس قوم اور جس شخص کے لیے چاہتا ہے اس کو کامیابی کی آسان قریب ترین سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

خوشتر آں باشد کہ راز دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

اس آیت میں در اصل اسلام کے پاک گروہ ہی کی کامیابیوں اور ان کے علی الصراط المستقیم ہونے ہی کی پیش گوئی تھی۔ اور ہدایت إِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ کے اسباب اور طریق میں سے ایک تحویل قبلہ بھی ہے۔ تحویل قبلہ فی نفسہ کوئی چیز نہ تھی بلکہ اس کی تہہ میں وہی بات تھی۔ جس کا ذکر خود کر دیا ہے مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ اصل غرض اور حقیقی منشا اطاعت الرسول کو معلوم کرنا تھا۔

سورۂ فاتحہ کا تعلق اور آیت نظر اس مقام پر اگر ہم سورہ فاتحہ کے ساتھ ان آیتوں کی تطبیق کر دکھائیں تو موزون اور مناسب معلوم ہوگا یاد رہے کہ سورہ فاتحہ کا اصل منشا اور مفہوم أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ گروہ کی طیاری ہے۔ اور بڑی بھاری غرض جو اس میں بیان کی گئی ہے وہ **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ** ہے پس یوں کہو کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ یا منعم علیہ گروہ بننے کے لیے جن اسباب اور ذرائع کی ضرورت ہے ان میں سے ایک عظیم الشان ذریعہ اور باعث اتباع الرسول ہے کیونکہ انسان فطرتاً ایک نمونہ اور مثال چاہتا ہے۔ چنانچہ جیسے اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کہہ کر ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بھی فرما دیا ہے۔ اسی طرح یہاں يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ کہہ کر اسی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی طرف رہنمائی کی ہے کیونکہ يَهْدِي مَن يَشَاءُ صاف طور پر بتلاتا ہے کہ کامیابی اور ہدایت کی راہوں کا بتانا ان پر چلنے کی توفیق عنایت فرمانا یہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قد لبثت فیکم عمرا کہکر اُن پر حجت پوری کی۔ خدا تعالےٰ چونکہ بے عیب و مطہر ہستی ہے پس اُس سے تعلق رکھنے والا انسان ضروری ہے کہ مقدس و مطہر ہو ورنہ وہ عبداللہ یا عبدالرحمن نہ کہلائیگا۔ غرض یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر ایک دلیل ہے ھٰذا ما الھمنی ربی فی ھٰذا المقام والحمد للہ علٰی ذالک

فاتوا بسورۃ پر مختصر سی بحث قرآن کریم کی شلیت کی تحدی قرآن کریم کے مقامات مختلفہ پر ہوئی ہے کہیں کل قرآن کی مثل مانگی ہے کہیں دس سورتوں کے برابر۔ اور یہاں صرف ایک سورۃ پر کفایت کی ہے۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے بلکہ آلہیات کی حقیقت سمجھنے والے اور قرآن کریم پر تدبر کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ الہام الٰہی میں ہمیشہ ترقی ہوتی ہے۔ اسکو عام طور پر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے ہر فعل میں ایک تدریجی ترقی کا نظارہ ہم دیکھتے ہیں۔ پس اولاً بمثل ہٰذہ القرآن کہکر تحدی کی گئی۔ پھر عشر سورۃ کی تحدی کی۔ اور اُسپر ترقی کرتے کرتے یہاں ایک سورۃ کی تحدی فرمائی۔ سورۃ کا لفظ کم سے کم تین آیتوں پر بھی بولا گیا ہے۔ اور آیۃ کا لفظ چونکہ خوارق پر بھی آتا ہے۔ اور یہاں کوئی خصوصیت مراد نہیں بلکہ ہر پہلو سے قافیہ تنگ کرنا مقصود ہے۔ اسلئے سورۃ کا لفظ بیان فرمایا۔

قرآن کس بات میں مثل مانگتا ہے؟ سوال کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کس بات میں مثل مانگتا ہے۔ اس سوال کے حل کرنے میں بعض نے من مثلہ سے مراد خوارق اور پیشینگوئیاں لی ہیں۔ اور بعض نے فصاحت بلاغت سے مراد لی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تعلیم قرآنی غرض ہے۔ بہرحال جتنے منہ اتنی ہی باتیں ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں صاف اور سیدھی بات یہی ہے کہ جیسا قرآن کریم نے مخصوص نہیں فرمایا بلکہ عام رکھا ہے۔ اسیطرح ہمارا کوئی حق نہیں ہے کہ ہم مخصوص کریں۔ یہ تحدی عام تحدی ہے۔ کیسی ہی مثال پیش کرو۔ کسی زبان میں پیش کرو۔ کسی معاملہ میں لاؤ!۔ لاؤ سہی!!! کیونکہ قدرتی چیز اپنے ہر پہلو میں بے نظیر ہوتی ہے اور اس عمومیت میں یہ بہتر ہے کہ تا کل کو کسی نادان کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ فلاں امر میں جسمیں تحدی کی گئی ہے شوخ اور کمال کرکے چیلنج کیا ہے۔ اسلئے عام طور پر فرمایا کہ کسی امر میں لاؤ۔ اور یہی قرآن کریم کی علوشان کی دلیل ہے۔

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مثلیت کا تقاضا یہ کبھی نہیں ہوتا کہ ہر پہلو سے مثل ہو۔ اگر ایسا ہو کہ ہر پہلو سے مثلیت ہے تو وہ مثلیت نہیں۔ بلکہ عین الشئے ہوگی۔ پس مثل بعض الصفات میں ہوگی۔ اور وہ عام ہے کسی میں کرو۔

وادعوا شہداءکم اور تم اپنے رفقاء اور معاونین کو دُہائی دیکر لکارو! ادعوا! کے معنے دُہائی دیکر لکارنا بھی ہے۔ دُہائی کا لفظ کیا عجب ہے اگر اس سے بگڑ کر بنگیا ہو۔ یہ طرز عرب ایسی غیرت مند قوم کو جرأت دلانیکے لئے کافی ہے وادعوا شہداءکم میں بھی عمومیت ہی جیسے طلب مثال دنظیر میں عمومیت تھی۔ اسمیں بھی عمومیت ہی رکھی ہے۔

نظیر نہ لاسکوگے! پھر یہیں تک اکتفا نہیں کیا بلکہ بطور پیشینگوئی کے کہدیا کہ تم نظیر نہ لاسکوگے اور ہرگز ہرگز اس امر پر قادر نہ ہوسکوگے۔ اسمیں غور طلب امر یہی ہے کہ کیا منصوبہ باز انسان یا قیافہ شناس مدبر کبھی اس قسم کا موکد دعوےٰ کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اُ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا سے اُس بصیرۃ کا پتہ لگتا ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے پر تھی۔

نظیر نہ لائے تو نتیجہ کیا ہوگا؟ عرب ایسی جنگ وجدل پر اُدھار کھائے بیٹھی قوم کو ان آیات میں تین مختلف طریقوں پر غیرت دلائی ہے۔
اولاً وادعوا شہداءکم کہکر۔ ثانیاً فان لم تفعلوا ولن تفعلوا۔ کی پیشینگوئی سے۔ ثالثاً نظیر نہ لانیکی صورت میں ایک خوفناک وقت کا پتہ دیا کہ تم اُس آگ سے ڈرو جسکا ایندہن آدمی اور پتھر ہیں۔

آدمی اور پتھر ایندہن کا کیا مطلب ہے؟ پتھر کو کیوں آگ میں ڈالا جاویگا؟ اصل یہ ہے کہ پتھر انسان کا خادم ہے۔ اگر نادان انسان خادم کو مخدوم اور مخدوم سے معبود بنالے تو یہ کیسی حماقت ہے کیونکہ خادم تو مخدوم بھی نہیں ہوسکتا ہے۔ آدمی اور پتھر کے ایندہن ہونے سے مراد وہ تعلق ہے جو الناس نے الحجارہ سے قایم کیا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب دو پتھروں کو باہم رگڑیں تو اُن سے ایک آگ پیدا ہوتی ہے۔ جو انسان پتھروں کی پرستش کرتا ہے اُسکا دل وہی تاثیرات سنگدلی کی پیدا کرلیتا ہے۔ اب معبود پتھر اور سنگدل کی کشمکش سے نتیجہ ضرور آگ ہی ہوگا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہاں الحجارہ کے لفظ میں عام معبودان باطلہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنے جو معبود اس قسم کی فوق الطاقت ہستی نہیں رکھتا کہ اُس سے تعلق پیدا کرنے والا عبد ایک آیت اور نشان ہوجاوے۔ اور کلام الٰہی کی پاک تاثیریں اُسپر پڑیں جیسا کہ مما نزلنا علٰی عبدنا کی تفسیر میں

مان لیتا ہے اور اپنی امید وبیم ہین اوسکی تعظیم و تکریم کو غایت درجہ پر پہونچانا چاہتا ہے وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ہلاک کرو یتا ہے پھر اس کے بعد اس امر کا بیان کا بھی خالی از فائدہ اور نتیجہ خیز ہوگا کہ ہم پرستش یا عبادت کے معنے بتادیں عبادت یا پرستش چار چیزوں کے مجموعی مفہوم کا نام ہے۔

اول۔ کسی ہستی کی نسبت کسی قسم کی امید وبیم کا پیدا ہونا۔

دوم۔ اُس ہستی کے صفات کاملہ کا اعتقاد اور اسکا علی الاظہار۔

سوم۔ اُس امید وبیم کے باعث اس ہستی کی حمد ثنا کرنا اور اسکی کاملہ صفات پر توجہ کرنا۔

چہارم۔ اُس حمد و ثنا کے بعد اُس ہستی سے کچھ مانگنا۔

پہلا جواب | اب ہم سب سے پہلا جواب تو اس اعتراض کا کہ قبلہ کی سمت موںہہ کرنا قبلہ پرستی ہے یہ دیتے ہیں کہ دانشمند معترض ہکو بتائین کہ مکہ معظمہ کیطرف موںہہ کرنے میں عبادت کا کونسا مفہوم پایا جاتا ہے؟ اور شرک کا کونسا؟ یقیناً انکو یہ ماننا پڑیگا کہ ایک بھی نہیں کیونکہ ساری نماز میں ایک جگہہ بھی بیت اللہ یا مکہ معظمہ کا نام بھی نہیں آتا چہ جائیکہ اسکی تعریف یا اُس سے کوئی دعا کیجائے۔

بلکہ

اسلام نے تو صاف اور کھلے لفظوں میں یہ حکم دیا ہے کہ فلیعبدوا رب هذا البیت اس گھر کے رب کی عبادت کرو یہ ارشاد صاف طور پر بتاتا ہے کہ مکہ معظمہ بطور ایک نشان کے ہے۔ پھر مسلمانوں کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ بت پرستی یا کعبہ پرستی کرتے ہیں کیسی ناانصافی بلکہ بے ایمانی ہے۔

نماز میں توحید کے لطیفے | یہاں ہم مناسب نہیں دیکھتے کہ نماز کی فلاسفی پر بحث کریں مگر ہاں مختلف طور پر حسب موقعہ چند لطایف ضرور بیان کرنا چاہتے ہیں جو نماز میں اسی توحید کے متعلق ہیں۔

لطیفہ اول | وضو جو طہارت ظاہری کی صورت میں طہارت باطنی کا پیش خیمہ ہے اور اپنے بعد آنیوالے جلیل الشان فعل نماز کا مقدمہ ہوتا ہے اس لئے اُس میں جو دعا ہمارے ہادی نے تلقین کی ہے وہ یہ ہے:۔

اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك اے اللہ (تمام صفات کاملہ سے موصوف تمام بدیوں سے منزہ کامل ذات) مجھے اپنی طرف خالص رجوع کرنیوالوں سے بنا اور مجھے پاک رہنے والوں کی جماعت میں شامل کردے ای اللہ تو قدوس ہے اور ہر قسم کے شرک اور بدی سے منزہ ہے کامل حمد تیرے ہی لئے سزاوار ہے ہاں ہاں میں شہادت دیتا ہون کہ کوئی بھی معبود تیرے سوا نہیں ہے میں تجھہ سے ہر قسم کی حفاظت چاہتا ہون اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اب

دیکھو لوگو اس وضو کی دعا ہی کے ایک ایک نقطہ سے کامل توحید ٹپکتی ہے اللهم سے شروع کر کے اتوب الیک پر ختم کیا۔

لطیفہ دوسرا | اسکے بعد اذان ہے جو ہر نماز سے پہلے ضروری ہے وہ اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے اور لا اله الا اللہ پر ختم ہوتی ہے اللہ ہی سے شروع کی اور اللہ ہی کی توحید پر ختم کی اس اذان کے مضمون کے برابر اعلےٰ اور سادہ طریق عبادت الٰہی کے لئے بلانے کا کسی مذہب وملت میں نہیں ہے کیا گھنٹے بجانے اور ناقوس پھونکنے اسکا مقابلہ کرسکتے ہیں؟ سوچو اور غور کرو!!!

تیسرا لطیفہ نماز کیلئے تکبیر | پھر اذان اور تکبیر کا مضمون قریباً ایک ہی ہے اللہ اکبر سے شروع کر کے لا اله الا اللہ پر ختم

چوتھا لطیفہ قیام رو بہ قبلہ | پھر جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ آیت پڑھتا ہے

اني وجهت وجهي للذي فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين بیشک میں اپنا موںہہ اُس پاک ذات کیطرف کرتا ہون جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور اس موںہہ کرنیکے وقت میں دنیا اور اسکی شیختوں سے الگ اور یکسو ہو کر کرتا

اسباب میں سے یہ ضروری امر ہے۔

پھر انسان فطرتاً ہر ایک دعویٰ کی دلیل چاہتا ہے پس یہ آیت قرآن کریم کے اُس دعوے کی دلیل ہے جو ابتدا قرآن میں ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ کہکر کیا تھا

نزلنا جمع متکلم کیوں فرمایا ہے؟

نزلنا کے معنے ہیں ہم نے نازل کیا۔ اللہ تعالےٰ نے جو وحدہٗ لاشریک ہے اُس نے اپنے آپکو اس مقام پر جمع متکلم کی ضمیر سے ظاہر فرمایا ہے۔ اس سر کے نہ سمجھنے کی وجہ سے نصاریٰ نے سخت دھوکا کھایا ہے اور توریت شریف میں جو الوہیم کا لفظ آیا تھا اُس سے تثلیث کا گورکھ دھندا سلجھانے کی کوشش کی ہے جو بجائے خود سخت بیہودگی اور نادانی ہے۔ ایسا ہی بعض اباحتی بغیر کثرت فی الوحدۃ کے قایل ایسی آیات کو پیش کرو یا کرتے ہیں۔ غرضا یہ ایک سر ہے جو اُن نادانوں نے نہیں سمجھا اور نہ سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ غرض اصل یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں جمع متکلم کا صیغہ خداتعالےٰ کی طرف منسوب ہے وہاں اُس فعل کے صدور میں اللہ تعالےٰ اور انسان کے درمیان وسایط ہوتے ہیں۔ ایسا ہی اس مقام پر نزول کلام الٰہی میں بھی وسایط ہیں۔ لہٰذا نزلنا فرمایا۔

نزلنا علیٰ عبدنا کی حقیقت

نزلنا علیٰ عبدنا یعنے جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمایا ہے۔ عبد کے لفظ کے استعمال میں کیا راز ہے؟ یہ ایک غور طلب مقام ہے کیونکہ ہو سکتا تھا نزلنا علیٰ محمدؐ۔ مگر علیٰ عبدنا کی ترکیب جو پسند فرمائی گئی اُسمیں کیا حقیقت ہے؟

اس رکوع کی اصل غرض اور روح رواں وہ لفظ ہے جو یاایھا الناس اعبدوا میں فرمایا ہے کہ اپنے ربّ کے عبد بنجاؤ اور عبد بننے کی غایت و انتہا یہ ہوگی کہ کلام الٰہی کے نزول کے قابل ہو جاؤ گے۔ پس پہلا لطیفہ جو نزلنا علیٰ عبدنا میں عبدنا کے لفظ میں رکھا ہے وہ اس امر کیطرف اشارہ ہے کہ عبد کامل بننے سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ خدا کا کلام اُسپر نازل ہو۔ چنانچہ بھی سر ایاک نعبد اور صراط الذین انعمت علیھم میں ہے کیونکہ اول العابدین یعنے عبد کامل پر وہ انعام ہوتا ہے جو نبیوں پر ہوتا ہے اُسکو خدا سے بشارتیں ملتی ہیں۔ یہ امر اور بھی وضاحت کے ساتھ سمجھ میں آجاتا ہے جب منعم علیہ گروہ کی تفسیر ہم قرآن کریم کے دوسرے مقام پر بایں الفاظ پاتے ہیں من النبیین والصدیقین الی الآیۃ۔ اس مقام پر خداتعالےٰ نے اوّل نبی کا لفظ فرمایا ہے جو عام ہے ہر نبی کے لئے صاحب شریعت ہونا ضروری نہیں ہوتا ہے بلکہ نبی وہ ہے جو علو شان رکھتا ہو یا خدا سے خبریں پاتا ہو۔ الغرضا یہاں چونکہ اعبدوا کی تعلیم فرمائی تھی۔ یہاں عبادت کا نتیجہ ضمناً بتلایا کہ وہ مورد کلام اللہ ہوگا جسکی تصدیق ایک اور مقام سے بھی ہوتی ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ - الآیۃ۔

دوسرے عبد کے معنے پامال زمین کے ہیں تو مراد یہ ہوئی کہ جسنے اپنے آپکو الوہیت کے مقابلہ میں ناچیز محض اور لاشئے ہستی بنا دیا ہو وہ آخر خدا کا عبد ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا میں زندگی اور خدا میں علویت اپنی موت اور پستی کو چاہتی ہے کیونکہ تکلم الٰہی کے لئے عبد ہونا ضروری ہے جب تک عبودیت کاملہ نہو وہ الوہیت کی استعانت کو جذب کر ہی نہیں سکتی۔ اسلئے ہی تو ایاک نعبد ایاک نستعین سے پہلے ہے۔

تیسرے نزول قرآن کی مقتضی خداتعالےٰ کی وہ صفت ہے جو الرحمٰن کہلاتی ہے چنانچہ فرمایا ہے الرحمٰن علم القرآن پس تعلیم القرآن کے لئے عبداللہ کو اول عبدالرحمٰن ہونا ضروری ہے۔ اور عبدالرحمٰن کامل تب ہوتا ہے جب اُس میں وہ صفات کامل طور پر متحقق ہوں جو سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں بوضاحت بیان ہوئی ہیں یعنی عباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا الی الآخر۔ غرض جب یہ تمام صفات حسنہ ایک انسان میں جسکو اعبدوا کی ہدایت ہوتی ہے کامل طور پر پائی جاویں تو وہ عبداللہ یا عبدالرحمٰن کہلاتا ہے۔ اور پھر خداتعالےٰ کیساتھ اُسکو ایک خاص تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور یہی تعلق تکلم باللہ کا شرف اُسکو عطا کرتا ہے۔

پس

یہاں عبدنا کے لفظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک۔ بے لوث۔ قابل تقلید اور کامل زندگی کو بطور حجت پیش کیا ہے اور ضمناً اُس اعتراض کو رد کیا ہے جو یہ کہتے تھے لولا یکلمنا اللّٰہ (کیا ہوتا جو اگر خدا ہم سے ساتھ بولتا) گویا عبدنا کا لفظ بتلاتا ہے کہ عبودیت کامل چونکہ اُن میں نہیں ہے۔ اور یہ صرف صرف محمد ابن عبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہے۔ اسلئے وہ ہمارے مخاطبہ سے مشرف ہوا

یاد رکھو کہ عبدنا میں عبد کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع و اقدس شان ہے جو خداتعالےٰ نے بیان فرمائی ہے۔

کی توفیق رفیق ہے اُن کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ اسی لئے تو اللہ تعالےٰ نے پہلے پارہ میں فرمایا ہے۔ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

یعنی وہ بہت ہی گران اور شاق ہے۔ ہاں اُنپر نہیں جنہیں یقین ہے کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ اور آخر کار اُسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ یعنی مہتدین اور خاشعین پر احکام الٰہی کی بجا آوری میں کوئی گرانی نہیں پڑتی۔

چونکہ

بیت المقدس کی طرف جو نمازیں پڑھا کرتے تھے اور بیت الحرام کی طرف حکم ہوا تو بعض لوگوں کو خیال آیا ہوگا کہ پہلی عبادتیں اور نمازیں ضائع ہی گئی ہوں گی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کی تسلی اور وسعت اُمید کی خاطر یہ فرمایا

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ

اور اس کی دلیل یہ فرمائی اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

یعنی اللہ تعالیٰ تو یوں بھی انسان پر بدون اس کی محنت وطلب کے اپنا فضل کرتا رہتا ہے پھر وہ کسی کی سچی محنت کو کیوں ضائع کرنے لگا اور علاوہ ازیں اس کی صفت رحمت کے ساتھ رحیم مذکور ہوچکی ہے رحیم کے معنی ہم پہلے بیان کر آئے ہیں یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں مختصر یہ کہ وہ سچی محنتوں کو کبھی ضائع نہیں فرماتا اور اس کا بہت بڑا ثبوت یہ ہے کہ

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ بے شک ہم تو دیکھتے ہیں کہ تیری آنکھیں پھیر پھیر کر آسمان کی طرف اُٹھتی ہیں (کہ مومنوں اور منافقوں میں امتیاز ہو کر ایک جماعت ہو جاوے اس کے لیے ہم ایک تدبیر بتاتے ہیں) سو ہم تجھ کو ایک قبلہ کی طرف پھیریں گے جس کو تو پسند کرے گا (کیونکہ اس کی طرف منہ کرنا تیری اس مرضی کے پورا کرنے کا ایک باعث ہوگا) .... سو تو مسجد حرام کی طرف اپنا رُخ پھیر دے اور اے مسلمانو تم بھی جہاں کہیں ہو اپنے منہ عزت والی مسجد ہی کی طرف کیا کرو۔ اور یہ اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ بیت الحرام (جو ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ اور ہی کا تعمیر کردہ ہے) یہ امر حق و حکمت کا بھرا ہوا ہے اور ان کے رب ہی کی طرف سے ہے (چونکہ باوجود اس علم کے پھر بھی انکار کرتے ہیں اور اپنی مخاصمت سے باز نہیں آتے تو یاد رکھیں کہ) اللہ تو ان کی کرتوتوں سے غافل نہیں ہے

اس آیت پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہادی کامل صلے اللہ علیہ وسلم کی دعائیں کیسی قبول ہوتی تھیں۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی قبولیت پر ایک بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں فَلَنُوَلِّيَنَّكَ فرمایا ہے۔

دوسری بات جو اس آیت سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام کو قبلہ قرار دیا ہے کسی خاص سمت کو نہیں۔ اور اس طرح پر گویا کل سمتیں ہمیں آگئی ہیں جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر آئے ہیں جو لوگ بیت الحرام سے مشرق کی طرف ہیں وہ مغرب کو منہ کریں گے اور مغرب والے مشرق اور شمال والے جنوب کو علیٰ ہذا القیاس۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ میں فتح مکہ کی پیشگوئی کی طرف بھی ایما ہے کیونکہ اس آیت سے آگے جو دوسری آیت وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا اس پر ایک قرینہ بھی موجود ہے۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ مخصوصاً یہ آیت پیشگوئی ہی کو اپنے اندر رکھتی ہے نہیں بلکہ منجملہ اور اسرار کے جو اس میں ہوں گے ایک اس

٭ صلاح۔ صفحہ ۱۶ کے فٹ نوٹ میں ولا انصار لہ پڑھو۔ منہ

ملیں گی جو باہم متشابہ ہونگی۔ (اور چونکہ انسان فطرتاً مدنی الطبع ہے اور کسی رفیق کو چاہتا ہے اسلئے وہ تنہا کنج محبس کیطرح نہ چھوڑے جائینگے بلکہ اُن اُن کے لئے رفیق ہونگے اور وہ بھی پاک اور مزکی النفس رفیق۔ اور ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہ پڑینگے۔

اس آیت کو تحدی سے کیا تعلق ہے؟ یہ ایک مسلم بات ہے کہ ہر ایک شخص اپنے دشمنوں کی ذلت اور خواری کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے جو صرف کو سننے ہی کی حد تک محدود ہوں۔ لیکن اگر وہ الفاظ باوجود دشمن کی قوت اور طاقت اور اپنی بے کسی اور بے بسی کے ایک ایسا پیرایہ رکھتے ہوں جو دشمن کی ہلاکت و ذلت اور اپنی کامیابی کی بشارت دیتے ہوں تو بیشک وہ بات فی الحقیقت اپنی جگہ پر وزندار اور قابل وقعت ہوتی ہے اس طرح پر قرآن کریم بھی اگر اپنے مخالفوں کو عاجز آ جانے کی صورت میں عذاب النار سے ڈراتا اور اپنے ماننے والوں کے لئے کوئی بشارت عظمیٰ نہ دیتا تو وہ اُن دو صفتوں سے موصوف نہ ہو سکتا جو ایک قادر مطلق ہستی کے ساتھ مخصوص ہیں کہ نفع و ضرر اُسکے ہی قبضہ اقتدار میں ہے۔ اور یہ کہ اُسکی حکومت ایک امتیازی حکومت ہے۔ اور یہ سارا دعویٰ کہ مخالفین طعمہ نار جہنم ہوں گے نرا دعوےٰ اور ایک کو ستا قرار دیا جاتا۔ لہٰذا اسکے دوسرے جزو کو اس آیت میں بیان فرمایا کہ جیسا بد اندیش مخالف طعمہ نار حرب ہو کر نار جہنم کے ایندھن ہونیکا ثبوت دے گئے۔ اسیطرح مومنوں کو بھی مثالی طور پر ایک جنت ملنے والی تھی تا کہ جنت الخلد کی دلیل ہو۔ چنانچہ سرزمین شام و عراقین (عراق عجم اور عراق عرب) کے فتح ہونے پر مثالی طرز میں اس پیشگوئی کا پورا ہونا ثابت ہوگیا

دنیا میں جنت کا نمونہ کیوں دکھایا؟ ایک لطیف بحث اللہ تعالیٰ کی یہ عادت مستمرہ ہے کہ وہ ہر ایک فعل پر ایک نتیجہ مترتب فرماتا ہے۔ بدی کی طرف قدم اُٹھانے والا ایک دن سیہ کار بدبخت ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی مومن ابتدائی مراحل طے کر کے کامل انسان بنجاتا ہے۔

چونکہ ایمان ابتدائی حالت میں ظن ہی کا ایک شعبہ ہوتا ہے۔ اسلئے اگر صدق نیت سے مومن اُسپر لگا رہے تو اللہ تعالیٰ اُسکو کامل مومن بنا دیتا ہے۔ ظن بجائے خود نہ کامل ہوتا ہے اور نہ کامل کر سکتا ہے۔ اور نہ علوم حقہ کی واقفیت اُس سے پیدا ہو سکتی ہے۔ جیسے فرمایا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ ایک مُردہ بیج کیطرح ہوتا ہے۔ اُسمیں نشو و نما پانے کی قوت بہت ہی کم ہوتی ہے اُسکے بالمقابل ایمان ہے جو حُسن ظن سے شروع ہوتا ہے۔ قرائن قویہ کو دیکھکر ایک بات کا اقرار کر لیا جاتا ہے۔ اب یہ ایک فعل ہوتا ہے جسپر ایک نتیجہ مترتب ہوتا ہے اور وہ نتیجہ پھر ایک فعل ہو جاتا ہے۔ غرض اسطرح پر ایک سلسلہ چلتا ہے۔ یہانتک کہ ایمان سے ایقان۔ اور ایقان سے عرفان یا بصیرت تک انسان پہنچ جاتا ہے۔ عرفان آخری حد ہے اسلئے وہ مخصوصاً آخرت سے متعلق ہے۔ اور ایقان تک اسی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ ایمان تصویر ہوتی ہے ایقان کی۔ اسلئے اُسمیں یقین کا صرف رنگ موجود ہوتا ہے اور ایقان ایک چربہ ہوتا ہے عرفان کا۔ پس ضروری تھا کہ ایمان لانیوالا مومن عرفان کی کیفیت کو اسی دنیا میں مشاہدہ کرے۔ لہٰذا اُسی سنت اور قاعدہ کے موافق جزا و سزا کا سلسلہ اسی دنیا میں جاری ہے جو ہر لحظہ و ہر آن جاری ہے۔ اسلئے **مالک یوم الدین** اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

یہ کس قدر خوبی ہے اسلام و مبارک کتاب قرآن کریم کی کہ اُسنے ایک ایسی حقیقت کو منکشف کیا ہے کہ کسی دوسرے مذہب کو نصیب نہیں ہوئی۔ ناداں آریہ کب مالک یوم الدین مانتا ہے جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ بعد مُردن تناسخ کے چکر میں آنا ہوگا۔ باوصفیکہ انسان یہ بتلا رہا ہے کہ انسان ہر آن اپنے اعمال حسنہ اور سیئہ کی سزا اور جزا بھگت رہا ہے۔

الغرض یہ ایک سچی فلاسفی ہے کہ خدا تعالیٰ مومنوں کو اسی دنیا میں آخرت کی نعماء کا مزہ مثالی طور پر چکھا دیتا ہے تا کہ اُن کے ایمان کو ترقی ہو۔ علاوہ ازیں جس چیز کی انسان نے لذت نہیں پائی ہوتی وہ اُسکی قدر نہیں کر سکتا پس یہ ضروری بات تھی کہ دنیا میں بھی اُسکا نمونہ دیکھیں۔ پھر نفس نیکی بجائے خود ایک سُکھ ہے اسلئے بھی اُن کو سُکھ ملنا ضروری تھا۔ اور دنیا میں دُکھ سُکھ کے اسباب موجود ہیں۔ پاک جماعت صحابہ نے جبکہ حکومت اور سلطنت راحت کے اسباب جمع کئے۔ دنیا میں راحت اور سلطنت ضرور مل گئی۔ پس مومن ہی دنیا میں فائز المرام ہوتے ہیں اور عاقبت اندیش مخالف خائب و خاسر!!!

ازالہ وہم یہاں ایک گھبرا دینے والا۔ اور مایوس کر دینے والا خدشہ پیدا ہو سکتا ہے جسکا ازالہ ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پھر مومن سے کبھی کوئی خطا یا گناہ نہ ہو؟ اور اگر ہو تو وہ اپنے آپ کو مومن نہ سمجھے

لاریب یہ سوال پیدا ہوتا ہے مگر اس امر کو بحضور دل یاد رکھنا چاہیئے کہ سچے مومن کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے محفوظ کر لیتا ہے اگر کوئی خطا

میں دعائیہ طور پر صراط مستقیم کی ہدایت کو طلب کرنا اسی مفہوم کو ظاہر کر رہا ہے جو یہاں یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ میں ہے۔

اور پھر اُمَّةً وَّسَطًا کا لفظ بڑی وضاحت اور صفائی کے ساتھ صراط مستقیم پر چلنے والی امت کی طرف

ایما کرتا ہے گویا اس طرح پر سورہ فاتحہ کی ایک تفسیر ہے۔

امتیاز منافقین کیوں مطلوب ہے

غالباً یہاں اس امر کا بیان کر دینا بھی خالی از فوائد نہ ہوگا کہ یہ تحویل قبلہ واقعی امتیاز بین المومنین و المنافقین

کا ایک باعث تھا اسی لئے تحویل قبلہ کے بیان کو شروع فرمایا ہے سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ سے اور

سفہاء کے معنی قرآن کریم کے دوسرے مقام میں منافق ہی کے آئے ہیں چنانچہ سپارہ نمبر اول رکوع نمبر ۲ میں صاف طور پر ارشاد الٰہی یوں مرقوم ہے

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ

قرآن کریم کے طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص خاص الفاظ اس کی مصطلحات ہیں اور یہ امر اس کے کثرت مطالعہ اور کثرت تدبر سے

سمجھ میں آتا ہے۔ ان الفاظ اور مصطلحات میں سے سفہاء ایک لفظ ہے جو قرآن شریف نے منافق کے معنوں میں استعمال فرمایا

غرض

منعم علیہم گروہ اور اس کے بالمقابل مغضوب قوم کا ذکر فرمایا ہے

غلبہ اسلام کی پیشگوئی

لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ نتیجہ اس تمیز اور تخصیص کا یہ ہوگا کہ تم دنیا پر نگران اور حکمران ہو جاؤ گے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ

اس امت اور قوم کو برومند کرنا تھا اور اس کو دنیا کے لیے ہادی اور امام بنانا تھا اور اس کا ظہور اب ہونے والا تھا کیونکہ نبی

زندگی ظہور محمد کو چاہتی تھی اس لیے کچھ لوں۔ غداروں اور مستقل وفاداروں میں امتیاز ہو جانا ضروری تھا۔ وہ حالت اسلام

کے ضعف اور کمزوری کی تھی۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ یہ پیشگوئی فرماتا ہے کہ تم حکمران ہو جاؤ گے +

اس آیت پر مفسرین عجیب مخمصہ میں پڑے ہیں اور انہوں نے شہداء کے عجیب عجیب معنی کیے ہیں۔ ہم نہیں

چاہتے کہ ناظرین تفسیر القرآن کو اس الجھیڑے میں پھنسائیں اس لیے ہم نے وہ معنی کر دیے ہیں جو قرآن کریم ہی سے ثابت ہیں

چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کو یوں حل فرمایا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَآ

اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا اس پیشگوئی کے ساتھ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت دکھاتے ہیں تو کیسے واضح

طور پر وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا کے معنی سمجھ میں آتے ہیں فتدبروا +

لنعلم من یتبع الرسول ... اور الخ

لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ تاکہ جان لیں ہم کہ کون رسول کی اطاعت کرتا ہے اس قسم کے الفاظ پر کوتاہ اندیش آریوں

اور عیسائیوں نے اعتراض کیا ہے کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو معلوم نہیں اور اس کو علم نہیں ہے ہم کہتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ کو امتحان اور آزمائش کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور وہ پہلے سے کل باتوں کو یہاں تک کہ جو ابھی انسان کے

دل میں کسی آیندہ زمانہ میں پیدا ہونے والے منصوبے ہیں ان کا بھی عالم کل ہے لیکن یہ لفظ اس لیے استعمال ہوئے ہیں

کہ اس کی اصل حقیقت اس شخص پر بھی ظاہر کر دی جاوے جو زیر امتحان ہے۔ کہ اس میں یہ صلاحیت ہے اور یہ فساد ہے

خدا تعالیٰ کی کتابوں میں اس قسم کے الفاظ کے استعمال کی اصل غرض یہی ہوتی ہے اور عام طور پر بھی ممتحن کی غرض امتحان سے یہ نہیں

ہوتی کہ خود اس کو وہ بات معلوم نہیں تھی اور اب ہو جاوے بلکہ اس کا منشا یہی ہوتا ہے کہ زیر امتحان کو اسکی علم و معلومات پر اطلاع دلاوے۔

پس لنعلم من یتبع الرسول کا اصل مفہوم اور حقیقی منشا یہی ہے کہ تاکمزور فطرۃ۔ اوچھے۔ متلون مزاجوں کو ان کی

کمزوریوں پر اطلاع ملے اور مستقیم الاحوال۔ سلیم الفطرۃ۔ وفاداروں کو اپنی خوبیوں کا علم ہو۔

تحویل قبلہ

ترجمہ میں ہم نے بہت صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ یہ امر تحویل قبلہ یہودیوں کیلئے جنہیں قومی عبادت گاہ اور قبلہ کو

چھوڑنا پڑتا تھا بہت ہی بڑا مشکل امر ہے یا یوں کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کوئی آسان امر نہیں ہے حقیقت میں

قومی قوانین اور ملکی رسوم و عادات کو چھوڑ کر ایک نئی بات کا اختیار کرنا بہت ہی مشکل امر ہوتا ہے لیکن جن کی اللہ تعالیٰ نے

ہم نے بتلایا ہے ۔ وہ پتھر ہی ہے خواہ انسان ہو ۔ خواہ وہ درخت ہو خواہ پتھر ؛

ایک اور بات بھی جو اس حصۂ آیت میں یاد رکھنے کے قابل ہے یہ ہے کہ چونکہ کامل عبد اور کامل معبود کے تعلقات جب باہم قایم ہو جاتے ہیں تو اُنکی باہم وابستگی سے ایک نور پیدا ہوتا ہے جو اُسکے راہ کی خطرات سے اُسکو آگاہ اور بیدار کرتا جاتا ہے ۔ یہ ایک باریک فلسفہ ہے جو نادانوں کی سمجھ میں نہیں آیا ۔ انسان جب اس مقام پر پہنچتا ہے تو عبد ہوجاتا ہے کیونکہ انسانیت کی حالت میں داعی شر بھی اسکے ساتھ ہوتا ہے ۔ مگر عبودیت کاملہ کی حالت میں صرف اُس میں ایک ہی محبت باقی رہجاتی ہے ۔ پس یہاں یہ بتلایا ہے کہ عبد کامل اور معبود کامل کے تعلق سے تو نور پیدا ہوتا ہے جس سے ایک سکینت اور استقامت اور پوری راحت پیدا ہوتی ہے اور وہ یفعلون ما یومرون کے گروہ کا بھی مخدوم ہو جاتا ہے اور مسجود بنتا ہے اس مقام پر پہنچکر وہ اپنی خلقت کا اصل لباس پہن لیتا ہے جسکو عبد کہتے ہیں ۔ اور ناری حصہ بالکل اُس سے جُدا ہو جاتا ہے ۔ اسی لئے وہ شیطان کے حصے سے بچ جاتا ہے اور ان عبادی لیس لک علیہم سلطان کے نیچے آتا ہے ۔ لیکن اگر معبودات باطلہ سے تعلق پیدا کرے تو چونکہ دو چیزوں کا باہمی تعلق تو ایک تیسری چیز پیدا کریگا پس اُس تعلق سے نار پیدا ہوگی جو دل میں ایک سوزش اور روح کی جلن کا باعث ہوگی ۔ اسی حالت پر پہنچکر ناری پیدایش کا وجود ہو جاتا ہے ۔ اور خدا سے دور ہوکر ہلاک ہو جاتا ہے یا صاف اور کھلے لفظوں میں یوں کہدو کہ وہ شیطان ہو جاتا ہے اور یہی وہ حالت ہوتی ہے کہ جہاں یہ ناری پیدایش کا پتلا خلقتنی من نار و خلقتہ من طین کہہ اُٹھتا ہے ۔

ہمارے

خیال میں وقودھا الناس والحجارۃ کی یہ توضیح کافی ہے مختصر طور پر اسمیں النار کی حقیقت آگئی ہے مگر کسیقدر صراحت اور کیئے دیتے ہیں

وا تقوا النار کیوں فرمایا ؟ نظر نہ لانے پر النار سے ڈرایا ہے ۔ اس سزا کو کیا مناسبت ہے ؟ قرآن کریم میں اعمال اور اُن کے نتایج میں خاص قسم کی مماثلت ہے ۔ چونکہ یہاں مقابلہ ہے اسلئے دو چیزوں کی رگڑ سے آگ ہی پیدا ہوتی ہے ۔

دوم اسمیں اُس عظیم الشان فیصلہ کن جنگ کی طرف بطور پیشنگوئی اشارہ ہوگیا ہے جسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہلاک ہونیوالے تھے چنانچہ جنگ بدر میں بڑے سرکش دشمن نار حرب کا طعمہ ہوئے ۔ اسیوجہ سے الجحیم السعیر یا کوئی اور لفظ نہیں فرمایا ۔ بلکہ عام لفظ رکھکر مخصوصاً ہلاکت در جنگ کی طرف اشارہ فرمایا ہے ۔

سوم اس سے جہنم کے وجود پر دلیل قایم فرمائی کیونکہ دنیا میں اُن ناقدر شناس مخالفوں نے نور اللہ کی مخالفت کا نتیجہ پالیا ۔

اُعدت للکٰفرین کے مقام پر امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت قرآن مجید میں بہت ڈرانیوالی آیت ہے ۔ کیونکہ آگ تو کافروں کے لئے ہے ۔ جیسے جہلخانہ نادانوں اور جاہلوں کے لئے ہے ۔ پس اگر کوئی عالم جہلخانہ میں داخل ہو تو کسیقدر شرم کی بات ہے اسیطرح سے آگ یا جہنم کافروں کے لئے ہے ۔ پس کسقدر بُری بات ہے کہ وہ جسنے اس نعمت کا اقرار کیا ہے جہنم میں جاوے ؟!

اللھم اغفرلی من النار وقنا ربنا عذاب النار ۔ آمین ۔

الغرض

اس آیت میں قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے ۔ اُسکی عظمت ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قابل تقلید پاک زندگی ۔ آپکی کامیابی ۔ دشمنوں کی ہلاکت اور ذلت کی تباہی کی پیشینگوئی کی گئی ہے جو قیامت تک ہر زمانہ میں نئے نشان اور نئے رنگ میں پوری ہو رہی ہے ۔

وبشر الذین امنوا وعملوا الصٰلحٰت ان لھم جنٰت تجری من تحتھا الانھار کلما رزقوا منھا من ثمرۃ رزقا قالوا ھٰذا الذی رزقنا من قبل واتوا بہ متشابھا ولھم فیھا ازواج مطھرۃ وھم فیھا خالدون (ترجمہ) اور بشارت دیدے اُن لوگوں کو جنھوں نے مان لیا (اور یہ ماننا صرف اقرار باللسان ہی تک محدود نہیں کیونکہ ایسا ماننا تو منافق میں بھی ہو سکتا ہے بلکہ حقیقی ایمان یہ ہے کہ اُنہوں نے دل سے مان کر اپنی عملی حالت سے اُسکا ثبوت یوں دیا) کہ افعال حسنہ اور اعمال صالحہ کر دکھائے ۔ ایسے مومنوں کے لئے باغ ہیں (یہ باغ تو اُس ایمان کا ثمرہ ہیں جسپر دم مرتے دم تک قایم رہے ۔ اور اعمال صالحہ کی جزا یہ ہے کہ اُس جنت کے سدا بہار رکھنے کے لئے) اور ۔ اُن کے نیچے سے ندیاں جاری ہیں ۔ جبکہ اُنہوں نے اُسکے پھلوں کو چکھا تو بول اُٹھے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جنکو ہم پہلے بھی کھا چکے ہیں ۔ اور ایک ایک عمل کے بدلے کئی جزائیں

بھی ہو سکتے ہیں اس کی توضیح ہم ذیل میں کرتے ہیں۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

الحق تیرے رب کی طرف سے ہے پس اے مخاطب تو شک لانے والوں میں مت ہو۔

اس سے پچھلی آیت میں اہل کتاب کو یوں کہکر ملزم کیا ہے وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ

الحق اپنے زور اور شوکت کے ساتھ یوں ظاہر ہو گا کہ اہل کتاب کو پتہ لگجائے گا لَيَعْلَمُوْنَ کے لفظ میں غور کرنا چاہیے کہ اول میں ل تاکید کا موجود ہے اور يعلمون اپنے اندر پیشگوئی کا رنگ رکھتا ہے۔

ازالہ وہم اس آیت میں بھی مخالفوں نے اپنے قصور فہم سے فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکر اعتراض کر دیا ہے کہ معاذ اللہ آپ کو اپنی رسالت حقہ کے متعلق کوئی شک تھا۔ اس آیت کی ترتیب جو پہلی آیتوں سے تعلق صاف بتا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہیں کہا جاتا اور اگر بفرض محال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے متعلق ہو تو اس کا ترجمہ صاف ہے فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ پس تو ہرگز ہرگز کبھی بھی شک کرنے والوں میں سے نہ ہوگا۔ مگر یہ عام ہے یعنی ہر ایک مخاطب کو کہا جاتا ہے کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت حقہ پر ایک دلیل ہے جس کا بیان ہم ابھی ذیل میں کرتے ہیں۔

الحق سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور قرآن کریم کے مختلف مقامات سے یہ ثابت ہو چکا ہے۔ یہ بات کہ یہ آیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک دلیل ہے اس طرح پر سمجھمیں آسکتی ہے قرآن کریم پر غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ نبوت کے مسئلہ کو جہاں بیان فرمایا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو ضرور بیان کیا ہے یہ اسلیے کہ نبوۃ ربوبیت کے پرتو کے نیچے ہوتی ہے اور سلسلہ نبوت اپنے اندر ان صفات کو جذب کرتی جاتی ہے جو سورۃ الفاتحہ میں بیان ہوئی ہیں۔ وہاں تقدیم ربوبیت ہی کو ہے اسلیے اولاً ربوبیت کے نیچے ہوتی ہے اور اسمیں سر یہ ہوتا ہے کہ ربوبیت تدریجی طور پر کمال کو پہونچاتی ہے اسلیے اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ جب فرمایا تو بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنکا دوسرا نام الحق ہے اپنے رب کیطرف سے آیا ہے اور خدا کی یہ صفت فی نفسہ تکمیل کو چاہتی ہے اسلیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامیاب ہو جانا اور اپنے کمال کو پہونچنا ہی آپکی رسالت کی دلیل ہے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جسقدر کامیابی اور کمال حاصل ہوا اسکی نظیر مادر زمانہ پیدا نہیں کر سکی اور نہ کر سکے گی۔ اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ نے ربوبیت کی تصدیق کر دی بے ریب اسی ربوبیت کی شان کا نتیجہ تھا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کی صدا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہونچی۔ اگر یہ بات سچ ہے کہ الحق میں اسقدر زور ہوتا ہے کہ کوئی توپ و تفنگ اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی تو یقیناً سمجھلو کہ کلام ربانی کی یہ صداقت بھری حقانی آواز جو مخالف دنیا کے کانوں میں اُسوقت پہنچائی گئی جب مکہ کے شدائد و مصائب کا پورا زور تھا اور پھر پوری ہوئی پھر یہ تو مخالفین کے اسکات و افحام کیلیے ہزار ہا اسلحہ اور آلات سے بڑھکر حکم رکھتی ہے قرآن شریف اپنی سچائی کو کوئی چھپ چھپا کر بیان نہیں کرتا بلکہ میدان میں کھڑے ہو کر فوق الفوق قوت صداقت سے اپنے دشمنوں کو نیچا دکھاتا اور اُن سب کی مخالفانہ طاقت کو خاک میں ملا دیتا ہے کون حملہ آور ہے جو کلام الٰہی کی قوت کے سامنے ٹھیر سکا؟ کونسا حریف ہے جو حقانی طاقت کے مقابلہ میں اڑ سکا۔ جس شخص نے اس خدائی کام کا مقابلہ کیا اُس کا انجام وہی ہوا جو نیچرل طاقتوں کے خلاف کوشش کرنیوالوں کا ہوتا ہے مشرکوں۔ یہودیوں۔ عیسائیوں اور ہر گروہ کے مخالفوں نے جان توڑ کوششوں سے اس الٰہی چٹان کا مقابلہ کیا لیکن سب کے سب چکنا چور ہو گئے ہاں سچ ہے۔

یہ وہ پتھر ہے کہ جو اسپر گرا چکنا چور ہو گیا اور جسپر یہ جا کر گرا اُسے پیس ڈالا (متی ۲۱/۴۴)

تو اس آیت میں الحق سے مراد وہی الحق ہے جسکی حقیت کی تمام انبیا گواہی دیتے چلے آئے ہیں یہ وہی آفتاب صداقت تھا جو آخر کار انوار نبوت کا خاتم ہو کر فاران کی چوٹیوں پر سے جلوہ گر ہوا وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اُسکے داہنے ہاتھ میں ایک شریعت تھی (استثنا ۳۳/۲) جس نے الباطل کے خس و خاشاک کو دم بھر میں جلا کر راکھ کر دیا

۱۶۵

رکوع ۱۷ / ۱

ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے پڑھنے والے اس مقام پر غور کریں۔ بارہا خود ہمارے دل میں یہ خیال آیا کہ اس غدار دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر کسی جنگل و بیابان میں نکل جائیں اور عبادت الٰہی کا مزہ اٹھائیں۔ مگر اتفاقاً ہم نے اس خیال کا اظہار اپنے مخدوم و محسن حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب سلمہ ربہ سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ "یہ مومن کی شان سے بعید ہے"۔ اول اسلام رہبانیت کو منع کرتا ہے۔ مومن کا کام اطاعت ہے۔ اور اسلام ہی ہے فرمانبرداری اور رہبانیت اسکے خلاف منشا۔ دوم دنیا میں جسقدر کامل انسان گذرے ہیں۔ اور جنکو نبی یا رسول کہتے ہیں انہوں نے اسی دنیا میں انہیں لوگوں میں رہکر کمال حاصل کیا ہے۔ سوم خلوت بیشک اچھی اور پسندیدہ چیز ہے مگر اسلام کا احسان عام ہے کہ اُسنے اپنے ماننے والوں کو جلوت و خلوت میں خداتعالےٰ سے تعلق پیدا کرنیکی ہدایت فرمائی۔ یومنون بالغیب میں یہ تر موجود ہے۔ اسکے علاوہ عام نمازوں میں انسان جلوت کا رنگ رکھتا ہے۔ اور تہجد کی نماز اسکی خلوت کی نماز ہے۔ اسوقت وہ اور اُس کا خدا ہوتا ہے جسقدر چاہے عرض حال کرے۔" نیز صدہا قوتیں تعلقات سے نشو و نما پاتے ہیں۔

حضرت مولانا کی اس مختصر تقریر نے ہم کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ اور اسی لئے ہم نے اس موقع پر اسکو تذکرةً درج کر دیا ہے۔

بہرحال ایمان اور کامل ایمان کی حقیقت آپکے ان فقرات سے ہم پر کھل گئی اور معلوم ہوگیا کہ اخلاق فاضلہ رہبانیت کی صورت میں حاصل نہیں ہو سکتے۔

اور اس مقام پر من تحتہا الانہار میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ندیاں درختوں کے نیچے سے بہتی ہونگی تاکہ دوسروں کو بھی سر سبز کریں اور دنیا میں یہ امر بالمعروف کا نمونہ ہے اور یہ نعمت اور برکت اسی امت محمدیہ علیہ الصلوٰة والسلام کو نصیب ہوئی ہے کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف الایة۔ چونکہ امر بالمعروف کی وجہ سے جس قدر انسان نیک ہو جاتے ہیں وہ بھی اُن کا اجر پاتا ہے جس سے اسکے مدارج میں ترقی ہوتی ہے۔ پس قیامت میں بھی داخل ہوکر وہ امر بالمعروف جو اعمال صالحہ کی ایک شاخ ہے بہتی ندیوں کی صورت میں متمثل ہوگا۔

رزقنا من قبل کی حقیقت جنت الخلد میں جب مومن اور صالحین اثمار شیرین کو کھائینگے تو اُن کے ذائقہ اور مزہ سے تاڑ جائینگے کہ یہ وہ قسم اثمار ہم نے پہلے بھی کھائے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ ہم **رزقنا من قبل** کی حقیقت پر بحث کریں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس وہم کا ازالہ کردیں جو بعض نافہم لوگوں نے کیا ہے کہ "اگر بہشت بھی کھانے پینے اور حظوظ نفسانی ہی کا گھر ہے تو اس دنیا پر اُسے کیا تفوق ہوا"۔ ہم اس کا جواب یہاں ہم مختصر طور پر دیں گے اور آگے چل کر وضاحت کرینگے۔ یہ بات خوب سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ دنیا جسمیں ہم رہتے ہیں درحقیقت اُس عالم اخروی کی ایک ظلی تصویر ہے جو کچھ اس دنیا میں ہم ایمان اور اُسکے نتائج کفر اور اُسکے کیفر دیکھتے ہیں وہ مثالی رنگ میں ہیں اور اُن تو ایک حقیقت اور روایت اپنی اندر رکھیں گے۔

اور یہ امر کوئی تعجب کا امر نہیں ہے۔ دیکھو ہم خواب میں کیونکر اشکال مختلفہ و مجسمہ کو دیکھتے ہیں کبھی مُردوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ کبھی غیر مادی اشیاء کا مادی وجود دیکھتے ہیں۔ حالانکہ حواس کا تعطل بھی ہوتا ہے اور کبھی خواب میں کھاتے پیتے بھی ہیں۔ اور سیر ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ نفس الامر میں ایسا نہیں ہوتا۔ مگر اُن کے مزہ اور ذائقہ سے پورا حظ اٹھاتے ہیں۔ اور عالم بیداری میں جسمانی طور پر اُن اشیاء کو کھاتے پیتے ہیں اسی طرح پر یہ عالم عالم آخرت کی ایک مثال اور تصویر ہے جو چیزیں ہم یہاں کھاتے پیتے ہیں وہ اُس عالم کی اشیاء کا ظل ہیں۔ اور وہاں وہ حقیقی طور پر موجود ہونگی۔ غرض یہ کوئی حیرت اور تعجب کی بات نہیں۔

علاوہ ازیں جبکہ علت و معلول کا سلسلہ ایک نامتناہی سلسلہ معلوم ہوتا ہے اور ہر فعل پر ایک نتیجہ مترتب ہوتا ہے۔ اور پھر وہ نتیجہ کسی دوسرے فعل کا باعث بنتا ہے۔ اس طرح پر اعمال و افعال میں ایک قسم کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ خواہ وہ بد ہوں خواہ نیک۔ اور ایسا ہی جزائے اعمال میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور یہ صرف صرف اسلام ہی کا فخر ہے کہ اُسنے اس راز کو کھولا ہے اور یہی بھید **مالک یوم الدین** کی صفت کے تحت میں ہے کہ ہر آن ایک جزا مل رہی ہے۔ پس اُسوقت کی جزا کامل افعال کا نتیجہ ہوگی۔ وہ اُسیقدر کامل ہوگی۔ اور ہمارا مذہب ہے کہ بہشت میں بھی اعمال کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا۔ سلسلۂ اعمال جنت کے بعد اور جزائیں علے قدر مراتب ملتی رہینگی۔ ان ساری باتوں کے سوا ایک اور بات جو ہم اس بحث کے متعلق کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ بات نہایت بدیہی اور عند العقل مسلم اور قرین انصاف ہے کہ جبکہ انسان دنیا میں ارتکاب جرایم یا کسب خیرات اور اعمال صالحہ کیوقت صرف روح ہی سے کوئی کام نہیں کرتا۔ بلکہ روح اور جسم دونوں سے کرتا ہے ایسا ہی جزا و سزا کا اثر بھی دونوں پر پڑتا ہے یعنے جسم اور روح دونوں کو اپنی اپنی حالت کے مناسب پاداش اخروی سے حصہ ملتا ہے جن احمقوں نے اس قسم کے اعتراض کیے ہیں افسوس ہے کہ وہ بجائے خود سزا کی حالت میں تسلیم کرتے ہیں کہ سزا اسی روح مع جسد کے مرکب مجموعہ کو ہوگی۔ مگر راحت کی حالت میں یہ اصول بھول جاتے ہیں۔

* فٹ نوٹ - یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ بدیاں جب انتہا تک پہونچتی ہیں تو وہ دوسری بعض بدیوں کی مصلح بھی ہو جاتی ہیں جیسے شراب جب حد سے زیادہ متعفن ہو جاوے تو دوسری چیزوں کو متعفن ہونے سے بچا لیتی ہے اور آپ بھی متعفن نہیں ہوتی - منہ

پیشگوئی کی طرف بھی ایما ضرور پایا جاتا ہے۔ خصوصاً سیاق اور سباق پر نظر کرنے سے اور بھی وضاحت ہوتی ہے کیونکہ اول لتکونوا شہداء علی الناس فرمایا اور آخر میں اہل کتاب کو اس نشان کے ساتھ ملزم کیا ہے

[illegible]

اہل کتاب کو جو اس میں ملزم کیا ہے یہ ان بشارات اشارات ہیں جن کا کسی قدر ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں خصوصاً مثیل موسیٰ کی بشارت کی طرف کیونکہ وہ تو خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہد ہونے پر دلالت کرتی ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا

چونکہ انھوں نے باوجود اس علم اور معرفت کے انکار کیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے انجام سے اطلاع دیدی مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ یعنی وہ وقت قریب ہے کہ تم اپنی کرتوتوں کا بدلا پاؤ گے

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۘ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۠ ع

ترجمہ اگر تو اہل کتاب کے سامنے کل نشان بھی پیش کرے (تب بھی)، وہ تیرے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے اور نہ تو ان کے قبلہ کی پیروی کرے گا۔ اور ان میں سے بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے اور اگر تو اے مخاطب! بعد اس کے کہ تجھے علم دیا گیا ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو بے شک تو بھی ظالموں میں سے ہو جائے گا۔

164 وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے وہ اس کو یوں پہچانتے ہیں جیسے اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو البتہ **الحق** کو چھپاتا ہے اور وہ جانتے بھی ہیں **الحق** تیرے رب کی طرف سے ہی ہے پس اے مخاطب تو شک لانے والوں میں سے مت ہو۔

ان آیتوں میں اسی سلسلہ میں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اہل کتاب پر حجت پوری کی جاتی ہے۔ کیونکہ اہل کتاب مثیل موسیٰ کی بشارت کو پڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے نشانات دیکھ چکے تھے

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ* یہاں خطاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت تو مولیٰ کریم پہلے ہی ارشاد فرما چکا ہے وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ (اور تو ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والا نہیں) اور علاوہ اس کے وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ میں بعض پر واقع ہے اس لیے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ یہ الگ مضمون ہے جو ہر ایک مخاطب کے لیے ہے یعنی جب کہ ان اہل کتاب کے ظلم و زور کا علم ہو چکا ہو اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص ان کی ہوا کی اتباع کرے تو وہ ضرور ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ اور اہل کتاب کے ظالم ہونے کی وجہ بتائی۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۘ یعنی وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی اس حق (قبلہ) کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو (یا ابنہم) ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو عمداً حق پوشی کرتا ہے۔

الحق سے مراد قبلہ بھی ہے اس صورت میں قبلہ سے جو حضرت ابراہیم کے رسم و شعائر اللہ کا نشان ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر استدلال کیا گیا ہے اس لیے تحقق قبلہ پر بحث کی گئی ہے قبلہ کا وجود ثابت ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت خود بخود ثابت ہو گئی کیونکہ آپ کی نبوت متفرع ہو گی بیت ایل کے وجود کے تحقق پر۔ اور پھر **الحق** سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

*** **فٹ نوٹ** اس آیت کی تفسیر کے تطابقت کے لیے ہم اپنے ناظرین کو سپارہ اول کے رکوع نمبر ۱۲ کی ان آیتوں کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتے ہیں وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى الآیہ منہ

اُس سے ابتدائی مراحل مراتب میں جو ایمان کی ابتدا یا ادنیٰ درجہ متقی میں ہوتی ہے تو وہ اسلئے نہیں کہ اُسکی ہلاکت کا موجب ہو بلکہ اسلئے کہ اُسکو عجائبات قدرت کا نظارہ دکھائے - اور توبہ کا دروازہ اُس پر کھول کر اُسکی حقیقت اور کیفیت سے اطلاع دے - دیکھو اگر ایک آدمی چلتے چلتے کسی پتھر سے ٹھوکر کھائے تو آیندہ کے لئے اول تو اُس پتھر سے محتاط ہو جاویگا - دوسرے اُس پتھر سے ٹھوکر کھانیکے نتایج اور خود پتھر کی نسبت اُسکو ایک علم پیدا ہو جاویگا - بشرطیکہ وہ بالکل ہی اندھا یا لاپرواہ انسان نہو

یہی حالت ایک متقی - اور ابتدائی درجہ ایمان میں ایک سالک کی ہوتی ہے - اُس سے اگر کوئی خطا سرزد ہوتی ہے تو اسلئے نہیں کہ وہ ہلاک ہو جاوے - نہیں بلکہ اسلئے کہ تا وہ توبہ کی لذت سے آگاہ ہو - اور نیکی اور بدی اور اُن کے ثمرات میں امتیاز کرسکے - مومن خطا کے وقت اُس اضطراب کو محسوس کرتا ہے جو اُسکو اُس تھوڑی دیر کے لئے نیکی کی لذت کے کھوئے جانیسے ہوتا ہے - جیسے ٹھوکر کھانیوالے انسان کو درد ہوتا ہے - اس درد اور اضطراب میں اُسکو سچی توبہ کی توفیق ملتی ہے - اور اسطرح پر وہ ان الحسنات یذہبن السیئات کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے - توبہ بجائے خود ایک نیکی ہے اور پھر دوسرے نیک آثار مترتب ہوتے ہیں -

اسمقام پر شیطان کے وجود پر اعتراض کرنے والے بھی ذرا غور کریں اور سوچیں کہ اُسکے وجود سے فایدہ ہے یا نقصان !!!

پس مومن کو مایوس ہونا چاہیئے اور کسی کمزوری کو پاکر یا کوئی ٹھوکر کھاکر ایسی مایوسی نہیں ہونی چاہیئے جو آیندہ کے لئے دلیر کردے - کیونکہ مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا - یہ نابکار کافر کا کام ہے کہ وہ خدا کے فضل سے مایوس ہو جاتا ہے -

اب ہم پھر اصل مضمون کی طرف رجوع کرکے کہتے ہیں کہ اعمال صالحہ کے بدون ایمان ایک بیج کی طرح ہے جو زمین میں گاڑا گیا ہے لیکن اُس کی کسی قسم کی نگہداشت نہیں ہوئی - نہ پانی دیا گیا اور نہ اور ضروری اسباب سے کام لیا گیا پس اُس سے کسی بارآور درخت کے پیدا ہونیکی کوئی توقع نہیں ہوسکتی - پس اعمال صالحہ ایمان کے لئے آبپاشی کا کام دیتے ہیں - لہٰذا کوشش ہونی چاہیئے کہ اس بارآور بیج کو ضایع نہ کریں بلکہ عمدہ زمین اور نہایت پاکیزہ کوشش سے طوبیٰ جنت بناویں - ہم ایسا ایمان پیدا کریں جو حسن ظن سے شروع ہوتا ہے - اور اعمال صالحہ سے اُسکی پرداخت کریں -

ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا میں مناسبت اس امر کو ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ قرآن کریم نے اعمال انسان کے نتایج میں ایک مناسبت رکھی ہوئی ہے اور یہ فخر قرآن کریم ہی کو حاصل ہے - دوسرا کوئی مذہب ایسی نظیر نہیں دکھا سکیگا - مثلاً ایک تناسخ کے ماننے والا اگر چوری کی سزا چوہے یا کسی اور جانور کی جون میں قرار دیوے تو بتلاؤ اُس سے کیا فایدہ اور کیا نسبت ؟ مگر اسلام ہے کہ چور کی سزا قطع ید بتلاتا ہے اسلئے کہ چوری کا مادہ ہاتھوں کے ذریعے سرزد ہوا - یا یہ کہ چوری کرنے والا انسان کبھی دولتمند نہوگا - وغیرہ وغیرہ - قرآن کریم کا یہی پاک طرز ہے -

اعمال صالحہ کی جزا میں بھی مناسبت ہوتی ہے - اسمقام پر ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا جنّٰت تجری من تحتها الانهار قرار دی ہے - اب دیکھو کہ کیسی موزوں جزا ہے - ایمان بھی جیسا ہمنے بیان کیا ہے ایک بیج کی طرح ہوتا ہے جو ارض دل میں بویا جاتا ہے - قرآن کریم کا یہ ایک لطیف طرز بیان ہے کہ وہ قلب انسانی کو ارض سے تشبیہ دیتا ہے جیسے فرماتا ہے یحی الارض بعد موتها - اور بہت سی مثالیں قرآن کریم میں ملینگی - اور جیسے تخم ریزی سے لیکر اُس تخم کے بارآور ہونے تک انسان کو عجیب عجیب قسم کی محنتیں اور مشقتیں کرنی پڑتی ہیں - اسیطرح ایک مومن کو کامل مومن بننے کے لئے ظالم لنفسہ ہونا پڑتا ہے - اب جسطرح پر تخم ریزی کا نتیجہ ایک خوشنما لہلہاتا ہوا بودہ ہوتا ہے اور جیسے اُس بیج میں درخت کا کل حصہ مخفی ہوتا ہے - اُسیطرح ضرور ہے کہ ایمانی بیج کا نتیجہ ایک جنت ہو اور ایمان صالحہ کی قوت اُسکے اندر موجود ہو - پس یہ جزا کیسی موزوں جزا ہے - اعمال صالحہ کا اجراء اُس درخت کو سرسبز رکھنے کے لئے نہروں کی شکل میں متشکل ہو جاویگا -

من تحتها الانهار میں لطیفہ قرآن کریم چونکہ ایک کامل کتاب ہے اسلئے بھی وہ بےمعنی اور بیفایدہ الفاظ استعمال نہیں کرتی - اسجگہ بظاہر تحتها الانهار سے بھی یہی مطلب نکل آتا تھا جو مِن کے ایزاد سے پایا جاتا ہے - اسلئے سرسری نظر سے دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس مِن کی کیا ضرورت ہے - لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس مِن کی تہ میں ایک لطیف بات مرکوز ہے - یعنے **اُن کے نیچے سے ندیاں بہتی اور نکلتی ہیں** -

کامل ایمان کا درخت دو عظیم الشان شاخوں سے بنتا ہے (جسکی بہتیری شاخیں ہیں) ایک شاخ تعظیم لامر اللہ کے نام سے موسوم ہے اور دوسری شفقت علیٰ خلق اللہ کہلاتی ہے - اور اگر ان دونوں شاخوں میں سے کوئی بھی کامل نہ ہو تو پھر یہ لنڈورا درخت کامل طور پر شجر ایمان کا مصداق نہیں ہوسکتا - پس وہ گوشہ نشین راہب جو کسی تیرہ و تار غار میں بیٹھا ہوا بخیال خویش بھگتی اور پرمیشر کی استتی میں لگا ہوا ہے کامل نہیں بلکہ ادھورا اور ناقص ہے -

ידבר בשמי אנכי אדרש מעמו אך הנביא

یدبّیر بشمی انوکی ایدروش مےعمّو اک هنابیا

وہ کہے گا　میرے نام سے　میں اُس کا حساب　اُس سے لونگا　لیکن　وہ نبی

אשר יזיד לדבר דבר בשמי את אשר

اشیر یازید لدبّیر داوار بشمی ایت اشیر

جو　ایسی شرارت کرے　کہ کوئی کلام　میرے نام سے کہے　جو کہ

לא־צויתיו לדבר ואשר ידבר בשם

لوصوی تی لدبّیر واشیر یدبّیر بشیم الوهیم

میں نے اُسے حکم نہیں دیا کہ لوگوں کو سناتا اور وہ جو کلام کرے　دوسرے معبودوں کے نام پر

אלהים אחרים ומת הנביא ההוא

احی ریم ومیت هنابیا هـهو

وہ نبی مر جائے گا۔

۱۶۷
رکوع
۱

مثیل موسیٰ کی بشارت توراۃ میں۔

موسیٰ علیہ السلام کی پانچویں کتاب استثنا باب ۱۸ آیۃ ۱۷ سے شروع کرکے ۲۲ آیت تک یوں لکھا ہے "اور خداوند نے مجھے کہا کہ اُنھوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا　میں اُن کیلیے اُن کے بھائیوں میں سے تجھسا ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالونگا اور جو کچھ میں اُسے فرماؤنگا وہ سب اُنسے کہیگا۔ اور ایسا ہوگا جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سُنے گا تو میں اُسکا حساب اُس سے لونگا۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اُس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اُس سے مت ڈر۔"

یہ وہ بشارت ہے جسکی بنا پر قرآن کریم نے بڑے زور سے اس آیت میں دعویٰ کیا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ

ہاں

اب ہم کو صرف یہ بتلانا چاہیئے کہ اسلام نے جو جنت میں جسمانی راحتوں اور انعام کا ذکر کیا ہے۔ اور وعدہ دیا ہے اُسکی حقیقت کیا ہے؟
انسان چونکہ جسم اور روح دو مختلف چیزوں کی ترکیب سے بنا ہے۔ اور یہ مرکب وجود ہی افعال و اعمال کے صدور کا موجب ہوتا ہے اور کوئی دکھ یا سُکھ انسان مجرد روح یا مجرد جسم سے اٹھا نہیں سکتا۔ اسلئے خدا تعالےٰ نے اپنی کمال قدرت و عظمت سے یہ قرار دیا ہے کہ اس سچے پرستار کو جو اُسکی رضا جوئی کی راہوں پر صدق نیت سے چلتا ہے ہر ایک قسم کی نعمتوں سے متمتع اور بہرہ ور کرے۔ اور اس امر کا سمجھ لینا کہ خلقت انسانی کا کمال مجرد روح سے نہیں بلکہ جسم و روح کے امتزاج اور اختلاط سے ہے ایسا صاف اور بدیہی ہے کہ کسی دلیل کی حاجت نہیں جبکہ ہم صاف طور پر دیکھتے ہیں کہ جسمی اختلال سے روحانی اختلال بھی واقع ہوتا ہے مثلاً سر میں چوٹ لگجاوے تو تمام ذہنی اور دماغی قوتیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح پر قیاس کر کے سمجھ لو کہ روح کے کمال کے لیے جسمانی ترکیب کسقدر ضروری اور لابدی ہے پس جنت الخلد میں چونکہ روحانی کمال مطلوب ہے وہ بدون جسم ممکن نہیں

لهذا

وہاں بھی جسمانی اور روحانی نعماء کا ہونا لازمی اور قدرت ایزدی کا ایک ادنےٰ کرشمہ ہے۔ اور اگر اسکو باریک اور لطیف پیرایہ میں بیان کریں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ان حقایق اور معارف اور لذات روحانی کی طرف اشارہ ہے جو بہشت میں ملینگی۔ اور اُن کو جسمانی طور پر متشکل اور متمثل کر کے دکھایا گیا ہے جیسے انسان خواب میں غیر مادی اشیاء کو کبھی مادی اشیاء کے رنگ میں ملاحظہ کرتا ہے اور امور معقولہ کو محسوس کرتا ہے۔

قرآن کریم کے رو سے بہشت و دوزخ انہیں اعمال کے انعکاسات ہیں جو دنیا میں انسان کرتا ہے چنانچہ **لبشر الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت** الآیہ۔ جسکی کسیقدر تفسیر ہم اوپر لکھ گئے ہیں صاف طور پر ایمان کو باغ کے ساتھ مشابہت دی ہے جسکے نیچے ندیاں جاری ہیں پس واضح رہے کہ اسجگہ ایک اعلیٰ درجہ کی فلاسفی کے رنگ میں بتلایا گیا ہے کہ جو رشتہ نہروں کا باغ کے ساتھ ہے۔ وہی رشتہ اعمال صالحہ کا ایمان کے ساتھ ہے۔ جیسے کوئی باغ بدون پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا ویسے ہی کوئی ایمان بدون اعمال صالحہ کے زندہ ایمان نہیں کہلاتا۔ اگر ایمان ہو اور اعمال نہوں تو وہ ایمان ہیچ ہے۔ اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہو تو وہ اعمال ریاکاری ہیں۔ اسلامی بہشت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان و عمل کا ایک ظل ہے۔ وہ کوئی چیز ایسی نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملیگی۔ بلکہ انسان کی بہشت انسان کے اندر ہی سے نکلتی ہے۔ اور ہر ایک کی بہشت اُس کا ایمان اور اُسی کے اعمال صالحہ ہیں جنکی لذت اسی دنیا میں شروع ہو جاتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں اور نہریں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہونگے۔ خدا کی پاک تعلیم ہمیں یہی بتلاتی ہے کہ سچا پاک اور مستحکم اور کامل ایمان جو خدا اور اُسکی صفات اور اُسکے ارادوں کے متعلق ہو وہ بہشت خوشنما اور باردرخت ہے اور اعمال صالحہ اسکی نہریں ہیں۔

غرض

جبکہ اس دنیا کے اعمال کا انعکاس ہی بہشت میں ہے تو پھر ہر ایک قسم کی نعمتوں کا ہونا ضروریات سے ہے گویا جسقدر قوائے اور طاقتیں انسان کے اندر موجود ہیں۔ اور ہر ایک طاقت جبکہ بجائے خود اخلاقی حالتیں ہیں۔ اور ہر قوت میں نیکی کے بیج مرکوز ہیں۔ تو جس قوت سے جس قسم کی نیکیاں صادر ہوں اُسکے مثل جزا بھی ملیگی۔ مثلاً جبکہ غضب کی ایک قوت انسان کو دیگئی ہے۔ اور وہ اس غضب کے مقابلہ میں حلم سے کام لیتا ہے اور یوں ایک نیکی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسلئے اسکی جزا جنت میں ایک برودت۔ سکینت۔ اور دل کی ٹھنڈک ہی ہوگی۔ اسیطرح پر ہم بفضلہ تعالےٰ بیان کر سکتے ہیں کہ نعمائے جنت کسطرح پر انسان کے اعمال اور قوٰے کے بالمقابل رکھی گئی ہیں۔ مگر مندرجہ بالا ایک مثال ہی طالب حق کے لئے کافی ہے۔

اب

جبکہ یہ ثابت ہوچکا کہ جنت میں انعام جنت ہر ایک قسم کی نعمتوں پر مشتمل ہونگی جو روح کی فطری خواہش اور جبلی طلب کے پورا کرنیکے لئے ضروری ہیں تو پھر ہم **ولهم فيها ازواج** کے مسئلہ پر بحث کرتے ہیں۔ اور یہ بتلاتے ہیں کہ ازواج کا جو وعدہ کیا گیا ہے اسمیں کیا راز ہے۔ یہ امر تو مسلم الثبوت ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ اور وہ فطرتاً کسی دوسرے رفیق کو چاہتا ہے اور ایسا رفیق جو ہر طرح سے رفیق اور زوج کہلانیکا مستحق ہو۔ پس اللہ تعالےٰ نے انسان کی اس فطری خواہش کو پورا کرنیکے لئے جنت میں اُسکے لئے رفیق بنائے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں سب سے زیادہ افسوس کے قابل حالت اہل کتاب کی تھی اور ان آیات میں انکو ہی ملزم کیا جاتا ہی جنہوں نے جان بوجھکر اس سچے **فارقلیط** (یوحنا ۱۴/۱۶) **مثیل موسیٰ** (استثنا ۱۸/۱۸) کا مقابلہ کیا جوانکا حق نہ تھا خاصکر یہودی جو مسلمانوں کیلیئے اشد الناس عداوۃ ہوگئے تھے اور بالکل دیدہ و دانستہ حقکو پہچان کر اس آلٰہی نور کے بجھانے اور حقانی طاقت کے مقابلہ کیلیے الحق کے مٹانے اور نور آلہی کے بجھانے میں ہزار در ہزار حرکات مذبوحی کیں لیکن آخر کار مرغ بسمل کیطرح پھڑپھڑا کر رہ گئے اس ضدی حاسد اور خدا کی مغضوب قوم نے جو شروع سے سچے نبیوں کے قتل کی عادی اور تکذیب پر دلیر تھی ابتداءً عادت قدیمہ کیموافق چاہا۔ کہ آؤ اس خدا کے برگزیدہ سید الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کر کے بھی دیکھ لیں لیکن باوجود جان توڑ کوششوں اور غریب آمیز جوڑ توڑوں کے اس حقانی قوت کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے بلکہ اس مضبوط پتھر پر گر کر آپ چکنا چور اور ہباءً منثورا ہوگئے (متی ۲۱/۴۴) فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۔ (سورۃ البقرہ)

تب کیا ہی سچ ثابت ہوا اللہ تعالی کا یہ قول کہ ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لیکے کہیگا نہ سُنیگا تو میں اُسکا حساب اُس سے لوں گا (استثنا ۱۸/۱۹) اور جسکا اشارہ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ میں موجود ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالی بار بار فرماتا ہے کہ یہ لوگ الحقّ کو جانتے ہیں بلکہ بیٹوں کیطرح پہچانتے ہیں لیکن صرف بغی اور حسد کیوجہ سے الحق کو چھپاتے اور لوگونکو راہ حق سے ہٹاتے ہیں ہمنے اوپر کہدیا ہے کہ یہ ایک زبردست دلیل حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی رسالت حقہ کی صداقت میں ہے یہاں تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ اور غور کرو کہ رسول امین کے صادق اور مصدوق ہونیکے لیے ساری دنیا کیواسطے یہ دلیل کافی ہے کہ کوئی شخص اصلیت کے بغیر اپنے مخالف کو ایسا نہیں کہہ سکتا۔ نہ ایسی جرأت اور دلیری کے ساتھ حریف کو اسطرح الزام دے سکتا ہے بلاشبہ یہود لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات اور حالات سے جو کتب سابقہ میں مفصل موجود تھے واقف تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ ثانی نے جب عبداللہ بن سلام سے اس آیت وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَھُمْ کی تفسیر پوچھی تو آپ نے کیا صداقت سے بھرا ہوا جواب دیا کہ ہمیں اس نبی کی معرفت اپنے بیٹوں سے بڑھکر ہے بیٹے کے اصلی اور حقیقی ہونے میں احتمال کا امکان ہے مگر اس نبی کے صادق و مصدوق ہونے میں مطلق شک و شبہ کی گنجایش نہیں کیا وجہ کہ حضرت عبداللہ بن سلام تورات سے بخوبی واقف تھے اور انکو وہ استثنا باب ۱۸ کی زبردست پیشگوئی معلوم تھی جسکی نسبت خدا تعالی نے یہاں فرمایا اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔

رکوع ۱۷/۱۶۶

کتمان حق کیا کرتے تھے

صفائی بیان کے لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہی کہ ہم اس امر کو بیان کر دیں کہ کتمان حق اُس شہادت حقہ کی نسبت فرمایا گیا ہی جو خدا تعالیٰ نے ابن عمران علیہ الصلوۃ والسلام کی معرفت ایک زبردست پیشگوئی رسول اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمائی تھی اسلیے پہلے ہم اس بشارت کو لکھتے ہیں اور پھر اُسپر مختصر سی بحث

נביא אקים להם מקרב אחהם כמך ונתתי

نابیا آقیم لاهیم مقریب احیهم کاموک و ناتتی

ایک نبی میں مبعوث کرونگا ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تیری مانند اور میں دوں گا

דברי בפיו ודבר אליהם את כל אשר אצונו

دباری بفی ودیبر الیهیم ایت کول اشیر اصوّینو

اپنا کلام اُسکے مُنہ میں اور وہ سنائیگا انھیں تمام جو کچھ کہ میں اُسے کہوں گا

והיה האיש אשר לא-ישמע אל דברי אשר

وهایاه هاایش اشیر لویشمع ال دبرے اشیر

اور ایسا ہوگا کہ وہ انسان جو نہ سُنے گا ان باتوں کو جو

جبکہ یہ بات بدیہی ہے کہ سوح مجرد رنج و راحت سے فایدہ نہیں اُٹھا سکتی ورنہ کوئی فعل کر سکتی ہے۔ پہر کسقدر شوخی ہے جو پاک اصول پر اعتراض کیا جاتا ہے
اسقدر بیان کے بعد اب ہم تبلانا چاہتے ہیں کہ رزقنا من قبل سے کیا مراد ہے؟ اوپر کے حصہ کو زیر نظر رکھنے سے یہ نتیجہ تو علےٰ وجہہ الاتم حل ہوجاتا ہے
کہ یہ دنیا در اصل اُس عالم عقبےٰ کا ایک تمثل اور عکس ہے۔ جیسے انسان آئینہ میں اپنی تصویر دیکھتا ہے تو وہ تمام خط و خال اُسمیں بلاتفاوت نظر آتے ہیں۔
حالانکہ وہ صرف عکس ہی عکس ہوتا ہے اور حقیقت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ اسیطرح ان نعمائے آلہی کا نمونہ اسی دنیا میں شروع ہوجاتا ہے۔ اور اسی کی طرف
ان آیات میں اشارہ ہے ولمن خاف مقام ربہ جنتان۔ اور مثل الجنۃ التی وعد المتقون۔ یعنے جو شخص اللہ تعالےٰ کے حضور کھڑا ہونیسے ڈرا اور
اسنے گناہ چھوڑ دیئے اُسکے لئے دو جنتیں ہیں۔ پس چونکہ جنت المخلد کا سلسلہ اسی دنیا سے شروع ہوجاتا ہے اور مثالی طور پر یہاں بھی اعمال صالحہ کی
جزائے حسنہ کا حظ انسان اُٹھاتا ہے اسلئے جب وہاں وہ جزا ملیگی تو چونکہ حواس اپنے کام سے معطل نہوں گے وہ نقشہ عالم مثال کا اُسکے سامنے آجاویگا
اور وہ تصویر آنکھوں میں پھر جاویگی جو آئینہ دنیا میں نظر آئی تھی۔ اسلئے کہہ اُٹھینگے رزقنا من قبل۔ اور اسکی تشریح مزید خود اللہ تعالےٰ نے اس سے
آگے واتوا بہ متشابھا میں فرمادی ہے۔ اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ اشیاء اور ثمار جو مثالی طور پر دنیا میں باعث حظ ہوتے ہیں
اب ایک ایک عمل کے بدلے کئی کئی ملینگی۔ بعض کوتاہ اندیشوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک عمل کی جزا ایک ملنی چاہیئے نہ ایک سے زیادہ!۔ افسوس اُنپر
جو قانون قدرت کو بظاہر اپنا معتقد ٹھہراتے مگر اُسپر نظر اور فکر کرنیسے جی چراتے ہیں!!!۔ وہ دیکھیں کہ کیونکر ایک دانہ زمین میں بویا جاتا ہے۔ اور اُس سے
ایک درخت پیدا ہوتا ہے جو مختلف رنگ کے اجزا اپنے اندر رکھتا ہے۔ کچھ حصہ ایسا ہے کہ چارہ بننے اور ضروریات کے کام آتا ہے۔ اور ایک حصہ ہے کہ
اسمیں سے ایک دانہ کی بجائے بہت سے دانے نکلتے ہیں۔ پہر اُس دانے میں پرورش کے مختلف اجزا اور غذائیت کے مختلف حصے ہوتے ہیں۔ اسیطرح اعمال صالحہ
شئے واحد نہیں ہوتے بلکہ اُن میں بہت سی چیزیں ہوتی ہیں۔ اور ہمارے خیال میں انسان کے جسقدر قوے ہیں ایک عمل کے صدور میں اُن سب کا
کچھ نہ کچھ حصہ ہوتا ہے۔ اور چونکہ ظاہری اور باطنی حواس کو دس تک شمار طور پر مانا ہے۔ اسلئے علی العموم ہر نیکی کا بدلہ دس نیکیاں ضرور ہوتا ہے اور اُس سے
جسقدر بڑھ جاوے وہ بھی یقینی ہے۔ اس مضمون پر اگر زیادہ غور کیجاوے تو محدود اعمال کی جزائے غیر محدود کا سوال اس سے حل ہوجاتا ہے۔ گو اسپر
مفصل بحث ابھی آتی ہے۔ سبقت رحمتی علےٰ غضبی خدا تعالیٰ کی وسعت رحمت پر دلیل ہے۔ پھر نعماء جنت کے بیان کے سلسلہ میں فرمایا
ولھم فیھا ازواج مطھرۃ وھم فیھا خالدون یعنے (کیا انسان جو فطرتاً کسی رفیق اور غمگسار کی صحبت اور مونست
چاہتا ہے بہشت میں جاکر کسی محبس و زنداں کی طرح یکہ و تنہا چھوڑا جاویگا۔ نہیں۔ بلکہ) اُس میں اُن کے لئے پاکیزہ رفیق ہونگے۔ (اور پھر یہ نہیں کہ
جیسا بعض نادانوں کا خیال ہے کہ پرمیشر مہاں پرلے کے وقت مکتی خانہ سے سب کو نکال دیتا ہے بلکہ) ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہینگے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس حصہ آیت پر بحث کرتے وقت اُن اعتراضات پر پوری روشنی ڈالیں جو ناعاقبت اندیش مخالفان اسلام نے کئے ہیں مگر اس سے
پیشتر کہ ہم اُن اعتراضات پر نظر کریں یہ ضروری معلوم دیتا ہے کہ بالاختصار ہم اس امر کو بیان کردیں کہ بہشت میں دنیوی نعمتوں کی طرز پر نعمتیں
کیوں ہونگی؟ اس اعتراض کے کرنے والے دو گروہ ہیں ایک عیسائی۔ دوسرے آریہ جن کے ساتھ ملے ہوئے اُنکی ناخلف ذریت نیچری بھی ہے۔
اول الذکر یعنے عیسائیوں کے لیئے تو ہم اتنا ہی کہینگے کہ کتب مقدسہ توریت و انجیل اس قسم کے وعدوں سے پُر ہیں۔ اور جنت کے انعامات کی
کسی حد تک ایسی ہی تشریح کرتی ہیں جو قرآن کریم نے فرمائی ہے دیکھو خروج ۲۵/۲۳ استثنار ۱۳۔ قاضی ۹/۱۲ متی ۶/۱۹ مکاشفات ۲۲۔ متی ۱۶/۲۸ وغیرہ۔
فریق ثانی جو کسی حد تک اپنے آپکو عقل پرست اور ابن النیچر قرار دیتا ہے اُن کے رفع اعتراض کی خاطر ہم بھی معقولی رنگ میں اس مضمون پر گفتگو
کرینگے۔ پس غور سے دیکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ چونکہ مالک یوم الدین ہے جسکا خاصہ اور تقاضا یہی ہے کہ اپنی ملکیت نامہ سے ایسے کامل طور پر جزا دیکر
کہ جزایاب کو کامل طور پر معلوم ہوجاوے کہ یہ اسکے اعمال کا ثمرہ ہے۔ اور اس جزا کا وجود ایسا ہو کہ انسان کے دل اور روح اور جسم اور جان پر اُس کا یکساں اثر
متحقق ہو۔ مگر وہ نادان اسکو کیونکر مان سکتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کو مدبر بالارادہ ہستی نہیں مانتے اور جو محدود نجات کے قایل ہیں۔ کیونکہ ان کے اعتقاد کے
موافق اگر ابدی نجات کسیکو دیجاوے تو پھر پرمیشر کی ساری پونجی ختم ہوجاتی ہے اور خدائی کا سارا تار و پود پراگندہ ہوجاتا ہے۔ اس موقع پر ضرور نہیں
کہ ہم آریوں کی ابدی نجات سے محرومی کے مسئلہ پر کوئی طویل بحث کریں۔ کیونکہ ان کے ہاں یہ مسلّم امر ہے کہ کسی راستباز کو کبھی بھی مرنے اور بار بار جنم
لینے سے نجات نہیں ہوسکتی۔ اور اس اعتقاد کی خرابیاں اظہر من الشمس ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ثابت ہونے کا صرف دعوی ہی نہیں کیا بلکہ کل مدارج طے کرکے سچا کر دکھایا۔ اور تمام امور مندرجہ پیشگوئی کو تسلیم کرکے بڑے دعوی سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی اسکا مصداق ممکن نہیں۔

امر اول ۔ بنی اسمٰعیل بنی اسرائیل کے بھائی ہیں جیسا کہ پیدائش ۱۶/۱۲ اور ۲۵/۱۸ میں ذکر ہے اور دیکھو قرآن میں آنحضرت کو حکم ہو

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ پ۱۹۔ س شعرا۔ ۱۱ع اسپر آنحضرت اپنی قوم کو حکم دیتے ہیں

(۱) وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ پ۱۷۔ س حج ۔ ۱۰ع ۔ اور محنت کرو اللہ کیواسطے جو چاہیے اس کی محنت اُس نے تمکو پسند کیا اور نہیں رکھی دین میں تمپر کچھ مشکل ۔ دین تمھارے باپ براہیم کا اُس نے نام رکھا تمھارا مسلمان حکم بردار پہلے سے۔

(۲) رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ پ۱۳۔ س ابراھیم ۶ع ۔ اے میرے رب میں نے بسائی ہے ایک اولاد اپنی میدان میں جہاں کھیتی نہیں ہے تیرے ادب والے گھر کے پاس۔

دیکھو قرآن نے صاف بتایا قرآن نے صریح کہا ۔ قریش لوگو! تم اپنے باپ ابراہیم کے مذہب کو اختیار کرو۔

امر دوم ۔ وہ نبی موسیٰ کا سا ہوگا اور قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہے۔

(۱) اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا پ۲۹ سورہ **مزمل** ۔ ۱ع ہم نے بھیجا تمھاری طرف رسول بتانیوالا تمھارا جیسے بھیجا رسول فرعون کے پاس ۔ اس میں دیکھو کہ **کما** اور **کجیسا** کا لفظ کیسے باہم متحد ہیں۔

(۲) قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ ۔ پ۲۶ ۔ س احقاف ۔ ۱ع ۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر یہ ہو اللہ کے یہاں سے اور تمنے اسکو نہیں مانا اور گواہی دیچکا ایک گواہ بنی اسرائیل کا اپنے مثیل کی بابت (علی مثلہ یعنی اپنے مثیل کی نسبت) **شاھد** کی تنوین واسطے تفخیم و تعظیم کے ہے اور لفظ **مِثْلِهٖ** قابل غور ہے۔

(۳) قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ پ۲۶ ۔ س احقاف ۔ ۴ع بولے اے قوم ہماری ہمنے سنی ایک کتاب جو اُتری ہو موسیٰ کے پیچھے سچا کرتی سب اگلیوں کو سمجھاتی سچا دین اور راہ سیدھی

نوٹ حضرت موسیٰ کا قصہ بتکرار و کثرت قرآن میں مذکور ہونا اس امر کا اشارہ اور اظہار کرتا ہے کہ قرآن **شریف** اپنے رسول نبی عربی کو مثیل موسیٰ ثابت کرتا ہے۔

امر سوم کی نسبت فرماتا ہے۔

(۱) وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۔ پ۲۷ ۔ س نجم ۔ ۱ع اور یہ نبی اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں بولتا مگر یہ تو وہی بات کہتا ہے جو اسپر خدا کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔

(۲) لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ پ۲۹ ۔ س قیامہ ۔ ۱۰ع ؛ چلا تو اُس کے پڑھنے پر اپنی زبان کہ شتاب اُسکو سیکھ لے وہ تو ہمارا ذمہ ہے اسکو سمیٹ رکھنا اور پڑھانا پھر جب ہم پڑھنے لگیں تو ساتھ رہ اُسکے پڑھنے کے پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اسکو کھول بتانا۔

(۳) وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ

انسانی سرور اور راحت دل کے لئے بیویوں کا ہونا ضروری ہے اور وہ بدون ازواج مطہرہ کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ پس ترقی مدارج اور حصول سرور تام کے لئے اس نعمت کا ہونا از بس ضروری تھا فتدبروا!

وھم فیھا خالدون | اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسمیں رہینگے۔ بعض نادان لوگوں نے جو خود نجات کے مفہوم سے بیخبر اور اسکے حصول سے مایوس مطلق ہیں اسپر اعتراض کیا ہے کہ "محدود اعمال کی جزا غیر محدود کیوں ہے" ہ اسکے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اولاً یہ بات تو بدیہی اور مسلم الثبوت ہے کہ روح میں ابدی نجات اور دائمی سکھ کی اضطراری پیاس موجود ہے۔ پھر یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ خدا تعالے نے کیونکر روح کو ایک فطری ضرورۃ عطا فرما کر پھر روح کو اس تقاضا کے موافق نعمت جسکی روح طالب ہے نہ دے۔ حالانکہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تمام فطری تقاضے پورے ہو رہے ہیں

ثانیاً۔ یہ ایک دعویٰ ہے جسکی کوئی دلیل نہیں دیجاتی۔ ہر محدود کام کا ثمرہ محدود ہو یہ کوئی ضروری بات نہیں ہے

ثالثاً۔ ہم دنیوی گورنمنٹ کے نظام میں بھی ایک نظیر پاتے ہیں کہ جب وہ اپنے کسی ملازم سے خوش ہوتی ہے تو اس کو اس تنخواہ کی علاوہ جو اس کی کارگذاری اور محنت کے معاوضہ میں اس کو دی جاتی ہے انعام بھی دیتی ہے اور پھر ایک مدت معینہ کی ملازمت کے بعد اس کو پنشن عطا فرماتی ہے اور بسا اوقات اس کی یہ پنشن نسلاً بعد نسلٍ بھی جاری رہتی ہے۔ پھر خدا تعالے نے حضور اگر نیکیوں کی پاداش میں ابدی نجات دی جائے تو استبعاد عقلی کیا لازم آتا ہے۔

رابعاً۔ ہم نے اس سے پیشتر بھی کسی موقع پر بیان کیا ہے کہ ہر ایک فعل پر ایک نتیجہ مترتب ہوتا ہے اور پھر وہ نتیجہ علت بنتا ہے اور اس سے ایک اور نتیجہ بنتا ہے غرض اس طرح پر علت و معلول کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ پس اعمال اور افعال بھی جو اس سلسلہ علت و معلول میں شامل ہیں بالکل بے انتہا اور غیر محدود ہیں اس لئے انکی جزا کو محدود کہنا دانشمندی کے خلاف ہے۔

خامساً۔ اللہ تعالے کی رحمت وسیع اور اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے چنانچہ فرمایا وسعت رحمتی کل شیٔ۔ اور سبقت رحمتی علی غضبی۔ پھر نجات جبکہ فضل الٰہی ہے جو بہر حال غیر محدود اور لا انتہا ہے۔ پھر اگر اللہ تعالے اپنی ان صفات کے رو سے لامحدود فضل کرے تو اس سے ذات پاک پر کیا اعتراض آتا ہے؟ ہوش کر کے بتلاؤ تو سہی!

کسی پر فضل کرنا یا انعام دینا اس کے تھوڑے سے عمدہ کام پر اس کی حیثیت سے بڑھکر جزا دینا تو کوئی ظلم نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی کے تھوڑے سے جرم پر زیادہ سزا دی جائے تو البتہ ظلم ہے۔ مثلاً ایک چور کو اگر پھانسی کی سزا دی جائے تو یہ ظلم ضرور ہے یا ایک قاتل کو چھوڑ دیا جائے تو یہ بھی ظلم ہے۔ لیکن اگر ایک دیانتدار کارکن کو اس قدر انعام دیا جائے جو خیال سے بھی باہر ہو تو یہ انصاف کے خلاف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جنت کے وعدوں کو ابد الآباد کے لئے رکھا ہے اور دوزخ کی سزا ایک وقت مقررہ تک ہے۔ خدا کے لئے ایک سلیم دل لیکر اسلام کی اس پاک تعلیم پر نظر کرو اور دوسرے مذاہب سے مقابلہ کرو۔!!

سادساً۔ بندہ کا عمل اعظم یہی ہے کہ وہ وفاداری ہاں لا انتہا وفاداری اور ابدی صدق سے ایمان لاتا ہے۔ اور اس کے تمام مراتب اور لوازم پر عمل کرتا ہے۔ اب اگر وہ وفات پا جاتا ہے تو اس کا کیا قصور ہے۔ یہ تو پھر نعوذ باللہ خدا پر اعتراض ہوگا۔ جو دہریوں کا کام ہے۔ اس نے اپنی زندگی کے طریق اور چلن سے اپنی سچی وفاداری کا ثبوت دیدیا۔ پس اس کے اعمال یوں بھی محدود نہ ہوئے۔ بلکہ غیر محدود ٹھہرے۔

سابعاً۔ اعمال صالحہ کی اصل تقسیم دو ہی ہیں۔ تعظیم امر اللہ کے واسطے ہوتے ہیں یا شفقت علی خلق اللہ کے لئے اور جنت میں دونوں قسم کے اعمال موجود ہیں۔ اول قسم کے لئے ارشاد الٰہی یوں ہے۔ دعواھم فیھا سبحانک اللھم وتحیتھم فیھا سلام وآخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین۔ اور قسم دوم یعنی شفقت علی خلق اللہ کے لئے فرمایا۔ ونزعنا ما فی صدورھم من غلٍ اخوانا علی سرر متقابلین۔ پس جبکہ جنت میں اعمال کا سلسلہ جاری رہا تو ان سے خروج کب ممکن ہو سکتا ہے۔

ثامناً۔ نجات کی اصل غرض اور حقیقت تو وہ لذت اور سرور ہے جو انسان ماسوی اللہ سے بکلی قطع کر کے اللہ تعالے کی محبت میں محویت حاصل کر کے پاتا ہے اور یہ مسلم بات ہے کہ محبت بجز معرفت کے نہیں ہوتی۔ چونکہ جنت میں سب نعمتوں کی سرتاج ذکر الٰہی ہے اور اللہ

کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ترجمہ ہمنے تمھاری طرف بڑا عظیم الشان رسول بھیجا ہے جو تم پر حکمران ہے یہ رسول اُس رسول کا مثیل ہے جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔

اس لحاظ سے کہ یہ بشارت صاف طور پر سمجھمیں آجاوے ہم اسکو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور فصل الخطاب مصنفہ حضرت حکیم الامۃ سے حصے لکھتے ہیں اول حصہ میں اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ بشارت خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے اور دوسرے حصہ میں یہ بیان کرینگے کہ جن لوگوں نے اسکو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہیں مانا اُنکے اعتراضات صرف دھوکا ہی دھوکا ہیں

بشارت کا پہلا حصہ کہ اسکے موعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں

موسیٰ مرد خدا نے اس پیشگوئی کو خدا سے حکم پاکر نہایت واضح اور مفصل طور پر جہاں تک ممکن تھا بیان کیا ہے اور نبی موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا پورا پورا نشان دیا ہے۔

اول اُس نبی کی قوم کو بتایا کہ وہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا۔

دوم وہ نبی مجھسا ہوگا (تشبیہ محل تامل ہے کہ کس امر میں موسیٰ سا ہوگا۔

سوم خدا کا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالا جائے گا۔

چہارم جو کچھہ باریتعالیٰ اُسے فرمائے گا وہ سب کچھہ کہدیگا۔

پنجم جو کوئی اُسکی مخالفت کریگا اور کہا نہ سُنیگا وہ سزایاب ہوگا۔

ششم اگر وہ نبی بدون حکم باری تعالیٰ کے کچھہ کہے تو وہ مارا جائے گا۔

ہفتم وہ نبی توحید کا واعظ ہوگا اور غیر خدا کی پرستش کا مانع ہوگا اگر غیر معبودوں کے نام سے کچھہ کہے تو مارا جائیگا۔

ہشتم اُسکی پیشگوئیاں پوری ہونگی اور جھوٹے نبی کی کوئی پیشگوئی پوری نہ ہوگی (کچھہ کے لفظ پر غور کرو جو بشارت کے اس فقرہ میں ہے (جب نبی کچھہ خداوند کے نام سے کہے)

نہم سچا اس قابل ہے کہ تو اُس سے ڈرے الا جھوٹا نبی چونکہ جلد ہلاک ہوجائیگا تو اُس سے مت ڈر۔ یہ چند امور ہیں جنپر ناظرین کو اس بشارت میں غور کرنا چاہیے

۱۶۸ رکوع ۱

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مثلیت کیلیے اپنی کوئی خاص صفت ان امور کے سوا بیان نہیں کی گو موسیٰ میں ہزاروں اور صفات ہوں الا یہ امر کہ وہ نبی مجھسا کن صفات میں ہوگا سوائے مذکورہ پیشگوئی کے بیان نہیں فرمایا پس ہم یقین کرتے ہیں ہر منصف تسلیم کریگا کہ انھیں امور میں تشبیہ اور مثلیت موسیٰ کو مقصود تھی علاوہ بریں جب کسی چیز کو کسی چیز کا مثیل کہا جاتا ہے تو صرف چند امور محققہ میں تشبیہ مطلوب ہوتی ہے اب ہم دکھلاتے ہیں کہ قرآن کریم نے اس پیشگوئی کو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

+ فٹ نوٹ اس بشارت کا تتمہ اور تکمیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں جو اس زمانہ میں مبعوث ہوئے ہیں جو حضرت مسیح کے زمانہ کا ہمرنگ ہے۔ چنانچہ یہ زمانہ جسمیں ہم ہیں ایک ایسا زمانہ ہے کہ ظاہر پرستی اور سوچ اور حقیقت سے دوری اور دیانت اور امانت سے محرومی اور سچائی اور اخلاقی پاکیزگی سے بے بہرگی اور لالچ اور بخل اور حب دنیا سے معموری اس زمانہ میں عام طور پر ایسی ہی پھیل گئی ہے کہ جیسے حضرت مسیح ابن مریم کے ظہور کے وقت یہودیوں میں پھیلی ہوئی تھی پس جیسے یہودی اُس زمانہ میں اصلی حقیقی نیکی سے بے خبر ہوگئے تھے صرف رسوم اور عادات کو نیکی سمجھتے تھے اور علاوہ اسکے دیانت اور امانت اور ہمدردی صفائی اور عدالت انمیں سے بالکل اٹھ گئی تھی سچی ہمدردی اور سچے رحم کا نام و نشان نہیں رہا تھا اور انواع و اقسام کی مخلوق پرستی نے معبود حقیقی کی جگہ لے لی تھی ایسا ہی اس زمانہ میں یہ تمام بلائیں ظہور میں آگئی ہیں حلال چیزوں کو تکبر اور متکبرانہ فروتنی کے ساتھ استعمال نہیں کیا جاتا حرام کے ارتکاب سے کوئی کراہت اور نفرت باقی نہیں رہی خدا تعالیٰ کے بزرگ حکم تاویلوں کے ساتھ ٹالدیے جاتے ہیں۔ ہمارے اکثر علماء بھی اس وقت کے فقیہوں اور فریسیوں سے کم نہیں مچھر چھانتے اور اونٹ کو نگل جاتے ہیں، آسمان کی بادشاہت لوگوں کے آگے بند کرتے ہیں نہ تو آپ اسمیں جاتے ہیں اور نہ جانیوالوں کو جانے دیتے ہیں۔ لمبی چوڑی نمازیں پڑھتے ہیں مگر دلمیں اس معبود حقیقی کی محبت اور عظمت نہیں منبروں پر چڑھکر بڑے رقت آمیز وعظ کرتے ہیں مگر ان کے اندرونی کام اور ہی ہیں۔ عجیب ہیں انکی آنکھیں کہ باوجود انکے دلوں کی سرکشی اور مفسدانہ ارادوں کے رونے کا بہت ملکہ رکھتی ہیں۔ اور عجیب ہیں انکی زبانیں کہ باوجود سخت بیگانہ ہونے والوں کے آشنائی کا دم بھرتی ہیں۔ اسیطرح یہودیت کی خصلتیں ہر طرف پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں تقویٰ اور خدا ترسی میں بڑا فرق آگیا ہے ایمانی کمزوری نے الٰہی محبت کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ دنیا کی محبت میں لوگ دبے جاتے ہیں۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا کیونکہ حضرت علی سیدنا و مولانا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور پیشگوئی فرما چکے ہیں کہ اس امت پر ایک زمانہ آنیوالا ہے جسمیں وہ یہودیوں سے سخت درجہ کی مشابہت پیدا کریگی اور وہ سارے کام کر دکھائیگی جو یہودی کر چکے ہیں یہاں تک کہ یہودی جو ہے کے سوراخ میں داخل ہوئے ہیں تو وہ بھی داخل ہوگی بنی فارس کی اصل میں سے ایک ایمان کی تعلیم دینے والا پیدا ہوگا اگر ایمان ثریا میں معلق ہوتا تو وہ اُسکو اُس جگہ سے بھی پا لیتا یہ پیشگوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے جسکی حقیقت الہام الٰہی نے اس عاجز پر کھولدی اور تصریح سے اسکی کیفیت ظاہر کر دی اور مجھپر خدا تعالیٰ نے اپنے الہام کے ذریعہ سے کھولدیا کہ حضرت مسیح ابن مریم بھی درحقیقت ایک ایمان کی تعلیم دینے والا تھا جو حضرت موسیٰ سے چودہ سو برس بعد پیدا ہوا اُس زمانہ میں جبکہ یہودیوں کی ایمانی حالت نہایت کمزور ہوگئی تھی اور وہ بوجہ کمزوری ایمان کے اُن تمام خرابیوں میں پھنس گئے تھے جو درحقیقت بے ایمانی کی شاخیں ہیں پس جبکہ اس امت کو بھی اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے عہد پر چودہ سو برس کے قریب مدت گذری تو وہی آفات انمیں بھی بکثرت پیدا ہوگئیں جو یہودیوں میں پیدا ہوئی تھیں۔ تا وہ پیشگوئی پوری ہو جو انکے حق میں کی گئی تھی۔ پس خدا تعالیٰ نے ان کے لیے بھی ایک ایمان کی تعلیم دینے والا مثیل مسیح اپنی قدرت کاملہ سے بھیجدیا۔ مسیح جو آنیوالا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کرو جس کسی کے کان سننے کے ہوں سنے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے اور لوگوں کی نظر میں عجیب۔

علاوہ ازیں جبکہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی انسان کامل الاخلاق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس کا تعلق دوسروں سے نہو۔ پھر جنت کے کمالات اُسے کیونکر مل سکتے ہیں۔ اگر اسکو تنہا چھوڑ دیا جاتا وہ جنت تو اُسکے لئے ایک کنج تنہائی اور محبس و زندان کا نمونہ ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ **اسلام** نے **لا رہبانیۃ فے الاسلام** کا حکم دیا۔ انسان کے قوٰے کے نشو ونما اور اخلاق فاضلہ کی معراج پر پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ دوسروں کے ساتھ اُسکے تعلقات ہوں۔ لہٰذا جنت میں **ازواج مطہرہ** کی ضرورت بدیہی ضرورت ہے۔ پھر ہمنے اوپر بتلایا ہے کہ جنت کی نعمتیں اعمال دنیا کا انعکاس ہیں جو شخص دنیا میں عفت و پاکبازی سے زندگی بسر کرتا ہے کیا عادل خدا کے حضور اُسکی جزا ایسے رنگ کی نہیں ہونی چاہیے ہ بیشک! اور ضرور ہونی چاہیے اور ہے ۔

ازواج — ازواج کا لفظ عام ہے اور وہ مرد اور عورت دونوں پر بولا جا سکتا ہے پس اللہ تعالےٰ نے جو اس آیت میں ازواج مطہرہ کا وعدہ فرمایا ہے تو ہر مرد و عورت کو اُسکے مناسب حال جوڑا عطا ہوگا۔

ازواج کی تشریح قرآن کریم کے ایک دوسرے مقام پر بھی ہمکو ملتی ہے۔ چنانچہ سورہ رعد میں فرمایا ہے **جنت عدن یدخلونھا ومن صلح من آبائھم وازواجھم وذریاتھم** الی الآیۃ۔ پس **ازواج مطھرہ** سے اگر **ازواجھم فی الدنیا** والی ازواج مراد لیں تو بھی کوئی استبعاد عقلی لازم نہیں آتا۔ بلکہ مطہرہ کا لفظ اسپر قرینہ ہے۔ اسکو زیادہ تشریح کیساتھ ہم انشاء اللہ اپنے موقعہ پر بیان کرینگے۔

رفع اعتراض — اب بہشت میں عورتوں کے ملنے کا سوال ایسا سوال نہیں رہا جو ایک محقق کے دل پر کوئی بُرا اثر پیدا کر سکے مگر کمزور طبیعتوں کو ٹھوکر سے بچانے کے لئے ہم اس اعتراض کا بھی جواب دیئے دیتے ہیں جو ناواقف اور متعصب پادریوں نے اور اُن کی تقلید اور کاسہ لیسی سے خام طبع آریوں نے اور پھر یورپ کے فلسفہ کے دلدادہ نیچریوں نے کیا ہے کہ بہشت میں عورتوں سے خلا ملا رکھنا تقدس باری تعالےٰ کے خلاف ہے ہم نے جہانتک اس مسئلہ پر غور کیا ہے اس اعتراض کو بالکل قلت تدبر سے ناشی پایا ہے۔ کیونکہ اس امر کا اعتراف تو بہرحال کرنا پڑیگا کہ یہ **مستورات مخدرات** آخر حشر اجساد میں اُٹھینگی۔ تو پس اُن کی موجودگی جب اِس عالم میں تقدس باری تعالےٰ کے خلاف نہیں ہے تو وہاں کیونکر ہو سکتی ہے اور اگر کوئی نئی مخلوق از قسم اناث جن کو حور کہتے ہیں اُس عالم میں موجود ہو تو کیا خدا تعالےٰ کی شان میں کسی قسم کا محل اعتراض ہو سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔

ہاں! اگر یہ کہا جاوے کہ چونکہ توالد و تناسل کا سلسلہ نہوگا اسلئے وہاں مستورات و مخدرات سے خلا ملا رکھنا کیا فایدہ رکھتا ہے؟ تو اسکے جواب میں ہم کہینگے کہ اول تو یہ امر بحث طلب ہے کہ آیا وہاں سلسلہ توالد و تناسل ہوگا یا نہیں؟ دوم عورت کے خلق سے صرف یہی غرض نہیں ہے بلکہ عورت کو اللہ تعالےٰ نے سکینت قلبی کا ایک ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور اگر یہ مانا جاوے کہ عورت کے خلق کی علت غائی توالد و تناسل ہی ہے تو پھر یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائیگا کہ دنیا میں کوئی عورت عقیمہ نہیں ہے۔ اور کوئی معصوم لڑکی بے اولاد فوت ہی نہیں ہوتی ہے حالانکہ ہم اس مشاہدہ صحیحہ کو ہر روز دیکھتے ہیں۔ پھر توالد و تناسل کے لئے مرد اور عورت دونوں ذمہ وار ہیں۔ اگر اس خیال سے عورتوں کا وجود جنت میں نہو تو چاہیے کہ مرد بھی نہوں اور یہ بالبداہت باطل ہے۔۔

اس پر

بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ جبکہ اس دنیا میں جائز مخالطت اور شرعی و نعمت مخدرات سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی میں حارج نہیں ہو سکتی۔ اور اللہ تعالےٰ یہاں بھی ویسا ہی سمیع اور بصیر ہے جیسا وہاں ہوگا تو پھر جبکہ اس جہان میں باوجود اُسکے حاضر و ناظر ہونیکے کوئی ایسی مخالطت حضور الٰہی کے تقدس کے خلاف نہیں تو وہاں کسطرح ہو سکتی ہے؟ سوچو! اور غور کرو!

علاوہ ازیں

تقدس اور پاکیزگی ایسی چیز نہیں ہے جو عورتوں کے جائز خلا ملا اور مباشرت اور مناکحت سے زایل ہو جاتی ہو؟ کیونکہ دنیا میں لاکھوں لاکھ راستباز گذرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں مگر اُن کا بیاہ کرنا اور بچوں کا باپ ہونا اُن کی تقدس مآبی میں حایل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ ایک لطیف ذریعہ اُن کی ترقی مدارج اور روحانی کمالات کا ہے۔ **دانشمندو! اس مقام پر غور کریں !!!**

پھر

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں ایک دعا منقول فرمائی ہے جو عباد الرحمٰن کیا کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے **ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین** یعنے اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولادوں سے ہمارے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما! اب اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے

(۲) يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللّٰهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءُ ۚ أُولٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ پ۲۶ سر احقاف - ع اے قوم ہماری مانو اسکے بلانے والے کو اور اسپر یقین لاؤ کہ بخشے تمکو کچھہ تمھارے گناہ اور بچاوے تمکو ایک دُکھہ کی مار سے اور جو کوئی نہ مانے گا اسکے بلانیوالے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں اسکو اُسکے سوا مددگار۔ وہ بھٹکتے ہیں صریح۔

امر ششم۔ قرآن فرماتا ہے۔

(۱) وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝ پ۲۹ سر حاقہ - ع - اگر یہ بنالاتا ہمپر کوئی بات توہم پکڑتے اُسکا داہنا ہاتھہ - پھر کاٹ ڈالتے اس کی ناڑ - پھر تم میں کوئی نہیں اس سے روکنے والا۔

(۲) أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۚ پ۲۶ سر احقاف ع - کیا کہتے ہیں یہ بنا لایا تو کہہ اگر میں بنالایا ہوں تو تم میرا بھلا نہیں کرسکتے اللہ کے سامنے کچھہ۔

(۳) يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۝ پ۶ سورہ مائدہ - ع - اے رسول پہونچا جو اُترا تیرے رب کی طرف سے اور یہ نہ کیا تو تو نے کچھہ نہ پہونچایا اُسکا پیغام اور اللہ تعالےٰ بچالے گا تجکو لوگوں سے۔

فٹ نوٹ پہلی اور تیسری آیت کی مجمل تفسیر ۔۔۔ چونکہ ضروری ہے اسلیے ذیل میں درج ہے۔

اُسوقت جب ناصرین و معاونین اسلام کی جماعت نہایت قلیل تھی - جب آنحضرت کا جان و مال سخت معرض خطر میں تھا اُس وقت جبکہ شہر مکہ اور اُسکے اطراف و حوالی میں کل قبائل قریش آنحضرت کے قتل و قمع کی سازشیں دوڑا رہے تھے اور بیشک انکی موجودہ حالت اور سامان نے اُن کے ارادوں کے پورا ہو جانے کی قوی اُمید دلا رکھی تھی - خدا اپنے رسول کو تقویت دیتا اور اُسکی عصمت و حفظ کا ذمہ اُٹھاتا ہے - يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ - پارہ ۶ - سورہ مائدہ - رکوع ۱۰ - اے رسول جو تجھہ پر تیرے رب سے اُترا ہے پہونچا دے - اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اُس کے پیغام کو نہ پہونچایا (درست) اور اللہ تجکو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

اس وعدہ الٰہی کو آنحضرت نے باوازِ بلند پکار پکار کر دشمنوں کے مجمع کو سنایا کہ میں ضرور ضرور تمھارے شر سے محفوظ ہوں گا - اور تم میرا بال بیکا نہ کرسکوگے - کیا اس چڑھانے والی آواز سے وہ اور زیادہ نہیں جھلائے - اور کینہ و انتقام کی آگ اور زیادہ نہیں بھڑکی - کیوں نہیں - بلکہ آگے سے بڑھکر داؤ گھات میں رہنے لگے مگر خدا کا وعدہ پورا ہوا - اور اس نبی برحق کی صداقت کی بڑی کامل دلیل دنیا پر ظاہر ہوئی کہ آنحضرت اُس نرغے اور مہلکے سے خدا کے حفظ و امان کے بدرقہ کے ساتھہ سلامت نکل گئے۔

اور وہ خدا کے دشمن - رسول کے دشمن - انسان کی فلاح و صلاح کے دشمن دانت پیستے اور ہاتھہ کاٹتے رہ گئے - ہمکو سخت تعجب آتا ہے جب ہم قرآن کی اس آیت کو پڑھتے ہیں - جسمیں باری تعالیٰ بڑا ثبوت آنحضرت کی نبوت کی صداقت کا دیتا ہے - وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ پ۲۹ - س حاقہ - ع۲ - اور اگر یہ رسول ہماری نسبت جھوٹی باتیں بناتا تو ضرور ہم اُسکا داہنا ہاتھہ پکڑتے - پھر اُس کی

دوسری توجیہ اور بعوضہ سے مراد بعض نعماء جنت لیں جو ہمکو زیادہ پیارا معلوم دیتا ہے تو مطلب یوں ہوگا کہ اللہ تعالےٰ نے بعض چھوٹی چھوٹی نعماء جنت کا ذکر بھی کیا ہے اور بعض بڑی بڑی نعمتوں مثلاً رضاء الٰہی وغیرہ کا بھی

مگر

یہ چھوٹی چھوٹی نعمتوں کا ذکر جیسا کہ اوپر کیا ہے کہ ان لھم جنات تجری من تحتھا الانھار۔ یہ الہام اس دنیا میں ہی مثالی جنت کے رنگ میں پورے ہوں گے۔ اور انکا پورا ہونا اُن عظیم الشان نعماء جنت کے لئے بطور ثبوت کامل ہوگا۔ اس لئے فرمایا کہ مومن تو اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں حق و حکمت کی بھری ہوئی ہیں اور ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ لیکن بد باطن کافر کہتے ہیں کہ ایسی باتوں کے بیان سے فائدہ ہی کیا۔ ترتیب آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فاما الذین آمنوا فیعلمون انہ الحق من ربھم میں یعلمون اور ربھم کے الفاظ ایک خاص مناسبت رکھتے ہیں۔ اور پھر یعلمون مضارع کا صیغہ بولنے میں بھی ایک خاص امر مرکوز ہے گویا یہ آیت اپنی نوعیت اور صورت میں اس دنیا میں ایک کامل طور پر پورا ہونے والا تحقق وعدہ اپنے اندر رکھتی ہے جو بعد الموت ایک عظیم الشان وعدہ کی دلیل ہے۔ فاما میں فٓ ترتیب کے لئے ہے اور اما شئے شرط کے رکھتا ہے اور امر موجودہ مرئیہ یا مقدرہ کی تصریح کرتا ہے۔ انّہٗ کی ضمیر مثلاً کی طرف راجع ہے۔

الحق ضد ہے الباطل کی اس کے معنے مطابقت اور موافقت کے ہوتے ہیں اور قرآن کریم میں یہ لفظ اسلام۔ قرآن انجام۔ موت۔ قیامت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اور مختلف معانی پر بولا گیا ہے۔

بہرحال

ہم چاہتے ہیں کہ اس آیت کی ترتیب سے جو باتیں پیدا ہوتی ہیں انکو تصریح اور توضیح کے ساتھ یہاں بیان کر دیں۔ ہم پہلے ایمان اور اس کے مراتب پر بحث کرتے ہیں۔ اور یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ ایمان کے بعد ایک علم پیدا ہوتا ہے جو انسان کو ایمان کی اس حالت سے جو بین الشک والیقین ہوتی ہے نکال دیتا ہے اور اسی لئے انہ الحق جاننے کے لئے پہلے مومن ہونا ضروری ہے مومنوں کو چونکہ اس دنیا میں نصرتوں اور کامیابیوں اور ہر طرح کی خوشحالیوں کا معاینہ اپنی ذات پر کر لینا تھا بعوضہ یعنے بعض نعماء جنت کے تذکرہ پر یا منافقوں کے منتشر اور پراگندہ ہونے کی پیشگوئی سنکر انکو کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی بلکہ انشراح صدر ان کو حاصل ہو گیا اس لئے وہ بول اٹھے کہ انہ الحق من ربھم۔ یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔

یعلمون میں مضارع کا صیغہ اشارۃ کر رہا ہے اس زمانہ کی طرف جو ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ کی برگزیدہ جماعت پر آنیوالا تھا اور اس کے بعد من ربھم میں یہ لطیفہ ہے کہ ربوبیت کا خاصہ اور تقاضا ہے کہ وہ تکمیل اور تبلیغ کو چاہتی ہے۔ پس وہ نعماء جنت جو مثالی طور پر دجلہ فرات اور جیحون اور سیحون کے مابین کا ملک فتح کر لینے میں ان کے کمال کا علم اُن کو ہو گیا کہ بے شک جنت اعلیٰ میں اس سے بھی برتر اور اصلی معنوں میں نعماء جنت ملیں گی۔

واما الذین کفروا فیقولون۔ اور کافر خدا تعالےٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کرنے والے پکار اٹھتے ہیں یا بتلاتے ہیں۔ کفروا کے لئے فیقولون کا لفظ فرمایا کیونکہ علم اپنے مراتب کمال کو مستلزم ہے اور اسپر آثار مترتب ہوتے ہیں۔ مگر کفر یا انعام الٰہیہ کی بے قدری اور ناشکرگذاری سے قویٰ ضعیف اور انعامات مسلوب ہو جاتے ہیں اور انہیں ترقی کا مادہ نہیں رہتا اس لئے انکے لئے یقولون فرمایا جو اپنے اندر علمی کمال نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں کفار کے قول کو استفہام کے رنگ میں فرمایا ہے ماذا اراد اللہ بھذا مثلا۔ بھلا جی! اللہ نے ایسی مثالوں کے بیان سے کیا چاہا ہے۔ اور یہ مسلم بات ہے کہ عموماً استفہام عدم علم اور انکار پر ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں بھی جہالت لازم ہے اس لئے مومنوں کے بالمقابل کفار کا ذکر کرتے ہوئے انکی عدم معرفت اور عدم بصیرت اور جہالت کا ذکر کیا۔ چونکہ جہالت ایک قسم کی ہلاکت اور موت ہوتی ہے اور علم ایک زندگی اور کامیابی کا زینہ اس لئے مولا کریم نے فرمایا کہ یہ مثال جو ہم نے بیان فرمائی ہے اور جسپر کافر کہتے ہیں کہ اس کے بیان سے کیا منشاء الٰہی ہے۔

مِّن دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ۔ پ ۱ س بقرہ ۔ ع ۳ ۔ اور اگر شک میں ہو تم اُس کلام سے جو اُتارا ہمنے اپنے بندہ پر تو لاؤ ایک سورت اس قسم کی اور بلاؤ جنکو حاضر کرتے ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

نوٹ کلام مُنہ میں ڈالنا یا دل میں ڈالنا اسبات کیطرف اشارہ ہے کہ وہ کلام اُس نبی کے قلب نبوت پر لفظاً ومعناً بعینہٖ بہ ترتیب بلا تقدم وتاخر خدا کی طرف سے ڈالا گیا ہے۔ آیت دوم میں خداوند قرآن کا جامع اور قاری اپنی ذات مقدس کو ٹھیراتا ہے اور آنحضرت کو صرف پڑھ سُنانے والا مقرر فرماتا ہے۔ یہ بڑا بھاری اشارہ پیشگوئی کے امر سوم کیطرف ہے کہ میں اپنا کلام اُسکے مُنہ میں دوں گا۔

امر چہارم - حجۃ الوداع یعنی آخری حج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کیطرف خطاب کرکے فرمایا چنانچہ چند الفاظ اُس طویل خطبہ کے آخر سے نقل کیے جاتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ھَلۡ بَلَّغۡتُ فَقَالَ النَّاسُ اَللّٰھُمَّ نَعَمۡ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اشۡھَدۡ ۔ اے میرے پروردگار کیا میں نے سب کچھ پہونچا دیا۔ لوگوں نے کہا ہاں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ میرے تو گواہ رہ

(۱) اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ۔ پ ۶ س مائدہ ۔ ع ۱ ۔ آج میں پورا کر چکا تمکو دین تمھارا اور پورا کیا میں نے تم پر احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمھارے واسطے دین مسلمانی۔

نوٹ یہ آیت اور وہ حدیث باظہار حق وباقرار عباد گواہی دیتی ہے کہ آنحضرت ؐ نے سب کچھ بتلایا۔

امر پنجم - تمام مکہ اور حجاز کے گھر گھر کو دیکھو تمام مخالفوں اور اُسکا کہا نہ ماننے والوں کا نام ونشان ہی نہ رہا۔ اور دیکھو کہ آیت اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الۡاَبۡتَرُ کی پیشگوئی کیسی پوری ہوئی۔ اہل حجاز پر ہی کیا منحصر ہے تمام عرب اور بلاد شام پر غور کرو جو خدا کی خاص چھاونی اور کل انبیائے بنی اسرائیل کا ہیڈ کوارٹر اور کالج ہے۔ دیکھو اسی پیشگوئی کے مطابق قرآن فرماتا ہے۔

(۱) اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا شَاھِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا فَعَصٰی فِرۡعَوۡنُ* الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰہُ اَخۡذًا وَّبِیۡلًا ۔ پ ۲۹ س مزمل ۔ ع ۱ ۔ ہمنے بھیجا تمھاری طرف رسول بتانے والا تمھارا جیسے بھیجا فرعون کے پاس رسول۔ پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑا ہمنے اُسکو پکڑ وبال کی۔

***فٹ نوٹ** جیسے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے سخت مواخذہ کیا اسطرح جن لوگوں نے حضرت مثیل موسیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی نہ سُنی اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمودہ کے موافق "کہ میں اپنا حساب ان سے لونگا" ان سے حساب لیا۔ اور سب کے سب اسیر اور تہ تیغ ہوئے۔ اور عجیب تر مطابقت یہ ہے کہ جب ابوجہل جو شرارت اور استکبار میں تمام عرب سے بڑھا ہوا تھا مقتول ہوا تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی حمد ہے کہ اس اُمت کا فرعون مقتول ہوا جسطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ہلاکت کے بعد خدا کی حمد کا گیت گایا تھا (دیکھو خروج ۱۵ب تب موسیٰ اور بنی اسرائیل نے خداوند کے آگے یہ گیت گایا اور بولے کہ میں خداوند کی حمد گاؤنگا کہ اُسنے تبسہ جلال سے اپنے تئیں ظاہر کیا اُس نے گھوڑے کو اُس کے سوار (فرعون) سمیت دریا میں ڈالدیا اُس کے چنے ہوئے سردار قلزم میں ڈوبائے گئے۔ پھر بنی قریظہ بنو نضیر اور اہل خیبر کے بنی اسرائیل جنھوں نے رسول خدا کی نہ سُنی اُن کا جو انجام ہوا وہ سورہ فتح اور حشر وغیرہ سے ظاہر ہے غرضکہ جن لوگوں نے اباطل کی حمایت میں الحق کا عروۃ الوثقیٰ ہاتھ سے چھوڑا اُنھوں نے ہی نیچا دیکھا اور اسفل السافلین میں جاگرے۔ منہ

کی رضا۔ پس یہ سلسلہ تو زیادہ وسیع ہوتا جائے گا کیونکہ یہ معرفت اور محبت بڑھتی جائے گی پھر انسان کیونکر خیال کر سکتا ہے کہ وہاں سے کبھی نکل ہی آئے گا۔ بلکہ وہاں سے تو نکل سکتا ہی نہیں۔ پس یہ کیسی سچی فلاسفی اور روح کی تسلی دینے والی بات ہے کہ اسلام نے وہ جنت بتلائی ہے جہاں ابدالآباد کے لئے رہنا ہوگا۔

تاسعاً۔ اسلام اِن مقدس اسلام کے اصول اعلیٰ درجہ کی حکمت پر مبنی ہیں۔ چنانچہ اسی مسئلہ میں کہ جنت کے انعام اور عطایا غیر مجذوذ اور لاانتہا ہیں۔ اس میں یہ سرّ ہے کہ تا انسان کی روح سکینت اور اطمینان حاصل کرے اور اس دنیا ہی سے ایک استقامت اور تسلی پاکر آخرت پر ایمان قوی پیدا ہو۔ اور خدا تعالیٰ کی محبت اور عبادت میں زیادہ سرور اور صدق اور جوش پائے اور جہنم کی سزا کو محدود الوقت کر دیا تاکہ انسان کی امید خدا پر زیادہ ہو اور یوں اس کو اپنی بدکاریوں کی اصلاح کا موقع ملے۔

عاشراً و آخراً۔ کفارہ اور عیسائیوں کے اس اصول کو غلط ثابت کیا ہے کہ ایک گناہ کی سزا ابدی جہنم ہے۔ حالانکہ خود انھوں نے مسیح کو دنیا کے گناہ اٹھوا کر بھی تین ہی دن ہاویہ میں رکھا ہے۔ اور آریوں کے اس اعتقاد کی کمزوری دکھلائی ہے کہ کوئی روح کیسی ہی نیک اور فرمانبردار کیوں نہ ہو کبھی ابدی نجات حاصل نہیں کر سکتی۔ اس اعتقاد سے مایوسی اور مایوسی سے کفر پیدا ہوتا تھا پس اسلام نے اس کو رد کیا۔ وتلک عشرۃ کاملۃ۔

ان اللّٰہ لا یستحیٖ ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ فما فوقھا فاما الذین آمنوا فیعلمون انہ الحق من ربھم ج واما الذین کفروا فیقولون ماذا اراد اللّٰہ بھذا مثلاً م یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا ط وما یضل بہ الا الفاسقین ۵

لاریب اللہ نہیں رُکتا بعض ثمار جنت کی مثال بیان کرنے سے یا جو ان بعض سے برتر ہیں۔ پس مومن تو جانتے ہیں کہ بیشک وہ حق ہیں اور ہمارے رب کی طرف سے ہی ہیں۔ مگر ناشکر گذار کافر (منکر) (سنکر) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مثل کے بیان کرنے سے کیا فائدہ ملحوظ رکھا ہے۔ (یہ نادان جان رکھیں کہ اس مثل سے غرض یہ ہے) کہ اکثر ہلاک ہو رہے ہیں اور بہت ہیں جو کامیابی کی راہوں پر چل رہے ہیں۔ مگر یاد رکھو کہ ہلاکت کے فرزند وہی ہیں جو فاسق ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کے سینہ کا ایک نقشہ پیش کیا ہے اور کفار کی ہلاکت اور مسلمانوں کی فتح و نصرت اور بالآخر کامیابی کی ایک پیشگوئی فرمائی ہے۔ آیت کے پہلے حصے کا ترجمہ یوں ہی کیا جاتا ہے کہ بیشک اللہ نہیں رکھتا اس بات سے کہ وہ عمدہ بات بیان کرے خواہ وہ مچھر کی مثال ہو یا اس سے بھی بڑھکر۔ لایستحی مصدر استحیاء سے ہے جس کے معنے باقی رکھنا ہیں۔ ان یضرب مثلاً ضرب المثل کے معنے ہیں ذکر کرنا بیان کرنا عمدہ بات کہنا۔

بعوضہ سے کیا مراد ہے

بعوضہ کے معنے مچھر کے ہی ہیں۔ اور بعوضہ یعنی بعض ہی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ترجمہ میں دکھایا ہے کیونکہ پہلے چونکہ ثمار جنت کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے قرینہ کی وجہ سے اگر بعض کے معنے لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ادنیٰ ثمار جنت کا بھی ذکر کیا ہے اور بعض افضل ترین ثمار کا بھی تو بھی کوئی استبعاد عقلی لازم نہیں آتا۔ اور اگر بعوضہ سے مچھر مراد لیں تو ہمارے ناظرین کو دوسرے رکوع میں منافقوں کی اس مثال پر غور کرنا ضروری ہے جو ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی مثلھم کمثل الذی استوقد نارا۔ الی الآیہ۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب آگ جلائی جاتی ہے تو اس کے دھوئیں اور گرمی سے گرد اگرد کے مچھر وغیرہ سب اڑ جاتے ہیں۔ اس طور پر منافقوں کی اس مثال میں یہ پیشگوئی ہے جو مدینہ طیبہ کے ابتداء قیام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پوری ہونے والی تھی یعنے ابتداءً تو بعض منافق طبع لوگ بھی شامل ہو گئے تھے لیکن جب وہ نور کامل طور پر چمکا تو سب کے سب پراگندہ اور منتشر ہو گئے۔ قرآن کریم چونکہ کوئی تاریخی قصہ یا داستان نہیں بیان کرتا اس لئے منافقوں کی ان باتوں کا یہاں جواب دیتا ہے جو انھوں نے منافقوں کی مندرجہ بالا مثال سنکر بنائی تھیں کہ ہم کو مچھر سے کیوں مثال دی ہے۔ پس اس موقع پر قرآن کریم ایک پیشگوئی کے رنگ میں فرماتا ہے کہ یہ نادان جو منافقانہ دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہوئے ہیں اور اپنی ریشہ دوانیوں اور چالاکیوں پر ناز کرتے ہیں یاد رکھیں کہ یہ ہباءً منثوراً کئے جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مدینہ طیبہ میں آپ کے آخری حصہ عمر میں کوئی منافق نہ رہا۔!!!

سند نہیں اُتاری - اور یہ کہ جھوٹ بولو اللہ پر جو تمکو معلوم نہیں

(۴) وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا ط پ۵ سورۂ نسا - ع - اور بندگی کرو اللہ کی اور ملاؤ مت اُسکے ساتھ کسیکو۔

(۵) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا پ۵ سورۂ نسا - ع - تحقیق اللہ نہیں بخشتا ہے یہ کہ اُسکا شریک پکڑے اور بخشتا ہے اُس سے نیچے جسکو چاہے - اور جس نے ٹھیرایا شریک اللہ کا اُسنے بڑا طوفان باندھا۔

(۶) وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا - پ۱۸ سورۂ فرقان ع اور لوگوں نے پکڑے ہیں اللہ سے ورے اور حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور آپ بنے ہیں اور نہیں مالک اپنے حق میں بُرے کے نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے اور نہ جی اُٹھنے کے

(۷) وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا پ۱۹ سورۂ فرقان ع اور جہاں تجھکو دیکھا کچھ کام نہیں مگر ٹھٹھے کرتے کیا یہی ہے جسکو بھیجا اللہ نے پیغام دیکر یہ تو لگا ہی تھا کہ بچلاوے ہمکو ہمارے ٹھاکروں سے کبھی ہم نہ ثابت رہتے اُن پر اور آگے جانینگے جس وقت دیکھیں گے عذاب کون بچلا ہے راہ سے

(۸) اسپر کسی قدر بحث فٹ نوٹ میں ہو چکی ہے مگر اسجگہ مختصراً اُس مضمون کی تجدید کی جاتی ہے۔

اوّل آنحضرت نے مکہ میں موسیٰ کی شبیہت کا دعوی کیا۔ اور اپنے مخالفین کو آنیوالے عذاب سے مخالفت کے باعث ڈرایا - اسپر کفار نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اُسکا نشان ہمیں دکھا یعنی عذاب آوے چنانچہ قرآن مجید اس معاملہ کی اسطرح خبر دیتا ہے فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ پ۷ سورۂ انعام - ع۔

۱۷۳ رکوع ۱

اس آیت میں بدون میعاد معینہ کے مطلق تکذیب پر ہلاکت کی خبر دی - پھر فرمایا۔ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ پ۷ سورۂ انعام - ع۔

---

۵۱ اسمقام پر آنحضرت کا خط جو اُنھوں نے خیبر کے یہود کو لکھا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس سے غرض یہ ہے کہ آپ بڑی استقلال اور قوی یقین سے مثلیت کا دعوی کرتے تھے اور آپکے مخاطبین تعصب اور حسد کے سوا انکار کی کوئی وجہ نہیں دیکھتے تھے۔ ابن ہشام)

من محمد رسول الله صلی الله علیہ وسلم - صاحب موسیٰ واخیہ والمصدق لما جاء بہ موسیٰ ۔ الا ان الله قد قال لکم یا معشر اهل التوراة وانکم لتجدون ذلك في كتابكم - محمد رسول الله - وانی انشدکم بالله الا اخبرتمونی هل تجدون فيما انزل الله عليكم ان تؤمنوا بمحمد فان كنتم لا تجدون ذلك في كتابكم فلا اكراه عليكم قد تبين الرشد من الغی ترجمہ محمد رسول اللہ کی طرف سے جو موسیٰ کا مثیل اور اُسکا بھائی اور اُسکی تعلیمات کو سچا کرنیوالا ہے۔

ای گروہ اہل تورات دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمھیں فرمایا اور تم اسبات کو اپنی کتاب میں پاتے ہو کہ "محمد اللہ کا رسول ہے" اور میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں بتاؤ تو سہی جو کچھ اللہ نے تمپر اُتارا تم اُسمیں یہ لکھا نہیں پاتے کہ تم لوگ محمد پر ایمان لاؤ - اگر تم اپنی کتاب میں نہیں پاتے ہو تو میں تمھیں مجبور نہیں کرتا ضلالت اور ہدایت ممتاز ہو چکی ہے - ۱۲ - ابن ہشام - جلد - ۱ - صفحہ ۱۹۶ -

۵۲ جھٹلا چکے حق بات کو جب اُن تک پہونچی اب آگے آویگا خبر حق اُسبات کا جسپر ہنستے تھے - کیا دیکھتے نہیں کتنی ہلاک کیں ہمنے پہلے اُنسے سنگتیں اُنکو جمایا تھا ہمنے ملک میں جتنا تمکو نہیں جمایا اور چھوڑ دیا ہمنے آسمان برستا - اور بنا دیں نہریں بہتی اُنکے نیچے پھر ہلاک کیا اُنکو اُنکے گناہوں پر اور کھڑی کی اُن کے پیچھے اور سنگت۔ ۱۲ -

سے بھری ہوئی نگاہ بھی ایک عورت پر ڈال سکتا ہے۔ غرض ایک تو ذو وجہین قوتیں اور اعضا اللہ تعالےٰ نے عطا
دوسرے بعض حصے ایسے ہیں کہ وہ اس کی دستبرد اور اقتدار سے بالکل باہر ہیں۔ مثلاً اس کا طبعی طور پر موٹا ہونا یا دبلا ہونا یا زبان پر
ایک قوت کا ہونا۔ اسپر انسانی تصرف بالکل نہیں ہے اور وہ ذو وجہین نہیں ہیں۔

اب

انسانی بناوٹ پر نظر کر لینے کے بعد اس امر کا سمجھ میں آجانا کچھ بھی مشکل نہیں ہے جو مقدس اسلام نے اپنا اصول ٹھہرایا ہے اور وہ
وہ یہ ہے کہ وہ انسان کو نہ مجبور مطلق قرار دیتا ہے اور نہ مختار مطلق۔ اور یہی وجہ ہے کہ پچھلے مسلمانوں نے لاجبر ولا اختیار کی
راہ اختیار کی ہے اور جبر یا اختیار کے لفظ تک کو مسئلہ تقدیر کے متعلق قرآن کریم نے استعمال نہیں فرمایا۔

تو

اصل حقیقت یہ ہے کہ جن قویٰ پر انسان کا اقتدار اور تصرف نہیں ہے اُنکو شریعت کے نیچے نہیں رکھا جیسے یہ کوئی حکم نہیں ہے
کہ اس قدر موٹا ہونا۔ اتنے بالوں کا پیدا ہونا۔ ڈاڑھی کا ایسی شکل کا آنا یا فلاں رنگ کا ہونا گناہ ہے یا ثواب ہے کیونکہ یہ امور ایسے ہیں
کہ انسانی دستبرد کے نیچے نہیں آتے۔ پس جو فعل اس کے اختیار سے باہر ہے اسپر سزا یا جزا کچھ نہیں۔ ہاں جو افعال اور اعمال
ذو وجہین اعضاء سے صادر ہوتے ہیں شریعت کا تعلق انسے ہی ہے اور انپر ہی سزا یا جزا کا فتویٰ ہے کیونکہ وہ انسان کے
اپنے اختیار کے نیچے ہیں۔ اب بتلاؤ کہ کیا اس سے بہتر صاف اور سیدھی راہ مسئلہ تقدیر کے متعلق کسی دوسرے مذہب نے بیان
فرمائی ہے۔ کہاں ہے ناحق شناس معترض؟ سوچے تو سہی -!!! ہم سمجھتے ہیں کہ اس قدر بیان سر دست مسئلہ تقدیر کے
متعلق کافی ہے۔ اس لئے اب آگے چلتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ ضلالت اور ہدایت کے کیا معنے ہیں۔

ضلال کے معنے قرآن کریم میں ہلاکت۔ امتحان۔ ابطال اور الاخذال وغیرہ کے آتے ہیں۔ اور ضلال کے معنے وہ
نتیجہ بد بھی ہے جو بعد ضلالت مترتب ہوتا ہے۔ اور قریباً ان معانی میں سے ہر ایک یہاں چسپاں ہو سکتا ہے۔ یہدی
جو ہدایت سے نکلا ہے وہ عموماً مندرجہ ذیل معانی میں آتا ہے (۱) صدور افعال فطری کا نام ہی ہدایت ہے اور اس کے
خلاف کا نام ضلالت ہے۔ (۲) توفیق اعمال حسنہ کا نام ہی ہدایت ہے اس کا خلاف بھی ایک قسم کی ضلالت ہے (۳) اسلام
کی طرف بلانے اور دعوت الی الحق کا نام بھی ہدایت ہے۔ (۴) بیان اور حکم کے معنے میں بھی آتا ہے۔ (۵) جنت کی راہ
پر چلانے اور پہونچانے کا نام بھی ہدایت ہے۔ سورۃ فاتحہ میں جہاں ہم نے ہدایت کے معنوں کی تفسیر کی ہے وہاں پوری
وضاحت سے لکھا ہے وہاں دیکھہ لیا جائے۔

الغرض

یضل بہ کثیرا و یہدی بہ کثیرا ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں
کی ہلاکت اور احباب و اصحاب کی کامیابی کی طرف رہبری کرتی ہے۔ یہاں اسکی صراحت کر دی ہے کہ ہلاک ہونیوالے کون
ہیں۔ ما یضل بہ الا الفاسقین ہلاک ہونے والے فاسق ہیں۔ چونکہ قرآن شریف خود اپنی تفسیر فرماتا ہے اس لئے
فاسق کی تفسیر بتلاتا ہے کہ فاسق کون ہوتے ہیں چنانچہ فرمایا۔ الذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ و یقطعون ما
امر اللہ بہ ان یوصل و یفسدون فی الارض اولئک ہم الخاسرون۔ یعنے فاسق وہ لوگ ہیں جو عہد اللہ
یعنے شریعت الٰہی کو اس کے مستحکم و مضبوط ہونے کے بعد توڑتے ہیں اور ان سے قطع کرتے ہیں جن سے پیوند کرنے کا اللہ
تعالےٰ نے حکم دیا ہے (اس طرح پر) وہ دنیا میں فساد کرتے ہیں (اور یہ فساد اور طرز عمل تو بامراد نہ کریگا پس) یہ لوگ خسارہ
میں ہیں۔ اس آیت سے جو فاسق کے معنوں پر مشتمل ہے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق میں تین چیزیں ہوتی ہیں (۱) نقض عہد اللہ
یعنے شریعت الٰہی کی خلاف ورزی۔ (۲) انقطاع عن واصل باللہ۔ جس کو دوسرے لفظوں میں مامور من اللہ سے علیحدگی یا اسکی مخالفت

رگ حیات کو کاٹ ڈالتے۔ یعنی اگر یہ شخص جھوٹا رسول ہوتا۔ تو بیشک بیشک قتل کیا جاتا۔ تباہ ہو جاتا۔ مارا جاتا۔ کیونکہ خداوند خدا پہلے سے اپنے برگزیدہ نبی موسیٰ کی معرفت اپنے اس اولوالعزم نبی کی بابت ارشاد اور وعدہ فرما چکا تھا۔ اور اس سچے نبی کی صداقت نبوت کی پہچان بھی بتا چکا تھا۔ کہ وہ زندہ رہے گا۔ ہاں وہ سلامت رہے گا اور اُسکے مخالفین معبودان باطل کے عابد ہلاک ہو جائیں گے۔

بیشک باایں ہمہ ثبوت بیّن اُن لوگوں کی جہالت اور عصبیت سخت تعجب دلاتی ہے۔ مگر جسوقت اُس قوم گمراہ کے حقیقی وارث اس زمانہ کے اہل کتاب (پادری صاحبان) کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ توریت کے وعدوں کو بالائے طاق رکھکر اس حقیقی ثبوت سے اعراض کر کے اپنے اسلاف کی مانند برابر عداوت کا بیڑا اٹھائے چلے آتے ہیں۔ تو ہمارا تعجب کم ہو جاتا ہے۔ خدا جانے یہ لوگ کب تک اُس مثیل موسیٰ کی اطاعت سے منحرف رہ کر اُس زمانہ کے حبشی بردوں کی طرح اور زیادہ نشانوں اور آسمانی علامتوں کے منتظر رہیں گے۔ اگر یہ لوگ دنیا پرستی اور ہوائے نفس کو چھوڑ کر غور کریں تو آشکارا ہو جائیگا کہ بشارت مثلیت کا دعویٰ علمی ہی نہیں رہا۔ بلکہ عملاً بھی پایہ ثبوت کو پہونچ گیا۔

سجاح بنت الحارث بن سوید تمیمیہ نے بعد خلافت میں پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ اور بنی تمیم و بنی تغلب کے قبیلے کے لوگ اسکے تابع ہو گئے۔ اور انھیں دنوں میں مسیلمہ کذاب نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور انھیں دنوں خدائی وعید کے موافق قتل ہوئے اور ایسے ہی لوگوں نے بھی مثل عنسی وغیرہ کے گردن دعویٰ بلند کی۔ مگر بہت جلد اُن سے اُن کا حساب لیا گیا۔

افسوس اس غفلت بخش عداوت نے عیسائیوں کو اتنا بھی سمجھنے نہ دیا کہ اس رسول کی تکذیب اور قرآن کی تکذیب میں توریت کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اور قرآن کی تصدیق میں توریت کی تصدیق متضمن ہے۔ کیونکہ رب الافواج توریت میں قرآن کی نسبت بشارت دیچکا ہے۔ (کہ میں اپنا کلام اُس کے منہ میں دوں گا) کلام اُس کے منہ میں۔ کیا ٹھیک ترجمہ وحی متلوّہ ہے۔ یعنی ایسا کلام جو لفظاً و معناً خدا کی طرف سے ہو۔ اور یہ صفت صرف قرآن کریم اور فرقان حمید کی ہے۔ قرآن بھی کس محبت بھرے الفاظ سے۔ جو خالق کو اپنی مخلوق سے ہے اہل کتاب کو آگاہ و بیدار فرماتا ہے۔ کہ توریت میرے اس رسول کی بشارت دیتی ہے۔ میرا وجود اس کا مصدق ہے۔ اب میری اطاعت کرو۔ اور میری مکمل تعلیم کا سبق پڑھو ایسا نہ ہو کہ میری تکذیب میں توریت کے مکذب ہو جاؤ۔

امر ہفتم کی نسبت تمام قرآن شریف مالا مال ہے۔ فروگذاشت کے خوف سے چند آیات مرقوم ہیں۔

آیات منع شرک

(۱) قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ پ۳ ۔ س ال عمران۔ ع۷ تو کہہ اے کتاب والو آؤ ایک سیدھی بات پر ہمارے تمھارے درمیان کی کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کو اور شریک نہ ٹھیراویں اُس کا کسی چیز کو اور نہ پکڑے آپس میں ایک ایک کو رب سوائے اللہ کے۔

(۲) قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ پ۸ س انعام۔ ع۱۹ تو کہہ آؤ میں سنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمھارے رب نے کہ نہ شریک کرو اُس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ سے نیکی

(۳) قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ پ۸ ۔ س اعراف ۔ ع۴۔ تو کہہ میرے رب نے منع کیا بےحیائی کے کام کو جو کھلے ہیں اُنمیں اور جو چھپے ہیں اور گناہ اور زیادتی ناحق کی اور یہ کہ شریک کرو اللہ کا جسکی اُس نے

اب ہم بتلاتے ہیں۔ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا ۔ یہ جاہل علوم حقہ سے ناواقف کافر اس مثال کے رو سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ (یا یوں کہو کہ یہ انکی ہلاکت ہی کی پیشگوئی تو ہے) اور وہ جو مومن باللہ ہیں وہ ہدایت پا رہے ہیں یا یہ انکی کامیابی کی پیشگوئی ہے۔

کیا مطلب ؟

یہ مثال صاف صاف اور کھلے کھلے الفاظ میں مومنوں کی کامیابی اور کافروں کی ناکامی کی ایک پیشگوئی ہے۔ ہدایت اور ضلالت جو اللہ تعالیٰ سے منسوب کی جاتی ہے اسپر بعض ناواقفوں نے اپنے قصور فہم کی وجہ سے اعتراض کئے ہیں اس لئے اس سے پیشتر کہ اسپر ایک مفصل بحث کریں پھر ایکبار اس امر کو بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ مثال بعوضۃ چونکہ بہر صورت ایک پیشگوئی پر مشتمل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا کہنے والوں کو کھلے کھلے طور پر بتلا دیا ہے کہ یہ مثل ایک آنے والے واقعہ کی خبر ہے جس میں فاسق لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور مومن کامیاب ۔ اور ایسا ہی ہوا۔

رفع مغلطہ اور مسئلہ تقدیر پر ضمناً بحث۔

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا پر بعض ناقص الفہم لوگوں نے قرآن کریم پر تدبر نہ کرنے کی وجہ سے اعتراض کیا ہے کہ جس حال میں اللہ تعالیٰ ہی گمراہ کرتا ہے تو گمراہ شدہ لوگوں کا کیا قصور اور ہدایت یافتہ لوگوں کا کیا حق اجر۔ اس اعتراض کا دوسرا حصہ تو ایسا ہے کہ اسپر بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنے فضل کا وارث بنائے اس میں کسی دوسرے کا کیا اجارہ ۔ رہی پہلی بات کہ جبکہ خود گمراہ کرتا ہے تو پھر عذاب کیسا۔ اس موقع پر اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی دیدیا ہے۔ مَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ الی الآیہ ۔ کیا معنے ہلاک ہونیوالے کون لوگ ہیں وہ جو فاسق ہیں اور کسیقدر وضاحت ہم اس آیت کے ترجمہ میں انشاء اللہ کر دکھائیں گے ۔ رہا مسئلہ تقدیر جس کی بنا پر اعتراض کیا جاتا ہے ہمارے ایمان میں مسئلہ تقدیر تمام بلند پروازیوں کی جڑ اور اصل ہے جس کو ناعاقبت اندیشوں نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی ۔ یاد رہے تقدیر کے معنے لغت عرب اور محاورہ قرآن کریم میں کسی چیز کے اندازہ کرنے اور مقدار ٹھہرانے کے ہیں اور اس کا دوسرا نام ہم خواص الاشیاء بھی اپنے طور پر رکھ سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں صاف طور پر فرمایا گیا ہے خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا ۔ یعنی ہر ایک چیز کو پیدا کیا اور پھر اس کے لئے ایک اندازہ ٹھہرا دیا۔ جیسے آنکھ کے لئے یہ مقرر کیا کہ اشیاء کو دکھائے ۔ اور کان کے لئے یہ مقدر کیا کہ بیرونی آوازوں کو سنائے ۔ اور دماغ سوچے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ غرض جس قدر خواص اشیاء میں رکھے گئے ہیں یہ سب انکی تقدیر ہے اور اس کو فطرت بھی کہہ لیتے ہیں۔ پس ہر چیز ایک فطرت رکھتی ہے اس کے موافق افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ یہانتک تو مسئلہ تقدیر بالکل صاف اور اعتراض سے پاک ہے ۔ بلکہ قابل ناز مسئلہ ہے جو اسلام نے بیان کیا ہے ۔ تقدیر کے اس پہلو سے تو مخالف ناآشنا محض ہیں۔ ہاں ایک دوسرا پہلو ہے جسکو ظالم طبع مخالفوں نے بصورت اعتراض پیش کیا ہے ۔ اور تدبر نہ کرنے والے سطحی خیال ماننے والوں نے تسلیم کر لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کے اعمال کا صدور انسان سے کچھ تعلق ہی نہیں رکھتا بلکہ جیسا اس کی تقدیر میں نیک یا بد کام کرنا ہوتا ہے وہ ہوتے رہتے ہیں اس کو دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان مجبور مطلق ہے ۔ سنو! اس کی حقیقت ہم بتلاتے ہیں۔ قرآن کریم نے کہیں بھی انسان کے لئے مجبور کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ کیونکہ یہ بالکل سچ ہے کہ ایک شخص جو دست و پا شکستہ یا بستہ ہو اور وہ ایک فعل پر مجبور کیا جائے وہ اس کا جواب دہ نہیں ہو سکتا مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ جیسے ایک مجبور مطلق شخص سے مواخذہ کرنا انصاف اور عدل کے خلاف ہے ویسے ہی یہ بھی ظلم میں ہی داخل ہے کہ کسی کو پورا اختیار دیا جائے کہ جو چاہے سو کرے اور پھر بری باتوں سے جواب لیا جائے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں ہی مذہب صحیح نہیں ہیں جو انسان کو مجبور مطلق یا مختار مطلق قرار دیتے ہیں۔ اور دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی پاک ذات پر الزام عائد ہوتا ہے ۔ (سبحانہ تعالیٰ)

اصل بات یہ ہے کہ انسان کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ اس کے بعض قویٰ اس کے اپنے حیطۂ اقتدار وطاقت کے اندر ہیں جیسے آنکھ اس سے دیکھ بھی سکتا ہے اور بند بھی کر سکتا ہے اور اس سے مشاہدہ قدرت بھی کر سکتا ہے اور شہوت

بعض عیسائی کہتے ہیں کہ یہ بشارت مسیح کے حق میں ہے۔ پر یہ دعویٰ اُن کا صحیح نہیں کیونکہ مسیح اور موسیٰ کے حالات میں کسی قسم کی مماثلت جو پیشگوئی میں مندرج ہے ہرگز نہیں پائی جاتی۔

وجہ اوّل یہ ہے کہ مسیح صاحب شریعت نہ تھے بلکہ شریعت موسوی کے پیرو تھے چنانچہ انکے بپتسمہ لینے ۔ ختنہ کرانے ۔ یورشلم میں آنے سے ظاہر ہے۔

دوم مسیح نے خود بھی تو دعویٰ نہیں کیا کہ بشارت تثلیث میرے حق میں ہے اور نہ اُن کے حواریوں نے اس بشارت کو اُنکی طرف منسوب کیا۔ بلکہ اعمال ب ۳۔ ۱۹ تا ۲۱ سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح اسکا مصداق نہیں۔ "پس توبہ کرو اور متوجہ ہو کہ تمھارے گناہ مٹائے جائیں۔ تاکہ خداوند کے حضور سے تازگی بخش ایام آویں۔ اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے جسکی منادی تم لوگوں کے درمیان آگے سے ہوئی۔ ضرور ہے کہ آسمان اُسے لیے رہے اُس وقت تک کہ سب چیزیں جنکا ذکر اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں۔ کیونکہ موسیٰ نے اپنے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمھارا خدا ہے تمھارے بھائیوں میں سے تمھارے لیے ایک نبی میری مانند اُٹھائیگا۔ جو کچھ وہ تمھیں کہے اُسکی سب سنو۔ اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس جو اُس نبی کی نہ سُنے وہ قوم سے نیست کیا جائیگا۔ بلکہ سب نبیوں نے سموئیل سے لیکر پچھلوں تک جتنوں نے کلام کیا اُن دنوں کی خبر دی ہے تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے ہو کہ خدا نے باپ دادوں سے باندھا ہے۔ جب ابرہام سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاوینگے تمھاری خدا نے اپنے بیٹے یسوع کو اُٹھا کے پہلے بھیجا کہ تم میں سے ہر ایک کو اُسکی بدیوں سے پھیر کے برکت دے" اس سے کئی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

اوّل مسیح کی آمد اول کے بعد اور آمد ثانی سے پہلے اس پیشین گوئی کا پورا ہونا ضروری ہے۔

دوم موسیٰ کے بعد یوشع اور اُسکے بعد انبیا اور سموئیل سے لیکر پچھلوں تک کوئی بھی اس کا مصداق نہیں ہوا۔

سوم حضرت ابراہیم کی دعا کو سوائے ارسال اُن انبیا کے جو بنی اسرائیل میں سے مرسل ہوے کوئی خاص خصوصیت اُس نبی سے ہے۔

چہارم مسیح اُس نبی سے پہلے آیا۔ اب اُس دوسرے کی ضرورت ہوئی۔

پنجم حواری کے قول سے صاف ظاہر ہے کہ اس بشارت کا مصداق کوئی نبی مسیح سے پہلے نہیں گذرا۔ اور خود مسیح بھی نہیں۔ اسلیے کہ اُس نبی کے آنے تک ضرور ہے کہ آسمان مسیح کو لیے رہے۔

۱۷۵
رکوع
۱

سوال

اگر کوئی شخص کہے کہ بنی عیسو اور بنی قطورا کیوں اس کے مصداق نہیں ہو سکتے

جواب

اوّل اُن میں سے کسی نے اس پیشین گوئی کو اپنے حق میں ثابت نہیں کر دکھایا۔

دوم پولوس نامہ رومیان - ۹ باب - ورس ۱۳ میں فرماتا ہے خداوند نے یعقوب سے محبت کی اور عیسو سے عداوت

سوم - عیسو نے مسور کی دال پر اپنی نبوت بیچدی - پیدایش ۲۵ باب - ۳۲ - ۳۳ -

چہارم - یعقوب نے فریب سے نبوت کا ورثہ اُس سے لے لیا - پیدایش ۲۷ باب - ۳۵ -

بنو ابنائے قطورا زندگی ہی میں خارج ہو چکے تھے - مرتے وقت صرف اسمٰعیل اور اسحاق پاس تھے پیدایش ۲۵ باب لغایت ۹ -

حل الاشکال میں اس پیشگوئی پر اعتراض کیا کہ بشارت میں تمھیں سے کا لفظ وارد ہے -

جواب (۱) خدا کے اس کلام میں جو موسیٰ نے نقل کیا یہ لفظ نہیں۔ (۲) یہ لفظ تمھیں سے - اعمال باب ۳ - ۲۲ میں نہیں - (۳) یونانی ترجمہ میں نہیں۔

دوسرا اعتراض - مسیح نے اس بشارت کو اپنی طرف نسبت کیا۔

جواب (۱) چونکہ مسیح بقول آپ کے مصلوب و مقتول ہوے تو اس کے مصداق نہ ہے۔ (۲) اس بشارت کو مسیح نے بالتخصیص اپنی طرف نسبت نہیں کیا - دیکھو یوحنا باب ۵ - ۴۶ تخصیص بشارت کا پتہ ہی نہیں دیا - اور یونہیں گول مول رہنے دیا (۳) صاحب حل الاشکال نے میزان میں - فصل ۳ باب ۲ میں لکھا ہے کہ پیدایش باب ۳ - ۱۵ میں مسیح کی بشارت ہے - پھر یہی یوحنا باب

ہوگی ویسی ہی بالمقابل موت ہوگی - غرض اس آیت میں جہاں ایک طرف انسان کو اپنے انعام پر دلیل دی ہے وہاں دوسری طرف اسلام کے متعلق ایک پیشگوئی فرمائی ہے یعنے جیسے اسلام سے پیشتر ان کو یاد دلاکر اپنی ہستی ظهر الفساد فی البر والبحر اور جنگلوں اور سمندروں میں فساد برپا ہوچکا تھا اللہ تعالےٰ نے ہی محض اپنی رحم سے جکی تھی اور ایک نئی زندگی بخشی اور حاشر الناس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم پر پہلے عرب کو جِلایا (زندہ کیا) اور پھر عرب کے ذریعہ ہی دنیا میں جہاں جہاں اسلام پھیلا زندگی کی روح پہونکی - اور یاد رکھو ابھی ایک وقت تم پر اور آنیوالا ہے کہ اسلام مردہ ہوجائیگا اور مسلمانوں میں سے زندگی کی روح نکل جائے گی اس وقت ہم ہی پھر اسلام کو زندہ کریں گے اور مسلمانوں کو زندگی عطا فرمائیں گے یہ پیشگوئی اس زمانہ کے متعلق تھی جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں - مسلمانوں کے مردہ ہونے میں کیا شک باقی رہا ہے - جبکہ اُنکے اندر بہت سے فرقہ پیدا ہوکر اُنکی ہوا بگڑ چکی ہے اور زندگی کی روح ساتھہ ہی نکل گئی - سلطنت اُنکی جاتی رہی - زبان اُنکی جاتی رہی قومیت اور ملیّت انمیں نہیں رہی ہاں خدا تعالےٰ کی ایک کتاب محفوظ موجود تھی جس نے انکو زندہ کیا تھا مگر آہ صد آہ یارب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجورا - اس مبارک مقدس شفا نور ہدایۃ اور ہمین کتاب کا پڑھنا پڑھانا - سننا اور سنانا تک جاتا رہا چہ جائیکہ اسپر عمل ہو - عبادات - معاملات میں وہ عظیم الشان زلزلہ آیا کہ جس نے قوم کے شیرازہ کو توڑ ڈالا - اور اس کو منتشر کر دیا - قوم کی عملی حالت ایسی ہوگئی کہ جو عیب دنیا میں مشہور تھا اور جس کی ممانعت خدائے پاک کے کلام میں موجود تھی اس کو مسلمانوں میں مروّج پایا - امید ہوسکتی تھی کہ علماء جو کتاب اللہ کو سمجھتے ہیں وہی قوم بیمار کا مداوا کریں گے مگر اُنکے باہمی اختلافات اور نفسانی اغراض نے اور بھی ستم ڈھایا خیال جاتا تھا کہ علماء نہ سہی مشائخ اور فقرا ہی اپنی دردمندانہ نیم شبی دعاؤں سے کچھ سہارا دیں گے اور اپنے طرز عمل سے اسلام کو زندہ کرنے کی فکر میں ہونگے مگر جب نظر اٹھا کر دیکھا تو انکو بدعات اور شرک میں مبتلا پایا - اندرونی آفتیں ہی کچھ کم نہ تھیں کہ بیرونی حملہ آوروں نے اندرونی ضعف و کمزوری پر مطلع ہوکر حملے پر حملے شروع کر دیئے - عیسائیوں - آریوں - برہموؤں - دہریوں - طبعیوں اور فلاسفروں نے اپنی طرف سے کوئی دقیقہ سکتے ہوئی اسلام کو معدوم کرنے میں فروگذاشت نہیں کیا اور ہر قسم کے جائز و ناجائز وسائل استعمال کئے کہ کسی طرح سے اسلام کا خاتمہ ہوجائے - کروڑوں کتابیں اور رسالے اسلام کی تردید میں شایع کئے اور لاکھوں کو گمراہ کیا - غرض یہ آفت اسلام پر ایسی آئی کہ یقین ہو چلا تھا کہ اب خاتمہ قریب ہی کہ آخر اللہ تعالےٰ نے اپنے اس وعدہ کیموافق ثم یحییکم پھر زندگی کی روح پھونکی - اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا کیا یعنے چودھویں صدی کے مجدد کو جو کسر صلیب کے لئے مسیح موعود اور گمراہوں کی ہدایت کے لئے مہدی مسعود ہی پیدا کیا اور اب نسیم زندگی چلنے لگی ہے - اب اے مسلمانو! تم نے اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھہ لیا اور تم پر حجت پوری ہوچکی !!! غرض اس پیشگوئی کا آخری حصہ اب پورا ہونا شروع ہوا ہے اور یہہ خدا تعالےٰ کی ہستی پر ایک لازوال دلیل ہے - (ایک نکتہ) :- اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ احیاء اور اماتت اللہ تعالےٰ کا ایک خاص فعل ہے اور اس نوعیت پر کوئی دوسرا شریک نہیں ہے - کیونکہ یہ تو ہستی باریتعالیٰ پر ایک دلیل ہے - اب وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مسیح نے مردوں کو زندہ کیا اسطرح جیسے اللہ تعالےٰ زندہ کرتا ہے یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہی کیونکہ مردوں کا زندہ کرنا اللہ تعالےٰ کا فعل خاص ہے اور اسکی ہستی کی دلیل - پس اس رنگ میں کوئی دوسرا مردہ کو زندہ نہیں کرسکتا - ہاں جو احیاء مردہ رسولوں کا ہے وہ ایک امر دیگر ہے - پھر اسی سلسلہ دلیل ہستی باری تعالےٰ پر فرمایا - هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استوى الى السماء فسوّٰهن سبع سمٰوٰت وهو بكل شئ علیم - اللہ وہ اللہ ہے جس نے جو کچھہ زمین میں ہے اُسی نے پیدا کیا ہے اور اس سب مخلوق کو تمہارے ہی لئے پیدا کیا ہے پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور اس کو ٹھیک ٹھاک کیا سات آسمان (اسپر دلیل یہ ہے کہ) وہ ہر شئے کا عالم کامل ہے - قرآن کریم جو کچھہ بیان فرماتا ہے وہ واقعات کی بنا پر ہوتا ہے اور اس کے مدنظر وہ تمام مذاہب ہوتے ہیں جو اسلام کے مخالف ہیں اور اس کے طرز بیان میں یہ شان اور ہی نرالی ہے کہ وہ ہر دعوی کی دلیل خود ہی بیان فرماتا ہے - اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے آریوں کے اس اعتقاد کی تردید فرمائی ہے جو انھوں نے غلط کار فلاسفروں کی اندھی تقلید سے بنا رکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ معاذ اللہ زمین و آسمان کی موجودات میں سے کسی کا بھی خالق نہیں ہے اور ساتھہ ہی عیسائیوں کے اِس غلط عقیدہ کو باطل کیا ہے کہ مسیح بھی خالق ہے اس نے چڑیاں بنائی تھیں - ان دونوں باتوں کو واضع طور پر ذیل میں بیان کرتے ہیں :- هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا - اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو کچھہ زمین میں ہے وہ سب کچھہ اللہ ہی نے نہ کسی اور نے

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔ پ ۹ سورہ انفال ۔ ع ۔ اس آیت میں یہ بات بتائی کہ تیرے یہاں ہوتے ہوئے یعنی مکہ میں وہ عذاب نہیں آئے گا۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ پ ۔ س نمل ۔ ع ۔ اسمیں بتایا کہ یہ عذاب کچھ حصہ اس عذاب موعود کا ہوگا ۔ اور تمھاری تباہی اور استیصال کا شروع ہوگا۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۔ پ ۲۲ ۔ س سبا ۔ ع

نوٹ ۔ نبوت کا دن ایک برس کا ہوتا ہے ۔ جیسے دن جو ساتھ صبح اور شام کے نبوت میں لکھا ہو یا شام یا صبح سے شروع کرے تو چوبیس گھنٹہ کا شمار ہوتا ہے ورنہ ایک سال کا ۔ دیکھو اندرونہ بائبل صفحہ ۳۱۳ ۔

ہادی صاحبان غور کرو قرآن نے کیسا معجزہ دکھلایا کہ ان کے زوال کا وقت بھی بتلا دیا ۔ اور یہ وعدہ جنگ بدر میں پورا ہوا ۔ کیونکہ بدر کی لڑائی ٹھیک ایک برس بعد ہجرت کے واقع ہوئی ۔ یعنی ۱۵ر جولائی ۶۲۲ء کو آنحضرت مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لیگئے اور ۶۲۳ء میں قریش سے جنگ بدر ہوئی اور اس بدر کی لڑائی کو قرآن نے آیت یعنی عظیم الشان ٹھہرایا جو کامیابی اسلام کا گویا آغاز ہے چنانچہ فرمایا قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ۔ پ ۳ ۔ سورہ عمران ۔ ع ۔ ترجمہ ۔ ہوچکا ہے تمکو ایک نمونہ دو فوجوں میں جو بھڑی تھیں ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اسکی راہ میں اور دوسری منکر ہے یہ انکو دیکھتی ہے اپنے دو برابر صریح آنکھوں سے اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جسکو چاہے ۔ اسی میں خبردار ہو جاویں جنکو آنکھ ہے ۔

۱۷۴ رکوع ۱

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ پ ۳ ۔ سورہ عمران ۔ ع ۱۳ ترجمہ ۔ اور تمھاری مدد کرچکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم بے مقدور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے شاید تم احسان مانو ۔

یہاں وہ پیشین گوئی جو یسعیاہ باب ۲۱ ورس ۱۳ سے شروع ہوتی ہے پوری ہوئی ۔ عرب کی بابت الہامی کلام ۔ عرب کے صحرا میں تم راتکو کاٹو گے اے ددانیوں کے قافلو ۔ پانی لیکے پیاسے کا استقبال کرتے آؤ اے تیما کی سرزمین کے باشندو روٹی لیکے بھاگنے والیکے ملنے کو نکلو ۔ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں ۔ کیونکہ خداوند نے مجھکو یوں فرمایا ہنوز ایک برس ہاں مزدور کے سے ایک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہیگی اور تیر اندازوں کی جو باقی رہی ۔ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائینگے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔"

اس لڑائی میں قیدار کے اکثر سردار مارے گئے ۔ اور وہ کامیابی جو سچائی کا معیار ہوتی ہے ظاہر ہوگئی ۔ اور یہ بدر کی فتح اسلام کے حق میں ایسی ہی کبیر عظیم تھی جیسی جنگ ملوین برج کی فتح دین عیسوی کے حق میں ۔

یوں امر کی نسبت قرآن فرماتا ہے ۔ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِى الْاَبْصَارِ ۔ پ ۲۸ ۔ س حشر ۔ ع ۱ ۔ ترجمہ اور ڈالی ان کے دلوں میں دھاک اجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سو دہشت مانو اے آنکھ والو ۔

توراۃ میں بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ سچے نبی سے ڈریں لیکن ان لوگوں نے کفار مکہ کیطرح نبی برحق کی مخالفت کی ۔ وعید الٰہی سے تنگ ہوگئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی نضیر (بنی اسرائیل) ویران اور تباہ ہوکر مدینہ سے نکل گئے ۔

(دوسرا حصہ اس امر کی تردید کہ مسیح مراد نہیں)

سلہ دیکھو سنین اسلام جلد اول مصنفہ ڈاکٹر لیٹنر صفحہ ۲۷ ۔ مطبوعہ انجمن پنجاب لاہور ۔

ہی نہ سکتے ہیں۔ (۳) فساد فی الارض۔ یہ ہر سہ امور یوں تو ہر فاسق میں علی العموم ہوتے ہی ہیں مگر اس جگہ بیان الٰہی میں یہ راز او رستر ہے کہ چونکہ یہ عہد تھا انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اس طرح پر پیش آنا تھا تو جیسے یضل بہ کثیراً ان کے متعلق پیشگوئی ہے یہ حصہ بھی بطور پیشگوئی ان کے اعمال اور افعال کا ایک نقشہ ہے جس کی صراحت آیندہ آتی جائیگی

عہد اللہ سے مراد احکام اللہ ہے اور یہ لفظ فطرت صحیحہ عقل سلیم اور کتب اللہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ میثاق ہیں جو ضمیمہ ہے انہی جملہ عہد اللہ ہے ہاں اس میثاق سے مراد وہ میثاق ہی ہے جو اہل کتاب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا تھا جسکو دوسرے مقام پر اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل الی الآیہ (اور جبکہ لیا ہم نے اولاد اسرائیل سے وعدہ) الغرض اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ باوصفیکہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ انہوں نے عہد کیا باوجودیکہ خود انکی فطرت سلیمہ اوامر و نواہی الٰہیہ کے فعل اور ترک فعل کی ہدایت کرتی ہے پھر بھی جو اپنی فطرت سلیمہ کے خلاف عمل کرتے ہیں تو بتلاؤ کہ اس کا نتیجہ اگر ہلاکت اور خسران نہو تو کیا ہو۔؟

ما امر اللہ بہ ان یوصل سے مراد جملہ احکام الٰہی اور تمام مامورمن اللہ اور صلحاء اور اتقیاء علی الخصوص سید الانبیاء صفی الاصفیاء و اتقی الاتقیاء جناب سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس جو لوگ اُن سے قطع کرتے ہیں حالانکہ اُن کے ساتھ پیوند کرنے کا اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے اور اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ زمین پر فساد مچاتے ہیں یعنے اللہ تعالےٰ کی راہ سے روکتے ہیں اور فتنہ پردازیاں کرتے ہیں اور یہی امور ہیں جو موجب فساد ہیں۔ یہ لوگ ہیں جو نقصان اٹھانیوالے ہیں یہ منافقوں کے علامات ہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ واذا قیل لہم لاتفسدوا فی الارض انکی بابت آچکا ہے۔ اور پھر مشرک بھی اسی میں ہیں کیونکہ قرآن کریم میں توحید الٰہی پر دلائل دیتے ہوئے اور شرک کے بدنتائج بیان فرماتے ہوئے مولا کریم نے فرمایا ہے لوکان فیہما آلہۃ الا اللہ لفسدتا (پ۱۷ س انبیاء ع ۲) یعنے اگر زمین و آسمان میں ایک معبود برحق کاملہ صفات سے موصوف اور برائیوں سے پاک ذات اللہ تعالےٰ کے سوا کچھ اور معبود بنائے جائیں تو آسمان و زمین میں ایسی بری خرابی پڑے کہ تباہی آجاوے۔ فی الجملہ یہ آیت صاف طور پر یضل بہ کثیراً کے معنے کے لئے ایک کامل کلید ہے اور واضح کرکے دکھلایا ہے کہ کس طرح ہر ایک فعل پر ایک ایک نتیجہ مترتب ہوتا چلا آیا ہے۔ فاسق یا انجام کار خاسر نے تک اول عہد اللہ کو توڑا۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ مامورمن اللہ سے بیجا دشمنی پیدا ہوئی۔ اُنسے قطع تعلق کیا تو پھر فساد اور شر پیدا ہوا کیونکہ اپنی بات کی پاسداری کے لئے پھر انکو گانٹھنا پڑا جن سے دور رہنے کا اور الگ ہونے کا حکم دیا گیا تھا اور ادھر ادھر جوڑ توڑ کرنے پڑے یہانتک کہ خسران تک نوبت پہونچگئی۔ (اللہم لاتجعلنا منہم آمین) قرآن کریم کا جیساکہ طرز ہے اب پھر اسی اصل مطلب یعنی وعظ توحید کی طرف رجوع فرماتا ہے اور اسلام کی ابتدا۔ ترقی۔ زوال اور پھر انجام کار ترقی کی پیشگوئی کرتا ہے۔

کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ج ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون۔ تم اللہ تعالےٰ کا کیونکر انکار کرتے ہو۔ تم مردہ تھے اس نے ہی تم کو زندہ کیا۔ پھر تم کو موت دیگا پھر زندہ کریگا آخر وہی مرجع اور مآب ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنی ہستی منوانے کے لئے ایک لطیف دلیل پیش کی ہے اور اسلام کی ابتدا اور انجام کی پیشگوئی فرمائی ہے۔ یعنے کیا تم اس اللہ کا انکار کرسکتے ہو جس نے تم کو عدم محض سے زندہ کیا۔ نطفہ کی حالت میں مردہ تھے زندگی بخشی۔ جاہل تھے عالم بنایا۔ کچھ نہ تھے سب کچھ بنادیا۔ انسان اپنی حالت پر اگر غور کرے تو وجود باری تعالےٰ کے لئے اس کو کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی اس لئے اس دلیل کو اللہ تعالےٰ نے کیف سے شروع فرمایا جو تعجب کیطور پر آتا ہے یعنے ہستی الٰہی تو...... ایسی کھلی کھلی ہستی ہے کہ اسکا انکار موجب تعجب ہی۔ یاد رہے کہ حیاۃ کے مندرجہ ذیل معنے آتے ہیں (۱) قوت نامیہ جسکے ذریعہ سے نشو و نما پاتا ہے (۲) قوت حاسہ۔ (۳) قوت مدرکہ۔ (۴) غم و ہم کا دور کرنا (۵) حیاۃ جاودانی (۶) رزق حلال (۷) جنت الخلد وغیرہ اور موت کا اطلاق ان کے بالمقابل معانی پر ہوتا ہے یعنے جیسی حیاۃ

ہستی معبود کے وجود پر پہلا استدلال

> [illegible] کے اعتراض کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے۔

حَقٌّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ - اس آیت کا سیاق و سباق یعنی اگلی پچھلی آیتوں کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس جگہ نبوت اور قرآن شریف کا کوئی ذکر نہیں صرف سیارات کا بیان ہے کہ اب بیت المقدس کی طرف - بلکہ بیت کعبہ کی طرف منہ پھیر کر نماز پڑھنی چاہیئے - سو اللہ جل شانہ اس آیت میں فرماتا ہے کہ یہی حق بات ہے یعنی خانہ کعبہ کی طرف منہ پھیر کر نماز پڑھنا حق ہے جو ابتدا سے مقرر ہو چکا ہے اور پہلی کتابوں میں بطور پیشگوئی اسکا بیان بھی ہے سو تو (اے پڑھنے والے اس کتاب کے) اس بارہ میں شک کرنیوالوں سے مت ہو۔ پھر اس کے آگے بھی اسی مضمون کے متعلق آیتیں ہیں چنانچہ فرماتا ہے وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ یعنی ہر ایک طرف سے جو تو نکلے تو خانہ کعبہ ہی کی طرف نماز پڑھ یہی تیرے رب کی طرف سے حق ہے غرض صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام آیات خانہ کعبہ کے بارہ میں ہیں کسی اور تذکرہ سے متعلق اور چونکہ یہ حکم جو خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کیلیے صادر ہوا ایک عام حکم ہے جسمیں سب مسلمان داخل ہیں لہذا بوجہ عموم منشاء حکم بعض وسوسہ والی طبیعتوں کا وسوسہ دور کرنیکے لیے ان آیات میں اسکو تسلی دی گئی کہ اس بات سے متردد نہ ہوں کہ پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے پڑھتے اب اس طرف سے ہٹکر خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنا کیوں شروع کر دیا سو قرمایا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ وہی مقرر شدہ بات ہے جسکو خدا تعالیٰ نے اپنے پہلے نبیوں کے ذریعہ سے پہلے ہی سے بتلا رکھا تھا اسمیں شک مت کرو۔

دوسری آیت جو معترض نے بتائید دعویٰ خود تحریر کی ہے وہ سورۃ انعام کی ایک آیت ہے جو معہ اپنی آیات متعلقہ کے اس طرح پر ہے۔ أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ یعنی کیا بجز خدا کے میں کوئی اور حکم طلب کروں اور وہ وہی ہے جسنے مفصل کتاب تمپر اتاری اور جن لوگوں کو ہمنے کتاب یعنی قرآن دیا ہے مراد یہ ہے کہ جنکو ہمنے علم قرآن سمجھایا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ منجانب اللہ ہے سو اے پڑھنے والے تو شک کرنیوالوں میں سے مت ہو۔

اب ان آیات پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب اس آیت کا جو فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ہے ایسے لوگ ہیں جو ہنوز یقین اور ایمان اور عام سے کم حصہ رکھتے ہیں بلکہ اوپر کی آیتوں سے یہ بھی کھلتا ہے کہ اس جگہ یہ حکم فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ کا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جسکا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے کیونکہ شروع کی آیت میں جس سے یہ آیت تعلق رکھتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی قول ہے یعنی یہ کہ أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا سو ان تمام آیات کا بامحاورہ ترجمہ یہ ہے کہ میں بجز خدا تعالیٰ کے کوئی اور حکم جو تجھمیں اور تمہیں فیصلہ کرے مقرر نہیں کر سکتا وہ وہی ہے جسنے تمپر مفصل کتاب نازل کی سو جنکو اس کتاب کا علم دیا گیا ہے وہ اسکا منجانب اللہ ہونا خوب جانتے ہیں سو تو (ای خبر آدمی) شک کرنیوالوں میں سے مت ہو۔

اب اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شک نہیں کرتے بلکہ شک کرنیوالوں کو بحوالہ شواہد و دلائل منع فرماتے ہیں پس باوجود ایسے کھلے کھلے بیان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شک فی الرسالۃ کو منسوب کرنا بیخبری و بیعلمی یا محض تعصب نہیں تو کیا ہے۔

پھر اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر شک کرنے سے بعض ایسے نو مسلم یا متردد منع کیے گیے تھے جو ضعیف الایمان تھے تو انکو یوں کہنا چاہیئے تھا کہ تم شک مت کرو نہ یہ کہ تو شک مت کر کیونکہ ضعیف الایمان آدمی صرف ایک ہی نہیں ہوتا بلکہ کئی ہوتے ہیں بجائے جمع کے واحد مخاطب کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا - اسکا جواب یہ ہے کہ اس وحدت سے وحدت جنسی مراد ہے جو جماعت کا حکم رکھتی ہے اگر تم اول سے آخر تک قرآن شریف کو پڑھو تو یہ عام محاورہ اسمیں پاؤ گے کہ وہ اکثر مقامات میں جماعت کو فرد واحد کی صورت میں مخاطب کرتا ہے مثلاً نمونہ کے طور پر ان آیات کو دیکھو لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَخْذُولًا - وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۞ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا - یعنی خدا تعالیٰ کے ساتھ

۱۷۷

رکوع ۱

رکوع نمبر ۴

سرزمین پر خلافت کا بیان - آدم کا زمین پر خلیفہ مقرر کیا جانا - ایک امر الٰہی کا فرشتوں میں آنا - آسمان پر اس کا شور - فرشتوں کا جو امر الٰہی کے زمین پر پہونچانے کا ذریعہ ہیں اس امر خلافت پر کچھ عرض فساد اور خونریزی کا وہم - آدم کی فطرۃ اور فرشتوں کی فطرت کا باہم متغایر ہونا - آدم کے ذریعہ جو خدا کا جلال زمین پر ظاہر ہوتا اس سے فرشتوں کی لاعلمی اور ناواقفی - خدا کے حضور میں اپنی نادانی اور جہالت کا اقرار - آدم کا خدا کے حضور سے الٰہی صفات کے ظہور کا مظہر ہونا - فرشتوں پر آدم کا فوق ثابت ہو کر مسجود ملائکہ بننا - ابلیس کی عداوت آدم سے - شیطان کے تکبر اور انکار کی ذلت - خدا کی درگاہ سے اس کا مردود ہونا - آدم اور اس کی بیوی - ان دونوں کو جنت میں رہنے کا حکم - ایک درخت کا پھل کھانے سے منع کیا جاتا ہے - شیطان کا اغوا - جنت سے آدم اور اسکی بی بی کا اخراج (جلاوطنی) اور زمینی انتظام شروع ہوتا ہے - آدم پر شریعت کا نزول - خدا کے حضور سے آدم کے لئے معافی - آدم پر شریعت آسمانی کی پابندی لازم کی جاتی ہے - خدا کی طرف سے جو ہدایت اتری اس کے ماننے والوں کا انجام - خدا کی شریعت کو جھٹلانے والوں اور انکار کرنے والوں پر خدا کا عذاب -

رکوع ۴ پر عام نظر ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کریم سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے - اور سورۃ البقرہ میں خصوصیت کے ساتھ فاتحۃ الکتاب کی تفسیر ہو رہی ہے - چنانچہ ہم نے پچھلے ہر سہ رکوعات میں اس امر کو نظر انداز نہیں ہونے دیا - اور سورۃ الفاتحہ کی تفسیر انہیں بیان کرتے رہے ہیں - اس رکوع میں اللہ کریم نے انعمت علیہم گروہ کی تفسیر ایک راستباز اور سید انسان اور مغضوب علیہم گروہ کی تفسیر خدا سے دور متکبر و منکر شیطان کے قصہ میں بیان فرمائی ہے تاکہ وہ زیادہ موثر اور مطلب خیز ثابت ہو کیونکہ مثال ہمیشہ موثر اور سمجھنے کے لئے آسان ہوتی ہے -

قصص قرآنی کی غرض - اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون پر مختصر سی جامع گفتگو کی جائے کہ قرآنی قصص کی غرض و غایت کیا ہے - کیونکہ یہ اعتراض بہت سے ناواقف اور کم فہم لوگوں نے کیا ہے کہ قرآن کریم چند قصوں کا مجموعہ ہے اور اساطیر الاولین سے بڑھ کر (معاذ اللہ) کچھ بھی نہیں ہے - یاد رہے کہ قرآن کریم کے قصص ایک خاص بات اپنے اندر رکھتے ہیں اور وہ تاریخی طرز و اسلوب پر بیان نہیں ہوئے جیسا کہ ہماری تفسیر کے پڑھنے والوں کو اپنے اپنے موقع پر معلوم ہو جائے گا (انشاء اللہ تعالیٰ) کیونکہ قرآن کریم ضمنی امور اور غیر متعلقہ واقعات کو چھوڑتا جاتا ہے اب ہم اُن اسرار کو بتلانا چاہتے ہیں جو ان قصص میں مرکوز ہیں اور صرف تین ہی پر اکتفا کریں گے -

پہلی غرض بذریعہ ماموراول ماموریں کی تصدیق - **پہلی غرض** - چونکہ ہدایت الٰہی کا سلسلہ قیامت تک ختم ہونیوالا نہ تھا اور وقتاً فوقتاً دنیا میں مامور - مرسل مجدد - محدث - خلفاء - آنے والے تھے اور ایک مامور سے دوسرے مامور کے درمیانی زمانہ میں منہاج نبوت پر عمل در آمد نہ رہ کر بہت سی بدعتیں اور جدید در جدید گمراہی کے سامان پیدا ہو جاتے تھے اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس کے بعد آنے والے مامور کی تصدیق کے لئے مامور اول کے واقعات کو بطور دلیل بیان فرمایا ہے اور یہ طرز استدلال قرآن کریم میں استدلال استقرائی ہے اور استقرار کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے کہ اگر یقینی اور قطعی مرتبہ سے انکو نظر انداز کر دیا جائے تو دین و دنیا کے سلسلہ میں ایک خلل عظیم واقع ہو - پس ان قصص کے بیان کرنے سے اللہ تعالےٰ کی ایک غرض

۶ ہم میں کیوں نہیں۔ (۴) یوحنا باب ۱-۲۰-۲۵۔ اور اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا - بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں۔ تب انھوں نے اُس سے پوچھا کہ تو اور کون ہے کیا تو ایاس ہے اُس نے کہا میں نہیں ہوں - پس آیا تو وہ نبی ہے اُس نے جواب دیا نہیں -

یوحنا انجیلی - یوحنا بپتسما دینے والے کی شہادت میں لکھتا ہے کہ نہ وہ مسیح ہے نہ ایلیا نہ وہ نبی - اور ریفرنس میں وہ نبی کا نشان استثنا باب ۱۸ - ۱۵ - و ۱۸ دیا ہے یعنی موسیٰ کے مثل نبی - اور وہ صرف نبی عربی ہے -

پادری عماد الدین نے تحقیق الایمان میں - اور پادری ٹھاکر داس نے عدم ضرورت قرآن میں مماثلت پر گفتگو کی ہے اور بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں جسے دیکھکر انکی ناکامیاب کوششوں پر سخت افسوس آتا ہے - پادری عماد الدین نے بچوں کا قتل - چالیس دن کا روزہ - معجزات - اور شریعت معانی (معدوم الوجود) بمقابلہ شریعت موسوی کے وجہ مماثلت ٹھہرائی ہے -

تعجب کی بات ہے - کیونکہ موسیٰ کے وقت بچوں کا قتل ہوا ہی نہیں - بلکہ فرعون نے حضرت موسیٰ سے پہلے ہی اسرائیل کی کثرت کی خوف سے یہ کارروائی کی تھی - اور چالیس دن کا روزہ تو ایلیا نے بھی رکھا دیکھو اول سلاطین ۱۹ باب - و دس - ۸ - رہے معجزات ایلیا نے بھی مردے زندہ کیے دیکھو اول سلاطین ۱۷ باب ۲۲ و ۲۳ - و دوم سلاطین - باب - ۳۵ - ایلیا نے دریا کے دو حصے کرکے زمین خشک نکالی اور دریا پار ہوا - دیکھو دوم سلاطین باب ۲ - ۸ - ایلیا نے دوسروں کو معجزات کے لائق بنایا - دوم سلاطین باب ۲ - ۱۰ - ایلیا جسم سے آسمان پر چلا گیا - دوم سلاطین باب ۲ - ۱۱ - ایلیا نے تیل کو بڑھایا - دوم سلاطین باب ۴ - ۲ - ایلیا کی روح سے الیشع نے کوڑھ اچھا کیا دوم سلاطین باب ۵ - ۱ - و ۱۴ -

مثیل موسیٰ کی بشارت کی تکمیل

ہم ایک نا قابل عفو غلطی اور فروگزاشت کا ارتکاب کرینگے اگر مختصر طور پر اس بشارت کی تکمیل یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر نہ کرینگے چنانچہ خود مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں -

میں اسکو بار بار بیان کروں گا اور اس کے اظہار سے میں رک نہیں سکتا کہ میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاح خلق کیلیے بھیجا گیا تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جاوے - میں اسطرح بھیجا گیا ہوں جسطرح سے وہ شخص بعد کلیم اللہ مرد خدا کے بھیجا گیا تھا جسکی روح ہیروڈیس کے عہد حکومت میں بہت تکلیفوں کے بعد آسمان کیطرف اُٹھائی گئی - سو جب دوسرا کلیم اللہ جو حقیقت میں سب سے پہلا اور سید الانبیاء ہے دوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لیے آیا جسکے حق میں ہے إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا - تو اسکو بھی جو اپنی کارروائیوں میں کلیم اول کا مثیل مگر رتبہ میں اُس سے بزرگتر تھا ایک مثیل المسیح کا وعدہ دیا گیا اور وہ مثیل المسیح قوت اور طبع اور خاصیت مسیح ابن مریم کی پاکر اُسی زمانہ کی مانند اور اُسی مدت کے قریب قریب جو کلیم اول کے زمانہ سے مسیح ابن مریم کے زمانہ تک تھی یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اُترا اور وہ اُترنا روحانی طور پر تھا جیسا کہ مکمل لوگوں کا صعود کے بعد خلق اللہ کی اصلاح کیلیے نزول ہوتا ہے اور سب باتوں میں اُسی زمانہ کے ہمشکل زمانہ میں اُترا جو مسیح ابن مریم کے اُترنے کا زمانہ تھا تا سمجھنے والوں کے لیے نشان ہو -

غرض

اس بشارت کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس بشارت کا متمم و مکمل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے - اور یہی وہ الحق تھا جسکا کتمان اہل کتاب کرتے تھے -

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ

کسی قدر بحث ہم نے اسپر پہلے کی ہے لیکن اس رکوع کو ختم کرنے سے پہلے اسپر پھر کسی قدر تفصیل سے بحث کی ضرورت سمجھتے ہیں اسی آیت پر مردہ پرست نصرانیوں نے آج سے تیرہ سال پہلے یہ اعتراض کیا تھا کہ اس سے پایا جاتا ہے کہ سرور عالم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعوی نبوت پر شک تھا اور وہ اپنے آپکو رسول اللہ یقین نہیں کرتے تھے اگر انھوں نے کبھی کوئی معجزہ کیا ہوتا یا معراج ہوا ہوتا یا جبرئیل علیہ السلام قرآن لائے ہوتے تو وہ متشکی نہ ہوتے؟

اس سوال کا جواب ہمارے سید و مولیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حکیم الامہ حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب نے جو دیا تھا اُسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں -

تمہارے فائدہ کی خاطر پیدا کیا ہے - اس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ زمین میں جو کچھ موجود ہے یہ سب اللہ ہی کی مخلوق ہے نہ کسی دوسرے کی -

اب وہ ہم کو بتلائیں جو کہتے ہیں کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام بھی مٹی کے پرندے اور چڑیاں بنایا کرتے تھے کہ وہ مسیح کے بنائے ہوئے پرندے کہاں گئے۔ اس زمین کی پشت پر تو ہو نہیں سکتے کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ما فی الارض جمیعا کا خالق تو وہ خود ہے - اب اس نئی زمین کا جب تک پتہ نہ دو جہاں وہ مسیح کے مخلوق پرندے موجود ہیں یہ دعویٰ صحیح نہیں ثابت ہو سکتا - سوچو اور غور کرو !! - اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا میں اللہ تعالےٰ نے کوئی چیز بے کار اور عبث پیدا نہیں کی ہے - پس ہر ایک شے کے جائز استعمال سے فائدہ اٹھانا مناسب ہے - اللہ تعالےٰ نے اپنے خالق ہونے کا دعویٰ کرکے آریہ کے عقیدہ کی تغلیط کی ہے اور پر بحث اس دلیل پر کریں گے جو اس خلق کے صنعت کے ثبوت میں اس آیت کے اخیر میں دی ہے -

ثم استوی الی السماء فسوٰھن سبع سمٰوات - اس حصہ آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سبع سموات تک تو اللہ تعالےٰ ہی کی مخلوق ہے گویا آسمان کے اوپر بھی کسی مقام پر مسیح کے بنائے ہوئے پرند نہیں ہیں - اس آیت پر دو اعتراض کئے گئے ہیں اول یہ کہ آیا نفس الامر میں آسمان کا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں اور دوم یہ کہ کیا واقعہ میں وہ سات ہی ہیں - پہلے اعتراض کا جواب ہم نے اس رکوع کے ابتدائی حصے میں شرح و بسط کے ساتھ دیدیا ہے - دوسرے اعتراض کا جواب اب لکھدیتے ہیں بحولہ و بقوتہ - اول - دیکھو زمین کی ہوا سے ذرا اوپر کی ہوا لطیف ہے اور اسی طرح پر لطیف ہوتی جاتی ہے پھر اگر اسی طرح پر آسمان کے طبقہ ہوں تو کیا حرج لازم آتا ہے ؟ اور قرآن کریم نے نوعیت وجود آسمان کی کہیں تشریح نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف طبقات سماویہ کے اقسام سات ہی ہیں - دوم اخیر ۱۸۹۹ء تک کی اسٹرانومی کی تحقیقات سے پتہ لگا ہے کہ ستارے سات قسم کے ہیں .... پس اس حیثیت سات ہی اقسام آسمان کے ثابت ہوتے ہیں - سوم امور معاد کے متعلق بھی سات آسمان ہی دوسرے رنگ میں نظر آتے ہیں کیونکہ وہ عالم بجائے خود ایک جدا جدا عالم ہیں (۱) عالم انسانی (۲) عالم مثال (۳) عالم ارواح (۴) عالم برزخ (۵) عالم محشر (۶) عالم دوزخ (۷) عالم جنت - اب ہر عالم کا جدا جدا آسمان ہوگا اور یہ بھی سات ہی ہوئے - چہارم جغرافیکل تحقیقات سے بھی سات ہی آسمانوں کا پتہ لگتا ہے کیونکہ خشکی اور تری کو سات بڑے بڑے حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے - پنجم قرآن کریم نے ہفت آسمان کی ایک اور سچی فلسفی بیان کی ہے جو قرآن کریم کے مختلف مقامات میں درج ہے اور اس طرح پر سات آسمانوں کا ثبوت دیا ہے اور وہ یہ ہے - زمین سے لیکر فوق میں جہانتک اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہے اس مخلوق کو اللہ تعالےٰ نے ایک تقسیم میں سات حصوں میں تقسیم فرمایا ہے - ہر ایک آسمان جس کا بیان اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں کیا ہے وہ آیات ذیل سے معلوم ہوتا ہے -

(۱) وہ مقام جہاں ہمارے لئے کھانے کا سامان ہے - و فی السماء رزقکم و ما توعدون - آسمان میں تمہارے رزق ہیں اور وہ چیز ہے جس کا تم کو وعدہ دیا گیا ہے - (ب) وہ مقام جس میں جانور اڑتے ہیں جیسے فرمایا اولم یروا الی الطیر صافات فی جو السماء - کیا یہ لوگ پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسی صفیں باندھے ہوئے آسمانی فضا میں موجود ہیں (ج) وہ مقام جہاں اولے بنتے ہیں اور کھیتوں اور باغوں کو ویران کرتے ہیں جیسے فرمایا فانزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء بما کانوا یفسقون - پھر ہم نے ہی اتارا بدکاروں پر انکی بدکاری کے بدلے عذاب (د) وہ مقام جہاں سے مینہ آتا ہے و انزلنا من السماء ماءً اور ہم نے ہی بادلوں سے پانی اتارا (ھ) وہ مقام جس میں ستارے اور سیارے گھومتے ہیں جیسے فرمایا و لقد زینا السماء الدنیا بمصابیح و جعلناھا رجوما للشیاطین و اعتدنا لھم عذاب السعیر - اور ہم نے ہی سماء دنیا کو ستاروں سے مزین فرمایا اور اسکو شیاطین کے سنگسار کے لئے بنایا اور ہم نے انکے لئے دوزخ کا عذاب طیار کیا - (و) وہ تمام جس میں ستارے ہیں جیسے و جعلنا فی السماء بروجا - بنائے ہم نے آسمان میں بروج - (ز) وہ حصہ جو ان سب سے اوپر ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے بہشتوں کو رکھا ہے کہ ان مشہور ستاروں سے اوپر بھی کوئی مقام ہے جیسے فرمایا جنة عرضھا السموات و الارض اعدت للمتقین -

غرض یہ تقسیم ہے سبع سمٰوات کی جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے ہم سمجھتے ہیں کہ سبع سمٰوات کا کافی ثبوت ہو چکا ہے - اب اس سوال کا جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آسمانوں کو سات میں ہی کیوں محدود کیا اسکی کیا وجہ ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر کی تقسیم سے بھی ثابت ہوتا ہے یہ در اصل تاثیرات مختلفہ کی طرف اشارہ ہے جو مختلف طبقات سماوی سے مختلف ستارے اپنے اندر جذب کرتے ہیں اور پھر زمین پر ان تاثیرات کو ڈالتے ہیں - چنانچہ اس کی تصریح اس آیت میں موجود ہے اللہ الذی خلق سبع سمٰوات و من الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن الی الآیہ - یعنی خدا تعالےٰ نے آسمانوں کو سات پیدا کیا اور ایسا ہی زمینیں بھی سات پیدا کیں اور ان سات آسمانوں کا اثر جو بامر الٰہی انہیں پیدا ہوتا ہے سات زمینوں میں ڈالا تاکہ تم لوگ معلوم کرلو کہ اللہ تعالےٰ ہر ایک چیز کے بنانے پر اور ہر ایک انتظام کے کرنے پر اور رنگا رنگ کے پیرایوں میں اپنے کام دکھلانے پر قدرت تامہ رکھتا ہے اور تا تمہارے علم وسیع ہو جائیں اور علوم و فنون میں تم ترقی کرو - اور ہیئت اور ہیئی اور طبابت اور جغرافیہ وغیرہ علوم تم میں پیدا ہو کر خدا تعالےٰ کی عظمتوں کی طرف تمکو متوجہ کریں اور تم سمجھ لو کہ کیسے خدا تعالےٰ کا علم اور اس کی حکمت کاملہ ہر ایک شے پر محیط ہے اور کیسی ترکیب ابلغ اور نظام محکم کے ساتھ آسمان اور جو کچھ اس میں ہے اپنا رشتہ زمین سے رکھتا ہے اور کیسے خدا تعالےٰ نے زمین کو قوت قابلہ عطا فرمائی ہے اور آسمانوں اور انکے اجرام کو قوت موثرہ مرحمت فرمائی ہے علاوہ ازیں ہر چیز کو اپنے کمال کے لئے سات درجے طے کرنے پڑتے ہیں - پس ضروری تھا کہ آسمان بھی اس سات کے عدد میں آتے - و ھو بکل شیء علیم - اس رکوع کے اس آخری فقرہ کو اللہ تعالےٰ نے اپنے دعویٰ خالق الاشیاء ہونے پر بطور دلیل بیان فرمایا ہے - یعنے اللہ تعالےٰ کے خالق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا کامل علم رکھتا ہے - اور یہ ایک مسلم بات ہے کہ علم کامل کسی شے کا اس چیز کے ...

آسمان سات ہی کیوں ہیں

سات آسمانوں کی فلاسفی

اپنی نبوت یا قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونیکی نسبت کچھ شک تھا بلکہ یقین اور قطعی بات ہے کہ جسقدر یقین کامل و بصیرت کامل و معرفت اکمل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات بابرکات کی نسبت دعوی کیا ہے اور پھر اُسکا ثبوت دیا ہے ایسا کامل ثبوت کسی دوسری موجود کتاب میں ہرگز نہیں پایا جاتا فَهَلْ مَنْ يَسْمَعُ فَيُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَكُوْنُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُخْلِصِيْنَ

واضح رہے کہ انجیلوں میں * حضرت مسیح کے بعض اقوال ایسے بیان کیے گئے ہیں جنپر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح اپنی عمر کے آخری دنوں میں اپنی نبوت اور اپنے مؤیدمن اللہ ہونیکی نسبت کچھ شبہات میں پڑ گئے تھے جیساکہ یہ کلمہ کہ گویا آخری دم کا کلمہ تھا یعنی ایلی ایلی لما سبقتنی جس کے معنی یہ ہیں کہ اے میرے خدا اے میرے خدا تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ عین دنیا سے رخصت ہونیکے وقت میں کہ جو اہل اللہ کے یقین اور ایمان کے انوار ظاہر ہونے کا وقت ہوتا ہے آنجناب کے منہ سے نکل گیا۔ پھر آپکا یہ بھی طریق تھا کہ دشمنوں کے بد ارادہ کا احساس کرکے اُسجگہ سے بھاگ جایا کرتے تھے حالانکہ خداتعالی سے محفوظ رہنے کا وعدہ پاچکے تھے ان دونوں امور سے شک اور تحیر ظاہر ہے پھر آپ کا تمام رات سوز و گداز سے دعا کرنا ایسے امر کے لیے جسکا انجام بد آپکو پہلے سے معلوم تھا بجز اسکے کیا معنی رکھتا ہے کہ ان کلمات میں آپکو شک ہی شک تھا۔ یہ باتیں صرف عیسائیوں کے اس اعتراض کے اٹھانیکی غرض سے لکھی گئی ہیں ورنہ ان سوالات کا جواب بہتر احسن طریق سے دی سکتے ہیں اور اپنے پیارے مسیح کے سر سے جو بشری ناتوانیوں اور ضعفوں سے مستثنی نہیں تھے ان تمام الزامات کو نہ ایک نفی الوہیت و ابنیت کی ایک طرفة العین میں اٹھا سکتے ہیں مگر ہمارے عیسائی بھائیوں کو بہت دقت پیش آئے گی۔

حضرت حکیم الامت کی طرف سے جواب

ہادی اسلام۔ خیرخواہ کا فداہ نام علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنی رسالت و نبوت پر اپنی صداقت و کامیابی پر پورا یقین اور پورے درجہ کا علم و اعتقاد تھا۔ کبھی کسی قسم کا تردد و شک حضور علیہ السلام کے قلب مطہر پر نہیں آیا۔ آپ کا کیا ذکر آپ کے ساتھ والے اور میرے جیسے اتباع بھی آپکی صداقت و نبوت پر اعلی درجہ کا یقین رکھتے ہیں۔

ثبوت

هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ سورت یوسف رکوع نمبر ا

یہی میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کیطرف پہلے درجہ کی سمجھ اور بوجھ پر میں اور جو میرے ساتھ والے بھی ایسے ہیں۔ اور ہر برائی اور نقص سے پاک ہے اللہ۔ اور میں اللہ کے ساتھ کسی میں کبھی کسی مخلوق کو ساجھی بنانے والا نہیں۔

دوسری دلیل حضور علیہ السلام کے متردد نہ ہونے پر

قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ۔

بیشک و شبہ میں اعلی درجہ کے کھلے نشان اپنی راستی اور صداقت پر اپنے رب کیطرف سے رکھتا ہوں اور تم اس راستی کی تکذیب کرچکے۔ میری تکذیب کے بدلے جو عذاب تم پر آنیوالا ہے تم چاہتے ہو کہ عذاب تم پر جلد آجاوے سو اس عذاب کا تم پر لانا میرے قبضہ قدرت میں نہیں۔ اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں مگر یاد رکھو منکر دکھ پاوینگے۔ اسے ظاہر کرتا رہیگا اس چیز کو جو میں لایا ہوں اور بیشک و ریب وہ اللہ تعالی ہے بہت ہی بڑا جھوٹھ اور سچ میں فیصلہ کرنے والا۔ جھوٹے کو ذلیل سچے کو فتحمند کرے گا۔

تیسری دلیل

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا

بیشک رب نے مجھے راہ بتائی میرے رب نے سیدھی راہ۔ ٹھیک اور درست دین کی جسکا نام ابراہیمی دین ہے (اسلام) ایک طرف کا دین ہر طرح کے شرک سے بالکل پاک۔

چوتھی دلیل

الٓمّٓ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

یہ سورۃ جس کا نام الم ہے وہ کتاب ہے جسکے اتارنے کا موسی علیہ السلام کی کتاب استثنا کے باب ۱۸ میں وعدہ ہوچکا، اسمیں شک و ریب کی جگہ نہیں۔

خدا تعالےٰ قدوس اور سبحان ہے اس لئے علم الٰہی کے طالب علم کے لئے لابد او ضرور ہے کہ اپنے اندر قدوسیت اور سبحانیت کی روح پیدا کرے تاکہ اسے بسطت فی العلم عطا ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے[+] واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ۔

(و) جو شخص خلیفۃ اللہ ہو کر آتا ہے نفس الامر میں تاج خلافت کا سزاوار وہی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ علیم وحکیم اُسے مقرر کرتا ہے اس کی صراحت دوسرے مقام پر ہے جہاں فرمایا اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلیفۃ اللہ کے ہر فعل وحرکت میں ایک علم اور حکمت ہوتی ہے جو بسا اوقات معلوم نہیں ہوتی اس لئے مستعجل بنکر اعتراض نہ کر دینا چاہیے۔

(ز) خلیفۃ اللہ کے معاونین اور انصار کی جماعت ایک ممتاز جماعت ہوتی ہے۔ اور یہ گروہ سعیدوں بلکہ بہ الفاظ دیگر ملائکہ کا گروہ ہوتا ہے۔ یہ غلط محض ہے کہ اس کے ساتھ منافق اور شریر شامل رہیں۔ گو ابتداءً ایسے لوگ مل جل بھی جائیں لیکن آخر ایسے ایسے ابتلا اور امتیاز کے موقع اللہ کریم رکھ دیتا ہے کہ ان خشک شاخوں کو کاٹ دیتا ہے

(ح) خلیفۃ اللہ کو ایک عظیم الشان جہاد اپنے نفس سے کرنا پڑتا ہے اور یوں وہ ظالم لنفسہٖ ہو کر اورثنا الکتٰب کا مصداق بنتا ہے۔

(ط)۔ کوئی نہ کوئی خبیث روح اس کے مقابلہ کے لئے اٹھتی ہے۔ مگر وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔

(ی) توبہ ایک ایسی شیٔ ہے جو انسان کی گم شدہ متاع کو واپس لاتی ہے۔

(ک) زمین ہی انسان کے لئے مستقر ہے۔ اسی میں پیدا ہوتا۔ جیتا اور مرتا ہے۔ آسمان پر یا خارج از زمین بہ این جسد العنصری انسان استقرار نہیں کرسکتا۔

(ل) خدا تعالےٰ کا فضل ہی ہر حال میں انسان کا دستگیر ہے۔

(م) ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خدا تعالےٰ کی ہدایت کا سلسلہ دنیا میں جاری ہے۔

(ن) راستبازوں کی آخری فتح انکی راستبازی پر مہر کر دیتی ہے۔

(س) جہاں انسان خدا تعالےٰ کے احکام اور اوامر سے غفلت کرنے لگے مناسب ہے کہ اس مقام۔ مکان کو چھوڑ دے

مندرجہ بالا امور کو ملخصاً ہم نے لکھدیا ہے۔ اور ہر ایک غور کرنے والی طبیعت بہت سی باتیں اس رکوع کی پر غور مطالعہ سے حاصل کرسکتی ہے۔ اب ہم اس رکوع کا ترجمہ اور ضروری امور کی تصریح ذیل میں لکھتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۔ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔

(۱) اور یاد کرو جبکہ تیرے رب نے ملائکہ کو بتایا کہ میں الارض میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں (مقرر کرنے والا ہوں)

(۲) الف۔ ملائکہ نے عرض کی حضور! کیا دنیا میں کوئی قوم مفسد اور خونریز قرار پائی ہے؟ اگر ایسا ہے (تو ہم بھی اس خلیفہ کے ناصر ومعین بن جائیں کیونکہ) ہم ہی تو تیری تحمید وتقدیس کرتے ہیں۔

ب۔ ملائکہ نے عرض کی (حضور!) کیا آپ ایسے شخص کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین پر فتنہ پردازیاں اور خونریزیاں کرے گا۔ اور ہم تو (اس عرض اظہار میں جناب اقدس پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ ہمارا اعتقاد جناب اقدس کے متعلق یہی) کہ جناب کی ذات کو جو جمیع صفات کاملہ کی جامع اور تمام محامد کی سزاوار اور کل بدیوں سے منزہ اور پاک سمجھتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔

۳۔ فرمایا (ہاں) اس خلیفہ کے بنانے میں ایسی ایسی مخفی حکمتیں ہیں جو تمکو معلوم نہیں ہیں اور میں خوب جانتا ہوں اس آیت کو غور سے سمجھ لینے کے لئے ہم نے اعداد سے نشان زدہ کرکے تین جدا جدا حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔ اس سے

[+] تقویٰ اللہ اختیار کرو اور اللہ تمھیں رہنما ہوگا۔

کوئی دوسرا خدا مت ٹھیرا اگر تونے ایسا کیا تو مذموم اور مخذول ہو کر بیٹھے گا۔ اور تیرے خدا نے یہی چاہا ہے کہ تم اُسی کی بندگی کرو اُسکے سوا کوئی اور دوسرا تمھارا معبود نہ ہو اور ماں باپ سے احسان کر اگر وہ دونوں یا ایک اُنمیں سے تیرے سامنے بڑی عمر تک پہنچ جائیں تو اُنکو اُف نہ کر اور نہ اُنکو جھڑک بلکہ اُنسے ایسی باتیں کہہ کہ جنمیں اُنکی بزرگی اور عظمت پائی جاوے اور تذلل اور رحمت سے اُنکے سامنے اپنا بازو جھکا اور دعا کر کہ اے میرے رب تو اُنپر رحم کر جیسا کہ اُنھوں نے میرے بچپن کی حالت میں میری پرورش کی۔

اب دیکھو کہ ان آیات میں بداہت ظاہر ہے کہ یہ واحد کا خطاب جماعت اُمت کیطرف ہی۔ جنکو بعض دفعہ انھیں آیتوں میں تم کرکے بھی پکارا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات میں مخاطب نہیں کیونکہ ان آیتوں میں والدین کی تعظیم و تکریم اور اُنکی نسبت بر و احسان کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تو صغر سنی کے زمانہ میں بلکہ جناب ممدوح کی شیر خوارگی کے وقت میں ہی فوت ہو چکے تھے سو اسجگہ سے اور نیز ایسے مقامات سے بوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ جماعت کو واحد کے طور پر مخاطب کرکے پکارنا یہ قرآن شریف کا عام محاورہ ہے کہ جو ابتدا سے آخر تک جا بجا ثابت ہوتا چلا جاتا ہے یہی محاورہ توریت کے احکام میں بھی پایا جاتا ہے کہ واحد مخاطب کے لفظ سے حکم صادر کیا جاتا ہے اور مراد بنی اسرائیل کی جماعت ہوتی ہے جیسا کہ خروج باب ۳۳ و ۳۴ میں بظاہر حضرت موسیٰ کو مخاطب کرکے فرمایا ہے (۱۱) آج کے دن میں جو حکم تجھے کرتا ہوں تو اُسے یاد رکھیو (۱۲) ہوشیار رہ تا نہ ہووے کہ اُس زمین کے باشندوں کے ساتھ جسمیں تو جاتا ہے کچھ عہد باندھے (۱۷) تو اپنے لیے ڈھالے ہوئے معبودوں کو مت بنائیو۔

اب ان آیات کا سیاق سباق دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ ان آیات میں حضرت موسیٰ مخاطب کیے گئے تھے مگر در اصل موسیٰ کو ان احکام کا نشانہ نہیں بنایا گیا حضرت موسیٰ نہ کنعان میں گئے اور نہ بُت پرستی جیسا بُرا کام حضرت موسیٰ جیسے مرد خدا بت شکن سے ہو سکتا تھا جس سے اُنکو منع کیا جاتا کیونکہ موسیٰ وہ مقرب اللہ ہے جسکی شان میں اسی باب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو میری نظر میں منظور ہے اور میں تجھکو بنام پہچانتا ہوں دیکھو خروج آیت ۱۷۔

سو یاد رکھنا چاہیے کہ یہی طرز قرآن شریف کی ہے توریت اور قرآن شریف میں اکثر احکام اسی شکل سے واقع ہیں کہ گویا مخاطب ان کے حضرت موسیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر در اصل وہ خطاب قوم اور اُمت کے لوگوں کیطرف ہوتا ہے لیکن جسکو ان کتابوں کی طرز تحریر معلوم نہیں وہ بباعث بیخبری کے یہی خیال کر لیتا ہے کہ گویا وہ خطاب و عتاب نبی منزل علیہ کو ہو رہا ہے مگر غور اور قرائن پر نظر ڈالنے سے اُسپر کھل جاتا ہے کہ یہ سراسر غلطی ہے۔

پھر یہ اعتراض اُن آیات پر نظر ڈالنے سے بھی بکلی مستاصل ہوتا ہے جنمیں اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یقین کامل کی تعریف کی ہے جیسا کہ وہ ایک جگہ فرماتا ہے قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ نمبر۹ یعنی کہہ کہ مجھے اپنی رسالت پر کھلی کھلی دلیل اپنے رب کی کیطرف سے ملی ہے اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ نمبر۱۳ یعنی کہہ کہ یہ میری راہ ہے میں اللہ کیطرف بصیرت کاملہ کے ساتھ بلاتا ہوں اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا نمبر۵ یعنی خدا نے تجھپر کتاب اُتاری اور حکمت یعنی دلائل حقیت کتاب و حقیت رسالت تجھپر ظاہر کیے اور تجھے وہ علوم سکھلائے جنھیں تو خود بخود جان نہیں سکتا تھا اور تجھپر اُسکا ایک عظیم فضل ہے۔ پھر سورہ نجم میں فرماتا ہے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے جو اپنی دعوت کے آسمانی نشان دیکھے تو اُسکی کچھ تکذیب نہ کی یعنی شک نہیں کیا اور آنکھ چپ راست کیطرف نہیں پھیری اور نہ حد سے آگے بڑھی یعنی حق پر ٹھہر گئی اور اُسنے اپنی خدا کے وہ نشان دیکھے جو نہایت بزرگ تھے۔

اب اے ناظرین ذرا انصافاً دیکھو اے حق پسندو ذرا منصفانہ نگہ سے غور کرو کہ خدا تعالیٰ کیسے صاف صاف طور پر بشارت دیتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بصیرت کاملہ کے ساتھ اپنی نبوت پر یقین تھا اور عظیم الشان نشان اُنکو دکھلائے گئے تھے۔

اب خلاصہ جواب یہ ہے کہ تمام قرآن شریف میں ایک نقطہ یا ایک شعشہ ایسا بات پر دلالت کرنیوالا نہیں پاؤگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

تو یہ ہے کہ یہ بتلایا جائے کہ جس قدر مامور من اللہ دنیا میں آتے ہیں اُن کے پیش آمدہ واقعات کا سلسلہ ایک ہی رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ اس یگانگت میں یہ مامور اپنے منصب کے لحاظ سے ایک نرالی شان تو رکھتے ہیں اور اسی لئے بعض کو بعض پر فضیلت بھی ہوتی ہے لیکن عام طور پر وہ واقعات جو بطور اصول صادق کے لئے ہوتے ہیں یکساں ہی ہوتے ہیں۔ چونکہ انسان استقراء سے کام لینے کا عادی ہے پس رسالت کے معاملہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے منجملہ اور طرز و طرق کے استدلال استقرائی کو بھی پیش کیا ہے۔

دوسری غرض

پھر ان قصص قرآنی کے بیان سے یہ غرض بھی ہے کہ انسان کو ایک کامل انسان بننے کے واسطے خطا نہ کرنے والے اصول و دستور سے مطلع کیا جائے اور زندگی کی ہر منزل اور ہر حالت کے لئے اس کے ہاتھ میں ایک تجربہ کار بدرقہ اس کے پاس ہو۔ عرفان الٰہی۔ مسئلہ جزا و سزا۔ حقوق العباد۔ اخلاق فاضلہ اور ان کے نتائج اور بالمقابل برائیوں اور اُن کے ثمرات پر اس کو کامل معرفت عطا ہو

تیسری غرض

تیسری غرض ان قصص کے بیان سے یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمیع کمالات نبوت کے جامع اور خاتم تھے اور وہ تمام واقعات جو انبیاء سابقین کو اصولی طور پر راہ تبلیغ رسالت میں پیش آتے تھے کسی نہ کسی رنگ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش آنے والے تھے اس لئے یہ قصص دراصل اس رنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کی عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔ اور سوانح بھی اغراض قرآنی قصص کے بیان میں مرکوز ہیں۔ اور ہم انشاء اللہ اپنے اپنے موقع پر ان اغراض کی تشریح کرتے رہیں گے۔ اب اس سے پیشتر کہ اس رکوع کی تفسیر شروع ہو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان مطالب کو بیان کر دیا جاوے جو اس رکوع میں ہیں۔

رکوع چار کے عام مطالب | الف۔ اللہ تعالیٰ کے پاک ارادوں کا ظہور ملائکہ میں اور ملائکہ کے ارادوں کا ظہور آخر پاک انسانوں میں ہوتا ہے۔ اس لئے جب کوئی کام اللہ تعالیٰ دنیا میں کرنا چاہتا ہے تو اس کی اطلاع اول ہی اول ملاء اعلیٰ کی پاک مخلوق کو ہوتی ہے۔ پھر درجہ بدرجہ پاک انسانوں تک پہنچتی ہے۔

ب۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ اسی طرح پر رہی ہے کہ وہ انسانی اصلاح اور تہذیب کے لئے ہمیشہ عند الضرورۃ کوئی نہ کوئی خلیفۃ فی الارض مقرر کرتا رہتا ہے جو دبستان الٰہی کا تعلیم یافتہ اور اسی کے آغوش ربوبیت کا تربیت یافتہ ہوتا ہے۔

ج۔ خلیفۃ اللہ کے مخالفت اور اس پر طعن کرنے والے دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اول ملائکہ (سعید اور رشید گروہ) جو بوجہ اپنی کم علمی اور عدم واقفیت کے نہ شرارۃ سے عرض کرتے ہیں ان کو خلیفۃ اللہ کے بسطت فی العلم کا نشان قائل کر دیتا ہے اور وہ مطیع و فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔ دوم ابلیس شیطان خدا سے دور اور ہلاکت مجسم روح جو دغا و فریب کا پتلا ہوتی ہے یہ زندگی بھر اس کی مخالفت اور معاندت میں لگی رہتی ہے۔ آخر ایسے اعدا کو شکست ہوتی اور خلیفۃ اللہ فی الارض مظفر و منصور ہوتا ہے۔

د۔ خلیفۃ اللہ فی الارض کی پہلی نشانی بسطت فی العلم ہوتی ہے۔

(ہ) تسبیح و تقدیس الٰہی موجب ازدیاد علم ہے۔ پس توسیع علم کے لئے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں لگا رہے اور یہی راز ہے رب زدنی علماً کی دعا میں اور یہی لا یمسہ الا المطہرون کا ستر ہے جس کو انشاء اللہ ہم اپنے موقع پر بیان کریں گے اور دکھائیں گے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تطہیر قلبی کہاں تک تھی! چونکہ

عرب کی بیدین اور جاہل قوم سے مکالمہ اور کبھی نصاریٰ اور یہود کے علما سے مناظرہ۔ ایک وقت فقر ہے اور دوسرے وقت غنی غیرہ غیرہ ایسی مختلف حالتوں میں کمزور انسان کے خیالات ہرگز ہرگز یکساں نہیں رہ سکتے ان میں تغیر اور اختلاف ضرور آجاتا ہے مگر قرآن مجید میں کوئی اختلاف نہیں باآنکہ تیئیس برس اور مختلف حالتوں میں اُترا۔

اور قرآن مجید نے اپنی صفت میں یہ بھی فرمایا ہے کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا جب میں نے قرآن مجید سے ثابت کردیا۔ کہ نہ تو حضور علیہ السلام کو کوئی شک و شبہ ہے۔ نہ قرآن میں اختلاف۔ تو اب سائل کے سوال پر توجہ کرتا ہوں کیوں ؟ اسلئے کہ محکم کتاب مجید اور فرقان حمید سے جیسے گذرا ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم یقین کے اعلیٰ درجہ پر تھے اور قرآن میں اختلاف نہیں پھر سائل کہتا ہے کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہادی اسلام متشکک تھے !!! بڑی دلیل سائل کی سورہ بقرہ کی آیت ذیل ہے اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔ سو اس سوال کا پہلا جواب یہ ہے کہ لَا تَكُوْنَنَّ نفی کا صیغہ ہے نہ نہی کا اور تاکید کیواسطے نون مشدد اس کے آخر زیادہ کیا گیا تو لَا تَكُوْنَنَّ ہوگیا۔ مشدد نون ماضی اور حال پر نہیں آسکتا پس لَا تَكُوْنَنَّ استقبال کا صیغہ ہوگا۔ اب اس تحقیق پر آیت کے یہ معنی ہوں گے۔ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے (چونکہ الٰہی الہام اور دلائل سے یہ حق ثابت ہوگیا) تو تو کبھی شک والوں میں سے نہ ہوگا۔

دوسرا جواب کہ لَا تَكُوْنَنَّ نفی نہیں۔ نہی کا صیغہ ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں نہی دو قسم ہوتی ہے۔ ایک طلب ترک فعل۔ دوم طلب عدم فعل۔ سائل کا اعتراض اس صورت میں ہے کہ یہاں نہی کو بغرض طلب ترک فعل لیا جاوے جس کا یہ مطلب ہے۔ کہ مخاطب فعل شک کو ترک کردیوے۔ مگر ہم کہتے ہیں یہاں شک معدوم ہے اور نہی کا منشا یہ کہ جیسے شک معدوم ہے آیندہ بھی معدوم رہے۔

تیسرا جواب۔ سائل یہاں آیت فَلَا تَكُوْنَنَّ میں ایسا کونسا امر ہے جس کے باعث ہمکو خواہ مخواہ ماننا پڑے کہ لَا تَكُوْنَنَّ کے مخاطب ہادی اسلام ہیں صلے اللہ علیہ وسلم۔ ہم کہہ سکتے ہیں بدلائل مذکورہ سابقہ حضور علیہ السلام کو اپنی رسالت پر یقین تھا اور قرآن کریم میں اختلاف نہیں اس لیئے ثابت ہوا لَا تَكُوْنَنَّ کا مخاطب کوئی متردد اور شک کرنیوالا آدمی ہے نہ حضور علیہ السلام

چوتھا جواب۔ ہم نے مانا۔ اس جملہ لَا تَكُوْنَنَّ کے مخاطب ہمارے پاک ہادی علیہ السلام ہیں مگر عبری اور عربی کا طرز کلام باہم قریب قریب ہے۔ اور کتب مقدسہ کا غیر محرف حصہ اور قرآن کریم دونوں ایک ہی متکلم کے کلمات ہیں۔ اور دونوں ایک ہی مخرج سے نکلے ہیں اور دونوں کا محاورہ ہے کہ اعلیٰ مورث کو مخاطب کیا جاتا ہے اور مراد اس مورث کی قوم ہوتی ہے کسیکو خطاب کرتے ہیں اور کسی دوسرے کو مقصود بالخطاب رکھتے ہیں۔

دیکھو یرمیا۔ ہائے وہ کون بڑا ہے یہاں تک کہ اسکی مانند کوئی نہیں وہ یعقوب کی مصیبت کا وقت ہے۔ یرمیا ۳۰ باب ۷۔ ۱۰۔ اے میرے بندہ یعقوب ہراساں مت ہو۔ یرمیا۔ ۴۶ باب ۲۸۔ خداوند کا یہوداہ کے ساتھ بھی ایک جھگڑا ہے اور یعقوب کو جیسے اسکی روشیں ہیں ویسی سزا دیگا۔ ہوسیع ۱۲ باب ۲۔ دلاوری سے بیاباں ہوں کہ یعقوب کو اس کا گناہ اور اسرائیل کو اسکی خطا جتادوں۔ میکہ ۳ باب ۸۔ یعقوب کی رونق کو اسرائیل کی رونق کی مانند پھر بحال کرے گا۔ نحوم ۲ باب ۲۔ اے کرازین (یہ ایک گاؤں کا نام ہے جوافسوس اور ملامت کے قابل نہیں) تجھپر افسوس ہے ای بیت صیدا (یہ بھی گاؤں ہے)۔ تجھپر افسوس متی ۱۱ باب ۲۱۔ اے یروشلم ای یروشلم (یہ بیت المقدس ہے) جو نبیوں کو مار ڈالتی ہے متی ۲۳ باب ۲۷۔ ایسی صدہا کتب مقدسہ صدہا جگہ دیکھلو اب اسطرح کی محاورات قرآن کریم سے سنو۔

(۱) يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ — اے نبی ! جب تم لوگو ! عورتوں کو طلاق دو۔

(۲) يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا — اے نبی خدا سے ڈر اور کفار کی فرمانبرداری اور منافقوں کی اطاعت مت کر بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم (عام لوگوں کو خطاب) کرتے ہو اسپر خبردار ہے۔

(۳) وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ — پوچھ اُن رسولوں سے جو تجھسے پہلے گذرے۔

۸۱ | رکوع

درمیانی امورکا انصرام اور انتظام فرمانا یہ باقی دو روز میں وقوع میں آئی ور ہم نے بیان کیا ہے کہ تیسرے رکوع کی آخری آیت کے بعد چوتھے رکوع کے شروع میں ہی بلا فصل خلق آدم کا ذکر صاف بتلا رہا ہے کہ آدم کی پیدایش سات آسمانوں کے بنانے اور ہر ایک زمینی آسمانی انتظام کے بعد غرض کل مجموعہ عالم کی طیاری کے بعد ظہور میں آئی اور ان سب کا پیدا ہونا چھ دن میں متحقق ہے۔ اور چھٹے دن کے باقی حصہ میں آدم پیدا کیا گیا جیسا کہ سورۃ الحدید کی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے هو الذی خلق السمٰوات والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش کیا معنے خدا وہ ہے جس نے تمام زمین اور آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر اس نے استوا کیا یعنے کل مخلوق کو چھ دن میں پیدا کرکے صفات عدل اور رحم کو ظہور میں لانے لگا۔ اللہ تعالےٰ کا تخت الوہیت پر بیٹھنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مخلوق کے بنانے کے بعد ہر ایک مخلوق سے بمقتضاء عدل اور رحم اور سیاست کارروائی شروع کی۔

مختصر یہ کہ قرآن شریف سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ آدم چھٹے دن یعنے جمعہ کے دن کے آخر حصہ میں پیدا کیا گیا اور چونکہ اللہ تعالےٰ نے چھٹے دن کے ابتدائی حصے میں آسمانوں کے طبقے بنا کر ان کے متعلق قضاء و قدر کا انتظام فرمایا اور چھٹا دن جو ستارہ سعد اکبر یعنے مشتری کا دن قریب الختم تھا اور فرشتے جن کو حسب منطوق آیت واوحی فی کل سماء امرھا سعد نحس کا علم دیا گیا تھا اور ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ سعد اکبر مشتری ہے۔ اور انھوں نے دیکھا کہ بظاہر اس دن کا حصہ آدم کو نہیں ملا۔ کیونکہ اس میں سے بہت ہی تھوڑا وقت باقی ہے سو یہ خیال گذرا کہ اب پیدایش آدم کی زحل کے وقت میں ہوگی۔ اس کی سرشت میں زحلی تاثیریں جو قہر اور عذاب وغیرہ ہیں رکھی جائیں گی۔ اس لئے اس کا وجود بڑے فتنوں کا موجب ہوگا۔ سو ملائکہ کا یہ کہنا کہ اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفك الدماء اسی ایک ظنی امر کی بنا پر تھا۔

تاثیرات کواکب یہاں اس امر کا بیان کر دینا ہی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کواکب اور نفوس فلکیہ زمین اور اہل زمین پر اپنی تاثیریں روحانی اور جسمانی ڈال رہے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی حکمت کاملہ سے زمین کی ہر ایک مستعد چیز کو اس کے کمال مطلوب تک پہونچانے کے لئے یہ نفوس فلکیہ خدمت میں لگے ہوئے ہیں ظاہری خدمات بھی بجالاتے ہیں اور باطنی بھی جیسے ہمارے اجسام اور ہماری تمام ظاہری قوتوں پر آفتاب اور ماہتاب اور دیگر سیاروں کا اثر ہے ایسا ہی ہمارے دل اور دماغ اور ہماری تمام روحانی قوتوں پر ہمارے مختلف استعدادوں کے موافق یہ اثر ڈال رہے ہیں۔ یہ ایک علمی صداقت ہے جس کا انکار کرنا نادانی ہے اور قرآن کریم اس کی تائید فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا وسخر لکم الشمس والقمر یعنے وہ خدا جس نے سورج اور چاند کو بلا مزد تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے اور مختلف مقامات قرآن کریم سے صاف واضح ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان کی کل مخلوق کو انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ جامع طور پر اس کو ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا سے ہی ہم ثابت کرتے ہیں اور پھر ایک جگہ فرمایا ہے سخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنھار و اٰتاکم من کل ما سالتموہ وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا۔ یعنے تمہارے لئے سورج اور چاند کو جو ہمیشہ پھرنے والے ہیں مسخر کیا یعنے جو باعتبار اپنی کیفیات اور خاصیات کے ایک حالت پر نہیں رہتے۔ مثلاً ربیع کے مہینوں میں جو آفتاب کی خاصیت ہوتی ہے وہ خزاں میں نہیں ہوتی۔ اور پھر فرمایا کہ مسخر کیا تمہارے لئے رات اور دن کو اور ہر ایک چیز میں سے تمہارے فطری تقاضوں کو عطا کیا۔

الغرض قرآن کریم کی بہت سی آیتیں اس مضمون پر مشتمل ہیں جو ایک دانا دل انسان تھوڑے سے تدبر سے پا سکتا ہے اور یہ ایک بین صداقت ہے جس کا انکار ہم کر ہی نہیں سکتے۔ جبکہ ایک جاہل سے جاہل دہقان بھی جانتا ہے کہ تمام نباتات جمادات اور حیوانات پر آسمانی کواکب کا دن رات اثر پڑ رہا ہے اور مانتا ہے کہ چاند کی روشنی مثلاً پھلوں کے موٹا کرنے کے لئے اور سورج کی دھوپ انکو پکانے اور شیرین کرنے کے واسطے اور بعض ہوائیں بکثرت پھل لانے کے لئے بلاشبہ موثر ہیں

پانچویں دلیل

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۔ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ

بیشک و بیشبہ ہے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) تمہاری طرف بھیجا بڑا عظمت والا رسول تم پر اور یہ رسول اُس رسول کی مانند ہے جسکو ہمنے فرعون کے پاس بھیجا منکر ہو گے تو تم کیسے بچوگے عذاب سے اگر تم نے اس رسول کا انکار کیا یعنی اگر فرعون موسیٰ علیہ السلام کے انکار سے سزایاب ہوا - تو تم منکر ہو کیونکر بچ سکتے ہو -؟

غرض اسی طرح کی بہت آیات قرآن کریم میں موجود ہیں - اور ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے حضور علیہ السلام کو اپنی رسالت نبوت - رحمتی - اور بشارتی پر پورا اور اعلیٰ درجہ کا یقین تھا -

اور اولڈ ٹیسٹمنٹ و نیو ٹیسٹمنٹ کے ماننے والا بعد انصاف ہرگز انکار نہیں کر سکتا - کیونکہ استثناء ۱۸ باب ۱۸ آیت اور اعمال ۳ باب میں صاف لکھا ہے کہ ایک نبی موسیٰ علیہ السلام کی مانند آنیوالا ہے - اور توریت میں یہ بھی لکھا ہے کہ جھوٹا نبی جو از راہ کذب و افترا اپنے آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی مانند کہے مارا جائیگا - ✢

حضور (فداہ ابی و امی) نبی عربی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند رسول ہونیکا دعویٰ فرمایا جیسا گذرا اور آیہ شریفہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچائیگا پیشگوئی اور حفاظت کو دعویٰ کیا اور پکے یہود اور عیسائی قوم کو صاف صاف سُنا دیا کہ میں قتل نہ کیا جاؤنگا - اور بفضلہ تعالیٰ قتل سے بچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

عیسائی صاحبان! اگر نبی عربی کا دعویٰ نبوۃ میں اور نبوۃ کا یہی وہ دعویٰ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فرمانا استثناء ۱۵ باب ۱۸ اور اعمال ۳ باب والا دعویٰ ہے - اور بالکل ظاہر ہے کہ نبی عربی قتل نہیں کئے گئے کاذب ہیں (معاذ اللہ) تو توریت کتاب مقدس نہیں بلکہ بالکل غلط اور کذب ہے - کیونکہ کتاب استثناء کے ۱۸ باب ۲۰ میں لکھا ہے جھوٹا نبی مارا جاویگا - لاکن توراۃ شریف اگر الہام الٰہی سے ہے اور سچ - تو ہمارے ہادی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول اور نبی اور بالضرور استثناء ۱۸ باب والے رسول ہیں -

۱۸۰ رکوع ۱

اسی واسطے قرآن کریم بار بار حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ اور اپنے آپ کو مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ فرماتا ہے کیونکہ قرآن کریم اور نبی عربی نے اپنے ظہور اور حفاظت اور قتل سے بچکر توریت کو سچا کر دکھایا - ✢

اب آگے سنو - قرآن کریم نے دعویٰ فرمایا ہے قرآن میں اختلاف نہیں -

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا

قرآن کریم اگر اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو اسمیں ضرور اختلاف ہوتا اور بہت اختلاف ہوتا کیونکہ اختلاف دو طرح کا ہوتا ہے -

اوّل یہ کہ قرآن کریم کے مضامین کو قانون قدرت تکذیب کرے اور قرآنی مطالب الٰہی انتظام اور فطری قوانین کے مخالف ہوں - یا ہمارے فطری قویٰ ان کو برداشت نہ کر سکیں -

دوسری - صورت اختلاف کی یہ ہے - کہ قرآنی مضامین باہم متعارض ہوں -

غور کرو! ان پڑھ عرب کے ان پڑھ عربی نے (اَللّٰهُمَّ فَرِّجْ عَنِّيْ اَسْئَلُكَ) یہ قرآن لوگوں کو سُنایا - پھر تیرہ سو برس کی سر توڑ نیچرل فلاسفی نے حضرت قرآن کلام الرحمٰن کے کسی مضمون کو یقینی طور پر جھٹلایا اور اس تجربہ سے یقین ہو گیا - کہ آیندہ کبھی بھی نہ جھٹلائے گا ✢

دوسری صورت اختلاف کی بنسبت عرض ہے

قرآن کریم تیئیس ۲۳ برس میں لوگوں کو سُنایا گیا - اور اس مدت دراز میں حضور علیہ السلام کبھی تن تنہا ہیں اور کبھی ہزار ہا خدام پر حکمران - کبھی دشمنوں پر حملہ آور اور کبھی احباب کے درمیان - گاہے گھر میں بی بیوں سے معاشرت کسی وقت اعداء سے مباشرۃ - کبھی

پیشتر کہ اس آیت کی تفسیر ہم ایک منقولی رنگ میں پیش کریں۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کو ظاہر کردیں کہ قرآن کریم کے حقایق اور معارف لا انتہا ہیں اور مختلف وجوہ اس کے اندر موجود ہیں۔ پس ہم اس قصہ کو جو ایک مہتم بالشان قصہ ہے کئی رنگ پر بیان کریں گے۔

قصہ آدم کی پہلی توجیہ

قرآن کریم پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو چھٹے دن[+] پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ تیسرے رکوع کی آخری آیت هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم سے ظاہر ہے۔ اس کے بعد نظام عالم کے لئے سیاست اور مدن کے قوانین کی اشاعت اور ترویج کے لئے بلا فصل خلیفہ آدم کی ماموری کا ذکر شروع فرمایا ہے واذ قال ربك للملٰئكة انی جاعل فی الارض خليفه - اور پھر ملائکہ کی عرض پر فرماتا ہے انی اعلم مالا تعلمون - گویا تیسرے رکوع کو جو هو بكل شی عليم پر ختم کیا تھا تو اس بكل شی عليم میں خلیفہ آدم کی ماموریت ہی کا ایما اور اشارہ ہے۔ یہ راز اور بھی وضاحت کے ساتھ کھلتا ہے جب ہم ملائکہ کے اس اعتذار پر نظر کرتے ہیں جو انھوں نے عدم اظہار اسماء پر کیا ہے کہ سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم - غرض یہ الٰہیات کا ایک دقیق راز ہے کہ مامور من اللہ اور خلیفۃ اللہ چونکہ دنیا کے لئے معلم اور مصلح ہو کر آتا ہے اس لئے وہ اللہ تعالےٰ کی صفت علیم کا مظہر ہوتا ہے اور قرآن کریم سے یہ امر بہت وضاحت کیساتھ ثابت ہے۔ ہاں غور کرنے والی طبیعت کے لئے۔

پھر یہ بھید سورہ حم السجدہ میں اور بھی صفائی کے ساتھ کھولا گیا ہے جہاں یہ بتلا دیا ہے کہ خدا نے دو دن میں ساتوں آسمان بنائے اور ہر ایک ساکن آسمان کو جس میں وہ رہتا تھا اس آسمان کے متعلق جو امر تھا اس کو سمجھا دیا اور سماء الدنیا کو ستاروں کی قندیلوں سے مزین فرمایا اور نیز ان ستاروں کو اس لئے پیدا کیا کہ بہت سے امور حفاظت دنیا کے انپر موقوف تھے یہ اندازے اُس خدا کے باندھے ہوئے ہیں جو زبردست اور دانا ہے۔ جن آیات کا ترجمہ یا حاصل مطلب ہم نے لکھا ہے وہ یہ ہیں۔ فقضٰهن سبع سمٰوات - فی یومین واوحٰی فی كل سماء امرها وزيّنا السماء الدنيا بمصابيح و حفظا ذالك تقدير العزيز العليم - ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کو سات بنانا اور اُن کے

[+] اس امر کے ثبوت میں کہ آدم چھٹے دن پیدا کیا گیا یا یوں کہو کہ کل ارضی اور سماوی مخلوق کے بعد پیدا کیا گیا۔ ہم اس آیت کو بھی پیش کرنا چاہتے ہیں۔ انا عرضنا الامانة علی السمٰوات والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا - کیا معنے ہم نے اپنی امانت جس سے مراد محبت الٰہی اور مورد ابتلا ہو کر پھر پوری اطاعت کرنا ہے آسمان کے تمام فرشتوں اور زمین کی تمام مخلوقات اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ سو ان تمام اشیاء نے اس امانت کے برداشت سے انکار کیا اور وہ اسکی عظمت کو دیکھکر ڈر گئیں۔ مگر انسان نے اسکو اٹھا لیا کیونکہ انسان میں یہ دو خوبیاں تھیں ایک یہ کہ وہ خدا تعالےٰ کی راہ میں اپنے نفس پر ظلم کر سکتا تھا دوسرے خدا تعالےٰ کی محبت میں اس درجہ تک پہونچ سکتا ہے جو غیر اللہ کو بکلی فراموش کردے۔ اس عرض الامانة کے سلسلہ پر پُر غور نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے آسمانوں اور زمینوں کی پیدایش کے بعد آخری درجہ انسان کا رکھا گیا ہے ورنہ اگر انسان پہلے ہی سے موجود تھا تو سب سے پہلے اسی کے سامنے پیش کی جاتی۔ انسان کی ان دو خوبیوں میں ہی ایک پیرایہ میں انسان اول یعنے آدم کی اس جلالی اور جمالی خاصیتوں کا اظہار ہے جس کو ہم اس مختصر سے نوٹ میں بیان نہیں کر سکتے۔ اگر اللہ تعالےٰ نے توفیق دی کیونکہ ساری توفیقیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ جب ہم اس سلسلہ تفسیر میں اس آیت کے مقام پر پہونچیں گے تو اسکو بیان کریں گے۔ (انشاء اللہ العزیز)

منہ

رکوع ۱۸

قبلہ کی طرف منہ کرنے پر اعتراض کرنے والوں کو ایک اور جواب دیا جاتا ہے کہ عبادت کے وقت کسی نہ کسی طرف تو منہ کرنا ہی پڑیگا
(پھر وہی اعتراض اس پر بھی ہو سکتا ہے جو تم قبلہ پر کرتے ہو) یہ سمت تحکماً مقرر نہیں کی گئی یہ جگہ خیرات اور برکات کی آزمودہ جگہ ہے
ایک چھوڑی ہوئی ضعیف عورت اور اس کا شیر خوار بچہ جن کے نشان صفا و مروہ میں ہنوز زندہ ہیں اس جگہ اور قبلہ کے منبع خیرات
ہونے کا ثبوت ہیں۔ سو کس قدر ضروری ہے کہ تمام بے برکت سمتوں کو چھوڑ کر تم اس سمت کو جو خیرات و برکات کا چشمہ
ہے اختیار کرو۔ مکہ معظمہ میں عام اجتماع ہونے کی بطور پیشگوئی خبر دی جاتی ہے اور اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ
سے پرتحدی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ بیت اللہ اب مرجع خلائق ہو کر رہے گا۔ اور اس لحاظ سے کہ بیت الحرام (عزت کا گھر)
خدا کے برکات و فیوض کا مبداء ہے اسکی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کے عالم کل ہونے کی خبر دیکر گناہوں سے
بچنے کی راہ بتائی جاتی ہے توجہ الی القبلہ مخالفین کے اسکات اور الزام کی دلیل ہوگی۔ اس لیے مشرکوں (اہل مکہ) سے ڈرنا
نہیں چاہیے۔ خدا سے ڈرو گے تو تم پر اتمام نعمت (فتح مکہ) ہوگی اور تم کامیاب ہو جاؤ گے اور اس اتمام نعمت کا
ثبوت یہ ہے کہ تم میں ایک رسول تم ہی میں کا ہم نے بھیجا ہے جو خدا کی آیتیں تمھیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمھیں پاک کرتا ہے
اور تمھیں کتاب سکھاتا ہے اور بھلی اور پکی باتیں سکھاتا ہے بلکہ وہ بھی جس کا تمھیں علم نہیں تھا۔ ان کامیابیوں اور تزکیہ
نفس اور تعلیم الکتاب و الحکمۃ کی ایک راہ یہ ہے کہ تم اللہ کو یاد کرو وہ تمھیں یاد کریگا۔ اور اللہ کے شکرگذار ہو جاؤ کفران نعمت نہ کرو۔

عام مطالب اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل مطالب مجملاً انہتا مقاصد کے بیان فرمائے ہیں۔

۱۸۳ رکوع ۲

اول انسان کو سابق بالخیرات ہونیکی تعلیم دی ہے اور تاکید کی ہے کہ راستیوں کے اختیار کرنے میں بڑھ بڑھ کر قدم مارنا اور کسی سے ڈرنا نہ چاہیے۔

دوم سابق بالخیرات ہونے میں چونکہ بعض دنیوی رسم و رواج اور قومی اصول اور برادری کی پابندیوں کو بھی توڑنا پڑتا ہے اور ضعیف انسان کے دلمیں خیال آسکتا ہے کہ پرانے تعلقات کو قطع کرکے خدا جانے آیندہ کیا کیا بلائیں پیش آئیں ھذا أَيْنَمَا تَكُونُوا الخ سے تسکین دی گئی ہے بڑی عظیم الشان قوم بننے والی ہے اور بیت الحرام ہر قسم کی منفعت کا مخزن ہوگا۔

سوم بیت الحرام (عزت کا گھر) کی طرف توجہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ کیونکہ بیت الحرام جو خدا تعالیٰ کے فیوض و برکات کا مظہر ٹھہرا ہے یہ اول المؤمنین ابو الانبیا حضرت ابراھیم علیہ السلام کی نیکیوں کے ہی نتائج میں سے ہے۔

چہارم۔ گناہوں سے بچنے اور نیکیوں پر سبقت کرنیکے لیے ایک اصول بتا یا کہ انسان اس امر کو زیر نظر رکھے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ اور واقف ہے۔

پنجم بیت العزۃ کی طرف توجہ کا ایک نتیجہ بتایا کہ اس سے الزام دور ہو جائے گا۔ اور وحدت ارادیکو تسلیم کرنا پڑے گا۔

ششم اتمام نعمت کی ایک راہ بتائی کہ صرف خدا ہی سے ڈرنا چاہیے + کامیابی کی راہ یہی ہے۔

ہفتم خوف خدا اتمام نعمت اور کامیابی کا ذریعہ ہوتا ہی مگر اسکا ثبوت کیا ہے؟ ثبوت میں نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بعثت کو پیش کیا ہے۔

ہشتم امور کے پانچ مراتب بیان فرمائے ہیں اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کمال کو ظاہر کیا جس سے اسکے خلفا اور ظل کا پتہ لگ جاوے

نہم ان پانچ مراتب کمال کے حصول کا پہلا ذریعہ بتایا کہ خدا کو یاد کرو اور اسکے شکر گذار بنو۔

دہم پھر دوسرا ذریعہ ترک فعل کی صورت میں بتایا کہ لَا تَكْفُرُوْنَ۔ کفران نعمت نہ کرو۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

یہ مطالب ہیں جو اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں اب ہم اس رکوع کو بحولہ و بقوتہ تعالیٰ شروع کرتے ہیں۔

توحید پر زد پڑتی ہے - یا خدا کا مجسم ہونا ماننا پڑتا ہے -

فاما الجواب

ایسے کم فہم معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کو کوئی محدود القویٰ ہستی مانتے ہیں اور ہر فعل الٰہی کا قیاس اپنی جان پر کر لیتے ہیں اور پھر یہ ذلت ان کو عربی زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے پیش آتی ہے ورنہ اس لفظ قال سے نہ خدا تعالےٰ کی کوئی نوع اور جنس ثابت ہوتی ہے نہ جسم - دیکھو مخاطب کرنے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں - انسان اپنے ہم جنسوں کو مختلف طور پر مخاطب کر لیتا ہے - کہیں اشاروں سے وہ کام لیتا ہے جو زبان کرتی ہے اور کہیں صرف تحریر ہی سے وہ مطلب برآری کر لیتا ہے -

علاوہ ازیں لفظ **قال** کا ترجمہ ہم بتا دیا کرتے ہیں کیونکہ **قال** سے عربی زبان میں بزبان گوشت گفتن مراد ہونا ہمیشہ ضرور نہیں ہے کہ اس کے معنوں کا مفہوم بات کرنے کا ہو - بلکہ **کلّم** کے لئے ہی جب تک اس کے بعد تکلیما نہ آئے یہ معنے لینا ضرور نہیں ہیں - علاوہ ازیں اللہ تعالےٰ کے قول اور انسان کے قول میں تو کچھ نسبت اور تشابہت ہی نہیں -

کیونکہ پھر الفاظ کے معانی محل اور موقع اور متکلم اور مخاطب کے لحاظ سے ہوتے ہیں اور ہر مناسب موقع کے لحاظ سے ایک ہی لفظ اپنے معنوں میں خصوصیتیں پیدا کرتا جاتا ہے - مثلاً ٹکٹ کا لفظ ہے - اس سے ریلوے کا ٹکٹ ہر ایک درجہ کا ٹکٹ لینے والے کے مرتبہ کے لحاظ سے مراد ہو سکتا ہے - پلیٹ فارم کا ٹکٹ مراد ہو سکتا ہے - چٹھی پر لگانے والا ٹکٹ بھی مراد ہو سکتا ہے - غرض جیسا محل اور موقع ہوگا ویسے ہی معنے ہوں گے - پس خدا کے قول اور کلام کو اپنے قول اور کلام کی طرح قرار دینا دانشمندی نہیں ہے - +

ربک میں نکتہ - اس مقام پر اللہ تعالےٰ نے **اذ قال ربک** فرمایا اور اللہ تعالےٰ کی کسی دوسری صفت کا منشاء یہاں بیان نہیں فرمایا - اس میں سر یہ ہے کہ ربوبیت کا فیضان بہت ہی عام ہے اور خلق الاشیاء و تکمیل الاشیاء اسی صفت کا اقتضاء ہے - جیسے تیسرے رکوع کی پہلی ہی آیت میں فرمایا ہے **یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم** - یعنے اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو - وہ رب جس نے تم کو پیدا کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خالقیت ربوبیت کے بطن سے نکلتی ہے - اور اسی صفت کے اقتضاء سے تمام چیزوں کی بلا امتیاز ذی روح وغیر ذی روح عرش سے لیکر فرش تک تربیت اور تکمیل ہو رہی ہے اور تقدم طبعی اس صفت ربوبیت کو حاصل ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس صفت کو یہاں اختیار فرمایا - آدم کی خلقت اسکی تربیت اسکی تکمیل بجائے خود ربوبیت کو چاہتی تھی کیونکہ تکوین عالم اور تکمیل عالم کی مقتضی یہی صفت ہے -

پھر چونکہ خلیفۃ اللہ اپنے وقت کا آدم ہوتا ہے اور ایک نئی مخلوق کا باپ ٹھہرتا ہے اس لئے قرآن کریم میں نبوت کی بحث ہمیشہ اسی صفت کے نیچے ہوئی ہے - اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسری صفات کو نبوت سے تعلق نہیں - نہیں نہیں ہمارا یہ منشاء ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی تمام صفات کو تعلق ہے مگر ربوبیت اس کے اظہار کا موجب ہوتی ہے اور اس کے کمال کا باعث بنتی ہے - اور دوسری صفات الٰہیہ جیسے علیم ہے سمیع ہے رحمانیت ہے وغیرہ اس نبوۃ کی تکمیل کے دوسرے ذرایع بنتی ہیں -

غرض یہاں یہی آدم ایک نئی مخلوق کا مورث اعلیٰ ہے اس لئے اس کی تربیت تکمیل بجائے خود ربوبیت کے پرتو کو چاہتی تھی - پھر ربوبیت کمال کو چاہتی ہے اس لئے خلیفہ (آدم) کے کامل اور مکمل ہونے کی طرف اشارہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیوں کی بشارت اور ہر مامور من اللہ کی جو آدم ہوگا فتح کی دلیل -

ملائکہ اور ان کا ثبوت آجکل کے فلسفہ کی زہریلی ہوا نے نادان تعلیم یافتوں پر یہ اثر ڈالا ہے کہ وہ جس امر کو سمجھ نہیں سکتے

+ صفت اپنے موصوف کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے جیسے دیوار بیٹھ گئی - اس کے دل میں کسی کی محبت بیٹھ گئی - ساہوکار کی دکان بیٹھ گئی - ان مختلف جملوں میں بمقتضا [illegible]

ان مقامات میں دیکھلو یا کے لفظ سے مخاطب کون ہے - اور طَلَّقْتُمُ سے کون اِتَّقِ کے لفظ میں مخاطب کون اور تَعْمَلُونَ کس کے لفظ سے کون معلوم ہوتا ہے مَنْ سے مراد کون اور قَبْلِكَ کس کا پتہ دیتا ہے

پانچواں جواب - میں نے مانا لَا تَكُونَنَّ نہی کا صیغہ ہے اور نہی بھی بمعنی طلب ترک ہی - اور یہاں مخاطب بھی سرور کائنات وفخر موجودات ہیں صلے اللہ علیہ وسلم - اور مراد بھی وہی ہیں - مگر میں کہتا ہوں جب لَا تَكُنْ نہی کے صیغہ پر نون مشددہ تاکید کے لیے آیا - اور نون تاکید مشددہ ماضی اور حال پر ہرگز نہیں آتا - جس فعل پر آتا ہے اسکو استقبالی فعل کر دیتا ہے - پس لَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ کے یہ معنی ہوں گے :- اے محمد تو زمانہ ماضی اور حال میں شک کرنیوالا نہیں رہا - اب آگے زمانہ استقبال میں بھی متردد اور متشکک نہ رہیو - گویا یہ الٰہی دعا ہے جو یقیناً قبول ہے یا جسحالت میں تیری جبلت ہے ایسی تعلیم پر تردد والی نہیں تو اب تو میرے مطالب دلائل سے مدلل ہو چکے ۰

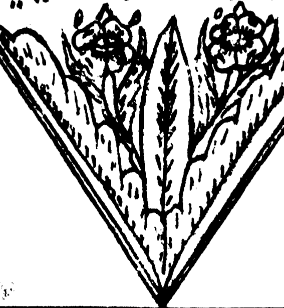
چھٹا جواب - میں نے بفرض محال مان لیا تردد واقع ہوا تو کیا ایسا تردد حسب مسلمات عیسائیوں کے نبوت کے عہدہ سے معزول کر سکتا ہے ہرگز ہرگز نہیں دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی توریت کتاب خروج اور کتاب قاضی موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی نجات کے لیے منتخب فرمایا - تو حضرت موسیٰ فرماتے ہیں - میں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکالوں خروج باب ۳ - پھر موسیٰ علیہ السلام لگے عذر کرنے کہ میں اچھی طرح بول نہیں سکتا پھر اللہ تعالیٰ نے بتاکید کہا - کہ تو جا میں تیرے ساتھ ہوں پھر اپنی کمزوری پر ان سب باتوں پر بقول عیسائیوں کے اطمینان نہ ہوا تو عرض کیا کسی اور کو مصر میں بھیج تب باریتعالیٰ " موجودہ توریت کہتی ہے " کا غصہ موسیٰ پر بھڑکا - دیکھو تب خداوند کا غصہ موسیٰ پر بھڑکا - خروج ۴ باب ۱۴ - اور فرعون نے جو کچھ کیا ہے - وہ کتاب قاضی ۶ باب ۳۶ - ۴۰ - ورس سے ظاہر ہے - کیسے امتحانات کرتا رہا - ذرا منصف عیسائی اسپر پھر غور کریں - ۰

آخر میں اس رکوع کو ختم کرنے سے پہلے نادان معترض کو مخاطب کرکے یہ کہنا چاہتے ہیں

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

۱۸۲ رکوع ۱

(ف نوٹ) دعا اور اسکی کیفیت اور قبولیت کے اسرار پر بحث کرنے کا یہہ مقام نہیں ہے ہم مختصر طور پر صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ یہہ امر سنت اللہ میں داخل ہے کہ جو دعا جلد قبول ہونے والی ہوتی ہے اللہ تعالےٰ خود اس دعا کو اپنے راستباز اور مامور اور دوسرے مخلص بندوں کو سکھا دیتا ہے جیساکہ فتلقی ادم من ربہ سے مستنبط ہوتا ہے - ایڈیٹر



اب جبکہ ظاہری سلسلہ کائنات کا ان چیزوں کی تاثیرات مختلفہ سے تربیت پا رہا ہے تو اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ
باطنی سلسلہ پر بھی باذنہ تعالےٰ وہ نفوس نورانیہ اثر کر رہی ہیں - سعدی علیہ الرحمہ نے اس مضمون کو کیا لطیف طور پر ادا کیا ہے

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند - تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار - شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

المختصر

یہ ایک ایسی صداقت ہے جو طالب حق و حکمت کو ضرور ماننی پڑے گی اور اسٹرانومی کی روز افزون
ترقی اس امر کی تائید کے لئے ایک غیبی شہادت ہے -

اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ ملائکہ چونکہ تاثیرات کواکب سے واقف تھے
اور وہ دیکھ چکے تھے کہ مشتری کا وقت عنقریب ختم ہو کر زحل کا وقت شروع ہونے والا ہے اس لئے انھوں نے
اپنے ظنی علم پر یہ بات پیش کر دی **اتجعل فیہا من یفسد فیہا و یسفک الدماء** - جس کے جواب میں
مولا کریم نے فرمایا **انی اعلم ما لا تعلمون** - یعنے تم کو اس بات کی خبر نہیں کہ میں آدم کو کس وقت بناؤں گا - میں مشتری
کے وقت کے اس حصہ میں اس کو بناؤں گا جو اس دن کے تمام حصوں سے زیادہ مبارک ہے اگرچہ جمعہ کا دن سعد
اکبر ہے لیکن اس کی عصر کے وقت کی گھڑی ہر ایک اس کی گھڑی سے سعادت اور برکت میں سبقت لے گئی
ہے اسی وجہ سے احادیث میں ترغیب دی گئی ہے کہ جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیانی اوقات میں بہت دعا
کرو کہ اس میں ایک گھڑی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے یہ وہی گھڑی ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی - اس
گھڑی میں جو پیدا ہوتا ہے وہ آسمان پر آدم کہلاتا ہے اور ایک بڑے سلسلہ کی اس سے بنیاد پڑتی ہے -

جمعہ کی آخر گھڑی میں خلق آدم کا راز -

اور یہ بات کہ جمعہ کی آخری گھڑی جو عصر کے وقت کی ہے آدم کی پیدایش کے لئے کیوں مخصوص کی
گئی - اس طرح پر سمجھ میں آجاتی ہے کہ خدا تعالےٰ نے تاثیر کواکب کا نظام ایسا رکھا ہے کہ ایک ستارہ
اپنے عمل کے ایک حصہ میں دوسرے ستارہ کا کچھ اثر لے لیتا ہے جو اس حصہ سے ملحق ہو اور اس کے بعد میں آنیوالا ہو
اب چونکہ عصر کے وقت سے جبکہ آدم پیدا کیا گیا رات قریب تھی - لہذا وہ وقت زحل کی تاثیر سے بھی کچھ حصہ رکھتا
تھا اور مشتری کی تاثیرات سے توبہرہ ور ہی تھا - چونکہ آدم کو جلالی اور جمالی دونوں رنگ دیئے گئے تھے اس لئے
اس کو مشتری کے ایسے حصہ میں پیدا کیا جبکہ اس کے اندر زحل کی تاثیرات کا پرتو بھی پڑ رہا تھا اسی کی طرف اس آیت
میں اشارہ ہے کہ **خلقت بیدی** یعنے آدم کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا - ظاہر ہے کہ خدا کے
ہاتھ انسان کے ہاتھوں کی طرح نہیں - پس دونوں ہاتھوں سے مراد جمالی اور جلالی تجلی ہے -

یہ سر تھا آدم کی اسوقت کی پیدایش میں - اور تاثیرات کواکب پر ہم ابھی ایک سیر کن بحث کر چکے ہیں -

الحاصل

آدم علیہ السلام کی خلافت اور اسپر ملائکہ کے اس وہم کی حقیقت کہ وہ فساد اور سفک الدم کا مرتکب ہو گا علمی رنگ
میں یوں ہے - ہم نہیں سمجھتے کہ اسپر کوئی اعتراض پیدا ہو سکے - اب ہم اس کو اور پیرایوں میں بیان کرتے ہیں جو بجائے
خود اپنے اندر معقولیت اور علمی پہلو کو لئے ہوئے ہیں - لیکن اس طرز کو اختیار کرنے کی صورت میں ہم الفاظ قرآنی
پر ایک مسلسل بحث کرتے ہیں -

قال سے بزبان گفتن مراد نہیں -

بعض کوتاہ اندیش نادانوں نے اعتراض کیا ہے کہ جبکہ اللہ تعالےٰ نے ملایکہ کو مخاطب
کیا ہے تو ضرور ہے کہ وہ اسی نوع سے ہوں - اور اس طرح پر شرک کی بو آتی ہے اور

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

بیشک اللہ ہر بات پر قادر ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی وسیع قدرتوں پر نظر رکھے تو وہ ہر دکھ کی گھڑی کو بہایت اطمینان سے گذار سکتا ہے۔

عرض

تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ

وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

ترجمہ اور جہاں سے تو نکلے اپنا منہ مسجد الحرام (عزت والی مسجد) کی طرف کر۔ اور یقیناً بیشک وہ تیرے رب کیطرف سے حق حکمت کا مظہر ہے اور اللہ تو تمہاری کرتوتوں سے غافل نہیں ہے۔

وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بیت العزۃ کیطرف ہر حالت میں توجہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ مکہ معظمہ کے بانی حضرت ابو الحنفا سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کو مدنظر رکھا جاوے یا مجدد دین ابراہیم سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین کی اطاعت کی جاوے۔ **مسجد الحرام** بیت العزۃ اسلیے کہا گیا کہ اسمیں ایک پیشگوئی ہے اس امر کی کہ مکہ معظمہ ابد الآباد کیلئے بیت الحرام (عزۃ والا گھر) ہی رہیگا اور اس پیشگوئی کی صداقت آجتک برابر پائی جاتی ہے۔ پھر مسجد الحرام بیت العزۃ کی طرف توجہ کرنے کے ایک یہ بھی معنی ہیں جیساکہ ہمنے پہلے رکوع میں بیان کیا ہے کہ چونکہ وہ الوہیت۔ ربوبیت۔ رحمانیت رحیمیت۔ مالکیت کا مظہر ہے اس لیے اُس خدا کو جو ان صفات سے موصوف ہے ہر حالت میں اپنے سامنے رکھو۔

وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ یہ مسجد حرام کی پیشگوئی پر ایک زبردست دلیل ہے یعنی مکہ معظمہ کا مسجد حرام (عزت والی مسجد) ہونا ایک سچی بات ہے اور یہ انسانی فعل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے + جو حق وحکمت کا بھرا ہوا ہے، یاد رکھو

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

اللہ تعالیٰ تمہاری کرتوتوں سے بیخبر نہیں ہے۔

گناہ سے بچنے کا ذریعہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو مدنظر رکھے کہ وہ میرے افعال واعمال اور ہر قسم کی حرکات وسکنات کو دیکھنے والا ہے اور ان سے غافل نہیں، تو یقیناً اُسکے دل پر ایک خاص اثر ہوگا جو اسکو گناہ کی زندگی سے بچالے گا + چونکہ مسجد الحرام عزۃ والی مسجد کیطرف توجہ بھی جیساکہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے انسان کو گناہوں سے بچانے اور سابق بالخیرات بنا دینے کیلیے ایک ذریعہ ہے اسلیے مکرر حکم ہوتا ہے۔

وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِیْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

ترجمہ اور جہاں سے تو نکلے اپنا منہ عزت والی مسجد کیطرف کر۔ اور جہاں کہیں تم ہو۔ اپنے منہ اسی طرف کیا کرو۔ تاکہ تمپر لوگوں کو کوئی الزام نہ رہے مگر ظالم تو باز آئیں گے ہی نہیں یا (اور نہ مشرکوں کو کوئی انگلی رکھنے کی جگہ رہیگی) پس تم کسی اعتراض کرنے والے سے مت ڈرو اور مجھسے ہی ڈرو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ میں تمپر اپنی نعمت پوری کروں گا اور تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

حجت کے معنے الزام کے ہیں۔

اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّا استثنا کے لیے بھی آتا ہے اور عاطفہ کے معنی بھی دیتا ہے اور اس مقام پر دونوں ترجمے درست ہو سکتے ہیں یعنی ظالم تو ہر حال میں اعتراض کیے جاتا ہے کیونکہ عیب نماید ہنر ش در نظر کا وہ مصداق ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت میں کہ اِلَّا حرف عاطفہ ہو۔ تو معنی یہ ہیں کہ کسی مشرک (مراد اہل مکہ) کو بھی اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہیگی کیونکہ بت تو پہلے ہی توڑ دیے گئے ہیں اور پھر مسلمانوں میں وحدت کے پیدا کرنیکے لئے کسی اصول میں تو ذرا بھی اختلاف نہیں۔ قبلہ کا وجود وحدت کا باعث رہتا ہے چونکہ مسلمانوں کو مکہ معظمہ سے یہ بڑا فائدہ ہوا ہے کہ باستطاعت مسلمان وہاں جاکر تعامل دیکھتے ہیں کسی مسلمان کو نماز کے فرائض میں کوئی شک وشبہ

کوئی روح کی خدمت میں۔ پس ملائکہ سے کام لینا محض اسی غرض کے واسطے ہے تاکہ انسان اپنی معلومات میں وسعت اور معرفت اور بصیرت میں ترقی کرے اور صانع اور مدبر بالارادہ کی ہستی پر نظام جسمانی اور نظام روحانی کی یک رنگی ایک گواہ ہو۔

ایمان بالملائکہ کا راز ملائکہ کے متعلق یہ ایک تیسرا مرحلہ ہے جہاں بعض کوتاہ اندیشوں نے ٹھوکر کھائی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ایمان بالملائکہ سے فائدہ ہی کیا ہے؟ بیشک یہ بہت ضروری امر ہے اور اس ایک نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت نقصان پیدا ہوا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جیسا ہم نے تیسرے رکوع میں کسی حد تک اس بحث کو چھیڑا ہے انسان کے ساتھ ہر وقت ایک داعی الی الخیر اور دوسرا داعی الی الشر لگا رہتا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ بسا اوقات بیٹھے بیٹھے انسان کے دل میں ایک نیکی کا خیال پیدا ہوتا ہے یا بدی کا خیال گذرتا ہے اور یہ ایک ایسی ضروری بات ہے کہ اگر یہ دونوں داعی نہ ہوتے تو انسانی ترقیات کا سلسلہ محدود ہو جاتا۔ کیونکہ اگر انسان کے لئے ایک ہی قسم کے اسباب پیدا کئے جاتے مثلاً اس کے اندرونی اور بیرونی اسباب جذبات صرف نیکی ہی کی طرف کھینچتے تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اُس کی نیکیوں پر کوئی نتیجہ مترتب ہو کر اس کو کامل کر سکے۔ یا یہ کہ بدی سے بچنے کی قوت تو پہلے ہی سے مسلوب ہے پھر بدی سے بچنے کا ثواب کیا اور کیسا؟ پس انسان کا وجود جو مختلفۃ القویٰ کا مجموعہ ہے اسی لئے بنایا گیا تاکہ وہ ترقی کر سکے اور اس کے افعال نتیجہ خیز ہوں۔

غرض ملائکہ پر ایمان لانے کا راز یہ ہے کہ یہ اُن پاک تحریکوں سے جو اس کے دل میں پیدا ہوتی ہیں فائدہ اٹھائے اور اُنپر عمل کرے اور اُسی وقت عمل کرے ورنہ یہ قانون الٰہی ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَحُولُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ کہ اللہ تعالیٰ اُس مرد اور اُس کے قلب کے درمیان حایل ہو جاتا ہے اور نیکی کی توفیق اس سے چھن جاتی ہے۔ لہذا ضروری ہے **کہ جس وقت کوئی پاک تحریک دل میں پیدا ہو اسی وقت اُسپر عمل کرو** تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ وقت گذر جائے اور پھر توفیق نہ ملے۔ یہ ہے وہ راز جو ملائکہ کے وجود پر ایمان لانے میں مرکوز ہے۔ (خدا کرے کہ ہم سب کو ایمان بالملائکہ کی توفیق نصیب ہو آمین۔)

جاعل کے معنے ہیں بنانے والا۔ ٹھہرانے والا۔ مقرر کرنیوالا۔ یعنے یہ امر میری عادت میں داخل ہے کہ میں خلیفے مقرر کرتا ہی رہتا ہوں اُسی سنت جاریہ کے موافق آدم کو بھی خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ بنانا خدا تعالےٰ کا کام ہے۔ کسی انسانی منصوبہ اور مشورہ کو اس میں دخل نہیں ہے۔ کیا معنے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ درحقیقت آسمان پر کوئی اور خلیفہ مقرر ہو اور اہل زمین اپنی صلاح و مشورہ سے کسی اور کو مخصوص اور نامزد کرلیں۔ اہنی مشورے اور ارادے خدا تعالےٰ کے ارادوں کے نیچے ہیں۔ اور ان اجتماعوں اور مشوروں سے اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ آسمانی نامزد شدہ ہوئے خلیفہ کا ان سے ظہور ہوتا ہے۔ پس خوب یاد رکھو کہ جھوٹا ہے وہ شخص جو کسی صادق کو معاذ اللہ خلافت حقہ میں غاصب قرار دے کیونکہ یہ کبھی ممکن ہی نہیں کہ کوئی دھینگا دھانگی خلیفہ بنجاوے!!

فی الارض سے کیا مراد ہے الارض پر جو الف لام آیا ہے یہ تخصیص کا ہے جیسا کہ اسی رکوع میں آگے جلکر جہاں ہبوط آدم کا ذکر ہے صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ آدم علیہ السلام اسی سرزمین میں خلیفہ بنائے گئے کیونکہ اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً یعنے اسی ارض مخصوصہ میں اور وہ توریت سے معلوم ہوتا ہے عدن کی سرزمین تھی۔

فٹ نوٹ۔ ملائکہ سے مراد وہ مخلوق بھی ہے جو اپنی تحمید اور تقدیس کی وجہ سے روحانیت کی اعلیٰ مدارج طے کر کے سفلی اور ارضی باتوں سے ممتاز ہو کر علوی اور آسمانی سلسلہ میں شامل ہوں۔ اس صورت میں مراد یہ ہے کہ الارض کے پہلے عارف باللہ ملائکہ...... کو اللہ تعالےٰ نے الہاماً یہ مژدہ سنایا کہ میں تم میں ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔ اور یہ کوئی انوکھی اور نرالی بات نہیں ہے عادۃ اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوا اس کی پیدایش کے آنکی خبر دیتی ہے۔ اسی طرح پہلے ... آنیکی خبر کشوف۔ رویا۔ الہام کے ذریعہ سے عارف لوگوں کو دی جاتی ہے۔ پس آدم کی خلافت سے پہلے یہ خبر الارض (ملک ...) کے ... کو دی گئی۔ ...

اور ان مطالب کی تصریح کرتے ہیں۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ ترجمہ اور ہر ایک کو ہر وقت توجہ کرنی ہی پڑتی ہے یا ہر ایک آدمی کو ہر کام کرنے کے لیے ایک طرف تو منہ کرنا ہی پڑتا ہے یا ہر شخص اپنے منہ کو ایکطرف پھیرنے والا ہی ہوتا ہے (جبکہ یہ حال ہے کہ انسان نکما نہیں بیٹھ سکتا تو بہتر یہی ہے کہ) پھر تم نیکیوں میں سبقت کرنیوالے بنو۔ جہاں کہیں تم ہوگے اللہ تم سب کو اکٹھا کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

توجہ الی القبلہ کا جواب ہم پہلے رکوع میں اسپر بہت کچھ لکھ آئے ہیں مگر اس مقام پر صرف اسی قدر کہنا چاہتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے توجہ الی القبلہ کا جواب خود بھی ارشاد فرمایا ہے اور وہ یہ ہے ولکل وجھۃ ھو مولیھا یعنی انسان اپنے کاموں میں کسی طرف تو منہ کرتا ہی ہے۔ پھر اگر کسی سمت کو منہ کرنا شرک یا موجب اعتراض ہو سکتا ہے تو وہ اپنی اس حالت میں اسکا کیا علاج کرے گا۔ وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا۔ اس میں خداوند حکیم نے اپنی عادت کے موافق نہایت صاف اور مسلم وجہ بتائی ہے کہ جس قسم کی خیرات یعنی برومندی انسان چاہتا ہے یہ پاک سرزمین اسکی جڑ ہے اور دانشمند کا کام ہے کہ وہ راہ اختیار کرے جسے پہلی تجربوں نے بھی کامیابی کی کلید ثابت کر دیا ہو۔ وہ واقعہ یاد کرو جب ضعیفہ ہاجرہ شیر خوار بچہ اسمٰعیل کے ساتھ یہاں چھوڑی گئی اور پھر خدا کی نصرۃ کو دیکھو جو ان کے شامل حال ہوئی۔ یہ برکتیں اور برومندیاں امید دلاتیں اور پیشگوئی کی مایہ بنتی ہیں کہ آیندہ بھی تم ایسے ہی فرخندہ بخت اور سرسبز ہوگے۔

پھر

اس آیت میں یہ بھی بتایا ہے کہ جب انسان عبادت کیلیے کسی نہ کسی طرف تو منہ کرے ہی گا پھر کیوں وہ اپنی ایجاد یا تجویز پر عمل کرے اسکو مناسب یہی ہے کہ اپنے اختراع کو چھوڑ کر خدا کی تجویز کردہ سمت کو لے تا وہ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ کا حظ اٹھا سکے۔ اور وہ خیر اور برکات کی بھری ہوئی بات ہوگی جسکا اشارہ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ میں ہے کیونکہ علیم وخبیر نے بتائی ہے انسان اپنی تجویز میں غلطی کھا سکتا ہے۔

سابق بالخیرات سابق بالخیرات اعلیٰ درجہ کے آدمیوں کا گروہ ہے جو ظلم اور اقتصاد کے مدارج طے کر چکے ہوتے ہیں یہ گروہ نفس امارہ پر بکلی فتح پاکر نیکیوں میں آگے نکل جانے والا ہوتا ہے بحالت میں انسان کے نفس کی سرکشی اور امارگی بکلی دور ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کے احکام سے اور اسکی شریعت کی تمام راہوں سے اور اسکی قضاء وقدر سے اور اسکی تمام مرضی اور مشیت کی باتوں سے وہ طبعاً پیار کرنے لگتا ہے کوئی تکلف اور بناوٹ درمیان نہیں رہتی اور کوئی دقیقہ اطاعت اور فرمانبرداری کا وہ اٹھا نہیں رکھتا خدا کی فرمانبرداری اسکی طبیعت کا جزو اور اسکی جان کی راحت ہو جاتی ہے کہ بغیر اسکے وہ جی نہیں سکتا۔ اور اسکا نفس کمال ذوق اور شوق اور لذت اور شدت میلان اور خوشی سے بھرے ہوئے انشراح کے ساتھ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اس کا نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے اسلیے وہ خدا تعالیٰ کے امتحان کے وقت پیچھے نہیں ہٹتا بلکہ قدم آگے بڑھاتا ہے اسی لیے سابق بالخیرات کہلاتا ہے۔ چونکہ اس مقام پر بھی اپنے اختراع و ایجاد کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ ہی کی رضا کو مقدم کرنے کا حکم ہے۔ اسلئے

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

فرمایا گیا۔

مسابقت بالخیرات کیلیے خدا تعالیٰ نے مدارج اور ذرائع رکھے ہوئے ہیں جو قرآن شریف کے دوسرے مقام پر بیان ہوئے ہیں۔

پھر اس مسابقت بالخیرات کا نتیجہ کیا ہوگا۔

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا۔

جہاں کہیں تم ہوگے اللہ تعالیٰ تمکو اکٹھا کرے گا۔ یعنی تمام سعادتمند خدا تعالیٰ کے دربار میں جمع ہو جائیں گے جس کے مظہر اتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے پاک جانشین ہیں (چنانچہ اس زمانہ میں حضرت اقدس میرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں)

۱۸۴
رکوع ۱۷

یا کم از کم سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرنا چاہتے اس نے وجود سے جھٹ پٹ منکر ہو جاتے ہیں۔ ازانجملہ وجود ملائکہ کی بحث ہے ہم کو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سرسید احمد خان نے ملائک کے وجود پر ایسی سخت لغزش کھائی کہ اس کا ضرر نہ صرف ان تک ہی محدود رہا بلکہ ان کے معتقدین کو بھی کم و بیش پہونچا۔

ہم چاہتے ہیں کہ وجود ملائکہ پر ایک مختصر مگر معنی خیز بحث کریں۔ کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ ملائکہ کا وجود حق ہے وجود ملائکہ کے اثبات کے لئے ہم کو وہی طرز اختیار کرنا ضروری ہے جو آجکل کے کالجوں کی مخلوق اور یورپی فلسفہ کے پوجاریوں کو مرغوب ہے اور وہ ہے **صحیفہ قانون قدرت سے استدلال**۔

اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ نظام جسمانی میں (جس کو ہم خدا تعالےٰ کا فعل کہتے ہیں اور کبھی کبھی اسے صحیفہ قدرت یا قانون قدرت بھی کہتے ہیں) ایک لاتبدیل قاعدہ اور لاتحویل قانون پاتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے ہر فیض اور فضل کے حاصل کرنے کے واسطے ہمارے اور خدا تعالےٰ کے مابین کچھ وسایط اور علل ہیں۔ اگرچہ یہ بالکل سچ ہے کہ اس فیض کے حاصل کرنے کے لئے ہم اپنے اندر بھی قویٰ رکھتے ہیں لیکن وہ قویٰ بدون امداد وسایط کچھ کام نہیں دے سکتے اور خارجی اسباب و علل کے بدون بیکار محض ہیں۔ مثلاً آنکھ اپنے اندر ایک نور اور روشنی تو رکھتی ہے لیکن وہ نور اور روشنی اس وقت تک کام نہیں دے سکتی جبتک کہ آفتاب کی روشنی یا کوئی اور خارجی روشنی اس کی ممد و معاون نہ ہو۔ اسی طرح پر کان کے اعصاب شنوائی کی ایک قوت رکھتے ہیں لیکن ہوا کے بدون دوسری آوازیں ہم تک نہیں پہونچ سکتی ہیں۔ پس جبکہ یہ نظام اپنے حواس اور قویٰ کی تکمیل کے لئے ہم روز و شب دیکھتے ہیں اور اس سے کسی طرح پر بھی انکار نہیں کر سکتے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ روحانی نظام میں ہم اس قانون کو فضول اور بے معنی قرار دیں۔ پس نظام روحانی کی اصطلاح میں یہ وسایط ملائکہ کہلاتے ہیں اور جسمانی طور پر ان کا نام اسباب متوسطہ یا وسائط رکھ دیتے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ ملائک اس لئے ملائک کہلاتے ہیں کہ وہ ملک اجرام سماویہ اور ایسا ہی اجسام الارض کے قیام اور بقا کے لئے بروج کی طرح ہیں اور نیز اس وجہ سے بھی ملائک کہلاتے ہیں کہ وہ رسولوں کا کام دیتے ہیں۔

غرض ملائکہ کے ثبوت کے لئے یہ مختصر سی بحث کافی ہے اور اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ ممدات اور معاونات جو ہر قسم کے فیض الہی کے حصول کے لئے وسایط ہیں خارج میں موجود ہیں گو ان کی کیفیت اور کنہ ہم کو معلوم ہو یا نہ ہو۔ مگر یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہ نہ براہ راست خدا تعالےٰ ہے اور نہ ہماری ہی قوتیں اور ملکے ہیں بلکہ ان دونوں سے الگ ایسی مخلوق چیزیں ہیں جو اپنا مستقل وجود رکھتی ہیں۔

ملائکہ سے کام لینے کی کیا ضرورت ہے۔

بعض نادانوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ جبکہ قادر مطلق ہے تو اس کو ملائکہ سے کام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو فی الحقیقت کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے نہ فرشتوں کی نہ آفتاب کی نہ ماہتاب کی نہ ستاروں کی لیکن اسی طرح اس نے چاہا تھا کہ اس کی قدرتیں اسباب کے توسط سے ظاہر ہوں اور تا اس طرز سے انسانوں میں حکمت اور علم پھیلے۔ اگر اسباب کا توسط درمیان نہ ہوتا تو نہ دنیا میں علم ہیئت ہوتا نہ نجوم۔ نہ طبعی نہ طبابت۔ نہ علم نباتات۔ نہ علم البرق۔ نہ علم الہوا۔ غرضیکہ آج جو ایجادات کا زمانہ ہے اور علمی ترقی کا دورہ ہے یہ کچھ بھی نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں اگر اسباب کا وجود نہ ہوتا تو انسان کی زندگی عجیب دبدھا میں پڑی رہتی۔ مثلاً اگر بارش کے لئے بادلوں کا ہونا ضروری نہ ہوتا تو ہر وقت انسان کو خطرہ لگا رہتا کہ اب بارش نہ ہو جائے۔ اب مینہ برس کر اس کو نقصان نہ پہونچائے وغیرہ قس علیٰ ہذا۔ غرض جو شخص نور معرفت سے بہرہ ور ہے وہ جانتا ہے کہ ہر ایک ذرہ ذرہ خدا تعالےٰ کے ارادہ سے کام کر رہا ہے۔ پس تمام ذرات اور سیارات وغیرہ درحقیقت ایک قسم کے فرشتوں ہی کے مظاہر ہیں جو دن رات خدمت میں لگے ہوئے ہیں کوئی انسان کے جسم کی خدمت میں لگا ہوا ہے

اپنے اس دعوے کی دلیل جو تمام بعثت اور رسالت یا دلی کی صورت میں کیا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو پیش فرماتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مامور و مرسل کی شناخت کے لیئے پانچ معیار ہیں۔

اوّل۔ وہ آیات الٰہی پڑھنے والا ہو۔ آیات میں نشانات اور مکالمات الٰہیہ سب داخل ہے۔

دوم۔ خود مزکی نفس اور مطہر القلب ہو تا کہ اپنے نفس قدسی سے دوسرونکو پاک کرسکے گویا اُسکی قوت قدسی دوسروں پر اثر انداز ہو سکے یا یہ کہو کہ اُسمیں جذب کی ایک قوت ہو۔ جس سے مخلوق الٰہی کو اپنی طرف کھینچ سکے اور پھر تاثیر کی قوت ہو جس سے انکو روحانی غذا دیکر اصلاح کرسکے۔ جسقدر کسی کا تزکیہ بڑھا ہوا ہوگا اُسیقدر وہ دوسرونکو مزکی النفس بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

سوم۔ اسرار کتاب اللہ سے آگاہی دینے والا ہو۔ اور بسطت فی العلم کی صفت سے مزین ہو تا کہ تمام حقائق و معارف اور لوازم محبت و صدق و وفا کو پورے طور پر سمجھا سکے اور اُسکی رائے صائب دوسرونکی غلطیونکی اصلاح کرسکے اور جیسے مرغی اپنے انڈوں کو پروں کے نیچے دبا کر بچے بناتی ہے اور پھر بچوں کو پروں کے نیچے رکھکر اپنے جوہر اُن کے اندر پہنچا دیتی ہے اسی طرح یہ مامور و مرسل اپنی علوم روحانیہ سے صحبت یابوں کو علمی رنگ سے رنگین کرتا ہے اور یقین معرفت میں انکو بڑھا تا جاتا ہے اور یہ اس لیئے ضروری ہے کہ تربیت علمی اس کے سپرد کیجاتی ہے اور علوم حقہ کی اشاعت اسکا کام قرار دیا جاتا ہے۔

چہارم۔ مامور و مرسل کی شناخت کا نشان یہ ہوتا ہے کہ اُس کی باتیں معقول و محکم اور خوبیوں کی جامع ہوتی ہیں۔

پنجم۔ اُس کا نشان یہ ہوتا ہے کہ وہ اُن اسرار غیبیہ اور امور لدنیہ پر اطلاع پاتا ہے اور لوگونکو بتاتا ہے جس کا علم دنیا کو نہیں ہوتا۔ اسمیں اسکے مکالمات۔ مکاشفات۔ اور پیش گوئیاں سب داخل ہیں۔

غرض یہ امور خمسہ ہیں جو خدا تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شناخت اور آپ کی فضیلت کا ذریعہ بتائے ہیں۔ اور ان نشانات سے ہم ہر زمانہ میں ہر ایسے انسان کو جو مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کرے شناخت کرسکتے ہیں چنانچہ آج بھی وہ لوگ جو حضرت اقدس حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی کی پرکھ کے خواہشمند ہیں اسی اصول اور محک پر انھیں آزما سکتے ہیں۔ +

۱۸۷

رکوع ۱۵ / ۲

حکمت حکمت کے معنے ہیں وضع الشیٔ فی محلہ یعنی جو چیز ٹھیک اپنے محل پر واقع ہو۔ الاقوال المحکمۃ۔ پکی باتیں۔ و الاقوال التی تکون ثمراتہا موجبۃ للسرور والراحۃ یعنی ایسی باتیں جنکا نتیجہ راحت و خوشی کا باعث ہو۔ اور پھر قرآن مجید نے ایک مقام پر حکمت کے معنی خود کیے ہیں اور پارہ ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل میں وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا یعنی دوسرے رکوع سے شروع ہو کر تیسرے رکوع کے آخر تک ہے جسکو ہم ذیل میں درج کر دیتے ہیں۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ

او مخاطب۔ تیرے مربی اور محسن پالنے والے کا حکم تو یہ ہے۔ کہ اُس کے سوا کسی کی پرستش اور فرمانبرداری نہ کیجاوے۔ اور ماں اور باپ سے پورا نیک سلوک ہو۔ اگر او مخاطب تیرے جیتے ہوئے والدین بوڑھے ہو جاویں۔ ایک یا دونوں۔ تو خبردار کبھی اُن سے کسی قسم کی کراہت کر بیٹھیو۔ اور نہ کبھی اُن کو جھڑکیو۔ اور آہستے پیاری میٹھی نرم ادب کی باتیں کیا کرنا۔ انکی پرورش دنیا داری کے لحاظوں سے نہیں بلکہ صرف دلی محبت و پیار سے اسطرح کرنا جسطرح پرندے اپنے بچوں کو پروں میں پرورش کرلیتے ہیں۔ اور خدا سے یوں دعائیں مانگنا۔ ای میرے رب انسے اسطرح رحم کا سلوک کر جسطرح اُنھوں نے میرے لڑکپن میں پرورش فرمائی۔ غرض جیسے والدین تیرے لڑکپن میں تیری ہمدردی میں ایسا ہی تو اُنکے لیئے ہو۔ سنو! مخاطبو! ایسا پرورش کرنیوالا تمھارے دلوں کے بھید جانتا ہے۔ پس ظاہر ریا اور دکھلاوا کام نہیں آیا

لئے خلیفہ کی بعثت ہوتی ہے اور اگر ایسا ہے تو چونکہ وہ تیرے جلال اور تقدیس کے لئے آنے والا ہے اس لئے ہم بھی تیری حمد وستایش کرتے ہوئے سبوح سبوح قدوس قدوس کا ترانہ گاتے ہوئے اس کے ساتھ ہو جائیں تاکہ تیری تحمید تیری تقدیس۔ تیرا جلال ظاہر ہو۔

چونکہ فساد بر اور بحر دونوں میں پیدا ہو گیا ہوتا ہے جب مامور آتا ہے اس لئے ملائکہ بھی تسبیح اور تقدیس کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ تسبیح کے معنے زمینوں اور سمندروں میں جانا اور تقدیس کے معنے جنگلوں اور بیابانوں میں جانا بھی لغت میں آئے ہیں۔ تو گویا ہر میدان میں ہم اس کی نصرت و تائید کو طیار ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے جواباً فرمایا انی اعلم ما لا تعلمون یعنے اس خلیفہ کی ماموریت اور بعثت میں جو جو مصالح اور حکمتیں ہیں وہ میں خوب جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اب اگر ملائکہ کی اس عرض میں (اتجعل فیھا) یہ سمجھا جائے کہ آدم فساد فی الارض اور سفک الدم کریگا تو انی اعلم ما لا تعلمون نے صاف طور پر اپنی صداقت کو ثابت کر دیا کوئی تاریخ نہیں بتلا سکتی کہ آدم نے سفک الدم یا فساد فی الارض کیا ہو۔ بہرحال انی اعلم ما لا تعلمون ایک دعویٰ ہے جسکی دلیل اللہ تعالےٰ نے یوں دی ہے وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملائکۃ فقال انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صادقین۔ اور سکھا دیئے آدم کو کل چیزوں کے نام (اور پھر ملائکہ کو مخاطب کرکے کہا) :۔ ان اسماء کو ہم تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں تم ہمارے پاس ان اسماء کے نادر ظہورات کو بیان تو کر دو۔ جبکہ تم صادق ہو۔

اسماء سے کیا مراد ہے اسپر بہت لمبی بحث کی گئی ہے کہ وہ نام کیا تھے جو آدم کو سکھلائے گئے تھے؟ لیکن جبکہ کلام الٰہی نے اس کی تعین نہیں کی تو ہم کو اس کے تعین کے بے فائدہ کوشش کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں آثار کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اشیاء کے نام مع ان کے خواص کے جو انہیں ہیں بتلائے تھے۔ اور الایمان۔ الاسلام۔ الصلوٰۃ۔ اور الصوم سے بھی مراد لی ہے کیونکہ آدم کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جبرئیل علیہ السلام کو الایمان۔ الاسلام۔ الاحسان کی حقیقت بتلائی تھی۔ اور اصل تو یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی حقیقت مامور من اللہ کے سوا بتلا ہی کون سکتا ہے بہرحال کچھ بھی ہو حضرت آدم علیہ السلام کو وہ سکھلایا گیا جو ملائکہ کو معلوم نہ تھا۔

خدا نے آدم کو اسماء کیوں سکھلائے؟ بعض نادان آریوں نے عیسائیوں کی کاسہ لیسی کرکے یہ اعتراض کیا ہے کہ آدم کو اسماء کیوں سکھائے گئے۔ اس قسم کا اعتراض عبودیت کی حد سے بڑھکر گستاخی اور سوء ادبی کے محل پر جا پہونچتا ہے مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اپنے خالق کے کسی فعل پر اعتراض کرے۔ لیکن تاہم یہاں جو اللہ تعالےٰ نے علم آدم الاسماء کلھا فرمایا ہے اس کے اندر ایک ضروری اصل کا اظہار ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ضرورت الہام کے مسئلہ کو پیش کیا ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ کوئی انسان جب تک باہر کی آوازیں نہ سنے تو وہ بول ہی نہیں سکتا۔ گویا شنوائی کی طاقت کا عطا ہونا طاقت گویائی کے عطا ہونے کی دلیل ہے۔ دیکھلو جو بچے بہرے پیدا ہوتے ہیں وہ گونگے بھی ضرور ہوتے ہیں۔ علم آدم الاسماء کلھا سے معلوم ہوا کہ جیسے بچہ ایک خارجی آواز کے سننے کا بولنے سے پہلے محتاج ہے اسی طرح رضاء الٰہی کی راہیں بدون اعلام الٰہی معلوم نہیں ہو سکتی ہیں۔ پس اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور عام قانون قدرت کے نظارہ سے ضرورت الہام کو ثابت کیا ہے۔

اور پھر اس میں یہ راز ہے کہ دنیا کو بتلایا جائے کہ مامور من اللہ خدا سے وہ علوم پاتا ہے جو دوسروں کو نہیں دیئے جاتے۔ اسی لئے بسطت فی العلم اس کی شناخت کا ایک نشان ہوتا ہے اور ہم نے اوپر بتلا دیا ہے کہ مامور من اللہ اللہ تعالےٰ کی صفت علیم کا مظہر ہوتا ہے اور یہی ایک وجہ فضیلت منجملہ دیگر وجوہ کے ہوتی ہے جو وہ خلیفہ بنایا جاتا ہے پھر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مامور من اللہ براہ راست خدا سے علم پاتا ہے۔

نہیں ہے اور نہ کسی نے روزہ میں کوئی کمی بیشی کی ہے نہ ایام حج میں ترمیم ہوئی ہے اور اسبطرح پھر قرآن شریف کا بقا ہے پھر اتنی وعدے کے ہوتے اعتراض کی گنجایش کہاں

پھر

اسی آیت میں ظالموں کا منہ بند کرنیکے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک اور راہ رکھی ہے وہ یہ ہے کہ اسمیں فتح مکہ کی پیشگوئی کیطرف توجہ دلائی ہے یہ کہکر وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ اتمام نعمت اور ہدایت یہاں مکہ ہی کی فتح ہے۔ اس صورت میں صاف عیاں ہے کہ جب مکہ فتح ہوگیا پھر مشرکین مکہ کو جنکا ذکر اس آیت میں اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا میں کیا گیا ہے کیا حجت باقی رہ سکتی ہے۔

اتمام نعمت کے معنی جو ہمنے فتح مکہ کیے ہیں یہ خیالی اور فرضی نہیں ہیں بلکہ قرآن شریف سے اسکا پتہ بھی ملتا ہے چنانچہ یہ آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ اسکی شاہد ہے۔ فتح مکہ پر ہی اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ فرمایا گیا ہے۔

بہرحال ہم اتمام نعمت کو محصور کرنا نہیں چاہتے خدا تعالیٰ کے ہر قسم کے فیوض و برکات اور انوار سب کے سب اتمام نعمت میں آتے ہیں۔ گو یہاں بالخصوص فتح مکہ ہی کی طرف ایما معلوم دیتا ہے۔ اس آیت پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انعامات الٰہیہ کے جذب اور کامیابیوں کے حصول کا ایک زبردست ذریعہ یہ ہے کہ

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ

انسان خدا کے سوا کسی مخلوق سے وہ خوف نہ کھاوے جو خدا تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ ایمان کا کمال اسی پر مبنی ہے کہ ہر ایک قسم کے نفع و ضرر کا مالک مولیٰ متعال کو مانا جاوے اور اسی لیے اس اتمام نعمت اور اسکے ذریعہ واخشونی کے بیان سے پیشتر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات عظیمہ کا بیان فرمایا ہے۔ جیسے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

یا

فرمایا مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

۱۸۶
رکوع ۲

حضرت سلیمان علیہ السلام کی کتاب میں لکھا ہے خدا کا خوف حکمت کا شروع ہے اور قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا گویا علوم حقہ کا مدار خشیت الٰہی پر ہے۔ اور ایسے ہی فرمایا گیا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ غرض خشیت الٰہی انعامات و انوار و برکات الٰہیہ کو جذب کرنیوالی چیز ہے۔ مبارک وہ جو اس سے بہرہ اندوز ہو۔

اس اتمام نعمت اور ہدایت کے دعوی کی دلیل کیا ہے؟

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

ترجمہ کیونکہ ہمنے تم میں اپنا رسول بھیجا ہے جو تم میں ہی کا ایک ہے تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمکو پاک کرتا ہے۔ اور تمھیں کتاب اللہ کے اسرار سے آگاہ کرتا ہے اور محکم اور معقول اور بھلی باتیں سکھاتا ہے (یہی نہیں بلکہ) وہ باتیں بھی سکھاتا ہے جو تم جانتے بھی نہ تھے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا کاف تعلیلیہ کہلاتا ہے یعنی اتمام نعمت اور ہدایت کا جو ہمنے وعدہ کیا ہے یہ پورا ہوگا کیونکہ تم میں ہمارا رسول جو تم میں سے ہی آیا ہے اور وہ تم پر ہماری آیتیں پڑھتا اور تمھیں پاک کرتا ہے اسکا کامیاب ہونا تمھاری کامیابی کا موجب ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت دعائے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا نتیجہ تھی جیسا کہ انھوں نے دعا کی تھی کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ الآیہ یہاں خدا تعالیٰ اسی رسول کی بعثت کا ذکر فرماتا ہے۔ کیونکہ آنے والے رسول کے وہی خواص اور صفات ہیں۔

دوسری جگہ خدا تعالیٰ نے یہ کہکر هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ یہ بتایا ہے کہ اس رسول کے آنے کا زمانہ کونسا تھا جبکہ زمانہ میں ظاہری افادہ اور استفادہ کا سلسلہ منقطع ہوچکا تھا اور ہر قسم کے فساد و شر پھیل گئے تھے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ

خلیفہ لفظ خلیفہ کے معنے ہیں کسی قوم کے پیچھے آنیوالا یا کسی قوم کو پیچھے چھوڑنے والا۔ جیسے۔ جعلنا کم خلائف فی الارض۔ ہم نے دنیا میں تمہارے پیچھے آنے والے ٹھہرائے۔

مامور من اللہ اور سلطان المعظم ہی خلیفہ کہلاتے ہیں جیسے آیت استخلاف سے جو سورہ نور میں ہے معلوم ہوتا ہے اور وہ اس طرح پر ہے وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنہم فی الارض الآیہ۔ کیا معنے کہ اللہ تعالےٰ نے وعدہ کر لیا ہے کہ تم میں سے جو مومن اور سنوار کے کام کرنے والے ہیں انکو ضرور ضرور الارض میں حکمران بادشاہ بنائے گا۔

خلیفہ کے لفظ سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ بین الحق والباطل فیصلہ کرے۔ اور لوگوں کے تنازعات باہمی کو نپٹائے اور حدود اللہ کو قائم کرے جیسے فرمایا یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے پس لوگوں میں صحیح صحیح فیصلہ فرما۔

پس آدم علیہ السلام دنیا میں روحانی اور تمدنی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے۔ وہ خلیفہ تھے انکی نسل جاری ہوئی اور قائم رہی اس لئے وہ خلیفہ تھے۔ ان سے پیشتر دنیا میں بعض قومیں آباد تھیں جب ان کے قائم مقام آئے تو بھی خلیفہ کہلائے۔

فی الارض خلیفہ سے کون مراد ہے اس پر بہت بحث کی گئی ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک خلیفہ فی الارض سے مخلوق انسانی مراد ہے جن میں سے آدم ایک ہے۔ اور بعض کے نزدیک فی الارض خلیفہ سے مراد ایک شخص واحد ہے جو سیدوں کا مورث اعلیٰ ہے اور آدم کے نام سے موسوم ہے ہماری اپنی تحقیقات میں یہاں آدم ہی مراد ہے۔

قصہ آدم کی دوسری توجیہ آدم کے خلیفہ مقرر کئے جانے پر ملائکہ نے جو کچھ عرض کیا اس کی پہلی توجیہ ہم لکھ آئے ہیں۔ اب ہم اس کی دوسری توجیہ بیان کرتے ہیں جو پہلی صورت کے منافی اور متناقض ہرگز نہیں ہے۔

اور وہ یوں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ایک خاص ملک اور سرزمین میں آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کی بشارت بذریعہ الہام ملائکۃ اللہ یا ارض مذکور کے صلحا و اتقیا کو دی تو چونکہ وہ لوگ دیکھتے تھے کہ دنیا میں سفاکی اور فتنہ پردازی بڑھ رہی تھی اور انہیں اس امر کی اطلاع تک بھی نہ تھی کہ خدا تعالےٰ کا مقرر کردہ خلیفہ کیسا ہوتا ہے اس لئے پُرانے تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر انہوں نے عرض کی۔

اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک۔ کیا معنے کہ کیا حضور اس کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین پر فساد اور خونریزیاں کریگا۔ اور ہم تو حضور کی پاکی بیان کرتے ہیں حمد کے ساتھ اور تیری تقدیس کرتے ہیں (تجھے ہر عیب سے منزہ و پاک اور ہر صفت کاملہ سے موصوف مانتے ہیں۔)

ملائکہ کی یہ عرض بطور گذارش ہے نہ بطور اعتراض اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے خلیفہ بنائے جانے کا استحقاق پیش کیا ہے۔ یہ مکذب مفتری کی دلیری اور چالاکی ہے جو ایسا خیال کرتا ہے۔ چونکہ انھوں نے اپنے محدود تجربہ کی بنا پر عرض کی تھی اللہ تعالےٰ نے انکو جواب دیا ہے انی اعلم مالا تعلمون۔ اس خلیفہ کے تقرر میں جو حکمتیں اور اسرار ہیں ان سے تم واقف نہیں ہو میں بہت جاننے والا ہوں۔

تیسری توجیہ ملائکہ سے مراد وہی آسمانی مخلوق ہی ہو تو بھی کوئی استبعاد عقلی لازم نہیں آتا۔ اس صورت میں مفہوم اور منشاء آیت یہ ہے کہ چونکہ مامور من اللہ اس وقت دنیا میں آتا ہے جبکہ حدود اللہ کی پرواہ نہ کی جاتی ہو اور ہر قسم کا فتنہ و فساد پیدا ہو چکا ہو۔ نہ جنگل میں امن ہو نہ سمندروں میں۔ ظھر الفساد فی البر والبحر کا نقشہ دکھائی دیتا ہو۔ پس زمین کی ایسی حالت سے ملائکہ ناآشنا محض نہ تھے ہاں یہ جانتے تھے کہ خلیفہ ایسے ہی وقت میں آتا ہے پس جب انھوں نے آدم کی بعثت کی خبر سنی تو انھوں نے عرض کی کہ کیا دنیا میں کوئی قوم مفسد اور خونریز قرار دی جائے گی۔ جس کی سرکوبی اور استیصال کے

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ کے یہ معنی ہیں کہ تم مجھے یاد کرو میں تمھیں معزز اور [illegible] بناؤنگا۔ اور ایک یہ معنی بھی ہیں کہ تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا یعنی اپنے مکالمات کا شرف تمھیں دوں گا۔ اور مکاشفات اور اسرار غیبیہ پر مطلع کرونگا۔ کیونکہ قرآن شریف کے دوسرے مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ یاد الٰہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے جیسے فرمایا ہے۔

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ الآیہ

علاوہ بریں خدا کی یاد یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مکالمہ کا شرف عطا فرماوے + پس خدا تعالیٰ کے مکالمہ کے لئے کثرت ذکر الٰہی ضروری ہے یہی اسی آیت پر غور کرنے سے فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ کے یہ معنی بھی معلوم ہوتے ہیں وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔ خدا کی یاد کیا ہے؟ خدا کی نعمتوں کی قدر انسان جس قدر خدا کی نعمتوں کو یاد کرتا ہے اسی قدر منعم کی محبت اور محسن کی الفت اُسکے دل میں بڑھتی جاتی ہے اور جوں جوں اُسکی محبت میں ترقی ہوتی ہے اسی قدر اُسکی محبت موہبت الٰہی کو جذب کرتی ہے۔

یہی راز ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ نِعْمَتِیْ میں۔

پس خدا تعالےٰ کی نعمتوں کی یاد اور ذکر الٰہی جیسے انسان کو محبوب الٰہی اور مواہب الٰہیہ کا مورد بنا دیتا ہے اسیطرح انکار اور ناشکری محروم رہ جانے کا باعث ہے

غرض

تمام نعمت اور کامیابی کے لیئے خدا کی پہلی عطا کردہ نعمتوں کی یاد اور اُنکی قدر ضروری ہے + چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ایک عظیم الشان نعمت تھی اسلیئے آپ کی قدر کیطرف توجہ دلائی اور انکار سے ہٹایا ہے + کیونکہ آپ کی اطاعت اور پیروی ہی ایک ذریعہ محبوب الٰہی اور کامیاب ہونے کا ہے جیسے فرمایا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

۱۸۹
ع ۱۸
۲

آخر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہمکو اور ہمارے پڑھنے والوں کو ذاکرین اور شاکرین میں سے بناوے اور کافرین سے نہ کرے
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الشَّاكِرِیْنَ وَالذَّاكِرِیْنَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْكٰفِرِیْنَ۔ اٰمِیْن

---

*فٹ نوٹ بندہ کے ذکر سے مراد ہے اوّل خدا تعالےٰ کو اسکے بزرگ اور پاک ناموں سے یاد کرنا وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ دوئم قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور اسمیں غور و فکر کرنا وَمَا هِیَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ۔ سوم اعمال کے نتائج اور عالم کے تغیرات پر نظر کرنا اور اُن سے نصیحت پکڑنا اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ۔ چہارم اعمال صالحہ اور عبادات میں مشغول ہونا فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔

ابلیس ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین - اور جبکہ کہدیا ہم نے فرشتوں کو کہ تم سب آدم کے سبب سے سجدات شکر بجالاؤ یا آدم کے فرمانبردار بنجاؤ - خدا کی طرف سے اس حکم کے پاتے ہی سب ملائکہ سجدہ میں گرپڑے اور ابلیس نے جو کافر تہا آدم اور اس کی ماموریت کو اپنے مقابل ہیچ سمجہا اور انکار کر دیا -

سجدہ سے کیا مراد ہے سجدہ کے معنے انقیاد اور فرمانبرداری کے ہیں - قرآن کریم کے مختلف مقامات اور اہل عرب کے محاورات سے ثابت ہے جیسے ایک جگہ فرماتا ہے وللہ یسجد ما فی السموات وما فی الارض جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اللہ ہی کا فرمانبردار ہے والنجم والشجر یسجدان تارے اور چاند ہی فرمانبرداری کرتے ہیں غرض سجدہ کے معنے اور اُسکی ظاہری حالت سر بزمین نہادن کامل اطاعت اور فرمانبرداری ہی کا نتیجہ

ازالہ وہم ناخدا ترس لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ آدم کو سجدہ کرنا گناہ تہا اس لئے ابلیس کا کوئی گناہ نہیں تہا - ہمکو حیرت اور تعجب ہوتا ہے جب اس قسم کا لغو اعتراض سنتے ہیں - ہر ایک مذہب کے نزدیک اصل عبادت اطاعت امر الٰہی ہے - پہر جبکہ ابلیس نے امر الٰہی سے انکار کیا تو اس سے بڑھکر کیا گناہ ہو سکتا ہے ؟ سوچو ! اور غور کرو !

رہی یہ بات کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا گناہ ہے - ہم کہتے ہیں کہ غیر اللہ کو سجدہ کیا ہی کہاں گیا ؟ لِ علت کا ہے لآدم یعنے آدم کی ماموریت کی وجہ سے سجدات شکر بجالاؤ - قرآن کریم میں اسکی نظیر موجود ہے خروا لہ سجدا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں صاف موجود ہے کہ یوسف کے اس اعزاز و مرتبہ کی وجہ سے سجدہ میں گرپڑے -

علاوہ ازیں مامور من اللہ کی اطاعت خدا ہی کی اطاعت ہوتی ہے پہر ہی یہ سجدہ اگر آدم کو ہی ہوا تو ہی اللہ ہی کو ہوا کیونکہ اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے -

ایک شخص جو گورنمنٹ انگلشیہ کے کسی حکم کی تعمیل ایک چپراسی کے کہنے سے کرتا ہے تو کیا وہ اس چپراسی کے حکم کو مانتا ہے یا گورنمنٹ کے حکم کو - سوچو تو ہی !

سجدہ آدم کا ذکر قرآن کریم میں سات مختلف مقامات پر آیا ہے - سورۃ البقرہ میں یہی مقام - سورہ اعراف میں - پہر سورہ حجر میں - پہر سورہ بنی اسرائیل - پہر سورہ کہف - پہر سورہ طٰہٰ - پہر سورہ ص میں - ان تمام مقامات کو یکجائی نظر سے دیکہنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی انسان کامل دنیا میں آتا ہے اور وہ حقیقی اعتدال حاصل کر کے اللہ تعالےٰ کی روح (کلام الٰہی) کا مسکن بنتا ہے تو اس مقام پر وہ ملائکہ کا مسجود ٹھہرتا ہے -

اب صاف بات ہے کہ چونکہ حضرت آدم کی خلافت ان کے کمال علمی کے باعث ثابت ہو چکی ہے اور علمی کمال بطریق اولیٰ تسبیح اور تحمید کا باعث ہوتا ہے جیسے قرآن کریم نے فرمایا ہے یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات - یعنے اللہ تم میں سے مومنوں اور عالموں کے درجات بلند کرتا ہے - پس ملائکہ پر آدم کی فضیلت انکی خلافت کا باعث ہوئی اور خلیفہ کی اطاعت - تابعداری اور فرمانبرداری انسانی ضرورت - تمدن اور سیاست کا لابدی مسئلہ ہے اس لئے قرآن کریم نے جو جامع العلوم کتاب ہے حکم دیا ہے - اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولوا الامر منکم - اللہ کی اس کے رسول کی اور حکم والوں کی اطاعت کرو - بہر حال ملائکہ کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا - یہ سجدہ آدم کی وجہ سے خدا تعالےٰ کے حضور کیا گیا یا آدم ہی کی فرمانبرداری کی گئی اس سے اصل مقصد میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ سجدہ اطاعت ہی کا مفہوم ہے - اور مامور من اللہ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے چنانچہ فرمایا من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ - جس نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی - اور یہ ہی ظاہر

ف نوٹ - قرآن کریم میں اسجدوا لآدم ہے نہ کہ اسجدوا الی آدم - منہ

تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝

۱۴۸ رکوع ۲

اگر سچ مچ کے نیک ... ہمیشہ ہی اپنی طرف رجوع لانیوالوں کو بخشنے والا ہے۔ اے مخاطب! ہر ایک رشتہ دار اور مسکین اور مسافر کو جو کچھ اسکا حق ہو دیدے اور اپنی نفسانی خواہشوں پر۔ فخر پر۔ بڑائی کیلئے۔ اور بے ایمانیوں کا موں میں سال کو ضائع مت کر۔ ناجائز طور پر مالوں کو ضائع کرنیوالے شیاطین کے بھائی ہیں۔ اور شیطان تو ایسا ہی کہ جسنے اُسے پیدا کیا۔ اور جسنے اسکو پرورش کیا اُسکا بھی منکر ہو گیا۔ اگر ان لوگوں کو کچھ دینے کو جنھیں دینا ہے تیرے پاس نہو اور تو اس اُمید پر کہ عنقریب تجھے تیرا محسن رب کچھ دیگا تو سردست انکو ایسا جواب دے جس سے انکو آرام ہو۔ اور انکی اُمید بڑھے۔ نہ ایسا بخیل کنجوس بن۔ کہ گویا تیرے ہاتھ تیری گردن سے بندھے ہیں۔ اور نہ اتنا فضول خرچ بن کہ کچھ بھی تیرے پاس نرہے۔ اگر ایسا ہوا تو تجھے ملامت لگیگی اور تھکا ماندہ رہجاویگا (بعض انسانوں کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ محتاجوں کو دیکھکر گھبرا جاتی ہیں اور فضول خرچی کر بیٹھتے ہیں ایسوں کو مخاطب کر کے فرمایا) تیرے رب کیطرف سے ہے کہ کسیکو دولتمند کرتا ہے اور کسیکو مفلس تو کیوں گھبراتا ہے وہ حکیم اپنے بندوں سے واقف اور انکی حالات پر آگاہ ہے۔ اے لوگو! اپنی اولاد کو ہلاکت میں قتل نہ کیا کرو۔ کہ ہم انکو کھانے کو دیتے ہیں تم اور وہ ہمارا ہی رزق کھاتے ہیں۔ اور بات تو یہ ہے کہ اولاد کا قتل کسی سبب سے کیوں نہو بڑی بھاری غلطی اور بدی ہے۔ اور زنا کے تو نزدیک بھی مت جاؤ۔ یہ بڑی بیحیائی اور بڑی راہ ہے۔ اور کسی شخص کو بیوجہ قتل نہ کرو جسکا قتل اللہ نے حرام فرمایا۔ جو کوئی بیوجہ قتل کیا گیا اس مقتول کے وارث کو ہمنے طاقت دی ہے کہ قاتل کو مار ڈالے۔ مگر کوئی ناجائز کام اپنے قصاص میں نہ کرے اور یہ سبب مقتول کو مدد دیگئی کہ اسکا بدلا دنیا میں بھی لیا جاوے اور آخرت میں گناہ کے بوجھ سے ملکا ہو۔ کسی بھی غرض کے سوا یتیموں کی مال کے پاس مت جاؤ اور انکا خیال رکھو۔ تبتک کہ مضبوط اور بڑے ہو جاویں۔ اپنے معاہدوں پر وفاداری دکھلاؤ تمہارے معاہدے خدا تعالیٰ سے ہوں یا اُسکے بندوں سے یاد رکھو عہدوں کی بابت پوچھے جاؤ گے۔ ماپنے اور تولنے میں پورا ماپ اور تول اختیار کرو۔ ایسا نتیجہ دنیا میں بہت ہی اچھا ہوگا۔ اور اس امر کا انجام بھی بہت عمدہ ثابت ہوگا۔ اور جو بات معلوم نہو سکا دعویٰ مت کرو۔ نا سمجھی سے گواہی دو۔ کان اور آنکھ اور عصابی مرکز جسے قلب کہتے ہیں سب سے انکے کاموں کا سوال ہوگا۔ خوشی سے اتراتے ہوئے زمین پر مت چلو۔ تو اے مخاطب! اپنی طاقت سے زمین کو نہیں پھاڑ سکتا نہ پہاڑوں سے اونچا ہو سکتا ہے۔ یہ سب بُری باتیں ہیں انکی برائی تیرے رب کو ناپسند ہے۔ یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں کہ تیرے رب نے تجھے وحی کے ذریعہ بتلادیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسیکو بھی معبود مت ٹھیرانا۔ اگر شرک کیا تو جہنم میں ملزم ہو کر دھکیل دیا جاویگا۔

پھر ان کامیابیوں اور اتمام نعمت کا ایک ذریعہ بتایا۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝

پس جیسا تم مجھے یاد کروگے میں تمھیں یاد کروں گا اور میری نعمتوں کی قدر کرو اور انکار یا بیقدری نہ کرو۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ انسان جس قدر خدا کا بنتا ہے اُتنا ہی خدا اُسکا لحاظ کرتا ہے اور تائید فرماتا ہے من کان اللہ لہ ایک ثابت شدہ صداقت ہے۔ جتنا جتنا کوئی خدا کا بنتا ہے اسی انداز سے وہ انکو يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ اور يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۔ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۔ من لہ المولیٰ فلہ الکل کے عجائبات دکھاتا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے اے ابن آدم اگر تو میری طرف ایک بالشت آوے تو میں تیری طرف ہاتھ بھر آتا ہوں۔ اور اگر تو چلکر آوے تو میں دوڑ کر آؤنگا۔ اگر کوئی خدا کو دل میں یاد کرے تو خدا اسکو ملاء اعلیٰ میں یاد کرتا ہے۔ اللھم اجعلنا منہم۔ آمین

غرض جب خدا کے حضور سے فرشتوں پر امر خلافت کے سر کا انکشاف ہو چکا تو اپنی نادانی کا اعتراف
کرکے خدا کے حضور یوں پکارے قالوا سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم۔ انہوں
نے عرض کی تیری ذات بہت ہی بالاتر ہے اور ہر ایک قسم کے عیب سے اور جہالت کی ظلمت سے پاک ہے۔ کون
ہے جو تیری حکمتوں تک پہنچ سکے ہم کو تو کچھ بھی نہیں آتا ہاں اسی قدر جانتے ہیں جو تو نے ہم کو بخشا ہے۔ ہاں! ہاں!
تیری ہی ذات ہے جو کامل علم اور کامل حکمت والی ہے۔

ملائکہ کے اس طرز عمل سے ہم کو سبق لینا چاہیے کہ خدا تعالےٰ کی تسبیح اور تنزیہ اور اپنی فرومایگی کا اعتراف
ازدیاد علم کا موجب ہو جاتا ہے اور انکسار اور نیستی کے اندر سے ایک قسم کی ہستی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب ملائکہ نے اپنے عدم
علم کا اعتراف کیا تو دیکھو خدا تعالےٰ نے آدم ہی کے ذریعہ انکو علوم سے بہرہ ور کیا۔ مبارک وہ جو مامور من اللہ کے حضور
اپنی معرفت اور واقفیت کو پس پشت ڈالکر آتا ہے کیونکہ وہی ہے جو علوم حقہ کا وارث ہوگا۔

| انك انت العليم الحكيم | اس جملہ میں ملائکہ نے اعتراف کر لیا ہے کہ تاج خلافت کا سزاوار آدم ہی ہے کیونکہ علیم وحکیم
خدا نے اس کو خلیفہ مقرر فرمایا ہے اور فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة (حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔) اور یہ اللہ
علیم ہی کو معلوم ہے کہ رسالت کا حقدار کون ہے۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالته)۔ پس جب ملائکہ نے اپنے عدم علم کا
اعتراف کیا اور آدم کی خلافت حقہ کو تسلیم کر لیا تو وہ اُن علوم سے بہرہ ور ہونے کے قابل ہو گئے جو دبستان الٰہی کا معلم آدم
لیکر آیا تھا۔ ارشاد الٰہی یوں ہوا کہ

يا آدم انبئهم باسمائهم ۔ فلما انبأهم باسمائهم قال الم اقل لكم انى اعلم غيب السموات والارض
واعلم ما تبدون وما كنتم تكتمون ۔

اے آدم اب ان کے ناموں کو ظاہر کر دو۔ پھر جب آدم نے (جس کی فطرت میں ملائکہ کے ملکات بھی ودیعت کئے
گئے تھے اور دوسرے اسماء کا جنکو ملائکہ نہیں پہنچتے تھے وہ مظہر تھا) اسماء ملائکہ کو بیان کر دیا۔
(اور آدم کے مرتبہ کا مشاہدہ ملائکہ کو ہو چکا) تو خدا نے فرمایا کہ کیا میں اس امر کی آگاہی تم کو نہیں دے چکا کہ
میں آسمانوں اور زمینوں کی مخفی در مخفی خاصیتوں اور باتوں کا کامل علم رکھتا ہوں اور تمہاری مخفی باتوں اور ارادوں کو بھی جانتا
ہوں جو ظاہر ہیں اور ان باتوں اور ارادوں سے بھی واقف ہوں جو ابھی تمہارے دل میں پیدا نہیں ہوئے پھر کسی آیندہ وقت
میں پیدا ہوں گے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مامور من اللہ ایک مقام پر ملائکہ کا بھی معلم بنتا ہے۔ چنانچہ ہمارے سید و مولیٰ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملائکہ کو ہلاک ہونیوالوں اور زندہ رہنے والوں کا علم دیا تھا۔ ہماری اس صدی کے
مجدد اور خاتم الاولیاء آدم ثانی نے بھی ملائکہ کو بعض آدمیوں کے نام سے اطلاع دی (دیکھو برکات الدعا ٹائٹل پیج)

| ماكنتم تكتمون | سے مخفی ارادے اور منصوبے مراد نہیں ہیں بلکہ وہ ارادے اور منصوبے مراد ہیں جو ابھی تک انسان خود
بھی نہیں جانتا اور آیندہ کسی وقت پر پیدا ہونیوالے ہیں کیونکہ وہی تو ہیں جو انسان سے خود بھی پوشیدہ ہیں۔

الغرض

جبکہ حضرت آدم علیہ السلام خلیفہ فی الارض کی فضیلت اور بسطت فی العلم ثابت ہو چکی تو پھر اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کو اطاعت
آدم کا حکم دیا تاکہ وہ اس فیضان سے علی وجہ الاتم بہرہ ور ہوں جو اس کی اطاعت پر منحصر تھا کیونکہ مامور من اللہ کی اطاعت
دراصل اللہ تعالےٰ ہی کی اطاعت ہوتی ہے من یطع الرسول فقد اطاع الله۔ اللہ تعالےٰ کے حکم سے اسکے خلفاء کی
فرمانبرداری بھی اللہ کریم ہی کی اطاعت ہے پس ملائکہ کو حکم ہوا کہ واذ قلنا للملئكة اسجدوا لآدم فسجدوا الا

بندہ حوصلگی سے کام لے حرص میں قناعت اور مقابلہ کیوقت شجاعت اور شہوت کیوقت عفت اور غصہ کے وقت صلح وعفو سے کام لے۔ اور نماز میں دوام ہو اسکو سنوار سنوار کر پڑھے اور سمجھ سمجھکر باجماعت پڑھے اور عین وقت مقررہ پر پڑھے۔ نماز میں دعا کئی موقعے ہیں۔ اوّل قیام میں تین موقعے یعنی اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ پھر اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پھر فاتحہ کے بعد ایسی آیات پڑھے جنہیں اپنے مطلب کی دعائیں مانگتا ہو۔ پھر رکوع میں پھر رکوع کے بعد کھڑے ہوکر پھر سجدہ میں سجدہ سے اٹھکر۔ چونکہ خداتعالیٰ نے دعا کی تعلیم دی ہے اس لیئے اس موقع پر وہ یہ بھی بتانا چاہتا ہے کہ دعا کے مقابلہ میں کبھی خداتعالیٰ اپنے بندہ کی مرضی کو پورا کرتا ہے کبھی اپنی رضا وقضا کو منوانا چاہتا ہے۔ پس جب کبھی وہ بظاہر اپنی دعاؤنمیں مقادیر الٰہی کو اپنے مطالب کے خلاف دیکھے تو سر تسلیم خم کردے اور صبر کے ساتھ برداشت کرے۔ اور نمازوں میں لگا رہے۔ نتیجہ اسکا یہ ہوگا کہ خداتعالیٰ کی معیّت کو حاصل کرے گا

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ؀

ترجمہ اور جو خدا کی راہ میں مارا جاوے اُسے مردہ مت کہو وہ زندہ ہے مگر تم اس زندگی کی خبر نہیں رکھتے

جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُنکو زندہ ہی رکھتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ خداتعالیٰ کے لیئے اپنا سب کچھ نفقہ کر لیتے ہیں اس لیے خداتعالیٰ انھیں ایک نئی زندگی عطا کرتا ہے اور اُنکو رزق دیتا ہے اور اُن کے اعمال صالحہ صدقہ جاریہ کیطرح جاری رہتے ہیں۔ وہ رزق یہ ہے جائینگے وہ خوش وخورم ہوں گے اسپر جو اللہ تعالیٰ نے انھیں دیا جیسے فرمایا۔ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ؀ (الجزو الثالث)

191 ع ۱۹ ۳

شہدا کی زندگی کے مسئلہ کو زیادہ وضاحت سے سمجھ لینے کے لیئے خواب کی مثال پر نظر کرنی چاہیئے۔ خواب بجائے خود ایک قسم کی موت ہی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ پ ۷ یعنی اللہ ہی ہے جو رات کیوقت تمکو وفات دیتا ہے۔ اب خواب میں عوام الناس جو پر شکم ہوکر غفلت کی نیند سوتے ہیں بالکل مُردوں کیطرح ہیں مگر وہ لوگ جو خداتعالیٰ سے سچے تعلقات رکھتے ہیں اور بیدار دل ہیں وہ اس نیند کیحالت میں بھی جبکہ حواس کا ایک قسم کا تعطل ہوتا ہے روحانی نظارے دیکھنے اور قسم قسم کے لذائذ اور حظوظ سے بہرہ یاب ہوتے ہیں ایسی طور پر کہ گویا وہ پوری کیفیت اور سرور کے ساتھ جو بیداری میں اُنھیں حاصل تھا اُنسے حظ اُٹھاتے ہیں۔ اسیطرح شہدا کی موت ہی بظاہر وہ مرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ زندہ ہیں اور خداتعالیٰ کے فیوض وبرکات اور انعامات سے حظ وافر اُٹھاتے ہیں جیسا کہ اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ؀ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ؀ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ؀

ترجمہ اور البتہ ہم تمکو آزمائیں گے کبھی ڈر سے اور کبھی مالونمیں نقصان کرنے سے اور کبھی جانوں اور ثمرات کے تلف کرنے سے۔ اور بشارت دو صبر کرنے والوں کو کہ جب اُنپر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہدیتے ہیں بیشک ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کیطرف ہم جانیوالے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنپر اُن کے رب کیطرف سے صلوات اور رحمتیں ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونیوالے ہیں۔

ہم ابھی بیان کر آئے ہیں کہ بعض وقت خداتعالیٰ اپنی منوانا چاہتا ہے اور بعض وقت بندہ کی مان لیتا ہے یہ آیت اسی کیطرف اشارہ کرتی ہے۔ اس آیت کو مختلف رنگونمیں بیان کیا گیا ہے اور چونکہ ہمارے ایمان میں قرآن شریف ذوالمعارف ہے اسلیئے وہ سب مطالب اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ منجملہ ان کے ایک اس آیت کے معنی یہ کیئے گئے ہیں جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں کہ خوف سے مراد خوف الٰہی ہے اور جوع سے مراد روزہ ہے نقص من الاموال کے معنی زکوٰۃ کے ہیں اور الانفس جہاد کیطرف

پھیلانا چاہا ہے کہ وہ جنت وہی دار الخلد ہے جس میں نیک اور متقی لوگ بعد مردن داخل ہوں گے ۔ مگر یہ امر قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں ہے ۔ اور نہ کبرا ملت نے اس کو تسلیم کیا ہے بلکہ یہ مانا ہے کہ جس جنت میں آدم تھے وہ اسی زمین پر تھا ۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے انی جاعل فی الارض خلیفہ ۔

جب کہ اُن کی خلافت زمین پر تھی تو دار الخلد میں اس وقت کیا کام تھا ؟ حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب سلمہ ربہ نے اپنی کتاب تصدیق میں اس مضمون کی خوب تحقیق کی ہے ۔ اور نہایت ہی لطیف طور پر ثابت کر کے دکھلایا ہے کہ وہ جنت دار الخلد نہ تھی بلکہ وہی جنت تھی جو صحیح مسلم میں انبیاء علیہم السلام کا ملک کہلاتی ہے ۔ جنت عدن جس میں جیحون ۔ سیحون ۔ دجلہ اور فرات بہتے ہیں ۔

ہم اپنی تفسیر کے پڑھنے والوں کے لئے اس حصہ مضمون کو تصدیق سے ذیل میں اخذ کرتے ہیں ۔

" اور وہ جنت جس میں آدم علیہ السلام رہے وہ زمین پر تھا ۔ غور کرو دلائل ذیل پر والقول بانہا جنۃ فی الارض لیست بجنۃ الخلد قول ابی حنیفہ وصحابہ رضی اللہ عنہ وھذا ابن عینیہ یقول فی قولہ عزوجل وان لك ان لا تجوع فیہا ولا تعری قال یعنی فی الارض ۔ وابن عینیہ امام وابن نافع امام وھم (ای المنکرون) لا یاتوننا بمثلہما ۔

" اور امام ابن قتیبہ نے اپنی کتاب معارف میں فرمایا ہے :۔ خلق آدم وزوجۃ ثم ترکھما وقال اعثمر وا واکثروا واملئوا الارض وتسلطوا علی الوان البحور وطیر السماء والانعام وعشب الارض وشجرھا وثمرھا ۔ فاخبرانہ فی الارض ۔ ثم قال ونصب الفردوس فانقسم علی اربعۃ انھار ۔ سیحون وجیحون ودجلہ وفرات ۔ [1]

وقال منذر بن سعید ۔ ھذا وھب بن منبہ یحکی ان آدم علیہ السلام خلق فی الارض وفیہا سکن وفیہا نصب لہ الفردوس وانہ کان بعدن ان الاربعۃ الانھار انقسمت من ذالك النھر الذی کان یسمی فردوس آدم وتلك الانھار معنا فی الارض لا اختلاف بین المصلین فی ذلك فاعتبروا یا اولی الالباب ۔

اور اھبطوا کا لفظ ایسا ہے جیسا اھبطوا مصرا میں ہے ۔ ہاں تو ان دلائل پر بھی غور کرنی چاہیے ۔

(۱) جنت الخلد ۔ جس میں نیک لوگ موت کے بعد داخل ہوں گے اس کی صفت میں قرآن کریم فرماتا ہے ۔ وہ دار المقام ہے وہ ایسی جگہ ہے جہاں داخل ہو کر پھر لوگ نہ نکلیں گے ۔ اور آدم علیہ السلام جس جنت میں رہے وہاں سے نکالے گئے ! ۔

(۲) جنت الخلد دار تکلیف نہیں اور جہاں آدم علیہ السلام رہتے تھے وہاں درخت کے نزدیک جانے سے ممانعت اور شرعی تکلیف ان پر قائم تھی ۔

(۳) جنت الخلد کو اللہ تعالےٰ دار السلام فرماتا ہے ۔ اور آدم ۔ اور حوا علیہما السلام جہاں رہے وہاں سے سلامت نہ نکلے ۔ وہ جگہ اُن کے لئے دار السلام نہ ہوئی ۔

---

[1] آدم اور اس کی بی بی کو پیدا کر کے فرمایا جاؤ آباد ہو بڑھو پھولو اور زمین کو بھر دو اور طرح طرح کے درندوں ۔ آسمانی پرندوں ۔ مویشیوں زمین کے گھاس پات اور اس کے درخت وثمر سب پر قابض ہو جاؤ ۔ پھر کہتا ہے کہ وہ (جنت جہاں یہ پیدا ہوئے اور یہ حکم ہوا) زمین میں ہے ۔ پھر کہتا ہے فردوس کو بنایا اور اس میں چار نہریں بنائیں ۔ سیحون ۔ جیحون ۔ دجلہ ۔ فرات ۔

رکوع ۹

۲۸

کامیابی کے اور ذریعے بتائے جاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی محبت کا طریق سکھایا جاتا ہے کہ صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ استعانت الٰہی کو حاصل کرو۔ حقیقی زندگی کا راز سمجھایا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ کی راہ میں مرنے والے مُردے نہیں کہلاتے بلکہ زندہ ہیں۔ انعام الٰہی کے حصول کے اور ذرائع پر بحث کی جاتی ہے کہ مومن خوف اور جوع اور نقص اموال اور انفس اور ثمرات غرض ہر حال میں اللہ تعالےٰ ہی کے ساتھ مصالحت کرتا رہے اور ہر مشکل و مصیبت پر صبر کر کے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ پڑھتا رہے۔ ایسے لوگوں پر خدا تعالےٰ کا فضل ہوتا ہے۔ وہ اُس کی رحمت سے حصہ لیتے اور بامراد ہوتے ہیں۔ اس کا ثبوت چاہو تو ذرا صفا اور مروہ پر پہنچ کر دیکھو۔ کہ صبر کرنیوالے ہاجرہ نے یہاں آکر اپنی رضا بالقضا کا ثبوت دیا اور یہ وہی وادی غیر ذی زرع ہے جو آج دنیا کا مرجع ہے۔ شہادت حقہ کا چھپانا خدا کی لعنت کو کھینچ لاتا ہے ہاں جو لوگ توبہ کرتے اور سنوار کے کام کرتے ہیں یا کتمان حق نہیں کرتے اللہ تعالیٰ انپر فضل کے ساتھ رجوع کرتا ہے مگر جنکا خاتمہ انکار ہی پر ہوا۔ اُن پر خدا تعالےٰ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت برسی اُن کے عذاب میں کوئی تخفیف نہوگی۔ آخر میں اعلان کیا جاتا ہے کہ خدا ایک ہی خدا ہے اور وہ رحمٰن و رحیم خدا ہے۔

۱۹۰
ع ۹
۳

عام مطالب

اس رکوع میں اللہ تعالےٰ نے مندرجہ ذیل مطالب پر بحث فرمائی ہے

اول۔ استعانت الٰہی کے جذب کرنے کے لیے صبر اور صلوٰۃ دونوں ضروری چیزیں ہیں۔

دوم۔ حقیقی زندگی اور روحانی حیات وہ ہے جو خدا کی راہ میں جان دیکر ملتی ہے۔ پس وہ لوگ جو خدا کی راہ میں مارے جاویں وہ مُردے نہیں کہلاتے ہیں۔

سوم۔ خدا تعالیٰ انسان کو انعام دینے سے پیشتر مختلف طریق پر آزماتا ہے اور اس کے صدق و وفا کو معرض امتحان میں ڈالتا ہے

چہارم۔ جو لوگ مصائب و مشکلات میں بھی اللہ تعالےٰ ہی کیساتھ مصالحت کرتے ہیں حقیقی کامیابی انکا ہی حصہ ہے خدا کے فضل کے وارث وہی ہوتے ہیں

پنجم۔ اس دعوی کا ثبوت کہ صبر کامیابیوں کی کلید اور بہرہ مند ہونے کا اصول ہے۔ صفا اور مروہ پر جا کر دیکھو۔

ششم۔ کتمان حق لعنت الٰہی کا موجب ہوتا ہے۔

ہفتم۔ توبہ اور اعمال صالحہ یا سچی تبدیلی خدا کی لعنت سے بچا لیتی ہے۔

ہشتم۔ انکار پر جن لوگوں کا خاتمہ ہو وہ انجام بد کی دلیل ہے۔

نہم۔ اللہ تعالےٰ ایک ہی ہے اور وہ رحمٰن ہے وہ رحیم ہے اس کے دلائل رکوع ۴ میں بیان کیے ہیں۔

اب ہم مفصل ان امور کو اپنے اپنے موقع پر بیان کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ؀

ترجمہ۔ ایمان والو! خدا تعالیٰ کی مدد صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ مانگو۔ بیشک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

صبر دو قسم کا ہوتا ہے ایک صبر عن المعاصی اور دوسرا صبر علی الطاعۃ۔

علی الطاعۃ یہ ہے کہ نیکیوں پر ہمیشگی اور دوام کرے۔ اور صبر عن المعاصی یہ ہے کہ گناہوں سے بچتا رہے مشکلات میں

بات ہے کہ خلیفۃ اللہ کے آنے سے خدا کا جلال ظاہر ہوتا اور اس کا نور عمدگی کے ساتھ چمکتا ہے جبکہ اس کی تعلیم سے ایک گروہ اللہ تعالے ہی کے لئے طیار ہو جاتا ہے۔

ابلیس کون تھا قرآن کریم سے ۔۔۔ مختلف مقامات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس فی الخارج ہی ایک شخص تھا اور وہ قوم جن کا بقیہ تھا جیسا سورہ کہف سے پتہ لگتا تھا۔ وکان من الجن اور خود اس مقام پر بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی خاص شخص تھا اور کافر تھا۔ یہ کہنا کہ وہ ملائکہ کا استاد تھا یا بڑا عابد و زاہد تھا۔ قرآن کریم کے کسی مقام سے اسکا پتہ نہیں لگتا۔ وہ شیطان کا مظہر تھا۔ اور متکبر تھا۔ اور یہ بات ہم نے پہلے بتلادی ہے کہ خدا تعالےٰ کے پاک ارادے ملائکہ میں اور ملائکہ کے پاک ارادے پاک لوگوں میں جلوہ گری فرماتے ہیں اور شیطان کے خبیث ارادے خبیث انسانوں میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک عام بات ہے کہ جب کبھی کوئی مامور من اللہ آتا ہے تو ایک خاص وجود اسکی مخالفت میں سب سے بڑھکر حصہ لیتا ہے اور وہ شیطان ہی کا مظہر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس آیت پر غور کرنے سے خوب پتہ لگتا ہے وما ارسلنا من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ۔ یعنے جب ہم کوئی رسول یا نبی بھیجتے ہیں اور وہ اصلاح خلق کے ارادے اور تدبیریں کرتا ہے تو شیطان یعنے کوئی ہلاکت مجسم۔ خاص وجود اس کی مخالفت میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ یہ ابلیس شیطان کا مظہر ہی تھا۔

پہلا گناہ تکبر سے شروع ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبر ہی پہلا گناہ ہے جو ابلیس نے کیا۔ اسکا انکار بوجہ انانیت و تکبر ہوا۔ تکبر سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ علوم حقہ اور معارف سے محروم کر دیتا ہے اور خدا سے دور ڈالکر ہلاکت کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے ساصرف آیتی عن الذین ہم یستکبرون یعنے متکبر لوگوں کو توفیق نہیں دی جاتی کہ وہ آیات اللہ کو دیکھ سکیں۔

کان من الکافرین تھا ہی کافر یہ نہیں کہ اس وقت وہ کافر بنگیا نہیں پہلے ہی سے کافر تھا۔ پس خدا تعالےٰ کی کسی نعمت کا انکار کرنا اس کے فیضان سے دوری کا موجب اور ہلاکت کا باعث ہے۔ اور یہ لفظ بڑی وضاحت سے شیطان کے حامی اور معاون استاذ الملائکہ کے کہنے والوں کی غلط فہمیوں کی اصلاح کرتا ہے۔ سوچو! اور غور کرو!

تارک صلوٰۃ کافر ہے اس سے امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ عمداً تارک صلوٰۃ کافر ہے۔ کیونکہ سجدہ نماز کا جزو اعظم ہے۔

الغرض

آدم علیہ السلام مسلم خلیفہ مقرر ہوئے۔ اور انکو کہا گیا کہ

وقلنا یا آدم اسکن انت وزوجك الجنة وكلا منها رغدا حيث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظلمين ۔ ہم نے حکم دیا کہ اے آدم تو اور تیری بیوی اس باغ میں امن و آرام کے ساتھ رہو اور ہم تم کو اجازت دیتے ہیں کہ تم دونوں میاں بیوی اس باغ کا ہر ایک پھل جو تمہارا دل چاہے فراغت کے ساتھ کھاؤ مگر اس باغ کے ایک درخت کے نزدیک جو ہم تم کو بتلاتے ہیں قریب نہ جانا ورنہ تم کو ظالم لنفسہ ہونا پڑے گا یعنے تم اپنی جانوں پر بڑی بڑی مصیبتوں اور ظلموں کو لے آؤ گے اور تمہاری موجودہ آسایش سخت ذمہ داریوں سے بدل جائے گی۔

جنت دارالخلد تھا یا نہیں؟ اس سوال پر غور کی گئی ہے کہ وہ جنت جس میں آدم علیہ السلام رکھے گئے تھے وہ جنت ہے جس میں مرنے کے بعد جانا ہوتا ہے یا کوئی اور جنت تھی جو اسی زمین پر تھی۔ یہ خیال عام طور پر بعض کم فہم لوگوں نے

یہی سُنّت اللہ ہے جو قدیم سے خدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے ساتھ استعمال کرتا چلا آیا ہے وہ ورطۂ عظیمہ میں ڈالے جاتے ہیں لیکن غرق کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے کہ تا اُن موتیوں کے وارث ہوں کہ جو دریائے قدرت کے نیچے ہیں وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں لیکن اس لیے نہیں کہ وہ جل بھُنکر خاکستر ہوں بلکہ اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی قدرتیں ظاہر ہوں صادق ان تمام مواقع میں بھی زندہ ہو جاتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل کا ہاتھ اُسپر ہوتا ہے۔ اور سچائی کی روح اُس کے اندر بولتی ہے۔ اگر وہ آزمائشوں سے کُچلے جاویں اور چاروں طرف سے اُنپر لعنت کی بارشیں برسیں اور اُن کے تباہ کرنے کے لیے سارا زمانہ منصوبے گانٹھے تب بھی وہ ہلاک نہیں ہوتے کیوں؟ اُس سچے پیوند کی برکت سے جو انکو محبوب حقیقی کے ساتھ ہوتا ہے خدا تعالیٰ اُنپر بظاہر سب سے زیادہ مصیبتیں نازل کرتا ہے مگر اسلیے نہیں کہ تباہ ہوں بلکہ اسلیے کہ تا زیادہ سے زیادہ پھل پھول دیں۔ کیونکہ ہر ایک جوہر قابل کے لیے یہی قانون قدرت ہے کہ اول صدمات کا تختہ مشق ہو مثلاً جس زمین میں کاشت کی جاتی ہے اولاً ضرور ہے کہ قلبہ رانی کر کے اسکا جگر پھاڑ کے غبار کی طرح بنا یا جاوے اور پھر دانے جو اُس زمین میں بکھیر دیے جاتے ہیں بظاہر ضائع کیے جاتے ہیں لیکن اُن کے اندر ایک حقیقت ہوتی ہے پس اسی طرح یہ روحانی نظام ہے اور ہمیشہ سے چلا آتا ہے مزبور میں حضرت داؤدؑ کی ابتلائی حالت میں عاجزانہ نعرے اس سنت کو ظاہر کرتے ہیں اور **انجیل** میں آزمائش کے وقت میں حضرت مسیح کی غریبانہ تضرعات اسی عادت اللہ پر دال ہیں اور **قرآن شریف** اور احادیث نبویہ میں جناب **فخر الرسلؐ** کی عبودیت سے ملی ہوئی ابتہالات اسی قانون قدرت کی تصریح کرتے ہیں * اگر یہ ابتلا درمیان میں نہ ہوتا تو انبیا اور اولیا اُن مدارج عالیہ کو ہر گز نہ پا سکتے جو ابتلا کی برکت سے انھوں نے پا لیے

---

* **حاشیہ** زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں میں سے جو اُنھوں نے ابتلائی حالت میں کیں ایک یہ ہے اے خدا تو مجھکو بچا لے کہ پانی میری جان تک پہنچے ہیں۔ میں گہرے کیچ میں دھنس چلا جہاں کھڑے ہونے کی جگہ نہیں میں چلاتے چلاتے تھک گیا میری آنکھیں دُھندلا گئیں۔ وہ جو بے سبب میرا کینہ رکھتے ہیں شمار میں میرے سر کے بالوں سے زیادہ ہیں۔ اے خداوند رب الافواج وہ جو تیرا انتظار کرتے ہیں میرے لیے شرمندہ نہ ہوں۔ وہ جو تجھکو ڈھونڈتے ہیں وہ میرے لیے ندامت نہ اُٹھاویں۔ وے پھاٹک پر بیٹھے ہوئے میری بابت بکتے ہیں اور نشئے باز میرے حق میں گاتے ہیں تو میری ملامت کشی اور میری رسوائی اور میری بے حرمتی سے آگاہ ہے۔ میں نے تا کا کہ کیا کوئی میرا ہمدرد ہے کوئی نہیں۔ (دیکھو زبور ۶۹) ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام نے ابتلا کی رات میں جسقدر تضرعات کیے وہ انجیل سے ظاہر ہیں تمام رات حضرت مسیح جاگتے رہے اور جیسی کسی کی جان ٹوٹتی ہے غم و اندوہ سے ایسی حالت اُنپر طاری تھی وہ ساری رات رو رو کر دعا کرتے رہے کہ تا وہ بلا کا پیالہ جو اُن کے لیے مقدر تھا ٹل جائے پر باوجود اسقدر گریہ وزاری کے پھر بھی دعا منظور نہ ہوئی کیونکہ ابتلا کے وقت کی دعائیں منظور نہیں ہوا کرتیں پھر دیکھنا چاہیے کہ سیدنا و مولانا حضرت **فخر الرسل و خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ** صلے اللہ علیہ وسلم نے ابتلا کی حالت میں کیا کیا تکلیفیں اُٹھائیں اور ایک دعا میں **مناجات** کی کہ اے میرے رب میں اپنی کمزوری کی تیری جناب میں شکایت کرتا ہوں اور اپنی بیچارگی کا تیرے آستانہ پر گلہ گزار ہوں میری ذلت تیری نظر سے پوشیدہ نہیں جسقدر چاہے سختی کر کہ میں راضی ہوں جب تک تو راضی ہو جائے مجھمیں بجز تیرے کچھ قوت نہیں منہ

۱۹۳
ع۱۹
۴

ابتلا نے اُن کی کامل وفاداری اور مستقل ارادے اور جانفشانی کی عادت پر مہر لگا دی اور ثابت کر دکھایا کہ وہ آزمائش کے زلازل کے وقت کس اعلیٰ درجہ کا استقلال رکھتے ہیں اور کیسے سچے وفادار اور عاشق صادق ہیں کہ اُنپر آندھیاں چلیں اور سخت سخت تاریکیاں آئیں اور بڑے بڑے زلزلے اُنپر وارد ہوئے اور وہ ذلیل کیے گئے اور جھوٹوں اور مکاروں اور بیعزتوں میں شمار کیے گئے اور اکیلے

ہیں۔ اور اس طرح پر آدم علیہ السلام کو جھگڑے جھانجوں میں پڑنے سے منع فرمایا۔ بہرحال کچھ ہی مراد ہو اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے اس نے صراحت نہیں فرمائی۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ الشجر کے قرب سے منع فرمایا۔ اور اس ممانعت کی وجہ یہ بتلائی کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ظالم لنفسہٖ ہونا پڑے گا۔ چنانچہ فرمایا فتکونا من الظالمین۔ تم ظالم لنفسہٖ ہوجاؤ گے اور اپنی جان پر تمہیں بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑیں گی۔

یہاں ظالم ایک مستحسن صفت ہے | اکثر لوگوں نے غلطی کھائی ہے کہ ظالم کے معنوں میں حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم سے ظلم کا لفظ معیوب اور بگر دہ معنوں میں تین قسم کا ظلم ثابت ہوتا ہے۔

اوّل خدا تعالےٰ کے ساتھ کسی غیر کو شریک کرنا بھی ظلم ہے ان الشرك لظلم عظیم۔

دوم آیات اللہ کا انکار یا افترا علی اللہ بھی ایک ظلم ہے جیسے من اظلم ممن افترىٰ على الله كذبا او كذّب بآياته۔

سوم اتلاف حقوق بھی ایک قسم کا ظلم ہے خواہ وہ حقوق کسی کے مال کے۔ جان کے یا آبرو کے متعلق ہوں۔ اور اس لئے لعنۃ اللہ علی الظالمین آیا ہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ یہاں تو ان ہر سہ اقسام ظلم میں سے کوئی بھی چسپاں نہیں ہوسکتی۔ پھر کیا ضرورۃ ہے کہ خواہ نخواہ ایک برگزیدہ الٰہی کو برے معنوں میں ظالم قرار دیا جاوے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ قرآن کریم میں دیکھیں کہ کوئی ایسا ظلم بھی ہے جو انسان کو نتائج حسنہ تک پہونچاوے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قسم کے ظالم برگزیدہ اور مورد فضل الٰہی بھی ہوتے ہیں جن کا بیان اس آیت کریمہ میں ہے ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه الآیہ۔ یعنے ہم نے اپنی کتاب کا اُن لوگوں کو وارث کیا ہے جو ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں۔ اور ایک گروہ انہیں سے وہ ہے جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں یعنے اکراہ وجبر سے نفس امارہ کو خدا کی راہ پر چلاتے ہیں اور نفس سرکش کی مخالفت اختیار کر کے مجاہدات شاقہ میں مشغول ہوتے ہیں۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ظالم کا لفظ یہاں محمود اور قابل تعریف معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام پر اصطفےٰ کا لفظ بولا گیا ہے۔ ان اللہ اصطفےٰ آدم الآیہ۔ پس جبکہ آدم مصطفےٰ لوگوں میں سے تھا تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اسی قسم کا ظالم ہوگا جیسے مصطفےٰ اور وارث کتاب اللہ ہوتے ہیں۔ اب اگر کسی کے دل میں یہ شبہ گذرے کہ یہ ظلم جب کہ آدم علیہ السلام کے مراتب میں ترقی کا موجب اور باعث تھا پھر اللہ تعالےٰ نے کیوں منع فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک شخص جس کے لئے ہر قسم کی راحت و آسایش کے سامان بدون کسی قسم کی محنت مشقت کے میسّر ہوں اس شخص سے بہرحال اچھا ہوگا جس کو بڑی محنت اور جانکاہی سے ملے۔ اس درخت کا قرب حضرت آدم کو محنت ومشقت میں ڈالنے والا تھا یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ابتداءً اس میں ایک قسم کی کراہت اور مرارت ہوتی ہے۔ جیسے ایک شخص جو تہجد پڑھنا چاہے تو ابتداءً تکلیف ضرور ہوگی مگر آخر ایک راحت اور سرور ملے گا۔ غرض یہ امر اس صورت میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تم اس الشجرہ کے قریب نہ جانا ورنہ بڑے بڑے ظلم برداشت کرنے پڑیں گے

القصہ

آدم علیہ السلام اس جنت میں رہے اور ہر طرح اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری کرتے رہے اور شجر ممنوعہ سے بچتے رہے۔ شیطان اپنی عداوت کی وجہ سے مختلف طریقوں سے انکو بہکاتا رہا۔ اور الشجر کے قرب کے بہانے بتاتا رہا مگر شیطان کے کہنے پر آدم علیہ السلام نے کبھی عمل نہ کیا اور اس بے ایمان کے قول پر کبھی نہ چلے اور شیطان کا انسان پر کوئی زور اور دخل نتھا

ایمان ہے اور ثمرات سے صدقات مراد ہیں +

اور پھر اس آیت کے معنی ایک پیشگوئی کے رنگ میں بھی کیئے جاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیونکا مدار ان پانچوں پر ہے اور اس کے ثبوت میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ صحابہ پر ایکوقت خوف کا بھی آگیا تھا جب وہ مکہ میں تھے اور جب مدینہ میں پہنچے تو جوع کا وقت آیا۔ اور وہاں محنت و مشقت کرتے تھے تو ہمیں سے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا پڑا۔ اور غزوات میں اُنکو جانیں دینی پڑی یہانتک کہ بچے بھی مارے گئے بہر حال اس کے معنی ایمیں سے خواہ کچھ ہی کیے جائیں یہ امر بطور قدر مشترک کے پایا جاتا ہے کہ انعامات الٰہیہ کے حصول اور کامیاب و بامراد ہونیکے لیئے یہ ضروری امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ابتلا آویں + کیونکہ جبتک کوئی امتحان میں پاس نہو وہ اپنے مقاصد کو کب پاسکتا ہے۔ بلکہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ رحمت الٰہی کے نزول کے دو طریقوں میں سے ایک طریق یہ بھی ہے کہ کوئی مصیبت اور غم و اندوہ نازل کر کے صبر کرنیوالوں پر رحمت اور بخشش کے دروازے کھولے۔

ثمرات کی کمی سے مراد اولاد بھی لکھی ہے اور۔ اسی میں کوششوں کا ضائع ہونا بھی شامل ہے۔ مثلاً حصول علم کی کوشش۔ تجارت میں کامیابی کی کوشش۔ زمینداری کی کوشش غرض ان کوششوں کا ضائع ہونا بھی مصیبت ہوتا ہے ہروقت انسان کو خیال ہوتا ہے کہ کامیاب ہو جاؤں آخر خدا تعالیٰ کے علم میں اسکی مصلحت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ ناکام رہے اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ امتحان رکھے ہیں اول خوف (۲) بھوک (۳) نقصان مال (۴) نقصان جان (۵) نقصان ثمرات۔

خوف سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈرہی ڈر ہے مگر انجام اچھا ہے اس سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ پھر الجوع فقر و فاقہ تنگ کرتا ہے جوع کا لفظ کہکر عطش کا لفظ چھوڑ دیا ہے کیونکہ یہ جوع میں داخل ہے نقص من الاموال بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ مال چور لیجاتے ہیں پھر جانوں کے نقصان میں ایسا ہوتا ہے کہ بچے مرنے لگ جاتے ہیں اسمیں یہ داخل ہے کہ خود تو زندہ رہے اور عزیز و متعلقین مر جائیں اور پھلوں کے نقصان اسطرح کہ زراعتوں میں کوئی مرض لگ جاوے۔ حشرات الارض اسے خراب کریں۔ وقت پر پانی نہ ملے۔

۱۹۲ ع ۹/۳

غرض

اس قسم کے ابتلا جنپر آئیں للہ صبر کریں اللہ تعالیٰ اُنکو بشارت دیتا ہے اور فرماتا ہے فَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ یعنی ایسے موقعہ پر صبر کے ساتھ برداشت کرنے والوں کو خوشخبری اور بشارت ہو کہ جب اُنکو کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ + یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کا خاص بندہ اور مقرب تب ہی ہوتا ہے کہ ہر مصیبت پر خدا ہی کو مقدم رکھے + مختصر یہ کہ خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمت اور کامیابی کا سچا ذریعہ ہر حال میں خدا ہی کی رضا کو مقدم کرنا ہے

صادقین پر ابتلا کیوں آتے ہیں؟

یہ امر بحضور دل یاد رکھنا چاہیے کہ یہ امر ضروری ہے کہ صادقین پر کوئی بات محض درمیانی اوقات میں بطور ابتلا کے وارد ہوتی ہے اور پھر اسقدر کثرت سے سچائی کے نور ظہور پذیر ہوتے ہیں اور تائیدات الٰہیہ اپنی جلوے دکھاتی ہیں کہ گویا ایک دن چڑھ جاتا ہے اور مخاصمین کے سب جھگڑے اُن سے انفصال پا جاتے ہیں لیکن اس روز روشن کے ظہور سے پہلے ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرستادوں پر سخت سخت آزمائشیں وارد ہوں اور اُن کے پیرو اور تابعین بھی بخوبی جانچے اور آزمائے جائیں تا خدا تعالیٰ سچوں اور کچوں اور ثابت قدموں اور بزدلوں میں فرق کر کے دکھلاوے۔ شعر

عشق اول سرکش و خونی بود + تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

ابتلا جو اوائل حال میں انبیا اور اولیا پر نازل ہوتا ہے اور باوجود عزیز ہونے کے ذلت کی صورت میں اُنکو ظاہر کرتا ہے اور باوجود مقبول ہونے کے کچھ مردود سے کر کے اُنکو دکھاتا ہے یہ ابتلا اسلیئے نازل نہیں ہوتا کہ اُنکو ذلیل اور خوار اور تباہ کرے یا صفحہ عالم سے اُنکا نام و نشان مٹا دیوے کیونکہ یہ تو ہرگز ممکن ہی نہیں کہ خداوند عزوجل اپنے پیار کرنے والوں سے دشمنی کرنے لگے اور اپنے سچے اور وفادار عاشقوں کو ذلت کے ساتھ ہلاک کر ڈالے بلکہ حقیقت میں وہ ابتلا جو شیر ببر کیطرح اور سخت تاریکی کی مانند نازل ہوتا ہے اس لیئے نازل ہوتا ہے کہ تا اُس برگزیدہ قوم کو قبولیت کے بلند منار تک پہونچاوے اور الٰہی معارف کے باریک دقیق اُنکو سکھا دے

(۴) جنت الخلد کا نام دار القرار ہے اور جہاں آدم علیہ السلام اقامت پذیر تھے وہ مقام ان کے واسطے دار الزوال ہوگیا۔

(۵) جنت الخلد کی تعریف میں آیا ہے وماھم عنہا بمخرجین۔ اور جہاں آدم علیہ السلام رکھے گئے وہاں سے نکلے یا نکالے گئے۔

(۶) جنت الخلد کی نسبت آیا ہے۔ ولا یمسھم فیہا نصب[۱]۔ اور جہاں آدم علیہ السلام رکھے گئے یا مقیم ہوئے وہاں ان کو تکلیف پہونچی۔

(۷) جنت الخلد کی نسبت جس کو بہشت کہتے ہیں۔ وارد ہے۔ لا لغو فیہا ولا تاثیم[۲]۔ اور جہاں آدم علیہ السلام رہتے تھے وہاں شیطان نے لغو اور گناہ کیا۔

(۸) جنت الخلد کی نسبت آیا ہے۔ لا یسمعون فیہا لغوا ولا کذابا[۳]۔ اور جہاں آدم علیہ السلام رہے وہاں جھوٹ سنا۔

(۹) جنت الخلد آسمان میں ہے۔ اور جس جنت میں آدم رہے وہ زمین میں ہے جیسے کہا ہے انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ اور نہیں فرمایا فی السماء او جنۃ الماوی۔

(۱۰) جنت الخلد میں شیاطین کو دخل نہیں اور انکی خبیث باتیں وہاں نہیں پہونچ سکتیں۔ بل الیہ یصعد[۴] الکلم الطیب۔

زوجک تیرا ساتھی یا تیری بیوی۔ بعض لوگوں نے اس مقام پر عجیب عجیب خیالات پیدا کئے ہیں اور اس قسم کے مضامین پر بحث کرنی چاہی ہے کہ آدم کی پسلی سے حوا کیونکر پیدا ہوئی اور آدم سے حوا پیدا ہوئی یا حوا سے آدم۔ ہمارے ایمان میں اللہ تعالےٰ اس بات پر بے شک قادر ہے کہ آدم کی پسلی سے حوا کو پیدا کرے یا اس سے بھی بڑھکر اپنی قدرت کا کرشمہ دکھائے۔ لیکن جب کہ اس مقام پر اللہ تعالےٰ نے اس قسم کی کوئی بحث خود ہی نہیں فرمائی تو اس کی کیا ضرورۃ ہے کہ ہم خود اس بحث میں پڑیں۔ پس مومن کو چاہیے کہ وہ قرآن کریم میں ان باتوں کو جن کا ذکر خود اس نے نہیں فرمایا نہ تلاش کرے اور نہ داخل کرے۔ اس مقام پر اتنا ہی یاد رکھنا کافی ہے کہ ہر خلیفہ اور مامور مع اپنے ساتھی کے جنت میں ہوتا ہے۔

الشجرۃ شجر ممنوعہ پر بھی بہت بڑی بڑی بحثیں کی گئی ہیں۔ سعید بن جبیر۔ سدی۔ شعبی۔ جعدہ بن ہبیرہ۔ محمد بن قیس عبد اللہ ابن عباس۔ مرہ ابن مسعود اور کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی قول ہے کہ وہ انگور کا درخت تھا۔ اور مدارک میں لکھا ہے کہ یہی درخت فتنوں کی جڑ ہے۔ اور منذر بن سعید نے اپنی تفسیر میں ایسا ہی لکھا ہے۔ انگور کی شراب کی طرف بھی ایما ہوتا ہے۔ غرض بعض کے نزدیک وہ انگور کا درخت تھا اور بعض کے نزدیک انجیر کا درخت اور کوئی اسے گیہوں کا درخت بتلاتا ہے۔ ہمارے حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک روز سیر کو جاتے وقت سرسری طور پر فرمایا تھا کہ اس سے مراد شرک کا درخت ہے کیونکہ یہاں فتکونا من الظالمین قرینہ بھی ہے اور ظالم مشرک کو بھی کہتے ہیں اور شرک ہی کے لئے آیا ہے یغفر ما دون ذالک۔ مگر ان معنوں پر حضرت اقدس نے کوئی رسوخ اور پختگی ظاہر نہیں فرمائی بلکہ سرسری طور پر یہ بات فرمائی تھی۔

ہمارے خیال میں الشجرہ سے جھگڑے جھنجھٹ بھی ہوسکتے ہیں اور مشاجرۃ کے معنے جھگڑنے کے آتے

---

[۱] اس میں انکو کوئی کوفت نہ ہوگی۔ [۲] جنت میں بدکاری اور بہکنا نہیں۔ [۳] اس میں لغو اور جھوٹ نہ سنیں گے۔ [۴] اس کی طرف پاک باتیں صعود کرتی ہیں۔

رات بہت بڑی گذر گئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کیطرف جو تورات میں ہے اور آجتک کسی نے اُسپر توجہ نہیں کی خدا نے مجھے اسکی طرف متوجہ کیا پس اُسی وقت میں نے تورات نکالی اور اُسکو دیکھا جو لوگ علوم الہیہ اور اُس کے استعلامات سے دلچسپی رکھتے ہیں اُنکو بیشک ہمیں مزا آئے گا - مگر جو حقائق سے حصہ نہیں رکھتے وہ اسپر ہنسی کرینگے وہ پیشگوئی اسطرح ہے کہ توراۃ میں لکھا ہے کہ جب ہاجرہ کو اور اسمٰعیل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سرزمین مکہ میں چھوڑ آئے تو ان کے پاس ایک پانی کی مشک دیکر چلے آئے - جب وہ ختم ہوگئی اور حضرت اسمٰعیل پیاس کی شدت سے تڑپنے لگی اور قریب مرگ ہوگئے تو حضرت ہاجرہ انکی اسحالت کو نہ دیکھ سکی اور کچھہ فاصلہ پر جا بیٹھی - وہاں لکھا ہے کہ تیر کے ٹپہ پر اُسوقت ہاجرہ چلائی اور خدا کے فرشتہ نے اُسکو پکارا اور کہا کہ اے ہاجرہ مت ڈر اُٹھ لڑکے کو اُٹھا غرض پھر ہاجرہ کو ایک کنواں نظر آیا جہاں سے اُسنے مشک بھری -

اب غور طلب یہ بات ہو کہ فرشتہ نے جو ہاجرہ کو کنواں دکھایا تھا اسی میں ایک پیشگوئی تھی اسپر میرے دل میں فوراً یہ آیت گذری وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ابراہیم کا پانی جب ختم ہوچکا تو اسماعیل قریب مرگ ہوگیا - اُسوقت خدا نے اُسے بچالیا اور ایک اور کنواں پانی کا اُسے دیا گیا - عرب والے بھی اسمٰعیل کی اولاد ہونے کے سبب سے گویا اسمٰعیل ہی تھے جب ہدایت اور شریعت کا اُنمیں خاتمہ ہوگیا اور قریب مرگ ہو گئے تو خداتعالیٰ نے ایک نئی شریعت اُنپر نازل کی اور یہ اس آیت میں اشارہ ہے -

غرض یہ پیشگوئی ہے جس کی طرف پہلے کسی نے توجہ نہیں کی -

اس خیال سے کہ ناظرین پورے طور پر اس پیشگوئی کو سمجھ لیں - اصل الفاظ پیدایش کی کتاب کے ۲۱ باب کی ۱۹ آیت سے لیکر ۲۱ آیت تک ذیل میں ہم لکھتے ہیں اور اسکی مزید تشریح بھی کرنا چاہتے ہیں - وہ آیتیں یہ ہیں پیدایش باب ۲۱ آیت ۹ سے لیکر ۲۱ تک

۱۹۵
ع ۱۵
۳

اور سرہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو وہ ابرہام سے جنی تھی ٹھٹھے مارتا ہے تب اُس نے ابرہام سے کہا کہ اس لونڈی اور اُسکے بیٹے کو نکالدے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کے ساتھ وارث نہوگا پر اپنے بیٹے کی خاطر یہ بات ابرہام کی نظر میں نہایت بُری معلوم ہوئی تب خدا نے ابرہام سے کہا کہ وہ بات اس لڑکے اور تیری لونڈی کی بابت تیری نظر میں بُری نہ معلوم ہو - ہر ایک بات کے حق میں جو سرہ نے تجھے کہی اُسکی آواز پر کان رکھہ کیونکہ تیری نسل اضحاق سے کہلائے گی - اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی ایک قوم پیدا کروں گا اس لیے کہ وہ بھی تیری نسل ہے تب ابرہام نے صبح سویرے اُٹھکر روٹی اور پانی کی مشک لی اور ہاجرہ کو اس کے کاندھے پر دھر کر دی اور اُس لڑکے کو بھی اور اُسے رخصت کیا وہ روانہ ہوئی اور بیرسبع کے بیابان میں بھٹکتی پھرتی تھی اور جب مشک کا پانی چک گیا تب اُس نے اُس لڑکے کو ایک پہاڑی کے نیچے ڈالدیا اور آپ اُس کے سامنے ایک تیر کے ٹپہ دور جا بیٹھی کیونکہ اُس نے کہا کہ میں لڑکے کا مرنا نہ دیکھوں سو وہ سامنے بیٹھی اور چلا چلا کے روئی تب خدا نے اُس لڑکے کی آواز سُنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا اے ہاجرہ تجکو کیا ہوا مت ڈر کہ اس لڑکے کی جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سُنی اُٹھ اور لڑکے کو اُٹھا اور اُسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اُسکو ایک بڑی قوم بناؤں گا پھر خدا نے اُسکی آنکھیں کھولیں اور اُس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر اُس مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا اور خدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہوگیا اور فاران کے بیابان میں رہا اور اُسکی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت اُس سے بیاہنے کو لی +

ان آیتوں پر پوری نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے فرشتہ نے ہاجرہ سے کلام کیا اور یہ یقیناً ایک قسم کی الہامی حالت تھی چنانچہ ۱۹ آیت میں صاف لکھا ہے پھر خدا نے اُسکی آنکھیں کھولیں

کرنا چاہتے ہیں جو اس مقام کے حسب حال ہے۔

وفات مسیح کا پہلا استدلال سورۃ الفاتحہ کی اس آیت میں گذر چکا ہے۔ صراط الذین انعمت علیہم یعنے سورۃ فاتحہ میں اس صراط مستقیم کی ہدایت کی دعا ہے جو منعم علیہ گروہ کی راہ ہے اور یہ سچی بات ہے کہ منعم علیہ گروہ میں سے انبیاء علیہم السلام کا گروہ مقدم ہے۔ اور یہ بھی سچی بات ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ تمام انعام مجموعی طور پر ہوئے تھے جو انبیاء علیہم السلام پر فرداً فرداً ہوئے تھے۔ اب اگر دشمنوں کے غلبہ اور نرغہ کے وقت آسمان پر زندہ اٹھایا جانا بھی کوئی انعام ہو سکتا تھا یا کسی نبی پر ہوا تھا تو ضروری بات تھی کہ یہ انعام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہوا ہوتا حالانکہ بالاتفاق مانا گیا ہے کہ آپ کو دشمنوں کی شرارتوں سے بچانے کے لئے کبھی آسمان پر اٹھایا نہیں گیا اور نہ یہ کوئی نشان ہو سکتا ہے۔ نشان تو یہ ہو سکتا ہے کہ باوجود دشمنوں کے ہجوم و انبوہ کے اور انکی ساری سازشوں اور منصوبوں کے بھی وہ مامور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور فضل سے صاف بچ جاوے اور فکیدونی جمیعا اور ثم لا تنظرون کہتا ہوا بھی واللہ یعصمک من الناس کا دعویٰ کرے اور محفوظ و معصوم رہے۔ پس معلوم ہوا کہ اگر یہ انعام کسی نبی پر پہلے ہوا ہوتا تو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہوتا ورنہ یہ لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ آپ کی دعا قبول نہ ہوئی۔ وھذا بھتان عظیم۔ واعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

دوسرا استدلال جو ہم اس آیت سے کرنا چاہتے ہیں اس طرح پر ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے کہ تم اپنے جسم خاکی کے ساتھ زمین ہی پر رہو گے یہاں تک کہ اپنے تمتع کے دن پورے کر کے مر جاؤ گے یہ آیت جسم خاکی کے آسمان پر جانے سے روکتی ہے کیونکہ لکم جو اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے اس بات پر صراحت دلالت کر رہا ہے کہ جسم خاکی آسمان پر جا نہیں سکتا بلکہ زمین ہی سے نکلا اور زمین ہی میں رہیگا اور زمین ہی میں داخل ہوگا۔

اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ چونکہ آدم کو ہجرت کا حکم ہوا اسکے چھوٹنے پر آدم علیہ السلام کو کچھ دکھ نہ پہنچا ہوگا۔ اور چونکہ کوئی دکھ انسان پر بدون اپنی غلطی کے نہیں آتا اور حضرت آدم علیہ السلام اپنے نسیان کی وجہ سے سہو کے مرتکب ہو چکے تھے پس انکی طبیعت میں ایک رقت اور گدازش پیدا ہوئی اور یہ اضطراب واضطرار دعا کی حالت کو پیدا کر دیتا ہے۔ پس آدم علیہ السلام نے اس ظلمت کی حالت میں اپنے رب کو پکارا اور اپنے ظلم کا اعتراف کیا۔ مہربان مولا نے آدم کی پکار اس ظلمت کی حالت میں سنی اور آدم پر فضل شروع ہوا۔ فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم۔ پس آدم کو خدا کی جانب سے کچھ باتیں القا ہوئیں (اور ایسی عطا شروع ہوئی کہ آدم نے ان کلمات کو خدا کے حضور پیش کرنے پر اپنے گذشتہ عمل کی تلافی کی) اور اس کے حضور رجوع کیا۔ (اور اس کا مہربان رب اس کی طرف متوجہ ہوا) کیونکہ وہ توبہ کرنے والوں کو آخر کار معاف کرنیوالا اور انکی توبہ قبول کرنے والا اور اعمال صالحہ کی جزا دینے والا ہے۔

یہ ہبوط اور ہجرت چونکہ ایک آنیوالے الٰہی فضل کا پیش خیمہ تھا اس لئے آدم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں رجوع کیا کہ ایسا نہو کہ پھر کبھی نسیان میں مبتلا ہو جاؤں مگر خدا نے انکی اس انابت کو قبول فرمایا اور جب انکو اطمینان ہو گیا تو پھر فرمایا قلنا اھبطوا منھا جمیعا فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

(اس کے بعد) ہم نے آدم اور اس کی نسل کو حکم دیا کہ اس جگہ سے جو اب فساد کی زمین ہو گئی ہے) تم سب کے سب نکل پڑو۔ (اب میں تم پر شریعت کا فضل کرتا ہوں) پس جب جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت نامے آتے رہیں (جو ضرور آویں گے) تب تب جو ان ہدایت ناموں کی پیروی کرے گا تو اسے آیندہ کے لئے کسی قسم کا خوف نہ ہوگا اور نہ کسی گذشتہ عمل کے لئے ہی وہ غمگین ہوگا۔ اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اب ترقیات کا سلسلہ شروع ہوا ہی کیونکہ توبہ کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ ہبوط سزا نہیں رہی کیونکہ آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہو چکی ہے جیسا کہ

اور تنہا چھوڑے گئے یہانتک کہ ربانی مددوں نے بھی جنکا اُنکو بڑا بھروسا تھا کچھ مدت تک مُنہ چھپالیا اور خدا تعالیٰ نے اپنی مربیانہ عادت کو بیکبارگی کچھ ایسا بدلدیا کہ جیسے کوئی سخت ناراض ہوتا ہے اور تنگی اور تکلیف میں اُنھیں ایسا چھوڑدیا کہ گویا وہ سخت مورد غضب ہیں اور اپنے تئیں ایسا خشک سا دکھلایا کہ گویا وہ اُنپر ذرا مہربان نہیں بلکہ اُن کے دشمنوں پر مہربان ہے اور اُن کے ابتلاؤں کا سلسلہ بہت طول کھینچ گیا ایک کے ختم ہونے پر دوسرا اور دوسرے کے ختم ہونے پر تیسرا ابتلا نازل ہوا غرض جیسے بارش سخت تاریک رات میں نہایت شدت و سختی سے نازل ہوتی ہے ایسا ہی آزمایشوں کی بارشیں اُنپر ہوئیں پر وہ اپنے پکے اور مضبوط ارادہ سے باز نہ آئے اور سُست اور دل شکستہ نہ ہوئے بلکہ جتنا مصائب و شدائد کا بار اُنپر پڑتا گیا اُتنا ہی اُنھوں نے آگے قدم بڑھایا اور جسقدر وہ توڑے گئے اُسی قدر وہ مضبوط ہوتے گئے اور جسقدر اُنھیں مشکلات راہ کا خوف دلایا گیا اُسی قدر اُنکی ہمت بلند اور اُنکی شجاعت ذاتی جوش میں آتی گئی بالآخر وہ اُن تمام امتحانات سے اول درجہ کے پاس یافتہ ہوکر نکلے اور اپنے کامل صدق کی برکت سے پورے طور پر کامیاب ہوگئے اور عزت اور حرمت کا تاج اُن کے سر پر رکھا گیا اور تمام اعتراضات نادانوں کے ایسے حباب کیطرح معدوم ہوگئے کہ گویا وہ کچھ بھی نہیں تھے غرض انبیا و اولیا ابتلا سے خالی نہیں ہوتے بلکہ سب سے بڑھ کر اُنھیں پر ابتلا نازل ہوتے ہیں اور اُنھیں کی قوت ایمانی اُن آزمایشوں کی برداشت بھی کرتی ہے عوام الناس جیسے خدا تعالیٰ کو شناخت نہیں کرسکتے ویسے اُس کے خالص بندوں کی شناخت سے بھی قاصر ہیں بالخصوص اُن محبوبان الٰہی کی آزمایش کے وقتوں میں تو عوام الناس بڑے بڑے دھوکوں میں پڑجاتے ہیں گویا ڈوب ہی جاتے ہیں اور اتنا صبر نہیں کرسکتے کہ اُن کے انجام کے منتظر رہیں عوام کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ جل شانہ جس پودہ کو اپنے ہاتھ سے لگاتا ہے اُسکی شاخ تراشی اس غرض سے نہیں کرتا کہ اُسکو نابود کردے بلکہ اس غرض سے کرتا ہے کہ تا وہ پودہ پھل پھول زیادہ لاوے اور اُس کے برگ اور بار میں برکت ہو۔ پس خلاصہ کلام یہ کہ انبیا اور اولیا کی تربیت باطنی اور تکمیل روحانی کے لیے ابتلا کا اُنپر وارد ہونا ضروریات سے ہے اور ابتلا اُس قوم کیلیے ایسا لازم حال ہے کہ گویا ان ربانی سپاہیوں کی ایک روحانی وردی ہے جس سے یہ شناخت کیے جاتے ہیں اور جس شخص کو اس سنت کے برخلاف کوئی کامیابی ہو وہ استدراج ہے نہ کامیابی۔ چنانچہ اس امر کا ثبوت کہ خدا تعالیٰ واقعی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے یا مصائب اور مشکلات میں رضاء الٰہی کو مقدم کرنیوالوں پر اپنا فضل اور رحمت کرتا اور اُنھیں کامیاب کردیتا ہے یہ ہے

ع ۱۹ ۱۹ ۳

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ
أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ

ترجمہ (صبر کے مبارک نتیجوں کو دیکھنے کیلیے) بیشک **صفا** اور **مروہ** اللہ تعالیٰ کے نشانوں میں سے ہیں پس اگر کوئی حج یا عمرہ کرے تو کیا حرج ہے کہ ان دونوں کا طواف بھی کرلے (کیونکہ موقع اور محل پر جانے سے پوری عبرت ہوتی ہے) اور جو کوئی نیکی کرے بڑھ کر تو بیشک اللہ قدر دان علیم ہے

اوپر جو کچھ صبر کی فضیلت اور اس کے نتائج بیان کیے گئے تھے وہ ایک دعوی کے رنگ میں تھے اس لیے دلیل ہاں زندہ دلیل خدا صفا اور مروہ کو پیش کرتا ہے۔ غالباً اس امر کا بیان کردینا نتیجہ معلومات کے لیے ضروری ہے کہ صفا اور مروہ خانہ کعبہ سے مشرق کی طرف ایک دوسرے سے ۷۶۰ گز کے فاصلہ پر دو پہاڑیاں ہیں صفا کوہ ابوقبیس کی جڑ میں ہے اور مروہ کوہ قیقعان کے آگے واقع ہے اور اب ان دونوں پہاڑیوں پر آبادی ہے ہم اس مقام پر مناسبت موقعہ کے لحاظ سے اس پیشگوئی کو یہاں درج کردینا ضروری سمجھتے ہیں جو اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت رکھی ہوئی ہے تاکہ اصل قصہ بھی مختصر طور پر آجاوے اور عظیم الشان بشارت نبوۃ محمدیہ علیہ التحیہ والتسلیم کی بھی پیش ہوجاوے اور وہ ہم اپنے اخبار الحکم مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱ سے بلفظہ نقل کرتے ہیں جو ہمنے حضرت **مسیح موعود** علیہ الصلوۃ والسلام کی ڈائری کے ضمن میں لکھی ہے اور وہ یہ ہے

ہورنہ شیطان خالق شر تہا نہ اس کا کوئی تسلط آدم علیہ السلام پر تہا جیسے قرآن کریم میں آیا ہے فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلیٰ ربہم یتوکلون۔ جب تو قرآن پڑھے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ کیونکہ اس کو مومنوں اور اپنے رب پر توکل کرنے والوں پر کوئی قدرت نہیں۔ اور ان عبادی لیس لک علیہم سلطان بے شک میرے بندوں پر تجہے کوئی تسلط نہیں ہے۔

غرض آدم علیہ السلام شیطان کے کہنے پر تو نہ چلے مگر مدت کے بعد کسی وقت اس درخت کے پاس جانے کی الٰہی ممانعت کو بھول گئے۔ ایسی بھولوں سے بچنے کے وقت کے واسطے باری تعالےٰ نے ہمارے ہادی اور سردار عالم رحمت عالمیان کو قرآن کریم کے یاد رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کا قصہ یاد دلایا ہے۔ ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضیٰ الیک وحیہ وقل رب زدنی علما ولقد عہدنا الیٰ آدم فنسی ولم نجد لہ عزما۔ یعنے قرآن سے جلدی مت کر اس سے پیشتر کہ اس کی وحی تجھ پر پوری ہو۔ اور کہو کہ اے رب میرا علم زیادہ کر۔ اور ہم نے آدم سے عہد کیا اور وہ بھول گیا اس میں اس کا کوئی قصد نہ تہا۔

بہرحال حضرت آدم بلا ارادہ عمدی جب اس ممانعت کو بھول گئے اور یہ شیطانی مکالمہ شیطان کی وجہ سے ہوا تہا اس لئے مومن کو چاہیے کہ ناپاک فطرت لوگوں سے دور رہیں کہ دل پر ایک قسم کا زنگ آجاتا ہے اور اسی لئے کونوا مع الصادقین یعنے صادقوں کے ساتھ رہو کا ارشاد ہوا ہے۔ پس جب آدم بھول گئے تو شیطان کو موقع ملا۔

فازلہما الشیطان عنہا فاخرجہما مما کانا فیہ

پس شیطان نے اُن کو اس درخت کے ذریعہ سے پھسلانا چاہا (یا اُس جنت سے پھسلانا چاہا) اور جہاں وہ تہے وہاں سے اُن کو نکال دیا۔

چونکہ شیطان اور آدم کے درمیان عداوت کا بیج بویا جا چکا تہا اس لئے مصالح ملکی اور تمدنی کا اقتضا یہی تہا کہ وہاں سے ہجرت ہو اس لئے حکم ہوا قلنا اہبطوا بعضکم لبعض عدو ولکم فی الارض مستقر ومتاع الیٰ حین۔ اور ہم نے کہدیا کہ چونکہ تمہارے بعض افراد کے درمیان عداوت ہے اس لئے یہاں سے چلدو اور الارض میں تمہارے لئے ایک وقت تک .... ٹھہرنا اور حظ اٹھانا ہے یا موت تک ٹھہرنا اور حظ اٹھانا ہے۔

الارض سے مراد عام طور پر زمین بھی مراد ہے۔ اور خاص طور پر وہ سرزمین جہاں آدم تہا یعنے عدن کی سرزمین بھی مراد ہے۔ پہلی صورت میں جیسا کہ ہم نے اوپر ترجمہ میں دکھایا ہے۔ موت تک ہی زمین پر ٹھہرنا ہے۔

وفات مسیح پر دوسرا استدلال

ہم کو افسوس ہے کہ وفات مسیح پر گفتگو کرنے کے لئے ہم ایک موقع کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں لیکن اس کی تلافی اس طرح پر ہو سکتی ہے کہ یہاں مختصراً اس کا ذکر کر دیں۔ بدقسمتی کے ساتھ اور عیسائیوں کے بعض خیالات کی آمیزش کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ خیال آگیا تہا جو ایک زمانہ گذرنے کے بعد بطور اصول داخل ہو گیا کہ خلاف سنت اللہ کے مسیح ابن مریم جو اللہ کا ایک نبی اور رسول تہا آسمان پر زندہ اٹھایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ بدیہی البطلان قرآن اور احادیث اور صحابہ کے مذہب کے صریح خلاف تہا مگر بدقسمتی سے یہ مسلمانوں میں زمانہ فیج اعوج میں پھیل گیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اس مسئلہ کا کلیۃً فیصلہ پایا جاتا ہے اور صحابہ کا مذہب یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسیح کے ہرگز ہرگز زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر جانیکو نہ مانتے تہے۔ چونکہ یہ کوئی مخصوص مقام اس بحث کے لئے نہیں ہم مختصراً اس پر اس جگہ وہ بحث

شبینہ واقعات میں اگر ہمدردی کی ضرورت ہے تو علی الصباح نماز فجر کی جماعت میں یہ امر حاصل ہے - اب بازار کی آمد و رفت شروع ہوئی - مختلف معاملات خارجیہ پیش آئے - تو دوپہر کے بعد جماعت کا وقت آگیا - عصر روزانہ اوقات کا اختتام ہے اور ابھی اہل تجارت و حرفہ غالب عمرانات میں گھر نہیں پہونچے - عین اُسوقت کے معاملات پر اگر ہمدردی کی ضرورت ہے تو عصر کی جماعت کا عمدہ موقع ہے - شام کو گھر پہنچے وہاں کے نئے معاملات جو غیبوبت میں ہوئے اگر باعث اجتماع ہیں تو جماعت نماز شام اُس کے لیے موزوں ہے - ۹ و ۱۰ بجے رات کو الگ الگ ہونے کا وقت آگیا مناسب ہے سب آپسمیں الوداعی رخصت کرلیں - اور یہی عشا کا وقت ہے - اس روزانہ پانچوقت کے اجتماع میں اگر تمام اہل بلاد کو تکلیف دیجاوے تو ایکقسم کی تکلیف مالایطاق ہے - اسلیے تمام شہر کے اہل اسلام کیواسطے ہفتہ میں ایکدن جمعہ کا اس اجتماع کے لیے تجویز ہوا - لاکن اس اجتماع کیلیے حفظ صحت کے سامان کیواسطے نہانا - کپڑے بدلنا صفائی ایک ضروری امر تھا بنا براں اسکا وقت قریب نصف النہار تجویز کیا گیا - اور اسمیں موسیٰ والی تشدید کہ سبت میں کام کرنیوالے کو جلادیا جائے - عالمگیر مذہب میں جسکا نام اسلام ہے مناسب نسمجھی - زیادہ دیر تک اجتماع کو محل صحت خیال کر کے اصل نماز سے اس نماز کو نصف کر دیا گیا اور ایک خطیب (اسپیکر) کو حکم دیا گیا کہ ضروریات پر کھڑا ہو کر لکچر دے - اور بعد ختم نماز جمعہ کے حکم ہے چلے جاؤ - اور منتشر ہو جاؤ - قصبات اور دیہات کے اجتماع کے لیے عید کی نماز تجویز ہوئی - چونکہ یہ جلسہ بھاری اور سال میں کُل دو دفعہ ہوتا تھا اور اسمیں لوگوں کی کثرت تھی - اسلیے تبدیل لباس اور عطر اور خوشبو لگانا جیسے جمعہ میں حکم تھا اسمیں بھی رہا - اور زیادہ تر اجتماع کے لحاظ سے حکم ہوا عید کا جلسہ شہر سے باہر میدان میں ہو - تاکہ فرش ایر (تازہ ہوا) کی روک نہ رہے - چونکہ میدان محل الجحن ٹھہرا اور غالب عمرانات میں دھوپ کا خوف ہوا - اسلیے ابتدائے روز عید کا وقت ٹھہرایا گیا -

عید میں روحانی محرک دو رکعت کی نماز ہے - اور بعد نماز کے ضروری ضروری باتوں پر لکچر ہے (جسے خطبہ کہتے ہیں)

۱۹۷ ع ۱۹ ۲

تمام قوموں میں میلوں کا رواج ہے - اور میلوں کا ہونا عمدہ مصالح دنیوی پر مبنی ہے کُل مذاہب اور تمام اقوام کے میلے خالص توحید سے بالکل بے بہرہ ہیں - کہیں غیر اللہ کی پرستش ہے - کہیں صرف دنیوی خیال ہے جو فانی اور غیر باقی ہے انکو عظمت الٰہی سے کچھہ سروکار نہیں -

اسلامی میلہ عید کا تمام دنیا کے میلوں سے روحانیت میں بڑھا ہوا ہے - اب تمام اہل اسلام کے اجتماع کیلیے صدر مقام کی ضرورت تھی - تاکہ مختلف بلاد کے بھائی اور اسلامی رشتہ کے سلسلہ میں یکتا باہم مل جاویں - مگر ایسے اجتماع کیلیے اول تو کل اہل اسلام کا اکٹھا ہونا اور امیر و فقیر کا جانا محال تھا - علاوہ بریں فقرا اور محتاجوں کے جانے میں کوئی بڑے فائدے مترتب ہونیکی اُمید بھی نہیں ہوسکتی تھی اس لیے حکم ہوا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا پ ۴ - ع ۱ - اور یہ بھی ہے کہ امرا کے حقمیں عیش اور کبر ہی مہلک امراض اور ترقی کے دشمن ہیں - دور و دراز کا سفر کرنا - احباب اور اقارب کو چھوڑنا - سردی اور گرمی کی برداشت کرنا - مختلف بلاد کے علوم اور فنون اور اقسام مذاہب اور عادات پر واقف ہونا - سُستی اور نفس پروری کا خوب استیصال کرتا ہے -

حج کے اعمال کبر و بڑائی کے سخت دشمن ہیں - زیب و زینت کو ترک کرنا - غربا کے ساتھہ ننگے سر کوسوں چلنا - دنیادار اور مستوں عیاشوں کو کیسی کیسی ہمت بڑھانیکا موجب ہے غرض حج کیا ہے اسلامیوں کو تجربہ کار اور ہوشیار بنانا ہے -

بیرونی ایک ملک کے فوائد کو دوسرے ملک تک پہنچانے میں جیسی طاقت دولتمند رکھہ سکتے ہیں ویسی علی العموم غریب لوگ نہیں رکھہ سکتے - ایسے صدر مقام کیلیے کونسا مکان تجویز ہوتا - پس مکہ معظمہ سے کوئی مکان بہتر نہ تھا - کیونکہ اول تو وہ مقام مبدأ اسلام تھا - دوم اسمیں ایسے لوگوں کی یادگاری تھی جنکی سعی اور کوشش سے سخت سی سخت بُت پرستی کا دنیا سے استیصال ہوا اور خالص الٰہی توحید قائم ہوئی -

رکوع نمبر ۵

بنی اسرائیل کے ساتھ ایک شریعت کا عہد۔ ان کو پابندئ احکام کی تاکید۔ بنی اسماعیل میں ایک عظیم الشان نبی کے پیدا ہونے کا عہد جو موسیٰؑ کی زبان پر باندھا گیا بنی اسرائیل کو یاد دلایا جاتا ہے۔ اس عہد کے پورا کرنے پر فضل و نعمت کے وعدوں کا وقت۔ نبی موعود کا زمانہ نبیِ موعود کے انکار پر بنی اسرائیل کو ملزم کیا جاتا ہے انکی خلاف شریعت بداعمالیاں ظاہر کی جاتی ہیں۔ باوجود توریت کی شریعت کے موجود ہونے کے یہودیوں کی تکذیب و انکار ان میں بدکرداریوں کا پھیل جانا۔ آپ بدعمل ہو کر دوسروں کو نیک عمل کرنے کی نصیحت کا یہودیوں میں عمل درآمد۔

عام نظر | اس رکوع میں بھی اللہ تعالیٰ نے انعمت علیہم کی تفسیر کو ایک خاص رنگ میں دکھایا ہے۔ اور مختصراً ان اسباب پر بحث فرمائی ہے جو منعم علیہ بننے کے لئے ضروری ہیں اور جنکی ترک سے انسان زمرہ مغضوب علیہم میں داخل ہو جاتا ہے چونکہ آدم علیہ السلام کی بات ایک دور دراز زمانہ کی بات تھی اس لئے اب اور بھی قریب ترین زمانہ کا ذکر فرمایا اور اسطرح پر مولیٰ کریم نے اپنے اِس وعدے کی صداقت کو دکھایا ہے جو فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی میں فرمایا تھا

ہمارے ہادی کامل صلے اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے آدم بھی تھے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ایک خاص مشابہت ہے چنانچہ استثنا کے باب میں مثل موسیٰ کی بشارت حضرت موسیٰؑ کی زبانی یہود کو سنائی جا چکی تھی۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا وغیرہ وغیرہ آیات اس قسم کی یعنی ہم نے تمہاری طرف ایک ایسا ہی حکمران رسول بھیجا ہے جیسا فرعون کی طرف بھیجا تھا۔ اپنے مثیل موسیٰ ہونے کا الہام سنا دیا تھا۔

ہم کو اس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت کے ثبوت پر کوئی لمبی چوڑی بحث مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس نکتہ ضروریہ کا بیان کرنا مقصود ہے کہ چونکہ آپ مثل موسیٰ تھے اسلئے یہودیوں پر اتمام حجت کی جاتی ہے۔ اس طرح پر اس رکوع میں

اولاً وہ واقعات درج ہیں جو بنی اسرائیل کی حالت موجودہ کے مظہر تھے۔

ثانیاً۔ اُن واقعات کو بطور پیشگوئی بیان فرمایا ہے جو امت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم میں مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں علماء امت کی طرف سے پیش آنے والے تھے۔ کیونکہ مسیح موعود خلفاء امت محمدیہ کا اسی طرح خاتم ہے جیسے بنی اسرائیل کے گھرانے کا خاتم مسیح ابن مریم تھا۔

عام مطالب اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن مطالب کو مختصراً بیان کیا جاوے جو اس رکوع میں اللہ تعالےٰ نے بیان فرمائے ہیں۔

(الف) منعم علیہ بننے کے ۱۲ مختلف اسباب بیان فرمائے ہیں جو تین مختلف سلسلوں میں تقسیم کئے گئے ہیں

اوّل۔ اُن ذرایع کا بیان ہے جو فعل کے ضمن میں داخل ہیں اور یہ ایمانیات اور عقائد صحیحہ پر مشتمل ہیں۔

دوم۔ اس سلسلہ میں اُن امور کا بیان ہے جو ترکِ فعل کے ذیل میں ہیں

سوم۔ اعمالِ صالحہ۔ عبادات اور معاملات پر مشتمل ہیں۔

(ب) مغضوب علیہ ہونے کے چھ الگ اسباب بتلائے۔ علاوہ ان بارہ اسباب کے جن کا اختیار کرنا منعم علیہ بنا دیتا ہے اور اسکا ترک مغضوب علیہ کر دیتا ہے۔

(ج) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مثیل موسیٰ والی بشارت کی طرف یہود کو متوجہ کیا ہے۔

(د) مسیح موعود کے زمانہ میں علماء سوء کی حالت کی پیشگوئی فرمائی ہے۔ کیونکہ یہ ایک ضروری امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شریعت کے

اس کنوئیں والے کشف کو سمجھنے کے لیے ناظرین پیدائش کے ۱۶ باب کی ۷ سے لے کر ۱۴ آیت تک پڑھ لیں۔ اسمیں اسمٰعیل کی پیدائش سے بھی پہلے ایک طرح اس واقعہ کیطرف اشارہ ہے۔

غرض حضرت اقدس نے جو اس پیشگوئی کو بیان فرمایا ہے یہ بالکل عجیب اور نرالی ہے اور قرآن شریف نے اس ہی کی طرف وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ میں اشارہ فرمایا ہے کیونکہ قرآن کریم کے یہ الفاظ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ صاف بتلاتے ہیں کہ یہاں اسی پیشگوئی کیطرف ایماء ہے اور شریعت الٰہیہ کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی اصطلاح میں پانی سے ہی مثال دی ہے۔

غرض یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت ہاجرہ علیہا السلام پانی کی تلاش میں دوڑی تھی۔ صفا اور مروہ میں صبر کے نتائج کی یہ دلیل موجود ہے کہ جب حضرت ہاجرہ کو اور اسمٰعیل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وادی غیر ذی زرع میں بحکم الٰہی چھوڑ گئے اور ہاجرہ کے استفسار پر انھوں نے کہا کہ خدا کے حکم سے یہاں چھوڑتا ہوں تو باوجودیکہ حضرت ہاجرہ شہزادی تھیں جو ناز و نعمت میں پلی تھیں مگر حضرت ابراہیم کے اس ارشاد پر کہ خدا کے حکم سے یہاں چھوڑتا ہوں یقین کر لیا کہ اب وہ ہمیں ضائع نہ ہونے دیگا اسطرح انھوں نے ہمارا [illegible]

حج اور عمرہ میں یہ فرق ہے کہ حج میں نویں ذی الحجہ کو عرفات میں جانا اور پھر وہاں سے آکر طواف کرنا ہوتا ہے اور عمرہ میں نہیں نیز عمرہ کے لیے کوئی مہینہ یا دن مقرر نہیں ہے باقی احرام باندھنا اور طواف اور سعی صفا و مروہ دونوں میں یکساں ہیں۔

مختصر یہ کہ جب وہ صبر [illegible] کے ساتھ وہاں رہ گئیں تو خدا نے محض اپنے فضل و کرم سے وہاں رونق اور آبادی کی اور اس وادی غیر ذی زرع کیطرف [illegible] يَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ کا مصداق ٹھیرا اور اطراف و اکناف کی چیزیں وہاں آنے لگیں [illegible] مکہ معظمہ کی عظمت اور اسکیطرف خلق اللہ کا رجوع بدستور بلکہ یوماً فیوماً بڑھتا ہوا [illegible] اجر صبر کا [illegible] فرمایا کہ کوئی حج یا عمرہ کرے تو وہاں بھی چلکر دیکھ لے۔ حج اور عمرہ میں اسی لیے [illegible] اسمٰعیل صفا اور مروہ کے درمیان چلنا ہوتا ہے۔

صفا اور مروہ پر جاکر نتائج صبر کو [illegible] فرمایا۔

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ

جو کوئی نیکی کو شوق سے کرے تو اللہ قدردان اور علیم ہے۔ اس سے نیکی کرنیوالے کی امید وسیع ہوتی اور نیکی میں ایک لذت محسوس ہوتی ہے۔

١٩٦
ع ١٩
٣

چونکہ

اس مقام پر حج کا ذکر آگیا ہے اس لیئے بہتر اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حج پر مختصر سی بحث کی جاوے اور بجائے اسکے کہ ہم خود کچھ لکھیں ہم حضرت مولنا المکرم حکیم الامت حضرت مولوی نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالے کی کتاب فصل الخطاب میں سے وہ حصہ لیتے ہیں جو انھوں نے مستقلاً حج پر لکھا ہے

حج

کل دنیا کی ترقی کا مدار قومی اجتماع پر ہے۔ تمام مہذب بلاد میں جب تہذیب شروع ہوئی اسوقت بھی یہی کلب و انجمنیں بنیں۔ حضور علیہ السلام کے دین میں اللہ تعالیٰ نے قومی اجتماع کے عجیب و غریب سامان تجویز فرمائے۔ اور ایسے روحانی محرک اسمیں رکھے جس کے باعث ان انجمنوں کے برہم ہونے کا خطرہ نہ رہا۔

اہل محلہ کے روزانہ اجتماع کے لیئے پانچوقت کی جماعت کو واجب کیا۔ رات کو سب لوگ اپنے گھر میں سوتے ہیں

اوپر کی آیت میں گذرا اور قبول کے بعد فتاب فرمایا۔ اس آیت سے مندرجہ ذیل سبق پیدا ہوتے ہیں۔ اوّلاً۔ جہاں کسی قسم کی کوئی خطا انسان سے سرزد ہو جہاں تعمیل احکام الٰہی میں غفلت اور نسیان عاید حال ہو وہاں سے فی الفور ہجرت کرے اس مکان کو اس شہر کو فی الفور چھوڑ دے۔ ثانیاً۔ خدا تعالےٰ کی ہدایت کے سلسلہ کو کسی خاص وقت تک ختم کر دیگے جیسے بعض نادانوں نے اس وقت کہا کہ اب کوئی بھی نہیں جس سے خدا کلام کرے حالانکہ انہیں حضرت مسیح موعود دام اللہ فیوضہم اللہ تعالےٰ کی عزت وجلال کے اظہار اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے پورا کرنے کے لئے موجود ہے اور وہ اپنے واضح اور مدلل ومؤکد بہ براہین ساطع دعاوی سے دنیا کو دعوت کر رہا ہے۔ ثالثاً۔ تعمیل ہدایت الٰہی ہر قسم کے حزن اور خوف کو دور کر دیتی ہے۔ خوف آیندہ کا غم اور حزن پچھلے غم واندوہ پر بولا جاتا ہے۔ رابعاً۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس ہبوط سے پیشتر الٰہی شریعت نازل نہ ہوئی تھی۔ خامساً۔ انہ ھو التواب الرحیم پر غور کرنے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ توبہ کیا چیز ہے؟ کیونکہ تواب کے ساتھ الرحیم کی صفت کا رکھنا صاف بتلاتا ہے کہ توبہ بداعمالیوں اور بدکاریوں کو چھوڑ کر اس کے بالمقابل اعمال صالحہ پر کاربند ہونے کا نام ہے۔ مثلاً چوری سے توبہ کے یہ معنے ہیں کہ چوری کو چھوڑ دے۔ اور دیانت داری اختیار کرے۔ تب ہی تو الرحیم کا تواب کے ساتھ تعلق ٹھیک ہوگا۔ کیونکہ الرحیم سچی محنتوں پر ثمرات مرتب کرنے والا۔ غرض یہ بھی سچی بات ہے کہ دنیا میں کسی قسم کی خفیف سے خفیف برائی سے جو انسان کو دکھ میں ڈال سکتی ہے روکنے والا کوئی قانون بجز قانون الٰہی کے نہیں ہے۔ پس جب انسان پورے طور پر پابند شریعت ہوگا تو یقیناً یقیناً ہر قسم کے ہم وغم سے نجات پا جائیگا۔ کیا خوب کہا ہے ع تو پاک باش برادر مدار ازکس باک۔ پس جبکہ یہ صاف بات ہے کہ راحت اور آرام شریعت الٰہی کی پابندی کرنے والوں کے لئے ہے تو اس کے برخلاف جو ہدایت الٰہی کی پابندی نہیں کرتے وہ کبھی سکھ نہیں پا سکتے جیسا کہ ہم پچھلے رکوع میں بتلا چکے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے عبادت کا نتیجہ بتلایا ہے لعلکم تتقون یعنے اس لئے عبادت کرو کہ تم سکھ پاؤ۔ لہٰذا صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ قانون الٰہی کا نافرمان کیونکر سکھ پا سکتا ہے جب کہ کوئی آدمی رائج الوقت قانون کی خلاف ورزی کرکے سکھ نہیں پا سکتا۔ لہٰذا فرمایا والذین کفروا وکذبوا بآیاتنا اولٰئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون۔ اور جن لوگوں نے ہماری شریعت کے عہد کو توڑا یعنے انکار کیا اور ہمارے نشانات کی تکذیب کی انکا انجام ایک آگ ہوگی جس کی طپش میں جلتے رہیں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے منکران ہدایت الٰہی اور مکذبان آیت اللہ کا انجام بتلا دیا ہے اور یہ مشاہدہ میں آئی ہوئی بات ہے کہ کوئی شخص قانون کی خلاف ورزی کرکے راحت نہیں پا سکتا بلکہ سزا پاتا ہے پس خدا تعالےٰ کے نافرمان راحت کیونکر پائیں۔ اللہ تعالےٰ ہم کو اور ہمارے پڑھنے والوں کو انکار اور تکذیب آیات اللہ سے محفوظ رکھے کیونکہ یہ انکار ایک آگ پیدا کرتا ہے جو جلا کر بھسم کر دیتی ہے ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ آمین۔

اس رکوع کو ختم کرتے ہوئے اگر ہم اس امر کا اظہار کر دیں تو ہرگز بیجا نہ ہوگا کہ ہر مامور من اللہ اپنے وقت کا آدم ہو کر آتا ہے اور اسکا انجام اور اسکے مخالفوں کا انجام وہی ہوتا ہے جو اس قصہ میں ہمارے ناظرین نے پڑھا۔ آدم کے متبع لاخوف علیہم ولاہم یحزنون کی بشارت پاتے ہیں اور اس کے مخالف اور منکر اور مکذب اولٰئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون کے مصداق بنتے ہیں۔

اس وقت ہی ایک آدم آیا ہے اسی وعدہ کے مطابق جو فاما یاتینکم منی ھدی میں مرکوز ہے اور اما کم منکم کے الفاظ میں آدم کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا اس کو یہ الہام ہو چکا ہے اردت ان استخلف فخلقت آدم یعنے میں نے ارادہ کیا کہ زمین میں اپنا خلیفہ بناؤں پس میں نے آدم کو پیدا کیا۔ سنو! آدم کا بروز مسیح موعود کے رنگ میں ہوا ہے اور اس بروز کے وقت اس ابلیس کا بھی ایک نیا بروز ہو چکا ہے۔ پس مبارک وہ جو آدم کی سنتے اور اطاعت کرتے ہیں کیونکہ وہ کامیاب ہونگے اور انکے خوف وحزن دور ہو نگے اور واویلا انپر جو اپنے استکبار کی وجہ سے انکار کرتے اور تکذیب کے لئے اٹھتے۔ وہ ہاتھ ٹوٹ جاویں گے جو اسکی ایذا دہی اور تکلیف دہی و تکذیب کے لئے کام کریں کیونکہ تبت یدا ابی لھب وتب اللہ تعالےٰ کا وعدہ اس سے ہو چکا ہے۔ پس ہر مخالف سن رکھے۔

توجہ الی القبلہ - سچ ہے شک نہیں - سجدہ پہلے درجہ کا عجز اور نیاز ہے - یہ عمدہ فعل ضرور ہے کسی طرف واقع ہو - اور کوئی طرف ہو اسمیں مخلوق کی خبر و فلاح ضروری ہے - اسلیے شارع نے خود ایک جہت مقرر کر دی - جسمیں کئی فائدے ہیں -

اوّل یہ اشارہ کہ سب کو چاہیے ایک دل ہو کر معبود حقیقی کی عبادت کریں۔

دوم اہل اسلام اور منافقین میں ما بہ الامتیاز ہو - اسواسطے مکہ میں آپ بیت المقدس کیطرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور مدینہ میں جب تشریف لائے تو بعد چند مدت کے مکہ کی طرف توجہ فرمائی - قرآن خود اس سِر اور بھید سے آگاہ کرتا ہے یہاں فرماتا ہے - وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ - سورہ بقر - پ ۲ اور نہیں کیا تھا ہمنے وہ قبلہ جسپر تو تھا مگر اسلیے کہ ظاہر ہو جاوے کہ کون رسول کے تابع ہے اُس سے جو پھرتا ہے ایڑی پر۔

سوم۔ جماعت کے انتظام میں خلل نہ ہو اور تمام دنیا کے اہل اسلام یک جہت رہیں -

چہارم۔ قبلہ کیطرف منہ کرنا ملت ابراہیمی کا نشان اور اُن کی اولاد کا معمول ہے دیکھو یشوع اور سارے اسرائیلی بزرگوں نے اپنے کپڑے پھاڑے اور خداوند کے عہد کے صندوق کے آگے شام تک اوندھے پڑے رہے - یشوع ۶ باب ۱- سلاطین - ۸ باب ۲۸ - ۴۸ - ترکیب آنیکی مقدس میں احبار ۱۶ باب - ملاکی ۳ باب ۱۴ - اور تیرے آگے سجدہ کرینگے وے تیرے آگے منت کرینگے اور کہیں گے یقیناً خدا تجھمیں ہے یسعیاہ - ۴۵ باب ۱۴ - دعا بیت اللہ میں مقبول ہے ۲ تاریخ ۷ باب ۱۵ - دانیال اپنی کوٹھری کا دریچہ جو یروشلم کیطرف تھا کھولکر دن میں تین دفعہ گھٹنے ٹیک کر اور داؤد بیت ایل کیطرف خدا کے حضور دعا اور شکر گذاری کرتے رہے دانیال ۶ باب ۱۰ - زبور ۵۹ - ۱۹ اور زبور ۱۳۸ - ۲ - حجر اسود کیا ہے - ایک بن گھڑا پتھر ہے - چونکہ گھڑے ہوے پتھروں کی عبادت ہوتی تھی اسواسطے ابراہیم اور ان کی اولاد نے یادگار یا نشان کے لیے بن گھڑے پتھر رکھے تھے پیدایش ۲۸ باب ۱۸ یعقوب نے پتھر کھڑا کیا اور اُسپر تیل ڈالا - اور پیدایش ۳۵ باب ۱۵ - اور یشوع ۴ باب ۵ - ۶ - ہر ایک تم میں سے بنی اسرائیل کے فرقوں کے مطابق ایک ایک پتھر اپنے کاندھے پر رکھے تو کہ تمھارے درمیان نشان ہو - پادری ان باتوں سے انکار نہیں کرسکتے

۱۹۹
۹۱۹

پہلے زمانہ میں کیا اس زمانہ میں بھی تصویری زبان کا رواج ہے - اکثر آریہ ورت کے قصص تصویری زبان میں ہیں اور کئی اخباروں میں تصویری زبان معمول ہے - سکندر اور دارا کے قصہ میں تصویری زبان کی گفتگو مشہور ہے عیسائی بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ یسوع کے بارہ پتھر بارہ حواریوں کا اشارہ جانتے ہیں - یہودی قربانیاں مسیح برہ کی پھانسی بتلانے ہیں - بلکہ ختنہ بھی عیسی بن مریم کے قتل کا نشان کہتے ہیں - پولا ہلانا جسکی نسبت احبار ۲۳ باب ۱۰ میں حکم ہے مسیح کا جی اُٹھنا بیان کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں متی ۲۱ باب ۳۳ - ۴۲ میں لکھا ہے - بنی اسرائیل کو اللہ تعالی نے آباد کیا ایک باغ کا مہتمم بنایا (ایک شرع کا) مگر انھوں نے نافرمانی کی یہانتک کہ اُسکے آخری صلحکار (اکلوتے بیٹے) کو مار ڈالا - اسلیے خدا اُن کو سزا دے گا کونہ کے پتھر سے جسے معماروں نے ناپسند کیا - یہی مضمون یسعیا ۲۸ باب ۱۶ میں ہے - اور زبور ۱۱۸ باب ۲۲ میں ہے - یہود غیر قوموں کو بھی پتھر کہتے تھے - اور ہمیشہ بنی اسمعیل کو یہ معمار قوم حقیر جانتی تھی - الاعرب میں قدیم سے اسلیے کہ وہ اپڑھ قوم تھی تصویری زبان میں بطور پیشین گوئی اور بشارات کے یہ یسعیا ۲۸ باب ۱۶ - اور متی ۲۱ باب ۴۲ - اعدد دانیال ۲ باب ۴۳ و الہ کلام مکہ میں اسطرح سے تحریر ہوا کہ بیت اللہ کے کونہ پر ایک بن گھڑا پتھر نصب کیا گیا جس کے ساتھ یہ بات کی جاتی تھی کہ اُسے صرف ہاتھ لگاتے جو بیعت اور اقرار کا نشان ہے - مطلب یہ کہ اس پاک شہر میں وہ کونہ کا پتھر ہوگا جسکے ہاتھ پر بیعت کرنا ضرور ہے - جو کوئی اُسپر گریگا چور ہوگا جسپر یہ گرا اُسے پیس ڈالے گا

یہی ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ مثیل موسیٰ تھے اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے قصّہ کو بہت لیا ہے۔

بنی اسرائیل پر کیا انعام ہوئے | دنیا میں انعام کے تین ہی رنگ ہیں اوّل حریت ہو تو بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے آزاد کئے گئے بلکہ موذی دشمن کے پنجے سے نکلے۔ شہر میں تصیبتوں بیگاروں میں مبتلا تھے اس سے رہائی پائی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو حریت ہی نہیں دلائی بلکہ حاکم اور بادشاہ بنایا۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا یعنے تم میں سے نبی بھی بنائے اور تم کو بادشاہ بھی بنایا۔ دنیوی اور فانی سلطنت کا وارث ہی نہیں کیا بلکہ جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے روحانی اور ابدی سلطنت کا وارث بھی بنایا۔ اور صدہا برس تک کا ایک دراز زمانہ انکو عطا کیا جس میں انہوں نے عظیم الشان عزت وعظمت حاصل کی۔ اور پھر بستی نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ذریعہ بھی بہتوں کو اپنی کھوئی ہوئی متاع کا وارث بنایا۔ اسکے علاوہ خود اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ میں ان انعامات کا تصریحاً تذکرہ فرمایا ہے۔

مسلمانو!

کیا تم انعام میں اولاد اسرائیل سے کم ہو؟؟؟ تم کو کتاب دی تو وہ کتاب جو جمیع صداقتوں اور تعلیموں کی جامع اور کل مقدس کتابوں اور صحیفوں کی ماں جو فیہا کتب قیمۃ کی مصداق ہے اور پھر کسی خاص زمانہ اور وقت تک نہیں بلکہ ابد الآباد تک کے لئے۔

نبی ملا تو وہ نبی کہ جس کا پیارا اور مبارک نام محمد و احمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور جو ہمیشہ کے لئے کل دنیا کے لئے نبی ہو کر آیا۔ اور جس کی امت کے علمائے ربانی کو یہ شرف ملا کہ وہ بنی اسرائیل کے نبیوں کے امثال قرار پائے۔

سلطنت دی تو وہ عظیم الشان سلطنت جس کا زمانہ تیرہ سو برس تک پہنچ چکا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ کل دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک لاکھ چوبیس ہزار جاں نثار صحابہ ملے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اب بتلاؤ کہ بنی اسرائیل کے انعامات سے کیا کم رہا۔ بلکہ بہت آگے بڑھ گئے۔

لہذا

سنو! خدا کا ارشاد ہے اُذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ میرے ان انعامات کو یاد کرو جو تم پر ہیں۔ یہ ہے پہلا سبب منعم علیہ بننے کا کہ

انسان خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا مطالعہ کرتا رہے۔ نبی کو کیا کر بہیں سناتا ہے۔ خوشتر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں + گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

دوسرا سبب اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ تم میرے عہد شریعت کو پورا کرو۔ میں تمہارا عہد پورا کرونگا (اسکی جزا دونگا)

یہ ایک صاف بات ہے من کان للہ کان اللہ لہٗ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

عہدی میرا عہد اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد عہد شریعت ہے کیا معنے کہ جو کچھ ہدایتیں دی گئی ہیں۔ اپر پورا پورا عمل در آمد کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انکی بجا آوری پر جو وعدے یعنے تم سے کئے ہیں وہ پورے کرونگا۔

ضروری یادداشت۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اس رکوع میں یہود کو ایک نبی مثیل موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ یہاں بعہدکم کا لفظ اس عہد بشارت کی طرف بھی ایما کرتا ہے۔ کیا مطلب کہ اے اولاد اسرائیل تم کو اس مثیل کی طرف کان دھرنے اور اسکے سننے کا حکم کیا گیا ہے تم اسکو پورا کرو۔ اور میں اپنا وعدہ پورا کرونگا یعنے وہ موعود تم میں آتا ہے مگر یہود نے تو دو ہی موقعوں پر اسکی تکذیب کی یعنے اس وقت بھی جب مثیل موسیٰ صلے اللہ علیہ وسلم آیا اور اس وقت ان مثیل یہود نے تکفیر کی جب کہ وہ بروزی رنگ میں محمد مہدی کے نام سے **احمد قادیانی** کی شکل میں آیا اضافت سے خصوصیت کے معنے پیدا ہوئے ہیں۔

تمام مساعی جمیلہ اشاعت اسلام کے جن لوگوں سے سرزد ہوئے انکا اصل مولد وہی شہر تھا۔ اگر کوئی جنیر یادگار جوش دلانیوالی دنیا پر ہوسکتی ہے تو مکہ سے بہتر کوئی بھی نہیں۔ الا امرا کے ساتھ جنپر حج فرض ہے ممکن بلکہ ضرور تھا کہ ان کے نوکر چاکر بھی حج کرنیکو ساتھ جاویں۔ اور کچھ لوگ غربا میں سے عشق کے مجبور کیے ہوئے بھی وہاں پہنچیں۔ اسلیے اسلام نے بغرض کمال اتحاد اہل اسلام تجویز فرمایا کہ سب لوگ سادہ دو چادروں پر اکتفا کرکے امیر و غریب یکساں سر سے ننگو کرتے سی الگ سادہ وضع پر ظاہر ہوں۔ تاکہ اُن کی یکتائی اور اتحاد کامل درجہ پر پہنچے۔

(ا) اسحالت کا نام احرام ہے۔ کچھ عقلی حسن اسکا سُن چکے ہو کچھ اور سُن لو۔ زیب زینت کی پہلی سیڑھی حجامت بنوانا بال کٹوانا ہے۔ اور اس کی ان ایام میں ممانعت ہے۔ جو وضع کے پابندوں کو محال نظر آتی ہے۔ اور کتب مقدسہ میں اسطرز کی نظیر موجود ہے۔ "نذیر کے سر پر استرا نہ پھیرا جائے جبتک وے دن جنمیں اُسنے اپنے آپکو خداوند کے لیے نذر کیا ہے گذر نجاویں۔ سر کے بال بڑھنے دے"۔ گنتی ۶ باب - ۵۔

۲ - پھر اس مسجد میں جس کے وجود اور جسکی عظمت کا عنقریب ہم ثبوت دینگے ابراہیمی عبادت کیطرح پر ایک عبادت ہے جسے طواف کہتی ہیں۔ پروانہ وار چند بار الٰہی مسجد کے گرد گھومنا اس طواف کا ثبوت اگر دیکھنا ہو زبور ۲۶ کو دیکھو۔

۳ پھر صفا اور مروہ کے درمیان بیادگار اُم اسمٰعیل ہاجرہ علیہا السلام چلنا۔ ہاجرہ کو جب ابراہیمؑ نے یہاں چھوڑا تو انھوں نے ابراہیم سے پوچھا تو ہمیں کس کے سپرد کرتا ہے تو ابراہیمؑ نے فرمایا خدا کے سپرد اور اُسی کے حکم سے۔ تب ہاجرہ نے کہا جاؤ وہ اللہ تعالیٰ ہمکو ضائع نہ کریگا۔ آخر پیاس کی شدت میں پانی کی جستجو میں جب یہاں دوڑیں تو خدا نے زمزم سے اُن کی امداد کی۔ اس قسم کی یادگاریں اولاد ابراہیم میں مروج تقیں دیکھو پیدایش ۳۵ باب ۱۵۔ بلکہ یشوع نے بارہ پتھر جنکا ذکر یشوع ۴ باب میں ہے دریا سے صرف یادگار کیلیے اُٹھائے اور دریا کے باہر لاکر رکھے۔ پولا ملانیکی رسم جسکا ذکر اعمال ۲۳ باب ۱ میں ہے بزعم نصاریٰ مسیح کے جی اُٹھنے کی یادگار ہے

۱۹۸ ع ۱۹ ۴

۴ پھر عرفات کے میدان میں جانا ایک ضروری فعل حج کا ہے جہاں نہ کوئی پتھر نہ کوئی درخت صرف الٰہی یاد ہے اور اُسی سے دعا۔ دیکھو موسیٰ بھی فرعون کو کہتے ہیں۔ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگونکو جانے دے تاکہ وے بیابان میں میرے لیے عید کریں۔

۵ - پھر حلق ہے جسکی وجہ یہ ہے۔ بہت دنوں سر کھلا رہا۔ گرد و غبار پڑا۔ عام لوگونکو سامان سر دھونیکا اس سے بہتر کیا ہے کہ سر منڈاویں یا بالونکو کٹوائیں۔ حلق کا رواج اور اسکا ثبوت مقدسہ کتب میں موجود ہے۔ دیکھو ایوب ۱ باب ۲۰ - نذیر جماعت کے خیمے کے دروازے پر سر کی منت منڈوا دے۔ گنتی ۶ باب ۱۸۔ بلکہ اعمال ۲۱ باب ۹ میں نو چار پر دل کا صفایا مندرج ہے۔ متی ۸ باب ۴ میں اسکا جواز اور ان رسوم کا اتباع دیکھلو۔

قربانی - نذیر کے پاس اگر کوئی ناگہاں مرجاوے تو اسیی قمریاں یا کبوتر ایک خطا کی قربانی اور ایک سوختنی قربانی گذرانے اور نذیر قربانی بے عیب یکسالہ برہ ایک خطا کی قربانی دوسرا سوختنی قربانی کے لیے۔ اور فطیری روٹی چپڑی ہوئی اور مہدی میدہ کے کلچے تیل سے چپڑی ہوئے کاہن کو دے۔ گنتی ۶ باب ۱۰۔ اور دیکھو پیدایش ۸ باب ۲۰ و ۱۲ باب ۸۔

کثرت قربانی ۲ تاریخ ۷ باب ۵ - ۱ - سلاطین ۸ باب ۵ - میں دیکھنے کے قابل ہے۔ ہاں اتنی بات رہ گئی مقدسہ کتب میں اجتماع کے لیے نرسنگی اور ناقوس کی ابدی رسم ہے۔ اسلام نے اسکے بدلے کہیں اذان کے لطیف کلمات۔ اور حج میں۔

لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ ۔ یعنی حاضر ہوں اے میرے خدا حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں ہے حاضر ہوں بیشک حمد اور نعمت اور ملک تیرے ہی لیے ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ الغرض اُن بے معنی مکروہ آوازوں کو نہایت اور بامعنی آوازوں سے بدل دیا

کہ امر اور نواہی کی تہ میں ایک پیشگوئی ہوتی ہے کہ بعض لوگ جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہے ان کو کرنے والے اور جن سے منع کیا جاتا ہے اس کے کرنے والے ضرور ہوتے ہیں ورنہ امر و نہی کی حقیقت ہی کچھ نہیں رہتی۔

(۲) واعظ اور ناصح کے لئے ایک ضروری گر اور اصول بتلایا کہ وہ اپنی عملی حالت کو درست کرے۔

(۳) منعم علیہ بننے کے جو اسباب ہیں انکے حصول کے ذریعہ بھی بتلائے ہیں۔

(۴) ایسا ہی مغضوب علیہ بنا دینے والے اسباب سے بچنے کی راہیں بیان فرمائی ہیں۔

مندرجہ بالا امور ہیں جو اس رکوع کی تلخیص کہلاتے ہیں اب ہم مفصل طور پر بیان کرتے ہیں بحولہ و بقوتہ تعالیٰ۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ

(خدا کا خطاب بنی اسرائیل کو۔ جنکے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کی زبانی خدا کی شریعت کی بجا آوری کا عہد باندھا گیا یوں ہوتا ہے)

اے اسرائیل کی اولاد تم میری اس نعمت کو یاد کرو۔ جو تم پر میں نے اپنا فضل ظاہر کرنے سے (دنیا میں) کی۔

اور میرے اس (عظیم) عہد کو پورا کرو۔ تو کہ میں بھی اپنا عہد تم سے پورا کروں

اور (صرف) میری عظمت و جلال کے وقت سے ڈر جاؤ +

نوٹ۔ اکیلے بنی کے معنی ہیں بیٹے لیکن جب یہ مضاف ہو تو اسکے معنے عام اولاد کے ہو جاتے ہیں +

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا وصفی لقب ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں آپ کا نام اسرائیل اس لئے ہوا کہ آپ نے ایک بار سخت ابتلا میں کمال صبر و استقلال سے کام لیا اس وجہ سے آپ کا نام اسرائیل یعنے اللہ کا سپاہی ہو گیا۔ عیسائیوں نے اپنی غلط فہمی اور الہامات سے ناواقفی کے باعث اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ ساری رات خدا سے کشتی لڑتے رہے۔ (معاذ اللہ)

غرض اس آیت میں منعم علیہ بننے کے تین سبب بیان فرمائے ہیں جیسا کہ نمبروں سے ظاہر ہوتا ہے۔

منعم علیہ بننے کا پہلا سبب منعم علیہ بننے کا پہلا سبب انعام الٰہی کی یاد ہے۔ کیونکہ یہ امر انسانی فطرت اور سرشت میں ودیعت رکھا گیا ہے کہ وہ اپنے محسن و منعم کے لئے اپنے دل میں ایک محبت اور پیار پاتا ہے چنانچہ ہمارے ہادی کامل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

جبلت القلوب علی حب من احسن الیہا یعنے انسانی دلوں کی سرشت اور خمیر میں یہ بات رکھدی ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کریں۔

اور یہ مسلّم بات ہے کہ کسی نعمت کی یاد سے محبت بڑھتی ہے چنانچہ عربی زبان میں ایک مثل ہے کہ جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر بار بار کرتا ہے۔ اور پھر محبت شکر کی تحریک دل میں پیدا کرتی ہے اور شکر ایسی چیز ہے جو انعام الٰہی کے ازدیاد کا ایک ذریعہ ہے جیسے مولیٰ کریم نے فرمایا لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ یعنے اگر تم میری نعمتوں کا شکر کروگے تو بے شک میں اُن کو بڑھا دوں گا۔ اس وعدہ صادقہ کی شہادت ہم کو قانون قدرت میں بھی ملتی ہے کہ جن قوٰی سے ہم وہی کام لیتے ہیں اور اسی قدر لیتے ہیں اور اسی طرح لیتے ہیں جس کے لئے اور جس قدر کے واسطے اور جس طرح کام لینے کے لئے وہ بنائے گئے ہیں تو وہ بڑھتے اور نشو و نما پاتے ہیں۔

پس

منعم علیہ بننے کے لئے اوّل انسان کو ضروری ہے کہ وہ اُن انعامات الٰہیہ کا مطالعہ کرے جو مولیٰ کریم نے اسپر فرمائے ہیں کیونکہ اس سے محبت الٰہی پھر محبت سے شکر الٰہی اور شکر سے انعام الٰہی کی کثرت اور زیادتی پیدا ہو گی۔

اس وقت یہ کوئی ضروری امر نہیں ہے کہ یہاں ہم اُن انعامات کو بیان کریں جو ہر انسان پر اللہ تعالیٰ نے کئے ہیں کیونکہ اوّل تو وہ بیشمار و لاانتہا ہیں دوم کون انسان ہے جو آنکھ رکھتا ہوا بھی اپنے وجود اور اسکے گرد و پیش بے انتہا انعامات الٰہیہ کا سلسلہ نہیں دیکھتا۔

اس امر کو ہرگز ہرگز دل سے فراموش نہ کرنا چاہئے کہ یہاں خدا تعالیٰ قصہ گو کی طرح داستان نہیں سناتا ہے بلکہ ہم اس کے مخاطب ہیں۔ یہ واقعات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں ہونے والے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی اُمّت کے قصہ کو قرآن کریم نے جس کثرت سے لیا ہے کسی دوسرے قصے کو اس قدر تکرار سے بیان نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ

اختیار کرے۔ غرض جن وجوہات اور اسباب کے اختیار کرنے سے وہ درد مند ہونیوالے تھے اُنہیں سے جنھوں نے اُنکو چھوڑ دیا وہ بچ گئے جیسے افغان اور اہل کشمیر۔ جو خدا کے وعدوں اور پیشگوئیوں کے مصداقوں پر ایمان لاکر آخر ملک اور حکومت اور استقلال کے وارث ہوئے جبتک خدانے چاہا اور جن کے لیے چاہا۔

ایک غور طلب بات اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انداری پیشگوئیاں ہمیشہ مشروط بشرائط توبہ ورجوع ہوتی ہیں۔ ہاں یہ امر دیگر ہے کہ کہیں اسکی صراحت ہوتی ہے اور کہیں نہیں۔ بہرحال اسمیں کوئی کلام نہیں کہ ایسی ہی ہر ایک پیشگوئی مشروط ہوتی ہے پھر تعجب کا مقام ہے اور حسرۃ ہے اُن لوگوں پر جو آتھم کے رجوع الی الحق کی شرط ہوتے ہوئے بھی کہتے ہیں کہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ

یہ لوگ یقیناً اسی وعید کے نیچے ہیں جو یکتمون ما انزل اللہ کی شکل میں وارد ہے

ہاں

تو جو لوگ توبہ اور رجوع کرتے ہیں اللہ تعالے اُن پر رجوع برحمت کرے گا لیکن جو اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں گے اُن کا انجام تو ضرور یہی ہوگا چنانچہ فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝

ترجمہ (لعنت کے مفہوم کے نیچے کون ہیں؟) وہی جنھوں نے انکار کیا اور وہ اسی حالت انکار پر مر گئے وہی تو ہیں جنپر اللہ اور اُس کے ملائکہ اور تمام لوگ لعنت کہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی عذاب میں رہیں گے اُن کے عذاب میں کوئی کمی نہ کی جاویگی اور نہ اُنکو کوئی فرصت ملے گی (یا اور نہ وہ دیکھے جائیں گے)

۲۰۱ ع۱۹ ۳

اس آیت نے صراحت اور وضاحت کے ساتھ بتادیا ہے کہ کون لوگ ہوتے ہیں جو خدا کے عذاب کے نیچے آتے ہیں، جو مرتے دم تک انکار پر تُلے رہتے ہیں اب دیکھلو یہود کا کیا حال ہوا انہیں سے توبہ اور رجوع کرنیوالے بچ گئے باقی عذاب الٰہی کے نیچے آئے۔

قرآن شریف کے ایک مقام پر وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ بھی انکی نسبت آیا ہے۔ اس لیے وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ کے معنوں میں ہمکو لَا هُمْ يُنصَرُونَ سے بہت مدد ملتی ہے یعنی کوئی ان کی رعایت نہیں کرسکتا۔

اللہ۔ ملائکہ اور الناس کی لعنت ہمنے پہلے بیان کردیا ہے کہ خدا کے ارادوں کا ظہور ملائکہ پر ہوتا ہے اور ملائکہ کے ارادوں کا ظہور پاک خیال لوگوں پر ہوتا ہے اور یہی معنے اس حصہ آیت کے ہیں۔

ان ساری باتوں کا مقصد اصلی کیا ہے؟ جسکی طرف ہمیں رہنمائی کی جاتی ہے؟

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ

ترجمہ اور تمھارا معبود صرف ایک ہی ہے جسے اللہ کہتے ہیں جو ہر ایک صفات کاملہ سے موصوف اور ہر برائی سے منزہ ہے۔ کوئی معبود نہیں سوا اسکے اور وہ بن مانگے احسان کرنیوالا اور مانگنے والوں کے سوال و محنت پر عنایت فرماہے۔

لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ یہ ہے قرآنی تعلیم کا حاصل مطلب اور مغز۔ جب لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ کا نورانی پرتوہ دل پر پڑتا ہے تو نفسانی ظلمت کے جذبات معدوم ہوجاتے ہیں گناہ کی حقیقت بجز اس کے کچھ نہیں کہ سرکشی کی ملونی سے نفسانی جذبات کا شور و غوغا ہو جسکی متابعت کیحالت میں ایک شخص کا نام گنہگار رکھا جاتا ہے اور لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی جو لغت عرب کے موارد استعمال سے معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ

رابعًا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے یہودیوں نے جو برے نتائج اٹھائے اُن کو انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے موافق پالیا اور انکی حالت موجودہ نے تصدیق کر دی۔

غرض مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ

سے انجیل محرفہ کی تصدیق نہیں ہے۔ اب ہم پھر اصل سلسلہ مطلب کی طرف رجوع کرکے لکھتے ہیں کہ چوتھا ذریعہ منعم علیہ بننے کا یہ ہے کہ انسان خدا کی نازل کردہ باتوں پر ایمان لائے۔ اور اگر اسکو ابتداءً یہ موقع نہیں ملا۔ تو پھر کم از کم اُن تصدیقوں کو دیکھ کر تو منکر نہ ہو جو مَا نَزَّلَ اللّٰهُ کی ہوئی ہیں۔

یہ ایک راز ہے کہ جس قدر اوامر ہوتے ہیں انکے توڑنے والے اور نواہی کے ارتکاب کرنے والے ہوتے ہیں تب ہی تو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم ہوتا ہے یہود نے جو جو کچھ چھوڑنا اور کرنا تھا وہ خدا تعالیٰ نے سب کچھ بتلا دیا ہے یہ آئتیں یہود کی حالت کا نقشہ ہیں جو انہوں نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور اس کے بروز مہدی مسعود سے کرنا تھا۔

یہاں تک جو چار ذریعے منعم علیہ بننے کے تھے وہ بصورت فعل تھے اب اللہ تعالیٰ ترکِ فعل کی صورت میں چار ذریعے بیان فرماتا ہے۔ یعنی پہلے چار پر عمل کرنے سے اور ان چار سے بچنے پر انسان منعم علیہ ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ ثانی کا پہلا ذریعہ یا اصل سلسلہ میں پانچواں ذریعہ منعم علیہ ہونے کا بیان فرمایا۔

پانچواں ذریعہ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ (دیکھو وہ عہد الٰہی جس کا استثنا میں وعدہ ہے اب پورا ہوتا ہے) تم ہی اسکے انکار کرنے والوں میں اول نمبر پر نہ ہو۔

یہ کون نہیں جانتا کہ کفرانِ نعمت خسران اور محرومی کا باعث ہوتا ہے۔ یہ تعلیم کہ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ دراصل ان الذین کفروا سواء علیهم الآیۃ کی دوسری تصویر ہے۔ پھر اسی سلسلے میں دوسرا ترکِ فعل بتلایا

چھٹا ذریعہ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (میری آیات کو (نشانات) تھوڑے سے متاع کیا معنے دنیا کے بدلہ پر بے قدر نہ کر ڈالو یا میری آیتوں کو دنیا کے بدلے نہ خریدو۔ یہ مطلب کہ دنیا کو اسپر مقدم نہ کرو ثَمَنًا قَلِيْلًا سے مراد دنیا ہے چنانچہ قرآن کریم میں آیا ہے مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ۔ چھٹا ذریعہ۔ پانچویں ذریعہ سے پورا تعلق رکھتا ہے انسان آیات اللہ کا انکار اور بے قدری دنیوی اغراض و مطالب کو مدِ نظر رکھنے سے کرتا ہے کیونکہ برادری کا ڈر اور سوسائٹی کے اصولوں کا خوف اسکو لگا رہتا ہے اس لئے وہ آیات اللہ کو ناقدری کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس کا علاج بتلایا۔ وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ

(سنو! اس وقت کہ خدا کا وعدہ پورا ہوتا ہے نڈر ہو کر تو مخالفت پر کھڑے نہ ہو جاؤ بلکہ پہلے عہد کو یاد کرکے) مجھ سے ہی ڈرو۔ (مجھ سے ڈرنے والا سکھ پاتا ہے اور خوف الٰہی اس قابل بنا دیتا ہے کہ انسان انعام الٰہی کی قدر کر سکے اور دین کو دنیا پر مقدم کرے) یہ ایک غور طلب بات ہے، کہ انسان جن اشیاء سے ڈرتا ہے انکو اپنے لئے مضر خیال کرتا ہے اور جس سے ڈرتا ہے وہ اسکو اور بھی دباتا اور اپنا رعب اس پر بٹھاتا ہے برخلاف اسکے اللہ تعالیٰ سے اگر کوئی ڈرے تو اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ عزیز اور محبوب بنا لیتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں آیا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ جو خدا کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اسکے لئے دو بہشت ہیں۔ یہاں تک اس خوف کے بالمقابل وہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کے زمرے میں آتا ہے۔

دوسرے آدمی جس شے سے ڈرتا ہے اسکو مضر سمجھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے جس قدر ڈرے گا اسی قدر مفاد حاصل کرے گا۔

پس یہاں وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ اسی لئے فرمایا کہ خدا کا خوف سکھوں کے دینے والا ہے۔ اور یہ معنے بھی ہیں کہ برادری اور سوسائٹی کا لحاظ اور پرواہ نہ کرو۔ یہ مومن کی شان سے بعید ہے تم مجھ کو ہی اپنی سپر بنالو۔

مجھ کو سپر بنانا تمہارے لئے اس بات کا موجب ہوگا کہ تم اَقَلُّ الْكَافِرِيْنَ اور آیات اللہ کو ثمنًا قلیلًا پر بیچنے والے نہ بنو گے؟

ساتواں ذریعہ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ اور جب کہ الحق ظاہر ہو گیا ہے تو تم اس بات کی کوشش تو مت کرو کہ) اس حق کو باطل کے ساتھ

حسب بیان دانیال ۲ باب بابل کا حال دیکھلو۔

۔ نادان کہتے ہیں مسلمان پتھر کی پرستش کرتے ہیں۔ آریہ اور عیسائی بتائیں عبادت کسی کہتے ہیں۔ عبادت میں اُستُتی حمد اور تعریف - پرارتھنا - یعنی دعا - اور اُپاسنا یعنی دھیان - ضرور ہے۔ بتائیں مسلمان کب اس پتھر کی تعریف اور اُس سے دعا اور اُسکا دھیان کرتے ہیں۔ اسلامی کسی عبادت میں اس پتھر کا ذکر بھی نہیں۔ بلکہ عبادات اسلامیہ میں تو مکہ کا ذکر بھی نہیں۔ اسکی عبادت کیا ہوگی۔ اگر اسکو ہاتھ لگانا یا چومنا عبادت ہی تو سب لوگ بیاہی ہوئی عورتوں کے عابد اور خدا کو سجدہ کرنیوالے زمین کے پجاری ہونگے بات یہ ہی کہ مقدس مقام میں تصویری زبان کے اندر یہ گفتگو ہے کہ نبوت کے پاک سلسلہ میں کونہ کا پتھر یہاں مکہ سے نکلے گا۔ بلکہ مسیح نے متی ۲۱ باب ۴۳ میں خود کہا ہے کہ یہ تمثیل ہی نہی اور یہ امر کہ صفا اور مروہ نتائج صبر کی یادگاریں ہیں مسلمانوں کی بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ اسکی تصدیق کتب سابقہ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ بیت اللہ اور اُسکی عظمت و بزرگی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور آپ کی اولاد کے برومند ہونے اور بڑھنے کے متعلق بہتسے وعدے پیشگوئیوں کے رنگ میں عہد عتیق میں موجود ہیں + چنانچہ یہود پر اتمام حجت کیلیے فرمایا جاتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝

ترجمہ بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اُن نشانوں اور ہدایتوں کو جو ہمنے اُنپر نازل کی ہیں بعد اس کے کہ ہم نے ان کو کھولکر بیان کیا ہے لوگوں کے واسطے کتاب میں (توریت) (اس کتمان کیوجہ سے) اللہ انھیں لوگوں کو دربدر کریگا اور دربدر کرینگے دربدر کرنیوالے

یہ ایک پیشگوئی ہے یہود کے متعلق - اسماعیل کے متعلق جو وعدے توریت میں تھے وہ انھیں مخفی کرتے تھے جبکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ان وعدوں کی تصدیق پر ہوا + اللہ تعالیٰ نے اس کتمان کی پاداش میں یہ پیشگوئی کی کہ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ دربدر کردیے جائیں گے۔

یلعنہم اللہ ویلعنہم اللعنون۔ اصل میں تو اللہ ہی دربدر کرتا ہے مگر خدا تعالیٰ کے ارادوں کا ظہور ملائکہ پر ہوتا ہے اور ملائکہ کے ارادے انسانوں میں جلوہ گری کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت مہد میں بنو قریظہ مدینہ سے نکالے گئے۔ اور آجتک بھی اس قوم کو کہیں مستقل آرام نہیں ملتا کبھی روس سے نکالے جاتے ہیں کبھی فرانس سے غرض جہاں جاتے ہیں ذلیل و خوار کرکے نکالے جاتے ہیں + کیسی وضاحت اور صفائی کے ساتھ یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ مگر خدا تعالے چونکہ سزا دینے پر ہی خوش نہیں ہوتا اور نہ وہ چاہتا ہے کہ ضرور ہی سزا دے اسلیے توبہ اور رجوع کرنے والے اس وعید سے بری ہوتے ہیں چنانچہ فرمایا

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

ترجمہ مگر ہاں جنھوں نے توبہ کی (اور توبہ کیا اپنی اصلاح کی (اور اصلاح سے یہ مطلب ہے کہ) انھوں نے ان نشانات کو کھولکر بیان کردیا - میں اُنپر رجوع برحمت کرتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور نیکیوں پر ثمرات مترتب کرنیوالا خدا ہوں

توبہ اور اسکی حقیقت پر ہمنے پہلے پارہ میں بحث کردی ہے یہاں اسپر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اسقدر کہنا ضروری ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی گناہ سے توبہ کا مفہوم یہی ہے کہ اس گناہ کو ترک کرکے اسکے بالمقابل نیکی کو اختیار کیا جاوے جیسے مثلاً زناکار کی توبہ یہی ہے کہ وہ عفت اختیار کرے اور چور کی توبہ یہی ہے کہ دیانتداری

غرض

اپنے انعام کے حصول کے لئے دوسرا ذریعہ عہد اللہ کا پورا کرنا ٹھیرایا ہے انسان فطرتاً میثاقِ الست کی رُو سے ربوبیت کا اقرار کر چکا ہے اور ہر زمانہ اور حالت میں اسکی فطرت اگر سلیم ہو اور اسکی قوتیں اگر بیدار ہوں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اسکے عہود پر مطلع رہتی ہیں پس ضرور ہے کہ انعامات الٰہیہ کو حاصل کرنے کے واسطے اطاعت تامہ اور وفاداری کو اپنا دستور العمل بناوے وفادار اور فرماں پذیر انسان اپنے مالک و آقا سے انعام پاتے ہیں اور ترتیب کے لحاظ سے منعم علیہ بننے کا یہی دوسرا ذریعہ ہے۔ کیونکہ مطالعہ انعام سابقہ سے محبت پیدا ہوگی اور محبت سے شکر اور شکر سے اطاعت و وفاداری کا جوش پیدا ہوگا۔

منعم علیہ بننے کا تیسرا ذریعہ — منعم علیہ بننے کا تیسرا ذریعہ مولا کریم نے یہ فرمایا ہے وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ اور میرے جلال اور ان ہول سے ڈر جاؤ۔ جو خلاف ورزی پر دیتا ہوں۔ مجھ ہی سے ڈرو۔

خوف الٰہی بقول حضرت سلیمان علیہ السلام حکمت کا شروع ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا یعنے جس کو حکمت دی گئی اسکو بہت بڑی نیکی عطا ہوگی۔

پھر یاد رکھو اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا خشیت الٰہی ایسی چیز ہے جو علمائے ربانی کی صفت ہے۔

چونکہ بنی اسرائیل میں تین قسم کے لوگ گذرے ہیں اس لئے منعم علیہ ہونے کے متعلق ایسے ہی اسباب کا سلسلہ رکھا ہے جو ان ہر سہ اقسام کے لوگوں کے حسب حال ہوں۔ اور وہ تین قسم کے لوگ یہ تھے۔ غریب و عوام امرا و حکام علما و فضلا۔ بنی اسرائیل کے انعامات کو دیکھو کہ غربا و عوام کو بیگاروں سے نکال کر ان کو دولت مند بنا دیا۔ انہیں علما و فقہا پیدا کئے بلکہ انبیا اور رسل انہیں مبعوث فرمائے۔

ذریعہ اول کا باعث حریت ہوئی۔ سبب ثانی نے بادشاہ بنایا باعث ثالث نے عالم۔ فقیہ۔ انبیا و رسل انہیں بنائے۔

چوتھا ذریعہ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ اور جو شریعت اب ہم نے اتاری ہے اسکو مان لو۔ رعرب کے جنگل میں پکارنے والے کی) آواز وہی کلام ہے جسکی تمہارے پاس کی کتاب توریت بشارت کی تصدیق کرتی ہے

ما انزل اللہ پر ایمان لانا یہ منعم علیہ بننے کا سبب چہارم ہے چنانچہ رکوع اول میں جہاں متقیوں کے صفات بیان فرمائے ہیں۔ وہاں وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ کو چوتھے ہی درجہ پر رکھا ہے۔

عیسائیوں کا اعتراض اور تصدیق کا معنے

اس آیت کو لیکر بعض کوتاہ اندیش و جاہل مسیحی بھائیوں نے اپنے دجل سے جہلاء کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ جب کہ قرآن کریم کتب سابقہ کی تصدیق کرتا ہے تو مسلمان کیوں دعوے کرتے ہیں کہ اناجیل محرف ہیں۔ فاما الجواب

اولاً اس مقام پر بنی اسرائیل مخاطب ہیں کیونکہ انکو استثنا کے ۱۸ باب ۱۹ آیت کی بشارت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ دلاکر حجت پوری کی جاتی ہے عیسائی مخاطب نہیں ہیں پس مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ سے مراد حامل الاناجیل قرار دینا عمداً دھوکہ دہی ہے

ثانیاً صداقت کی تصدیق کرنے والے کو مصدق کہتے ہیں کذب کی تصدیق کرنے والا مصدق نہیں کہلاتا ہے۔ دیکھو محکمہ بندوبست میں بھی جب آخری روبکار ملازمان ماتحت کی تصدیق میں لکھی جاتی ہے تصدیق کہلاتی ہے کیا اس میں کذب کی تصدیق ہوتی ہے یا صدق کی؟؟!

ثالثاً تصدیق کے محتاج احکام و اوامر نہیں ہوتے بلکہ تصدیق کی ضرورت ہی پیشگوئیوں میں ہوتی ہے اس لئے اِس آیت میں بنی اسرائیل کو ملزم کیا ہے کہ اس نبی کریم علیہ التحیات والتسلیم کے آنے سے تمہاری کتب مقدسہ کی بہت سی پیشگوئیاں پوری ہو گئی ہیں +

+ فٹ نوٹ بنی اسرائیل اپنے خیالی اور خود تراشیدہ امور کو اختیار کرکے راہب بنتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ سب طریق بیہودہ اور لغو ہیں کتاب اللہ کے مطابق چلو۔ منہ

رکوع ۴

خدا تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید رحمانیت اور رحیمیت پر دلائل دے جاتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے باہمی اختلاف اور جہازوں کے چلنے اور ان کے منافع اور آسمانی بارش کے نزول اور اسکے نتائج احیاء الارض اور ہر قسم کے جانوروں کا پھیلانا اور ہواؤں اور بادلوں کے زمین و آسمان کے مابین بلا مزد کام میں لگے ہوئے ہونے میں عقلمندوں کے لیے نشانات ہیں

حقیقی محبت کا راز بتایا جاتا مشرکوں اور مومنوں کی محبت میں امتیاز دکھایا جاتا اول الذکر غیر اللہ کو محبوب بناتا اور آخر الذکر اللہ ہی کی محبت میں فنا ہوتا ہے مشرکوں پر عذاب الٰہی کے ذریعہ خدائے قوی کی قوت کی اتمام حجت کی جاتی ہے۔ ان کی اس آخری حالت کا نقشہ دکھایا جاتا کہ کس طرح پر ان کے متبعین عذاب الٰہی کو دیکھکر ان سے الگ ہوتے اور بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور جہنم کا نقشہ کھینچ دیا جاتا ہے۔

عام مطالب اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل مطالب بیان فرمائے ہیں۔

اول خدا کی ہستی اور اس کی توحید کے دلائل دیے ہیں۔
دوم محبت الٰہی اور غیر اللہ کی محبت کرنے والوں میں امتیاز بتایا ہے۔
سوم مشرکوں کا انجام ظاہر کیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○

۲۰۳ ع ۴

ترجمہ بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں اور ان جہازوں میں جو لوگوں کے ہر قسم کے منافع کے ساتھ سمندر میں چلتے ہیں اور اس پانی میں جسکو اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے اتارا اور اس سے زمین کو بعد اس کے مرجانے کے زندہ کرتا ہے اور پھر اس زمین میں ہر قسم کے جانداروں کو پھیلایا۔ اور ہواؤں کے ادھر اُدھر پھیرنے میں اور ان بادلوں میں جو زمین و آسمان میں بلا مزد کام میں لگے ہوئے ہیں عقلمندوں کے لیے نشان ہیں۔

ان آیتوں میں اللہ کی ہستی اسکی توحید اور رحمانیت پر دلائل دیے ہیں اور یہ وہ دلائل ہیں جو نظام عالم پر غور کرنے سے ملتے ہیں یہ دلائل جیساکہ قرآن کریم کے مختلف مقامات پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے بارہ قسموں پر منقسم ہیں۔

۱- ہر ایک جاندار کے واسطے اس کی ضروریات غذا وغیرہ کا پورا پورا سامان اسکے وجود میں آنے سے پہلے ہی موجود ہونا جو شان ربوبیت اور رحمانیت کا تقاضا ہے جیسے قرآن شریف میں فرمایا ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا زمین کے تمام دواب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔

۲- ہر ایک جاندار میں اپنی اپنی غذا کی فطرتی تمیز موجود ہے۔ دیکھو ہزاروں اقسام کی زہریلی بوٹیاں بھی موجود ہیں مگر چرند و پرند آزادانہ چرتے پھرتے ہیں وہ صرف اپنی ہی غذا کو کھاتے ہیں خود انسان پانچ لائق طبیبوں کی معیت سے محفوظ کیا گیا ہے اس سے پیشتر کہ کوئی چیز اس کے حلق سے اتر کر مضر ثابت ہو قوت لامسہ۔ باصرہ۔ شامہ۔ ذائقہ۔ سامعہ اس کے مضر و مفید ہونے کا علم اسے دیدیتے ہیں یہ تمام رحمانیت الٰہی کا انتظام ہے اَلَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى اسی کیطرف اشارہ ہے۔

۳- ہر ایک جاندار میں بقائے نوع کا مادہ ہونا اور بچہ کے جننے اور پالنے کا علم ہونا۔

علیہ ہوجاتا ہے۔ اور چونکہ یہ تمام مرض پھیلا ہوا ہے کہ ہر یکے ناصح برائے دیگراں ناصح خود یافتم کم درجہاں
اسلئے اللہ تعالیٰ نے ضمناً اسکا بھی تذکرہ فرمایا کہ دوسروں کو نصیحت اور ہدایت کرنے سے پیشتر اپنی اصلاح کرو اور جو کچھ تم زبان سے
کہنا چاہتے ہو اپنے عمل سے دکھاؤ۔

بِرّ سے کیا مراد ہے خود اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ شریف میں دوسری جگہ بِرّ کی تعریف کر دی ہے اور وہ یہ ہے لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا
وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى
حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ
بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ پ ۲ سورۃ البقر رکوع
نیکی یہی تو نہیں کہ مشرق اور مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی نیکی اور عمدہ بات تو اس شخص کی ہے جس نے دل سے مانا زبان سے
اقرار کیا اور اپنے کاموں سے کر دکھایا کہ وہ اللہ کو مانتا جزا و سزا کے دن پر یقین رکھتا ہے ملایکہ اور اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب
اور سچے نبیوں پر اسکے اعتقاد لایا ہے اور باوجود کہ اسے خود حاجت و ضرورت ہے اور زندگی کا امیدوار ہے مگر اپنے مال سے رشتہ
داروں کی خبر گیری کرتا ہے اور یتیموں ۔ مسکینوں اور مسافروں سایل کی پرورش غلاموں کے آزاد کرنے میں مال کو خرچ
کرے عبادت و نمازوں کو ٹھیک درست رکھے اپنے مال سے مقرری حصے جسے زکوٰۃ کہتے ہیں ادا کرتا رہے اور نیکی تو انکی ہے جو تمام
ان بھلے معاہدوں اور اقراروں کا ایفا کریں جو انہوں نے خدا تعالیٰ سے یا اسکے کسی بندے سے باندھے باتوں میں صداقت کو کام
میں لاویں امانت میں خیانت نہ کریں افلاس میں ۔ مرض میں ۔ جنگ کی شدۃ میں تنگی میں تکلیف میں وفادار ۔ ثابت قدم مستقل
مزاج رہیں۔

غرض یہ ہے بِرّ جسکا ذکر یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ یہ بھی ایک راہ حصول انعام الٰہی کی ہے اور یہ درجہ امر بالبِرّ کا اپنی تکمیل کے
بعد شروع ہوتا ہے پہلے گیاراں ذرایع جو ہم بیان کر آئے ہیں اُن میں سے بعض کے اختیار کرنے میں اور بعض کے ترک کرنے
سے انسان خود کامل بنتا ہے لیکن قرآن کریم کا منشا انسان کو ہی کامل کرنا نہیں بلکہ وہ اسکو مکمل بھی بنانا چاہتا ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ
نے دوسروں کو مکمل بنانے کی طرز بتلائی ہے ۔ اور فرمایا کہ جب تم صلوٰۃ زکوٰۃ اور دیگر احکام الٰہی کے پابند ہو جاؤ ۔ تو چاہئے کہ دوسروں
کو بھی وہ راہ اپنے عملی نمونہ سے دکھاؤ ۔ مگر ایسا نہو کہ دوسروں کو نصیحت کرو اور اپنے آپ اور اپنے عزیز و اقربا کو چھوڑ دو ۔ اگر تم کو
یہ خیال ہو کہ گھر والے ہمارے حالات سے واقف اور بے تکلف ہیں اور اس لئے شاید وہ نہ سنیں اور توجہ نہ کریں تو یاد رکھو کہ تمہارا
یہ کام نہیں کہ تم ان کو متوجہ کرا لو ۔ اس مشکل کا علاج یہ ہے

واستعينوا بالصبر والصلوة وانها لكبيرة الا على الخاشعين ؁

کوئی سنے یا نہ سنے تم صبر و استقلال کے ساتھ نصیحت کرتے رہو اور دعائیں بھی مانگتے رہو کیونکہ یہ صبر و صلوٰۃ بڑی باتیں ہیں مگر خدا تعالیٰ
سے ڈرنے والوں کے لئے۔

صبر کیا ہے؟ نیکیوں پر دوام اور بدیوں سے بچنے پر استقلال ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں صبر سے مراد الصلوٰۃ ہی ہے ۔ ہمارے خیال میں
اگر صبر الگ ہو اور صلوٰۃ الگ تو کوئی حرج پیدا نہیں ہوتا بلکہ معانی میں ایک خوبی آتی ہے کیونکہ اس مقام پر ایک لطیف مسئلہ حل کیا گیا ہے
اور وہ رعایتِ اسباب اور ضرورتِ دعا ہے اگر ہم پورے غور سے دیکھیں تو یہ بات بڑی آسانی کے ساتھ سمجھ میں آتی ہے کہ
مشکلات کے حل کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے دو زبردست ذریعے بتلائے ہیں استعانت بالصبر اور استعانت بالصلوٰۃ
صبر کا لفظ تو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان اوّل ضروری اسباب کو بہم پہنچانے کی سعی کرے اور پھر اسباب ہی پر
نازاں نہو جاوے بلکہ بالالتزام دعا کرتا رہے ۔ کیونکہ حقیقی اور سچی کامیابی کا انحصار اسی پر موقوف ہے ۔ صبر کو اسی لئے صلوٰۃ پر مقدم کیا ہے
تاکہ اداب دعا کی حقیقت معلوم ہو۔

لا مطلوب لی ولا محبوب لی ولا معبود لی ولا مطاع لی الا اللہ

یعنی بجز اللہ کے اور کوئی میرا مطلوب اور محبوب اور معبود اور مطاع نہیں ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ معنی گناہ کی حقیقت اور گناہ کے اصل منبع سے بالکل دور پڑے ہوئے ہیں پس جو شخص ان معانی کو خلوص کے ساتھ اپنے دل میں جگہ دیگا تو لازمی طور پر بعنوم مخالف اسکے دل سے نکل جاوے گا۔ کیونکہ ضدین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ہیں پس جب نفسانی جذبات نکل گئے تو یہی وہ حالت ہے جسکو سچی پاکیزگی اور راست بازی کہتے ہیں۔

غالباً یہ ذکر بیجا نہ ہوگا اگر ہم اس رکوع کو ختم کرنے سے پیشتر پھر ناظرین کو یاد دلاویں کہ چونکہ تحویل قبلہ سے انقلاب عظیم پیدا ہونیوالا تھا اور یہودیوں اور مشرکوں کے جھوٹے خیالی پلاؤں منافقوں کے جھوٹے زہرناک اسلام اور مسلمانوں کے سچے اور مخلصانہ ایمان کو روز روشن کیطرح نمودار ہونا تھا اور کچوں اور غداروں اور پکے مستقل مزاج وفاداروں میں ایک **صریح امتیاز** ہو جانا تھا اس لیے خدا تعالے نے اس انقلاب عظیم کی تمہید رکوع نمبر ۱۳ سے **مَا نَنسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ** لکر شروع کی اور ایسے نسخ کے نظائر کا زمین و آسمان میں ہونا اور خدا تعالی کا قادر ہونا بتایا۔ پھر مخالفان اسلام کی زجر و توبیخ پھر اہلکتاب کی باہم خانہ جنگیاں اور ان کے اعمال بد کا نقشہ کھینچکر دکھایا۔ پھر جہات کے مسئلہ پر ایک روشنی ڈالی کہ سب جہات اللہ ہی کی ہیں وہ ہر طرف سنتا اور جانتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفین کے عدم تسلیم پر سوال نہ ہونے کا ذکر کر کے آپ کو تسکین دی اور بتایا کہ ہر واحد انمیں سے آپسے تب ہی خوش ہو سکتا ہے کہ آپ اُسکے ساتھ شامل ہوں پھر اہل کتاب کو مخاطب کر کے اپنے انعام یاد دلائے اور قیامت کے ہول سے ڈرایا خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی چونکہ ایک قیامت تھے اس لیے اس کے بعد ان واقعات پر روشنی ڈالی جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی یہود کو پیش آنیوالے تھے + پھر اہلکتاب کے مسلم بزرگ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔ اور ان کی دعاؤں اور کعبہ کی تعمیر کا ذکر کیا اور اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک عظیم الشان نبی کے پیدا ہونیکی دعا کا ذکر فرمایا پھر یہ قاعدہ کلی کیطور پر فرمادیا کہ سفیہ ابراہیمی ملت سے انحراف کرتے ہیں۔ اسکے بعد کل انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانیکی ہدایت فرمائی۔ اور پھر حضرت ابراہیم کے مذہب کی بابت فیصلہ دیا کہ وہ عیسائی یا یہودی نہ تھا بلکہ مسلم اور حنیف تھا۔ اور یہی نبی کریم صلعم کا مذہب ہے اس تمہید کے بعد تحویل قبلہ کا ذکر فرمایا اور اسکی بڑی وجہ یہ بتائی کہ جب کل جہات اللہ تعالے ہی کی ہیں اُس کا اختیار ہے جسے چاہے اختیار کرے۔ جسے چاہے **اختیار** کرے اس فقرہ سے تو اپنا اقتدار ظاہر کرتا ہے اور **فاستبقوا الخیرات** سے **اختیار** کی علت اور وجہ موجہ بیان فرماتا ہے کہ اس قبلہ کو خواہ نخواہ جھکے اور بیہودہ طور پر نہیں چُنا گیا بلکہ یہ برکات اور رضای الٰہی کا سرچشمہ ہے۔ پھر امت محمدیہ صلعم کو افضل بنانے کا بھی اسے اختیار ہے اسمیں بھی یہی سر ہے کہ خدا جانتا ہے کہ اس قوم سے خدا کا جلال اور سچی توحید کا اظہار ہوگا۔ جیسے یہ امت افضل ہے اسی طرح قبلہ بھی ابتدای آفرینش سے خدا کا گھر کہلاتا ہے + پھر تحویل قبلہ کے اغراض میں سے مومنوں اور منافقوں میں امتیاز بتایا + اسی طرح پر مسلمانوں کو تسلی دینے ہوی اہل کتاب کے کتمان حق کیوجہ سے نعمت الٰہی کے نیچے آنیکا ذکر فرمایا + اور مصائب و مشکلات میں اطمینان اور سکینت کے حصول اور کامیابیوں کیلیے ایک گُر اور اصول بتایا کہ صبر اور صلٰوۃ کے ساتھ خدا کی اعانت چاہو۔ اسکے بعد صبر کے فوائد کو ایک مسلمہ اور زندہ یادگار کے ذریعہ سے ذہن نشین کیا اور ابراہیم حنیف اور مجدد دین ابراہیم نبی کریم صلعم کے مذہب کا خلاصہ **لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ** لکھکر پھر اسکو ختم کر دیا۔ اب آگے اللہ تعالے اپنی اس ہستی کے دعوے پر دلائل پیش کرتا ہے۔

ع ۱۹ ۳

ملا کر مشتبہ کردو۔ محرومی کے اسباب میں سے یہ بھی بڑا عظیم الشان سبب ہے کہ کھرے کھوٹے کو باہم ملتبس کردیا جاوے حق و باطل کو باہم ملانے کا نتیجہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ قوت تمیزہ سلب ہوجاتی ہے اور کانشنس مسخ ہوجاتا ہے پس منعم علیہ بننے والے کو چاہئے کہ اپنے نور فکر اور قوت فیصلہ سے کام لے۔

آٹھواں ذریعہ جو سلسلہ ترک فعل کا آخری ذریعہ ہے یہ ہے وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (پہلے نوشتوں کی غلط تاویلوں اور مشتبہ بیانوں سے اس الحق کے چھپا دینے کے پیچھے نہ لگو جبکہ تم کو بخوبی معلوم ہے یا تم عالم فاضل ہو اور جانتے ہو) کتمان حق سے انسان کا دل سیاہ ہوجاتا ہے اور گناہ کا زنگ اسے کہا جاتا ہے جیسے فرمایا لَا تَکْتُمُوا الشَّہَادَۃَ وَمَنْ یَّکْتُمْہَا فَاِنَّہٗ اٰثِمٌ قَلْبُہٗ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ (کیا معنے کہ شہادۃ حقہ کو نہ چھپاؤ جو اس کو چھپاتا ہے اسکا دل گناہ آلود ہوجاتا ہے چھپانے سے فائدہ ہی کیا؟ اللہ تو تمہاری کرتوتوں سے باخبر ہے)۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اس لئے فرمایا کہ تم جانتے ہو کتمان شہادۃ حقہ کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور التباس حق و باطل کا ثمرہ کیا ہے؟
اور یہ بھی کہ تم کو بخوبی معلوم ہے کہ وعدہ کے موافق ایک نبی ضرور آنے والا ہے اور تم اس نبی کی علامات کو خوب جانتے ہو۔

نواں ذریعہ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (نمازوں کو ٹھیک ٹھیک درست رکھو) کیونکہ [illegible] کا حق یہی ہے اور نماز ہی دعاؤں کا بہترین ذریعہ ہے نماز کیا ہے؟ رضاء الٰہی حاصل کرنے کی ایک طرز ہے اس میں تعظیم لامر اللہ کی ہدایت فرمائی۔

دسواں ذریعہ تعظیم لامر اللہ تو کرتے ہو مگر تعظیم لامر الٰہی سے ہی انسان کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ مخلوق الٰہی پر شفقت اور احسان نہ ہو پس فرمایا وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور زکوۃ بھی دیا کرو کیونکہ یہ دل کو اور مال کو پاکیزہ کرتی ہے۔

مگر

یاد رکھو کہ نمازوں کے پڑھ لینے اور زکوتوں کے دینے ہی پر نازاں اور مغرور نہ ہونا ابھی کمال حاصل کرنے کے لئے ایک امر باقی ہے جو تم کو منعم علیہ بنا دیگی اور وہ منعم علیہ ہونے کا گیارھواں ذریعہ ہے وہ کیا؟

گیارھواں ذریعہ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ

اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ یعنے خدا کے حضور میں جھک جانے والی جماعتوں کے ساتھ تم بھی جھک کر اپنی پیٹھوں کو خم کردو۔ اس جماعت کے ساتھ مل جاؤ اور اکڑ بازی و تکبر کو ترک کردو رکوع کے معنی جھکنے اور عاجزی وخاکساری کے ہیں یعنے جو لوگ ہماری درگاہ میں عاجزی اور خاکساری کرتے ہیں تم بھی ان میں مل جاؤ ان کو حقیر اور عاجز نہ سمجھو یہاں سے نماز باجماعت پڑھنے کا سبق لو۔ اور اتحاد عامہ اور نیک لوگوں سے محبت کے مسئلے پر غور کرو۔

وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ کیوں کہا اولاً عرب لوگ جز بول کر کل سے یہی مراد لیا کرتے ہیں پس رکوع سے جز نماز اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری مراد ہے۔
ثانیاً نماز کو کبھی اقیموا، واسجدوا بھی کہا ہے یہاں ارکعوا کہدیا۔
ثالثاً یہود کی نماز میں صرف رکوع ہی ہوتا ہے۔

بارھواں ذریعہ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ط

بھلا تم دوسرے لوگوں کو ایسی حالت میں کسی نیک طریق پر چلنے کے لئے کیسے امر کرتے ہو جب کہ خود تمہارا یہ حال ہے کہ تم اس نیکی کے طریق کے پابند نہیں ہوتے۔ اور اپنے آپ کو اس پر عمل کرنے سے غفلت میں ڈالتے جاتے ہو حالانکہ تم ساتھ ساتھ کتاب بھی پڑھتے جاتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں کہ کوئی نیکی دنیا میں اس طرح نہیں پھیلا کرتی؟

جیسا کہ ترتیب کلام سے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان اسباب کا ذکر فرماتا ہے جو منعم علیہ بنا دیتے ہیں اور جن کے ترک سے انسان مغضوب

وہ اُگاتی ہے اور انسانی ضروریات کے بہت بڑے حصہ کا اسمیں سے پیدا ہونا ۔ غرض ہمارا ایمان ہے کہ علم طبقات الارض کی جسقدر چھان بین ہوگی اور جتنی ترقیاں اسمیں کی جائینگی اُسیقدر قرآن کریم کی بلند عظمت کا پتہ لگتا جائے گا ۔ مجھے حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب سلمہ ربہ صاحب کا یہ قول بہت ہی عزیز اور گرانقدر معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے بار ہا فرمایا اور شاید تھوڑے ہوں گے جنھوں نے اس سے پورا لطف اُٹھایا ہو کہ وہ ”ہمارا ایمان ہے جسقدر علوم جدیدہ اور سائینس کی ترقی ہوگی اُسیقدر اسلام کی صداقت اور عظمت کی شعاعیں بھی اب زور شور سے ظاہر ہوں گی وہ لوگ جنھوں نے علوم جدیدہ کی تحقیقات کو سنکر اضطراب ظاہر کر دیا ہے وہ درحقیقت نہ علوم جدیدہ کے ماہر ہیں اور نہ اسرار قرآن سے لطف اُٹھانے والے ہیں“ اصل بات یہ ہے کہ جب حقائق ثابتہ طبعیہ ثابت ہوں گے تو حقائق روحانیہ اور الٰہی صداقتیں بھی ظاہر ہوں گی اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مہدی مسیح کے زمانہ یعنی احمد کے ظہور کیوقت لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کا زمانہ ہوگا ۔ اور وہ وقت خدا کے فضل سے آگیا ہے :-

مختصر یہ کہ آسمان اور زمین کی پیدایش میں بے شک نشان ہیں کیونکہ دونوں میں کسقدر مختلط القویٰ اشیا موجود ہیں اور پھر انمیں کیسا باہمی تعلق ہے انسان اور دوسرے جانوروں کو کسقدر وقتاً فوقتاً ضرورتوں کا سامنا ہوتا ہے اور پھر کسقدر سامان ان کی ضرورتوں کے علاوہ راحت کا موجود ہے یہ خدا ہی کی الوہیت اور رحمانیت کی وجہ سے نہیں تو کیوں ہے ؟ سوچو تو سہی ۔

دوسرا نشان رات دن کے اختلاف میں زمین و آسمان کے تعلقات سے ایک اور چیز پیدا ہوتی ہے جسکو رات دن کہتے ہیں انمیں اختلاف دو قسم کا ہوتا ہے اول طول بلد کے لحاظ سے مشرق و مغرب میں اور دوسرے عرض بلد کے لحاظ سے شمال و جنوب میں جبکہ کبھی راتیں زیادہ اور دن کم اور کبھی دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہیں ۔ اس اختلاف کے اثر سے تبادلہ فصول کا ہوتا ہے ۔ یعنی کبھی سردی کبھی گرمی ۔ کبھی برسات کبھی بہار آتی ہے اور ان مختلف فصول کی وجہ سے انسانی ضرورتیں بڑھتی ہیں پھر کسطرح پر انکا سامان خدا کی رحمانیت نے پیدا کیا ۔ یہ دلیل رحمانیت پر نہیں تو کیا ہے ۔ ؟ ۔

تیسرا نشان جہازوں میں جب تبادلہ فصول سے انسانی ضرورتیں بڑھیں تو ضرورت پڑی کہ تبادلہ خیالات اور تبادلہ اشیا کے سامان ہوں اور باینہمہ زخار اور مواج سمندر درمیان حائل ہیں اللہ تعالیٰ نے جہاز سازی اور جہاز رانی کی قوت انسان میں ودیعت کی اس رحمت کے وسیلہ سے دیکھو کس طرح سرد ملکوں کی اشیا گرم ملکوں میں اور گرم ملکوں کی اشیا سرد ملکوں میں پہنچائی جاتی ہیں ۔

۵-۲ رکوع ۴۴

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اسپر استدلالی لطیفہ کہتے ہیں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بغداد میں کچھ دہریے تھے وہ ایک دن امام صاحب کے پاس خدا تعالےٰ کی ہستی پر بحث کرنے کے لیے آئے ۔ امام صاحب نے انکو دیکھکر ایک عجیب متفکر صورت بنالی ۔ اُنھوں نے کہا کہ حضرت ہم تو آپ سے پوچھنے آئے ہیں اور آپ یوں سرگردان بیٹھے ہیں امام صاحب نے کہا کیا کہوں ایک حیرت سی ہو رہی ہے ۔ بغداد میں مختلف المذاق کے لوگ موجود ہیں اُنکی ضرورتیں مختلف ہیں اور وہ سب اشیاء ضروریہ یہاں پیدا بھی نہیں ہوتی ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ سب کچھ یہاں بندر پر مختلف ملکوں سے یوں ہی خود بخود چلا آتا ہے اُن دہریوں نے کہا کہ حضرت ! آپ کس خیال میں ہیں تاجر موجود ہیں ناخدا موجود ہیں کشتیاں موجود ہیں ان کے ذریعہ سارا سامان چلا آتا ہے امام صاحب نے فرمایا کہ پھر تعجب کی بات ہے کہ نظام عالم کے لیے کوئی منتظم نہو اور بغداد کے انتظام کے لیے تو کشتیاں اور ناخدا بھی ہوں اسپر دہریے لاجواب ہو گئے ۔

غرض

یہ جہاز اور انکا سیال رقیق پانیوں پر چلنا اور اطراف عالم میں دنیا کی ضرورتوں کے سامانوں کا مہیا کرنا بجائے خود خدا کی ہستی اور اسکی رحمانیت کی دلیل ہے ۔

چوتھا نشان بارش میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ پانی جو بادلوں سے آتا ہے اور مردہ یعنی غیر آباد اور ویران زمینوں کو سیراب اور آباد کرتا ہے اسمیں بھی خدا تعالےٰ کی ہستی اور رحمانیت کے نشان ہیں ۔

رکوع ٦

بنی اسرائیل کی قوم کو خدا ان پر شریعت نازل ہونے کا وقت یاد دلاتا۔ آنے والے عذاب کے دن سے اُن کو ڈرایا جاتا۔ فرعون کی طرف سے مصیبت کا زمانہ بنی اسرائیل پر۔ماؤں کے سامنے بیٹوں کا قتل۔ خدا کی طرف سے نجات کا سامان۔ فرعونیوں کا غرق ہونا۔ بنی اسرائیل کا موسیٰ کی تربیت کے نیچے آنا۔ بنی اسرائیل کی قوم کا سرکشی اختیار کرنا۔ بار بار خطا کار ٹھہرنا۔ موسیٰ کا سمجھانا۔ ہر بار خدا کی طرف سے معافی کا آنا۔ نتیجہ یہ کہ بنی اسرائیل ایک سخت ضدی اور جھگڑالو قوم ہے اور اس قوم میں خدا کی نافرمانی کرنے والے اکثر ہوتے ہیں۔

عام نظر اس رکوع میں اللہ تعالےٰ نے پھر بنی اسرائیل ایک منعم علیہ گر اپنی بدکاریوں اور خطا کاریوں سے آخر مغضوب علیہ ہونے والی قوم کا ذکر فرمایا ہے اور بعض خاص انعامات کو جو اسپر کئے تھے انکو یاد دلایا ہے اور ان امور کا تذکرہ کیا ہے جن کو اختیار کرکے یہ قوم مغضوب علیہ بنی۔ اور ان کی آنے والی حالت کی پیشگوئی فرمائی ہے۔ اس طرح پر مندرجہ ذیل امور ہیں جو اس رکوع میں مولا کریم نے بیان فرمائے ہیں۔

اوّل۔ اس امر کی طرف ایما فرمایا کہ انعام الٰہی کا تذکرہ انسان کو مصیبت کی گھڑی سے بچا لیتا ہے کیونکہ انعامات کے ذکر سے محبت بڑھتی ہے۔ انعامات الٰہیہ کے ذکر سے جب محبت بڑھی تو انسان اطاعت اختیار کریگا اور یوں گناہوں سے رُک سکیگا حاصل کریگا۔

دوم۔ بنی اسرائیل پر اس آنے والے وقت کی پیشگوئی فرمائی ہے جبکہ وہ دنیا میں ذلیل وخوار ہوکر دربدر ہوجائیں گے اور کوئی اُنکی مدد نہ کرے گا گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور یہود کی نافرمانی پر دوسری تباہی کی طرف معناً بحث فرمائی۔

سوم۔ قیامت کی ہولناک گھڑی پر بنی اسرائیل کی اس حالت کو بطور دلیل پیش کردیا ہے۔

چہارم۔ گناہوں سے بچنے کا ایک اور طریق بتلایا کہ انسان اس نظارہ قدرت سے جو ہے کہ مصیبت کا شریک کوئی نہیں ہوتا۔

پنجم۔ پھر اپنے انعامات کا تذکرہ کرکے اور فرعون کی غلامی کی تلخیوں اور مصیبتوں کو یاد کرکے دلاکر بنی اسرائیل کو اور ہر ایک پڑھنے والے کو گناہوں سے بچنے کے طریق کی طرف رہبری فرمائی۔

ششم۔ یہاں مغضوب علیہ ہونے کا پہلا سبب بتلایا کہ انھوں نے باوجود اس قدر انعامات الٰہیہ کے ناشکرگزاری کی اور گوسالہ پرستی اختیار کی۔

ہفتم۔ دوسرا سبب مغضوب علیہ ہونے کا جو اس پہلے سبب پر متفرع ہوا یہ ہوگیا کہ انھوں نے اللہ تعالےٰ کے حضور شوخی اور جسارت کی۔ اور لن نؤمن لك حتى نرى الله جهرة کہہ اٹھے۔

ہشتم۔ تیسرا سبب مغضوب علیہ ہونے کا یہ بیان فرمایا کہ انھوں نے استغفار سے مونہہ پھیرا۔

نہم۔ چوتھا سبب ان کے مغضوب ہونے کا انکا فسق تھا۔

دہم۔ انعامات الٰہیہ کا ذکر مقدم کرکے اس راز کو حل کیا کہ ابتداءً ہر ایک وجود پر انعامات ہی ہوتے ہیں کیونکہ سورۃ الحمد میں ربوبیت اور رحمانیت کو علی الترتیب رحیمیت اور مالکیت یوم الدین پر مقدم کیا ہے جن دونوں صفتوں میں انسانی اعمال اور افعال کا بھی تعلق ہے۔ اور اس نکتہ معرفت پر انسان کو پہونچایا جاتا ہے کہ سبقت رحمتی غضبی صحیح بات ہے

۴۔ فصلوار ابر موسم اور فصل کے لحاظ سے غذاؤں کا جدید ذخیرہ طیار ہونا
۵۔ ہر جاندار کو اپنے طریق بود و باش کا علم ہونا اور اپنے مکان کو پہچاننا۔
۶۔ تمام اشیا کا اپنے خواص میں مستقل رہنا۔
۷۔ تمام جانداروں کو ان کے مناسب حال اعضا و جوارح کا عطا ہونا۔
۸۔ تمام مخلوقات کا ایک دوسرے سے اعضائے جسم کی طرح باہم تعلق و ارتباط رکھنا
۹۔ نظام شمسی اور سماوی میں ایک انتظام کا پایا جانا۔
۱۰۔ ہر ایک نباتات اور حیوان کے اندر غذا کے مناسب تقسیم ہونے کا پورا پورا انتظام۔
۱۱۔ ہر ایک حیوان کو فطرتاً یہ علم ہونا کہ تمام اشیا اپنے خواص پر ہمیشہ کے واسطے قائم ہیں۔
۱۲۔ تمام حیوانوں کی زبانوں۔ رنگتوں اور خط و خال کا اختلاف۔

غرض

نظام عالم پر نظر کرنے کے بعد خدا تعالے کی ہستی کے دلائل مندرجہ بالا بارہ اقسام پر منقسم ثابت ہوں گے۔ اسوقت ہم متوقع نہیں دیکھتے کہ ان سب پر مبسوط بحث کریں بلکہ اپنے اپنے مقام پر انکا ذکر کریں گے۔ یہاں صرف اوپر کی آیت میں جو کچھ حقائق ہیں اُنکا بیان کرنا ضروری ہے

پہلا نشان آسمان و زمین کی پیدایش میں

آسمان کی بناوٹ میں بڑے بڑے نشان ہیں اول ہر ایک قسم کی روشنی اور نور آسمان سے ہی آتا ہے پہلی روشنی ستاروں کی ہے۔ ستاروں سے جنگلوں اور سمندروں میں راستہ کا پتہ ملتا ہے اور علوم ہیئت سے بیش قرار فوائد انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔
دوسرا نور آسمان کا چاند ہے چاند سے نباتات کی بالیدگی پر خاص قسم کا اثر ہوتا ہے اور اندھیری رات میں اس روشنی سے جو فائدہ ہے وہ ظاہر ہے۔
تیسرا نور سورج کا ہے۔ سورج کی شعاعوں سے سارے رنگ پیدا ہوتے ہیں اور علم الشعاع کے کرشمے جسقدر آئے دن ظاہر ہوتے ہیں اُسیقدر خدا تعالے کی ہستی پر دلائل کا ذخیرہ بڑھتا جاتا ہے۔ شعاعوں کے ذریعہ تمام فصلیں پکتی ہیں۔ اور بہت سی انسانی بیماریوں کا علاج شعاعوں سے نکالا گیا ہے۔ علم الشعاع ایک بیش قیمت سائینس اسوقت ثابت ہوا ہے۔ ان نوروں کے ماسوا اور نور بھی ہیں جنکی اصل اور جڑ آسمان ہی ہے ان میں سے ایک وجدان کا نور ہے ایک عقل کا نور ہے پھر شریعت کا نور ہے یہ سب نور بھی آسمان ہی سے نازل ہوتے ہیں جنپر عمل درآمد کرنے سے انسان قرب الٰہی کو حاصل کرتا ہے اور قرب الٰہی کے بعد مکالمہ الٰہیہ کا شرف اسے ملتا ہے جو باریتعالیٰ کی ہستی پر انسانی یقین کو عین الیقین کے درجہ پر پہنچا دیتا ہے۔

ع ۴ ۲۰

ان انوار سے ایک تمیز اور راحت حاصل کرتا ہے۔ جبکہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ اشیا خود بخود تو ایسی ہو نہیں سکتیں کیونکہ ان کا ایسا انتظام کہ ہر ایک جرم اپنے اپنے وقت پر نکلتا ہے اور چھپتا ہے اور جو کام اُس کے سپرد ہے اُسے پورے طور پر سرانجام دیتا ہے۔ چنانچہ اس دقیق علم کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ ترجمہ: نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات میں یہ قدرت کہ دن سے آگے نکل جاوے اور سب کے سب اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں۔ غرض یہ ایسی مضبوط سنتہ الٰہیہ ہے کہ انسانی عقل کو بجز اقرار کرنے کے کہ کسی مدبر بالارادہ ہستی کے حکم کے نیچے ہے چارہ نہیں رہتا۔ ورنہ ضرور تھا کہ اس نظام میں خطرناک خلل راہ پاتا۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا خالق ایک ہی ہے کیونکہ اگر ایک سے زیادہ ہوتے تو ضرور تھا کہ فساد راہ پاتا جیسا کہ خود اُس نے فرمایا ہے

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا

اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتے تو بیشک زمین و آسمان کا تار و پود اُدھڑ جاتا۔

اسی طرح زمین کی بناوٹ میں بہت سے نشان ہیں۔ زمین کی موجودہ حالت اُسکی حرکت۔ اسمیں ایسے خواص کا موجود ہونا کہ قسم قسم کی روئیدگیاں

انها لکبیرۃ — یعنے دونو چیزیں صبر اور صلوۃ بہت بڑے فواید پہنچانے والی چیزیں ہیں مگر ان لوگوں کے لئے اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ خداتعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے اور وہ کون ہوتے ہیں؟

اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ

جو یقین رکھتے ہیں کہ خداتعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے اور یقیناً یقیناً اسکی طرف جانا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب ظن کے بعد اِنَّ آوے تو اسکے معنے یقین کے ہوتے ہیں پس یاد رکھو خشیت الٰہی کے پیدا ہونے کا مجرب اور خطا نہ کرنے والا نسخہ یہی ہے کہ انسان اسبات پر ایمان رکھے کہ آخر خداتعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اور یہ نسخہ مرض گناہ کے لئے بھی مجرب اور سریع الاثر ہے۔

مولا کریم ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اس درجہ کو حاصل کریں

آمین

ہمارے پڑھنے والے ان سے ناواقف نہیں اسلیے اسپر زیادہ بحث نہیں کرتے۔

چھٹا ساتواں نشان تصریف الریاح والسحاب المسخر

ہواؤں اور بادلوں کے جو زمین و آسمان کے مابین بلا مزد کام میں لگے ہوئے ہیں ادھر اُدھر پھیرنے میں بھی خدا کی الوہیت اور رحمانیت کے نشان ہیں کیونکہ کہیں کوئی حیوانات و نباتات کی زندگی کا باعث ہے جیسے آکسیجن جو تمام ذی حیات کی زندگی کا موجب اور کاربن جو نباتات کی مایہ حیات ہے اور خون کے صاف کرنے اور گھسے پسے اجزا کے نکالنے میں معاون و مددگار۔ کہیں جہازوں اور کشتیوں کے لیجانے میں مفت کے مزدور کہیں بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجائیں کہیں ضرورت کے موافق ذرات کو جمع کردیں۔ کہیں صفائی میں مدد دیں۔

یہ پھیرنا دو قسم کا ہوتا ہے ایک ظاہری طور پر اور وہ یہ ہے کہ ہواؤں اور بادلوں کو ایک جہت سے دوسری جہت کیطرف اور ایک مقام سے دوسرے مقام کیطرف پھیرا جاوے دوسری قسم پھیرنیکی باطنی طور پر ہے اور وہ یہ ہے کہ ہواؤں اور بادلوں میں ایک کیفیت تریاقی یا سمّی پیدا کردیجاوے تاکہ موجب امن و آسایش خلق ہوں یا امراض و بائیہ کا موجب ہوں اور ان دونوں قسموں کے پھیرنے میں انسان کا دخل نہیں ہے اور انسانی طاقت سے باہر ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مدبر بالارادہ ہستی ضرور ہے خصوصًا جب ہم دیکھتے کہ ایک مامور مرسل کیخاطر اور اُسکے اثبات دعاوی کیلیے اچھی ہواؤنکو بُری سے تبدیل کیا جاتا اور عمدًا اور قصدًا طاعون اور رجز کی شکل میں بدلایا جاتا۔ اُنکو اُن کے بداثر سے محفوظ رکھا جاتا اور اُن کے مخالفوں کو ہلاک کیا جاتا ہے اس سے ہمیں صاف اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس کارخانہ کا باتمیز نظام ایک مدبر بالارادہ طاقت کے ہاتھ میں ہے۔

اور تصریف الریاح میں اسبات کیطرف بھی اشارہ ہے کہ درختوں میں جو نر و مادہ ہوتے ہیں انمیں نر کے پھول مادہ پر لیجا کر ہوائیں ہی گراتی ہیں بوٹونی (علم نباتات) کا یہ مسئلہ کہ درختوں میں نر و مادہ ہوتے ہیں گو آجکل کی تحقیقات دانوں نے اپنے خیال میں نیا پیدا کیا ہے مگر قرآن کریم تیرہ سو برس پیشتر اسکو بیان کرچکا ہے وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ یعنی ہمنے تلقیح کرنیوالی ہواؤنکو بھیجا اور تلقیح کے قائمقام آجکل درست لفظ ہکیسنیشن ہے یعنی ایک مادہ کو دوسرے جسم میں پہنچانا۔ غرض ان امور متذکرہ بالا میں خدا کی ہستی اُسکی یکتائی اور کامل صفات کے نشان ہیں مگر صرف اُس قوم کیواسطے جو عقل سلیم رکھتی ہو۔

ع ۲۰ / ۴

یہاں بطور کلام کلی کے اس امر کا تذکرہ بالکل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے ان دلائل کو کسطرح پیش کیا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اول قرآن کریم اپنے اثبات مطالب کیلیے استدلال بالاولی سے کام لیتا ہے جو بالکل یقینی اور فطرت کے مناسب حال ہے۔ پہلے اُسنے ان آیات میں یہ بتایا کہ تمام اشیا انسان کے لیے بطور خادم کے ہیں تو اب یہ بات بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگئی کہ جب یہ انسان کے مساوی بھی نہیں اور مخدوم بھی نہیں تو معبود ہونا تو بہت بڑی بات ہے۔ بس خدا وہی خدا ہوسکتا ہے جس نے اس قسم کی اشیا بلا مزد انسان کی خدمت میں لگا رکھے ہیں۔ اس سے اجرام پرستی بلکہ مخلوق پرستی کی جڑ کاٹ دی۔

دوم۔ یہ انعامات و احسانات ہیں جو حق سبحانہ و تعالےٰ نے انسان پر کیے ہیں اور یہ بھی بات ہے کہ اس قسم کے تذکرہ سے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہوتی ہے اور قرب بڑھتا ہے یہانتک کہ مکالمہ الٰہیہ کا شرف بھی دیا جاتا ہے جس سے عینی ثبوت باری تعالیٰ کی ہستی کا ملجاتا ہے کہ احسانات الٰہی پر غور کرنے سے محبت میں ترقی ہوتی ہے اور باینہمہ جبکہ یہ واضح امر ہے یہ ثابت ہوگیا کہ **خدا ایک ہے** تو کس قدر ضروری ہوگا کہ اُسے اپنی محبت کے رو سے بھی واحد لا شریک ٹھیرایا جاوے۔ اس ضرورت کی بنا پر خدا تعالیٰ ان لوگوں کا تذکرہ فرماتا ہے جو اس پہلو سے بھی شرک کرتے ہیں چنانچہ فرمایا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ

ترجمہ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا شریکوں کو اختیار کرتے ہیں اور اُنسے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیے۔ اور مومن تو سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اگر ظالم لوگ سمجھیں آجاتا جیسا کہ عذاب الٰہی دیکھنے کے وقت آجائیگا کہ ساری قوت اللہ کو ہے اور اللہ

خلاف ورزی قانون صحت کی وجہ سے بیمار ہو جاتا ہے پھر کوئی دوسرا اس کی بیماری کی تکلیف سے حصہ نہیں لے سکتا۔ اسوقت نہ کوئی فدیہ کام آسکتا ہے نہ سپارش کام دیتی ہے جو اپنے دکھ کی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔

مردہ پرست عیسائیوں نے یہ ایک خیالی عقیدہ قرار دیا ہے کہ کوئی آدمی کبھی نیکی کر ہی نہیں سکتا اپنی خطاکاریوں اور بد اعمالیوں کو پوشیدہ رکھنے اور ان کے لئے اپنی مجبوری کا عذر تراشنے کے واسطے دراصل یہ عقیدہ بنایا گیا ہے اور اس کی بنا پر کفارہ کا نامعقول اور انسانی قویٰ کی بے حرمتی کرنے والا عقیدہ تیار کر لیا ہے۔ مگر ہم صرف یہاں اتنا کہنے کی ضرورت سمجھتے ہیں کہ قانون قدرت میں اللہ تعالےٰ کے ہر حکم کی نظیر موجود ہوتی ہے۔ اب اگر نجات کفارہ ہی پر موقوف تھی تو یہ ضروری مسئلہ قانون قدرت میں بھی اپنی کوئی نظیر رکھتا حالانکہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ باوجود اسکے کہ بقول عیسائیاں گناہ کی مزدوری موت ہے اور عورت کو گناہ کی سزا دردزہ ملی ہے ہم نے کبھی کسی عیسائی کو نہیں دیکھا کہ وہ مرنے سے بچ رہا ہو یا کم از کم کسی خدا کے برتنے پر اپنے گناہ لاد دینے والی عیسائن کو دردزہ نہ ہوا ہو: یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا اصل بات جو اس مقام پر ہم کفارہ کے متعلق کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر کفارہ نجات کے لئے ایک فطرتی اور خدا کا قرار دادہ علاج ہے تو کوئی عیسائی صاحب ہم کو بتلا سکتے ہیں کہ اُن کی بیوی کو دردزہ ہوا ہو یا اور کسی قسم کا دکھ پہنچا ہو تو انھوں نے اس دکھ درد کو اٹھا لیا ہے۔ یا ایک مجرم جس کو عدالت سے پھانسی کی سزا کا فتویٰ ملا ہو اس کی بجائے کسی دوسرے نے اپنے آپ کو پیش کیا ہو کہ اس کو چھوڑ دیا جائے اور مجھے پھانسی دی جائے اور پھر عدالت نے ایسے دانشمند اور حلیم دل کو پھانسی دیکر اپنا انصاف قائم رکھا ہو۔!!!

سوچو! سوچو!! سوچو!!!

غرض کفارہ کے مسئلہ پر کوئی نظیر قانون قدرت اور ہمارے مشاہدہ اور عرف میں موجود نہیں۔ پھر کیسی غلطی ہے کہ انسانی نجات کا مدار ایک ایسی موہوم بات پر قرار دیا جائے جو عقل اور نقل صحیح کے رو سے ثابت ہی نہیں۔ کیا عیسائی غور کرینگے؟

اب ہم پھر اصل مضمون کی طرف رجوع کرکے کہتے ہیں کہ جیسے کوئی شخص کسی دوسرے مریض کی بیماری یا دکھ کو یہاں نہیں اٹھا سکتا۔ پھر قیامت میں کیونکر اٹھا سکے گا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے انسان کو گناہوں سے بچنے کے لئے یہی ایک قانون بتلایا ہے کہ اگر وہ یوم آخرۃ پر ایمان رکھے اور اس بات کو مدنظر رکھے کہ

گندم از گندم بروید جو ز جو   از مکافات عمل غافل مشو

تو وہ گناہوں سے بچ سکے گا۔ اور سکھ پائے گا۔

شفاعت   شفاعت کے مسئلہ پر بعض احمقوں نے اعتراض کیا ہے کہ شفاعت نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ وہ نادان جب کہ صاف طور پر دیکھتے ہیں کہ قانون قدرت میں اس کی نظیریں موجود ہیں تو پھر انکار کے کیا معنے؟ شفاعت اصل میں عذاب .... سے بچنے کے اسباب میں سے ایک سبب اسی طرح پر ہے جیسے بعض امراض سے بچ جانے کے لئے بعض دواؤں کا استعمال۔

شفاعت چار قسم کی ہوتی ہے ایک بالوجاہتہ۔ ایک بڑا آدمی اپنی وجاہت اور عظمت کی وجہ سے ایک بات کہدیتا ہے تو دوسرے کو ماننی پڑتی ہے۔ دوسری سپارش بالمحبت ہے۔ اپنا دل ماننے کے لئے نہیں چاہتا مگر محبوب کی خاطر ماننی پڑے۔ تیسری سپارش بسبب جہالت کے ہوتی ہے جیسے کسی کو نوکر کی ضرورت ہوتی ہو کسی نے کہدیا کہ یہ شخص رکھ لو اس نے رکھ لیا۔ چوتھی سپارش بالاذن ہوتی ہے۔ جیسے کسی حاکم نے کسی کو سزا کا حکم دیا۔ مگر حاکم کا منشا ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے۔ اور اس چھوڑنے میں وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ کسی معزز کی عزت بڑھائی جائے۔ پس حاضران دربار اور مقربان بارگاہ مقدس سے ایک ارادہ اور منشاء کو پاکر اس ملزم کی سپارش کردے اور یہ سپارش وہ منظور کرلے تو یہ سپارش بالاذن

زمین میں تین قسم کے تغیرات آتے ہیں اول وہ جو افعال انسانی کے سبب سے ہوتے ہیں مثلاً بول و براز۔ اگر یہ سب کا سب یکجا جمع رہتا تو یقیناً اس سے بڑے بڑے پہاڑ بنجاتے اور سمندر بہ نکلتے۔ اور کسقدر دُکھ و تکلیف انسان و حیوان بلکہ نباتات کو پہونچتی مگر دیکھو کہ اسی بول و براز کو زمین گل کر کیسی صاف کردیتی ہے اسی کی کھاد بنجاتی ہے اور زمین کی بالیدگیوں کو ایک عظیم الشان فائدہ پہنچتا ہے اور نباتات اس سے نشو و نما پاتے ہیں پھر دوسرا تغیر زمین پر آسمانی اسباب سے ہوتا ہے بارش آتی ہے اور زمین پر ایک دریا بہ نکلتا ہے اگر یہ ساریکا سارا پانی جمع رہتا تو ساری زمین کو غرق کردیتا۔ مگر یہ بارش نباتات کی سیرابی اور شادابی کا موجب ہوتی ہے اور جو پانی بچکر سمندر میں چلاگیا وہ پھر سورج کی تابش سے بخارات بنکر اڑا اور بارش کا سامان بنا۔

تیسری قسم تغیرات کی وہ ہے جو زمینی و آسمانی اسباب کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے جیسے کوہ آتش خیز وغیرہ۔

احیاء الارض بعد موتہا حیات دو قسم کی ہوتی ہے ایک جسمانی اور دنیوی اور دوسری روحانی اور اُخروی اگر پہلی قسم کی حیات کے حصول کے سامان جسمانی چیزوں میں موجود ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ روح میں اُخروی زندگی کی روح اور مواد بھی ضرور ہیں۔ پس یہاں بارش سے دونوں قسم کی بارش مراد ہے اور قرآن کریم نے رسالت اور نبوت اور الہام کی بحث جب کی ہے تو اسکی مثال بارش ہی سے دی ہے کیونکہ نزول بارش سے مردہ زمین کو از سر نو زندہ کیا جاتا ہے اور طرح طرح کے میوے اس سے پیدا کیے جاتے ہیں اسیطرح جب لوگ روحانی طور پر مرجاتے ہیں اور سختی اپنے انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو وحی الٰہی کی بارش انکو زندہ کرتی ہے + اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جیسے بارش ضرورت کے وقت پر ہوتی ہے وحی الٰہی جو دوسروں کی ہدایت اور روشنی کی موجب ہوتی ہے عین ضرورت کے وقت پر ضرور نازل ہوتی ہے + پس جب کبھی زمین پر ضلالت اور گمراہی کا طوفان آرہا ہو۔ اور حق پرستی اور ہدایت کا نام و نشان مٹ گیا ہو اُس وقت اُٹھو اور انتظار کرو کہ ضرور ہے کہ وحی الٰہی کی بارش بھی اپنی رحمت کی بہار دکھائے

پس

ع ۲۰۶

حیات جسمانی کے لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ الآیہ یعنی جو اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی اُتارا اور اُس سے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ اور ہمنے بادلوں سے برکت والا پانی اُتارا اور پھر اُگائے ہمنے اُسکے ساتھ باغ

دوسری حیات روحانی کے متعلق فرمایا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ اور مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ یعنی مومنو! اللہ اور اُسکے رسول کی بات سنو جبکہ وہ تمھیں اس امر کیطرف بلاتا ہے جو تمھیں زندگی بخشے + اور جو کوئی نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو ہم انکو پاکیزہ زندگی عطا فرمادیں گے اور اُن کے اچھے کاموں کے عوض میں انھیں جزا دینگے۔ درحقیقت اس حیات سے دونوں قسم کی حیات مراد ہے۔

احیاءِ موتٰی پر نظر اس آیت اور اسکی تائید میں بیان کی ہوئی آیتوں سے احیاء مُردہ کی حقیقت صاف طور پر معلوم ہوجاتی ہے۔ کفار کا احیا کیسا ہوتا ہے اور نبی کا احیا کیسا؟ جو لوگ مسیح کے احیاء موتی والے معجزات پر غور نہ کرنے کیوجہ سے کچھ کا کچھ سمجھ لیتے ہیں وہ اس مقام پر ذرا غور کریں۔ تو انکو اسکی حقیقت معلوم ہوجائیگی + ہم نے اس بحث کیلیے دوسرا مقام رکھا ہوا ہے انشاء اللہ تفصیلی بحث اُسجگہ ہوگی یہاں صرف اتنا اشارہ ہی کافی ہے۔

پانچواں نشان حیوانات میں وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ اور زمین میں ہر قسم کے جانداروں کو پھیلایا۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کی رحمانیت ہی کے باعث ہے۔ حیوانات انسان کی کسقدر خدمت کرتے ہیں صاف ظاہر ہے۔ بعض زہریں جو ہوا میں پیدا ہوتی ہیں وہ باہم دوسری ہواؤں سے ملکر نباتات سے ملکر نباتات میں جذب ہوکر۔ قوت برقی اور شعاعوں سے ملکر اور زہریلے جانوروں کے نگل جانے سے انسان اُنکے بُرے اثر سے اکثر بچ جاتا ہے + اور جو فوائد حیوانات سے انسان کو پہنچتے ہیں انکا ذکر قرآن کریم کے مختلف مقامات میں آیا ہے اور عام طور پر

اور یہ کہ غضب الٰہی انسان کی اپنی کرتوتوں اور بدیوں کے باعث بھڑکتا ہے۔ اور رحم بلا مزد ہوتا ہے۔

تلک عشرۃ کاملہ

اب ہم اصل رکوع کو شروع کرنے سے پیشتر اتنا اور بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ان امور عشرہ پر نظر غور کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ اس رکوع میں اللہ تعالٰی نے منعم علیہ ہونے اور مغضوب علیہ قوم کے آثار اور ان اسباب کو بتلایا ہے جس سے کوئی منعم علیہ یا مغضوب علیہ ہو سکتا ہے اور اس طرح پر سورۃ الفاتحہ کی ایک رنگ میں تفسیر فرمائی ہے۔ بہر حال اللہ تعالٰی بنی اسرائیل کو خصوصاً اور ہم سب کو عموماً مخاطب کرکے فرماتا ہے۔

یابنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین

اے اسرائیل کی اولاد (تم خود اپنی گذشتہ حالت پر میرے انعام یاد کرو تم پر بھی ایک وقت گذر چکا ہے) کہ اپنی نعمت سے ہم نے تم کو نوازا تھا اور تم پر ایسا فضل کیا تھا کہ اس وقت تم سب جہان کے لوگوں سے ممتاز ہو گئے (پس ہماری اس اقتدار بخشی سے تمہارا یہ سمجھ لینا اور نحن ابناء اللہ واحباء کا کہہ اٹھنا کہ تم ہی ہمارے فضل کے ہمیشہ کے واسطے مخصوص ہو گئے ہو درست نہیں ہے۔)

یہ ایک مسلم بات ہے کہ انسان نعمت الٰہی کے مطالعہ سے محبت الٰہی کو بڑھا سکتا ہے اور اس محبت سے ایمان باللہ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ ایمان جبکہ محبت کے بعد پیدا ہوا اپنے ساتھ احکام الہیہ کی اطاعت کی توفیق لاتا ہے کیونکہ اطاعت کے لئے محبت شرط ہے اور محبت ہو نہیں سکتی جب تک انسان محبوب کے حسن اور احسان کا تذکرہ نہ کرے یعنے اس کو ملحوظ خاطر اور نصب العین نہ رکھے۔ پس اللہ تعالٰی نے اس آیت کے ذریعہ ایمان باللہ اور اطاعت امر الٰہی کے لئے یا یہ کہو کہ ان کے نتائج انعامات الہیہ کے حصول کا ایک گر بتلایا ہے۔ اور دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس پر مولیٰ متعال کے بے انتہا انعام نہ ہوں۔ خود اس کا وجود میں آنا۔ پھر فطری تقاضوں کا پورا ہونا اور نسبتی امتیاز دوسرے ہمعصروں پر کسی نہ کسی نوع سے رکھنا یہ سب کے سب احسانات ہی تو ہیں۔ اگر وہ ان پر غور کرے تو بیشک اللہ تعالٰی کے ساتھ ایک محبت پیدا کرلے۔

پھر اللہ تعالٰی اس اصول سے ایک اور اصول کی طرف جو سکھ کا اصول ہے رہبری فرماتا ہے اور بنی اسرائیل کو جیسے اس کی گذشتہ حالت انعامات الہیہ کو یاد دلا کر ایمان کی طرف ہدایت فرماتا تھا اس کی آئیوالی خطرناک حالت کو پیش کرکے اس کو راہ راست پر رہنے کی طرف ایما فرماتا ہے۔

واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منہا شفاعۃ ولا یوخذ منہا عدل ولا ھم ینصرون۔

تم اس دن سے ڈر جاؤ جس دن کوئی آدمی کسی دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ اور نہ کوئی سپارش قبول ہوگی اور نہ کفارہ لیا جاوے گا اور نہ وہ وقت کسی امداد کے پہونچنے کا ہوگا۔ (ایسے وقت میں کسی گذشتہ فضیلت پر نازاں ہونا کیا فائدہ پہونچا سکتا ہے تم کو اپنی فکر آپ کرنی چاہیے۔)

یہ آیت ایک رنگ میں بنی اسرائیل کی اس حالت کی پیشگوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر اُن کی ہونے والی ہے کہ وہ ایسے دربدر اور تبہ کار ہوں گے کہ کوئی ان کا پرسان حال اور معاون اور مددگار نہ ہوگا۔ اب دیکھ لو اس قوم کو ہر جگہ سے نکالا جاتا ہے۔ باوجود اس دعوی تہذیب و شایستگی کے کوئی سلطنت کسی سلطنت سے متعرض نہیں ہوتی جو ان کو نکال دیتی ہے۔ جہاں جاتے ہیں وہیں سے نکالے جاتے ہیں۔ اور دوسرے رنگ میں قیامت کے متعلق یہ آیت اپنی جلالی صورت لئے ہوئے ہے۔ اس کا نمونہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ انسان جب اپنی کسی غلطی او-

لفظوں سے ادا کیا ہے۔ غرض اسلام نے دونوں کے ساتھ ہمدردی کی تعلیم دی ہے۔ اور محبت کی پاک امانت کو صرف ذات باری کیلئے خاص رکھا گیا ہے۔

محبوب الٰہی بننے کا طریق اسی مضمون کے ضمن میں یہ بتا دینا ضروری ہوگا کہ خدا تعالیٰ سے محبت کا شدید رابطہ پیدا کرنے کا کیا طریق ہے؟ اس کے لیے قرآن شریف یہ راہ بتاتی ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ یعنی کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے اور تمہارے گناہ ڈھانپے جائیں گے۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں محبوب الٰہی ہونے کے یہ معنے ہیں کہ انسان تمام انسانی ترقیات اور مدارج عالیہ کے کمال تک پہنچ جاوے۔ قرآن کریم کے اس دعوے کا ثبوت صحابہ کرام کی حالت سے صاف ملتا ہے اور آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا زندہ نمونہ موجود ہے وہ کون؟

حضرت مسیح موعود اداام فیضہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ مشرکوں کے انجام کی خبر دیتا ہے۔

وَلَوْ یَرَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ

ترجمہ کاش مشرک اس سے پہلے ہی جان لیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ساری قوتیں ہیں اور بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے (انکو یہ بات اسوقت ماننی پڑتی ہے) جب وہ عذاب الٰہی کو دیکھتے ہیں وہ وقت آنیکو ہے) جبکہ متبوع اپنے متبعین سے الگ ہوجائیں اور عذاب الٰہی کو دیکھ لیں (جسکے ساتھ ہی) ان کے سارے اسباب کا خاتمہ ہوجاوے اور متبعین نے کہدیا کاش اگر ہماری زندگی مکرر ہوتی تو ہم ان سے ایسی ہی بیزاری ظاہر کرتے جیسی انھوں نے ہم سے کی اسیطرح اللہ تعالیٰ انکو انکی کرتوتیں مشاہدہ کراتا ہے آہ! اپر افسوس۔ اور وہ آگ سے نکلنے والے نہیں۔

ان آیات میں مشرکوں کا انجام بتایا ہے۔ اور آخرۃ کی اصحالت کو اللہ تعالیٰ نے بھی دنیا میں جنگ **بدر** کے موقع پر دکھایا کہ وہ سب برباد ہوئے۔ اور ثابت ہوگیا کہ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ اور اس کی تصدیق اس سے بھی ہوسکتی ہے کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کوئی کسی کا ساتھی نہیں بیٹے کو اگر شدت درد نے بیقرار کر رکھا ہو تو ماں بھی اس کا ساتھ نہیں دے سکتی۔

بعضوں نے اس کے معنے یہ بھی کیے ہیں کہ جہنم میں جب مشرک ڈالے جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ اگر ہم دوسرے جنم میں جائیں گے تو اپنے گرووں کی خبر لیں گے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا منشا اس سے مشرکوں کا انجام دکھانا ہے جس کے ضمن میں بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صاحب قوت ہوگا کیونکہ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ہے اور اس کے مخالف عذاب شدید میں گرفتار ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ

نوٹ لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مردے واپس نہیں آسکتے۔ فتدبروا وتفکروا ولا تکن من الغفلین۔



۲۰۹
ع ۲۰

واذ فرقنا بکم البحر فانجینٰکم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون۔

(اور پھر وہ وقت تم یاد کرو کہ اس رنج و مصیبت سے تمہیں کیسے نکالا) ہم نے تمہارے لئے سمندر کو شگاف کر کے ہٹا دیا۔ اور اس راہ سے ہم نے خود تم کو نجات دیکر سلامتی کے کنارہ پر پہونچا دیا۔ اور فرعونیوں کو اسی جگہ اسی موقع پر تمہارے سامنے دیکھتے ہی دیکھتے سمندر میں غرق کر ڈالا۔

بحر دریا کو بھی کہتے ہیں اور خشکی کو بھی کیونکہ جس جگہ جنگ بدر ہوئی تھی وہاں کی زمین کو بھی بحر کہا ہے اور اس آیت میں جنگ بدر میں فرعونیوں یعنے ابوجہل اور اس کی ذریت کے ہلاک ہونے کی طرف بھی بطور پیشگوئی ایما ہے کیونکہ ابوجہل اس امت کا فرعون تھا۔

دریا کو ہٹا دینے سے کیا مراد ہے

موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لیکر چلے تو راستہ میں قلزم یا ریڈ سی پڑتا تھا اور اس سے گذرنا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے فرق البحر کے فعل کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور پھر متکلم مع الغیر کے صیغہ کیساتھ بیان فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل میں اور بھی اسباب اور وسایط تھے اور یہ امر بجائے خود ایک اعجاز اور تائید الٰہی ہوتی ہے کہ جب کسی کے لئے سوافق اسباب میسر آجاویں۔ پس اصل یہی ہے کہ اسوقت ہزاروں ہزار اسباب سے مثلاً پوربی ہواؤں کے چلنے وغیرہ وغیرہ سے اللہ تعالےٰ نے اس مقام سے سمندر کو ہٹا دیا اور خشک کر دیا۔ چنانچہ ایک جگہ مولیٰ کریم فرماتا ہے فاضرب لھم طریقاً فی البحر یبساً۔ کہ اے موسیٰ بنی اسرائیل کو بحر کے خشک راہ لے جا۔ اور ایک جگہ فرماتا ہے فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم۔ پس دریا پھٹا اور ہر ایک حصہ ایک بڑا تودہ تھا۔

الغرض

اسوقت موافق ہواؤں کے چلنے اور دیگر اسباب طبعیہ کے میسر آجانے سے دریا اپنی جگہ سے ہٹا اور سمندر میں راستہ ہوگیا جس میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لیکر پار نکل گئے اور فرعون غرق ہوگیا۔

یہ بڑی بھاری کامیابی ہے کہ دشمن سامنے ہلاک ہو۔ یہ انعام بھی بنی اسرائیل پر ہوا یہ دن بنی اسرائیل کے لئے یوم الفرقان تھا انھوں نے اپنے دشمن کو ہلاک ہوتے ہوئے اپنے سامنے دیکھا۔

باایں ہمہ کہ انکو ایسے ایسے عظیم الشان نشان ملے اور ایسی بدیہی کامیابی ملی مگر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی صرف چالیس روزہ غیر حاضری کے وقت میں اللہ تعالےٰ سے قطع تعلق کر لیا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا واذ وعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ ثم اتخذتم العجل من بعدہ وانتم ظالمون۔ اور پھر وہ وقت بھی یاد کرو کہ جب ہم نے موسیٰ کے لئے اپنے حضور میں ٹھہرنے کے لئے چالیس رات میعاد مقرر کی پھر تم نے موسیٰ کے جدا ہونے پر اس کے پیچھے گوسالہ پرستی شروع کی اور تم ظالم (مشرک) ہوگئے۔

چالیس راتوں کے وعدہ کا راز

قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر جہاں یہ ذکر آیا ہے وہاں تیس رات کا وعدہ فرماکر واتممنٰھا بعشر کہکر تکمیل چالیس سے کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل وعدہ چالیس ہی رات کا تھا۔ بہرحال چالیس رات کا وعدہ تھا یا تیس رات کا وعدہ فرماکر اس کی تکمیل چالیس راتوں میں کی۔ چالیس راتیں ضرور لگی ہیں۔ مگر یہاں ہم کو صرف یہ بتلانا ہے کہ لیل کا وعدہ کیوں فرمایا۔ نہار کا وعدہ کیوں نہیں کیا گیا۔ اس میں ایک لطیف سر موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جب انسان کی کوئی چیز گم ہو جاتی ہے یا کچھ یاد سے اس کو بھول جاتا ہے تو وہ اندر ہی اندر کچھ دیکھتا اور سوچتا ہے گویا اس وقت خارجی روشنی کو چھوڑ کر اندر ہی اندر اللہ تعالےٰ کے اندرونی انوار سے حصہ لینا چاہتا ہے تاکہ پوری توجہ سے اس کی طرف نظر کرے۔ پس اللہ تعالےٰ کی طرف قدم اٹھانے اور بھولی بسری متاع کی تلاش میں نکلنے کے واسطے رات ہی کی ضرورت ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ کے مکاشفات۔ رؤیا اور الہامات کے لئے بھی رات ہی کا وقت خصوصیت رکھتا

سخت عذاب دینے والا ہے تو شرک کو اختیار اور پیار نہ کرتے۔

قرآن کریم جس آب و تاب سے اور عمدگی سے الٰہی محبت کے مسئلہ کو بیان کرتا ہے کوئی دوسری کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، عیسائیوں نے خدا محبت ہے خدا محبت ہے یہ کلمات تو کہے مگر اسکی حقیقت سے محض بیخبر رہے ہیں۔ کیونکہ خدا کی محبت چاہتی ہے کہ کوئی دوسرا اسکی محبت میں شریک نہو حالانکہ انہوں نے مسیح کو اور روح القدس کو بھی جداگانہ خدا تسلیم کر لیا ہے پس یہ لوگ تو مَن یَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّٰهِ اَندَادًا کے مصداق ہیں۔ قرآن شریف میں محبت کی انتہا جان تک ہی نہیں سمجھی جاتی کیونکہ بہت سے ایسے آدمی دنیا میں موجود ہیں جو بعض اشیا کو مختلف اغراض کے باعث جان سے عزیز سمجھتے ہیں اور ہزاروں ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ وہ اپنی جان کو غیر اللہ کی محبت میں دیدیتے ہیں پس سچی تعلیم اور کامل تعلیم میں بجائے اس حکم کے کہ باری تعالیٰ کو جان سے عزیز سمجھا جاوے یہ بتایا گیا ہے کہ اسکو ہر چیز سے زیادہ عزیز قرار دیا جاوے اور یہی فائدہ ہے کہ جو قرآن کریم کے لفظ مِن دون اللہ سے حاصل ہوتا ہے

محبت الٰہی میں انجیل اور قرآن کا مقابلہ

عیسائیوں نے سوال کیا ہے کہ قرآن کریم نے انسان کو خدا سے محبت کرنے کے بارہ میں کیا تعلیم دی ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ قرآن نے وہ تعلیم دی ہے جو دوسرے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ ہم اسکا خلاصہ بتاتے ہیں۔

اوّل قرآن نے یہ تعلیم دی وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ جسمیں وحدانیت کی تعلیم ہے۔ اور الٰہ کے معنی ہیں ایسا محبوب اور معشوق جسکی پرستش کیجاوے۔ اب انصاف سے بتاؤ کہ الٰہی محبت کے منتہائے نقطہ تک لیجانیوالی تعلیم انجیل میں کہاں ہے

دوم قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کیلئے جو محبت کا لفظ استعمال فرمایا ہے اسکے اندر ایک فلاسفی الٰہی محبت کی موجود ہے۔ کیونکہ محبت کے معنی لغت عرب میں پُر ہو جانیکے ہیں جیسے عرب میں یہ مثل مشہور ہے کہ تَحَبَّبَ الْحِمَارُ یہ اسوقت بولتے ہیں جب گدھے کا پیٹ خوب پانی سے بھر جاوے اور ایسا ہی جب کہنا منظور ہوتا ہے کہ اونٹ نے اسقدر پانی پیا کہ وہ پانی سے پُر ہو گیا تو کہتے ہیں شربت الابل حتی تحببت اور حَبّ جو دانہ کو کہتے ہیں وہ بھی اسی سے نکلا ہے جس سے مطلب ہے کہ وہ پہلے دانہ کی کیفیت سے بھر گیا اور اسی وجہ سے احباب (خفتن) کو کہتے ہیں کیونکہ جو دوسرے سے بھر جائیگا وہ اپنے وجود کو کھو دیگا گویا سو جائیگا اور اپنے وجود کی کچھ بھی حس اسکو باقی نہ رہیگی پس محبت کرنیکے یہ معنے ہیں کہ محبوب کے تمام شمائل اور اخلاق اور عادات پسند کرے اور انمیں فنا ہو جاوے تا اپنی محبوب میں ہو کر وہ زندگی پاوے جو خود محبوب کو حاصل ہے سچی محبت کرنیوالا اپنی محبوب میں فنا ہو کر اسکے گریبان سے ظاہر ہوتا ہے اور یہی بات ہے کہ جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے وہ ظلی طور پر بقدر اپنی استعداد کے اس نور کو حاصل کر لیتا ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات میں ہے پس محبت کرنیکا حکم خدا نے صرف خدا کیلئے دیا ہے اور فرمایا ہے کہ **خدا سے محبت کرو۔**

سوم اس محبت کے مفہوم کو قرآن نے اسلام کے لفظ سے تعبیر کیا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے آگے اپنا سر رکھدینا اور صدق دل سے قربان ہو جانیکے لئے طیار ہو جانا ہی اسلام کا مفہوم اور منشاء ہے یہ عملی حالت ہے جو محبت کے سرچشمہ سے نکلتی ہے اسلام کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے صرف قولی طور پر ہی محبت کو محدود نہیں رکھا عملی طور پر بھی محبت کا مفہوم سکھایا ہے۔

چہارم خدا تعالیٰ کی محبت کے اظہار کا ایک ذریعہ يُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا کے رنگ میں بتا کر صاف کر دیا ہے کہ خدا کے سوا اوروں سے محبت کس رنگ میں ہوتی ہے۔

پنجم لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ کہکر بتا دیا ہے کہ خدا ہی کی محبت ساری عزیز سے عزیز اشیا پر غالب ہونی چاہیے اور بہت سے مقامات قرآن کریم میں ایسے ہیں جہاں الٰہی محبت کا تذکرہ اور حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اور ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ کسی بولی میں محبت کے قائمقام لفظ نہیں جو اپنے اندر لغتاً ایسے حقائق حقہ رکھتا ہو اور یہ صاف دلیل ہے کہ **عربی ام الالسنہ ہے**

بالمقابل انجیل نے کیا سکھایا۔ اس نے کہا کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو حتیٰ کہ شیطان سے بھی محبت کرنا منع نہیں ہے اسکا نتیجہ اور ماحصل کیا ہوگا جب ہم محبت کی فلاسفی پر غور کرینگے۔ درحقیقت یہ ایسی باتیں ہیں جو خالی الفاظ سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔

اسلام نے حقیقی محبت صرف خدا کیلئے رکھی ہے اور غیر قوموں اور اپنے دشمنوں سے جو سلوک کرنا چاہیے اسکو احسان اور رحم کے

کہلاتی ہے ۔ جیسے پیلاطوس مسیح کو چھوڑنا چاہتا تھا۔ اور اس نے چاہا کہ کوئی اس کی سپارش کردے مگر نہ کی گئی۔ غرض پہلی تین قسم کی سپارش اللہ تعالےٰ کے حضور نہیں ہے اور چوتھی قسم کی سپارش اللہ تعالےٰ کے حضور ہوسکتی ہے۔

ولاہم ینصرون اور ان کو کسی قسم کی مدد اور حمایت بھی نہیں مل سکے گی۔ اور ہرگز نہیں دی جاسکے گی۔ شفاعت کے لئے اس قدر تاکید نہیں ہوئی جسقدر ولاہم ینصرون میں لاہم کہکر نفی فرمائی گئی ہے کیونکہ شفاعت میں تو شفاعۃ بالاذن کا درجہ باقی تھا مگر اس میں کوئی صورت باقی نہیں ہے ۔ اب دیکھ لو اگر یہود پر کوئی صدمہ پڑتا ہے تو کوئی سلطنت اُن کی حامی و مددگار نہیں ہوتی۔

وإذ نجيناكم من آل فرعون يسومونكم سوء العذاب - يذبحون أبناءكم ويستحيون نساءكم وفي ذالكم بلاء من ربكم عظيم -

اور تمہاری قوم پر ایک ایسا وقت بھی گذر چکا ہے کہ تم فرعونیوں کی قید میں گرفتار تھے اسوقت کو یاد کرو کہ جب ہم نے ہی تم کو فرعونیوں کے پنجہ سے چھوڑایا تھا سخت دردناک عذاب میں وہ تم کو مبتلا رکھتے تھے ۔ تمہارے بیٹوں کو وہ ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو وہ جیتا رہنے دیتے تھے اور اس دردناک مصیبت میں بھی تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے ایک انعام عظیم موجود تھا۔

شروع بیان انعامات الہیہ کو اللہ تعالےٰ نے واحد متکلم کے صیغہ سے کیا تھا۔ کیونکہ اس انعام میں کوئی واسطہ درمیانی نہ تھا۔ مگر یہ نجات چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر وسائط کے ذریعہ سے ہوئی تھی اس لئے جمع متکلم کے صیغہ سے بیان فرمایا ۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن کریم میں جب اللہ تعالےٰ متکلم مع الغیر کے صیغہ سے ارشاد فرماتا ہے تو اس میں درمیانی وسایط ہوتے ہیں ۔ اور جب واحد متکلم کے ذریعہ سے بولتا ہے تو درمیان میں اور واسطہ نہیں ہوتا ہے۔

آل فرعون سے مراد فرعون اور فرعون کے متبعین ہیں جس کی آل ہوتی ہے وہ خود بھی لفظ آل میں داخل ہوتا ہے جیسے فرمایا اعملوا آل داؤد شکرا۔

یستحیون نساءکم تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے ۔ لڑکیوں کے زندہ رکھنے میں کیا تکلیف ہوسکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول جب وہ لڑکیاں جوان اور بالغ ہوجاتی تھیں تو چونکہ بنی اسرائیل کی اولاد ذکور کو قتل کر ڈالتے تھے اس لئے اُن بیچاریوں کو اپنی زندگی تجرد میں کاٹنی پڑتی تھی اور تجرد سے بہت تکالیف اور بعض امراض پیدا ہوکر اور بھی مشکلات میں پھنس جاتی ہوں گی ۔ اور دوم یہ کہ فطرت انسانیہ میں نرینہ اولاد کا بقا مطلوب اور اہم ہوتا ہے ۔ پس قتل اولاد ذکور بنی اسرائیل کے صدمات کا موجب ہوتا تھا۔

سوم ماؤں کے سامنے بچوں کا قتل بھی سخت تکلیف اور درد کا موجب ہوتا ہے ۔

چہارم ننگ و ناموس پر حملہ کرنے کے لئے اولاد ذکور کا قتل اور عورتوں کا باقی رکھنا ہی مراد ہوسکتا ہے۔

بہرحال اس قتل اولاد ذکور اور عورتوں کے زندہ رکھنے میں سخت تکلیف تھی۔

بلاء بلاء کے معنے انعام اور فائدہ کے بھی ہیں ۔ ان تکالیف کے زمانہ میں بنی اسرائیل جبکہ فرعونیوں کی ..... بیگاروں میں پکڑے جاتے تھے تو وہ ایک زمانہ دراز کے بعد گھر آیا کرتے تھے اور جب آکر جماع کرتے تھے تو اولاد نرینہ پیدا ہوتی تھی ۔ یہ طب کا مسئلہ مسلمہ ہے کہ جب مدت کے بعد جماع کیا جائے تو اس سے ہونہار بچہ پیدا ہوتا ہے ۔ چنانچہ ہمارے مخدوم و محسن حضرت حکیم الامۃ مولانا مولوی نورالدین صاحب سلمہ ربہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے اولاد نہ ہو یا بچے مرجاتے ہوں تو وہ شخص کم سے کم ایک سال جماع ترک کرے اور سال کے بعد جماع کرے تو انشاء اللہ ٹھہرا ہوا نرینہ والا بچہ پیدا ہوگا۔

ترجمہ لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور طیب ہیں وہ کھاؤ۔ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (اور خدا سے کاٹ دینے والا دشمن ہے) وہ تمکو بدیوں اور کھلی بیحیائیوں کا حکم دیتا ہے اور اسبات کا حکم دیتا ہے کہ تم اللہ پر وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے

ہمنے پہلے پارہ میں اس امر پر ایک دلچسپ بحث کی ہے کہ جسمانی اوضاع کا روحانی حالتوں پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے ایسا ہی تجربہ ہمپر ظاہر کرتا ہے کہ طرح طرح کی غذاؤں کا بھی دماغی اور دلی قوتوں پر اثر پڑتا ہے مثلاً ذرا غور سے دیکھنا چاہیئے کہ جو لوگ کبھی گوشت نہیں کھاتے رفتہ رفتہ انکی شجاعت کی قوت کم ہو جاتی ہے یہانتک کہ نہایت دل کے کمزور ہو جاتے ہیں اور ایک خداداد اور قابل تعریف قوت کو کھو بیٹھتے ہیں اسکی شہادت ہم خدا کی سُنن میں گوشت خور اور گھاس خور جانوروں میں پاتے ہیں پس اسمیں کیا شک ہے کہ غذاؤں کا اثر اخلاق پر ہوتا ہے جو انسان کی طبعی قوتوں کے برمحل اور اعتدال سے استعمال کرنے کا نام ہے چونکہ قرآن کریم انسان کو **با اخلاق** اور **با خدا انسان** بنانا چاہتا ہے اس لیے اس نے اسکی **غذاؤں** کے قوانین بھی مدون کیے ہیں۔ کیونکہ یہ فخر صرف قرآن کریم ہی کو ہے کہ وہ ان تمام اصولوں کا (جو انسان کی جسمانی یا روحانی صحت در اعتدال کے لیے ضروری ہیں) خود متکفل ہے اسی اصول کے لحاظ سے خدا تعالٰے نے اس رکوع میں اول کھانے کے قوانین بتائے ہیں کیونکہ اس سے پہلے رکوع میں خدا کی ہستی اسکی توحید و یکتائی اور اسکی صفات پر بحث کی تھی اور اس رکوع سے پہلے رکوع کے خاتمہ پر اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کہہ کر ایک ہی کامل الصفات معبود کی عبادت کا حکم دیا تھا۔ پس چونکہ عبادۃ ایک روح کا فعل ہے اور جسمانی حالتوں کا اسپر اثر پڑتا تھا اس لیے جسمانی نشو و نما کے متعلق کھانے کا ایک قاعدہ بتایا۔ اور وہ یہ ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۔

لوگو! زمین میں سے جو چیزیں حلال اور طیب ہیں وہ کھایا کرو۔

۲۱۱ رکوع

حلال سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی اجازت شریعت نے دی ہو۔ انسان اگر حلال نہ کھائے گا تو وہ گویا شریعت کی پابندی کو توڑے گا پس اس کا لازمی نتیجہ عصیان اور طغیان ہوگا اسلیے کہتے ہیں کہ جو حلال نہیں کھاتا وہ عبادت میں سُست ہوتا ہے اور جن امور کے لیے حرام کا ارتکاب کرتا ہے انمیں بھی برومند نہیں ہوتا اور دعائیں بھی قبولیت کا شرف نہیں پاسکیں۔

یہاں اَلنَّاس کو اسلیے مخاطب کیا ہے کہ یہ اصلاح کا پہلا درجہ ہے اور کھانا انسان کی طبعی حالت ہے اسکو اعتدال پر لاکر ایک اخلاقی حالت کے رنگ میں تبدیل کرنا مقصود ہے۔

طیّب سے مراد صاف اور ستھری چیزیں ہیں۔ اور اس سے وہ شے بھی مراد ہے جو انسانکی صحت کے لیے مضر نہ ہو بلکہ مفید ہو بعض چیزیں حلال تو ہوتی ہیں مگر کسی شخص کے لیے وہ طیب کا حکم نہیں رکھ سکتیں مثلاً اگر ایک شخص کو سوء ہضم کی شکایت ہو اور اُس کا معدہ کمزور ہو تو پختہ گوشت حلال تو ہے مگر اُس کے لیے طیب نہیں ہے کیونکہ وہ ہضم نہ ہوگا اور کوئی خرابی پیدا کرے گا۔

مِمَّا فِي الْاَرْضِ سے مراد بعض وہ چیزیں ہیں جو زمین میں ہیں۔

غرض

اس حصہ آیت میں کھانے کے متعلق یہ حکم دیا کہ زمین کی بعض چیزوں میں سے جو حلال اور طیب ہوں وہ کھایا کرو۔ دوسری جگہ اس قانون کو کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا کی صورت میں بیان کرکے بتایا ہے کہ حلال اور طیب چیزوں کے کھانے میں بھی اعتدال کو ہاتھ سے نہ دو۔

اور پھر ایک مقام پر **كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا** کہہ دیا ہے کہ پسندیدہ اور مفید صحت چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ اس آیت میں حکم جسمانی صلاحیت کے انتظام کے لیے ہے جس کے واسطے **كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ** کا

ایمان کے نتائج اعمال صالحہ پیدا نہ ہوں وہ توبہ توبہ نہیں بلکہ میرے خیال میں اللہ تعالیٰ کے حضور ایک قسم کی شوخی ہے دوسرے لفظوں میں تبدیل السیئات بالحسنات کا نام توبہ ہے۔ اور اس کا مشاہدہ ہم قانون قدرت میں بھی دیکھتے ہیں۔ کہ جہاں اندھیرا ہو روشنی آنے سے وہ دور ہوجاتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک مخالف شے کی مقدار کی کثرت اپنے دوسری ضد کا نام و نشان مٹا دیتی ہے۔ کسی کھانے میں نمک ہو اگر بہت بڑی مقدار چینی کی ڈال دی جائے وہ ذایقہ نمک کا زایل ہوجاویگا۔ اس طرح پر توبہ کے بعد جب اعمال صالحہ کا سلسلہ شروع ہو تو وہ پہلے گناہوں کو بھی زائل کر دیتے ہیں۔

غرض پھر اصل سلسلہ سخن میں ہم بتلانا چاہتے ہیں کہ توبہ ایک ایسی شے۔ ہے جو ہر بڑے سے بڑے گناہ کو زایل کر دیتی ہے۔ بنی اسرائیل نے جیسا کہ ابھی آتا ہے گوسالہ پرستی کے بعد توبہ کی اللہ تعالیٰ نے انکو معاف کر دیا۔ اور نہ صرف معاف کیا بلکہ اور انعامات سے بھی انکو بہرہ مند فرمایا۔

چنانچہ ارشاد الٰہی یوں ہوتا ہے واذ اتینا موسی الکتاب والفرقان لعلکم تهتدون۔

اور جب کہ ہم نے موسیٰ کو حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی کتاب اور امتیازی نصرت (فیصلہ) دی تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

کتاب سے مراد توریت شریف ہے اور فرقان سے مراد...... متبعین فرعون کی ہلاکت ہی۔ فرقان امتیازی نصرت اور فیصلہ کا نام ہے اس لئے جنگ بدر کا نام بھی یوم الفرقان ہے۔

پکر

وہ قوم بڑی ہی خوش قسمت اور بیدار بخت ہے جس کو کوئی بیدار کرنے والا شفیق ناصح مل جائے۔ بنی اسرائیل گوسالہ پرستی کے شرک میں مبتلا ہو کر قریب تھا کہ ہلاک ہوجاتے مگر مولا کریم نے انکی دستگیری فرمائی اور موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ان کو پھر بیدار کیا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا

واذ قال موسیٰ لقومه یقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذالکم خیر لکم عند بارئکم فتاب علیکم انه هو التواب الرحیم۔

اور جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم نے اپنے لئے بہت ظالمانہ طریق اختیار کیا ہے کہ اپنے ہم جنسوں کو شرک میں پھنسا دیا۔ اور گوسالہ پرستی اختیار کی۔ تم کو مناسب ہے کہ تم اپنے حقیقی پیدا کرنے والے کی طرف توجہ کرو۔ تم اس کے حضور میں اپنی جانوں کو قربانی دو (اپنے نمبرداران شرک کو قتل کر دو) تمہارے لئے تمہارے پیدا کنندہ کے نزدیک یہی بہتر ہے۔ پھر بعد اس کے تمہارا رب تمہاری طرف متوجہ ہوا۔ بے شک اس کی ذات رجوع لانے والوں کی طرف توجہ کرنے والی اور مہربان ہے۔

چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے عوام بعض وجیہ اور سربرآوردہ لوگوں کے کہنے میں آکر اور محض تقلید سے مبتلائے شرک ہوئے تھے اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے باذن الٰہی یہ فیصلہ کیا کہ ان شریر نمبرداران شرک کو قتل کر دیا جائے۔ انکم ظلمتم انفسکم میں نمبرداران شرک اولاً و بالذات مخاطب ہیں۔

اور ایسا ہی فاقتلوا انفسکم میں قتل نفس سے مراد وہ لوگ ہیں جو گویا قوم کی جان اور روح رواں بوجہ اپنے اقتدار اور رسوخ کے سمجھے جاتے تھے۔

خالق۔ باری۔ مصور۔ اللہ تعالیٰ کے تین مختلف نام ہیں۔ خالق اندازہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ باری اس اندازہ کے موافق ظاہر کرنے والے کو اور مصور اس ظہور کو متشکل کر دینے والے کا نام ہے۔ یعنے اللہ تعالیٰ کے یہ تین نام اس کی تین مختلف صفات کے ظہور کی وجہ سے ہیں۔

مغضوب علیہ ہونے کا دوسرا سبب | بنی اسرائیل گوسالہ پرستی میں تو مبتلا ہو کر اپنے اندر ایک قسم کی زنگ اور زنگ۔ پیدا

رکوع ۵

انسان کو خوراک کے متعلق ایک دستور العمل دیا جاتا ہے کہ حلال اور طیب چیزیں کھائے۔ تاکہ شیطانی تصرف سے محفوظ رہے۔ شیطانی احکام کی تشریح کی جاتی ہے کہ شیطان انسان کو مخفی اور کھلی بےحیائی کی طرف لے جاتا ہے اور افتراء علی اللہ کی تعلیم دیتا ہے ایسے لوگوں کا جو شیطانی حکومت کے نیچے ہیں نشان بتایا جاتا ہے کہ جب انھیں اللہ تعالے کی نازل کردہ شریعت کی اتباع کی ہدایت کی جاتی ہے تو اُس کے مقابلہ میں اپنے آباؤ اجداد کی رسوم کو ترجیح دیتے ہیں کافروں کی مثال بیان کی جاتی ہے کہ وہ اس شخص کی طرح ہیں جو ایک بُت کے سامنے باوجودیکہ اُس بُت کی طرف سے کوئی جواب نہیں آتا مگر وہ چلائے جاتا ہے ایسے لوگ بالکل بے سمجھ ہیں وہ حق کے سننے والے نہیں حق کے گویا اور بینا نہیں۔

خالصۃً للہ عبادت کی راہ بتائی جاتی ہے چونکہ غذا کا اثر جوارح اور اعمال پر پڑتا ہے اس لیے طیب چیزوں کے کھانے کا حکم دیا جاتا اور **حرمت** اور **حلت** کا مسئلہ بتایا جاتا ہے کہ مردار اور خون اور لحم خنزیر اور غیر اللہ کے لیے پکارے ہوئے کھانے حرام ہیں مگر ایسی حالت میں کہ انسان حد درجہ کا مجبور ہو اور وہ حد ضرورت سے بھی نہ بڑھے اسکو کوئی گناہ نہیں کیونکہ اللہ تعالے غفور اور رحیم ہے۔ کتمان حق کرنے والوں اور حق فروشی کرنے والوں کی حالت بتائی جاتی ہے کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ جمع کرتے ہیں اُن کا انجام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اللہ تعالے اُن کو اپنے مکالمہ کا شرف نہ دے گا۔ اور نہ اُن کا تزکیہ ہوگا اور اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے ہدایت کے بدلے ضلالت کو اور مغفرۃ کے بدلے عذاب کو مول لیا۔ یہ امور اس کتاب کے منزل من اللہ اور حق وحکمت کے بھرے ہوئے کے دلائل ہیں اور جو لوگ اس کتاب میں اختلاف کرتے ہیں وہ شقاق بعید میں ہیں۔

ع ۵ / ۲۱۰

عام مطالب

اس رکوع میں مولیٰ کریم نے مندرجہ ذیل مطالب بیان فرمائے ہیں۔

الف انسان اگر حلال اور طیب نہ کھائے تو وہ شیطان کا متبع ہو جائے گا۔

ب اتباع شیطان کا نتیجہ مخفی اور کھلی بےحیائیاں اور افتراء علی اللہ ہوتا ہے۔

ج انسان اگر کتاب اللہ کے مقابلہ میں آبائی رسوم اور عادات کی تقلید کو مقدم کرے تو اس کا آخری نتیجہ کفر ہوتا ہے حق گوئی۔ حق بینی اور حق شنوی کا مادہ نہیں رہتا۔

د خالصۃً للہ عبادت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان طیب چیزیں کھائے اور خدا کی عطا کردہ اشیا کی قدر کرے۔

ھ حلت و حرمت کے مسئلہ پر بحث کی

و ایمان فروشی اور کتمان حق کرنے والوں کے انجام کی خبر بطور پیشگوئی کے دی۔

ز اس پیشگوئی کی صداقت اور حقیت پر بحث کی۔

ح اور اس سے اختلاف کرنے والوں کے انجام کا ذکر کیا۔

مندرجہ بالا امور میں جو اللہ تعالے نے اس رکوع میں بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد الٰہی یوں ہوتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَٰلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِٱلسُّوٓءِ وَٱلْفَحْشَآءِ وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ

ہے گو دوسرے وقتوں میں بھی ہوتے رہتے ہیں مگر رات کے ساتھ ایک نرالی خصوصیت ہے۔

پھر قرآن کریم کا نزول بھی لیلۃ القدر ہی میں ہوا اور ہر امور من اللہ بھی ایک لیلۃ القدر ہی میں آتا ہے۔ تہجد کی نماز جو خلوت اور حضور قلب کو بڑھانے والی اور مقام محمود تک لے جانے والی ہے وہ بھی رات ہی کے حصہ میں آتی ہے۔

پھر رات کو خیالات خارجی تحریکوں اور دنیا کے چلتے ہوئے نظاروں سے یکسو ہو کر یکجا ہو کر اور کامل توجہ پیدا کر دیتے ہیں۔ غرض یہ بعض اسرار ہیں جو وعدہ لیل میں ہم کو معلوم ہوئے ہیں۔ اور بہت سے اسرار ہوں گے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے کلام میں اسرار لاانتہا ہیں۔

پس جہاں معرفت الٰہی کے سالکوں کا ذکر ہے وہاں رات کا ذکر ہے اور جہاں اللہ تعالےٰ نے اپنے فیصلہ کا ذکر فرمایا ہے وہ دن کو کیا ہے کیونکہ وہ کھلم کھلا روز روشن میں سب کے سامنے کیا جاتا ہے۔ پھر دوسرا غور طلب امر اس میں یہ ہے کہ چالیس رات کی قید کیوں لگائی۔ اس میں یہ سر ہے کہ چالیس دن کے اندر ہی نطفہ کامل ہوتا ہے اور اسی طرح جب آدمی چالیس سال کا ہو چکتا ہے وہ مکمل اور بالغ ہو جاتا ہے۔ شریعت کا سن بلوغ چالیس ہے۔ کیونکہ اس سن میں پہونچکر وہ ہر کام میں پکا ہو جاتا ہے اس واسطے اللہ تعالےٰ نے تکمیل کامل کے لئے یہاں بھی چالیس ہی رات کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ دوسرے مقام پر سورہ اعراف میں جہاں اس ذکر کو بیان کیا وہاں اتممنٰہا کا لفظ صاف طور پر تکمیل کا اشارہ کر رہا ہے۔

مغضوب علیہ ہونے کا یہاں پہلا سبب اب ان انعامات پر بھی جب بنی اسرائیل نے پوری شکر گذاری سے کام نہ لیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی اس غیر حاضری میں انھوں نے گوسالہ پرستی اختیار کی جو مغضوب علیہ ہونے کا باعث ہوئی۔

یہاں یہ نکتہ ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ جو لوگ اللہ تعالےٰ کو متکلم اور سمیع الدعا نہیں مانتے وہ بھی گوسالہ پرست ہی ہیں۔ چنانچہ فرمایا ثم عفونا عنکم من بعد ذالک لعلکم تشکرون ۔ پھر تمہاری ایسی ظالمانہ حرکت پر بھی ہم نے تمکو معاف کیا تاکہ تم ہماری مہربانیوں کو دیکھکر شکر گذاری اختیار کرو۔

ازالہ وہم اس جگہ اس وہم کا ازالہ بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے تو گوسالہ پرستی اختیار کی تھی اور یہ شرک تھا اور اللہ تعالےٰ دوسری جگہ فرماتا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک اور یہاں انکی اس ظالمانہ حرکت کو معاف فرمایا ہے تو ان دونوں آیتوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیے کہ توبہ ایک ایسی شے ہے کہ جس سے سب گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں توبہ کی بھی مختصر سی حقیقت بیان کر دیں تاکہ یہ مضمون بخوبی سمجھ میں آجائے۔

توبہ کی حقیقت توبہ کے معنے ہیں رجوع۔ ایسا رجوع کہ پہلی حالت نہ رہے اور گناہ نیست و نابود ہو جائے اور اسکی جگہ اس کے محاذ کی نیکی لے لے۔ یہی معنے ہیں اس آیت کے کہ ان الحسنات یذھبن السیئات۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو گناہ سے ہٹ جاتا ہے اس کی نسبت یہ کہنا ٹھیک ہی کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ناعاقبت اندیش دہریہ منش مخالفان اسلام نے توبہ کے مسئلہ پر بھی اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ توبہ سے گناہ کیوں معاف ہو جاتے ہیں۔ کاش وہ توبہ کی حقیقت سے آشنا ہوتے۔ قرآن کریم نے توبہ کا مفہوم یہی قرار دیا ہے کہ اگر انسان سے اس کی کمزوری و ناتوانی کی وجہ سے کوئی ناجائز حرکت صادر ہو جائے تو وہ خشوع اور رجوع الی اللہ کر کے اس سے نفرت کرتا اور اس کی بجائے نیکی اختیار کرے۔ چنانچہ فرمایا ہے من تاب وعمل صالحًا فانہ یتوب الی اللہ متابًا ۔ یعنے رجوع الی اللہ اور سچی توبہ یہی ہے کہ وہ گناہوں سے ایسی نفرت کرے اور اس طور پر ان کو چھوڑ دے کہ ان کی بجائے عمل صالحہ آلیں۔ پس توبہ الی اللہ کا اصلی راز یہی ہے۔ اور اس سے پہلی آیت میں اور بھی صراحت موجود ہے کہ سچی توبہ کے لوازم کیا ہوتے ہیں الا من تاب وآمن وعمل عملا صالحا۔ بعد توبہ سچا ایمان۔ سچے

اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

اس میں عام جھوٹ - جھوٹا الہام - جھوٹی خواب - جھوٹی حدیث بنانا سب شامل ہیں جھوٹی خواب بنانی اور قرآن شریف کی جھوٹی تاویل کرنی جھوٹا مسئلہ بنانا اور جھوٹا حلال و حرام ٹھیرانا اور لکھدینا یہ سب امور داخل ہیں اور یہ بدی سب بدیوں سے بڑھکر ہے

قرآن کریم کے بر غور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عند اللہ مجرم ٹھیرنے کے لیے تین قسمیں ہیں **اوّل** یہ کہ نافرمانی پر عزیمت کرے یعنی پختہ ارادہ کرلے کہ فلاں فعل بدضرور کروں گا **دوم** جب کہ جوارح یعنی ظاہری اعضا سے نافرمانی کی حرکات صادر ہوں **سوم** یہ کہ زبان پر ناپاک کلمات ظاہر ہوں - جو دین اور راستی کے خلاف ہوں اسی لیے اس مقام پر تین ہی قسم کی بدیاں رکھی ہیں سوء فحشا اور تقول علی اللہ یعنی سوء سے شروع ہو کر تقول علی اللہ ہی پر خاتمہ ہوتا ہے

پس

اس آیت میں حلال اور طیب خوراک کھانے کے نتائج اور اسکو چھوڑنے کے نتائج کو دکھایا ہے کہ پہلی حالت میں انسان اتباع شیطان سے بچ جاتا ہے جو اسے سوء فحشاء اور تقول علی اللہ کی تعلیم دیکر خدا سے کاٹ دیتا ہے اور دوسری صورۃ میں وہ خدا سے کٹ جاتا ہے۔

جب انسان کی یہ حالت ہو جاوے کہ وہ خدا پر تقول کرنے لگے تو اُسوقت کوئی نصیحت اُسے کارگر نہیں ہوتی چنانچہ فرمایا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ

۲۱۲ ع ۵

ترجمہ اور جب کہا جاوے ایسے لوگوں کو کہ تم خدا کی نازل کردہ باتوں کی اتباع کرو۔ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُن باتوں کی اتباع کرتے ہیں جنپر ہمنے اپنے آبا و اجداد کو پایا۔ اور اگرچہ ان کے آبا و اجداد کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ کامیاب ہوئے ہوں۔ اور اُن لوگوں کی مثال جنھوں نے انکار کیا اُس شخص کی سی ہے جو ایک چیز کے سامنے چلاتا ہے اور اُس سے کچھ بھی جواب نہیں سنتا لیکن پھر بھی اُسے پکارے جاتا اور آوازیں مارے جاتا ہے - بہرے گونگے اندھے ہیں اس لئے وہ نہیں سمجھتے۔

اس آیت میں آبائی رسوم و رواج اور شریعت الٰہی میں سے شریعت کے تقدم کی ضرورت بتائی ہے + پس خدا تعالیٰ کے احکام کے بالمقابل مومن کو اپنی گردن رکھدینی چاہیے اور تمام رسم و رواج چھوڑ دینا چاہیے - ورنہ اگر وہ رسم و عادات کا پابند ہوگا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ علوم حقہ سے بے نصیب اور کامیابی کی راہوں سے نامراد رہے گا۔

لَا يَسْمَعُ کے معنے ہیں قبول نہیں کرتا اور یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ اُس کے شور و پکار کا کوئی جواب اُسکی طرف سے نہیں آتا

چونکہ

اصل غرض تو اس رکوع میں کھانے پینے کے قوانین بتانا ہے اس لیے پھر اللہ تعالےٰ اسی اصل مطلب کیطرف رجوع فرماتا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝

ترجمہ ایمان والو! جو کچھ خدا تعالیٰ نے تمھیں چیزیں عطا کی ہیں اُس میں سے کھاؤ۔ اور اللہ کی نعمتوں کی قدر کرو۔ اگر تم اُسی کی عبادت کرتے ہو۔

اس آیت میں چونکہ مومنوں کو خطاب تھا اسلیے **حلال** کا ذکر چھوڑ دیا کیونکہ مومن حرام کبھی نہیں کھاتا + خدا تعالےٰ کے انعام کی قدر کرنے سے ان میں ترقی ہوتی ہے اور انعام الٰہی کی یاد سے خدا کی محبت میں ترقی ہوتی ہے - اور طیب چیزوں کے کھانے اور خدا کی نعمتوں کی قدر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان سچا موحد ہو جاتا ہے - پہلے عام لوگوں کے لیے قواعد بتائے پھر مومنوں کو خطاب کیا اب خصوصیت کے ساتھ حلت و حرمت کے مسئلہ پر بحث کی کیونکہ پہلے صرف حلال کا نام لیا ہے اور

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ۔ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۔

اور جبکہ ہم نے تم کو حکم دیا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ۔ اور کہا کہ اس شہر میں جہاں سے جو تم چاہو کھلے طور پر.. کھاؤ۔ اور فرمانبردار ہو کر دروازے سے داخل ہو اور....... اپنے گناہوں سے پاک وصاف رہنے کی دعا (استغفار) کرتے جاؤ۔ ہم تمہاری سب خطائیں معاف کر دیں گے اور نیکو کار لوگوں پر بہت بڑے بڑے فضل کریں گے مگر اس جماعت میں سے ظالم طبع لوگوں نے جو کچھ انکو کہا گیا تھا کسی اور بات سے بدل* دیا (اس تبدیلی کی وجہ سے) ہم نے ان ظالم طبع لوگوں پر اُنکی نافرمانیوں اور سرکشیوں پر آسمانی وبا نازل کی.... اس آیت سے ہم کو چند سبق ملتے ہیں:۔

اوّلاً۔ جب کسی شہر میں یا گاؤں میں داخل ہو تو داخل ہونے سے پیشتر خدا تعالےٰ سے فرمانبرداری اور اطاعت کا مصمم ارادہ کر لو اور پچھلے گناہوں کے لئے مغفرت کی دعا کرو۔

ثانیاً۔ اطاعت الٰہی اور استغفار انسان کو محسن کے درجہ پر پہونچا دیتا ہے یعنے جہاں وہ وجہ اللہ کو دیکھ لیتا ہے یا کم از کم اس کو یہ کامل طور پر محسوس ہو جاتا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے زیر نظر ہے۔ اور یہ صاف بات ہے کہ ایسا انسان ہمیشہ برومند ہوتا ہے۔ گویا استغفار اور اطاعت احکام الٰہی دو ایسی چیزیں ہیں کہ انسان کو بامراد کر دیتی ہیں اور جبتک یہ دونوں نہوں ترقی کی راہ میں ایک روک پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ موجودہ نیکیوں کا مقابلہ سابقہ خطائیں اور ان کے بدنتائج کرتے ہیں۔ پس خطاؤں کے نتائج بد سے اور آیندہ کے لئے خطاؤں سے محفوظ رہنے کے لئے استغفار ایک ضروری شے ہے اور یہی استغفار کے معنے ہیں۔

ثالثاً۔ قول خداوندی کے خلاف کرنا بھی ایک قسم کا ظلم ہے جو انسان کو فسق کے درجہ تک پہونچا دیتا ہے کیونکہ فاسق کی تعریف میں یہ آچکا ہے الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ۔

رابعاً۔ فاسق کافر کی بہ نسبت بہت جلد مبتلائے عذاب ہوتا ہے۔

قَرْيَة سے مراد ایک گاؤں ہے۔

حِطَّةٌ کے معنے استغفار کے ہی ہیں یعنے گناہ ہٹ جائیں یا معاف ہوں۔

رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ۔ مختلف اقسام عذاب کو مشتمل ہے۔ طاعون بھی منجملہ ان اقسام کے ہے۔ اور بنی اسرائیل طاعون سے بھی ہلاک ہوئے۔

رجز یا طاعون لغت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اونٹ کے پُن ران میں ایک بیماری ہوتی ہے اور اس میں ایک کیڑا پڑ جاتا ہے جسکو نغف بھی کہتے ہیں۔ اس سے ایک لطیف نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ چونکہ اونٹ کی وضع میں ایک قسم کی سرکشی پائی جاتی ہے تو اس سے یہ پایا گیا کہ جب انسانوں میں وہ سرکشی کے دن پائے جائیں تو یہ عذاب الیم انپر نازل ہوتا ہے۔ اور رجز کے معنے لغت میں دوام کے بھی آئے ہیں۔ اور یہ مرض بھی دیرپا ہوتا ہے۔

مسیح موعود کے وجود پر دوسرا استدلال یہاں ہم اس امر کا بیان کر دینا بھی ازبس ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ آیت پیشگوئی کے رنگ میں مسیح موعود کے زمانہ کی ہی خبر دیتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے زمانہ کے علامات میں سے طاعون کا پھوٹنا بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں کئی سال سے طاعون پھیلا ہوا ہے جس نے گھروں کے گھر اور خاندانوں کے خاندان صاف کر دیئے ہیں۔ بے شمار بچے یتیم ہو گئے اور ہزاروں بیکس عورتیں بیوہ ہو گئی ہیں۔

* خدا تعالےٰ کا حکم تو یہ تھا کہ گناہوں کی معافی مانگیں اور اپنے اعمال سے اس حکم کی تعمیل کر دکھائیں۔ منتظم

ارشاد ہے - اور دوسرا حکم روحانی صلاحیت کے انتظام کے واسطے ہے جس کے لیے واعملوا صالحاً کا ارشاد ہے - اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ **اعمال صالحہ** کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان طیب چیزیں کھائے - اور ان دونوں کے مقابلہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدکاروں کے لیے عالم آخرت کی سزا ضروری ہے کیونکہ جبکہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جسمانی پاکیزگی کے قواعد کو ترک کرنے سے فی الفور کسی بلا میں گرفتار ہو جاتے ہیں اس لیے یہ امر بھی یقینی ہے کہ اگر ہم روحانی پاکیزگی کے اصول کو ترک کریں گے تو اسی طرح موت کے بعد بھی کوئی عذاب مولم ہم پر ضرور وارد ہوگا - اور اس سے یہ بھی ہوا کہ کفارہ کچھ چیز نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہم اپنے جسمانی بد طریقوں سے اپنے اوپر وبا کو لے آتے ہیں اور پھر حفظ صحت کے قواعد کی پابندی سے نجات پاتے ہیں یہی قانون ہمارے روحانی عذاب اور نجات سے وابستہ ہے -

غرض

چونکہ غذا کا اثر **اخلاق** پر جو روحانی معتدل قوتوں کے ظہور کا نام ہے پڑتا تھا اس لیے خدا تعالے نے ہدایت فرما دی کہ ہر چیز کے کھانے میں دو اصولوں کو مدنظر رکھو **اول** حلال یعنی اس کی نسبت شریعت کی اجازت ہو **دوم** طیب یعنی قوانین حفظ صحت کی اس کی نسبت اجازت ہو

ایک بیہودہ غلط فہمی اور نکتہ کہ چینی

اس زمانہ میں بدقسمتی سے روحانیت کا کمال یہ سمجھا جاتا ہے کہ اچھی بھلی پاکیزہ چیز کو بگاڑ لیا جاوے اور پھر استعمال کیا جاوے چنانچہ بعض صوفی منش عمدہ پلاؤ میں خاک ڈال لیتے ہیں تا کہ اس سے اعلیٰ درجہ کی فروتنی اور خاکساری ثابت ہو یا ایک ہی پیالہ میں مختلف قسم کی اشیا ڈال لیتے ہیں یعنی گوشت بھی اسی میں دال یا ساگ بھی اسی میں چاول بھی اسی میں دودھ بھی اسی میں اسیطرح پر جو کچھ ملے سب اسی میں ڈال لیا عوام اسکو **ولایت** اور **کرامت** کا نشان سمجھتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ ایسا کرنے سے وہ تو قرآن کریم کے اس حکم **طیب** کو توڑتے ہیں دوسرے درپردہ ان کی غرض ان چیزوں کو باہم ملا کر ایک قسم کی شراب بنا لینے سے ہوتی ہے +

۲۱۴ ع

اس قسم کے لوگ یا ان بدا ختروں کو پسند کرنے والے لوگ ہمارے محبوب و آقا **مسیح موعود علیہ السلام** پر اعتراض کرتے ہیں کہ وہ اچھی اور مقوی غذا کیوں استعمال کرتے ہیں - افسوس یہ لوگ حسد اور بغض کی وجہ سے خدا تعالے کے کلام اور نظام پر درحقیقت اعتراض کرتے ہیں مگر سمجھتے نہیں - لیکن بدقسمتی سے اس گروہ کے مقابل ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو زندگی کے **تعیشات** اور **تنعمات** میں حد سے زیادہ غلو اور انہماک کر رہا ہے اور اباحتی طریق کو پسند کر کے اکل اور اکتساب دونوں میں خدا تعالیٰ کی شریعت کا پابند نہیں رہا - اس وجہ سے آج فسق و فجور کی وہ کثرت ہے جس کی کوئی نظیر گذشتہ زمانوں میں نہ تھی اور ضروری تھا کہ اکل حرام کا یہ نتیجہ ہوتا -

پس

یہ ضروری امر ہے کہ غذا کے متعلق انسان ان قواعد سے انحراف نہ کرے تب یہ توفیق ملے گی کہ انسان شیطانی اتباع سے بچ جاوے گا چنانچہ اس کے ساتھ ہی خدا کا یہ حکم دینا کہ شیطانی اتباع نہ کرو اس امر کی بیّن اور واضح دلیل ہے + جو شخص حلال اور طیب نہیں کھاتے وہ شیطانی اتباع کرتے ہیں - اور وہ بموجب آیۃ شریفہ

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝

انسان کا خدا سے کاٹ دینے والا دشمن ہے + شیطان کے مسئلہ پر ہم پہلے پارہ میں بحث کر چکے ہیں اب مزید بحث کی حاجت نہیں + شیطان انسان کو ہمیشہ بدی اور کھلی بےحیائی کی راہ بتاتا ہے اور خدا پر بہتان باندھنے کی صلاح دیتا ہے

سوء اور **فحشا** میں یہی فرق ہے کہ سوء عام بدی کو کہتے ہیں لیکن جب وہ اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ جاتی ہے اور اس کے مضار اور قباحتیں عام اور بیّن ہو جاتی ہیں تو وہ فحشا کہلاتی ہیں -

کر چکے تھے۔ اسپر انھوں نے ایک اور جرأت اور جسارت کی اور بڑی شوخی سے کہا

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَہْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔

اور پھر جب تم نے موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ ہم تیری باتوں کو نہیں مانیں گے جب تک کہ ہم خود خدا کو روبرو سامنے نہ دیکھ لیں۔ تمہاری اس گستاخانہ حرکت پر تم کو کڑکتی بجلی نے پکڑ لیا۔ اور یہ ماجرا تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا۔

اللہ تعالےٰ کو قرآن تو یہ سے ماننا ہی ایمان ہے اور اللہ تعالےٰ کے غیب میں ہونے میں ایک لذت اور ذوق ہے جو معرفت الٰہی کے تلاش کرنے والوں کو ملتا ہے۔ مگر یہ نادان چاہتے تھے کہ عین طور پر دیکھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ بجلی میں پکڑے گئے۔ بجلی سے مر نہ گئے تھے بلکہ بے حس وحرکت ہو گئے تھے کیونکہ وانتم تنظرون اسپر قرینہ صاف موجود ہے۔ اس قسم کی انتشاری بجلی کا آفت رسیدہ علی العموم نہیں مرتا کیونکہ اگر وہ مر گئے ہوتے تو پھر وانتم تنظرون کے کچھ معنے نہیں ہوتے۔

غرض تم بجلی کے صدمہ سے مبہوت ہو کر پڑے رہے یہانتک کہ پھر مولیٰ کریم نے تم پر فضل کیا اور تمہیں نئی زندگی عطا فرمائی۔ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۔ پھر اس حالت موت سے تم کو اٹھا کھڑا کیا تاکہ تم شکر گذار قوم بنجاؤ۔

یہ احیاء موتیٰ پر دلیل نہیں ہے | بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کرنے کی بے فائدہ کوشش کی ہے کہ مردے زندہ ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ اول تو اس آیت میں احیاء کا لفظ نہیں ہے۔ پھر انتم تنظرون اس کے سخت مخالف ہے۔ اگر وہ مر گئے تھے تو دیکھنے کون تھے؟ کیونکہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کی آنکھوں میں دیکھنے والا نور رہتا ہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں موت کے معنے قوت نامیہ کے زوال قوت حسیہ کے زوال اور قوت عقلیہ کے زوال۔ تباہی۔ بربادی۔ فقر۔ ذلت۔ نیند کے بھی آتے ہیں۔ یہاں قوت عقلیہ کے زوال کے معنے ہی ہیں۔

اور مردوں کے زندہ نہونے پر قرآن کریم میں دوسری جگہ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ۔ نص صریح موجود ہے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَہُمْ یَظْلِمُوْنَ۔

اور ہم نے تم کو بادلوں کے سایہ میں رکھا اور تمپر من وسلویٰ نازل کیا (اور کہا) کہ (ہماری جانب سے یہ بے محنت کی) پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ ہم نے تم پر مہربانی کرنے میں کوئی کمی نہیں کی مگر تم اپنا نقصان آپ ہی کرتے رہے ہو (اپنی جانوں کو ظلم میں ڈالتے رہے۔)

بادلوں کا سایہ اگر اپنے وقت پر ہوتا رہے تو بڑا انعام ہے جیسا کہ ہمارے ہادی کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جنگ بدر میں ہوا۔

مَنّ بے محنت ہاتھ آنے والی چیز کو کہتے ہیں جیسے کھمبی یا ترنجبین اور سلویٰ ایک قسم کے جانور کو کہتے ہیں جو بٹیر یا تیتر کے برابر ہوتے تھے۔ وہ کثرت سے آتے اور انکو پکڑ پکڑ کر کھاتے۔ اور یہ سلویٰ صرف ایک مہینہ رہا تھا۔

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَہُمْ یَظْلِمُوْنَ سے صاف پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رحیم کریم ذات تو ایسی ہے کہ وہ کبھی بھی کسی پر ظلم نہیں کرتی۔ اور اگر کوئی مبتلائے مصیبت ہوتا ہے تو اپنی ہی بد کرتوتوں سے ہوتا ہے اللہ تعالےٰ تو بنی اسرائیل کی خطا کاریوں پر خطا کاریاں دیکھکر بھی رحم ہی فرماتا رہا اور معاف ہی کرتا رہا مگر یہ خطا کار قوم اپنی نافرمانیوں سے باز نہ آئی اور یوں غضب الٰہی انپر بھڑکا۔ اور اس غضب الٰہی کے دیگر اسباب اور بواعث میں سے ایک یہ بھی ہے:۔

ایسے ہی ناموں پر جو بکرے یا اشیا دی جاتی ہیں وہ بالکل حرام ہیں۔

قرآن شریف کے ایک دوسرے مقام پر حرمت کے مسئلہ میں ان اشیا کے ساتھ یہ اور بڑھایا گیا ہے۔ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع وما ذبح علی النصب یعنی لاٹھی سے مارا ہوا مت کھاؤ۔ گر کے مرا ہوا مت کھاؤ۔ سینگ لگنے سے مرا ہوا مت کھاؤ۔ درندہ کا پھاڑا ہوا مت کھاؤ۔ بت پر چڑھا ہوا مت کھاؤ*

یہ سب بھی دراصل مردار اور خون خواری کا حکم رکھتے ہیں۔ غرض حرمت کے مسئلہ میں ان ہر چہار اصول کو زیر نظر رکھا ہے۔ چونکہ بسا اوقات انسان پر ایسی حالت کے آجانے کا اندیشہ تھا کہ اسے بجز ان کے کھانے کے اور کوئی چارہ ہی نہ ہو سکتا ہو اس لیے خدا نے یہ استثنا کر دیا کہ اگر کوئی مضطر ہو اور اس کی خواہش نہ ہو اور وہ حد سے تجاوز کرنے والا بھی نہ ہو تو اس اضطرار کے وقت اگر وہ کھالے تو اللہ تعالے عفور رحیم ہے اسے ان کے برائثر سے محفوظ رکھے گا۔

اب یہ قانون بتا کر اللہ تعالے پھر اہل کتاب کو مخاطب کرتا ہے اور دنیا کے بدلے دین فروشی کرنیوالوں کا انجام بتاتا ہے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

ترجمہ جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ نے ان پر کتاب میں سے اتاری اور اسکو دنیا کے بدلے بیچتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی کھاتے ہیں۔ خدا تعالے قیامت کے دن ان سے کلام نہ کریگا اور نہ ان کو بے عیب ہی ٹھیرائے گا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے*

٢١٥ ع ٥

جو لوگ دین کو دنیا پر مقدم نہیں کرتے بلکہ دین فروشی کرتے ہیں ان کا یہ انجام ہے اس کو اور وضاحت سے بیان کیا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

ترجمہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرۃ کے بدلے عذاب خرید لیا یس عجیب صبر کرنے والے ہیں آگ پر۔ یہ اس لیے کہ بیشک اللہ تعالی نے نازل کی کتاب حق وحکمت کے ساتھ اور بے شک جن لوگوں نے کتاب کے متعلق اختلاف کیا وہ ضد میں دور جا پڑے

اس قدر بیان کے بعد اللہ تعالے اب اصول نیکی پر بحث فرماتا ہے جو اگلے رکوع میں شروع کیا گیا*



پہاڑمیں چل۔ یا پہاڑمیں رہ پڑ۔ پس اس میں سے بارہ چشمے پانی کے بہ نکلے۔ ہر ایک آدمی نے اپنا اپنا مشرب لے لیا۔ ہم نے کہا کہ کھاؤ اور پیو یہ اللہ کی عطا اور رزق ہے (مگر یاد رکھو) کہ زمین پر مفسدانہ حرکات کرنے سے باز رہو۔

اِضرب بعصاک الحجر | عربی زبان میں ضرب بھی ایک ایسا فعل ہے کہ جس کے بہت سے معنے آتے ہیں۔ اِضرب جو امر کا صیغہ ہے اس کے معنے تو مار بھی ہیں مگر قرآن شریف ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنے چلنے اور ٹھہرنے کے بھی آئے ہیں جیسے اذا ضربتم فی الارض میں ضربتم کے معنے چلنے پھرنے ہی کے آئے ہیں۔

پس یہ امر صاف ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے پانی کے لئے دعا کی تو اللہ تعالےٰ نے آپ کو اطلاع دی کہ تم اس جماعت کو لیکر اس پہاڑ میں رہ پڑو۔ یا اس پہاڑ میں چلے چلو۔

عصا کے معنے جماعت اسلام کے آئے ہیں۔ اردو میں ایک ضرب المثل ہے "جس کی لاٹھی اسی کی بھینس"۔

یہ بات جو مشہور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاٹھی ماری اور اس سے بارہ چشمے پانی کے بہ نکلے اگرچہ اس آیت کے حصص پر نظر کرنے سے جیسا کہ ط کے ذریعہ سے جو عربی میں فل سٹاپ کا کام دیتا ہے تین جدا جدا حصوں پر یہ آیت منقسم ہے۔ صراحتاً بلا تاویل یہ بات پائی نہیں جاتی مگر اس بات کے مان لینے سے کہ حضرت موسیٰ نے پتھر پر لاٹھی ماری اور اس سے پانی کے بارہ سوتے نکل پڑے کوئی استبعاد عقلی لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ پتھروں✣ میں ہی پانی ہوتا ہے۔ الہام الٰہی سے موسےٰ علیہ السلام کو ایسے پتھر کا پتہ دیا گیا ہو جس میں پانی تہا اور ضرب عصا سے نکل پڑا۔ ان معنوں کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج اور قباحت لازم نہیں آتی۔ مگر یہ معنے جو ہم نے کئے ہیں کہ تو اپنی جماعت کو لیکر اس پہاڑ میں رہ پڑ یا وہاں لے چل وہاں پانی کے بارہ چشمے بہتے ہیں زیادہ لطیف معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ امساک بارش کے وقت نماز استسقیٰ ضروری چیز ہے۔ دوسرے جب اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے بہرہ مند کرے تو شکر گزاری کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے نہ یہ کہ اکڑ باز ہو کر مخلوق الٰہی کو ستائے۔

کُلُوا وَاشرَبُوا مِن رِزقِ اللہِ وَلَا تَعثَوا فِی الاَرضِ مُفسِدِین | قرآن شریف کی پرغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے طبعی تقاضے افراط کے وقت بہت خطرناک ہوتے ہیں اور بسا اوقات اخلاق فاضلہ اور روحانیت کا ستیاناس کر دیتے ہیں اور چونکہ طبعی تقاضوں کا اخلاقی اور روحانی حالتوں سے بہت بڑا تعلق ہے یہانتک کہ کھانے پینے کے طریقے بھی انسان کی اخلاقی اور روحانی حالتوں پر اثر کرتے ہیں اور اگر ان طبعی حالتوں کو شریعت کے ماتحت کر دیا جائے تو یہ طبعی قوتیں اخلاقی حالتیں ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے تمام عبادات اور اندرونی پاکیزگی کے اغراض اور خشوع وخضوع کے مقاصد میں جسمانی طہارتوں اور جسمانی آداب اور جسمانی تعدیل کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور غور کرنے کے وقت یہی فلاسفی سچی معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اوضاع کا روح پر بہت بڑا اثر ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے طبعی افعال گو بظاہر جسمانی ہیں مگر ہماری روحانی حالتوں پر ضرور انکا اثر ہے۔ مثلاً جب ہماری آنکھیں رونا شروع کریں اور گو تکلف ہی سے روویں مگر فی الفور ان آنسوؤں کا ایک شعلہ اٹھکر دل پر جا پڑتا ہے۔ تب دل بھی آنکھوں کی پیروی کر کے غمگین ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی جب ہم تکلف سے ہنسنا شروع کریں تو دل میں بھی ایک انبساط پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جسمانی سجدہ بھی روح میں خشوع اور عاجزی کی حالت پیدا کر دیتا ہے اس کے مقابل پر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب ہم گردن کو اونچا کھینچکر اور چھاتی کو ابھار کر چلیں تو یہ وضع رفتار ہم میں ایک قسم کا تکبر اور خود بینی پیدا کرتی ہے۔ ان نمونوں سے یہ امر بخوبی حل ہو جاتا ہے کہ جسمانی اوضاع کا روحانی پر اثر ہے۔ ایسا ہی تجربہ ہم کو بتلاتا ہے کہ طرح طرح کی غذاؤں کا بھی دماغی اور دلی قوتوں پر ضرور اثر ہوتا ہے۔ مثلاً گوشت خور جانوروں اور پرندوں میں ایک شجاعت ہوتی ہے جو گھاس خور جانوروں میں نہیں ہوتی۔ پس یہ کیسی صاف بات ہے کہ غذاؤں کا اثر اخلاق پر ضرور پڑتا ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس مقام پر بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کھانے پینے کے طبعی تقاضے کو اخلاقی حالت کے اندر لانے کی راہ بتلائی یعنے اللہ تعالےٰ کے عطا کردہ رزق سے کھاؤ پیو مگر نہ اس حد تک کہ تم مفسد فی الارض ہو جاؤ۔ مگر بنی اسرائیل نے اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ چیزوں

✣ پتھروں میں پانی ہوتا ہے یہ چشموں کے اصول پر ایسا ہے جیسے برف پگھل کر جب پانی بنتا ہے تو دور دور تک وہ نیچے ہی نیچے چلا جاتا ہے اور راستہ جو کہیں انشقاق پاکر پھوٹ نکلتا ہے سو موسیٰ علیہ السلام کو الہام الٰہی سے اس موقعہ کا اطلاع ہوا

اور پھر طیب کا مگر ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ حرام کیا ہے اب اس کی تصریح فرماتا ہے۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

ترجمہ بیشک حرام کیا تمپر مُردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ چیزیں جنپر اللہ کے سوا غیر کا نام پکارا گیا ہو۔ ہاں اگر کوئی مضطر ہو اپنا ارادہ نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرے اُسپر کوئی گناہ نہیں بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔

حلّت اور حرمت کے مسئلہ کو سمجھنے کے لیے اس بات کا یاد رکھنا ضروری ہے کہ انسان میں **چار** چیزیں ہیں اوّل جسم دوم طبعی قوےٰ جن کے ذریعہ سے انسان بڑھتا ہے موٹا ہوتا ہے یا بول و براز خارج ہوتا ہے سوم اخلاق فاضلہ چہارم معتقدات۔

پس کل حرام چیزیں ان چاروں کے ماتحت چلتی ہیں۔ قرآن شریف کی یہ اصلاح طبعی حالتوں سے شروع ہوتی ہے اور تمدنی امور کو مرکز اعتدال پر لاکر وحشیانہ زندگی سے نجات بخشتی ہے + یہاں خدا نے **چار چیزیں حرام** کی ہیں

اوّل مَیْتَۃ مُردار۔ جو چیز مردار ہوئی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ کسی خطرناک گزند کے باعث ہوئی ہے پس مُردار کے کھانے سے ضرور جسم کو ایک گزند پہونچے گا۔ کیونکہ اس کے اندر موجب مرداری موجود ہے اس لیے انسان کو اس کی اجازت نہیں دی۔ مردار کھانا کھانے والے کو اپنے رنگ میں لاتا ہے اور ظاہری صحت کیلئے بھی مضر ہے۔

دوم الدَّم خون۔ طبی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ خون میں بتیس قسم کی زہریں ہیں بلکہ آج کل تو تینتیس قسم کی زہریں بتائی جاتی ہیں خون کا اثر طبعی قوےٰ پر پڑتا ہے اور ایک زہرناک عفونت پیدا کرتا ہے اسلیے اسکو بھی حرام کیا۔

پھر **تیسرا حرام** خنزیر ہے۔ خنزیر کی حرمت کے متعلق ایک نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خنزیر جو حرام کیا گیا ہے ابتدا ہی سے خدا نے اس کے نام میں حرمت کا اشارہ رکھدیا تھا۔ کیونکہ خنزیر کا لفظ خنز اور اَر سے مرکب ہے جسکے یہ معنی ہیں کہ میں اسکو بہت فاسد اور خراب دیکھتا ہوں خنز کے معنی بہت فاسد اور اَر کے معنی بصیغہ متکلم دیکھتا ہوں ہیں پس اس جانور کا نام جو ابتدا سے خدا تعالےٰ کی طرف سے اسکو ملا ہے وہی اسکی پلیدی پر دلالت کرتا ہے اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ہندی میں اس جانور کو سؤر کہتے ہیں یہ لفظ بھی سُو اور اَر سے مرکب ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ میں اسکو بہت بُرا دیکھتا ہوں * در اصل ہندی ترجمہ سُوْر کا بد ہے۔

اور یہ معنے ایسے ہیں کہ اس کی تشریح کی مزید حاجت نہیں کیونکہ اس بات کا کسکو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور ہے اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے **سُنّتہ اللہ** چاہتی ہے کہ ایسے پلید بد جانور کے گوشت کا اثر بھی اخلاق اور روح پر پلید ہی ہو۔ اور ہمنے اوپر ثابت کر دیا ہے کہ غذاؤں کا اثر انسان کی روح پر ضرور پڑتا ہے۔ پس اسمیں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی پڑے گا۔ جیسا کہ یونانیوں نے بھی یہی رائے دی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیتہ حیا کی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوثی کو ترقی دیتا ہے۔

واضح اور ثابت شدہ بات ہے کہ **خنزیر** کا کھانا اخلاق فاضلہ پر بہت بُرا اثر ڈالتا ہے۔ خنزیر ہی ایک جانور ہے جس سے بعض ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جنکی بیان کرنیسی حیا مانع ہے اس سے بڑھکر کوئی بیحیا جانور نہیں۔ شہوت اور غضب دو ایسی چیزیں ہیں کہ تمام اخلاق فاضلہ کو بگاڑ دیتی ہیں اور یہ دونوں خنزیر میں موجود ہیں۔ پس یہ کسقدر **قرآن کریم** کا احسان ہے کہ خنزیر کو بھی حرام ٹھیرایا۔

چوتھی اصل معتقدات تھی۔ اور غذا کا اُسپر بھی اثر پڑتا تھا۔ اس لیے اصل کے بچاؤ کے لیے جو خدا واحد رحمٰن رحیم کی تعلیم دی گئی تھی یہ ضروری ہوا کہ اس قسم کی غذا سے روکا جاوے جو شرک پیدا کرتی ہو پس وہ وہ غذائیں ہیں جو بتوں کے چڑھاوے ہوتے ہیں جنپر خدا کا نام نہ لیا جاوے بلکہ کسی اور کا نام لیا جاوے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دیوی یا شیخ سدو یا اَو

اس زمانہ کے علماء سوء نے یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرلی ہے - اور ان کے ساتھ ایک بل میں گھس گئے ہیں - اور یہ صداقت ہے اس امر کی کہ مسیح موعود کا زمانہ یہی ہے - اور خود مدعی مسیحیت و مہدویت موجود اور اس کو اپنا نشان قرار دیتا ہے - مبارک وہ جو اس کو قبول کرتے ہیں اور افسوس انپر جو اس سے مونہہ پھیر کر ہلاک ہوتے ہیں -

غرض

بنی اسرائیل اس وقت اس عذاب میں مبتلا ہوئے اور انہیں سے باغی اور شریر نسل تباہ ہوگئی اور یہ عرصہ دراز تک جنگلوں میں پڑے پھرتے رہے - اب اللہ تعالےٰ ان ایام کا ذکر فرماتا ہے جب یہ قوم جنگلوں میں پڑی پھرتی تھی -

رکوع ۷

بنی اسرائیل کو ملزم کیا جاتا انکی ناشایستہ حرکات ظاہر کرنے سے اُنکا اونچا بول نیچا کیا جاتا - موسیٰ سے اس قوم کا مقابلہ پیش آنا - موسیٰ کو ستانا - بے صبری اختیار کرنا - بات بات پر بگڑنا - بڑی بڑی نعمتوں کی بے قدری کرنا - کمینہ خواہشوں کی پیروی - خدا کی طرف سے ذلت اور مسکنت کی مار - اس قوم پر خدا کا دائمی غضب سبب یہ کہ اللہ تعالےٰ کی آیتوں کا انکار کیا - خدا کے نبیوں کے قتل کا ارادہ - اس قوم کا عصیان اور سرکشی -

عام نظر | اس رکوع میں اللہ تعالےٰ بنی اسرائیل کے مغضوب علیہ ہونے کے اور چند اسباب کو بیان فرماتا ہے اور ان میں مندرجہ ذیل سبق سکھلائے ہیں -

اول - اللہ تعالےٰ کے انعامات کا شکر کرنا چاہیے -

دوم - اگر اللہ تعالےٰ اپنا فضل کرے اور کسی قسم کی آسایش عطا فرمائے تو تکبر اور نخوت سے مفسد فی الارض نہ بنے -

سوم - اللہ تعالےٰ کے کسی فضل کو حقیر نہ سمجھے - عطاء الٰہی کو شکرگزاری سے لے -

چہارم - بیہودہ درخواستیں اللہ تعالےٰ کے حضور زیبا نہیں ہیں -

پنجم - شہر کی زندگی اگر اللہ تعالےٰ کا فضل دستگیری نہ کرے تو ذلت کا موجب ہوجاتی ہے - اس کے وجوہات صاف ہیں کیونکہ شہر میں مختلف قسم کے جذبات کو تحریک دینے والے اسباب ہوتے ہیں -

ششم - حدود اللہ سے آگے بڑھنا انکار آیات اللہ اور قتل الانبیاء تک نوبت پہونچاتا ہے - پس کسی نافرمانی کو خفیف نہ سمجھو -

یہ رکوع بنی اسرائیل کی اس حالت کو ظاہر کرتا ہے جبکہ وہ جنگلوں اور بیابانوں میں پھر رہے تھے - اس وقت قوم کو پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی - اللہ تعالےٰ اس واقعہ کا بیان یوں فرماتا ہے -

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ -

اسوقت کو تو یاد کرو جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسی حالت میں کہ قوم عدم دستیابی پانی کی وجہ سے گھبرائی ہوئی تھی قوم کے لئے پانی کی التجا کی - ہم نے اس بے تابی کی حالت میں موسیٰ کو قوم کے لئے پانی کی ایک سبیل بتائی اور کہا کہ تو اپنی جماعت کو

فٹ نوٹ - انبیاء علیہم السلام کی عقل بہت باریک بین ہوتی ہے - خصوصاً ہمارے سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل تو بہت ہی باریک بین تھی - حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہمیشہ جب کسی شہر کو دور سے دیکھتے تو یہ دعا پڑھا کرتے - اللھم رب السموات السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیطان وما اضللن ورب الریاح

ہشتم ہر صاحب جائیداد مرنے والے کے لیے ضروری حکم دیا کہ وہ وصیت کر دے تاکہ پیچھے اُس کے ورثاء میں فساد نہ ہو۔

نہم اس بات سے منع کیا کہ کوئی اس وصیت کو بلا وجہ شرعی تبدیل کر کے کسی کے حقوق غصب کر کے اس فساد کو برپا نہ کرے جو وصیت سے روکا گیا ہے۔

دہم غلطی کی صورت میں اس وصیت میں تبدیلی کا حکم دے دیا۔

یہ امور ہیں جو اس رکوع میں مولیٰ کریم نے بیان فرمائے ہیں۔ اب ہم ذیل میں اس رکوع کو لکھتے ہیں

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

ترجمہ۔ نیکی یہی تو نہیں کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لو۔ نیکی اور عمدہ بات تو اُسی شخص کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور پچھلی دن پر اور ملائکہ پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور مال دے باوجود محبت مال کے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور نمازوں کو ٹھیک اور درست رکھے اور زکوٰۃ دے اور (نیکوکار وہ لوگ ہیں جو) پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو عہد کر چکنے کے بعد اور صبر کرنیوالے ہیں تنگدستی اور سختی اور جنگ کے وقتیں۔ یہی لوگ صادق ہیں اور یہی متقی ہیں

اٰمَنَ بِاللّٰہِ ایمان باللہ تمام نیکیوں کی اصل اور جڑ ہے اور تمام اخلاق فاضلہ کا ظہور اسی ایمان سے شروع ہوتا ہے اس لیے اگر ہم یہ کہیں کہ دہریہ اخلاق فاضلہ سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا تو یہ کوئی عجیب بات نہ ہو گی کیونکہ جس حال میں کسی قادر مطلق مدبر بالارادہ ہستی پر اُسکا ایمان نہیں جو بُرے افعال اور اعمال پر سزا دے سکے یا اچھے اعمال کی جزا میں انعام کر سکے تو وہ نیکی اور بدی کے کرنے اور نہ کرنیکے لئے کون محرک محسوس کریگا جس کا اقتداری [illegible] کے سوا اُسکے پاس نیکی وبدی کی شناخت کا کوئی معیار نہیں کیونکہ دہریت کیسے عسنطہ ضرور لگا ہوا ہے مثلاً ایک دہریہ ہرگز کسی حرام کے حرام ہونے کی وجہ موجہ نہیں بتا سکتا۔ جیسے فرض کرو اگر وہ ماں بہن یا بیٹی کی حرمت کے کوئی وجوہ بیان کرے گا تو وہ تجربہ ہی کی بنا پر ہوں گے مگر پھر تجربہ کا نقص خود ہی مان کر رہ جائے گا اس لیے ایمان باللہ ایک اصل الاصل ہے جس سے تمام نیکیوں کا ظہور ہوتا ہے اور تمام اخلاق فاضلہ کے مدارج اُس سے ملتے ہیں۔

ایمان باللہ کیا ہے؟ تمام صفات کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں سے منزہ اپنا محبوب و مقصود، مطلوب اور معبود صرف اللہ تعالےٰ ہی کو ٹھیرانا ...... کسی سے دشمنی ہو تو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت ہو تو اللہ تعالیٰ کے لیے۔ غرض ہر ایک کام میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خدا تعالےٰ اس میں مقدم ہے یا کوئی اور۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے اس اصل کو مقدم رکھکر تمام صفات کا موصوف اللہ تعالیٰ ہی کو ٹھیرایا ہے اور کہا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اللہ کی مانند کوئی نہیں اور وہ سُنتا ہے اور جانتا ہے۔ اور پھر فرمایا فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

رکوع نمبر ۸

نجات کا اصول تبلایا جاتا ہے۔ قومی بزرگی اور قومی فخر کو جو بغیر ایمان و اعمال صالحہ کے ہو رد کیا جانا۔ یہودیوں کو شریعت آسمانی کا پابند رہنے پر ملزم کیا جانا۔ انکی شریعت کے برخلاف خطا کاریاں ظاہر کی جائیں۔ جھوٹے معبودوں کی عزت دینے سے انہیں روکا جانا۔ یہودیوں میں گائے کی عظمت اور اوسکا ذبح کیا جانا جس سے گائے کی پرستش کی بیخکنی ہو گئی۔

عام نظر | اِس رکوع میں بھی منعم علیہ اور مغضوب علیہ ہونیکے اسباب پر وضاحت کیساتھ بحث فرمائی ہے اصل یہہ ہے بعض کام کرنے ضروری ہوتے ہیں اور بعض سے بچنا لابدی ہوتا ہے پس اگر فعل کو ترک فعل اور ترک فعل کو فعل بناویں تو دونو صورتوں میں انسان خلاف ورزی احکام الٰہی کے نیچے آکر مغضوب ہو جاتا ہے۔ اس طرح پر مندرجہ ذیل امور اس رکوع میں بیان فرمائے گئے ہیں

اول - نجات کا مدار **ایمان** اور اعمال صالحہ کی بنا پر ہوتا ہے

دوم - **سبت** کی عظمت اور عزت ضروری امر ہے **سبت** کی بے حرمتی ذلت اور عذاب کا موجب ہوتی ہے اس کی تہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کے اعتراف اور منکروں پر عذاب الٰہی کے نزول کی پیشگوئی ہے

سوم اسلام کے اس احسان عام کا تذکرہ ہے جو ملت کے لحاظ سے قوموں میں اتحاد اور یگانگت کی برکت پیدا کرتا ہے۔

چہارم - گائے کی پرستش جو شرک ہے اسکے روکنے کی احسن تدبیر گاؤکشی کی ترویج ہے۔

پنجم - یاوہ گوئی اور بخول بازی جاہلوں کا کام ہے۔

یہ امور خمسہ اس رکوع میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

ان الذین امنوا و الذین ھادوا و النصاری و الصابئین من امن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون -

رکوئی آدمی صرف برائے نام کسی فرقہ میں شامل ہو جانے سے نجات نہیں پا سکتا اللہ تعالیٰ کا ارشاد انسانی نجات کی نسبت یوں صادر ہوتا ہے) وہ لوگ جو کسی اعتقاد کے رکھنے والے یا ماننے والے ہیں اور وہ لوگ جو یہودی کہلاتے ہیں اور وہ لوگ جو نصاری ہیں اور صابی جو ستاروں سے تعلق رکھتے ہیں ان سب میں کوئی بھی ہو جو سچے طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لایا اور اس نے اس بات پر بھی بخوبی یقین کر لیا کہ آخر کار خدا کے حضور حاضر ہونیکا دن آنے والا ہے) یا اوس ایمان کو جس نے دستور العمل بنا لیا جو اللہ سے شروع ہوا یوم آخرۃ پر ختم ہوتا ہے) اور پھر اس ایمان اور یقین کا اعمال صالحہ کے بجالانے سے اور نیکوکاری کرنے سے اپنی زندگی بھر ثبوت دیتا رہا۔ ایسے لوگوں کو ان کے رب کی طرف سے ضرور اجر ملنے والا ہے اگو نہ آئندہ کے لئے کوئی غم دامنگیر ہو نہ کسی گزشتہ عمل کیلئے ہی وہ محزون ہوں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے کیا مراد ہے؟ | اس جگہ اللہ تعالیٰ نے نجات کے عام اصول کو بیان فرمایا ہے اور اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے ہر مذہب کے اخیار و برگزیدہ لوگ مراد ہیں کیونکہ اشرار کا جدا بیان پ۱ رکوع ۹ میں اور ایسا ہی پ۶ کی ابتدا میں بھی فرمایا گیا ہے بہرحال یہاں اخیار اور برگزیدہ لوگوں کا ذکر ہے خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے پابند ہوں لیکن جب من امن باللہ والیوم الاخر کے پابند ہو جاویں اِن کے حقوق باہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر ہیں۔

اسلام کی خصوصیت | یہ اسلام کا احسان عام ہے کہ تمیز کے مسئلہ کو اٹھا کر اتحاد اور یگانگت کی روح پیدا کرتا ہے دوسرا کوئی مذہب اس قسم

رکوع ۲۲ ۶

نیکی کی اصل حقیقت بتائی جاتی ہے کہ اصل نیکی وہ ایمان ہے جو اللہ پر یقین لانے سے شروع ہو کر یوم آخرۃ پر اعتقاد کرنے تک ختم ہوتا ہے + اور ایمان بالملائکہ اور ایمان بالکتب اور ایمان بالنبین اس کے شعبے ہیں۔ اور پھر روح پر اس ایمان کا اثر ایسا ہو کہ عملی حالت میں ترقی کرکے مال جیسی عزیز چیز باوجود اپنی ضرورتوں کے قریبوں۔ یتیموں۔ مسکینوں اور مسافروں اور سائلین کی حاجت براری میں خرچ کریں جن کی حاجت براری میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو اور یہ خصوصیت السائلین کے الف لام لانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور غلاموں کے آزاد کرنے میں خرچ کریں۔ نماز کو ٹھیک درست رکھیں۔ اور ایک مقرر حصہ اپنے مال میں سے دیں (جسے زکوٰۃ کہتے ہیں) اور اپنے معاہدوں کا ایفا کریں ہر قسم کی تکلیف۔ شدۃ اور بیماری اور لڑائی کے وقت مستقل اور وفادار رہیں اور صداقت کو کام میں لادیں یہ لوگ ہیں جو متقی کہلاتے ہیں۔

مومنوں کو قصاص کے قانون سے آگاہ کیا جاتا ہے کہ قتل کی سزا قتل ہے آزاد کے بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام عورت کے بدلے عورت اور یہی نہیں کہ والیان مقتول اسی سزا کے لیے مجبور ہوں بلکہ جو کوئی اپنے بھائی کو معاف کردے اور اس معاف کرنے میں پسندیدہ فعل کی اتباع ہو تو کیا کہنا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو دیت (عوض مالی) لے کر چھوڑ دینا احسان سے کم نہیں۔ یہ خدا کی رحمت کا ایک نشان ہے اس کے بعد بھی جو حد سے تجاوز کرتا ہے اس کے لیے دردناک عذاب ہے اور قصاص کی ترغیب اس لیے دی ہے کہ اس سے آیندہ کے لیے امن اور انسداد قتل ہوتا ہے پھر ایک اور ضروری امر کی طرف توجہ دلائی کہ جب کوئی تم میں سے مرنے لگے اور اس کی جائیداد بھی ہو تو اُسے مناسب ہے کہ اس کے متعلق اپنے والدین اور قریبوں کے لیے پسندیدہ طور پر وصیت کردے۔ اور اگر کوئی بلا وجہ اس وصیت کو سُنکر اس کو بدل دے تو وہ گنہگار ہے مگر ہاں اس وصیت میں وصیت کرنے والا کوئی غلطی کر بیٹھے اور کسی کے جائز حقوق کو اس سے گزند پہنچتا ہو تو پھر تبدیل گناہ نہیں۔



عام مطالب مندرجہ بالا خلاصہ رکوع پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ان مطالب پر بحث فرمائی ہے

اوّل نیکی کی حقیقت بتائی ہے جس کے ضمن میں ایمان باللہ۔ ایمان بالملائکہ۔ ایمان بالکتب اور ایمان بالنبیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ حصہ نیکی کا اعتقادات صحیحہ کے متعلق ہے۔

دوم اخلاق فاضلہ کے متعلق نیکی کی حقیقت کے ضمن میں بتایا کہ باوجود اپنی ضرورتوں کے اپنے قریبی رشتہ داروں یتامیٰ مساکین۔ مسافروں اور عام سائلین کی حاجت براری کا لحاظ رکھے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں مال خرچ کرے

سوم اعمال صالحہ کی حقیقت کو اس سلسلہ میں بیان فرمایا کہ عبادت (نماز) کو ٹھیک وقت پر ادا کرے کیونکہ مومن کا معراج یہی ہے۔

چہارم زکوٰۃ کی تائید کی تاکہ مالی عبادت بھی ہو جاوے۔

پنجم اخلاق فاضلہ۔ ایفاء عہد۔ صبر مصائب پر اور صداقت کا حکم دیکر متقیوں کے صفات بنادیے

ششم امن عامہ کے قیام کے لیے قصاص کا حکم دیا۔

ہفتم قصاص کی غرض امن اور انسداد جرائم بتایا اور باوجود قصاص کے حکم کے دیت اور ایسے عفو کی تعلیم بھی

پر شکر نہ کیا اور شوخی و جرأت کی بلکہ انکو حقیر سمجھا اور بے صبری سے کام لیا گئی یہ حرکت ہی انکے مغضوب علیہم ہونیکا باعث ہوئی۔ اسکا ذکر یوں فرماتا ہے
وإذ قلتم يموسى لن نصبر على طعام واحد فادع لنا ربك يخرج لنا مما تنبت الأرض من بقلها وقثائها وفومها وعدسها وبصلها ۖ قال أتستبدلون الذي هو أدنى بالذي هو خير ۚ اهبطوا مصرا فإن لكم ما سألتم ۔

اور پھر وہ وقت بھی یاد کرو کہ تم نے ایسی فراغت اور امن کی زندگی بسر کرتے ہوئے جب یہ کہا کہ اے موسیٰ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر لگے بیٹھے نہیں رہ سکتے۔ تو اپنے رب سے دعا مانگ کہ زمین کی روئیدگیاں ہمارے لئے نکالے۔ ساگ ہو۔ ککڑی ہو۔ گیہوں ہو۔ مسور ہوں پیاز ہوں۔ موسیٰ نے جواب دیا کہ کیا تم بہتر چیزوں کو چھوڑ کر ادنیٰ چیزوں کی خواہش کرتے ہو۔ جنگل میں تو یہ چیزیں میسر نہیں آسکتیں (اگر تم نہیں رہ سکتے) تو پھر تم کسی شہر میں چلے جاؤ۔ جو تم مانگتے ہو وہاں تم کو مل ہی رہیگا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان بے صبری کے ساتھ اُن چیزوں کی جو اس کے پاس نہیں خواہش نہ کرے۔ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کو کہتے ہیں فادع لنا ربك یعنے اپنے رب سے ہمارے لئے مانگ۔ ربنا نہیں کہتے جس سے ان کے ضعف ایمان کا پتہ لگتا ہے۔ طعام واحد سے مراد منّ ہے کیونکہ سلویٰ تو صرف ایک ہی بار اتری تھی۔ بنی اسرائیل کی اس درخواست کے اندر در اصل وہ باتیں مرکوز ہیں جو وہ شہر میں جاکر جذبات نفسانیہ کی اسیری میں کرتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شہر کا جانا انپر غضب الہی کے ٹوٹنے کا موجب ہوا۔ شہر کی زندگی انسان پر عجیب اثر کرتی ہے اور فوق العادت تحریکات اس کے جذبات پر خطرناک اثر کرتی ہیں۔

بنی اسرائیل کی یہ درخواست بھی فتح بلاد اور زراعت کی نسبت ایک عجیب رائے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ان اشیا کو ادنیٰ سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ زمینداری بہت سی مشکلات کو ساتھ لاتی ہے۔ گو کہ زمینداری ایک ذریعہ دولت پیدا کرنے کا ہو مگر ذلیل۔ کیونکہ زمیندار کو ایک ادنیٰ درجہ کے پٹواری سے لیکر فنانشل کمشنر تک سب کی غلامی کرنی پڑتی ہے۔ زمیندار لمبے سفر نہیں کرسکتا جو قدرت کے عجائبات دکھانے کا موجب ہوتے ہیں۔ پھر جسقدر اولاد بڑھے گی اسیقدر افلاس بڑھتا جائے گا۔

صحابہ کرام میں ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت اُن کو ہی ملی جو بلاد سے نکلے اور زمیندار نہ تھے۔ انصار جو زمیندار تھے ان کو خلافت نہیں ملی۔

غرض بنی اسرائیل میں کا ایک گروہ زراعت پیشہ ہوگیا اور بہت سے واقعات اُنپر گذرے جن کا ذکر قرآن شریف نے غیر ضروری سمجھا۔ اس واقعہ کے بیان سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ استبدال خیر بالادنیٰ بہت بری شئے ہے اور یہ بھی ایک باعث انکے مغضوب علیہ ہونے کا ہوا۔ آخر جب اُنکی بدکاریاں اور برائیاں حد سے بڑھ گئیں تو اُنپر یہ فتویٰ لگ گیا وضربت عليهم الذلة والمسكنة وباءو بغضب من الله ذلك بأنهم كانوا يكفرون بآيات الله ويقتلون النبيين بغير الحق ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون۔ اُنکی ایسی بے قدریوں پر اُنکے کینہ خیالات اسکا سبب ہوگئی کہ انپر ذلت اور مسکینی کی مار پڑی اور پھر وہ بجائے اس فضل و نعمت کے خدا کا غضب چڑھا لائے۔ اور اُنکی یہ حالت اس واسطے ہوگئی کہ انھوں نے ایات اللہ کا انکار کیا اور نبیوں کی ناحق قتل کرنے کے منصوبے کرتے رہے۔ ایسی جرأتیں انہیں اس لئے پیدا ہوگئی تھیں کہ انھوں نے نافرمانی اختیار کی اور خدا کی حدود سے آگے نکل گئے ذلت کے معنے کمزور اور جماعت کا کم ہوجانا اور مسکنۃ بیدست و پا ہوجانا۔ اب دیکھلو دنیا میں اسماعیلی قوم کے بالمقابل انکی تعداد کم ہے ایسے بیدست و پا ہیں کہ کوئی سہارا نہیں دیتا۔ یقتلون النبیین سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے اور منصوبے ہیں اس لئے اس کو مضارع کے صیغے سے بیان کیا ہے ورنہ یہ قرآن شریف سے ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی نبی قتل کیا گیا ہو۔

اس رکوع کو ختم کرنیسے پیشتر یہ بتلا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مندرجہ ذیل دس اسباب بیان ہوئے ہیں جنہوں نے ایک منعم علیہ قوم کو مغضوب بنا دیا اور انکے بیان سے یہ غرض ہے کہ ہم ان باتوں کے مرتکب نہ ہوں اللہ تعالےٰ ہمکو اور ہمارے پڑھنے والوں کو محفوظ رکھے آمین۔ اور وہ یہ ہیں۔ اوّل۔ شرک۔ دوم۔ خدا تعالےٰ کے حضور جرأت و جسارت۔ سوم عدم تعمیل احکام الہی۔ چہارم عدم شکر انعام الہی۔ پنجم استبدال الخیر بالادنی۔ ششم فساد فی الارض۔ ہفتم۔ اعتدا۔ حدود اللہ کو چھوڑنا۔ ہشتم نافرمانی۔ نہم انکار آیات اللہ دہم۔ قتل الانبیاء۔

یوم آخرۃ کے اصول کو یہاں قرآن شریف نے اعمال اور اُن کے نتائج کے علم کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ اور یہ مسئلہ کہ انسان جو اعمال کرتا ہے ان کے نتائج اسی کے رنگ میں ہوتے ہیں سب قوموں کے درمیان شائع اور متعارف ہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

شعر

از مکافات عمل غافل مشو گندم از گندم بروید جو ز جو

اس کی نظیریں موجود ہیں، اور چونکہ اصلی اور حقیقی نیکی کے حصول کے لیے جیسے یہ ضروری امر ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان ہو اور اس کی صفات کاملہ پر پورا یقین ہو تب انسان میں اس فطرۃ کے پیدا ہونے کی اُمید ہوسکتی ہے جو گناہ سوز فطرۃ کہلاتی ہے، اور اس فطرۃ کی تربیت، اور نشوونما کے لیے دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ انسان اعمال اور ان کے نتائج کے علم سے آگاہ ہو اور جانتا ہو کہ جو فعل میں کروں گا اُس کا نتیجہ اسی کے رنگ میں جلوہ گر ہوگا۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ جو بھکر کوئی گندم کا خرمن جمع کرے پس جب یہ علم اسے ہوجائے گا تو یقیناً وہ بدیوں سے نفور اور نیکیوں کی طرف راغب ہوجائے گا، گناہ کی موت سے انسان تب مرتا ہے جب وہ اپنے اعمال کی پاداش پر یقین نہیں رکھتا۔

مختلف مذاہب نے اس مسئلہ پر مختلف قسم کی تعلیم دی ہے مثلاً آریہ کہتا ہے کہ یوم آخرۃ کوئی نہیں ہے بلکہ اعمال کی پاداش یہاں ہی ملتی رہتی ہے۔ اور تناسخ کا چکر جاری ہے، تعجب ہے کہ یہ لوگ روح کو مختار مانتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ روح کو کبھی نجات نہیں ملے گی، ایک فاعل مختار کو جسے اپنے افعال میں اختیار کلی ہے اور جس کا وجود وجوب ذاتی رکھتا ہے خدا کا دیا ہوا وجود بھی نہیں پھر اسکو سزا دینے والا کون ہوگا؟ سوچو تو سہی۔

اور تناسخ کا مسئلہ ایسا لغو اور بیہودہ مسئلہ ہے کہ اگر اسے تسلیم کرلیا جاوے تو بدی کا بانی خود خدا ہی ماننا پڑے گا۔ بلکہ خدا کو محض ایک معطل ہستی کہنا ہوگا علاوہ بریں جو نتائج بد تناسخ سے پیدا ہوتے ہیں اُن پر یہاں مفصل بحث نہیں ہوسکتی اس کے لیے ہم ناظرین کو سرمہ چشم آریہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔*

ایسا ہی عیسائیوں نے یوم آخرۃ تو تجویز کیا ہے مگر اس کی حقیقت کچھ نہیں بتائی۔ تثلیث کا عقدہ لاینحل ہی کم نہ تھا کہ اس پر کفارہ کی مشکل اور پیش کردی۔

اسلام نے یوم آخرۃ کی جو تشریح کی ہے وہ حقیقت میں اس قابل ہے کہ سلیم الفطرۃ انسان کو اس کے ماننے کے بدون چارہ نہیں رہ سکتا۔ ہم اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے سہولت سے سمجھ میں آجانے کے لیے مختلف عنوانوں میں اسے تقسیم کرتے ہیں۔

اول انسان کے ہر فعل پر خدا کی طرف سے ایک نتیجہ مترتب ہوتا ہے

یہ بات بحضور دل یاد رکھنی چاہیے کہ انسان جب کوئی کام کرتا ہے تو اُس پر خدا کی طرف سے ایک نتیجہ ضرور مترتب ہوتا ہے۔ مثلاً انسان جب اپنی کوٹھڑی کے دروازے بند کردے تو اُس پر خدا تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ وہ اُس کوٹھڑی میں اندھیرا پیدا کردے گا کیونکہ جو امور خدا تعالیٰ کی سُنّت میں ہمارے کاموں کے لیے بطور ایک نتیجہ لازمی کے مقدر ہوچکے ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے فعل ہیں اور اس قسم کی بہت سی نظیریں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ایک فعل کرتا ہے اور اس پر خدا کی طرف سے ایک نتیجہ مترتب ہوجاتا ہے۔ پس جس طرح ہماری دنیوی زندگی میں صریح نظر آتا ہے کہ ہمارے افعال کے نتائج ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتے ہیں ایسا ہی دنیا کے متعلق بھی خدا کا یہی قانون ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا جو لوگ اس فعل کو بجالائے کہ انھوں نے خدا تعالیٰ کی جستجو میں پوری پوری کوشش کی تو اس فعل کے لیے لازمی طور پر ہمارا یہ فعل ہوگا کہ ہم اُن کو اپنی راہ دکھاویں گے اور ایسا ہی فرمایا فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ جن لوگوں نے کجی اختیار کی ہمارا فعل اُن کی نسبت یہ ہوگا کہ ہم اُن کے دلوں کو کج کردیں گے۔

۲۱۹ ع۳

اپنے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ جو ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون کا درجہ کہلاتا ہے۔

خوف وحزن میں تفریق خوف آیندہ کے غم کو کہتے ہیں اور حزن واقعات گذشتہ کا رنج۔ گناہ ایک ایسی شے ہے کہ وہ اپنے اندر دو نو قسم کے غم رکھتی ہے لیکن جب گناہون کی مغفرت ہوجاوے تو گذشتہ اعمال جو پہر غم ورنج کا موجب ہوسکتے ہین آیندہ کی حفاظت مین دب جاتے ہین اور اللہ تعالی پردہ پوشی فرماکر ہر قسم کے ہموم وغموم سے نجات دیتا ہے۔

پس جب مومن اعمال صالحہ کرتا ہے اُس وقت وہ سرور اور لذت سے ایسا بہرجاتا ہے کہ نہ کوئی گذشتہ غم وہم اسکو مضمحل کرسکتا ہے اور نہ آیندہ کا کوئی خطرہ باقی رہتا ہے۔ یہ اطمینان۔ فلاح اور سکینت یا نجات کا مقام ہے اور یہی نجات کی اصل حقیقت ہے کہ وہ ہر قسم کے آنیوالے ہموم اور غموم اور گذشتہ خطرات رنجدہ سے محفوظ کردیتے ہین۔

منعم علیہ کی شناخت کے لئے یہ ذریعہ بطور اصل الاصول ہے کہ انسان اسکی خلاف ورزی سے ذلیل اور خوار ہوجاتا ہے چنانچہ پہر خدا تعالی بنی اسرائیل کے قصہ کو پیش کرکے اسکا ثبوت دیتا ہے۔

واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور خذوا ما اتینکم بقوۃ واذکروا ما فیہ لعلکم تتقون ۔ ثم تولیتم من بعد ذلک فلولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لکنتم من الخاسرین

اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ اے اسرائیل کی اولاد ہم نے تمسے شریعت کی پابندی کا عہد لیا اور کوہ طور کو تمپر بلند کیا۔ (جو تمہاری شریعت کا مقام نزول ہے) اور وہان پر ہمنے تمکو حکم دیا تہا کہ جو احکام ہماری طرف سے تمکو عطا ہوتے ہین انکو تم خوب استواری کے ساتھ پکڑو اور جو کچھ ان احکام میں بیان کیا گیا ہے اسکو خوب یاد کرلو تاکہ تمہاری نجات اور بچاؤ کی صورت پیدا ہو۔ مگر تمنے روگردانی اختیار کرلی اگر اللہ کا فضل اور اوس کی رحمت تمہاری دستگیر نہ ہوتی تو تم ضرور خراب خستہ حال ہوجاتے۔

میثاق سے اس عہد کیطرف اشارہ ہے جو بنی اسرائیل سے کوہ طور کے دامن میں لیا گیا تھا جہان اونکو ممانعت تہی کہ پہاڑ کے اوپر نہ چڑہین۔ اور ان بنی اسرائیل کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مین موجود تہے اس میثاق کیطرف بطور پیشگوئی ایما کیا جاتا ہے جو مدینہ طیبہ مین ہونے والا تہا اور جسکی خلاف ورزی ان لوگون نے کرلی تہی۔ کیونکہ جیسے پہلے میثاق سے روگردانی کی تہی یہان بہی کرنے والے تہے۔

چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ وغیرہ قومون سے معاہدہ ہوا اور انہون نے توڑ ڈالا۔

رفعنا فوقکم الطور ہمنے اونچا رکھا تمہارے اوپر طور کو۔ **طور** پہاڑ کو کہتے ہیں اور یہاں وہ طور مراد ہے جس پر حضرت موسی علیہ السلام کو توریت ملی تہی۔ یہود کو حکم تہا کہ وہ پہاڑ کے اوپر نہ جائیں حتے کہ اون کے جانور بہی اوپر کو نہ جانے پائیں۔ اسکا مفصل ذکر حضرت موسی کی کتاب خروج ۱۹/۱۲ میں موجود ہے۔

رفع کے بالمقابل **تحت** کا لفظ ہے جیسے کہتے ہیں کہ راوی لاہور کے نیچے بہتی ہے اسکے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ دریائے راوی کے پانی کے اوپر شہر لاہور کی عمارتین آباد ہیں بلکہ دامن لاہور مراد ہے۔ اسی طرح پر بنی اسرائیل کو دامن کوہ طور میں کھڑا رہنے کا حکم تھا۔

عرب کا قاعدہ ہے کہ ظرف بول کر مظروف مراد لیا کرتے ہیں اس صورت میں رفعنا فوقکم الطور سے مراد یہ ہوگی کہ ہمنے تمکو وہ احکام دئے تہے جو طور پر نازل ہوئے تہے۔

غرض یہ ہے کہ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو فرمایا (کہ سکھون کے حاصل کرنیکے واسطے یہی ایک راہ ہے) کہ تم ان احکام پر جو طور پر کے ان میں تمکو دئے گئے ہیں پورے طور پر عامل ہوجاؤ۔ ورنہ نتیجہ خسران ہوگا۔

یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے وہ عیوب بیان کئے ہین جو مسلمانون ہیں ایک

پس ایمان باللہ کا مقصود یہی ہے کہ کوئی چیز خدا کے سوا۔ دل میں۔ زبان میں۔ حرکات میں۔ سکنات میں معبود اور محبوب اور مطلوب اور مطاع نہ رہے اس لیے قرآن نے حکم دیا ہے وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا۔

ایمان باللہ اور دوسرے مذاہب

ایمان باللہ کی تعلیم بظاہر دہریہ کے سوا آریہ۔ یہودی۔ عیسائی بھی دیتے ہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اس تعلیم میں سب سے ممتاز ہے۔

آریہ بظاہر اس اصل کی تائید میں اپنا اصول یہ پیش کرتے ہیں کہ تمام اشیا جو بذریعہ علم حقیقی معلوم ہوتی ہیں ان کی اصل خدا ہے اور وہ اس خدا کو اپنے اعتقاد کے موافق قادر مطلق۔ خالق مرنے جینے سے پاک۔ حی و قیوم اور معبود بھی مانتے ہیں مگر تعجب یہ ہے کہ ایک طرف تو ان کا اصول یہ ہے دوسری طرف ان کے اعتقاد میں یہ بھی داخل ہے کہ

اول تمام ارواح اور ان کے خواص خدا کی مخلوق نہیں ہیں۔

دوم تمام ذرات عالم بھی اپنے معہ خواص عجیبہ خدا کی مخلوق نہیں۔

سوم ہمیشہ کی نجات کسی کو کبھی نہیں مل سکتی۔

چہارم مخلوق موجودہ میں سے کسی کو خدا کے عطایا میں سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا بلکہ اعمال کا نتیجہ ہے۔

پنجم وید کے سوا اور کوئی ایشر یہ گیان دنیا میں موجود نہیں اور نہ کبھی نازل ہوگا۔

اب جب ہم ان امور خمسہ پر نظر کرتے ہیں تو ویدکی رو سے ایشر کے صفات اور اللہ تعالیٰ کے صفات و محامد جو اسلام اور قرآن نے پیش کیے ہیں مقابلہ کرنے سے ویدک ایشر مرے ہوئے کیڑے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا

عیسائی بھی زبان سے تو ایک ہی خدا کی پرستش بتاتے ہیں مگر ہم ان کے نرے لسانی اقرار کو کیا کریں جبکہ معتقدات میں انھوں نے الوہیت کا تاج مسیح ابن مریم جیسے خاکسار بندہ کے سر پر رکھدیا اور یہودیوں سے ہٹ کر بھی وہ اس منصب سے معزول نہ ہوا۔ اور پھر لطف یہ کہ باپ سے بیٹا خدا پیدا ہوا اور باپ بیٹے سے روح القدس تیسرا خدا نکلا۔ یہ عجیب گورکھ دھندا ہے جو آج تک کسی عیسائی سے سلجھنے میں نہیں آیا + اس مقام پر ہم تثلیث یا ابن اللہ پر بحث نہ کریں گے کیونکہ اس کے لیے اسی تفسیر میں اگر خدا تعالیٰ نے چاہا دوسرا مقام ہے۔ غرض عیسائی عقائد کے موافق اقرار توحید کے ساتھ اقرار تثلیث نہایت ہی ضروری شے ہے۔ ایک ہی چیز کو من کل الوجوہ واحد بوحدت حقیقی ماننا اور پھر اُسے تین کہنا نرالی منطق ہے اور اس پر لطیفہ یہ کہ ایک طرف عقل و تمیز کو اس مسئلہ کے فہم سے قاصر بتایا اور دوسری طرف اسے ماننے کے لیے مکلف بھی بنایا تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى۔

رہے یہودی وہ اللہ تعالیٰ کو جامع جمیع صفات کاملہ تو یقین کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی لَيْسَ كَمِثْلِهٖ ذات کو مجسم تجویز کرتے ہیں اور رحمت الٰہیہ کو بنی اسرائیل کے خاندان میں محدود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کے نبی اور رسول صرف اسی قوم میں پیدا ہوئے۔ اور یہی ابراہیمی خاندان ہے جو خدا کی فرزندی اور محبوبیت کا وارث ہے۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ وہ خدا تعالیٰ کو جامع جمیع صفات کاملہ مان کر اُس کی عموم رحمت الٰہیہ کے قائل نہیں پھر دانشمند غور کریں کہ جامع جمیع صفات کا اقرار کہاں رہا؟

غرض

ایمان باللہ میں خدا تعالیٰ کی ہستی کی معترف قوموں میں سے صرف ممتاز مذہب اسلام ہی ہے جس نے ایمان باللہ کی فلسفی بتائی اور اس اصل کو مدنظر رکھکر انسان کو گناہ سے بچنے کی ایک راہ دکھائی + پھر نیکی حقیقی کا دوسرا جزو یوم آخرۃ پر ایمان ہے

یوم آخر

یوم آخر کے متعلق مختلف قوموں میں مختلف خیالات پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر بڑی مبسوط بحث ہو سکتی ہے مگر ہم یہاں مختصر طور پر اس پر بحث کریں گے۔

۲۱۸ ع ۲۲

کی برکت کا دعوی نہیں کرسکتا کیا عیسائی جن میں کوئی نیٹو کرسچین انگریزون کے چرچ میں بھی شامل نہیں ہوسکتا !! کیا ہندو سناتن دھرم والے ؟ جنہین وید کا پڑھنا برہمنون سے مخصوص اور ذات کا امتیاز مذہب کا جزو اعظم ہے -

کیا آریہ یا کوئی اور ؟ ہرگز نہیں طرز عمل سے دیکھ لو -

مسلام ہی ایک مذہب ہے جس نے اعزاز و امتیاز کا باعث صرف تقوی قرار دیا ہے نہ لباس ظاہری نہ کوئی بھی فخر نہ کوئی چیز چونکہ یہود اپنی ہی قوم میں اللہ تعالی کے فضل و برکت کو محدود اور محصور کر بیٹھے تھے اس لئے اللہ تعالی نے اس آیت میں ان کے خیال فاسد کی تغلیط کی ہے -

صابی | یہ تین قسم کے لوگ ہوتے ہین - **اول** ستارون کے ساتھ تعلق رکھنے والے یعنی تعویذ گنڈون کے شیفتہ اور تاثیرات نجوم ہی پر انحصار کر لینے والے -

دوم فلسفی طبع یعنے عقلی تحقیقات پر کل انحصار کئے ہوئے - **سوم** توحید والے یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کے متبع ظاہر کرتے ہیں -

عقاید صحیحہ | امن باللہ والیوم الاٰخر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عقاید صحیحہ کیا ہوتے ہیں ؟ یعنی اس سے وہ ایمان مراد ہے یا وہ ایمانی اصول مفہوم ہیں جو اللہ تعالی کے پاک نام سے شروع ہو کر یوم آخرۃ تک کے اعتقاد پر ختم ہو جاتے ہین یعنے اس میں ایمان بالملائکہ - ایمان بالکتب اور ایمان بالرسل اور ایمان بالقدر اور جزا و سزا پر ایمان اور قیامت پر ایمان یہ سب پر حاوی ہے چنانچہ پ رکوع اور پ رکوع ۷ امین اس ایمان کی خوب صراحت موجود ہے

چونکہ

منعم علیہ گروہ کی تفسیر اس میں ہو رہی ہے اور اس کے بالمقابل گروہ کا نام مغضوب علیہ ہوتا ہے اس لئے پھر بتلایا کہ منعم علیہ ہونے کے واسطے سب سے اول اور ضروری چیز جو انسان کو حاصل کرنی چاہئے وہ **اعتقاد صحیح** ہے اور اعتقاد صحیح کے سات بڑی ارکان ہین جو ہمنے بیان کئے ہین - پس اگر کوئی **عقاید حقہ** رکھنے والا ہو اور پھر **اعمال صالحہ** بجالانے والا ہو وہ خدا تعالی کے حضور اجر عظیم کا مستحق ہے -

عقاید صحیحہ کا خاصہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ کی توفیق دیدیتے ہیں یا کم از کم اس قوت کو نشو و نما دیتے ہیں جس سے صدور اعمال صالحہ ہو اسلئے **فلاح** یا نجات حاصل کرنے کے لئے اعمال صالحہ عقاید حقہ کے ساتھ ضرور ہون

اعمال صالحہ کے لئے دو لازمی اصول | اعمال صالحہ اپنی ہی تجویز یا خیال پر کبھی بھی اعمال صالحہ نہین کہلاتے بلکہ اعمال صالحہ اس وقت یہ نام حاصل کرتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ **اخلاص** اور **صواب** دو ضروری جزو ہوں **اخلاص کیا ہے ؟** رضاء الہی یعنے جو بھلا کام کیا جاوے اس کام کی ذاتی بھلائی یا اس کے پسندیدہ نتایج ہی زیر نظر نہ ہوں بلکہ اللہ تعالی کی رضا مد نظر ہو -

صواب کیا ہے ؟ حکم کے مطابق یا یوں کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کے موافق کام کرنا - مثلاً ایک شخص جو زکوٰۃ تو نہیں دیتا مگر پیر صاحب کی گیارہوین دینے میں تساہل نہ کرے بظاہر اسکا گیارہوین دینا کیسا ہی عمدہ فعل کیوں نظر نہ آتا ہو مگر چونکہ وہ اللہ تعالی کے فرمودہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اپنے اندر نہیں رکھتا اس لئے اعمال صالحہ کی مد میں نہیں آسکتا -

اعمال صالحہ کی تقسیم | **اعمال صالحہ** کی تقسیم بھی عقاید صحیحہ کے بالمقابل سات ہی قسم رکھی گئی ہے - ایمان باللہ کے بالمقابل اقرار توحید الہی و رسالت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم - نماز پڑھنا - زکوٰۃ دینا - حج کرنا - روزہ رکھنا - ترک رذایل - اخلاق فاضلہ پر عملدرآمد کرنا -

پس جب ایک شخص میں عقاید صحیحہ اور اعمال صالحہ جن مین سے اول الذکر کے سات ارکان اندرونی اصلاح کا ذریعہ ہین اور آخر الذکر کے ارکان قوی بیرونی پر بھی اپنا اثر ڈالتے ہیں) موجود ہوں وہ شخص نجات یافتہ ہوتا ہے اور پھر وہ ایک

یہاں اس وہم کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ انسان مرنے کے بعد ہی معاً دوزخ یا بہشت میں داخل ہو جاتا ہے البتہ اس میں ترقی اور انتہائی نقطہ جزا تک پہونچنے کے لیے وہ دن ہے جو یوم الحساب کہلاتا ہے۔

سوم عالم معاد میں روحانی امور متشکل ہو جائیں گے یہ امر بھی قرآن شریف سے بوضاحت ثابت ہے کہ جو امور اس دنیا میں روحانی رنگ رکھتے ہیں وہ دوسرے عالم میں جسمانی طور پر متشکل ہو جائیں گے +

جیسا اس آیت سے پتہ لگتا ہے **مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا** + یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا ہو وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہوگا بلکہ اندھوں سے بدتر۔ یعنی اس جہان کی روحانی نابینائی اُس جہان میں جسمانی طور پر مشہود اور محسوس ہو جائے گی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے دیکھنے کی آنکھیں اور اُس کے دریافت کرنیکے حواس اسی جہان سے ملتے ہیں جس کو اس جہان میں نہیں ملے اُسکو دوسرے جہان میں بھی نہیں ملیں گے۔

غرض

بہشت یا دوزخ کی زندگی اس عالم سے شروع ہو جاتی ہے صرف یوم حساب میں انتہائی نقطہ پر پہنچا ہوتا ہے ان امور کے بعد **ایمان بالیوم الآخرۃ** کی حقیقت کو سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں ہوگا + پس اگر انسان اعمال اور اس کے نتائج اور ان کے منتہائی نقاط پر ایمان رکھے تو یقیناً بدیوں سے بچ سکتا اور حقیقی نیکی حاصل کرسکتا ہے جس کی طرف **لَيْسَ الْبِرَّ** کے بعد توجہ دلائی گئی ہے۔

ایمان بالملائکہ ملائکہ کے وجود پر ہم نے پہلے پارہ میں بفضلہ تعالیٰ کافی بحث کردی ہے یہاں صرف اتنا ہی بتادینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ **ایمان بالملائکہ** کا مفہوم اور مقصود یہ ہے کہ جو نیک ارادہ انسان کے دل میں پیدا ہو اُسے فوراً کرلینا چاہیے ورنہ **يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ** کا اثر ظاہر ہوگا۔ اور اُس نیکی سے محروم رہے گا۔

ایمان بالکتب چونکہ کتب الٰہیہ کا نزول بذریعہ ملائکہ ہوتا ہے اس لیے ملائکہ کو کتب پر مقدم کیا ہے۔ **ایمان بالکتب** سے مراد یہ ہے کہ تدبر سے اُنکو پڑھے اور اُنپر عمل کرے

ایمان بالنبیین اسلامی عقائد میں یہ امر ضروری التسلیم ہے کہ سب انبیا و رسل پر ایمان لایا جائے جو قوموں کے نذیر گذرے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی اور رسول ہو کر آئے۔

۲۲۱
ع ۲۲
۶

جب انسان کی ایمانی طاقت بڑھ جاتی ہے اور خدا تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مخلوق الٰہی سے شفقت کرنے لگتا ہے + اور ایمان کی حقیقت میں دو ہی جزو ہیں **تعظیم لامر اللہ** اور **شفقت علی خلق اللہ** بس تعظیم لامر اللہ کے بعد شفقت علی خلق اللہ کے مدارج بتائے۔

یا اس کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایمانیات کے متعلق جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ ترک شر کے ذرائع تھے اب حصول خیر کے ذرائع بتلائے شفقت علی خلق اللہ کے مدارج میں سے پہلا درجہ **ذوی القربیٰ** کا ہے۔ مثل مشہور ہے اول خویش بعدہ درویش۔ اس کے بعد علی قدر مراتب یتیموں۔ مسکینوں۔ مسافروں اور عام سائلوں کی دستگیری کا حکم دیا۔ مسکین سے مراد وہ شخص ہے جو بے دست و پا ہو اور کام نہ کرسکے وہ کاریگر بھی مسکین ہے جس کے پاس اس کے اوزار وغیرہ نہ ہوں۔

سب سے بڑھکر جو **احسان** اسلام نے اس آیت میں بتایا ہے وہ غلاموں کے آزاد کرنے کے متعلق ہے۔

اسلام اور غلامی ناواقفوں نے جہالت سے یا عمداً حق پوشی کی راہ سے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ اس نے غلامی کو ترقی دی ہے حالانکہ یہ امر قرآن کریم کی تعلیم کے صریح خلاف ہے۔ اسی آیت میں دیکھو کہ غلاموں کے آزاد کرانے میں مال کے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور دوسری جگہ بھی اس بُرانی رسم کے استیصال کی یوں ہدایت فرمائی ہے کہ **فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا** یعنی جب کفار سے تم معرکہ آرا ہو تو اُن دشمنوں کی گردنیں مارو یہاں تک کہ تم فتحمند ہو جاؤ۔ پھر دشمنوں کو قید کرلو۔ آخر احسان کرکے چھوڑ دو یا جرمانہ لیکر رہا کردو۔

لتفسدن فی الارض مرتین الایۃ- ان دونوں آیتوں کے اس طرح پر واقع ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیل نبی ہونے پر استدلال ہوتا ہے- اور یہود نے دوبارہ نبی کریم کے زمانہ میں ذلت کی مار کھائی-

غرض سبت میں اعتدا کرنے سے انسان ذلیل ہوتا ہے

اس مقام پر اللہ تعالی یہود کی مثال دیگر بیان فرماتا ہے کہ جب انہوں نے اعتدا فی السبت کیا اور حدود و احکام کو توڑا تو انکو ذلیل بندر بنا دیا گیا-

كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ | یہود کا بندر ہو جانا ظاہری اور باطنی مسخ تھا وہ ایسے متبدل ہو گئے کہ وہ بندر بن گئے- اس آیۃ کے حل کے لئے سورہ مایدہ کے رکوع ۱۳ سیپارہ ۶ میں خوب صراحت موجود ہے جہاں فرمایا ہے قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ملعون اور مغضوب قوم بندر اور خنزیر ہی ہوتی ہے

بندر ایک ایسی مخلوق ہے جو بہت بڑی ناعاقبت اندیش ہوتی ہے اور اس کا کہیں ٹھکانا اور گھر نہیں ہوتا- مارا مارا پھرتا ہے- پس یہودیوں کے دربدر ہو جانے اور کسی کا ان کا معاون اور مددگار نہ ہونے کی صراحت اس لفظ میں موجود ہے

انسان اپنے عادات اور اطوار کے لحاظ سے حیوانات کے ساتھ ایک قسم کا تعلق پیدا کر لیتا ہے اور یہ امثال کا مسئلہ کسی دوسرے مقام پر ہم انشاء اللہ واضح طور پر حل کر کے دکھائیں گے مثلاً بعض آدمی جو ہر وقت بناؤ سنگار ہی میں لگے رہتے ہیں وہ **طاوس** کے ساتھ اور حریص آدمی **کتے** سے ایک تعلق پیدا کرتا ہے جیسے الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب پس اس میں یہود کی ذلیل اور خوار حالت کا اظہار ہے- اور یہ کہنا کہ وہ سچ مچ بندر بن گئے تھے اور اُن کی دُم لگ گئی تھی یہ نہ قرآن کریم سے اور نہ کسی تاریخ صحیح سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ **خاسئین** جو جمع آئی ہے یہ اسکے منافی ہے کیونکہ قردۃ کے لئے اگر وہی بندر جو دم رکھنے والے لنگور ہوتے ہیں مراد ہوتے تو خاسئۃ آنا چاہئے تھا- علاوہ ازیں خود قرآن کریم نے دوسری جگہ جیسا کہ سورہ مایدہ رکوع ۱۳ کی آیت کے حوالہ سے بتلایا ہے اسکی صاف تفسیر کر دی ہے-

پھر فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا بھی اس پر قرینہ ہے کہ اسکے وہی معنی ہیں جو ہم نے کئے ہیں

مَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ | اس لفظ میں اس قوم کی طرف ایک صریح ایما موجود ہے جو **مسیح موعود** کی جماعت کہلاتی ہے- اور عام مومن متقی مسلمان بجائے خود مراد ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ مسیح موعود کی جماعت کی طرف ایما ہے یہ ہے کہ سورہ **جمعہ** میں دو گروہوں کا صاف ذکر موجود ہے واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم الایۃ اور اس کے بعد معاً مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا والی آیت موجود ہے- اور اس آیت میں اللہ تعالی نے صاف بتلا دیا ہے کہ یہ موجودہ اور ان کے بعد کی آنے والی نسلوں کیلئے عذاب ہے- موجودہ نسل تو وہی تھی جنہوں نے اعتدا فی السبت کر کے بندر بننے کا عذاب پایا اور دوسری نسل وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھی انہوں نے بھی آپ کی مخالفت میں **لعنت** حاصل کی-

اور مسیح موعود کے وقت میں بروزی طور پر پھر وہی سلسلہ قایم ہوا ہے- کیونکہ سورہ **جمعہ** میں ان دونوں گروہوں کے **الحاق** کا ذکر اور ظاہر پرست علماء یہود کی مثال کا اظہار ایک بین ثبوت اس امر کا ہے کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت متقی گروہ جس کے لئے بندر بننے والے یہود کی حالت موعظۃ بنی اسی طرح پر یہود کے مشابہ ہو جانے والے بدبختوں کی حالت اسی پاک گروہ کے لئے نصیحت کا موجب ہے- جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی جماعت سے مسیح موعود کے توسل سے ملنے والی ہے-

پس مسیح موعود کی آمد بھی ایک سبت ہے اور وہ الف ہفتم پر مبعوث فرمایا گیا-

اس سبت میں اعتدا کرنے والے وہی نتیجہ پائیں گے جو ان کے امثال پہلے پا چکے ہیں- غرض سورۃ

ان آیات پر اور قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر نظر کرنے سے یہ عقدہ صاف طور پر حل شدہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اعمال و افعال پر خدا تعالےٰ کی طرف سے ضرور نتائج مترتب ہوتے ہیں۔

دوم عالم آخرۃ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ اسی دنیا کا ثمرہ ہے

اس بات کے سمجھ لینے کے بعد کہ انسان کے اعمال کے نتائج کا ظہور خدا کی طرف سے ہوتا ہے دوسرا غور طلب یہ امر ہے کہ عالم آخرۃ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ اسی دنیا کا ایک ظل ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا *

یعنی ہم نے اسی دنیا میں ہر ایک شخص کے اعمال کا اثر اس کی گردن سے باندھ رکھا ہے اور انھیں پوشیدہ اثروں کو ہم قیامت کے دن ظاہر کر دیں گے۔ اور ہر ایک کھلے کھلے اعمالنامہ کی شکل پر دکھا دیں گے۔

اس آیت میں **طائر** سے حصہ اور نصیب مراد ہے کیونکہ ہر عمل نیک ہو یا بد وقوع کے بعد پرندہ کی طرح پرواز کر جاتا ہے اور مشقت یا لذت اس کی معدوم ہو جاتی ہے اور دل پر اس کی کثافت یا لطافت باقی رہ جاتی ہے۔ یہ قرآنی اصول ہے کہ ہر ایک عمل پوشیدہ طور پر اپنے نقوش جماتا رہتا ہے اور ہر فعل کے مناسب حال خدا کا فعل جو صادر ہوتا ہے وہ اس فعل انسانی کو ایک زندگی عطا کرتا ہے بلکہ اس کے نقوش جوارح پر لکھے جاتے ہیں اور یہی پوشیدہ طور پر ایک اعمالنامہ ہے جو دوسری زندگی میں کھلے طور پر ظاہر ہو جائے گا۔ اور یہ مضمون قرآن شریف کے مختلف مقامات پر بنوع دیگر و برنگ دیگر بیان کیا گیا ہے۔

اسی کے ضمن میں اس امر کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف نے **تین عالم** قرار دیے ہیں اول عالم دنیا جس کا نام **عالم کسب** اور **نشاء اولی** ہے اس میں انسان نیکی یا بدی کا اکتساب کرتا ہے۔ اگرچہ ہمارا یہ مذہب ہے کہ عالم بعث میں نیکوں کے لیے ترقیات کا نا متناہی سلسلہ جاری ہے لیکن وہ کسبی نہ ہوگا بلکہ وہبی ہوگا۔

دوسرے عالم کا نام **برزخ** ہے جو عالم بعث اور عالم نشاء اولی کے درمیان واقع ہے۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جب انسانی ترکیب تفرق پذیر ہو جاتی ہے اور پھر کسب خیر یا کسب شر کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ افعال جسم کے تعلقات ہی سے صادر ہوتے تھے۔ اور جب کہ روح بدون جسم کے بالکل نکمی ہے اور کوئی فعل اس سے سرزد نہیں ہو سکتا تو اس سے یہ مسئلہ بھی ضمناً حل ہو جاتا ہے کہ جسم کے بدون روح کوئی سکھ یا دکھ بھی حاصل نہیں کر سکتی ہم نے اس مسئلہ پر پہلے پارہ میں ایک مبسوط بحث کی ہے جو چاہے وہاں دیکھ لے +

غرض دوسرا عالم برزخ کا عالم ہے اور اسلامی تعلیم کے موافق یہ بھی ظاہر ہے کہ اگرچہ موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالم برزخ میں ہر ایک روح کو اپنے اعمال کا مزہ چکھنے کے لیے ایک جسم ملتا ہے اور وہ جسم ایک قسم کے نور یا تاریکی سے جیسا کہ اعمال کی صورت ہو طیار ہوتا ہے گویا اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں ہی جسم بن جاتی ہیں۔

اور یہ بات اگرچہ اپنی دقت کی وجہ سے سمجھنے میں مشکل نظر آئے مگر غیر معقول نہیں ہے ہاں اس لطیف راز کے سمجھنے کے لیے یہ ظاہری قویٰ کام نہیں دیتے بلکہ اس ستر کو مکاشفات کی قوت حل کر سکتی ہے جیسے آنکھ مصری کا مزہ نہیں بتا سکتی حالانکہ اس سے مصری کی شیرینی کی نفی نہیں ہو سکتی اسی طرح پر اگر اس کو حواس ظاہری نہ بتا سکیں تو اس کی نفی پر دلیل نہ ہوگی۔

پھر برزخ کے بعد عالم بعث ہے جس کا نام حشر اجساد بھی رکھا گیا ہے اور یوم آخرۃ بھی کہلاتا ہے یہ دن خدا کی خاص تجلیات کا دن ہوگا۔ اور ہر ایک انسان اپنے رب کی ہستی کی نسبت حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاوے گا

۲۲۰ ع ۲۲

وقت آکر پیدا ہونے کو تھے اور وہ زمانہ مسیح موعود کا زمانہ ہے جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہی بطور پیشگوئی فرمایا تہا کہ یہ لوگ یہود کے ساتھ مناسبت پیدا کرلین گے اور وہ زمانہ یہی ہے جسمین ہم زندگی بسر کر رہے ہین۔ اللہ تعالی کا فضل و احسان ہوا ہے کہ مسیح موعود ہم میں نازل ہوا مگر آہ! نا عاقبت اندیش قوم نے اسکو پہچاننے کی کوشش نہیں کی۔

پس بنی اسرائیل کے عیوب سنا سنا کر مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے۔ توریت اگر کوہ طور پر نازل ہوئی تہی تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قران شریف **غار حرا** میں ملا۔ جس کے دامن میں مکہ آباد ہے۔ بنی اسرائیل پر تباہی اُس وقت سے شروع ہوئی جب اونہوں نے توریت کے احکام کی قدر نہ کی اور ان سے روگردانی شروع کی۔ پہر اللہ تعالی فرماتا ہے کہ تمہاری ذلت اور خواری کا ایک سبب تو نہیں ہے بلکہ بہت سے اسباب جمع ہو گئے تہے منجملہ ان کے ایک یہ بہی ہے کہ

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝

جن لوگوں نے تم میں سے سبت کے دن میں خلاف حکم خدا زیادتیان کی ہیں البتہ انکو تم بہی تو جانتے ہی ہو پس ہم نے انکو کہدیا کہ تم بندر ذلیل ہو جاؤ۔ اور ہم نے اس نافرمان جماعت کو اس وقت کے موجودہ لوگوں کے لئے اور ان قوموں کے واسطے جو پیچہے آنیوالی تہیں عبرت کا مقام بنا دیا۔ اور جو لوگ خدا کے حضور میں پرہیزگاری اختیار کرنے والے اور اسکا ڈر رکہنے والے ہیں انکے لئے اس بگڑی ہوئی قوم کی حالت نصیحت عظیم کا سبب ہوئی۔

ہر قوم میں ساتواں دن مقدس سمجہا جاتا ہے یہان خدا تعالی بنی اسرائیل کا ذکر کر کے مسلمانوں کے زوال کی پیشگوئی فرماتا ہے کہ جب ان میں **جمعہ** کا ترک شروع ہوگا تو ان میں بہی زوال کے آثار پیدا ہونگے۔ اور نیز یہاں ایک برگزیدہ قوم کے ہونے کی طرف بہی اشارہ ہے جو اللہ تعالی کے حضور اسی حالت میں منفی ہوگی اور وہ قوم جیسا کہ ہم آگے بیان کرینگے **مسیح موعود** کی قوم ہوگی یعنی احمدی فرقہ کے مسلمانوں کی جماعت۔

سبت ۱ سبت کے معنی آرام کے بہی ہیں پس اگر خدا تعالی کسی کو کسی قسم کی راحت و آرام کا سامان دے تو وہ اس کی قدر کرے۔ یہ ... اللہ تعالی کے برکت ... انعامات ہیں ترقی ہو ورنہ اگر کسی عطا شدہ راحت اور آرام کی قدر نہ کروگے تو یاد رکہو کہ نتیجہ ہلاکت ہوگا تاریخ اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالی کے انعامات کی قدر نہیں کی اور انعامات الہیہ کو حقیر سمجہا ہے وہ ذلیل اور خوار ہو گئے ہیں۔

دوم سبت کے معنی ہفتہ کے ہیں یعنی پنچ کا دن یہودیوں کے اعتقاد کے موافق اور جمعہ مسلمانوں کے اعتقاد میں۔

یہودیوں نے سبت کی بیقدری کی ... ذلت اور مسکنت کی ضرب ... ہونے سے بے خانمان ہوگئے مسلمان اگر جمعہ کی قدر نہ کرینگے اور جمعہ چہوڑ دینگے تو ذلیل ہو جاوینگے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک جمعہ کے ترک سے چہارم حصہ دل کا سیاہ ہو جاتا ہے مسلمانوں کے زوال کی تاریخ ہندوستان میں عالمگیر کے بعد سے شروع ہوتی ہے اور یہ وہی زمانہ ہے جب سے جمعہ کا ترک شروع ہوا۔

سوم سبت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں پولوس آپ کو سبتی نبی قرار دیتا ہے جن کے ذریعہ دنیا کو دوبارہ راحت ملی۔

قران شریف میں غور کرنے سے بہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ سورہ نحل کے اختتام پر **سبت** کا ذکر فرمایا ہے۔

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ الآیہ

اور پہر سورہ بنی اسرائیل میں بنی اسرائیل پر تباہی کے دو زمانوں کا ذکر فرمایا گیا ہے وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ

ہوتا ہے واقعی اور اصلی نماز ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے ظاہری اقوال و افعال حرکات و سکنات کا اثر ہمارے قلب پر پڑتا ہے۔ یا یوں کہو کہ جو کچھ ہمارے باطن میں مرکوز ہے حرکات ظاہری ہی اس کی آئینہ دار ہیں۔ بہت صاف بات ہے کہ اچھا بیج اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ جس وقت ہم کسی سچے دوست یا کسی بڑے محسن کو دیکھتے ہیں جس کی مہربانیاں اور عطایات ہمارے شامل حال ہیں تو بے اختیار بشاشت اور طلاقت کے آثار ہمارے چہرہ پر آشکار ہوتے ہیں۔ اور اگر کسی مخالف طبع مکروہ شکل کو دیکھ پاویں تو فی الفور کشیدگی اور انزجار کا نشان پیشانی پر نمودار ہو جاتا ہے۔ غرض اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ تمام واردات اور عوارض مثلاً انبساط انقباض یاس رجا فرحت غم محبت اور عداوت اعضائے ظاہری کو طبعی سمیت یکساں متغیر و متاثر کر دیتے ہیں۔ پس اب سوچنا چاہیے کہ جب اس مالک خالق رازق منعم کا تصور انسان کے قلب میں گذرے گا اور اس کے عطایات اور نعمتوں کی تصدیق سے اس کا دل وجان معمور ہو جائے گا تو یہ دلی جوش اور اضطراری ولولہ اس کو ساکن غیر متحرک چھوڑ دے گا۔ نہیں نہیں ضرور طوعاً و کرہاً اعضائے ظاہری سے ٹپک پڑے گا۔ جڑ کو صدمہ پہونچے اور شاخوں کو حس تک نہ ہو غیر معقول بات ہے۔

غیر مہذب اقوام کے مذہبی رسوم کی آزاد دل سے تحقیقات کرو تو عجیب و دلکش اصول کا مجموعہ تمھیں ملے گا کہ اس اوپر دیکھنے والی ہستی نے قوائے روحانی کی ابتدائی شگفتگی کے زمانہ میں جس کو زمانہ حال کے مہذبین زمانہ جہالت و تاریکی بولتے ہیں کن کن صورتوں اور رنگوں میں اس فیاض مطلق کی حمد و سپاس کے قلبی زبردست اثر کو ظاہر کیا ہے۔ خارجی بدرنگیاں اور عوارض کو چھوڑ دو اصلی بے رنگ و بے لوث فطرت پر غور کرو تو تمھیں دنیا کی قوموں میں رنگارنگ حرکات دکھائی دیں گے جو باایں ہمہ رنگارنگی کیسے اس بے رنگ کا معبود و مسجود ہونا ثابت کر رہے ہیں۔

اس بیان سے صرف اسقدر مقصود ہے کہ ہر قوم کے نزدیک کوئی نہ کوئی طریق معبود حقیقی کی یاد کا ضرور ہے جس کو وہ لوگ اپنی نجات کی دستاویز سمجھتے ہیں۔ اور یہ عقائد باطنی کے حسن و قبح کی تصویر اعضاو جوارح کے آئینہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ہر قوم میں جوش قلبی کی تحریک اور اس کی آگ بھڑکانے کے لیے کئی ایک ظاہری اعمال کا التزام پایا جاتا ہے۔ مثلاً بدن کو پانی سے طاہر کرنا۔ کپڑا صاف رکھنا۔ مکان لطیف و نظیف رکھنا۔ ظاہری صفائی اور حسب فطرت اصلاح بدن سے بیشک اخلاق پر قوی اثر پڑتا ہے۔ نجاست گندگی ناپاکی چرک میلاپن سے کبھی وہ علو ہمت بلند حوصلگی پاکیزگی اخلاق پیدا نہیں ہو سکتی جو واجبی صفائی اور طہارت کا لازمی نتیجہ ہے۔ بدیہی بات ہے کہ ہاتھ منہ دھوتے وغیرہ افعال جوارح سے حتماً ایک قسم کی بشاشت اور تازگی عقلی قوی میں پیدا ہوتی ہے۔ علی الصباح بستر غفلت سے اٹھکر بدنی طہارت کی طرف متوجہ ہونا تمام مہذب بلاد میں ایک عام لازمی عادت ہے۔ صاف عیاں ہوتا ہے کہ تقاضائے فطرت اور اس کے زور و اجبار سے یہ حتمی عادات پیدا ہوئی ہیں اور طبیعت اعضاو جوارح سے جبراً اس خدمت کا لینا پسند کرتی ہے۔ پس اگر ایسی عبادت میں جس میں روحانی جوشوں اور اصلی باطنی طہارت کا اظہار مقصود ہو ایسی طہارت ظاہری کو لازمی اور لابدی کر دیا جاوے تو کس قدر اس شوق و ذوق کو تائید ہوگی۔ صاف واضح ہے کہ جہاں فانی طہارت اور ظاہری صفائی کا حکم ہوگا وہاں باطنی طہارت اور باقی صفائی کی کتنی اور زیادہ تاکید ہوگی۔

غرض اس میں شک نہیں کہ صفائی ظاہر کی طرف طبعاً ہر قوم متوجہ ہے۔ اور اسمیں بھی شک نہیں کہ نہایت بدبخت سیاہ درون ہیں جو صرف جسمانی صفائی اور ظاہری زیب و زینت کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ یقیناً بہت سے بعض ظاہری رسوم کی پابندی اور انھیں فانی قیود میں ایسے الجھے ہیں کہ قساوت قلبی اور بداخلاقی کے سوا کوئی نتیجہ ان کے اعمال و افعال پر مترتب نہیں ہوا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ انھوں نے ظاہر ہی کو مقصود بالذات اور قبلہ ہمت ٹھہرا لیا۔ یا ان کے پاس کوئی روحانی شریعت نہ تھی جو مجاز سے حقیقت کی طرف ان کو لے جاتی۔ مگر اس سے نفس فعل طہارت قبیح یا مستوجب ملامت

قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ بول اُٹھے کہ ہاں ہاں تو تو حق و ہدایت لیکر آیا ہے پس انہوں نے اس گائے کو ذبح تو کیا گو دل سے اوسکو ذبح کرنا نہ چاہتے تھے۔ اس ذبح بقرہ کے متعلق عجیب عجیب باتیں اور قصص بیان کئے گئے ہیں ہم انکو صرف قصص ہی سمجھ کر چھوڑتے ہیں۔ کیونکہ یہ قصص اہل کتاب سے منقول ہیں جنکی نسبت کا تصدیقوا وکا تکذبوھم فرمایا گیا ہے ہمارے نزدیک اصل اور سیدھی بات جو اس ذکر میں مرکوز ہے وہ وہی ہے جو ہمنے پہلے بیان کردی ہے کہ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کو دور کرنے کے لئے یہ احکام صادر ہوئے ہیں۔

اور چونکہ یہ ایسی گائے ذبح کی گئی ہے جو عزیز ترین اور خوبصورت ترین بلکہ دلکش تھی اس لئے ہم کو اس سے سبق لینا چاہئے کہ جبتک ہم اپنی ان تمام عزیز ترین خواہشوں اور محبوب ترین اشیاء کو اللہ تعالی کی راہ میں قربان نہ کریں گے تو گوسالہ پرست نہیں تو ہوا پرست ضرور کہلائیں گے۔

پس جیسے بنی اسرائیل کو سچے موحد بنانے کے لئے اللہ تعالی نے ان کے ہاتھ سے انکی پوجنی (قابل پرستش) گائے کو ذبح کرایا۔ یہ گویا نمونہ اور ظل تھا اس بات کا کہ ہم اپنی خواہشوں کو ذبح کریں چنانچہ اگلے رکوع میں اسی مضمون پر اللہ تعالی ایک لطیف بحث فرماتا ہے۔

گاؤکشی کے جھگڑوں کی اصلاح

آئے دن جو گاؤکشی کے جھگڑے ہوتے رہتے ہیں انکا فیصلہ ہوگیا ہوتا اگر مسلمان بادشاہوں کے دوران حکومت میں گاؤکشی کا رواج عام ہوجاتا! اب بھی جن جن شہروں میں مذبح ہیں وہاں اس قسم کے جھگڑے عام طور پر پیدا نہیں ہوتے۔ گورنمنٹ انگلشیہ کی بڑی دانائی اور دوراندیشی ہے کہ اوس نے اپنی فوجوں وغیرہ کے لئے گاؤکشی کی اشد ضرورت سمجھی ہے۔ جب یہ عام ہو جائیگی پھر کوئی جھگڑا کبھی نہیں اٹھیگا۔

پھر اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اور جنگ کے گرفتار غلاموں کے رہا کرانے کے واسطے اُس مذہبی چندہ میں جس میں ہر ایک مسلمان صاحب نصاب کو اڑھائی فیصدی کے حساب سے دینے پڑتے ہیں ایک رقم غلام آزاد کرنے کی بھی قائم کی۔ اسلام کے سوا کسی اور مذہب نے یہ تجویز نہیں کی۔ اور اس کے سوا اور بھی بہت سی تدابیر غلاموں کے آزاد کرنے کی کی ہیں یہانتک کہ ہر قسم کے کفارہ میں غلام کو آزاد کرنا بھی ایک صورت رکھدی ہے۔ مثلاً قرآن شریف میں غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیتے ہوئے بتایا ہے کہ

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنَ + الی + وَفِی الرِّقَابِ پ ۱۰ س توبہ ع ۸

اور پھر ایک موقع پر فرمایا والذین یظاھرون من نساءھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا یعنی جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں۔ اور اُنھیں الگ کرنا چاہتے ہیں پھر اس بات پر نادم ہوئے اُنھیں لازم ہے کہ بیویوں کے پاس جانے سے پہلے غلام آزاد کریں۔

اسلام میں جو مخالف قیدی جب جنگ سے آتے اور اُسوقت اُن کا واپس کرنا مصلحت نہ ہوتا تو پرورش اور تربیت کے لیے مجاہدین کے سپرد ہوتے اور حکم ہوتا کہ جو تم کھانا کھاؤ اُن کو دو جو تم پہنو اُن کو پہناؤ۔ طاقت سے زیادہ کام نہ لو

غرض

اسلام نے غلامی کی رسم کے استیصال میں مدد دی ہے بلکہ یوں کہو کہ اس رسم کے استیصال کرنے کا فخر اسی کو ہے دوسرے مذاہب کو نہیں + پھر اللہ تعالیٰ نے تعظیم لامر اللہ کے متعلق ضمناً فرمایا

وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ

نماز اور اُس کی حقیقت پر کسی قدر بحث ہم پہلے پارہ میں کر آئے ہیں۔ یہاں وہ **نوٹ** غالباً نہایت دلچسپی سے پڑھا جاوے گا جو ہمارے مخدوم و محسن حضرت مولانا مولوی **نور الدین** صاحب نے فصل الخطاب میں لکھا ہے۔

۲۲۲ ع ۲۲

نماز

اس مضمون میں پانچ امروں پر بالاختصار نظر کریں گے (۱) حقیقت نماز (۲) باطن کو ظاہر سے تعلق ہے (۳) ارکان نماز (۴) فوائد ضبط اوقات (۵) سمت قبلہ کے تعیین کی وجہ۔

دنیا کے مذاہب پر غور کرنے۔ اور قریباً کل اقوام عالم کو ایک ہی بڑے مرکز اور مرجع کی طرف بالاشتراک رجوع دیکھنے اور قانون قدرت کے معجز بے نقص کتاب کے مطالعہ کرنے سے فطرت سلیم قوت ایمانی نور فراست کے اتفاق سے فوراً شہادت دے اُٹھتی ہے کہ ایک ہمارا خالق زمین و آسمان ہے۔ جس کی قدرت کاملہ کل عالم پر محیط اور تمام اشیا میں جاری و ساری ہے۔ غرض ایک ہمہ قدرت فوق الکل وجود کا خیال یا اعتقاد قریباً کل اقوام دنیا میں پایا جاتا ہے۔ یہ فطرت کا اشتراک اور قوائے باطنیہ کی اضطراری توجہ ایک اعلیٰ ہستی کی جانب وجود باری کی عجیب دلنشین دلیل ہے۔ اب عالم اسباب یا اسباب عالم پر جب انسان نظر کرتا ہے تو خوب سمجھتا ہے کہ عالم کون و فساد کے انقلابات میں وہ ہمیشہ مجبور و معذور ہے۔ اور یہ کہ تمام اختیارات کے مواد اور مقدورات کے اسباب اُس کی قدرت سے باہر ہیں مثلاً جب دیکھتا ہے کہ بڑے بڑے قوائے طبعی سورج چاند ستارے ہوا بادل وغیرہ میرے بے مزد خدمتگار ہیں۔ بلکہ جب وہ اپنے اسباب قریبہ یعنی جسم ہی کو دیکھتا ہے کہ کیسے مناسب آلات اور موافق ادوات اُسکو ملے ہیں کہ اگر اُنمیں سے ایک بھی مفقود ہوجائے تو جبر کسر کے لیے اُس کا یا اُس کے مثل بے نقص جزو کا موجود کرنا اُس کے .... امکان سے خارج

ہے پس یہ تصورات انسان کے دل میں ضرور سخت جوش اور عجیب جذبات پیدا کرتے ہیں اور دلی نیاز بڑی شکر گذاری کے ساتھ ملکر اُسکو اُس منعم و محسن کی ستایش و حمد کی طرف مائل کرتا ہے۔ اور جسقدر زیادہ اُس کو اپنی احتیاج و افتقار کا علم اور فوق القدرت سامانوں کے باسانی بہم پہنچ جانے کا یقین ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اُس کا دل اُس منعم کے احسانات کی شکر گذاری سے بھر جاتا ہے یہی دلی نیاز اور قلبی شکر گذاری جو سچی محبت اور باطنی اخلاص سے ناشی ہوتی ہے۔ اور یہی جوش و خروش جو انسان کے دل میں

مجموعہ میں ان دو گروہوں کا ذکر الحاق اور تیسرے گروہ حملۃ التوراۃ کی مثال اور اس جگہ اس آیت میں تین قوموں کا ذکر (موجودہ - آنے والے - متقی) صاف طور پر اس راز کو کھول رہا ہے -

مبارک وہ جو اس متقی گروہ میں داخل ہوں (اللھم اجعلنا منھم آمین) اور واویلا ان پر جو قردۃ خاسئین کے امثال بنیں -

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی اختیار کر لی تھی اور یہ بات ان میں فرعون کی حکومت کے آثار کا بقیہ تھی - خود فرعون کا تاج گو کھی تھا - اس لئے اللہ تعالیٰ اسکو دور کرنے کے واسطے من کل الوجوہ ان کے دل میں اس بے جا محبت کو جو عبادت کی حد تک جا پہونچی تھی نکال دینے کیلئے بنی اسرائیل کو ذبح گائے کا حکم دیتا ہے - چنانچہ فرمایا

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً

اور اس وقت کو یاد کرو - کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم ! تم کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو -

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قوم نے جواب میں کہا کہ اے موسیٰ کیا تو ہم سے مذاق کرتا ہے -

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ موسیٰ نے جواب دیا میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں میں جاہل لوگوں سے نہیں ہوں (ہنسی اور ٹھٹھا کرنا جہالت ہے) میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ سے جاہلوں کی سی حرکات سرزد ہوں)

اس سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں اول بے جا ہنسی اور مسخراپن دانشمند انسان کا کام نہیں ہے - دوسرے ہر ایک برائی سے بچنے کے واسطے خدا تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہئے اپنے قول و فعل ہی پر بھروسہ کرنا دانشمندی نہیں -

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ

قوم نے کہا کہ اچھا اگر یہی حکم ہے تو پھر تو اپنے رب سے اتنا تو پوچھ دے کہ اس گائے کا نشان کیا ہے ؟

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَیْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ

موسیٰ نے کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ تو بہت بوڑھی ہے اور نہ بچھیا ہے ان کے درمیان درمیان عمر کی ہے - پس جو حکم تمکو دیا جاتا ہے اسکی تعمیل کرو -

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا قوم نے کہا کہ پھر اپنے رب سے یہ بھی تو پوچھ دو - کہ ہم کو بتا دے کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہے ؟

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ

موسیٰ نے جواب میں کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے گورے (زرد) رنگ کی ہے اور رنگ ایسا گھٹا گھٹا (شوخ) ہوا ہے کہ دیکھنے والوں کو بہت ہی خوش آتا ہے - یعنے درشنی گائے

قالوا ادع لنا ربك يبين لنا ما هي ان البقر تشابه علينا وانا ان شاء الله لمهتدون

پھر قوم نے عذر اٹھایا اور کہا کہ اپنے رب سے اس گائے کی کچھ خاص علامات ایسی لا کہ جس سے ہمکو پورا پورا پتہ مل جاوے کہ وہ کونسی گائے ہے - (کیونکہ اس رنگ اور قطع کی اور بھی گائیاں ہیں) اس لئے ہمکو شبہ پڑ گیا ہے اور ہم انشاء اللہ اپنے مقصود کو پالیں گے -

قال انه يقول انها بقرة لا ذلول تثير الارض ولا تسقي الحرث مسلمة لا شية فيها

موسیٰ نے کہا دیکھو وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے وہ ہے کہ جس سے کوئی محنت نہیں لی جاتی نہ تو وہ زمین کے ہل جوتنے ہی کے کام آتی ہے اور نہ اس سے کھیتی کو پانی دیا جاتا ہے - بدن کی پوری موٹی تازی صحیح سلامت بیداغ گائے ہے

روحانی کے عروض کا ثبوت اعضا و جوارح کی زبان حال ہی سے مل سکتا ہے۔ البتہ گفتگو اس امر میں رہجاتی ہے کہ آیا یہ ہیئت مقتضای فطرت انسانی سے مناسبت رکھتی ہے یا نہیں۔ یا اس سے بڑھکر اور پسندیدہ صورت و ترکیب فلاں قانون اور فلاں مذہب میں رائج ہے۔ یا اب نئی صورت وہم و تصور میں آسکتی ہے۔

میں بڑی جرأت اور قوی ایمان سے کہتا ہوں کہ اس کی مثال یا اس سے بڑھکر مقبول و مطبوع صورت نہ تو کسی مذہب میں رائج ہے اور نہ اور نئی عقل میں آسکتی ہے یہ جامع مانع طریق اُن تمام عمدہ اصولوں اور مسلمہ خوبیوں کو حاوی ہے جو دنیا کے اور مذاہب میں فرداً فرداً موجود ہیں۔ اور تمام اُن نیازمندی کے آداب کو شامل ہے جو ذُو الْجَلَالِ معبود کے عرش عظیم کے سامنے قوائے انسانی میں پیدا ہونے ممکن ہیں۔ وہ خاص اوراد و کلمات جو اس مجموعی ترکیب کے اجزا قیام رکوع قعدہ سجود جلسہ وغیرہ میں زبان سے نہیں دل سے نکالے جاتے ہیں اسکی بے نظیری کے کافی ثبوت ہیں۔

انصاف سے سوچیے کہ یہ ہیئات قوائے قلبی پر کس قدر اثر کرنے والی ہے۔ تعیین ارکان سے کون قوم انکار کرسکتی ہے دعا میں سر ننگا کرنا سیدھا کھڑا ہونا آنکھیں بند کرنا آغاز میں برکت دیتے وقت ایک ہاتھ لنبا کرنا اور ذرا انگلیوں کو نیچے کی طرف جُھکانا اور کبھی کبھی خاص حالت میں گھٹنے ٹیکنا یا گھٹنہ پر کُہنی ٹکا کر اُسپر سر رکھدینا۔ یہ سب امور باختلاف احوال نصاریٰ میں معمول ہیں۔ کوئی انھیں کہے ان ظاہری رسوم سے کیا نکلتا ہے عبادت تو دل سے تعلق رکھتی ہے اُسی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ کیا جواب دیں گے۔ پس اسلامی صورت سے وہ کیوں چڑتے ہیں

مجھے اُمید ہے کہ نصاریٰ نفس وجود ارکان سے تو کچھ تعرض نہ کریں گے۔ کیونکہ اس طبعی حالت میں وہ اضطراراً اہل اسلام کے ساتھ شریک کر دیے گئے ہیں بایں معنیٰ کہ وہ بھی دعا یا نماز میں کسی نہ کسی صورت و رکن کا ہونا تو ضرور تسلیم کرتے ہیں۔ اگر زبان سے اور مذہبی مباحث کے وقت نہیں تو عملاً ثابت کر رہے ہیں۔ پس اب اصل وجود ارکان پر زیادہ قلم فرسائی کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہاں شاید مقابلہ بین الصورتین منظور ہو تو خدا پرست قلب کی اعانت سے غور کریں کہ اسلامی طریق میں کیسا جلال تمکین اور وقار پایا جاتا ہے۔ اُس بیرنگ بیچگون واحد احد صمد لم یلد و لم یولد کے حضور اقدس میں بے رنگ بے تصویر مکان میں باوقار ہاتھ باندھکر کھڑے ہونا اَللّٰهُ اَكْبَرُ سے افتتاح کرنا اور سورہ فاتحہ جیسی پرمعنی دعا کا پڑھنا۔ اور پھر فرط انکسار سے اللہ اکبر کی عظمت کا تصور کر کے پشت مستقیم کو جُھکا کر سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ پڑھنا اور پھر زمین پر سر رکھکر ۔۔۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہنا کیا یہ کم اثر کرنیوالے اعمال ہیں۔ کیا یہ فطرت انسانی کے موافق نہیں ہیں؟ میں نہیں سمجھتا کہ ایک ایسے شخص کو جو عبادت حق کو کسی صورت میں کیوں نہ ہو انسان کی عبودیت کا لازمی فرض جانتا ہے۔ اسلامی صورت نماز سے انکار ہو۔

یہاں ایک اور لطیف بات سوچنے کے قابل ہے کہ اسلامی احکام دو قسم کے ہیں۔ احکام اصلی اور تابع یا محافظ اصلی۔ مقصود بالذات احکام اصلی ہوتے ہیں۔ اور احکام محافظ صرف احکام اصلی کی بقا اور حفاظت کے لیے وضع ہوئے ہیں۔

نماز کے سب ارکان ظاہری احکام محافظ ہیں۔ اور اس امر کا ثبوت اُسوقت بخوبی ہوتا ہے جب یہ ارکان عذر کی حالت میں انسان کے ذمہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ مثلاً نماز میں بحالت مرض علی اختلاف الاحوال قومہ قعدہ جلسہ وغیرہ سب معاف ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ اصلی حکم اور حقیقی فرض جو مقصود بالذات ہے۔ یعنی قلبی خشوع و خضوع جب تک قالب عنصری میں سانس کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے کبھی بھی انسان کے ذمہ سے نہیں ٹلتا۔ یہی اور صرف یہی نماز ہے جسے اسلام نے لائق اعتبار اور مستحق ثواب کہا ہے۔ سنو۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۝ پ ۹ س اعراف ع ۲۴۔ ترجمہ اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو دل میں گڑگڑاتے اور ڈرتے اور پکار نے سے کم

ع ۲۲ ۲۲۵ ٦

اور استعدادیں نفس میں موجود ہیں انکی تربیت اور نشو ونما نہیں کرسکتے +

نفس کے تین درجے نفس کے اثبات اور اسکی قوتوں اور استعدادوں اور اس کے خواص فاضلہ پر بحث تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ایک دوسرے موقع پر یعنے سورہ والشمس میں فرمائی ہے اور عینی مشاہدہ اور نظایر کو پیش کرکے اسکا ثبوت دیا ہے اس لئے اس مقام پر ہم اس بحث کو سر دست چھیڑنا نہیں چاہتے اس جگہ اللہ تعالیٰ نفس کی قوتوں کے نشو ونما کے **طریق** پر بحث فرماکر منعم علیہ بننے کی **راہ** کو بتلانا چاہتا ہے - اسی لئے یہاں ہم اسی ایک امر کو ملحوظ خاطر رکھیں گے - ہاں اتنا بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس کے تین قسمیں ہیں جو انسان کی طبعی - اخلاقی - روحانی حالتوں کے تین مبدء ہیں - پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتوں کا مورد اور مصدر ہے اس کا نام قرآن شریف نے **نفس امارہ** رکھا ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے

نفس امارہ

ان النفس لامارۃ بالسوٓء یعنے * نفس امارہ میں یہہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کیطرف جو اس کے کمال کے مخالف اور اسکی اخلاقی حالتوں کے برعکس ہے جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بدراہوں پر چلانا چاہتا ہے - غرض بے اعتدالیوں اور بدیوں کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اس پر طبعاً غالب ہوتی ہے اور یہہ حالت اس وقت تک طبعی کہلاتی ہے جب تک کہ انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہیں چلتا - بلکہ چارپاؤں کی طرح کہانے پینے سونے جاگنے یا غصہ اور جوش دینے والے امور میں طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتوں میں تصرف کرتا اور اعتدال مطلوب کی رعایت رکہتا ہے اس وقت ان تینوں حالتوں کا نام طبعی حالتیں نہیں رہتا بلکہ اس وقت یہہ حالتیں اخلاقی کہلاتی ہیں جیساکہ آگے بہی اسکا کچھ ذکر آئے گا -

نفس لوامہ

دوسرا **اخلاقی حالتوں کے سرچشمہ کا نام** قرآن شریف میں **نفس لوامہ** ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ یعنے میں اس نفس کی قسم کہاتا ہوں جو برائیوں کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے - یہہ **نفس لوامہ** انسانی حالتوں کا دوسرا سرچشمہ ہے جس سے اخلاقی حالتیں پیدا ہوتی ہیں اور اس مقام پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے نجات پاتا ہے اور اس جگہ **نفس لوّامہ** کی قسم کہانا اسکو عزت دینے کے لئے ہے گویا وہ نفس امارہ سے نفس لوامہ بن کر بوجہ اس ترقی کے جناب الٰہی میں عزت پانے کے قابل ہوگیا ہے اور اس کا نام **لوامہ** اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ انسان کی بدی پر ملامت کرتا ہے اور اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ انسان اپنے طبعی لوازم میں شتر بے مہار کیطرح چلے اور چارپایوں کی زندگی بسر کرے بلکہ یہہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھی حالتیں اور اچھے اخلاق سرزد ہوں اور انسانی زندگی کے تمام لوازم میں کوئی بے اعتدالی ظہور میں نہ آوے اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشیں عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہوں چونکہ وہ بری حالت پر ملامت کرتا ہے اسی لئے اس کا نام **لوّامہ** رکہا یعنے بہت ملامت کرنے والا - اور نفس لوامہ اگرچہ طبعی جذبات پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے تئیں ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیوں کے بجالانے پر پورے طور سے قادر بہی نہیں ہوسکتا اور کبہی نہ کبہی طبعی جذبات اس پر غالب آجاتے ہیں تب گرجاتا ہے اور ٹھوکر کہاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو گرنا نہیں چاہتا مگر کمزوری کی وجہ سے گرتا ہے پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے - غرض یہہ نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے اور پورے طور پر غالب نہیں آسکتا

نفس مطمئنہ

پہر ایک تیسرا چشمہ ہے جس کو روحانی حالتوں کا **مبداء** کہنا چاہئے اس کا نام قرآن شریف نے **نفس مطمئنہ** رکہا ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی یعنے اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پاگیا اپنے خدا کی طرف چلا آ تو اس سے راضی وہ تجہ سے خوش پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا - یہہ وہ مرتبہ ہے جسمیں نفس

* کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ جبکہ نفس امارہ دیا گیا ہے پھر بدیوں کی پاداش کیوں ملتی ہے؟ اسکا جواب ہم پہلے دے آئے ہیں جہاں شیطان کے متعلق بحث کی ہے یعنی نفس امارہ اس لئے ہے کہ انسان نیکیوں کا اجر پاسکے کیونکہ جب ایک ہی قسم کی قوتیں انسان کو دی جاتیں تو نیکیاں نیکیاں نہ رہتیں مثلاً نامرد کا زنا سے بچنا کوئی خوبی اور نیکی نہیں کیونکہ اسکے قوا ہی ویسے نہیں ہیں مگر جو باوجودیکہ قوتیں رکھتا ہوا اور اسکو ایسا موقعہ بہی ملا اور بچا وہ ضرور ثواب کا مستحق ہے - منہ

نہیں ٹھہرتا۔ اس عملی افراط و تفریط کے اور ہی موجبات اور بواعث ہیں۔
ہمیں اس وقت اور قوموں کے رسوم سے تعرض کی ضرورت نہیں۔ اس وقت ہم اسلامی طہارت (**وضو**) کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ غیر قوموں نے اسلامی اعمال پر انصاف سے غور نہیں کی۔ انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمانوں نے۔ ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلنے والوں نے ہرگز ظاہری طہارت میں خوض نہیں کیا۔ وہ اسی کو مقصود بالذات نہیں سمجھے۔ کیونکہ ایک پیچھے آنے والے جلیل الشان حقیقی فعل نماز کا یہ عمل مقدمہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ یہ عمل تو صرف نشان یا دلیل دوسرے امر کی ہے۔
وضو میں مسلمانوں کو جو دعا پڑھنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ یقیناً معترض کو راہ حق پر آنے کی ہدایت کرتی ہے۔ سنو اور غور کرو۔ وھو ھذا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ ترجمہ اے اللہ مجھے اپنی طرف خالص رجوع کرنے والوں سے بنا اور مجھے پاک رہنے والوں کی جماعت میں شامل کر۔ اے اللہ تو قدوس ہے تیری حمد ہے میں دل سے شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھسے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع لاتا ہوں +
غسل جنابت میں بھی یہی دعا مانگی جاتی ہے۔ اور اس دعا کے بعد یہ فقرہ کہا جاتا ہے۔ "**اُب غسل پورا ہوا**" یعنی ظاہر باطن سے ملکر پورا ہوا۔
یاد رکھنا چاہیے کہ عذر اور ضرورۃ کے وقت یہ طہارت ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ کافی دلیل اس امر کی ہے کہ یہ عمل صرف مقصود بالعرض ہے۔ مثلاً پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل اور وضو دونوں حالتوں میں اس آسان شریعت نے تیمم کر لینے کا حکم دیا کہ جس سے مقصود اتنا ہے کہ اعضائے ظاہری کا جرس بجا کر قوائے باطنی کے غافل قافلے کو بیدار اور بر سر کار کیا جائے۔
یہ ناپاکی اور پاکی (طہارت) کا لفظ اور اس کا مفہوم اسلام میں ایسا نہیں برتا گیا جیسا وسوسہ ناک طبائع اور وہمی مزاجوں کے درمیان معمول ہوا ہے۔ کہ انسان کی ذات میں کوئی ایسی نجاست نفوذ کر گئی ہے جس نے اس کو گھنونا اور لوگوں کے پرہیز و اجتناب کا محل بنا دیا ہے اور جس کا ازالہ سوای اس ظاہری طہارت کے ہو نہیں سکتا۔ میں سچ سچ (بیبر) بتاتا ہوں کہ اسلام ان توہمات سے بالکل پاک ہے۔
احبار ۱۵ باب ۸ اور ۱۸ باب ۱۵ میں ہے کہ "جریان والا کپڑے دھووے اور غسل کرے شام تک ناپاک ہے اور جس پر وہ سوار ہو اور جو کوئی اس کی سواری کو چھوئے وہ بھی ناپاک ہے" اور خروج ۱۹ باب ۱۰۔ اور خدا نے موسیٰ سے کہا کہ لوگوں کے پاس جا اور آج کل انھیں پاک کر اور ان کے کپڑے دھلوا۔ اور تیسرے دن طیار رہیں کہ خداوند تیسرے دن لوگوں کی نظر میں کوہ سینا پر اتر آئے گا" اسلامی شریعت کے احکام سے انھیں مقابلہ کرلو۔ صاف کھل جائے گا کہ اسلامی شریعت نے روحانیت کیطرف کیسی توجہ دلائی ہے۔ ذرا رنگ یا پانی چھڑکنا اور چلو بھر.... میں........ کفارہ والی بادشاہت میں داخل ہونے کی شرط قرار دی گئی ہے۔ اس پر رسوم ظاہری سے انکار۔ ۱۔ قرآن سنیئے۔ اس کے مقابل میں کیا فرماتا ہے۔
صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً + پ سورہ بقر ع۔ یہی اعتقاد قدیم سے مسلمانوں میں چلا آیا ہے کہ طہارت باطنی ہی راساً مطلوب ہے۔ چنانچہ اسلام کے قدیم فلاسفر امام غزالی نے ان لوگوں کی نسبت جو صرف ظاہری طہارۃ پر مرتے ہیں اور جن کے قلوب کبر و ریا سے بھرے ہوے ہوتے ہیں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ سب سے اہم اور اعظم طہارۃ پاک کرنا دل کا ہے تمام بری خواہشوں اور بیہودہ رغبتوں سے۔ اور دفع کرنا نفس سے تمام مکروہ و مذموم خیالات کو اور ان تصورات کو جو انسان کے دل کو خدا کی یاد سے باز رکھتے ہیں +
جب ہم نے اتنا ثابت کر دیا کہ قلبی حالت اعضا و جوارح کو حرکت دیے بغیر رہ نہیں سکتی اور یہ کہ ظاہر و باطن میں لازم و ملزوم کی نسبت ہے۔ تو گویا نفس ارکان نماز سے کچھ بحث نہیں۔ کیونکہ جذبات قلب اور اسکی واردات کا ظہور اور کیفیت

رکوع نمبر۹

اخلاقی اور طبعی قوتوں کے نشوونما کا گہرا راز بتایا جاتا۔ مخفی قوتوں کے اظہار کی راہ دکہائی جاتی۔ اندرونی تاریکی کے دور ہونے کا طریق کیا ہے؟ اسکا پتہ قویٰ کا باہمی مضاربہ اور مقابلہ۔ احیاء موتیٰ کی ایک راہ۔ عقلمندی کا ذریعہ باوجود ایسے نشانات اور آیات دیکھنے کے بنی اسرائیل کا سخت دل رہنا۔ ان کی سنگدلی کی مثال ایسی سنگدلی میں حق بات پر ایمان لانے کی ناامیدی۔ بنی اسرائیل کا ضد اور عداوت سے کلام الٰہی کو تبدیل کرنا۔ مومنوں سے اس قوم کا منافقانہ برتاؤ۔ توراۃ میں جو پیشگوئیاں دین حق کے ظاہر ہونے کی ہیں انکا اخفاء۔ خدا کی طرف سے اظہار کا وعدہ بنی اسرائیل میں سے جاہل اور خیالی پلاؤ پکانے والے فرقہ نصاریٰ کے خیالات اس قوم میں جھوٹی روایات لکھ کر پھیلانے کا رواج۔ اور دین کے بدلے دنیا خریدنے کی عادت۔ پھر باوجود ایسی بے ایمانیوں کے عذاب خدا سے بری رہنے کا خیال خدا تعالیٰ ان کے اس کذب کو ظاہر فرماتا۔ عذاب الٰہی آنے کا وقت جبکہ خطاکاریاں پورا احاطہ کرلیں خدا پر ایمان لانیوالے اور نیک اعمال میں زندگی بسر کرنیوالے ہی اہل جنت ہیں نجات اسی پر منحصر ہے کسی کا بیجا گھمنڈ یا قومی بڑائی اللہ تعالیٰ کے حضور بیکار ہے:

عام مطالب یہ رکوع بہت غور اور توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسمیں مندرجہ ذیل امور بیان فرمائے ہیں۔

اول ۔ نور فطرت کیونکر ترقی پاسکتا ہے اور انسان کی اندرونی تاریکی کس طرح دور ہوسکتی ہے

دوم ۔ گناہ سے بچنے کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو مدنظر رکھے واللہ مخرج ما کنتم تکتمون۔

سوم ۔ نفس انسانی کی تین قسموں پر مختصر سی بحث۔

چہارم ۔ منافقان اہل کتاب کا ذکر یوں مغضوب علیہم کی تفسیر

پنجم ۔ الضال قوم کے بیان سے اسکی تفسیر جس کے ضمن میں بتلایا ہے (ا) حرام خوری کرنیوالے معرفت کی باتیں نہیں سمجھ سکتے۔ (ب) الٰہیات سے انکو مناسبت نہیں ہوتی (ج) باریک عقل اور صحیح فطرت انسان کو خدا بنانے کی مجوز نہیں ہے

ششم ۔ عذاب الٰہی کب نازل ہوتا ہے؟ جبکہ انسان خطاکاریوں میں پورے طور پر گھر جاوے

ہفتم ۔ نجات کے مستحق اور جنت کے حقدار مومن اور صالح ہی ہوتے ہیں۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

اور جب تم نے قتل کیا نفس کو۔ پس تم نے اسمیں ایک تنازع اور روشنی پائی۔ اور اللہ ظاہر کردینے والا ہے تمہاری پوشیدہ باتوں کو یعنے یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ وہ اندرونی قویٰ اور نہاں در نہاں طاقتوں کو ظاہر کردیتا ہے۔

نفس نفس انسان ایک ایسی پوشیدہ اور نظری چیز ہے کہ خود اس کے وجود ہی میں صدہا جھگڑے اور اختلافات برپا ہورہے ہیں۔ بہت سے فرقے ایسے ہیں کہ وہ اس بات کو مانتے ہی نہیں کہ نفس بھی کوئی مستقل اور قائم بالذات چیز ہے اور جو لوگ نفس کے وجود اور اس کے بقا اور ثبات کے قائل بھی ہیں وہ بھی اسکی باطنی استعدادات اور قویٰ سے بے خبر ہیں اور جو اعلیٰ درجہ کی قوتیں

قاعدہ نماز کا مقرر نہ تھا لہٰذا روایت اور رواج پر مدار رہا۔ اور بقول ڈاکٹر النجر صاحب کے یہود بھی ایک نماز گذار قوم ہو گئے اور ہر روز تین گھنٹے عبادت خدا کے قرار دیے گئے۔ یعنی نو بجے اور بارہ بجے اور تین بجے۔ مگر چونکہ نماز میں مجتہدین کی ضرورت تھی اور اُس کا علم قطعی نہ تھا کہ خود حضرت موسیٰ کیونکر نماز پڑھتے تھے۔ لہٰذا اکثر اوقات یہود کی نماز صرف ایک مصنوعی فعل ہوتا تھا۔

حضرت مسیح نے جو آخری رسول یہود کے تھے اور اُن کے حواریین نے بھی عبادت کی تاکید کی۔ مگر افسوس اُس میں بھی یہ نقص رہگیا کہ کوئی محدود و معین قاعدہ نماز کا اُنھوں نے ترتیب نہ دیا۔ اس لیے چند عرصہ کے بعد خدا کا معاملہ کا بالکل عوام الناس کی رائے پر موقوف ہوگیا۔ اور پادریوں ہی کے اختیار میں آ رہا۔ جنھوں نے نماز کی تعداد اور مدت اور الفاظ وغیرہ مقرر کرنا اپنے ہی فرقہ میں منحصر کر دیا۔ اسی وجہ سے دعاؤں کی کتابیں تصنیف ہوئیں اور قسیسین کی کیٹیاں منعقد ہوئیں۔ تاکہ اصول دین اور ارکان ایمان مقرر کریں۔ اور اسی وجہ سے راہبوں نے عجیب پرتکلف طریقہ عبادت کا نکالا اور گرجوں میں ہفتہ وار نماز قرار دی گئی۔ یعنی چھ روز کی غذائے روحانی نہ ملنے کی مکافات صرف ایک روز کی نماز سے کی گئی۔ الغرض یہ سب خرابیاں منتہیٰ درجہ کو پہونچ گئیں کہ ساتویں صدی عیسوی میں رسولِ عربی نے ایک مہذب اور معقول مذہب تلقین کرنا شروع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پنجگانہ کا طریق اس لیے جاری کیا کہ آپ خوب جانتے تھے کہ انسان کی روح حق سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وستائش کرنے کی کیسی مشتاق رہتی ہے۔ اور نماز کے اوقات مقرر کر دینے سے آپ نے ایک ایسا مضبوط قاعدہ نماز گذاری کا معین کر دیا کہ نماز کے وقت انسان کا دل عالم روحانی سے عالم مادی کیطرف ہرگز متوجہ نہیں ہو سکتا۔ جو صورت اور ترکیب آپ نے نماز کی اپنے قول وفعل سے مقرر کر دی ہے اُسمیں یہ خوبی ہے کہ اہل اسلام اُن خرابیوں سے محفوظ رہے ہیں جو اُس لڑائی جھگڑے سے پیدا ہوتی تھیں جو عیسائیوں میں نماز کی ترکیب پر ہوا کرتے تھے اور پھر ہر مسلمان کو گنجایش رہی کہ کمال خشوع وخضوع عبادت خدا میں مصروف ہو ✤

پابندی اوقات میں ایک قدرتی تاثیر ہے کہ وقت معینہ کے آنے پر قلب انسانی میں بے اختیار جذب ومیلان اُس فعل کے ادا کرنے کے لیے پیدا ہو جاتا ہے۔ اور روحانی قویٰ اُس مفروض عمل کیطرف طوعاً وکرہاً منجذب ہو جاتے ہیں جون ہی اُس غیر مصنوعی ناقوس (اذان) کی آواز سنائی دیتی ہے ایک دیندار مسلمان فی الفور اُس ابلیکٹریسیٹی کے عمل سے متاثر ہو جاتا ہے۔ پابند صلوٰۃ گویا ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے۔ کیونکہ ایک نماز کے ادا کرنے کے بعد معاً دوسری نماز کی طیاری اور فکر لگ جاتی ہے۔

نماز پنجگانہ کا باجماعت پڑھنا اور جمعہ وعیدین کی اقامت جس حکمت کے اصول پر مبنی ہیں انتظامات ملکی کا دقیقہ شناس اُس کی خوبی سے انکار نہیں کر سکتا۔ ہزاروں برسوں کے دور کے بعد جو دنیا نے ترقی کی اور چاروں طرف غلغلہ تہذیب بلند ہوا اس سے بڑھ کر اور کوئی تجویز کسی کی عقل میں نہ آئی۔ کہ کلب بنائے جائیں انجمنیں منعقد ہوں اور وقت کی ضروریات کے موافق قوم کو بیدار کرنے والی تقریریں کی جائیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ باایں ہمہ ترقی علوم ایسی انجمنوں کے قیام واستحکام میں کسقدر دقتیں واقع ہوتی ہیں۔

مگر مبارک ہو اُس افضل الرسل خاتم الرسالۃ کو کہ اُس نے کیسے وقت میں کیسی انجمنیں قائم کیں۔ اُن کے قیام واستحکام کے کیا کیا طریقے نکالے۔ جنھیں کوئی مزاحم کوئی مانع توڑ نہیں سکتا۔ اعضائے انجمن کے اجتماع کے لیے ٹکٹ جاری کیے جاتے ہیں۔ اشتہار چھاپے جاتے ہیں۔ اس الٰہی طریق میں وقت معین پر اذان دیجاتی ہے جو اُس پاک انجمن (مسجد) میں پہونچائے بغیر چھوڑ ہی نہیں سکتی۔

قرب وجوار کے لوگوں کا ہر روز پانچ مرتبہ ایک جگہ میں جمع ہونا۔ اور پھر شانہ سے شانہ جوڑ اور پاؤں سے پاؤں ملا کر ایک ہی سچے معبود کے حضور میں کھڑا ہونا قومی اتفاق کی کیسی بڑی تدبیر ہے۔ ساتویں دن جمعہ کو آس پاس کے چھوٹے قریوں اور بستیوں کے لوگ صاف ومنظف ہو کر ایک بڑی جامع مسجد میں اکٹھے ہوں اور ایک عالم بلیغ تقریر (خطبہ) حمد ونعت

کہ اس طریق پر کوئی مردہ زندہ نہیں کیا جاتا کہ گائے کا گوشت اسکے بدن کو مارین

سوم یحیی کا لفظ ہے جسمیں **استقبال** یا **حال** کے معنی مفہوم ہوتے ہیں اور پہلا واقعہ ماضی میں بیان ہوا ہے۔

چہارم موتی کا لفظ قرینہ ہے کیونکہ موتی جمع ہے اور وہاں ایک نفس تھا

پنجم یریکم آیاتہ یہہ نشان عام نشانات کی مد میں ہے اگر اسکے دیکھنے والے صرف بنی اسرائیل ہی تھے تو پھر لفظ یریکم آیاتہ اللہ تعالیٰ انپر نشانات دکھاتا ہے اپنی خوبی ظاہر نہیں کر سکتا۔

ششم لعلکم تعقلون اسمیں عقل و دانش کی راہ ہر زمانہ میں ملنی چاہئے

الغرض اور بھی بہت سے قرائن قویہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ قصہ صحیح نہیں ہے۔

ان ساری باتوں کے علاوہ ایک بڑی اور زبردست بات جو اس قصہ کے خلاف میں موجود ہے وہ یہہ ہے کہ کہ اس دنیا میں **حقیقی مردے** کبھی زندہ نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر فیصلہ کر دیا ہے انھم لا یرجعون بہت سے دلایل قرآن شریف سے اس بات کی تائید اور تصدیق میں دئیے جا سکتے ہیں کہ حقیقی مردے اس دنیا میں کبھی زندہ ہو کر نہیں آتے لیکن یہہ ایک صاف بات ہے اور عقل اور نقل صحیح کے نزدیک مسلم ہے ہم اسپر ابھی بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

ہمارے حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود امام اللہ فیہم کے حضور ایک روز یہہ آیت پیش کی گئی ہے آپ نے فرمایا کہ اس آیت سے یہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مردہ جو حقیقی طور پر مر چکا ہو یعنے فیمسك التی قضی علیها الموت کے نیچے آچکا ہے زندہ ہو جاوے اگر ایسا ہو تو گویا قرآن شریف کے ایک عظیم الشان اصول کو توڑنا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ **مردہ** کوئی بیہوشی اور غشی کی حالت میں ہو اور گائے کا گرم گوشت اسپر باندھا گیا ہو تو اسے ہوش آگیا ہو یہ بات چونکہ اپنے اندر علمی پہلو رکھتی ہے اس لئے اسکے ماننے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بعض اوقات سرسام کے مریضوں کیلئے یہ علاج لکھا ہے کہ ایک **جوان تندرست** مرغ کو خوب دوڑایا جاوے اور جب تیز دوڑ کر اسکے خون میں حرکت زور سے ہو اس وقت اسے ذبح کر کے سرسام والے کے سر پر دو ٹکڑے کر کے باندھ دیں تو آرام ہو جاتا ہے اسی طرح پر اس کی تہ میں اگر ایسا ہی علمی نکتہ ہو تو تعجب کی بات نہیں ہے۔

غرض جو تفسیر قرآن کریم کے سنن اور محاورات سے ناواقف لوگ کرتے ہیں جسکا ہمنے حوالہ دیا ہے وہ نہیں ہے اسکی حقیقت دوسری صورت میں وہی ہو سکتی ہے جو حضرت امام علیہ السلام نے فرمائی کہ کوئی بیہوش آدمی ہوگا اسے آرام ہو گیا ہوگا۔

اور یہہ تو ایک صاف اور واضح بات ہے کہ اس آیۂ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی اندرونی تاریکی کے دور کرنے کا ایک علاج بتلایا ہے اور نفس امارہ کی حکومت سے نکل کر نفس مطمئنہ کے درجہ تک کمال حاصل کرنیکی راہ دکھائی ہے اب بھی اس قسم کے مردے زندہ ہوتے ہیں اور ہر آن ہو رہے ہیں۔ مبارک وہ جو اس زندگی کا جویا ہے کیونکہ قوی شہوانیہ نفسانیہ کا مقابلہ روحانی قوت سے کرتے رہنے پر عقل میں ایک نور اور روشنی آتی ہے مگر بعض آدمی اپنی کرتوتوں اور اعمال سے خود مردہ ہو کر پتھر کی طرح بن جاتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً

(یاین کہ تم نشانات الہیہ کو دیکھتے رہے چاہئے تو یہہ تھا کہ تم عقل و فکر میں ترقی کرتے مگر تمہاری بداعمالیوں اور خلاف شریعت کاموں کا نتیجہ یہہ ہوا کہ) تمہارے دل اسکے بعد سخت ہو گئے گویا کہ وہ پتھر ہیں یا پتھر سے بھی زیادہ سخت۔ وہ انسان بہت ہی قابل رحم ہے جو اللہ تعالیٰ کے نشانات دیکھکر بھی سنگ دل کا سنگ دل ہی رہے بلکہ اس سے بھی بڑھکر قسی القلب ہو جاوے

آواز ہونے میں صبح اور شام کے وقتوں اور ست رہ بیخبر۔ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ + پارہ ۲۱۔ سورہ عنکبوت رکوع ۵ ترجمہ تو پڑھ جو اُتری تیری طرف کتاب اور کھڑی رکھ نماز بیشک نماز روکتی ہے بیحیائی سے اور بُری بات سے اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی اور اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو +

ان آیات سے نماز کی علت غائی خوب ظاہر ہوتی ہے کہ نماز منکرات اور فواحش سے محفوظ رہنے کے لیے فرض کی گئی ہے اگر نماز کی اقامت اور مداومت سے نمازی کے اقوال و افعال میں کچھ روحانی ترقی نہیں ہوئی تو شریعت اسلامی ایسی نماز کو مستحق درجات ہرگز نہیں ٹھہراتی۔ اب مجاز وظاہر کہاں رہا۔

نبی عرب علیہ الصلوٰۃ کے لیے کچھ کم فخر کی بات نہیں۔ اور اُس کے خدا کی طرف سے ہونے کی قوی دلیل ہے کہ اُسنے خدا کی عبادت کو طبلوں مزماروں سارنگیوں اور بربطوں سے پاک کردیا۔ اللہ کے ذکر کی مسجدوں کو رقص و سرود کی محفلیں نہیں بنایا اور یہاں تک احتیاط کی کہ تصاویر اور مجسمہ بنانے کی اور مسجدوں میں مُوہم بالشرک نقش ونگار کرنے کی قطعی ممانعت کردی کہ ایسا نہ ہو یہی مجاز رفتہ رفتہ مبدل بحقیقت ہو کر اور یہی مجسّمی معبودی تماثیل بنکر توحید کے پاک چشمہ کو مکدر کر ڈالیں۔

جب ہم خوش قطع گرجا میں عیسائی جھنڈ کو بزعم عبادت جمع ہوا دیکھتے ہیں۔ سجی سجائی بنی ٹھنی سینٹوانیاں اور گوری گوری یورپانیاں قرینہ سے کرسیوں پر ڈٹی ہوئیں اُسوقت ہمیں عیسائیوں کا یہ فقرہ "کہ مسلمانوں میں صرف رسمی اور مجازی عبادت ہے" بڑا حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ یقیناً اہل اسلام کی غیور طبیعت نصاریٰ کی اس حقیقت سے آشنا ہونے کی کبھی کوشش نہ کرے گی۔

اس موقع پر طریق اذان پر بھی کچھ تھوڑا سا لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے

ہر قوم نے پراگندہ افراد کو جمع کرنے یا منشائے عبادت کو حرکت دلانے کے لیے کوئی نہ کوئی اڈہ بنا رکھا ہے۔ کسی نے ناقوس نرسنگا۔ کسی نے گھنٹے گھنٹیاں۔ مگر انصاف شرط ہے کیا انمیں سے کوئی وضع بھی اذان سے مقابلہ کرسکتی ہے۔

اُس پیارے رسولؐ نے جس کی واقعی صفت میں قرآن فرماتا ہے۔ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ پارہ ۹۔ سورہ اعراف ۱۹ ترجمہ اور اُتارتا ہے اُن سے بوجھ اُن کے اور پھانسیاں جو اُنپر تھیں + ان تمام رسمی بندشوں سیپوں اور سینگوں کی تلاش سے اُمت کو سبکدوش کردیا۔ ذرا انصاف سے اُن کلمات کو سوچو۔ اس ترتیب کے سر پر نگاہ کرو کہ کوئی قوم بھی دنیا میں ہے جو اس شد و مد سے پہاڑوں اور مناروں پر چڑھکر اپنے سچے اصولوں کی ندا کرتی ہے۔ عبادت کی عبادت اور بلاہٹ کی بلاہٹ۔ دنیا میں ہزاروں حکما اور ریفارمر گذرے ہیں اور قومی گڈریے پیدا ہوئے ہیں مگر تتر بتر شدہ بھیڑوں کے اکٹھا کرنے اور ایک جہت میں لانے کا کس نے ایسا طریق نکالا۔ کس نے کبھی ایسی ترئی پھونکی جس کی دلکش آواز معًا روحانی جوش اور ولولہ تمام ظاہر و باطن میں پیدا کردیتی ہے۔ اللہ اکبر کیسی صداقت ہے کہ ایک قوم علی الاعلان صبح و شام پانچ دفعہ اپنے بے عیب عقیدہ کا اشتہار دیتی ہے۔ !

تعیین اوقات۔ پابندی وقت !۔ آہ کیسے معقول کلمات ہیں۔ کہ جب کسی قوم کی ترقی کی راہ کھلی۔ یہی شعل جان افروز کے نور سے تمام موانعات کی تاریکی دور ہوئی۔ شریعت موسوی میں احکام نماز منضبط نہیں ہوئے۔ توریت طریق نماز سے بالکل ساکت ہے۔ صرف علمائے دین کو وہ یکی دیتے اور پہلوٹے لڑکے کو ہیکل مقدس میں لاکر نذر دیتے وقت خاموش ما پڑھی جاتی۔ اور لڑکے کا باپ تمام احکام شرعی کو بجا لاکر یہوواہ سے دعا مانگتا تھا کہ اس اسرائیلی لڑکے کو برکت دے جیسے تو نے اس کے آبا و اجداد پر برکت نازل کی تھی۔ لیکن جب یہود اور اُن کے علما کا اعتقاد باری تعالیٰ کی نسبت زیادہ معقول اور پاکیزہ ہوگیا اور خداوند عالم کے مشکل بشکل انسان ہونے کا فاسد عقیدہ دفع ہونے لگا تب نماز یا دعا کی حقیقت اُن کی سمجھ میں آنے لگی۔ کہ نماز انسان کے لیے بارگاہ الٰہی سے تقرب کا وسیلہ ہے۔ مگر چونکہ شریعت موسوی میں کوئی خاص

تمام کمزوریوں سے نجات پاکر روحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے اور خداوند تعالی سے ایسا پیوند کر لیتا ہے کہ بغیر اس کے جی ہی نہین سکتا۔ اور جس طرح پانی اوپر سے نیچے کیطرف بہتا اور بسبب اپنی کثرت اور نشیب کے ہونے سے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔

غرض یہہ ہیں نفس کے تین درجے اس کے بعد ہم جو کچھ اس رکوع کی تفسیر میں بیان کریں گے اس کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہ ہوگا۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا یعنے جب انسان اپنی شہوانی اور نفسانی قوتوں پر غلبہ پاکر ان کو اپنے پاؤں میں کچل دیتا اور روندا دیتا ہے تو اوس کو ایک نور ملتا ہے۔ کیا معنے کہ انسان جو مختلفۃ القویٰ کا مجموعہ ہے جب وہ نفس امارہ پر فتح پاکر اس حالت سے نکل آتا ہے تو اپنے اندر ایک روشنی پاتا ہے مثلاً یہہ بات صاف ہے کہ جب انسان شہوت کو بے جا محل پر استعمال کرنے سے روکے گا تو اوسکو عفت کی روشنی ملے گی۔ غضب کی قوت کو دبائیگا تو حلم ملے گا۔ طمع کو دبائے گا قناعت سے بہرہ ور ہوگا۔ اضطراب ترک کرے گا استقلال عطا ہوگا۔ بزدلی نامردی کے مارنے سے شجاعت ملیگی۔ اور بلند پروازگی کی روح پیدا ہوگی۔

اور یہہ اشارہ ہے ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ہونے کیطرف کیونکہ بدون اس کے وارث کتاب اللہ نہیں ہوسکتا۔ مدارج عالیہ کے حصول کیلئے پہلے دکھ اوٹھانا ضروری ہے۔ انسان حزن و غم سے اوسی وقت محفوظ ہوسکتا ہے جب وہ اپنے اوپر ایک موت وارد کرلے۔

فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا کے معنے ہیں تمنے اسمیں روشنی پائی یعنے اس قتل نفس میں تم کو ایک روشنی ملیگی۔

وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ اللہ تعالی کی یہہ صفت ہے کہ وہ تمہاری مخفی قوتوں اور فعلوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اللہ تعالی کی اس صفت پر غور کرنے سے انسان دو فائدہ اوٹھا سکتا ہے اول یہہ کہ وہ یہہ سمجھ کر کہ اللہ تعالی ہر مخفی بات کو ظاہر کر دیتا ہے گناہ کی زندگی سے نکل سکتا ہے اور بچ سکتا ہے

دوم سعی او مجاہدہ کرکے بہت سی اون قوتوں کو نشوونما دے سکتا ہے جس کا اوسکو علم ہی نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالی فرماتا ہے کہ تمہارا یہہ منشا نہیں ہے کہ ان قوتوں کو جو حیوانی جذبات اور شہوانی خواہشات کے موجب ہوتے ہین اور طبعی تقاضے ہیں بالکل مار ڈالو نہین نہین بلکہ

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۔ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

پس ہم نے تو یہہ حکم دیا ہے کہ بعض کو بعض کے ساتھ مارو (کیا معنی کہ اگر حرص غالب ہو قناعت اختیار کرو غضب بھڑکے تو حلم اور نرمی سے مقابلہ کرو یعنے محاذی قوتوں اور قوی کو باہم مارو۔ کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ ایسے مقابلہ سے وہ مخفی اور نہاں در نہاں بلکہ مردہ یا پژمردہ قوتوں کو نشوونما دیتا ہے) اسی طریق پر اللہ تعالی مردوں کو زندہ کیا کرتا ہے۔ اور اپنے نشانات تمکو دکھایا کرتا ہے تاکہ تم عقل و دانش سیکھو۔

اس آیت کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا اور قتل کا الزام ایک دوسرے پر رکھتے تھے اللہ تعالی نے اس مخفی قاتل کے اظہار کیلئے یہہ طریق تبلایا کہ اس ذبح شدہ گائے کے بعض ٹکڑے اس مقتول کی لاش پر ماریں اس سے مردہ جی اٹھا۔ اور اصل قاتل کا پتہ لگ گیا۔ اس تفسیر کی معلوم نہیں کیا اصل و حقیقت ہے۔ بظاہر آیت پر نظر کرنے سے جو تفسیر ہمنے اوپر کرکے دکھائی ہے وہ صاف سمجھ میں آتی ہے اور اسپر مندرجہ ذیل قرینے بھی موجود ہیں

اول وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ اس پر قرینہ ہے۔

دوم كَذٰلِكَ کا لفظ قرینہ ہے کیونکہ یہہ استمراری عادۃ اللہ اور سنت اللہ کو ظاہر کرتا ہے حالانکہ اب ہم دیکھتے ہیں

اسلام نے جو راہ بتائی ہے وہ اعتدال کی راہ ہے۔ اس لیے وہ سب مذاہب سے ممتاز ہے۔

پھر نیکی کا ایک اور درجہ بتایا اور وہ ایفاءِ عہد ہے۔ اس کے بعد نیکی کا آخری درجہ بتایا اور وہ صبر ہے۔

صبر یاد رہے کہ صبر جو انسان اپنی مصیبتوں اور بیماریوں اور دکھوں پر کرتا ہے۔ اپنی ظاہری صورت میں ایک طبعی امر سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اس لئے کہ انسان بہت سی جزع فزع کے بعد آخر تھک کر رہ جاتا ہے اور صبر کرتا ہے مگر یہ صبر خدا کے حضور کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ خدا کے حضور وہ صبر قابل جزا ہے جس میں خدا تعالےٰ کی کوئی شکایت نہ ہو۔ اس کا دوسرا نام رضا بقضائے الٰہی ہے اور ایک طرح سے اس کا نام **عدل** بھی ہے کیونکہ جب خدا تعالیٰ انسان کی تمام زندگی بھر اس کی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اور ہزار ہا باتیں اس کی مرضی کے موافق ظہور میں لاتا ہے۔ تو کیا یہ شرط انصاف نہ ہوگی اگر وہ اپنی مرضی بھی منوانا چاہے۔ اس وقت جو شخص استقلال اور جوش کے ساتھ وفادار اور ثابت قدم رہے وہ خدا تعالیٰ کے حضور متقی ٹھیرتا ہے۔ غرض مندرجہ بالا صفات متقیوں کے ہیں اور حقیقی راست بازوں کے نشان ہیں۔

چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اور دوسروں کے ساتھ ملکر اسے رہنا پڑتا ہے اور بسا اوقات ایسے واقعات انسانی طبعی جوشوں سے پیدا ہو جاتے ہیں جو ایک دوسرے کے اتلاف جان کا موجب ہو جاتے ہیں۔ اس لیے خدا تعالےٰ جو **امن** کو پسند فرماتا ہے اور جس نے **اسلام** کو (جو صلح کا دین ہے) پسند فرمایا ہے اس قسم کی بدامنیوں کے پیش آجانے پر علاج بتاتا ہے۔ گویا **تمدنی ہستی** کے لیے ایک اصول پیش کرتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

۲۲۸ ع ۲۲ ۶

ترجمہ اے مومنو! مقتولوں کے بارہ میں تم پر قصاص لکھا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد۔ غلام کے بدلے غلام۔ عورت کے بدلے عورت۔ پس جس شخص کو اس کے بھائی کیطرف سے (یعنی وارث مقتول سے) کچھ معاف کر دیا جائے (یعنی بجائے خون کے پورا خون یا کسی قدر عوض خون مقرر ہو جائے) پس وارث کا کام ہے معروف طور پر تقاضا کرنا اور اسکا کام ہے نیک طور پر ادا کر دینا یہ تمہارے رب کی طرف سے کمی اور مہربانی ہے پس جو اس کے بعد بھی حد سے تجاوز کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور اس بدلہ لینے میں تمہارے لیے زندگی ہے اے دانشمندو! تاکہ تم تکلیف سے بچ جاؤ۔

ہم نے اوپر بتایا ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے اور اجتماع میں ایسے واقعات بھی پیش آجاتے ہیں کہ بعض اوقات جنگیں ہو جاتی ہیں اور جھگڑوں میں ناحق خون ہو جاتے ہیں اس کے انسداد کے لیے خدا تعالیٰ نے یہ قانون مقرر فرمایا کہ خون کے بدلے خون کیا جاوے۔

قتل دو قسم کے ہیں قتل عمد اور قتل خطاء اور دونوں کی بابت قرآن شریف نے الگ الگ قانون مقرر کیا ہے۔ قتل عمد میں ارادتاً مقتول کو قتل کیا جاتا ہے اور قتل خطا میں مار ڈالنے کا قصد نہیں ہوتا بلکہ غلطی سے مقتول ہلاک ہو جاتا ہے جیسے مثلاً کسی نے تیر کسی شکار کو مارا وہ کسی انسان کو لگ گیا جو اس سے ہلاک ہو گیا۔ قتل عمد کی سزا قانون اسلام میں خون کے بدلے خون ہے اور وارثان مقتول کو یہ بھی اختیار ہے کہ اسے بالکل معاف کر دیں یا کچھ خون بہا لیکر چھوڑ دیں ہاں اسمیں شک نہیں کہ قصاص کی ترغیب ضرور ہے جیسا کہ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ سے پتہ لگتا ہے اور یہ ترغیب اس لیے ہے کہ اس سے آیندہ کے لیے انسداد فتنہ ہوتا ہے۔

اسلامی قانون اور انگریزی قانون اس موقع پر غالباً مناسب ہوگا کہ ہم قتل کے متعلق اسلامی قانون اور انگریزی قانون کا مقابلہ

فرمائی ہیں ان کا ظہور اب وہ خود کریگا ان کے ظاہر کرنے یا چھپانے سے اب کیا ہوگا)۔
قران کریم کے طرز کلام اور تہذیب کیطرف اس مقام پر خاص توجہ کی ضرورت ہے دیکھو جہاں مشرک منافقوں کا ذکر تھا وہاں واذا خلا الیٰ شیٰطینہم فرمایا۔ اور چونکہ یہاں اہلکتاب مراد ہیں اسی لئے نرم الفاظ میں ذکر کیا ہے۔
اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہودی یعنے مغضوب فرقہ عمداً تحریف کیا کرتا ہے۔ اس کے بعد فرقہ ضالہ نصاری کا ذکر فرمایا

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ

اور ان میں سے وہ لفظ پرست معنوں سے خالی قوم بھی ہے جو کتاب کو نہ وہ کچھ سمجھتے بوجھتے نہیں ہیں ہاں اپنے خیال ہی خیال میں کچھ آرزوئیں باندھ لی ہوئی ہیں جن پر مر مٹے ہیں اور اس وہم و گمان ہی میں وہ مگن ہو رہے ہیں
امی کے معنی ہیں **ناواقف**۔ الفاظ پرست معنی سے خالی یہ نصاری کی قوم ہے جو کتاب اللہ کے علوم سے تو کچھ مس رکھتی نہیں ظاہرداری ہی پر مر مٹے ہیں۔ **امانی** کے معنی ہیں اکاذیب (جھوٹی باتیں) پڑھنا۔ موہوم امیدیں
اب دیکھو نصاری نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر جھوٹی اور خیالی امیدوں پر ہوائی قلعہ بنایا ہے کہ تثلیث کا راز یوں لانحل ہے اور مسیح کا خون ہمارے لئے یوں کفارہ ہوا۔ اس گروہ کی حالت کو اور واضح کرکے دکھایا ہے اور ان کے **ضال** ہونے کی وجہ بتائی۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا
فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ

پھٹکار ہے ان لوگوں کے لئے جو کتاب کو تو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور اپنی تحریر کردہ کتابوں کی نسبت عام لوگوں کو کہتے ہیں کہ اللہ کا حکم یوں ہی ہے اور خدا کی طرف سے ہی کلام آیا ہے اور ایسی جعلی تحریروں سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کچھ تھوڑی سی دنیا کما لیں پس خرابی اور رسوائی ہے ان لوگوں پر جو کچھ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور پھر پھٹکار ہے اس کمائی پر جو ان تحریروں کے ذریعہ سے وہ کماتے ہیں +

اس آیت کی مزید تصریح کی ضرورت نہیں ہے نصاری کی عام حالت اسکی مصدق ہے اس قوم کی ہاتھ میں جیساکہ اس آیۃ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کتاب اللہ ہرگز ہرگز نہیں جو کچھ ہے وہ ان کے اپنے خیالات ہیں کیونکہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ **تراجم** ہیں اصل کتاب نہیں ہے لیکن اصل کتاب کا تو پتہ ہی نہیں چلتا کیونکہ مسیح کی زبان عبرانی تھی جیساکہ ان کے آخری الفاظ +**ایلی ایلی لما سبقتانی** سے پایا جاتا ہے۔ مگر عیسائی کہتے ہیں کہ موجودہ اناجیل یونانی سے ترجمہ ہوئی ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتاب کا پتہ ہی نہیں اور جو کچھ انکے ہاتھ میں ہے وہ سب خیالی باتوں کا مجموعہ ہے۔ اس آیت پر بار یک نظر کرنے سے ان کے **انجام** کا صاف پتہ ملتا ہے فویل للذین اور فویل لھم مما کتبت ایدیھم پر غور کرو۔
اس سے یہہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جو اللہ تعالی پر افترا کرے وہ بھی فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ بِاَيْدِيْهِمْ کے نیچے داخل ہے اب ہمارے حضرت اقدس سیدنا مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود ایدہ اللہ کے مخالف اپنا انجام سوچیں اور اسکی روز افزوں کامیابی پر نظر کریں کیونکہ اگر وہ اللہ تعالی کیطرف سے مامور نہ ہوتا اور الہامات الہیہ سے مشرف نہ کیا جاتا اور نرا دعوی ہی دعوی ہوتا۔ تو ہرگز کامیاب نہ ہوسکتا۔ اسکی عدیم المثل کامیابی اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالی کی چادر کے نیچے ہے اور اسی کے بلائے سے بولتا ہے

پھر ان لوگوں کی ایک اور علامت بتائی۔ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

اور پھر ان کرتوتوں پر یہہ کہتے ہیں کہ ہم کو دوزخ کی آگ تو کچھ تھوڑے سے دن چھوئے گی ان سے پوچھو کہ کیا تم اللہ تعالی سے کوئی عہد لے چکے ہو کہ اب اس عہد کا خلاف اللہ تعالی نہیں کرنے کا۔ یا تم خود ہی اللہ تعالی کے حق میں ایسی باتیں بناتے ہو جسکی سند علمی خود تمہارے

+ مسیح نے گویا مرتے مرتے عیسائیوں کے پاس کتاب اللہ کے نہ ہونے پر مہر کردی۔

کے بعد ضروریات قوم پر کرے۔

عیدین میں کسی قدر دور کے شہروں کے لوگ ایک فراخ میدان میں جمع ہوں اور اپنے ہادی کی شوکت مجسم کثیر جماعت بنکر دنیا کو آفتاب اسلام کی چمک دکھاویں۔ اور بالآخر اُس پاک سرزمین میں اُس فاران میں جہاں سے اولاً نور توحید کامل اقطار عالم کے حذاء دوست حاضر ہوں۔ ساری بچھڑی ہوئی متفرق اُمتیں اسی دنگل میں اکٹھی ہوں وہاں نہ اُس مٹی اور نیچے کے گھر کی بلکہ اُس رب الارباب معبود الکل کی جس نے اُس ارض مقدسہ سے توحید کا عظیم الشان وعظ بذریعہ ہادی نکالا حمد و ستائش کریں۔

اسی طرح ہر سال اُس یادگار (بیت اللہ) کو دیکھکر ایک نیا جوش اور تازہ ایمان دلیں پیدا کریں۔ جو بحسب تقاضائے فطرت ایسی یادگاروں اور نشانوں سے پیدا ہونا ممکن ہے۔ سخت جہالت ہے اگر کوئی اہل اسلام کیسی موحد قوم کو مخلوق پرستی کا الزام لگاوے۔ ایسے شخص کو انسانی طبیعت کے عام میلان اور جذبات کو مدنظر رکھکر ایک واجب القدر امر پر غور کرنا چاہیے۔ کہ اگر قرآن کے پورے اور خالص معتقدین کے طبائع میں بت پرستی ہوتی تو اُن کو اپنے ہادی منجی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ سے بڑھ کر کونسا مرجع تھا۔ اللہ تعالے نے مکہ معظمہ میں آنحضرت کا مرقد مبارک نہیں ہونے دیا تاکہ توحید الٰہی کا سرچشمہ پاک ہر قسم کے شائبوں اور ممکن خیالات کے گرد و غبار سے پاک صاف رہے اور مخلوق کی فوق العادت تعظیم کا احتمال بھی اُٹھ جائے۔

مسلمانو تمہارے ہادی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری دعا۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ مِنْ بَعْدِيْ عِيْدًا اے اللہ میری قبر کو میرے بعد عید نہ بنائیو۔ خوب یاد ہے۔ اور وہ بجان و دل اپنے نبی کی اس دعا کے ظاہر نتیجہ کی تصدیق کر رہے ہیں۔ اور ہمیشہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھ کر اللہ اور عبد میں امتیاز بین دکھلاتے ہیں۔ تم کلامہ۔

۲۲۸ ع

اس کے بعد پھر قرآن کریم شفقت علی خلق اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور وہ الی الزکوٰۃ ہے۔

زکوٰۃ

مسلمانوں میں مال سے ہمدردی کرنی اور مسکینوں یتیموں وغیرہ کی خبرگیری کرنے کے فنڈ کا نام زکوٰۃ ہے اور جس شخص کے پاس ساڑھے باون روپے ایک سال کے اختتام پر بچ رہیں وہ اسلامی شریعت کی رو سے صاحب نصاب ہے اور چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینا اسپر فرض ہو گیا مسلمانوں میں یہ عبادت مالی عبادت ہے۔ زکوٰۃ کے مصرف قرآن شریف نے خاص کر دیے ہیں + یعنی فقرا۔ مساکین۔ صدقات کے کارکنوں اور ان کافروں کیلیے جنکا اسلام اور مسلمانوں سے لگاؤ ہے۔ غلاموں اور قیدیوں کے آزاد کرانے تاوان بھرنے والوں اور اللہ کی راہ میں مسافروں کے لیے + اور ایسے مصرف قرآن شریف سے ثابت ہیں۔

ہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی قوم بنو ہاشم کے لیے جائز نہیں کہ وہ صدقات اور زکوٰۃ میں سے کچھ اپنے لیں گو کیسے ہی غریب و مسکین کیوں نہ ہوں۔

زکوٰۃ اور دوسرے مذاہب

دوسرے مذاہب نے بھی قومی چندوں کی کوئی سبیل ضرور رکھی ہے مگر اُس میں اپنے ذاتی اغراض اور مقاصد شامل ہیں۔

مثلاً یہودیوں کے ہاں یہ صدقات اور زکوٰۃ موسیٰ اور ہارون کی اپنی ہی قوم کا حق سمجھے گئے ہیں۔ اور لطف یہ کہ ان میں شراب تک بھی داخل ہے +

عیسائی مذہب میں جیسا کہ اُس کا خاصہ ہے کہ وہ ایک ہی طرف چلا جاتا ہے زکوٰۃ کی کوئی حد نہیں بلکہ وہ سرے ہی سے سارے مال و اسباب کو چھوڑ دینے کی ہدایت کرتا ہے متی کی انجیل کے انیسویں باب میں ایک دولتمند کا ذکر ہے کہ اُس نے آپکے پاس رہنا اور خدائی بادشاہت میں داخل ہونا چاہا مگر مسیح نے اُسے کہا کہ تو سارا مال و اسباب ڈال دے تب میرا پیرو ہو۔ اسپر تعجب ہے کہ امریکہ اور یورپ کے متمول عیسائی ہیں اور خدائی بادشاہت میں داخل ہونیکے مدعی۔

سنگدل وہ پتھر ہی کی طرح رہنا کیونکہ

وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ

کیونکہ بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہرین پھوٹ نکلتی ہیں (جس سے دوسروں کو فایدہ پہنچ رہتا ہے) اور بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں
کہ اگر وہ نہیں تو اون کے پھٹ پڑنے سے پانی جاری ہو جاتا ہے

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو بھی کم از کم ایسا تو ہونا چاہئے کہ وہ اوروں کو نفع پہنچاوے جیسے پتھروں سے
نہریں پھوٹ کر نکلتی ہین اور زمین کو سیراب کرکے دوسرون کو نفع پہنچاتی ہین پس انسان اگر سنگ دل بھی ہو تو بھی تو اسے نفع رسان
ہستی بننا چاہئے نہ یہ کہ پتھرون سے بھی کم درجہ پر گر کر نہ اپنے نفع کا نہ دوسرے کے فایدہ کا رہے۔

پھر بتایا کہ بعض نفس اس قسم کے ہوتے ہیں جو خشیت الہی سے گر پڑتے ہیں چنانچہ فرمایا

وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ

اور بعض نفس ایسے بھی ہیں جو خشیت الہی سے گرے پڑتے ہیں۔

اور اسکا ترجمہ یون بھی کیا جاتا ہے کہ بعض ان پتھرون میں ایسے بھی ہین کہ اون کے یک بیک زمین پر گر پڑنے سے اللہ تعالی کی
ہیبت وجلال کا خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنے تم تو پتھرون سے بھی گئے گذرے ہوئے کہ اپنے لئے نہیں تو کسی دوسرے ہی کے کام
آتے زیادہ نہ سہی تو کسی قدر خیر وبہتری ہی تم سے کسی کو پہنچتی۔ اگر یہہ بھی نہیں تو کم از کم تم سے ہیبت الہی کا سبق ہی کسی کو مل جاتا۔ تم
تو کسی کام کے بھی نہ رہے۔

اور جب کہ نفوس سے مراد ہو تو پھر صاف بات ہے کہ بعض نفس ایسے ہیں جو اللہ تعالی کے حضور گڑگڑاتے ہیں یہ علماء
ربانی کی شان ہے کیونکہ اللہ تعالی نے صاف فرمایا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

تقسیم نفوس انسانی کے بعد اللہ تعالی غافل انسان کا علاج بتاتا ہے۔

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ

اور اللہ تمہاری کرتوتون سے غافل نہیں ہے۔ کیا مطلب کہ وہ تمہارے ہر فعل کا نگران ہے اگر انسان پورے طور پر اسبات کو مدنظر رکھے
کہ اللہ تعالی میرے اعمال و افعال کا نگران ہے تو انشاء اللہ وہ گناہون سے بچ سکیگا اور غفلت چھوڑ دیگا۔

اس کے بعد اللہ تعالے منافقان اہلکتاب کا ذکر فرماتا ہے اور یون مغضوب اور الضال گروہ کی پھر تفسیر بیان کرتا ہے
پہلے مغضوب فرقہ کا ذکر فرمایا۔

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ
وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ
لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

اے مسلمانو! ایسے سنگ دل لوگون سے بھلا تم امید کر سکتے ہو کہ وہ تمہاری باتون کو مان لیں گے؟ ان کی حالت تو اب یہان
تک آپہنچی کہ ان مین ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ کلام اللہ کو سن کر سمجھکر اور اس کے درست معنی کا علم رکھکر پھر اوسکو تبدیل کرتے ہیں (کلام الہی کو
اسکے سچے محل پر قایم نہین رہنے دیتے) جب مسلمانون سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے (پیشگوئیون کے صحیح مفہوم اور معنی کے قایل ہو
جاتے ہین) اور جب خلوت میں الگ ہو کر ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم کیوں مسلمانوں کو ایسی باتیں بتا دیتے ہو کہ جن کی حقیقت
خدا نے تمپر کھول رکھی ہے مسلمان اس سے ہی تو تمپر حجت قایم کرکے تمہارے رب کے حضور تم کو قائل کر لیتے ہیں (اس طرح سے تو ان کی سچائی
خود خدا کے کلام سے ثابت ہو جاتی ہے) تم کیون عقل سے کام نہیں لیتے مگر کیا ان منافقوں کو خبر نہیں ہے کہ اللہ تعالی کے علم میں وہ
سب باتیں ہیں جنکو وہ چھپا چھپا کر رکھتے ہیں اور جن کو ظاہر کرتے ہیں (وہ باتیں جو اللہ تعالی نے اپنے علم کامل سے پہلے نوشتوں مین بیان

اختلاف نہیں۔ اسلیے ہم ان اعتراضوں کا جواب دیتے ہیں۔

پہلا جواب بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ والدین وارث نہیں ہوتے مثلاً وہ کافر ہوں یا قاتل ہوں یا بوجہ غلام ہونیکے حقوق وراثت سے الگ ہوچکے ہوں۔ اس لیے ایسی صورتوں میں مرنے والے کو حق حاصل ہے کہ وہ والدین کے لیے وصیت کرے۔ اور اس آیت کا قتل اور قصاص قتل والی آیت کے بعد ہی واقع ہونا اسپر قرینہ قویہ ہے کہ یہ ایسی ہی صورت سے متعلق ہے جب کہ والدین بوجہ امور ثلاثہ مذکورہ بالا کے لحاظ سے وارث نہ رہے ہوں۔

ایسا ہی بعض اقربین جیسے پوتا جس کا باپ مرجاوے یا ماموں وغیرہ بھی وارث نہیں ہوتے حالانکہ اقربین میں ضرور داخل ہیں پس وصیت کرنے والے کو حق حاصل ہے کہ ان کے لیے وصیت کردے۔

دوسرا جواب كُتِبَ عَلَيْكُمْ سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہی وصیت مراد ہے جو يُوصِيكُمُ اللهُ میں لکھی ہے پھر یہ اس کی تائید ہوئی اس دوسرے جواب پر بھی ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب کہ خدا تعالےٰ ہی وصیت کرنیوالا ہے تو پھر جَنَفًا اَوْ اِثْمًا کا کیا اندیشہ ہے؟ اس کا جواب صاف ہے کہ يُوصِيكُمُ اللهُ والی آیت میں جو علاوہ حصہ رسدی کے تقسیم کرنے کی وصیت کا حق ہے اسمیں اگر غلطی کرے۔ تو اس غلطی کو جَنَفًا سے تعبیر کیا ہے

جَنَفًا* کے معنے ہیں جور۔ ایک طرف جھک جانا یا جان بوجھکر بدی کرنا۔

غرض متذکرہ بالا بیان سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ آیت ہرگز ہرگز منسوخ نہیں ہے۔ قرآن شریف میں یہ پہلی آیت ہے جس کے نسخ پر زور دیا گیا ہے مگر الحمد للہ اب ثابت ہوگیا کہ یہ منسوخ نہیں ہے۔

اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ متقی کا فرض ہے کہ وہ اپنی جائداد کے متعلق ایک تحریری وصیت نامہ مرنے سے پہلے طیار رکھے اور چونکہ موت کا کوئی وقت نہیں اس لیے ہمیشہ لکھا رہنا چاہیے + اور وقتاً فوقتاً اسمیں جو تبدیلیاں کرنی پڑیں وہ کرتا رہے۔

دوسرے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ بلا وجہ اس وصیت نامہ کو بدلا جاوے یہ سخت گناہ ہے اس صورت میں خدا تعالےٰ مظلوم کے اور ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جنکا حق تباہ ہوا ہے۔ کیونکہ وہ سمیع علیم ہے

تیسرے تبدیلی کی اجازت ہے اس صورت میں جب کہ وصیت نامہ کے رو سے کسی کے حقوق تلف ہوتے ہوں ایسی صورت میں خدا تعالےٰ غفور و رحیم ہے

اگرچہ اس آیت پر ضرورت کے موافق کافی بحث کی گئی ہے۔ لیکن اس کے خاتمہ پر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الامۃ نے جو کچھ خصوصیت کے ساتھ اپنے قلم سے اس آیت پر لکھا ہے اسکو بھی بلا کم و کاست درج کردیا جاوے اگرچہ یہ تحریر قریباً بیس سال سے زائد کی ہے لیکن مطلب اور مفہوم میں اسوقت تک وہی انداز اور رنگ رکھتی ہے جو آج حضرت موصوف کا ہے۔ اور یہ تحریر آپ کے ایک خط سے لی گئی ہے جو مسئلہ ناسخ منسوخ کے متعلق آپنے اپنے ایک عزیز کو لکھا تھا چنانچہ فرماتے ہیں۔

فوز الکبیر میں لکھا ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی در کتاب اتقان بعد ازاں کہ از بعض علماء آنچہ مذکور شد بہ بسط لائق تقریر نمود و آنچہ برائے متاخرین منسوخ است بر وفق ابن العربی محرر کردہ قریب بست آیت شمردہ۔ فقیر را در اکثر آں بست آیۃ نظر است فلنورد کلامہ مع التعقب۔ فمن البقرۃ كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيران الوصيۃ للوالدين والاقربين الآيۃ منسوخۃ قيل بآيۃ مواريث وقيل لحديث لاوصيۃ لوارث وقيل بالاجماع حكاه ابن العربي۔

اسپر مؤلف علامہ کہتا ہے کہ یہ آیت۔ آیت یوصیکم اللہ سے منسوخ ہے اور لاوصیۃ لوارث کی حدیث اس نسخ کو ظاہر کرتی ہے۔

ع ۲۲ ۲۳۰

* اما جنفا فخطأ في وصية واما اثما فعمدا تعمد في وصية الظلم۔ تفسیر ابن جریر

رکوع نمبر ۱

احکام شریعت بنی اسرائیل کو یاد دلائے جاتے ہیں ان احکام کے
بجا نہ لانے کا الزام انکو دیا جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ
معاہدہ کرکے اسکو توڑنے کی پیشگوئی اسکے رنگ میں کی جاتی ہے۔
خون ریزیوں اور اپنی قوم کے لوگوں کو خارج از وطن کرنے کی ممانعت
بنی اسرائیل کیطرف سے شکست عہد ایسے اعمال کا نتیجہ۔

عام نظر اس رکوع میں مولا کریم بنی اسرائیل کو اپنے احکام یاد دلاکر انکی نافرمانیوں کا تذکرہ فرماتا ہے۔ اور یوں مندرجہ ذیل امور اس رکوع میں بیان فرمائے ہیں۔

اول۔ تعظیم لامر اللہ ہی ضروری اور مقدم شے ہے

دوم تکمیل ایمان شفقت علیٰ خلق اللہ سے ہوتی ہے اور اسمیں اس طریق کا اظہار فرمایا اور شفقت علیٰ خلق اللہ کے مراتب کی تفصیل بیان فرمائی۔ **سوم**۔ اس معاہدہ کیطرف ایما فرمایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مدینہ طیبہ کے یہودیوں سے ہوا اور بطور پیشگوئی ان کی خلاف ورزی کا ذکر کیا۔ **چہارم** یہود مدینہ کی ذلت کے اسباب بیان فرمائے معاہدہ کا توڑنا خانہ جنگی۔ اپنے لوگوں کا قتل و اخراج۔ گناہ اور شرارت کے کاموں کا حامی و معاون ہونا۔

پنجم۔ انکی ہمیشہ کی ذلت اور تباہی کی پیشگوئی فرمائی جو اب تک پوری ہو رہی ہے۔

مندرجہ بالا بڑے بڑے امور خمسہ اس رکوع میں بیان فرمائے گئے ہیں چنانچہ ارشاد الٰہی یوں ہوتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْـنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ

ہمارا بنی اسرائیل سے یہی عہد تھا اور ہمنے ان سے یہی اقرار لیا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی دوسرے کی بندگی یا عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ احسان کرنا اور قرابت داروں اور یتیموں اور بے دست و پا لوگوں سے نیک سلوک سے پیش آنا اور عام لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی نصیحت کرتے رہنا۔ نماز کو ہمیشہ قایم رکھنا اپنے مالوں سے صدقات ادا کرتے رہنا مگر تمنے ان سب احکام سے روگردانی اختیار کی اور بجز تھوڑے آدمیوں کے تم سب کے سب اس اقرار سے پھر گئے اور تمنے ان احکام کا کچھ بھی دہیان نہ رکھا تم اعراض ہی کرنے والے تھے۔

اس آیۃ میں اول تعظیم لامر اللہ کا حکم پھر شفقت علیٰ خلق اللہ کا حکم دیا گیا ہے جس کے ساتھ ہی اسکا طریق اور مراتب کا ذکر ہے تعظیم لامر اللہ کے لئے فرمایا لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہ ہوگا اسکے بالمقابل اسکا طریق بتلایا وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ یعنے نماز کو قایم کرو۔ اس طرح پر یہ گویا الحمد للہ رب العالمین سے لیکر ایاک نعبد تک کی تفسیر ہے پس جبکہ لا تعبدون الا اللہ فرمایا اور اسکی تفسیر واقیموا الصلوٰۃ سے کی تو صاف معلوم ہو گیا کہ نماز میں جس قدر ارکان ہیں وہ کسی دوسرے کے لئے نہ ہوں نماز دعا کا ذریعہ اور معراج روحانی کا وسیلہ ہے۔ پس دعا غیر اللہ سے نہ ہو۔ قیام۔ رکوع۔ سجدہ۔ قعدہ۔ تحمید وغیرہ جملہ امور اللہ ہی کے لئے ہوں اور کسی دوسرے کے لئے ہرگز ہرگز جایز نہیں ہیں۔

چونکہ انسان محض تعظیم لامر اللہ ہی سے کامل نہیں ہو سکتا اور تعظیم لامر اللہ بھی نہیں ہو سکتی جبتک مخلوقات الٰہی پر شفقت نہ

کر دکھائیں + قتل کی سزا کی وجہ تو صاف ہے کہ امن عامہ میں خلل واقع ہوا اور وارثان مقتول کو نقصان پہنچایا گیا + بس یہ ضروری ہے کہ قاتل کو سزا دیجاوے مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا گورنمنٹ نے جو قانون قاتل کے لیے رکھا ہے وہ مناسب ہے یا اسلامی قانون انسب ہے + اسلامی قانون ہمنے اوپر بیان کر دیا - انگریزی قانون اس کے متعلق یہ ہے جو تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۲ میں درج ہے -

"جو کوئی شخص قتل عمد کا مرتکب ہو اُسکو سزائے موت یا حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دیجاویگی اور وہ جرمانہ کا مستوجب ہوگا"

اب صاف طور پر معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلامی قانون نے وارثان مقتول کے حقوق اور پاس خاطر کا لحاظ پورا رکھا ہے کیونکہ وارثوں کو پورا اختیار ہے کہ وہ قتل کرا دیں یا کچھ خون بہا لیکر چھوڑ دیں یا بالکل ہی معاف کر دیں اور ضروری بھی یہی تھا کہ اس قسم کا قانون ہوتا - بعض اوقات ایک ہی خاندان سے قاتل اور مقتول کو تعلق ہوتا ہے اور مقتول کے بدلے قاتل کو پھانسی کی سزا دینے سے بجائے وارثان مقتول کی تسلی اور دلجوئی کے ان کا رنج اور بڑھجاتا ہے اور اُن کی مصیبتوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے اگر وہاں اسلامی قانون کی نگہداشت کی جاوے تو وارثان مقتول قاتل کو چھوڑ کر ہی خوش ہو سکتے ہیں یا قریبی رشتہ ہوں یا قاتل کے ورثا اس کے مرجانے سے سخت مصائب میں پڑتے ہوں مگر وہ خون بہا دے سکتے ہوں اور اس سے وارثان مقتول کو فائدہ ہو سکتا ہو تو اس صورت میں **خون بہا** بہترین قانون ہوگا - انگریزی قانون تو ہر حال میں پھانسی یا عبور دریائے شور ہی کو مقدم رکھے گا - بس اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ **اسلامی قانون** ہر حال میں مفید اور مناسب ہے کاش ہماری گورنمنٹ اسپر غور کر سکتی !!!

دفع وہم

بعض لوگوں نے اسلام کے اس قانون پر یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر دولتمند آدمی تو جس کا چاہیں خون کر دیں اور خون بہا دیکر بچ جائیں ؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض اُس صورت میں صحیح ہوتا کہ قتل کی سزا قاتل خود اپنے لیے تجویز کرتا - جبکہ وارثان مقتول کے ہاتھ میں سزا کا اختیار رکھا گیا ہے تو پھر یہ خیال کیونکر پیدا ہو سکتا ہے وہ جیسی صورت دیکھیں گے اختیار کر لیں گے خواہ قتل کریں یا خون بہا لیکر چھوڑ دیں +

۲۸۹ ع ۲۲

جب کہ اس طرح پر موت کے واقعات پیش آجاتے ہیں تو یہ بھی ضروری ہوا کہ مرنے والے کے بعد امن کو قائم رکھنے کیلیے کوئی قانون ہو اور ایسا نہ ہو کہ آپس ہی میں لڑ مریں چنانچہ اس کے لیے خدا نے حکم دیا ہے

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ⊛ فَمَن بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ⊛ فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⊛ ترجمہ تمپر فرض کیا گیا ہے کہ جب کوئی تم ـــــ سے مرنے لگے اور وہ صاحب جائداد ہے .... کو وصیت کر دے - والدین اور دوسرے قریبی رشتہ داروں کے لیے پسندیدہ طریق پر یہ ضروری ہے متقیوں کو - بس جو کوئی اس وصیت کو اس کے سننے کے بعد بدل ڈالے تو اس تبدیل کا گناہ بدلنے والوں پر ہے بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے -
(ہاں) اگر کسی کو یہ خوف ہو کہ وصیت کرنے والے نے وصیت میں کچھ غلطی کی ہے یا عمداً حق تلفی کی ہے پھر اس نے ان (والدین اور رشتہ داروں) میں اصلاح کر دی تو اسکو کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ غفور رحیم ہے +

اس آیت پر تین اعتراض کیے گئے ہیں (۱) اول یہ کہ آیت يُوصِيكُمُ اللَّهُ والی آیت کے خلاف ہے - (۲) دوم والدین کے لیے وصیت جائز نہیں (۳) اجماع اُمت سے منسوخ ہے یعنی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں رکھی گئی ان تینوں اعتراضوں کی بنا پر اسے منسوخ قرار دیا جاتا ہے - مگر ہمارا مذہب چونکہ یہ ہے کہ قرآن شریف کی آیات میں باہم

پاس کوئی نہیں ہے ۔

یہود تو اپنے آپ کو نحن ابناء اللہ واحباءہ کہہ کر خدا کے فضل کے ٹھیکیدار بن بیٹھے تھے اور عیسائی اپنے گناہوں کی گٹھڑی ایک عاجز انسان پر لاد کر بے خوف ہو گئے ۔ اور نجات کو اپنے لئے محصور کیا ۔ مگر اللہ تعالیٰ عذاب الٰہی آنے کی ایک حد بتاتا ہے کہ تم خبردار ہو جاؤ ۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

سنو ! سزا کا وارد ہونا بداعمالی کا لازمی نتیجہ ہے پس جس شخص نے گناہ کو اپنا کسب بنا لیا ۔ اور اوسکی بدیوں نے اوسکو ہر طرف سے گھیر لیا نیکی کے طرف آنے کی کوئی راہ باقی نہ رہی ایسے ہی لوگ تو اصحاب النار ہیں اور وہ پڑیں گے اسمیں ہمیشہ ۔

بعض اوقات انسان شریر اور بے باک لوگوں کو دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ یہہ اپنی خطاکاریوں کی وجہ سے مبتلائے عذاب کیوں نہیں ہوتے یا خود یہہ شریر بے خوف ہو جاتے ہیں مگر یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں قانون بتلا دیا ہے کہ جب بدیاں بالکل احاطہ کر لیتی ہیں اوس وقت عذاب آ جاتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

ہاں جہاں بدکار سزا پائیں گے وہاں مومنوں اور نیکیوں کو بہترین جزا ہی دئے جائیں گے چنانچہ فرمایا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

ہاں دوزخ کے عذاب سے بچنے والے وہ لوگ ہیں جو سچے دل سے ایمان لائے اور اعمال صالحہ اور نیک کرداری سے اس ایمانی درخت کو بارور کرتے یہی لوگ اصحاب الجنۃ ہیں اور بہشت ان لوگوں ہی کا دائمی ٹھکانہ ہے

اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ اٰمِيْن

فٹ نوٹ ؛ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ایک سچی بات ہے جب وہ وجود نافع نہ رہے تو اٹھا لیا جاتا ہے ۔

رکوع ۲۳

حقیقی راحت اور تقویٰ کے ایک اور طریق یعنی روزہ کی ہدایت کی جاتی ہے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ تکلیف ما لا یطاق نہیں ان روزوں کی تعداد کو معدود بتایا جاتا ہے۔ مریض اور مسافر کے لیے سہولت کا قانون دیا جاتا ہے اور اسے مستثنیٰ بیں رکھا جاتا ہے کہ وہ دوسرے وقت روزے رکھ لیں اور ان لوگوں کے لیے روزہ کے ثواب کی ایک اور راہ بتائی جاتی ہے کہ وہ مساکین کو کھانا کھلانے کی صورت میں فدیہ دیں جس سے اصل غرض بنی نوع انسان کی ہمدردی کو وسیع کرنا مقصود ہے + اور جو اس حالت میں بھی روزہ رکھ لیں انکو روزہ کے مراتب کی خوبیوں سے بہرہ ور ہونے کی بشارت ملتی ہے +

خصوصیت کے ساتھ ایک مہینے کے روزوں کی فرضیت کا حکم دیا جاتا ہے اور روزہ کے فضائل بتائے جاتے ہیں کہ وہ علی العموم تقویٰ کے باعث مکالمہ الٰہی کا موجب بنتے ہیں نزول **قرآن** کی ابتدا رمضان میں بتا کر روزوں کی عظمت کو قائم کیا جاتا ہے اور پھر اس امر کے اظہار سے کہ جنگ بدر کی فتح (فرقان) کا نزول بھی رمضان ہی میں ہوا روزہ کو دشمنوں پر کامیاب ہونے کا ذریعہ بتایا جاتا ہے اور یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انسان کو دشوار گذاریوں اور دقتوں میں ڈالنا نہیں چاہتا اور تکلیف ما لا یطاق نہیں دیتا۔ بلکہ وہ انسان کو ہر طرح یسر کی ہدایت کرتا ہے پھر خدا تعالےٰ کی ہستی پر ایک لطیف **دلیل** قبولیت **دعا** کی صورت میں پیش کی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ روزہ کے فضائل میں سے قبولیت دعا بھی ہے جو انسان کی روحانی ترقیوں کا زبردست ذریعہ ہے + عرب کی جاہلیت کے اس دشوار دستور کی تردید کی جاتی کہ روزہ رکھکر اگر افطار سے پہلے سو جاوے تو پھر رات کو نہ کھا سکتا اور نہ پی سکتا اور نہ جماع کر سکتا ہے اور روزہ کی ایک حد فرماتا ہے عورت کی عزت کو قائم کیا جاتا ہے اور اسے مرد کے لیے بطور لباس قرار دیا جاتا ہے۔ حدود اللہ کی تشریح کی جاتی اور ان کے توڑنے سے روکا جاتا ہے۔ آخر میں تمدنی اور مجلسی زندگی کے اصل پر بحث کی جاتی اور ہر قسم کے دغا فریب خیانت بدنیتی سے روکا جاتا ہے۔

ع ۲۳ ۲۳۳

عام مطالب اس رکوع میں اللہ تعالےٰ مندرجہ ذیل مطالب کی طرف انسان کو ہدایت کرتا ہے

اول۔ انسان آرام چاہتا ہے اس لیے حصول آرام کے ذریعوں میں سے ایک ذریعہ **روزہ** ہے جو اسے دکھوں سے بچاتا ہے اور یہ روزہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہر ایک اُمت کو اس کا حکم ہوا ہے۔

دوم۔ چونکہ بعض اوقات ایسی مشکلات پیش آتی ہیں کہ کوئی آدمی مریض ہوتا ہے یا سفر میں یا اور اسباب کی وجہ سے روزہ رکھنے کے ناقابل ہوتا ہے اسلیے اسکی مشکلات کا علاج ضروری تھا تاکہ وہ روزہ کے فوائد سے محروم نہ رہے اس کا علاج بتایا کہ وہ دوسرے وقت پر رکھ لیں اور یا فدیہ دیں جس سے اصل غرض بنی نوع کی ہمدردی کے دائرہ کو وسیع کرنا مقصود ہے۔

سوم۔ روزہ کے لیے ایک خاص مہینہ کا تقرر فرمایا اور پھر روزہ کے فضائل بیان فرمائے۔

چہارم۔ ثابت کیا ہے کہ تکلیف ما لا یطاق اسلام نہیں دیتا۔

پنجم۔ دعا کے ذریعہ ہستی الٰہی کا ثبوت دیا اور **قبولیت دعا** کا راز روزہ بتایا ہے۔

ششم۔ بعض قدیم رسوم جاہلیت کی اصلاح فرمائی اور اس طرح پر بعض گناہوں سے محفوظ رہنے کی راہ بتائی ہے۔

ہفتم۔ تمدنی اور مجلسی اصلاح کا قانون بنایا اور حکام کے ساتھ معاملات کی صفائی کی تعلیم دی۔

یہ باتیں اس رکوع میں مہتم بالشان ہیں اور جس جس قدر کوئی غور کرے گا اسی اسی قدر زیادہ فائدہ اُٹھائے گا۔ کیوں کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا +

اب ہم اس رکوع کو خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے شروع کرتے ہیں

سے مل کر ان کو مدینہ پر چڑھا لائے اور اندرونی سازشیں شروع کردیں - اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجبور ہوئے بنو نضیر اور بنو قریظہ کو اس پیش گوئی کے موافق مدینہ سے نکالنا پڑا اور بنو قینقاع ہلاک ہوئے مفصل ذکر اس کا جنگ احزاب وغیرہ میں انشاء اللہ اپنے وقت پر کرینگے۔

وان یأتوکم اسارٰی تفادوھم وھو محرم علیکم اخراجھم افتؤمنون ببعض الکتب وتکفرون ببعض فما جزاء من یفعل ذٰلک منکم الا خزی فی الحیوۃ الدنیا ویوم القیمۃ یردون الی اشد العذاب وما اللہ بغافل عما تعملون ۝ اولٰئک الذین اشتروا الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ فلا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینصرون ۝

اور کسی دوسری قوم کی اسیری میں آجائیں تو پھر فدیہ دیدے کر اُن کو آزاد کرانے لگتے ہو حالانکہ ان لوگوں کا پہلے گھروں سے نکالنا ہی تمپر حرام تھا - کیا+ تم کتاب کے بعض احکام پر ایمان لاتے ہو اور بعض احکام سے انکار کرتے ہو بھلا سوچو تو سہی کہ جو شخص تم میں سے یہ طریق اختیار کرے اسکی سزا اسکی سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ دُنیا کی زندگی میں بھی ذلیل کیا جاوے اور قیامت کے دن ایسے لوگ سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کئے جاویں اور اللہ تعالی تمہاری ان کرتوتوں سے ہرگز بے خبر نہین ہے -

یہی لوگ ہین جنہون نے اس دنیا کی زندگی کو آخرۃ پر ترجیح دیکر خرید کرلیا - اب ایسے لوگوں کو تخفیف سزا کبھی نہیں ہوسکتی اور نہ انکے لئے کسی امداد کا موقع ہی باقی رہا پس انکا کوئی معاون و مددگار نہ ہوگا -

یہہ پیشگوئی ہمارے ہادی کامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی پوری ہوئی - یہود نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہوئی ہین وہ متمول اور دولتمند ہیں مگر اُن کا عذاب کبھی کم ہونے میں نہیں آتا - ایک جگہ سے نکالے جاتے ہیں دوسری جگہ جاتے ہیں وہان سے نکالے جاتے ہین اور کوئی پوچھتا ہی نہیں - حیوانات کی ہمدردی کے لئے انجمنین اور مجلسین ہیں مگر یہود کی ہمدردی کو کوئی انجمن اور سوسائیٹی حتے کہ مہذب سلطنتین بھی نہیں کرتی ہین - غرض یہود اپنی کرتوتون کے سبب سے اسی طرح ذلیل و خوار ہوئے ہین جیسا سرورِ عالم فخر بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تہا - یہود کے ان حالات کے بیان کرنے سے مولا کریم کی یہہ غرض ہے کہ ہم انکی حالت سے سبق لین - اور اب جبکہ مسیح موعود کے نزول کے باعث ہمپر انعام ہوا ہے ایسا نہ ہو کہ اسکی مخالفت اور عہد شکنی کی وجہ سے مغضوب ہوں ؛ اللّٰھم لا تجعلنا منھم آمین ۝

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب



+فٹ نوٹ مسلمانوں کو عبرت چاہئے کہ یہود کی تقلید بکر کے بعض مسائل پر عمل کریں اور بعض کو چھوڑیں مثلاً لڑکیوں کو زمینوں کا حصہ دینا عار سمجھتے ہیں حالانکہ لڑکیاں دے دیتے ہیں مگر ایسا نہ کرنے سے لڑکیوں زمین ان کے ہاتھ سے نکل کر ہندوؤں کے ہاتھ میں جاتی - فتدبر

فقیر کہتا ہے یہ آیت منسوخ نہیں ۔ کیونکہ کُتِبَ آہ ۔ کے معنی ہیں لکھی گئی تم پر جب آجاوے ایک کو تم میں سے موت ۔ اگر چھوڑے مال الوصیت ماں باپ اور نزدیکوں کے لیے اور ظاہر ہے کہ جب موت حاضر ہوگئی تو آدمی مر گیا۔ ان ترک کا لفظ وجود موت پر قرینہ ہے اس آیت شریفہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص مال چھوڑ مرے تو اُس کے حق میں کوئی وصیت لکھی گئی ہے ۔ جب ہم نے قرآن کریم میں جستجو کی تو اس میں پایا یوصیکم اللہ فی اولاد کم آہ معلوم ہوا کہ والدین اور رشتہ داروں کے حق میں یہ وصیت الٰہیہ لکھی ہوئی ہے والقرآن یفسر بعضہ بعضا اور اسی وصیت پر عمل کا کتب علیکم والی آیت میں حکم ہے ۔ پس یہ آیت کتب علیکم اور آیت یوصیکم اللہ آپس میں متعارض نہ ہوئیں بلکہ ایک دوسرے کی معاضد ٹھہریں اور لا وصیۃ لوارث والی حدیث بھی معارض نہ رہی کیونکہ بلحاظ حدیث یہ حکم ہے کہ یوصیکم اللہ میں وارثوں کے حقوق مقرر ہو چکے ہیں۔ اور شارع نے اُن کے حصص بیان کر دیے ہیں ۔ اب وارث کے لیے وصیت نہیں رہی ۔ ہاں وارثوں کے سوا اور لوگوں کے حق میں وصیت ہو تو ممنوع نہیں ۔ آگے کی آیت میں حکم ہے جس نے بدلا وصیت کو سُننے کے بعد ضرور اُسکا گناہ بدلنے والوں پر ہوا اور اللہ ہی سُننے والا اور جاننے والا ہے ۔ (یہ سچ ہے اس لئے کہ خدائی وصیت کا بدلنا مسلمان کا کام نہیں ۔) اور آیت فمن خاف من موص جنفا کا ترجمہ ہے جسکو ڈر ہو کہ کسی موصی نے کجی کی یا گناہ کیا پس اُس نے سنوار دیا اُسے گناہ نہیں تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔ ظاہر ہے جس موصی نے خدائی وصیّت کے خلاف کیا اُس نے بیشک کجی کی

اس کے سنوارنے والیکو کوئی گناہ نہیں اور ہو سکتا ہے کہ موصی سے وہ وصیت والا مراد ہو جس نے ثلث سے زیادہ وصیت کی یا ثلث میں یا ثلث کے اندر کسی بُرے کام پر اور بُری طرز پر روپیہ لگا دینے کی وصیت کی اور آیات یوصیکم میں من بعد وصیۃ بدون تقیید مذکور ہے اس لیے یہاں بتا دیا کہ کجی اور بدی کی سنکر معاف ہے اس سنوارنے پر کوئی جرم نہیں اگر اُس نے اس موصی کی وصیت میں اصلاح کی اور اس میں ایماء ہے کہ اصلاح کے وقت غلطی بھی ہو جاتی ہے الا اُنکی معافی ہے ۔

ع ۲۲ ۱۴۲ ۶

دوسری وجہ آیت کے منسوخ نہ ہونے کی الوالدین اور الاقربین یہاں معرف باللام ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں خاص والدین اور اقارب کا ذکر ہے اور چونکہ آیت یوصیکم اللہ میں اکثر وارثوں کے حق بیان ہو چکے ہیں اور حدیث لا وصیۃ لوارث میں وارثین کے حق میں وصیت کرنیکی ممانعت آچکی ہے اس لیے الوالدین اور الاقربین سے وہ ماں باپ اور رشتہ دار مراد ہیں جو وارث نہیں مثلاً کسی شخص کے ماں باپ غلام ہوں یا مورث کے قاتل ہوں یا کافر ہوں اور ایسے وہ اقارب ہوں جو محروم الارث ہوں پس آیت مخصوص البعض ہے ۔ اگر یہ تردد ہو کہ یہ وصیت اکثر اہل اسلام میں فرضی نہیں اور یہاں کُتِبَ کا لفظ فرضیت ظاہر کرتا ہے تو اس کا ازالہ یہ ہے کہ اول تو بالمعروف کا لفظ ندب کے لیے ہے ۔ دوم ابن عباس ۔ حسن بصری ۔ مسروق ۔ طاؤس ۔ مسلم بن یسار ۔ علا بن زیاد کے نزدیک اس وصیت کا وجوب ثابت ہے ۔ اور پہلے معنی ہی کافی مان لو ۔

ان امور کے متعلق پورا لحاظ رکھنے کے لیے ضرورت ہے تقویٰ کی ۔ اللہ تعالے تقوے کی ایک اور راہ یعنی روزہ کا ذکر فرماتا ہے ۔

اس لئے دوسرا حکم شفقت علیٰ خلق اللہ کا فرمایا اور مخلوق الٰہی پر شفقت کے مدارج اور مراتب میں انکی تفصیل یون فرمائی۔

سب سے اول والدین حسن سلوک کے حقدار ہین والدین کے ساتھ جو سلوک کیا جاوے وہ احسانی درجہ کو مدنظر رکھکر کرو۔
یعنے والدین کے اُن احسانات کو جو طفلی اور بچپن کی تربیت مین انہون نے کئے ہیں اونپر غور کرتے رہو تا کہ تمہارے دل مین انکی
محبت اور پھر ان کی اطاعت اور خدمت کے لئے ایک جوش پیدا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے احسان کو بھی مدنظر رکھو کہ اس نے
والدین کو تمہاری تربیت کا ذریعہ بنایا۔

والدین کے بعد دیگر قرابت دارون سے سلوک کرو پھر وہ لوگ مستحق ہین جو یتیم ہیں اور پھر ان سے جو بے دست و پا ہین
سلوک کرو **مسکین** وہ لوگ ہیں جو بے دست و پا ہوں انہیں وہ کاریگر وغیرہ بھی داخل ہیں جنکے پاس اوزار اور ہتیار نہ ہون اور نئے
درجہ شفقت علیٰ خلق اللہ کا یہہ ہے قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا عام لوگوں کو بھلی باتین بتاؤ۔

والدین کے سلوک کے بالمقابل **احسان** کا لفظ رکھا ہے اور قولوا للناس کے بالمقابل **حسن** ہے اس میں بھی
ایک لطیف نکتہ ہے جو غور کرنے کے بعد موجب سرور ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ محبت حقیقی کا اصل منبع دو ہی چیزین ہیں **اول** کثرت کے ساتھ کسی کے احسانات کا مطالعہ کرنا
اور اسکے انواع و اقسام کے احسانون اور مروتون کو ذہن نشین کرکے اسکی عظمت کو اپنے دل مین جگہہ دینا **دوم** کثرت کے ساتھ مطالعہ
اس کے حسن کا اور اس کے نقوش اور خط و خال کو ہر وقت دل مین رکھنا اس جگہہ والدین کے ساتھ **احسان** کا لفظ فرما کر جہان
والدین کے ساتھ محبت اور سلوک کیلئے ان کے احسانات کو نصب العین اور ملحوظ خاطر رکھنے کے لئے ایما فرمایا ہے وہان یہ بھی بتایا ہے
کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اندازہ کرنے کے واسطے سب سے پہلا نظارہ اپنے والدین کا ہوسکتا ہے اور پھر درجہ بدرجہ دوسرے رشتہ دارون
اور قرابت دارون کا۔ کیونکہ وہ ہماری مشکلات اور مصایب مین رفیق اور مونس ہوتے ہیں اور پھر عام لوگون کے ساتھ بھلی باتین یتیمون
کی امداد وغیرہ امور حسن الٰہی کی شان کو لئے ہوئے ہیں۔

یاد رکھو احکام الٰہی سے اعراض کرنے والے ہمیشہ ذلیل ہوتے ہیں۔ پس پہلے بنی اسرائیل کو عام احکام الٰہیہ کی
نافرمانی اور سرکشی پر ملزم کیا اور پھر اس خاص میثاق کی خلاف ورزی کی حجت پوری کی جو رسول اللہ صلعم سے ہوا تھا چنانچہ فرمایا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ
وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ
تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

اور جب ہم نے تم سے یہہ عہد لیا کہ تم اپنون ہی کی خونریزی نہ کرو اور اپنون ہی کو وطن سے نہ نکالو۔ اس عہد کا تمنے اقرار بھی کرلیا
اور تم ہی شاہد ہو گئے اور پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں ہی کو مروا ڈالتے ہو (مرواؤ گے) اور اپنے میں سے ہی ایک فریق کو
ان کے گھرون سے نکال دیتے ہو (نکلواؤ گے) اور گناہ اور سرکشی پر انکی پیٹھ بھرتے ہو۔

یہان عام بنی اسرائیل مخاطب نہین ہین بلکہ وہ مخاطب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت مہد مین
مدینہ طیبہ مین موجود تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ مین داخل ہوئے تو آپ نے آتے ہی یہودیون سے ایک معاہدہ کیا
کہ باہمی جنگین بالکل ترک کردی جائین ہر ایک کو اپنے مذہب کے موافق عملدرآمد کی اجازت ہوگی اور بیرونی لوگوں کو نہ چھیڑا جاوے
لیکن اگر کوئی بیرونی حملہ آور ہو تو سب ملکر اسکا دفاع کرین اور اگر مدینہ کے کسی آدمی سے کوئی خون ہوجاوے تو سب ملکر دیت دین
اس قسم کا معاہدہ یہودان مدینہ سے کیا گیا۔ ان سب نے اسپر دستخط کردئے تھے۔ ان آیتون مین اسی معاہدہ کا حوالہ دیکر اسکو
خلاف ورزی کی پیشگوئی فرمائی جاتی ہے۔ اور اگر توریت مین جو فرمان برداری کے وعدے ہوئے اسکی طرف ایما ہو تو پھر عام
بنی اسرائیل بھی مخاطب ہوسکتے ہیں۔ بہرحال یہ معاہدہ بنی اسرائیل سے ہوا۔ آخر انہون نے اس کو توڑ ڈالا۔ اور عام عرب خصوصاً

روزہ کا وجود پایا جاتا ہے جس پر بہت بڑا التزام اس پاک گروہ میں نظر آتا ہے۔

روزہ کے فوائد اور نتائج روزہ کی اصل غرض تقوی ہے اس لیے روزہ روحانی قوی کے نشوونما پانے اور تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ بقائے شخص کے لیے کھانا پینا اور بقائے نوع کے خیال سے مباشرت کرنا انسان کے اہم ضروریات میں سے ہیں لیکن جب اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے یہ ان کو بھی ایک وقت تک چھوڑ سکتا ہے تو پھر کیسی آسان اور صاف بات ہے کہ وہ حرام خوری اور حرامکاری سے بچے۔ پس روزہ درصل اسکی تعلیم دیتا ہے اور یہ امور خارجی اپنے اندر ایک حقیقت رکھتے ہیں۔

انسان کی شہوانی اور بہیمی قوتوں کا اثر نشوونما پر خوری سے ہوتا ہے لیکن روزہ میں جب کسی کی طرف توجہ ہوتی ہے تو بالمقابل قوتیں جو روحانی ہیں وہ نشوونما پاتی ہیں اس طرح پر بھی روزہ سے تزکیہ نفس کا کرنا ثابت ہوتا ہے۔

۲- روزہ سے ملکی صفات اور تخلق باخلاق اللہ میں ترقی ہوتی ہے۔

۳- نفس امارہ کے کمزور کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے

۴- گناہوں کے صاف ہونے کا ذریعہ ہے جب انسان اس سے نیکی اور تقوی میں ترقی کرے گا پھر گناہ کیوں معاف نہ ہوں گے۔

۵- ہمدردی اور مواساۃ کا سبق دیتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ بھوک اور پیاس اور شدۃ تکالیف فوائے ہوا نیہ کیسی بلا ہے۔

۶- صبر و استقلال کا عادی کرتا ہے اور جفاکش بنا دیتا ہے۔

۷- نرمی بردباری اور دوسرے اخلاق فاضلہ کی تعلیم دیتا ہے۔

۸- روزہ طبی اصول کے لحاظ سے محافظ صحت ہے۔

۲۳۵ ع ۲۳

غرض روزہ سے بڑے بڑے فوائد ہیں + اور خود قرآن شریف نے روزہ کی علت غائی میں یہ سب کچھ بیان کر دیا ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ روزہ رکھنے سے تم متقی بن جاؤ گے۔

ان آیات کے متعلق حضرت مولانا مولوی **عبدالکریم صاحب** سلمہ ربہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہم بجنسہ یہاں درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

یاایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ ایمان والو تم پر روزہ لکھا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر لکھا گیا تھا غرض اس سے یہ ہے کہ تم سکھ پاؤ۔

ہر ایک انسان فطرتاً اپنا بچاؤ دکھوں سے چاہتا ہے اور سکھ اور راحت پانے کا آرزومند ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ روزہ اسی غرض کے لیے فرض کیا گیا ہے کہ تا تم سکھ پاؤ۔ حقیقت میں روزے اللہ تعالےٰ کا بڑا فضل ہیں یہ انسان کو دکھوں سے بچانے اور انعامات الٰہیہ کا مستحق بنا دیتے ہیں۔ جیسے اس جگہ یہ فرماتا ہے کہ لعلکم تتقون اسی طرح قرآن شریف کے پہلے ہی پارہ میں جہاں انسان کو عبادت کا حکم دیا ہے یہ کہکر کہ **یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون** وہاں عبادات کو سکھوں کا باعث بتایا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روزہ ایک عبادۃ ہے۔ قرآن شریف کی اصل غرض اور منشا یہی ہے کہ وہ انسانوں کو تقوی کی تعلیم دے اور وہ تقوی میں ترقی کریں اسلیے سارا قرآن شریف مختلف رنگوں اور صورتوں میں اسی تعلیم سے بھرا ہوا ہے۔

قرآن شریف نے اپنے اس منشا کو پورا کرنے کے لیے مختلف ذریعے استعمال کیے ہیں کہیں صفات الٰہی کا تذکرہ کیا تا کہ مومن صفات الٰہی پر ایمان لائیں اور اس سے ان میں حیا پیدا ہو اور بہت سے طریق قرآن شریف نے مدنظر رکھے ہیں روزہ بھی انہیں سے ایک ہی اور سب سے بڑھ کر ہے۔ دیکھو ایک آدمی کو سخت بھوک لگی ہوئی ہو اور وہ قریباً تڑپتا ہو پیاس شدید ہو ہونٹھ خشک ہو رہے ہوں اور جان نکلتی ہو ٹھنڈا پانی اور خوش ذائقہ کھانا طیار موجود ہو۔ اور ہر قسم کی خواہش کے سامان موجود ہوں مگر وہ ان سب سے بچتا ہے اور جانتا ہے کہ میرے مولیٰ کا یہ حکم ہے کہ روزہ میں کھانا پینا اور مباشرت کرنا حرام ہے اور ان امور سے بچنا ایک ایسی موٹی بات ہے کہ ہر شخص جانتا ہے

ششم۔ مسیح موعود کی بعثت کا وقت یاجوج ماجوج کے غلبہ کے وقت ہوگا۔

یہہ امور اس رکوع مین عظیم الشان ہیں۔ اب ہم اصل رکوع کو شروع کرتے ہیں

ولقد اتینا موسی الکتب وقفینا من بعدہ بالرسل واتینا عیسے بن مریم البینت وایدناہ بروح القدس افکلما جاءکم رسول بما لا تھوے انفسکم استکبرتم ففریقا کذبتم وفریقا تقتلون

اور البتہ یہ بات تو یقینی ہے کہ ہمنے موسی کو کتاب عنایت کی اور پھر اسکی تائید میں پے در پے رسول بھیجے شریعت موسوی کو اشاعت اور تبلیغ عام اور اجرائے احکام پر ہمنے زور دیا یہان تک کہ عیسی ابن مریم کو (جو بنی اسرائیل کے گھرانے کا خاتم تہا) بہیجدیا اور اس کو بہی واضح بیانات آیات واحکام عنایت کئے اور اسکی تائید کلام پاک سے کی۔ بہلا اے بنی اسرائیل تمنے تو ہر ایسے رسول کے آنے پر جو تمہاری من مانی باتون کے بیان کرنے والا نہ آیا تکبر ہی کیا ہے اور سرکشی اختیار کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان رسولون کی کسی جماعت کو تو تمنے جہوٹا اور کذاب کہہ کر رد کردیا اور کسی فریق کے درپے قتل ہو رہے ہو۔

یہان اللہ تعالی بنی اسرائیل کی محرومی کے اسباب کا پہر تذکرہ فرماتا ہے اور اسکو انکار الرسل سے شروع فرمایا جسکی بڑی بہاری وجہ تکبر اور خودبینی تہی یہان ہمکو ضرورت نہیں کہ اس پر زیادہ بحث کرین کیونکہ ہم پہلے لکھہ آئے ہیں کہ دنیا میں پہلا گناہ ہی تکبر سے شروع ہوا ہے اور تکبر ایسی شے ہے جو آیات اللہ سے محروم کردیتا ہے۔ غرض بنی اسرائیل کے تکبر کا نتیجہ انکار الرسل اور پہر قتل الانبیا کے منصوبون تک لیجانیوالا ہوا۔ اس سے یہہ بہی معلوم ہوگیا کہ ہر مامور جب آتا ہے تو وہ اس وقت کے موجودہ لوگوں کی مانی ہوئی باتون کے خلاف کوئی نئی ہی بات لیکر آتا ہے ورنہ اگر وہ وہی باتین کہے جو وہ کرتے ہیں تو پہر اسکی رسالت کی ضرورت ہی کیا ہو۔ پس جب کبہی مامور آتا ہے وہ ضرور ذریت موجودہ کے خیالی عقاید کے خلاف ایک نئی راہ پیش کرتا ہے جو حقیقی اور سچی راہ ہوتی ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ جبکہ سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے تو اے حملوا التوراۃ کے مصداق لوگو! بتلاؤ تو سہی کہ اگر مسیح موعود نے آکر تمہاری ہی باتون کو مان لینا تہا اور تم میں سے ہر ایک کے ہاتہہ پر اس نے بیعت کرنی تہی تو پہر وہ حکم اور عدل کس بات کا ہوگا؟ اے ناعاقبت اندیش قوم دیکھ اور سوچ بنی اسرائیل کی اتباع نہ کر کہ وہ آخر مغضوب ہوکر رہ گئے۔

اتینا عیسے ابن مریم البینت یعنے عیسی ابن مریم کو باوجودا سکے کہ کہلی کہلی باتین دی تہین اسکا بہی تمنے انکار کردیا۔ کہلی کہلی باتین جیسے چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو وغیرہ وغیرہ مسیح کی تعلیم بڑی عام فہم تہی اس پر بہی نابکار قوم نے انکی مخالفت ہی کی۔ مسیح علیہ السلام کی اس مین کوئی خصوصیت نہین ہے یون تو ہر نبی کہلی کہلی تعلیمین ہی لیکر آتا ہے مگر مسیح ابن مریم کو بینات دینے کے اظہار میں بنی اسرائیل کو بہت کچہہ ملزم کرنا مقصود ہے۔ کہ انکی تعلیم تو وہی تہی جو گویا توریت کا مفہوم اور مقصود تہی۔

ایدناہ بروح القدس یعنے اوسکو اپنے پاک کلام سے مدد دی۔ ابن مریم کی تائید روح القدس کا ذکر کرکے اللہ تعالی نے نصاری اور یہود دونوں کو ملزم کیا ہے اور دونون کے باطل عقاید کی تردید کی ہے۔ کیونکہ دونوں قومیں انکو موید بروح القدس نہین مانتی ہیں۔ یہود تو سرے سے ان کی رسالت ہی کے منکر ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی شان میں وہ گستاخیان کرتے ہیں جنکی حد نہیں۔ اس لئے وہ ان کو کب مانتے تہے کہ خدا کے پاک کلام سے ان کی تائید ہوتی ہے۔ ایسا ہی نصاری بہی باوجود اسکے کہ مسیح ابن مریم کے معتقد ہیں اس بات کو ہرگز نہیں مانتے کہ خدا کا کلام ان پر اترتا تہا۔ کیونکہ انہون نے اول ان کو خدا قرار دیا (معاذ اللہ) اس لئے مکالمہ الہیہ کے شرف سے یوں محروم بنایا اور پہر صلیب کی لعنت ڈال کر خدا سے دور اور بے تعلق کردیا کیونکہ لعنت کا مفہوم یہی ہے کہ وہ خدا سے دور اور خدا اس سے بیزار ہو۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کل دنیا اور کل نبیون پر

رکوع ۲۲

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

ترجمہ ایمان والو! تمپر روزہ لکھا گیا ہے اُسی طرح جیسے تُمسے پہلے لوگوںپر لکھا گیا (روزہ کا فائدہ یا نتیجہ یہ ہوگا) کہ تم متقی بن جاؤ گے۔

روزہ کیا ہے؟ ایک وقت معین تک یعنی صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رُکے رہنا اور اسطرح اپنی فطرتی قوتوں اور طبعی تقاضوں پر حکمرانی کرنا۔

روزہ کی فلاسفی بعض نادان لوگوں نے روزہ پر اعتراض کیے ہیں کہ خواہ مخواہ بھوکا مرنا نامناسب ہے؟ ہم اس کا کوئی جواب الگ اپنی طبعزاد دینا نہیں چاہتے روزہ کی علت غائی خود مولی کریم نے اسی آیت میں بتا دی ہے لعلکم تتقون روزہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم متقی ہو جاؤ گے۔ بس ہمکو اگر کچھ بیان کرنا ہوگا تو اسی بیان کردہ علت غائی کی تشریح کرنی ہوگی

اور پھر اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے **روزہ** کو ایک معمولی عقیدہ کے رنگ میں پیش کر کے بھی اسکی صداقت کو ظاہر کر دیا ہے جیسے فرمایا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ اگر غور کر کے دیکھا جاوے تو کم و بیش جمیع اقوام عالم و مذاہب دنیا میں **روزہ** کا نشان ملتا ہے۔ اور سب نے متفق اللفظ ہو کر کسی نہ کسی صورت میں **روزہ** کو داخل **عبادۃ** کیا ہے۔ ہم آگے چلکر بتائیں گے کہ امم سابقہ میں بھی **روزہ** کے احکام ہیں لیکن ابھی ہمکو یہ ظاہر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمام مذاہب عالم میں کم و بیش روزہ کا اشتراک صاف دلیل اسکی حقانیت اور خوبی کی ہے۔ کیونکہ یہ مسلم امر ہے کہ تمام دانشمندوں کا اتفاق کسی ایک مسئلہ پر اسکی صداقت کی دلیل ٹھہر سکتا ہے۔

غرض

ع ۲۳ / ۲۲ / ۷

روزہ کے نتائج پر قرآن شریف لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ کہکر اسکی خوبیوں پر بحث کرتا ہے اور اسکی صداقت پر وہ استقرا سے دلیل پیش کرتا ہے جو بہت بڑی حجت ہے

مگر

ہم چاہتے ہیں کہ اپنی تفسیر کے پڑھنے والو نکو حتی المقدور سیر کُن بحث کریں اسلیے ہم روزہ کی فلاسفی پر کسی قدر بسط سے لکھتے ہیں۔

قرآن شریف نے جیسا کہ ہمنے ابھی کہا ہے **روزہ** کی خوبی کو **استقرائی** دلیل سے ثابت کیا ہے یہ کہکر کہ تم پہلوں پر بھی اسی طرح لکھا گیا تھا اسلیے ضروری ہوگا کہ امم سابقہ میں روزہ کے متعلق جو احکام ہیں وہ لکھدیے جاویں

توریت و انجیل میں روزہ کا ذکر توریت اور انجیل کے مندرجہ ذیل مقامات پر روزہ کا ذکر پایا جاتا ہے خروج ۳۴/۲۸ **استثنا** ۹/۹-۱۸-۲۵ **احبار** ۱۶/۲۹ و ۲۳/۲۷ و ۳۲ **کتاب اول ملوک** ۱۹/۸ **کتاب دوم تواریخ** ۲۰/۳ **قاضیون** ۲۰/۲۶ **اول سموئیل** ۳۱/۱۳ **یونا** ۳/۵ **دانیال** ۹/۳ و ۹/۳ **کتاب اول ملوک** ۱۹/۸ **متی** ۴/۲ و ۶/۱۶ **لوقا** ۴/۲ **متی** ۹/۱۴ **لوقا** ۵/۳۳ **اعمال حواریان** ۱۳/۲ و ۱۴/۲۳ **زکریا** ۷/۵ **عزرا** ۸/۲۱ **یسعیا** ۵۸/۳ **۲ سموئیل** ۱۲/۱۶ **استر** ۴/۱۶ **یوئیل** ۱/۱۴ و ۲/۱۵

صحف سابقہ کے مندرجہ بالا مقامات میں روزہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اہل ہنود کے

روزہ سنت انبیاء ہے جہاں تک انبیاء علیہم السلام کے حالات ہمیں معلوم ہوتے ہیں یا دوسرے اہل اللہ کے سوانح ملتے ہیں بصفائی طور پر پایا جاتا ہے کہ کمالات نبوۃ سے حصہ لینے کے لیے روزوں کا رکھنا ضروری ہے۔ اور یہ گویا سنت انبیاء ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی روزے رکھنے پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کے ملنے سے پہلے چالیس روزے رکھے اور اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے بیابان میں چالیس روزے رکھے۔ سرور عالم فخر بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی غار حرا میں روزے رکھے۔ ہمارے سید و مولیٰ امام ہمام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی سوانح میں لکھا ہے کہ بعثت سے پہلے مجھے بتایا گیا کہ خاندان نبوۃ کی سُنت پر کچھ روزے رکھوں چنانچہ آپ نے کئی مہینے تک روزے رکھے۔ الغرض سنت انبیاء ہیں

رکوع نمبر ۱۱

بنی اسرائیل کی سنگدلی کا ثبوت ۔ عیسیٰ ابن مریم کا انکار ۔ خلاف نفس رسولوں کی آمد پر تکذیب اور قتل کے ارادے ۔ ان کا تکبر حق کیطرف سے دل پر غفلت کا پردہ ۔ سچی کتاب کا جسکی نسبت توریت میں خبر دیگئی ہے حسد و عداوت سے انکار کرنا ۔ حق سے روگردانی کی عادت ۔ موسیٰ جیسے صاحب شریعت نبی کو مان کر پھر گوسالہ پرستی شروع کر دینا ۔ غیر خدا کی محبت کو دل میں جگہ دینا ۔ بنی اسرائیل کو اس کے دعویٰ میں کہ آخرت کا گھر صرف انہی کے لئے مخصوص ہے جھوٹا ثابت کیا جاتا ہے ۔ ایمانی نور جس سے آخرت کے گھر کی محبت پیدا ہوتی ہے ان میں نہیں ہے ۔ ان کا دنیا کی زندگی پر زیادہ حریص ہونا ۔ مسیح موعود کے زمانہ کی بشارت یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت

عام نظر یہ رکوع جہاں ایک طرف سورۃ الفاتحہ کے بعض حصوں کی تفسیر کرتا ہے وہاں دوسری طرف عظیم الشان پیشگوئی کو مسیح موعود کے زمانہ کو بیان کرتا ہے ۔ اور سورۃ الفاتحہ کی آخری آیتیں چونکہ مسیح موعود کے زمانہ کی خبر دیتی ہیں اس لئے پانچویں رکوع سے خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا تذکرہ شروع کیا ہوا ہے اور اسکی بڑی بھاری وجہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق ایک زمانہ اُمت پر ایسا آنے والا تھا جسمیں وہ یہودیوں سے بہت بڑی مماثلت پیدا کرلیں گے ۔ اس وقت انکی اصلاح کے لئے **احمد قادیانی** کے بروز میں مسیح ابن مریم کا نزول ہو گا ۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں آئے تھے ٹھیک اسی طرح پر مسیح موعود کا زمانہ بھی **چودھویں صدی** کا ہے ۔ چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسا کہ ہمنے پہلے بیان کیا ہے مثیل موسیٰ ہیں اس لئے ضروری بات تھی کہ آپ کی امت کا چودھواں مجدد مسیح ابن مریم ہی کے قدم پر آتا جیسا کہ آپکے بعد پہلا خلیفہ **یشوع بن نون** کے رنگ میں آیا جو موسیٰ علیہ السلام کا پہلا خلیفہ تھا اور وہ حضرت **ابوبکر صدیق** رضی اللہ عنہ تھے ۔ غرض اس رکوع میں یاجوج ماجوج اور مسیح موعود کے زمانہ کی طرف بڑی وضاحت سے پیشگوئی فرمائی ہے اور اس طرح پر مندرجہ ذیل مطالب اس رکوع میں ہیں

اول ۔ انبیاء علیہم السلام اور ماموریں کی تکذیب ضرور ہوتی ہے ۔ یہاں تک بھی کہ بعض کے قتل کے منصوبے کئے جاتے ہیں ۔

دوم ۔ محرومی کا پہلا سبب تکبر اور خود پسندی ہے

سوم ۔ پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر ان کے منکر اور مکذب ان میں سے بھی ہوتے ہیں جو پہلے سے اس پیشگوئی کے منتظر ہوتے ہیں ۔

چہارم ۔ اللہ تعالیٰ کا فضل محدود و مخصوص نہیں وہ جس پر چاہے فضل کرے اس کا مکذب مغضوب ہو جاتا ہے اور منعم علیہ کے منکر عذاب جہنم میں مبتلا ہوتے ہیں

پنجم ۔ ماموریں اللہ کی صداقت کا فیصلہ کن نشان **دعا** ہے ۔ مخالف اگر ان کے حق میں بد دعا کریں تو وہ ہرگز ہرگز ہلاک نہیں ہوگا اور نہ مخالف میدان مباہلہ میں اُسکے سامنے کامیاب ہوتے ہیں ۔

سے ہے اور باب افعال میں ایک خاصیت سلب فعل کی بھی ہے اسطرح پر یُطِیْقُوْنَ اور یَطُوْقُوْنَ قریب قریب ہم معنی ہوں گے اور اگر یُطِیْقُوْنَ کے معنے لیے جاویں طاقت نہ رکھتے ہیں تو پھر اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو مسافر یا مریض فدیہ دینے کی طاقت رکھتے ہیں وہ روزہ کے عوض میں مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں اور اگر فدیہ بھی ادا کریں اور قضا روزے بھی رکھیں تو پھر یہ نور علیٰ نور اور بہتر ہے۔

ہمارے نزدیک دونوں معنے صحیح ہیں۔ کیونکہ دونو یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ کے مطابق فطرت انسانی عقل سلیم اور لغت عرب اور نظام قرآنی کے عین موافق ہیں کسی آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور نہ تاویلات رکیکہ کی حاجت ہوتی ہے اور نہ مقدرات یا محذوفات ماننے پڑتے ہیں جیسے بعض کہتے ہیں کہ یہاں لَا یُطِیْقُوْنَہٗ ہے

غرض، دونو معنے جو ہم نے لکھے ہیں ہو سکتے ہیں۔

ایک نکتہ حضرت حجۃ اللہ علی الارض **مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام** نے ایک بار فرمایا تھا کہ قرآن کریم کی رخصتوں سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے + یہ بھی تقویٰ کی باریک راہ ہے۔ اور یہ روزہ کے متعلق رخصتوں کے ذکر ہی پر فرمایا تھا۔

غرض۔ عام طور پر روزوں کا ذکر فرما کر اس کے فوائد سے اطلاع دیکر اب اللہ تعالیٰ اُن روزوں کا ذکر ماتا ہے جو فرض کیے گئے ہیں۔ اور گویا ایاماً معدودات کی تفسیر فرماتا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

ترجمہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں یا جس کے بارے میں قرآن شریف دیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت نامہ ہے اور ہدایت کے کھلے نشان اور دلائل اپنے ساتھ رکھتا ہے اور حق و باطل میں فرق کرنے والا بھی ہے یا فرقان بھی اسی مہینہ میں واقع ہوا۔ پس جو شخص تم میں سے اس رمضان کو (حالت صحت و حیات و قیام میں) پائے اسکو چاہیے کہ اس میں روزہ رکھے اور جو کوئی بیمار یا مسافر ہو۔ تو وہ اور دنوں میں (اسکے برابر) گن کر روزے رکھ لے خدا تم پر آسانی چاہتا ہے اور دشواری (تکلیف مالایطاق) نہیں چاہتا۔ (اور دنوں میں گن کر روزے رکھنے کا حکم اسلیے فرمایا کہ) تمھاری تعداد پوری ہو جاوے اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی کو یاد کرو اسپر کہ اُسنے تمکو کامیاب کیا اور تاکہ تم اُس کا شکر کرو۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ روزہ سنت انبیا میں سے ہے ... روزہ سے حجب بشریت مرتفع ہو جاتے ہیں اور انسانی قلب کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔ اور انوار الٰہی کا پرتو پڑنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیا علیہم السلام پر جب کتاب نازل ہوئی تو پہلے انھوں نے ضرور روزے رکھے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب توراۃ ملی تو اس سے پہلے انھوں نے چالیس روزے رکھے۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ عم نے بیابان میں چالیس روزے رکھے اسیطرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا میں روزے رکھے۔ آپ پر وہاں اسی رمضان میں قرآن نازل ہوا۔ جیسا کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ سے ثابت ہے اسپر بڑی بڑی بحثیں کی گئی ہیں کہ سارا قرآن نازل ہوا یا کیا۔ ہم اس بحث کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتے۔ قرآن شریف کا نزول رمضان میں شروع ہو گیا۔ اور جب تک قرآن شریف نازل ہوتا رہا جو ۲۳ برس کا زمانہ ہے وہ ایک لیلۃ القدر ہی ہے۔ لیلۃ القدر پر اسجگہ ہم بحث نہیں کرتے۔

غرض **رمضان** ایسا مبارک مہینہ ہے کہ قرآن جیسی ہدایت اس مہینہ میں نازل ہوئی۔ اور پھر **الفرقان** بھی اس مہینہ میں واقع ہوا۔ **فرقان** یعنی بدر کے دن کا فیصلہ۔ اور مکہ معظمہ بھی رمضان میں فتح ہوا۔

اسی طرح ہم پر تفسیران کے مطالب کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ یہ بیجا انانیت اور ہٹ تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے دلوں پر غلاف کیا چڑھتے ہیں بلکہ یہ تو اسی لعنت کا اثر ہے جو ان کے انکار کے سبب سے اللہ کیطرف سے ان پر پڑگئی ہے اور یہ لوگ کم ہی مانتے ہیں جو مومن ہوئے۔

پھر انکی محرومی کا ایک بہت بڑا باعث بیان ہوتا ہے

ولما جاءهم كتب من عند الله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكفرين

اور جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس وہی کتاب آئی۔ کہ جس سے ان کے پاس کی کتاب توریت اور اسکی مندرجہ پیش گوئی متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوتی ہی اور یہ لوگ اس سے پیشتر تو خود ہی توریت کی پیشگوئیوں کے رو سے اون لوگوں پر جو حق کو چھپاتے تھے اور انکار کرتے تھے فتح مندی کی آرزو رکھتے تھے یا منکروں کو پہلے کھول کھول کر بتایا کرتے تھے مگر اب جبکہ وہ امر جسکی معرفت اون کو تھی اُن کے پاس آگیا تو خود ہی منکر ہو بیٹھے پس یاد رکھیں کہ ایسے منکروں پر تو اللہ کی لعنت ہی ہوا کرتی ہے۔

اس آیت میں بنی اسرائیل کی توجہ استثنا کے ۱۸ باب والی بشارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے اور ان کے انکار پر دربدر ہونے کی پیش گوئی فرمائی ہے۔ ما عرفوا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرائن قویہ سے صادق جانتے تھے۔ کیونکہ ایک دوسرے مقام پر یوں فرمایا گیا ہے یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم یعنی جیسے انسان اپنے بیٹوں کو شناخت کرتا ہے اوسی طرح یہ لوگ رسول کریم کی صداقت رسالت کو پہچانتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کا انجام بتلاتا ہی کہ اس انکار کی وجہ سے وہ کیونکر مغضوب ہوئے۔

بئسما اشتروا به انفسهم ان يكفروا بما انزل الله بغيا ان ينزل الله من فضله من يشاء من عباده فباؤ بغضب على غضب وللكفرين عذاب مهين

ان لوگوں نے اپنی جانوں کو برے سودے میں ڈالا صرف اسی ضد پر اللہ کے اتارے کلام سے منکر ہو گئے کہ خدا نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ جسکو اس نے اپنی مشیت میں اپنے فضل کے لائق پایا۔ اپنا فضل نازل کیا اس بیجا ضد کے سبب سے غضب پر غضب چڑھا لائے ان منکروں پر اب ذلت و رسوائی کا عذاب پڑیگا۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنے فضل کے لئے مخصوص فرمائے اسکا انکار ضد و عداوت سے کرنا خدا تعالیٰ کے ذلیل کر دینے والے عذاب کو کھینچ لاتا ہے۔

فباؤ بغضب علی غضب۔ چونکہ مسیح علیہ السلام کے انکار سے ایک غضب اُن پر آچکا تھا اب رسول کریم کا انکار ایک اور غضب اُن پر لایا۔ یہ ہے غضب پر غضب

ذلت بھی ایک عذاب ہی ہے اس طرح پر اس آیت میں ذلت کے اسباب کو بیان کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ یا اوسکے نازل کردہ کلام اور اوس کے مبعوث فرمائے ہوئے **امام** کا انکار اور بغاوت ذلیل کر دیتا ہے یہ **عذاب مہین** اس لئے ہوتا ہے کہ خدا کے مامور کو منکر اس قابل نہیں سمجھتے کہ وہ مبعوث فرمایا جاوے چونکہ اسکی ذلت اور اہانت کرنا چاہتے ہیں لہذا خود ہی ذلیل ہو جاتے ہیں کیونکہ جزاء بالمثل ہے پس اوس اہانت سے جو مامور کی چاہتے ہیں ایک اہانت عذاب کے رنگ میں نکلتی ہے جو منکروں پر ٹوٹ پڑتی ہے۔

پھر ایسے لوگوں کا ایک اور نشان بتایا۔

واذا قيل لهم امنوا بما انزل الله قالوا نؤمن بما انزل علينا ويكفرون بما وراءه وهو الحق مصدقا لما معهم قل فلم تقتلون انبياء الله من قبل ان كنتم مؤمنين

ایک عامی آدمی بھی جو خداشناسی کی باریکیوں سے کوئی آگاہی اور معرفت نہیں رکھتا اگرچہ وہ کیسا ہی تنہائی میں ہو اور کوئی اُسے نہ دیکھتا ہو مثلاً غسلخانہ میں ہو اور ٹونٹی سے خوشنما پانی کی دھار پڑرہی ہو وہ کبھی جرأت نہ کرے گا کہ ایک گھونٹ پانی کا پی لے اس قسم کی دلیری پیدا نہیں ہوتی

عزیز کرو کس قدر پابندی ہے مگر یہ ڈھانچہ ہے مغز اور حقیقت اور ہے اللہ تعالیٰ نے پیشق سکھائی ہے جیسے باوجود بھوک کے کھانا نہیں کھاتا پیاس میں پانی نہیں پیتا حالانکہ سب کچھ موجود ہے۔ مگر اللہ کے حکم کے مقابلہ میں جائز اشیا سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتا۔ پھر دوسری حرام کردہ چیزوں پر کیوں دلیری کرے گا۔ روزہ کی اصل غرض یہی سبق دینا ہے کہ انسان منہیات اور خدا کی حرام کردہ چیزوں سے بچے جیسے روزہ میں کھانا پینا وغیرہ حرام ہے کیا اسی طرح اس نے حرام نہیں کیا چوری کرنا زنا کرنا اور فسق و فجور کی باتیں سُننا بیحیائی کے لیے آنکھ ایسی کھلی چھوڑ دینا جیسے بھیڑ بکری دوسرے کے کھیت پر جا پڑتی ہے ؟ ہے اور ضرور ہے۔

پھر اس موٹے حکم میں جو دیباچہ اور مقدمہ ہے ان امور کی جب ایسی پابندی کی جاتی ہے اور ایک جاہل سے جاہل بھی جرأت اور دلیری نہیں کرتا کہ اس حدبندی کو توڑے تو پھر کس قدر افسوس اور شرم کی بات ہے کہ محرمات پر انسان دلیر ہو۔

یاد رکھو اگر کوئی شخص حقیقت کی طرف نہیں گیا تو اُس نے روزہ نہیں رکھا وہ صرف بھوکا پیاسا رہا۔ سنو اللہ رحیم و کریم ہے اُسکو ہماری بھوک پیاس سے مزہ نہیں آتا وہ خود روزہ کا نتیجہ بتاتا ہے لعلکم تتقون تاکہ تم سُکھ پاؤ۔ پس تم اس نمونہ سے اصل حقیقت کی طرف پہنچ جانے کی کوشش کرو۔

میں سچ کہتا ہوں کہ گناہ ایک خطرناک شے ہے جس سے جسم اور روح دونوں ہلاک ہوتے ہیں اور مجذوم سے بھی بڑھ کر جسم اور روح کو سڑا دیتا ہے اس گناہ کی زہر کا تریاق یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا خوف اور اسکی صفات پر ایمان اور حیا پیدا ہو۔ اُس کی حدبندیوں کو توڑنے کی جرأت نہ کی جاوے اور یہ باتیں روزہ سے پیدا ہوتی ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ خدا سے قریب کرنیوالی یہی چیز ہے مگر بات یہی ہے کہ اس ظاہری اصل حقیقۃ کیطرف قدم اٹھاؤ اس روزہ کے لیے بڑی شرطیں ہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جو بڑے فیاض اور کریم تھے روزہ میں خصوصیت کے ساتھ بڑھ کر فیاضی کرتے تھے۔ اس لیے جو طاقت رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ سائلین کے ساتھ خاص سلوک کرے۔

ع ۲۳

پس اپنے روزہ کو بیکار نہ کرو جیسے حلال اور طیب چیزوں کو خدا کے ارشاد اور حکم کی تعمیل کے لیے ایک خاص وقت تک چھوڑ دیتے ہو اور گویا حرام کر لیتے ہو اسی طرح اسکی حرام کردہ چیزوں سے بہت بڑھ کر بچو اور اپنے جسم اور روح کو اس ہلاکت اور عذاب سے بچاؤ جو محرمات کے قریب جانے سے آتا چاہیے کہ تمہارا وقت استغفار اور تسبیح اور حمد الٰہی میں گذرے تم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو۔ اور سوراخوں کو شیطان کے داخل ہونے سے بچاؤ۔ جیسے چور کوئی نہ کوئی سوراخ دیکھکر اندر گھس جاتا ہے شیطان بھی متاع دین و ایمان چُرانے کے لیے انسان کے سوراخوں سے داخل ہوتا ہے بڑا سوراخ آنکھ ہے یہ آنکھ اگر بیحیائی سے بچے تو یقیناً سمجھو کہ شیطان کو دوسرے سوراخوں سے کم داخل ہونیکا موقع ملتا ہے اس کا پہلا موقع یہی ہے۔ پھر کان ہیں زبان ہے غرض جس قدر سوراخ ہیں ان کو بچاؤ اور بند کرو اسی طرح جسطرح اپنے صندوقوں کو قفل لگا کر بند کرتے ہو اور چور سے بچاتے ہو۔

بیہودہ فسق و فجور کی باتوں کو چھوڑ دو۔ اور نامحرم عورتوں کی باتیں مت سنو۔ تمہاری زبانوں پر سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اور سبحان اللہ العظیم ہو۔ تم درود شریف اور استغفار پڑھو تا زبان محفوظ رہے۔

غرض ان ایام رمضان میں خصوصیت سے کوشش کرو کہ تا تم بدیوں اور دکھوں سے بچائے جاؤ اور تمہاری گناہ کی زندگی پر موت وارد ہو جائے۔ یہ بڑا ہی غنیمت وقت ہے خدا کا شکر کرو جس نے روزے رکھنے کی توفیق دی ہے۔

رمضان میں شیطان زنجیروں سے جکڑا جاتا ہے مگر مومنوں کے لیے اس لیے کہ تم مومن بنو اور اب شیطان کی قید سے نکل جاؤ۔ اس نعمت کی قدر کرو۔ اور دعائیں کرو کہ یہ نعمت مانگنے سے بچائے کیونکہ یہ گناہوں کے بخشے جانے اور گناہوں کے نہ پیدا ہونے کا ایک نیک ذریعہ ہے۔

پس جاننا چاہیے کہ اس آیت میں عام روزہ کا ذکر ہے ماہ رمضان کے روزوں کا ذکر نہیں بلکہ وہ آگے آئے گا۔ یہ محض روزہ کے

پر عظیم الشان احسان ہے۔ اور ہر نبی کو ان الزامات بیہودہ سے جو اس پر لگائے جاتے ہیں قرآن کریم بری ٹھیراتا ہے اسلئے مسیح کی تطہیر ایدناہ بروح القدس کہہ کر بھی فرماتا ہے۔ قرآن کریم کے محاورہ کے موافق روح القدس کے معنی کلام الہی اور کلام اللہ کے پہنچانے والے بھی کے آئے ہیں۔ پھر اس **تائید روح القدس** کے اظہار سے مسیح ابن مریم کی خدائی کے مسئلہ کو نیست و نابود کیا ہے کہ جو شخص کلام الہی سے تائید یافتہ ہو وہ خود خدا کیونکر ہو سکتا ہے؟ ورنہ یہ بات غلط اور محض غلط ہے کہ اسمیں مسیح کی خصوصیت ہے۔ قرآن کریم میں صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ **برگزیدہ** لوگوں کو کلام الہی سے تائید دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ **لیلۃ القدر** میں ملائکہ کا نزول اور کلام الہی کا نزول ہوتا رہتا ہے اور نفخت فیہ من روحی حضرت آدم کی نسبت موجود ہے۔ اور سب سے زیادہ موید **بروح القدس** ایک ہی انسان دنیا میں گذرا ہے جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جن کے ساتھ ہر وقت روح القدس کی تائید رہتی تھی۔ جسکا ہر قول و فعل وحی کی آمیزش سے خالی نہین ما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی کسی دوسرے کی شان میں نہین ہے۔ اگر کسی نے اپنی کمزوری سے اس راز کو نہیں سمجھا تو اس کا قول ہم پر حجت نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم تو صاف صاف اور کھلے کھلے الفاظ میں عام مومنوں تک کو روح القدس سے موید قرار دیتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ اولئك كتب فی قلوبهم الایمان وایدهم بروح منه یعنے ان مومنون کے دلوں میں خدا تعالی نے ایمان کو لکھدیا ہے اور ان کو روح القدس سے مدد دی (سورۃ المجادلہ) ایمان کے دل میں لکھ دینے سے یہ مراد ہے کہ ایمان فطرتی اور طبعی ارادوں میں داخل ہو گیا اور جزو طبیعت بن گیا اور کوئی تکلف اور تصنع درمیان میں نہ رہا اور یہہ مرتبہ کہ ایمان رگ و ریشہ میں سرایت کر جاوے اس وقت انسان کو ملتا ہے کہ جب انسان روح القدس سے موید ہو کر ایک نئی زندگی پاوے۔ اسی طرح پر اور بہت سی آیتیں اسی مضمون کی کتاب مجید میں موجود ہیں روح القدس کی مسیح کے ساتھ کوئی خصوصیت نہین ہے۔ بلکہ **سید المعصومین** خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مسیح کو اس مرتبہ میں کچھہ نسبت ہی نہین ہے۔ کیونکہ مسیح کو تو دو مرتبہ شیطان نے آزمایا اور مسیح شیطان کے ساتھہ چلے بھی گئے جیسا کہ متی کی انجیل کے باب چہارم اور مرقس ۱۲-۱۳/۱ اور لوقا کی انجیل کے ۴ باب آیت اول لغایت ۱۳ تک اسکا ذکر موجود ہے۔ اناجیل کے مندرجہ بالا مقامات پر نظر غور کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ مسیح چالیس دن تک شیطان کے ساتھہ رہے۔ ہمارا اپنا یہ ایمان ہرگز نہین ہے لیکن ہم ان لوگون کو الزام دینے کے لئے اور اتمام حجت کی خاطر اس امر کا بیان ضروری سمجھتے ہیں کہ جو شخص چالیس دن تک شیطان کے ساتھ رہے اس کے قلب کی جو حالت ہو سکتی ہے وہ خود غور کرو۔ اور جبکہ شیطان چالیس دن ساتھہ رہا اسوقت **روح القدس** کہان تہا کیونکہ ضدین تو جمع نہیں ہو سکتیں۔ پس سچی اور حقیقی بات یہی ہے کہ یہہ درجہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ملا ہے کہ ایک طرفۃ العین کے لئے **روح القدس ان سے الگ نہیں ہوا۔**

لطیفہ | مسیح علیہ السلام کی آزمایش کا قصہ جہان اناجیل میں درج ہے وہان یہہ بھی لکھا ہے کہ وہ روح القدس سے بھر کر شیطان کی آزمایش مین رہے۔ کیا عجیب روح القدس ہے کہ شیطان بھی آزماتا رہے اور روح سے بھی بھرے رہیں !!!

فریقا کذبتم وفریقا تقتلون | پہلے ہی ہم بیان کر آئے ہیں کہ کوئی نبی قتل نہیں کیا گیا اس لئے فریقا کذبتم وفریقا تقتلون مین تقتلون مضارع کا صیغہ ہے یعنی تکذیب تو ماضی میں ہو چکی اور اب قتل کا ارادہ کرتے ہو یعنے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ جیسے کہ اللہ تعالی نے دوسرے مقام پر فرمایا بھی ہے واذ یمکر بك الذین یقتلوك الایہ

پھر اس کے بعد اللہ تعالی نے بتایا کہ انکی محرومی کے یہی اسباب نہ تھے بلکہ اور بھی تھے منجملہ ان کے

قالوا قلوبنا غلف بل لعنهم الله بکفرهم فقلیلا یؤمنون

اونہون نے کہدیا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں کیا مطلب کہ ہم بڑے معظم و مکرم ہیں۔ غلاف کے اندر جو چیز ہوتی ہے وہ واجب التعظیم ہوتی ہے اور یا یہہ مطلب بھی ہے کہ جیسے غلاف کے اندر ونی چیزین باہر اور بیرونی اندر داخل نہیں ہو سکتی ہین

توفیق طلب کرے مجھے یقین ہے کہ ایسے قلب کو خدا طاقت بخشدے گا۔

اگر خدا تعالےٰ چاہتا تو دوسری اُمتوں کیطرح اس اُمت میں قید نہ رکھتا مگر اس نے قیدیں بھلائی کے واسطے رکھی ہیں میرے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب انسان صدق اور کمال اخلاص سے باری تعالےٰ میں عرض کرتا ہے کہ اس مہینہ میں مجھے محروم نہ رکھ تو خدا اسے محروم نہیں رکھتا اور ایسی حالت میں اگر رمضان میں بیمار ہو جائے تو یہ بیماری اُس کے حق میں رحمت ہو جاتی ہے کیونکہ ہر کام کا مدار نیت پر ہے مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپکو خدا تعالےٰ کی راہ میں دلاور ثابت کر دے جو شخص روزہ سے محروم رہتا ہے مگر اُسکے دل میں یہ نیت دردِ دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا۔ اور روزہ رکھتا اُس کا دل اسبات کے لیے گریاں ہے تو فرشتے اُسکے لیے روزہ رکھیں گے بشرطیکہ وہ بہانہ جو نہو۔ اور خدا تعالےٰ ہرگز اُسے ثواب سے محروم نہ رکھیگا یہ ایک باریک امر ہے اگر کسی شخص پر اپنے نفس کے کسل کی وجہ سے روزہ گراں ہے اور وہ اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق ہوں گے اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ تو ایسا آدمی جو خدائی نعمت کو خود اپنے اوپر گراں گمان کرتا ہے کب اُس ثواب کا مستحق ہوگا ہاں وہ شخص جس کا دل اسبات سے خوش ہے کہ رمضان آگیا اور اُس کا منتظر ہی تھا کہ آوے اور روزہ رکھوں اور پھر وہ بوجہ بیماری کے نہیں رکھ سکا۔ تو وہ آسمان پر روزہ سے محروم نہیں ہے۔ اس دنیا میں بہت لوگ بہانہ جو ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ جیسے ہم اہل دنیا کو دھوکا دے لیتے ہیں ویسے ہی خدا کو فریب دیتے ہیں بہانہ جو اپنے وجود سے آپ مسئلہ تراش لیتے ہیں اور تکلفات شامل کرکے اُن مسائل کو صحیح قرار دے لیتے ہیں لیکن خدا کے نزدیک وہ صحیح نہیں ہیں تکلف کا باب تو بہت وسیع ہے اگر انسان چاہے تو اس کی رُو سے ساری عمر بیٹھکر ہی نماز پڑھتا رہے اور رمضان کے روزے بالکل نہ رکھے مگر خدا تعالےٰ اُسکی نیت اور اُس کے ارادہ کو جانتا ہے جو صدق اور اخلاص رکھتا ہے خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ اس کے دل میں درد ہے اور خدا اُسے اصل ثواب سے زیادہ ثواب دیتا ہے کیونکہ دردِ دل ایک قابل قدر شے ہے حیلہ جو انسان تاویلوں پر تکیہ کرتے ہیں لیکن خدا کے نزدیک یہ تکیہ کوئی شے نہیں۔ جب میں نے چھ ماہ کے روزے رکھے تھے تو ایک دفعہ ایک طائفہ انبیا کا مجھے کشف میں ملا اور اُنھوں نے کہا کہ تو نے کیوں اپنے نفس کو مشقت میں ڈالا ہوا ہے اس سے باہر نکل۔ اسیطرح جب انسان اپنے آپکو خدا کے واسطے مشقت میں ڈالتا ہے تو وہ خود ماں باپ کیطرح رحم کرکے اُسے کہتا ہے کہ تو کیوں مشقت میں پڑا ہے مگر جو لوگ تکلف سے اپنے آپ کو مشقت سے محروم رکھتے ہیں خدا تعالےٰ اُنکو دوسری مشقت میں ڈالتا ہے اور نکالتا نہیں اور دوسرے جو خود مشقت میں پڑتے ہیں اُنکو وہ آپ نکالتا ہے۔ انسان کو واجب ہے کہ اپنے نفس پر آپ شفقت نہ کرے بلکہ ایسا بنے کہ خدا تعالےٰ اسکے نفس پر شفقت کرے کیونکہ انسان کی شفقت اس کے نفس پر اس کے واسطے جہنم ہے اور خدا کی شفقت جنت۔ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ پر غور کرو کہ جو آگ میں خود گرنا چاہتا ہے اُسے خدا آگ سے بچاتا ہے اور جو خود آگ سے بچنا چاہتا ہے وہ آگ میں ڈالا جاتا ہے یہی سلّم ہے اور یہ اسلام ہے کہ جو کچھ خدا کی راہ میں پیش آوے اس کا انکار نہ کرے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عصمت کے فکر میں خود لگتے تو وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی آیت نازل نہ ہوتی حفاظت الٰہی کا یہی سِر ہے۔ تذکلامُہٗ

اور پھر روزہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ انسان کی دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں اور مکالمات الٰہیہ کا شرف بھی اسے مل سکتا ہے چنانچہ فرمایا

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝

ترجمہ اور جبکہ میرا بندہ تجھسے میری بابت سوال کرے پس (اسکو کہدو) کہ میں قریب ہوں میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے پس چاہیے کہ وہ میرے بلانے پر لبیک کہیں اور مجھپر ایمان لائیں تاکہ وہ رشد حاصل کریں۔

دعا اور استجابت دعا کا مضمون ایسا وسیع اور دقیق مضمون ہے کہ اسپر یکجائی بحث کے لیے بجائے خود ایک ضخیم کتاب کی

ایک خاص قسم کی شجاعت اور جرأت ملتی ہے اور وہ دشمنوں کی بد دعا سے کبھی بھی ہلاک نہیں ہو سکتا۔

مگر تم یاد رکھو

کہ ہم پیشگوئی کئے دیتے ہیں لن یتمنوہ ابدا بما قدمت ایدیھم واللہ علیم بالظالمین ہرگز ہرگز وہ اس فیصلہ کی آرزو نہ کریں گے جو ان کے سامنے ہے اور اللہ تو پھر ظالموں سے خوب واقف ہے۔ اس میں انکی ہلاکت کی پیشگوئی کر دی ہے۔ یہ کہہ کر کہ بما قدمت ایدیھم یعنے وہ تو آرزو نہ کرینگے حالانکہ وہ موت ان کے بالکل سامنے ہے یہ لوگ کیوں آرزو نہیں کرتے؟

ولتجدنھم احرص الناس علی حیٰوۃ ومن الذین اشرکوا یود احدھم لو یعمر الف سنۃ وما ھو بمزحزحہ من العذاب ان یعمر واللہ بصیر بالعباد.

اور تو ان کو تمام لوگوں سے زیادہ دنیوی زندگی پر حریص پائیگا اور یہ مشرک (عیسائی) تو آرزو کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ہزار ہزار سال کی عمر پاوے اور اگر یہ شخص اس قدر عمر پا بھی لے تو پھر بھی انکو کوئی عذاب سے مخلصی دلانیوالا نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔

اس آیت میں اس پیشگوئی کیطرف اشارہ ہے جو مکاشفات یوحنا کے ۲۰ باب میں درج ہے جسمیں لکھا ہے کہ ہزار سال تک شیطان قید رہیگا اور قومیں مرتد ہونگی وغیرہ وغیرہ۔

اسلام میں زوال ہزار سال کے بعد شروع ہوا یہ پیشگوئی یاجوج ماجوج کے تسلط اور ان کے من کل حدب ینسلون کے زمانہ پر دلالت کرتی ہے اور یہ زمانہ اب آگیا ہے جو مسیح موعود کا زمانہ ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو آنے والے کی شناخت کریں اور اوسکی سنیں ٭

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا
وھب لنا من لدنک رحمۃ انک
انت الوھاب

اس آیت پر حضرت حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یکم دسمبر ۱۹۰۲ء کو جبکہ رمضان کی پہلی تھی ایک تقریر فرمائی تھی۔ جسکو ہم یہاں درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔

تزکیہ نفس اور تجلی قلب

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ سے ہی ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے صوفیوں نے اس مہینہ کو تنویر قلب کے لیے عمدہ لکھا ہے اس میں کثرت سے مکاشفات ہوتے ہیں نماز تزکیہ نفس کرتی ہے اور روزہ تجلی قلب ہوتی ہے تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جاوے اور تجلی قلب سے مکاشفات ہوتے ہیں جنسے مومن خدا کو دیکھ لیتا ہے اُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ میں یہی اشارہ ہے۔ بیشک روزہ کا اجر عظیم ہے مگر امراض اور اغراض اس نعمت سے انسان کو محروم کر دیتے ہیں۔

اپنا التزام صوم

ایک مرتبہ ایام جوانی میں ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھکو خواب میں دکھائی دیے اور انھوں نے یہ ذکر کر کے کہ کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لیے رکھنا سُنّت خاندان نبوۃ ہے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سُنّت اہل بیت کو بجا لاؤں۔ اور میں نے اس رویا کے مطابق چھ ماہ تک برابر مخفی طور پر روزوں کا التزام کیا۔ اس اثنا میں عجیب عجیب مکاشفات مجھ پر کھلے۔ بعض گذشتہ نبیوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیاء اس اُمت میں گذرے ہیں اُن سے ملاقات ہوئی۔

تاثیرات روزہ

ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع حسنین و علی و فاطمہ رضی اللہ عنہم کے دیکھا اور یہ خواب نہ تھی بلکہ بیداری کی ایک قسم تھی غرض اسی طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں جن کا ذکر کرنا موجب تطویل ہے اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستان طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمکدار اور بعض سبز و سرخ تھے انکو دل سے ایسا تعلق تھا کہ انکو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوتی جیسا کہ ان کو دیکھکر دل اور روح کو لذت آتی تھی میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثلی صورت میں ظاہر کیے گئے تھے یعنی وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ نور تھا جو اوپر سے نازل ہوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہو گئی یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی کیونکہ وہ دنیا کی آنکھوں سے بہت دور ہیں لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جنکو ان امور سے خبر ملتی ہے۔

غرض یہ حالات روزہ سے گذری۔ یہ سب کچھ جوانی میں ہو سکتا ہے اگر اس وقت میں چاہتا تو چار سال تک روزہ رکھ سکتا۔ مگر

نشاط نوجوانی تا بہ سی سال　＊　چو چل آمد فرو ریزد پر و بال

چالیس سال کے بعد حرارت غریزی کم ہو جاتی ہے۔ فرمایا عبادات دو قسم کی ہوتی ہیں عبادت مالی اور عبادت بدنی مالی عبادت تو اُسکے لیے ہیں جس کے پاس مال ہو اور جس کے پاس نہیں وہ معذور ہے بدنی عبادت کو بھی انسان جوانی ہی میں بجا کر سکتا ہے ورنہ ساٹھ سال کے بعد طرح طرح کے عوارض لاحق ہو جاتے ہیں۔ اور جو کچھ انسان جوانی میں کر لیتا ہے اُسکی برکت بڑھاپے میں ہوتی ہے اور جس نے جوانی میں کچھ نہیں کیا اُسے بڑھاپے میں بھی صدما رنج برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ موئے سفید از اجل آرد پیام۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ حسب استطاعت خدا کے فرائض بجا لاوے۔ روزہ کے بارہ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ اور روزہ رکھنا تمہارے لئے خیر و برکت ہے

فدیہ توفیق روزہ کا موجب ہے

ایک بار میرے دل میں آیا کہ یہ فدیہ کس لیے مقرر ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اس لیے ہے کہ اس سے روزہ کی توفیق ملے خدا ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے اور ہر شے خدا ہی سے طلب کرنی چاہیے وہ قادر مطلق ہے وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی طاقت روزہ عطا کر سکتا ہے۔

اس لیے مناسب ہے کہ ایسا انسان جو دیکھے کہ روزہ سے محروم رہا جاتا ہوں تو دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آیندہ سال زندہ رہوں یا نہ رہوں یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ اس لیے اُس سے

اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ یہہ کلام جو خدا کی طرف سے آترا ہے اسکو مان لو تو جواب یہہ دیتے ہیں کہ ہم اس کلام کو جو ہمپر اُترچکا ہے مانتے ہیں اور جو کلام اسکے بعد آتا ہے اِس سے انکاری ہیں حالانکہ یہ پیچھے نازل ہونے والا کلام ان کے پاس والے کلام کو ہی سچا ٹھیراتا ہے اس کتاب اور اس نبی کے وجود ہی سے تو توریت کی پیشگوئیاں سچی ٹہرتی ہیں ورنہ وہ پیش گوئیاں اور احکام جن کی نسبت وہ کہتے ہیں کہ ہم اسی کلام کو مانتے ہیں - جو ہمپر آترا ہے اس کتاب اور اس نبی کے انکار سے جہوٹا ہوا جاتا ہے حالانکہ وہ حق وحکمت سے بھرا ہوا ہے - اِن سے کہدو کہ اچھا اگر تم اپنی ہی کتاب کو جو تمپر اُتری ہے مانتے رہے ہو تو پھر خدا کے نبیوں کے درپے قتل کیوں ہوئے؟! اگر تم اپنے اس بیان میں کہ ہم توریت کو مانتے ہیں سچے ہوتے تو تمہارا یہ ظالمانہ طریق نہ ہوتا -

پھر یہی نہیں اور سنو!

واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور خذوا ما اتینکم بقوة واسمعوا قالوا سمعنا وعصینا واشربوا فی قلوبهم العجل بکفرهم قل بئسما یامرکم به ایمانکم ان کنتم مومنین ۝

اور پھر جب ہم نے کوہ طور کو تم پر بلند رکھ کر وہاں پابندی شریعت کا عہد لیا تہا کہ جو حکم تمکو دئے جاتے ہیں انکو خوب مضبوط پکڑو اور خوب سنو جواب میں تو ظاہر یہی تم کہا کہ ہاں حضور! ہمنے سنا مگر دل میں وہی عصیان کی نیت رہی اور اس عصیان کے سبب ان کے دلوں میں گوسالہ کی محبت خوب رچ گئی گویا وہ گوسالہ انکو پلا دیا گیا - ان سے کہدو کہ اگر تم ایسے ہی ایماندار ہو تو پھر یہ ایمان تمکو بری راہ سکہاتا ہے -

بنی اسرائیل کی یہ حرکت ہی ان کے مغضوب علیہم ہونیکا موجب ہوئی -

اشربوا فی قلوبهم العجل یاد رکھو کہ محبت کوئی تکلف اور تصنع کا نام نہیں ہے بلکہ انسانی قوی میں سے یہ ایک قوت ہے اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ دل کا ایک چیز کو پسند کر کے اسکی طرف کھنچے جانا اور جیسا کہ ہر چیز کے خواص اس کے کمال کے وقت ظاہر ہوتے ہیں یہی محبت کا حال ہے اسی لحاظ سے اس موقع پر فرمایا ہے کہ تم گوسالہ پرستی کی محبت میں ایسے سرشار اور بیخود ہوئے کہ اوسکو پی گئے اور یہہ اسی لئے ہوا کہ تمنے حق کو چہوڑا اور انکار کیا -

قل بئسما یامرکم به ایمانکم یعنے کیا ایمان ایسی بری چیزوں کا بہی حکم دے سکتا ہے جو خدا سے دور ڈالنے والی ہوں

ان کنتم مومنین اور تم ادعائے ایمان کرتے ہو -

کیا مطلب کہ یہ بالکل غلط اور جہوٹ ہے تم ہرگز ہرگز مومن نہیں اگر مومن ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں گوسالہ پرستی نہ کرتے - احکام توریت کو استقلال کے ساتھ مضبوط پکڑتے یا عملدرآمد کرتے اور دوسرے نبیوں کا انکار نہ کرتے پس یہ جواب تو تمہارا میرے انکار کے لئے کافی نہیں ہے - اسی لئے تو تمپر حجت پوری ہوتی ہے - اچہا ان سب باتوں کو جانے دو آخر ایک فیصلہ کی صورت ہے وہ یہ ہے کہ

قل ان کانت لکم الدار الاخرة عند الله خالصة من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صدقین

ان سے کہو کہ اگر آخرت کا گہر خدا کے ہاں اور لوگوں کے سوا تم ہی کو ملتا ہے اور بجز تمہارے اور کسیکا وہاں دخل نہیں ہے تو پھر تم سب کے سب مل کر میری ہلاکت کے لئے بد دعائیں کرو اگر تم سچے ہو یا آؤ فیصلہ کن جنگ ہی کر لو -

اس آیت میں مامورمن اللہ کی شناخت کا ایک معیار بتایا گیا ہے ذرا غور کرو - اور سوچو!!!

فتمنوا الموت | فیصلہ کن جنگ کر لو - **موت** کے معنی جنگ کے آئے ہیں ولقد کنتم تمنون الموت من قبل فقد رایتموہ وانتم تنظرون -

دوسرے موت کے معنی یہ ہیں کہ تم ہمارے لئے موت کی بد دعا ہی کرو کہ ہم ہلاک ہو جاویں اگر تم سچے ہو تو تم لڑائی میں کامیاب ہو جاؤ گے یا تمہاری بد دعا سے ہم ہلاک ہو جائیں گے - اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مامورمن اللہ کو

پھر یہ بات قابل شرم ہوگی کہ کہا جاوے دعا اور تدبیر میں تناقض ہے دعا کرنے سے کیا مطلب ہوتا ہے؟ یہی تو ہوتا ہے کہ وہ عالم الغیب جسکو دقیق در دقیق تدبیریں معلوم ہیں کوئی احسن تدبیر دل میں ڈالے یا بوجہ خالقیت اور قدرت اپنی طرف سے پیدا کرے پھر دعا اور تدبیر میں تناقض کیسے ہوا۔؟

تدبیر اور دعا کا تعلق

علاوہ اس کے جیسا کہ تدبیر اور دعا کا باہمی رشتہ قانون قدرت کی شہادت سے ثابت ہے ایسا ہی فطرت کی گواہی سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ انسانی طبائع کسی مصیبت کے وقت جسطرح تدبیر اور علاج کی طرف مشغول ہوتی ہیں ایسا ہی طبعی جوش سے دعا اور صدقہ وخیرات کی طرف جھک جاتی ہیں۔ اگر دنیا کی تمام قوموں پر نظر ڈالی جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتک کسی قوم کی فطرۃ اس متفق علیہا مسئلہ کے خلاف ظاہر نہیں ہوئی۔ پس یہی ایک روحانی دلیل اسبات پر ہے کہ انسان کی فطرۃ نے بھی قدیم سے تمام قوموں کو یہی فتویٰ دیا ہے کہ وہ دعا کو اسباب اور تدابیر سے الگ نہ کریں بلکہ دعا کے ذریعہ سے **تدابیر کو تلاش کریں** غرض تدبیر اور دعا انسانی طبیعت کے دو طبعی تقاضے ہیں کہ جو قدیم سے اور جب سے انسان پیدا ہوا ہے دو حقیقی بھائیوں کی طرح انسانی فطرۃ کے خادم چلے آئے ہیں اور تدبیر دعا کے لیے بطور نتیجہ ضروریہ کے اور دعا تدبیر کے لیے بطور محرک اور جاذب کے ہے اور انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ تدبیر کرنے سے پہلے **دعا** کے ساتھ مبدء فیض سے مدد طلب کرے تا اس چشمہ لازوال سے روشنی پاکر عمدہ تدبیریں میسر آسکیں۔

دعا اور استجابت میں تعلق

دعا اور استجابت میں ایک رشتہ ہے ابتدا سے اور جب سے کہ انسان پیدا ہوا برابر چلا آتا ہے جب خدا تعالیٰ کا ارادہ کسی بات کے کرنے کے لیے توجہ فرماتا ہے تو سنۃ اللہ یہ ہے کہ اُسکا کوئی مخلص بندہ اضطراب اور کرب اور قلق کے ساتھ دعا کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنی تمام ہمت اور تمام توجہ اس امر کے ہو جانے کے لیے مصروف کرتا ہے تب اس **مرد فانی** کی دعائیں فیوض الٰہی کو آسمان سے کھینچتی ہیں اور خدا تعالیٰ ایسے نئے اسباب پیدا کر دیتا ہے جنسے کام بنجاوے۔ دعا اگرچہ بظاہر انسان کے ہاتھوں سے ہوتی ہے مگر درحقیقت **وہ انسان خدا میں فانی ہوتا ہے** اور دعا کرنے کے وقت حضرۃ احدیت وجلال میں ایسے فنا کے قدم سے آتا ہے کہ اسوقت وہ ہاتھ اس کا ہاتھ نہیں بلکہ خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔

دعا کے نتائج

یہی دعا ہے جس سے خدا پہچانا جاتا ہے اور اُس ذوالجلال ہستی کا پتہ لگتا ہے جو ہزاروں پردوں میں مخفی ہے دعا کرنیوالوں کیلیے آسمان نزدیک سے نزدیک آجاتا ہے اور دعا قبول ہو کر مشکلکشائی کے لیے نئے اسباب پیدا کیے جاتے ہیں اور اُن کا علم پیش از وقت دیا جاتا ہے اور کم سے کم یہ کہ میخ آہنی کی طرح قبولیت دعا کا یقین غیب سے دل میں بیٹھ جاتا ہے سچ یہی ہے کہ اگر دعا نہ ہوتی تو کوئی انسان خدا شناسی کے بارے میں حق الیقین تک نہ پہنچ سکتا۔ دعا سے الہام ملتا ہے دعا سے ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ کلام کرتے ہیں جب انسان اخلاص توحید اور محبت اور صدق اور صفا کے قدم سے دعا کرتا کرتا فنا کی حالت تک پہنچ جاتا ہے تب وہ حی قیوم اُسپر ظاہر ہوتا ہے جو لوگوں سے پوشیدہ ہے۔

اور پھر دعا سے اطمینان اور تسلی اور حقیقی خوشی ملتی ہے۔

دعا کی فرضیت کے اسباب

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دعا جو خدا تعالیٰ کے پاک کلام نے مسلمانوں پر فرض کی ہے اُس کی فرضیت کے چار اسباب ہیں۔

اوّل یہ کہ تا ہر وقت اور ہر حالت میں خدا کیطرف رجوع ہو کر توحید پر پختگی حاصل ہو کیونکہ خدا سے مانگنا اسبات کا اقرار کرنا ہے کہ **مرادوں کا دینے والا صرف خدا ہی ہے**۔

دوم یہ کہ تا دعا کے قبول ہونے اور مراد کے ملنے پر **ایمان قوی ہو**۔

سوم یہ کہ کسی اور رنگ میں عنایت الٰہی شامل حال ہو تو **علم اور حکمت زیادت پکڑے**۔

چہارم یہ کہ اگر دعا کی قبولیت کا الہام اور رویا کے ساتھ وعدہ دیا جاوے اور اسی طرح ظہور میں آوے تو معرفت الٰہی میں ترقی کرے اور معرفت سے **یقین** اور یقین سے **محبت** اور محبت سے ہر ایک گناہ اور غیر اللہ سے **انقطاع** حاصل ہو جو **حقیقی نجاۃ** کا ثمرہ ہے۔

بطور مثال پیش کر کے خدا تعالیٰ نے اس عام اصول کو جو مسلمانوں پر علمی اور عملی صورت میں کتاب اللہ کو چھوڑنے کی وجہ سے آنے والا تھا بطور پیشگوئی بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی ان الزامات کی تردید بیان فرمائی ہے جو ناپاک طبع لوگوں نے حضرت سلیمان کی ذات پاک پر لگائے ہیں کہ گویا وہ ان علوم شیطانی کے محرک اور بانی تھے۔ معاذ اللہ عیسائی چونکہ بجائے خود حضرت سلیمان کو معاذ اللہ کافر اور بت پرست سمجھتے ہیں ان کے اس کفر کی بھی تردید فرمائی۔

قرآن کریم اور نبی رؤف الرحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کا کس قدر احسان عظیم ہے کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کے پاک وجود ان الزامات کے داغوں اور دھبوں کو صاف کر دیا ہے جو خبیث طینت لوگوں نے لگائے تھے اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد وبارک وسلم جو کچھ ہمنے اوپر بیان کیا ہے یہ اس رکوع کی کلید ہے اس کو بخوبی سمجھ لینے کے بعد اس رکوع کے مضامین کا سمجھ لینا چنداں مشکل نہ ہوگا اب ہم اصل رکوع کو بیان کرتے ہیں بحولہ تعالیٰ

قل من كان عدوا لجبريل فانه نزله على قلبك باذن الله مصدقا لما بين يديه وهدى وبشرى للمؤمنين

کہدو کون دشمن ہے جبرئیل کا (اسکی دشمنی تو یہود و نصاریٰ میں سے کوئی بھی نہیں کرتا) پس اسنے تو جو کچھ تیرے دل پر نازل کیا ہے وہ اللہ کے حکم سے کیا ہے (اور اس امر کا ثبوت کہ وہ خدا کے حکم سے نازل کیا ہے یہ ہے کہ) وہ کلام سچ کو سچ کرنیوالا ہے اور وہ ان امور کا مصدق ہے جو سامنے ہیں (خواہ وہ پیشگوئیاں ہوں یا مشاہدہ میں آئے ہوئے امور طبعیات کے ہوں یا ہیئت کے) اور وہ ہدایت ہے (کامیابی کی راہ ہے) اور مومنوں کے لئے بشارت ہے یعنے مومنوں کی کامیابیوں کی بشارت پر مشتمل ہے۔

بیان

من استفہام کے لئے ہے جیساکہ اوپر ترجمہ میں دکھایا گیا ہے۔

اور

بعض نے من کے معنی جو کے بھی کئے ہیں۔ اس صورت میں مخالف جبرئیل کو اس لئے برا کہتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کی کامیابیوں اور مخالفوں کی ناکامیوں کی پیشگوئیاں فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ جبرئیل نے آکر مجھ سے یوں کہا ہے تو وہ لوگ کھسیانے ہو کر جبرئیل کو کوستے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تو جو کچھ نازل کرتا ہے ہمارے حکم اور اذن سے نازل کرتا ہے تم گویا در پردہ میرے ساتھ عداوت کرتے ہو کیونکہ یہ تو ایک صاف اور سیدھی بات ہے کہ مامور کی مخالفت امر ہی کی مخالفت ہوتی ہے۔

نیچری اوہام اور ان کا ازالہ | اس مقام پر نزول جبرئیل کے متعلق کسیقدر تفصیلی بحث کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ آجکل کے طبعی اور فلسفہ نے نزول جبرئیل کے مسئلہ کو کسیقدر قابل غور مسئلہ بنا دینے کی سعی کی ہے۔ اور سر سید احمد خان نے اس یورپی فلسفہ اور مغربی سائنس سے متاثر ہو کر نزول جبرئیل کی ایک ایسی غلط اور بیہودہ تاویل کی ہے جس نے اسلام کو خطرناک صدمہ دوستی کے لباس میں پہنچایا ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ذرا وضاحت سے بحث کریں اور اس مطلب کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کو چند مختلف حصوں میں تقسیم کر لیں۔

الف | وحی الٰہی کی ضرورت | اللہ تعالیٰ کی ہستی ماننے والے ہی اس جگہ ہمارے مخاطب ہیں اور اسی لئے ہم یہ امر مسلم سمجھ کر کہ اللہ تعالےٰ ہے اور ضرور ہے آگے چلتے ہیں جبکہ یہ امر مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات کاملہ سے موصوف واجب العبادت ہستی ہے اور اسکی ہی رضا جوئی تمام سکھوں اور راحتوں کا موجب ہو سکتی ہے تو اس امر کا سمجھ لینا شاید کچھ بھی مشکل نہ ہوگا کہ اسکی رضا حاصل نہیں ہو سکتی جبتک کہ ہمکو اوسکی رضا کی راہوں کا علم نہ ہو اور یہ ممکن نہیں ہے جبتک کہ خود وہ اپنی رضامندی کی راہوں کا ہم پر اظہار نہ کرلے۔ کیونکہ ایک انسان اپنے جیسے انسان کی رضامندی اور ناراضگی کو ہی معلوم نہیں کر سکتا جب تک

ضرورت ہے۔ اس لیے ہم یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مضمون کے متعلق چونکہ قرآن کریم کے مختلف مقامات پر بحث کے لیے خدا کے فضل سے انشاء اللہ العزیز موقع ملیگا اس لیے سردست مختصر سی بحث اس مقام پر اسکے حسب حال کر دیں۔ لیکن ہاں یہ التزام رکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر مقام پر جو بحث کی جاوے اپنی جگہ وہ اس سورت میں مکمل سمجھی جاوے + اسی التزام سے ہم اس تفسیر میں ہر موقعہ پر بحث کرینگے انشاء اللہ

یہ امر بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کے متعلق خصوصیت کے ساتھ ہم جو کچھ لکھیں گے وہ حضرت **مسیح موعود** علیہ السلام کے الفاظ میں ہوگا۔ یا حکیم الامتہ یا مولانا مولوی عبد الکریم صاحب کے الفاظ میں۔

دعا کی حقیقت

اور دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اسکے رب میں ایک تعلق جذب ہے یعنی پہلے خدا تعالی کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالے اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق خاص مقام پر پہنچکر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالی کیطرف کامل یقین اور کامل اُمید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور غایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا **فنا** کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ **الوہیت** ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی روح اُس کے آستانہ پر سر رکھدیتی ہے اور قوت جذب جو اسکے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالے کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اس کشش کا نام **دعا** ہے۔

یا یوں کہو کہ جب ہماری روح ایک چیز کے طلب کرنے میں بڑی سرگرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبدء فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تئیں عاجز پاکر فکر کے ذریعہ سے کسی اور جگہ سے روشنی ڈھونڈتی ہے تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دعا ہی کی حالت ہے۔ ہمارا سوچنا ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلب امر مخفی کے لیے خیال دوڑانا یہ سب امور دعا ہی میں داخل ہیں۔

اور یہ گویا انتظام قدرت میں اور انسانی فطرۃ میں موجود ہے۔ کیونکہ خدا تعالے کا قانون قدرت جو ہمارے سامنے ہے ہمیں بتاتا ہے کہ سلسلہ تدابیر اور معالجات کا **طلب** اور **استدعا** سے وابستہ ہے۔ یعنی جب ہم فکر کے ذریعہ یا کسی اور طریق جستجو کے ذریعہ سے کسی تدبیر اور علاج کی طلب کرتے ہیں یا اگر ہم طلب کرنے میں احسن طریق کا ملکہ نہ رکھتے ہوں یا اگر اس میں کامل نہ ہوں تو مثلاً اس غور و فکر کے لیے کسی ڈاکٹر کو منتخب کرتے ہیں اور وہ ہمارے لیے اپنے فکر اور غور کے وسیلہ سے کوئی احسن طریق ہماری شفا کا سوچتا ہے تب اسکو قانون قدرت کی حد کے اندر کوئی طریق سوجھ جاتا ہے جو کسی درجہ تک ہمارے لیے مفید ہوتا ہے سو وہ طریق جو ذہن میں آتا ہے وہ درحقیقت ہم خوض اور غور اور فکر اور توجہ کا نتیجہ ہوتا ہے جسکو ہم دوسرے لفظوں میں دعا کہتے ہیں

عارف اور محجوب کی دعا میں فرق

یہاں اس امر کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر دعا کی حقیقت یہی ہے تو پھر دعا کی خصوصیت کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ **عارفوں** کی دعا آداب معرفت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اور انکی روح مبدء فیض کو شناخت کر کے بصیرت کے ساتھ اسکی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور **محجوبوں کی دعا** صرف ایک سرگردانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے وہ لوگ جنکو خدا تعالی سے ربط معرفت نہیں اور نہ اسپر یقین ہے دراصل وہ بھی فکر اور غور کے وسیلہ سے یہی چاہتے ہیں کہ **غیب** سے کوئی کامیابی کی بات انکے دل میں ڈالی جاوے اور **عارف** بھی یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اسپر کھُلے لیکن عارف مبدء فیض کو شناخت کرتا ہے اور محجوب نہیں اس لیے غور اور فکر کے بعد بھی جو دل میں پڑتا ہے اُسکو خدا کی طرف سے نہیں سمجھتا کیونکہ تاریکی میں چلتا ہے پس طریق طلب روشنی اگر علی وجہ البصیرت اور ہادی حقیقی کی شناخت کے ساتھ ہو تو یہ **عارفانہ دعا** ہے اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعہ سے روشنی لامعلوم مبدء سے طلب کی جاوے اور منور حقیقی کی ذات کامل پر نظر نہ ہو تو یہ **محجوبانہ دعا** ہے۔

تقدم الدعا علی التدبیر

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ تدبیر کے پیدا ہونے سے پہلے دعا کا مرتبہ ہے جسکو قانون قدرۃ نے ہر ایک بشر کے لیے ایک امر لابدی اور ضروری ٹھہرا رکھا ہے اور ہر ایک طالب مقصود کو طبعاً اس پُل پر سے گذرنا پڑتا ہے

رکوع نمبر ۱۲

بنی اسرائیل نزول قرآن کے برخلاف ہونے کے سبب سے
جبرئیل سے عداوت اختیار کرتے خدا کے فرشتوں سے عداوت کرنا خود
خدا تعالیٰ سے عداوت کرنا ہے ایسے منکروں کا خدا ہی دشمن ہے
قرآن بیشک خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ بنی اسرائیل فاسق
ہیں۔ بارہا عہد کر کے نقض عہد کر چکے ہیں۔ رسولوں کی تکذیب انکی عادت
جاریہ ہے۔ کتاب اللہ کے احکام کو پس پشت ڈالکر دانستہ اُن سے
روگردانی کرتی۔ کتاب اللہ کو چھوڑ دینے کے اسباب میں جادو ٹونے
ٹوٹکے۔ منتر جنتر میں مبتلا ہوجانا۔ ان شیطانی افعال کو سلیمان
کیطرف گستاخی سے منسوب کرنا یہودیوں کے ان افتراؤں سے خدا سلیمان
کو بری ٹھیراتا ہے ایسے شیطانی افعال کے مرتکب ثواب آخرت کے
حصہ دار نہیں ہوسکتے۔

عام نظر اور اس رکوع کے حل کے لئے کلید

اس رکوع کے عام مضمون کا مفہوم یہہ ہے کہ **خدا تعالیٰ کی کتاب کیونکر چھوٹ جاتی ہے ؟** ان اسباب کو بیان فرمایا ہے جو کتاب اللہ کو چھوڑ دینے کے محرک ہوتے ہیں

یہہ ایک عام اصول اور انسانی فطرت کا منشا ہے کہ انسان ایک وقت میں دو متخالف کام نہیں کرسکتا اور جب ایک کام میں لگ جاوے تو اس میں ترقی کرتا ہے اور بالمقابل جانب سے دور رہتا جاتا ہے مثل مشہور ہے ایک میان میں دو تلواریں نہیں سماسکتیں۔ پھر یہہ بھی ایک بدیہی بات ہے کہ انسانی قوتوں کی ساخت اور بناوٹ اس قسم کی ہے کہ وہ ایک کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے اور پھر آرام چاہتا ہے اور اسکے ساتھ ہی یہہ بھی مسلم بات ہے کہ انسان نکما اور نچلا کبھی بیٹھ نہیں سکتا۔ یہہ اصول ہیں جو انسانی بناوٹ ہمکو بتاتی ہے۔ دین اور دین کی باتیں جو اوامر اور نواہی پر مشتمل ہوتی ہیں فی حد ذاتہ تو وہ انسانی عملدرآمد کی طاقت کے اندر ہوتی ہیں لیکن بظاہر نفوس انسانی کے خلاف معلوم دیتی ہیں اس لئے کچھہ تو انسان انکی اس ایک اجنبیت نفس کے باعث توجہ ہی کم کرتا ہے اور کچھہ دوسرے مشاغل میں اس قدر توجہ اور وقت صرف کرتا ہے کہ پھر دین کی باتوں پر غور نہیں کرسکتا کیونکہ قوی ایک وقت میں دو متخالف کام نہیں کرسکتے اور ایک کام کے بعد وہ آرام چاہتے ہیں۔ پس پھر یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا فضل دستگیری نہ کرے تو دین سے بالکل دور جا پڑتا ہے۔

پھر یہہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب کسی قوم میں **امن** اور عیش آجاتا ہے تو دوسری قومیں آرام و آسایش کیلئے آجاتی ہیں اور مختلف قسم کے اشغال اور سامان تفریح طبع کیلئے مہیا ہوجاتے ہیں۔

یہودیوں کے کتاب اللہ چھوڑنے کے اسباب اور واقعات کو اس لئے بیان کیا ہے کہ اسلام پر بھی اس قسم کا زمانہ آنے والا تھا۔ پس یہہ بطور پیشگوئی بیان ہوتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہد حکومت بڑے امن اور آرام کا تھا۔ ملک سلیمان کی تیاکت وسعت پھیلی ہوئی تہی کہ ایک طرف بحیرہ قلزم۔ بحیرہ اسود اور بحیرہ روم تک چلی گئی تہی اور دوسری طرف خلیج فارس تک پہنچتا تہا۔ اسوقت ملک میں عام امن اور آسایش تہی قوم ایک متمدن قوم بن گئی تہی اس لئے اور ملکوں میں سے غیر قومیں بھی وہاں آکر آباد ہوگئی تہیں اور ہر قسم کے دل لبھانے والے مشغلے شروع ہو گئے۔ **الغرض** حضرت سلیمان کے وقت کی حالت کو

حاصل نہیں ایسے شخص کو توبہ و استغفار کے ساتھ خداوند عالم کو پکارنا چاہیے

ششم - دعاؤں کا قبول ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا دین و ایمان خداوند عالم کی نظر میں منظور ہے وہ خدا کا محبوب ہے خداوند کریم اس کی سنتا اور اُسکو جواب دیتا ہے۔

ہفتم خداوند عالم سے رحمت مغفرت اور فضل کی دعائیں مانگنا ہر ایک پر لازم ہے۔

ہشتم دعاؤں میں ہمیشہ دنیا و آخرۃ کی بھلائی اور رب العلمین کی رضا مدنظر رکھنی چاہیے محض دنیاوی آرام و آسائش کا طالب رہنا بے دینی اور بے ایمانی کی علامت ہے۔

یہ مضمون بڑا ہی وسیع اور دقیق ہے اور ہر شخص کا کام نہیں کہ اسپر قلم اٹھائے حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تصنیفات میں اس مسئلہ پر خوب بحث کی ہے خصوصاً رسالہ برکات الدعا میں اس لیے زیادہ تفصیل کے ساتھ اگر کوئی چاہے تو وہاں دیکھے۔ اب ہم اسکو ختم کرتے ہیں

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ

یہ بھی یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کو ماننے والے دنیا میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

اوّل - علمی رنگ سے خدا تعالیٰ کو ماننے والے

دوم رسم و رواج سے خدا تعالیٰ کو ماننے والے۔

سوم انبیا علیہم السلام کی تعلیم سے اللہ جل شانہ کو ماننے والے۔ ان ہر سہ اقسام میں سے پہلی قسم کے ماننے والے صفات الٰہی میں بڑی ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ مگر تیسرا مذہب اسلم ہے کیونکہ وہ خدا کا بتایا ہوا ہوتا ہے پس لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ سے پایا جاتا ہے کہ جب وہ مجھکو مان لیں گے اور میرے رضا کرنے کی کوشش کرینگے تب ہم انکو وہ حالتیں بتا دینگے اور انپر وہ حالتیں پیدا کر دینگے جو **استجابت** دعا کے لیے ضروری ہیں۔

بقائے نفس اور بقائے نوع کی ضروریات سے روزہ میں روکا گیا تھا لیکن جبتک اسکی کوئی خاص حد نہو تی یہ امر غیر مکمل یا تکلیف مالایطاق کے نیچے آتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ان امور کی حدود بیان فرماتا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ روزوں کی رات میں عورتوں کی طرف رغبت کرنا تمھارے لیے حلال کیا گیا ہے وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے باس ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اپنے آپکو خیانت میں ڈالتے تھے پس اس نے تم پر رجوع برحمت کیا اور تمھیں معاف کر دیا پس اب تم ان سے مباشرت کرو۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے اسکی خواہش کرو۔ اور کھاؤ پیو یہانتک کہ فجر کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے تمکو الگ دکھائی دے اور پھر رات تک روزہ کو پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں بیٹھنے والے ہواُن سے مباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں ان کے نزدیک نہ جاؤ۔ اسطرح اللہ اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ متقی بنیں۔

وسایط کیوں ہوتے ہیں اس میں ایک لطیف راز

پر ملایکہ بہی اپنا مستقل وجود اور مستقل مقام رکہتے ہیں اور جمیع کائنات الارض پر اپنا اثر ڈال رہے ہیں، اور جبکہ یہ ایک ثابت شدہ صداقت (ٹروتھ) اور **فیکٹ** (امر واقعی) ہو کہ انسان ان فیوض کو جو فیوض اللہ تعالی سے حاصل کرتا ہے وہ بلا واسطہ حاصل نہیں کرتا بلکہ اوس کے اور اللہ تعالے کے فیوض کے درمیان وسایط ہوتے ہین اور یہ انسانی قوے ہی اسکی انسانیت کی کل چلانے کے لئے کافی نہین ہیں - اور یہہ ایک باریک اور عمیق مسلہ ہے کہ کیون انسان بلا وسایط فیض الہی کو حاصل نہیں کرسکتا - سبب یہ ہے کہ اللہ تعالی جو اپنے تنزہ اور تقدس مین برتر سے برتر ہے اپنی تجلیات میں مظاہر مناسبہ سے کام لیتا ہے اور جسم اور جسمانی چیزین اپنے ذاتی خواص اور اپنی ہستی کی کامل تقییدات سے مقید ہو کر اور بمقابل ہستی اور وجود باری اپنا نام **موجود** اور **ہست** رکہا کر نیاض مطلق سے دور جا پڑے ہیں اور ان کے وجود کے گرداگرد اپنی ہستی اور انانیت کا اور مخلوقیت کا ایک بہت ہی موٹا حجاب ہے اس لئے وہ اس لایق نہین رہیں کہ ذات احدیت کے وہ فیضان براہ راست ان پر نازل ہو سکتے جب تک کہ حجب مذکورہ بالا درمیان نہوں اور ایک ہستی ہو جو بکلی نیستی کے مشابہ ہو اور یہہ اشیاء اپنے خواص کے پردوں میں محجوب ہیں اس لئے بغیر ایسی چیزوں کے توسط کے جو ان حجابوں سے منزہ ہون مبدء فیض کا کوئی ارادہ اُن سے تعلق نہیں پکڑ سکتا کیونکہ حجاب اس فیض سے مانع ہے اس لئے خدا تعالے کی حکمت نے تقاضا کیا کہ اسکی ارادات کا مظہر اول بننے کے لئے ایک ایسی مخلوق ہو جو محجوب بنفسہ نہ ہو بلکہ اسکی ایک نرالی خلقت ہو جو ان حجب سے خالی ہو اور خدا تعالے کے لئے بطور جوارح ہو - اور اس کے جمیع ارادات کے موافق اپنی فطرت سراپا صافیہ کی طرح رکہہ کر ہر وقت اس کے حضور میں کہڑے ہوں اور اپنے وجود میں وہ جہتیں رکہتے ہوں - ایک جہت **تجرد** اور **تنزہ** کی جو اپنے وجود میں وہ نہایت ہی الطف اور منزہ عن الحجب ہون تا کہ اللہ تعالی کے وجود سے براہ راست فیض پاسکیں اور دوسری جہت **مخلوقیت** جسکی وجہ سے وہ دوسری مخلوق سے مناسبت رکہیں اور اپنی تاثیرات کے ساتہہ ان سے نزدیک ہوسکین سو خدا تعالے کے اس ارادہ سے اس عجیب خلوق کا وجود ہو گیا جسکو **ملایک** کہتے ہین -

الغرض یہہ ایک لذیذ مضمون تو ہے مگر افسوس ہے کہ ہم اسکو بہت ہی موٹے طرز سے بیان نہیں کر سکتے - ملایک کا نظر نہ آنا یا انکے کاموں کا احساس نہ ہونا یہہ بہی ایک ایسے ہی سوال ہیں جو اس امر کے سمجہہ لینے کے بعد خود بخود ہی حل ہو جاتے ہین کہ بلا توسط فیض کیوں نہیں پہنچتا - اصل یہہ ہے کہ ہر ایک کام کے لئے خاص خاص قوے ہیں - مثلاً آنکھ کا کام دیکہنا ہے وہ سننے کی قوت (کان) کا کام ہرگز نہیں دے سکتے اسی طرح پر ان تمام **حقایق** اور معارف کا محسوس کرنا ایک اندرونی **بصیرت** اور **عرفان** کو چاہتا ہے جب انسان اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو بلاشبہ یہہ سب امور **بداہت** کا رنگ اختیار کر لیتے ہین - باین ہمہ یہہ امور ایسے نہیں ہین جو دلایل عقلیہ سے ثابت نہ ہو سکین بلکہ ہم نے اپنے اپنے مقام پر دلایل سے ثابت کر کے دکہایا ہے اور قرآن کریم نے زبردست دلایل دئے ہیں جو چاہے غور کر کے ان سے فایدہ اُٹہا سکتا ہے -

اب ہم پہر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے پیشتر اس **وہم کا ازالہ** بہی ضروری سمجہتے ہین کہ یہہ بات بظاہر سوء ادب ہے کہ انبیاء اور اولیاء اللہ تعالی کے درمیان افاضہ وحی کے لئے وسایط ہون - گر یہہ نظر غور سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کوئی سوء ادبی نہیں انبیاء علیہم السلام جبکہ اپنے ظاہری جسم اور جسمانی حوایج اور قوی کے لحاظ سے ان وسایط کے محتاج ہیں مثلاً سورج کی روشنی کی انکو بہی ویسے ہی ضرورت ہے جیسے ایک غیر نبی کو - ہوا کے وہ ایسے ہی محتاج ہیں جیسے ایک عام انسان پہر اس بات کے ماننے میں کوئی سوء ادب لازم نہیں آتا کہ انکی روحانیت بہی نفوس نورانیہ کے پرتو کی محتاج ہے - بلکہ اس سے تو انکی صفائی باطن اور تزکیہ نفس کا پتہ ملتا ہے اور اسی لئے یہ بہی مسلم بات ہے

لیکن اگر کسی کو بطور خود مرادیں ملتی جاویں اور خدا تعالیٰ سے دوری اور محجوبی ہو تو وہ تمام مرادیں انجام کار حسرتیں ہیں اور وہ تمام مقاصد جنپر فخر کیا جاتا ہے آخر الامر جائے افسوس اور تاسف ہیں۔

دعا کی قبولیت کا راز

دعا کی قبولیت کا راز تقویٰ ہے اور یہی زبردست شرط ہے جو دعا کی قبولیت کے لوازمات کو اپنے اندر پیدا کرتی ہے چنانچہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے قبول فرماتا ہے۔ اور اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے وَمَا دُعَاءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۔ پھر دوسری شرط قبولیت دعا کے لیے سچا اضطرار ہے جیسے فرمایا اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ یعنی خدا وہ خدا ہے جو بیقراروں کی دعا کو سنتا ہے پھر ضرور ہے کہ دعا کرنے والا جلد بازی نہ کرے۔ کھانے۔ پینے۔ پہننے میں حلال ہی حلال ہو۔

دعا کی قبولیت ہستی باریتعالیٰ کا زبردست ثبوت ہے

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنی ہستی کے دلائل میں سے قبولیت دعا کو بھی زبردست دلیل ٹھیرایا ہے جیساکہ اسی آیت زیر تفسیر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ہستی الٰہی کے ثبوت میں پیش کی گئی ہے کیونکہ فرمایا ہے وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔ یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں کہ خدا کی ہستی پر کیا دلیل ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ میں بہت نزدیک ہوں یعنی کچھ بڑے دلائل کی حاجت نہیں میری ذات نہایت اقرب طریق سے سمجھ میں آسکتی ہے اور نہایت آسانی سے میری ہستی پر دلیل پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارے تو میں اسکی دعا سنتا ہوں اور اپنے الہام سے اسکی کامیابی کی بشارت دیتا ہوں جس سے نہ صرف میری ہستی پر یقین آتا ہے بلکہ میرا قادر ہونا بھی بپایہ یقین پہنچ جاتا ہے لیکن چاہیے کہ یہ لوگ میری باتوں کو قبول کرنے کی استعداد پیدا کریں کہ میں انکی آواز سنوں اور نیز چاہیے کہ مجھپر ایمان لاویں اور قبل اسکے جو ان کو معرفت تامہ ملے اسبات کا اقرار کریں کہ خدا ہے اور تمام طاقتیں اور قدرتیں رکھتا ہے کیونکہ جو شخص اقرار کرتا ہے اسی کو عرفان دیا جاتا ہے۔

دعا کی اصل غرض

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دعا سے اصل مطلب اطمینان۔ تسلی اور حقیقی خوشی کا حاصل کرنا ہے لیکن یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ ہماری حقیقی خوشحالی صرف اسی امر سے میسر آسکتی ہے جسکو ہم بذریعہ دعا چاہتے ہیں بلکہ وہ خدا جانتا ہے کہ ہماری حقیقی خوشحالی کس امر میں ہے وہ کامل دعا کے بعد ہمیں عنایت کر دیتا ہے جو شخص روح کی سچائی سے دعا کرتا ہے وہ ممکن نہیں کہ حقیقی طور پر نامراد رہ سکے بلکہ وہ خوشحالی جو نہ صرف دولت سے مل سکتی ہے اور نہ حکومت سے اور نہ صرف صحت سے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے جس پیرایہ میں وہ چاہے عنایت کر سکتا ہے ہاں وہ کامل دعاؤں سے عنایت کی جاتی ہے۔

اب خلاصہ پر چند امور ہم اور بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اوّل۔ دعاؤں کی قبولیت کا ایمان ہر ایک انسان کی ... فطرت میں موجود ہے سعید وہیں یہ ایمان زندہ رہتا اور ہر ایک چھوٹی بڑی ضرورت کے وقت انکو کامل یقین کے ساتھ خدا کیطرف جھکاتا ہے ..... اور سعید مومن کی یہ ایک بڑی پہچان ہے کہ وہ ہر حال میں خدا کی نصرت مغفرت اور رحمت کا طالب بنا رہے جس قدر انسان دنیا پرست غافل اور جناب الٰہی سے دور ہوتا جاتا ہے اسی قدر یہ ایمان ضعیف اور بیجان ہوتا جاتا ہے یہانتک کہ پرلے درجہ کے بدبخت لوگوں میں یہ انتہا درجہ کے دکھ اور مصیبت کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے

دوم دعاؤں کی قبولیت معرفت کیساتھ ترقی پکڑتی اور ایمانی اصول یقینی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

سوم صفات باری تعالیٰ میں سے اجابت دعا ایک ایسی صفت ہے جو غفور رحیم اور مغفرت کا مظہر بنتی اور اولیاء کرام کی زندگی میں عجیب در عجیب کرشمہ دکھلاتی ہے۔

چہارم جو لوگ دعائیں نہیں مانگتے وہ سخت غافل بیدین اور بدکار ہو جاتے ہیں اور ان تعلقات باطنی سے محروم رہ جاتے ہیں جو مومن بندہ کے لئے رفع لی اللہ اور راز و نیاز بقا کا موجب ہوتے ہیں

پنجم کسی کی دعاؤں کا قبول نہ ہونا اسبات کی دلیل ہے کہ وہ مشرک ہے یا غفلت اور بیراہی کی وجہ سے جناب الٰہی میں اسکو قبولیت

وہ خود ظاہر نہ کرے پھر وراء الوراء ہستی کی راہوں کو کیونکر معلوم کر سکتا ہے۔

وحی الہی کی ضرورت پر قرآن کریم کے ایک مقام پر یعنے سورۃ والنجم کے ابتداء میں ایک لطیف دلیل بیان فرمائی ہے۔ والنجم اذا ھوی میں نفس نبوت اور مصلح کی ضرورت کو والنجم کے لفظ سے بیان فرمایا ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ عرب ایک ایسا جزیرہ نما تھا جسمیں عموماً پانی کی قلت تھی اور اس کے ملک حجاز میں بخصوص سڑکون اور میلون کے نشانات اس کے راہون میں ہرگز نہ تھے اس لئے عرب لوگ عموماً رات کو سفر کیا کرتے تھے اور ثریا نام النجم سے سمت کو قایم کر لیتے تھے جس طرح آج جہازی مسافر قطب نما سے سمت کو قایم کر لیتے ہین۔ اندھیری راتوں میں وہ النجم گویا بدرقہ کا کام دیتا تھا قرآن کریم نے جہان النجم کے فایدے بیان کئے ہین۔ وہان یہ بھی فرمایا ہے وبالنجم ھم یھتدون اور النجم سے وہ راہ پاتے ہیں اور یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ اگر النجم سمت الراس پر واقع ہو تو اس سے مسافرون کو پتہ نہیں لگ سکتا۔ النجم کا مشرق یا مغرب میں ہونا سفر والون کے لئے ضروری ہے عربی زبان میں ھوٰی چڑھنے اور ڈھلنے دونوں کے معنی دیتا ہے پس اس طرح پر اس آیت والنجم اذا ھوی کے معنے تو یہ ہوئے کہ النجم (ثریا) کو دیکھو جب کہ وہ مشرق یا مغرب کی طرف ہو باری تعالی رات کے اندھیرون میں جنگلون اور راستون کے چلنے والوں کو فرماتا ہے لوگو! تمہارے لئے تمکو منزل مقصود تک جانے کیواسطے اور جسمانی سمتوں کے سمجھنے کی خاطر ہمنے النجم کو تمہارے کام میں لگایا تو کیا جسمانی ضرورتوں سے بڑھکر تمہاری ضرورۃ کے واسطے اور روحانی منزل مقصود تک پہنچ جانے کیلئے کوئی ایسا مصلح اور کوئی ایسا ریفارمر سلیم الفطرۃ سچا ملہم نہ ہوگا جو تمکو تمہارے روحانی اندھیروں اور اندرونی ظلمتون کے وقت راہ نمائی کرے قانی اور چند روزہ تکلیف جسمانی راہوں کے نہ سمجھنے میں جب تمہارے گرد و پیش کے نشانات تم کو رہ نمائی نہیں کرتے ہیں تو ہمارے روشن اور بلند ستارون سے ضرور تمہاری دستگیری کی جاتی ہے۔ پھر جب تمہاری فطری قوٰے اور تمہاری روحانی اور ایمانی طاقتون پر تمہاری جہالتون تمہاری نادانیوں اور تمہاری بد رسومات اور عادات اور حرص و ہوا بیجا خود پسندی اور ناجایز آزادی کی اندھیری رات آجاتی ہے اور اسوقت تم ابدی نجات کی منزل تک پہونچنے سے حیران و سرگردان ہوجاؤ تو کیا ہماری رحمت خاص اور فضل عام سے کوئی روشنی بخش اور رہنما ستارہ نہ ہوگا؟ ہوگا اور ضرور ہوگا۔

ب **ملایکہ کا نزول** جبکہ یہ ثابت ہوگیا کہ وحی الہی کی ضرورت ہے اور بدون اس کے انسان سعادت تامہ کی راہ جو خدا تعالے کی رضامندی کی راہ ہے حاصل نہیں کر سکتا تو اب اس امر کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ملایکہ کا نزول کیونکر ہوتا ہے اگرچہ کلام الہی کے نزول کی متعدد صورتیں ہیں مگر ہم یہان صرف ملایکہ کے ذریعہ جو وحی پہونچائی جاتی ہے اسکا تذکرہ کرینگے ملایکہ کے وجود پر ہم سیر کن بحث کر آئے ہیں اور اب اسپر کسی مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے ہان اب یہ بتلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نزول ملایکہ کی کیا حقیقت ہے؟ _

پہلا امر بضرور ول یاد رکھنا چاہئے کہ ملایکہ اپنے اصلی وجود کے ساتھ اپنے اصلی مقامات سے جو اللہ تعالی نے انکے لئے مقرر کئے ہیں آگے پیچھے نہیں ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالی ایک مقام پر فرماتا ہے ومامنا الا لہ مقام معلوم وانا لنحن الصافون (سورۃ صافات، الجزو ۲۳)

اور نہ ان کی حالت موجودہ اس امر کی متحمل ہو سکتی ہے کہ وہ عام انسانون کی طرح اپنے شخصی وجود کے ساتھ ہی زمین پر اترا کرتے تو وہ اپنی خدمات مفوضہ کو بسر انجام نہ دے سکتے۔ مثلاً فرشتہ ملک الموت ہی ہے اگر اوس کو اپنی جگہ چھوڑکر ایک آدمی کی جان لینے کے واسطے آنا پڑتا تو ایک طرفۃ العین مین جو مختلف جہات اور مختلف مقامات پر انسان مرتے ہیں وہ مر سکتے۔ کیونکہ ایک ہی وقت مین وہ ایک ہی کی جان لے سکتا۔ پس جیسے آفتاب اپنے مقام پر ہے اور اس کی روشنی اور گرمی زمین پر پہیل کر اپنے خواص کے موافق زمین کی ہر ایک چیز کو فایدہ پہونچا رہی ہے اسی طرح

رکوع ۲۳

اب صحابہ علی العموم مہینوں کے فضائل اور برکات کا سوال کرتے ہیں اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کے دینی دنیوی امور اور حج کے اوقات بتلاتے ہیں۔ عرب کی ایک قدیم رسم جاہلیت کا استیصال کیا جاتا اور تعلیم دی جاتی ہے کہ گھر کے پچھلی طرف سے احرام باندھ کر داخل ہونا نیکی نہیں اصل نیکی تقوی اللہ ہے متقی مظفر و منصور ہوتا ہے۔ دفاعی مقابلہ کا حکم دیا جاتا ہے مگر اعتداء سے روکا جاتا ہے۔ اسلامی جنگوں کی فلسفی بتائی جاتی اور جزاء بالمثل کے اصول کی تعلیم کی جاتی ہے۔ مسجد الحرام کے احترام کی وجہ سے اسکے متصل جنگ سے روکا جاتا ہے لیکن اگر دشمن وہاں بھی حملہ کرے تو پھر اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اور یہ مقابلہ بطور پاداش ہے باایں ہمہ عفو تقصیرات کیطرف بھی توجہ دلائی جاتی ہے۔ اسطرح پر دفاعی جنگ کا ایک مرتب قانون پیش کیا جاتا ہے اور اسمیں بھی تقوی ہی کی تعلیم ملحوظ خاطر ہے۔ اللہ تعالے کی راہ میں خرچ کرنیکی ہدایت کی جاتی اور حفظ ماتقدم کا اصول بتایا جاتا ہر ایک قسم کی خودکشی اور ہلاکت سے روکا جاتا اور احتیاط کی تعلیم دیجاتی ہے احسان کی تاکید کی جاتی حج اور عمرہ کی ہدایت میں تکلیف مالا یطاق کو دور کیا جاتا اور پھر آخر اصل غرض تقوی ہی کی طرف رہبری کی جاتی ہے۔

عام مطالب اس رکوع میں عظیم الشان مطالب میں سے چند یہ ہیں۔

اول جاہلیت کی اس بیہودہ رسم کی اصلاح کا ذکر ہے جو عرب میں رائج تھی کہ احرام باندھنے کے بعد جو گھر میں انکی ضرورت پڑتی تو گھر کے دروازہ سے نہ آتے بلکہ پچھواڑہ سے آتے اور اسکو نیکی سمجھتے اس رسم کی اصلاح کر کے حقیقی نیکی بتائی۔

دوم مسئلہ جہاد کی فلاسفی اور حقیقت بتائی ہے۔

سوم حفظ ماتقدم کا اصول سمجھایا۔

عظیم الشان مطالب یہ ہیں جو بطور اصول کے سمجھنے چاہئیے

پچھلے رکوع میں ہم بتا آئے ہیں کہ جب صحابہ نے رمضان کے فضائل سنے تو بالطبع انھوں نے خواہش کی کہ تمام مہینوں کے فضائل بھی سننے چاہیئے چنانچہ اسی کی طرف اللہ تعالے ارشاد کر کے فرماتا ہے۔

> یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ وَ لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَ اْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

ترجمہ تجھ سے ہلالوں (مہینوں) کی بابت سوال کرتے ہیں کہدو کہ لوگوں کے فائدہ کے لیے یہ وقت مقرر فرمائے ہیں۔ اور اسلیے بھی کہ حج کریں۔ اور یہ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں انکی پشت کیطرف سے آؤ بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ تعالے سے ڈرتا ہے۔ اور گھروں میں دروازوں کی راہ سے آیا کرو۔ اور تقوی اختیار کرو۔ تاکہ تم مظفر و منصور ہو جاؤ۔

یہ رکوع رمضان شریف کی تاکیدوں اور اسکے احکام اور فضائل اور فوائد کے بیان کے بعد نازل فرمایا گیا ہے اس رکوع کا مضمون

پس یاد رکھو

من کان عدوّا للہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکٰل

فان اللہ عدو للکفرین ۝ ولقد انزلنا

الیک اٰیات بیّنات وما یکفر بھا الا الفسقون

جو شخص اللہ کا دشمن ہوا اور اسکے فرشتوں کا جو امر الٰہی کے پہنچانے کا ذریعہ ہیں اس کے رسولوں کا جن پر فرشتے کلام الٰہی لیکر اترتے ہیں جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہوا۔ تو بیشک اللہ بھی ایسے منکروں کا دشمن ہے۔ اور بیشک ہم ہی نے تو خود تم پر نازل کی ہیں ایسی کھلی کھلی آیتیں (جو فاسقوں اور بدکاروں کو کاٹ دینے والی ہیں) ایسی روشن بیانی سے فاسقوں کے سوا کون منکر ہو سکتا ہے؟

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ یا اسکے رسولوں یا ملایکہ کے دشمن کبھی فایز المرام نہیں ہو سکتے۔ اس لئے تیری رسالت کی تصدیق پر تیرے دشمنوں کے خائب و خاسر ہو جانے کی پیشگوئیاں اور انکا وقوع دلایل ہیں۔

آیت کے معنی اُن نشانات کے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں ظاہر ہوئے اور نیز وہ صداقتیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمائیں پھر فاسقوں کی شناخت بتائی کہ۔

او کلما عٰھدوا عھدا نبذہ فریق منھم بل اکثرھم لا یؤمنون ۝

ان فاسقوں نے جب کبھی کوئی معاہدہ کیا تو کوئی نہ کوئی فریق اس معاہدہ کو توڑ کر ہی رہا۔ بلکہ ان میں کے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ مومن ہی نہیں۔

ولمّا جاءھم رسول من عند اللہ مصدق لما معھم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتٰب کتٰب اللہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون

اس وقت ہی انہوں نے کچھ تکذیب نہیں کی۔ انکی تو ہمیشہ سے عادت جاری ہی ہے کہ جب کبھی ان کے پاس خدا کی طرف سے رسول آیا (جسکی سچائی کی یہی دلیل کافی تھی کہ) وہ ان کی باتوں کا مصدق تھا جو ان کے پاس تھین تو انہی کتاب والوں میں سے ایک فریق نے اٹھ کر کتاب اللہ کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا اور یوں منہ پھیر بیٹھے کہ گویا وہ کتاب کو جانتے ہی نہیں۔

یہاں ہمکو ایک ضروری امر بیان کر دینے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ جب رسول کے آنے کا ذکر فرمایا تو یہہ فرمایا **مصدق لما معھم**۔ مصدق کے معنی مفصل طور پر ہم پہلے بیان کر آئے ہیں مگر یہہ بتا دینا ہی مناسب ہے کہ مصدق لما معھم وغیرہ الفاظ جو آتے ہیں ان سے یہہ مراد ہے کہ سچے نبی کی شناخت کا ایک یہہ بھی ذریعہ ہے کہ وہ ان پاک تعلیمات کی جو پہلے سے موجود ہوتی ہیں۔ انکی تصدیق کرتا ہے۔ یہود میں ایک نقص آگیا تھا کہ چونکہ انسان جس قدر انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے دور ہوتا جاتا ہے اسی قدر خدا سے دور ہوتا جاتا ہے اور چونکہ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے انسان نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ اسلئے وہ اور مشاغل میں مصروف ہو کر اور بھی خدا سے دور ہو گئے یہاں تک کہ کتاب اللہ کو بھی (جسکو لکھنے پڑھنے کی اونکو بہت تاکید کیگئی تھی) پس پشت ڈال بیٹھے۔ اب اللہ تعالیٰ اون اسباب کو بیان فرماتا ہے جو اون کے کتاب اللہ کے چھوڑ دینے کا موجب ہوئے تھے اس رکوع کی ابتدائی تفسیر میں اس پر بہت بڑی بحث کر دی ہے اس لئے اب صرف ترجمہ اور ضروری امور

عام عرب یہود اور نصاریٰ میں دن رات کے روزہ رکھنے کا رواج تھا ۔ اسطرح پر مسلمانوں نے بھی روزہ کے متعلق ایسا ہی خیال کیا ۔ کہ ایک دفعہ کھانے کے بعد پھر تمام رات دن روزہ سے رہے مگر یہ تکلیف مالایطاق تھی اس لیے بعض مجبوراً رات کو کھا پی لیتے اور بیویوں سے مباشرت کر لیتے مگر اوروں سے اس عمل کو مخفی رکھتے تھے اسی کی طرف اشارہ ہے تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ

اصل یہ ہے کہ اسلام نے جسطرح پر توریت اور انجیل کی بہت تعلیموں کو مرکز اعتدال پر قائم کیا اسیطرح پر روزہ کی تعلیم کو اصل مرکز پر قائم کیا ۔ اور یہ حکم دیا کہ صبح صادق تک کھاؤ پیو ۔ اور اپنی عورتوں سے مباشرت کرو ۔

| رفث | رفث سے مراد وہ باتیں ہیں جو قوائے شہوانیہ کے متعلق ہوں |

| هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ | عورتوں سے نکاح کرتے وقت لوگوں کو کئی قسم کے خیال ہوتے ہیں بعض خوبصورتی کی نگاہ سے کرتے ہیں بعض مال کی خاطر بعض جاہ کے لیے بعض حسب و نسب کی رعایت سے مگر اللہ تعالیٰ نکاح کی اصل غرض اور غایت تقویٰ فرماتا ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ اسی لیے فرمایا |

ہے یعنی تم عورتوں سے اس لیے نکاح کرو کہ تمکو عیوب سے حفاظت ملے اور عورتیں لباس بنجاویں یعنی تمام برائیاں انکے ذریعہ ڈھانپی جاویں اور چھپ جاویں

الغرض

روزہ کی اصل غرض تقویٰ تھا اور جبکہ روزہ میں جائز اشیاء سے انسان ایک وقت مقرر تک اپنے آپکو روکتا ہے تو پھر گناہ کر کے ناجائز طور پر کیوں اس سے فائدہ اٹھائے گا ۔ اور سب سے بڑھ کر انسان کو فریفتہ کرنیوالی اور گناہ کی طرف لیجانے والی چیز مال ہے اسلیے اسکے متعلق ارشاد ہوا

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ ۔ اور آپس میں اپنے مال ناحق نہ کھاؤ ۔ اور نہ اس نیت سے حکام کی طرف لیجاؤ ۔ تاکہ ایک گروہ جان بوجھکر لوگوں کے مال میں سے کچھ ہضم کر جاوے ۔

| تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ | تدلوا دلاء سے مشتق ہے ۔ ... مطلب یہ ہے کہ ... ڈول کی طرح اپنے مال کو حکام سے بذریعہ رشوت وغیرہ تعلق پیدا کرنا ... سے فائدہ اٹھانا ۔ |

بالباطل مال کھانے کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً چوری ۔ قمار بازی ۔ ... سود ۔ رشوت ۔ دغابازی ۔ خیانت ۔ غصب وغیرہ یا ناجائز پیشوں سے پیدا کیا ... غرض ہر ایک مال جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف اور بنی نوع انسان کے حقوق کی حفاظت اور نگہداشت یا عدل و انصاف کے خلاف ہو وہ باطل مال کھانے کے اندر آتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے ۔

اب صحابہ نے جبکہ ایک مہینہ کے فضائل سنے اور اسکی ترقیوں کو معلوم

کیا تو انکے دل میں باقی مہینوں کے حالات معلوم کرنیکا

شوق پیدا ہوا ۔ اس شوق پر انھوں نے جو

سوال کیا اس کا جواب اللہ تعالیٰ

اگلے رکوع میں دیتا ہے



کہ ملایکہ اپنی نورانیت کا انتشار عام طور پر کرتے ہین لیکن اپنے قوی قابلہ اور فطرت سلیمہ اور سینہ صافیہ کے موافق ہرایک ان سے حصہ لیتاہے۔ بنی کی استعداد بہت صافی اور کامل ہوتی ہے اس لئے سب سے زیادہ اس سے مستفیض ہونے والا وہی ہوتاہے۔

الغرض

ملایکہ انسان اور اللہ تعالی کے درمیان وسایط ہیں اور ان کے سپرد کئی قسم کی خدمات ہیں ان میں سے جبرئیل جو ایک عظیم الشان فرشتہ ہے وہ ایسے شخص پر نازل ہوتاہے جو وحی الہی سے مشرف کیاگیا ہو۔ نزول کی اصل کیفیت وہی ہے جو ہمنے اوپر بیان کردی ہے کہ وہ اثراندازی کے طور پر ہے نہ واقعی طور پر۔ یہ بھی یادرکھنا چاہئے کہ یہہ اثراندازی دوسری اثراندازی ہے جو اس کے وجود کی طیاری کے بعد اسکی مخفی استعدادوں کو اپنے کمالات ممکنہ تک پہنچانے کے لئے کام کرتی ہے اور یہہ تاثیر جب نبی اور ولی کامل کے متعلق ہو تو **وحی** کہلاتی ہے۔ دراصل نزول وحی کی کیفیت یہہ پہلی تاثیر کا لازمی نتیجہ ہوتاہے جو خدا تعالی کے فرشتہ نے رحم مین ہونے کی حالت مین کی ہوتی ہے اور اس تاثیر کی کشش سے جب انسان اس درجہ پر پہنچ جاتاہے کہ ایک نفس اپنے نور ایمان اور نور محبت کے کمال سے مبدء فیوض کے ساتھہ دوستانہ تعلق پکڑ لیتاہے اور خدا تعالی کی زندگی بخش محبت اسکی محبت پر پرتو انداز ہوتی ہے تو پھر یہہ فرشتہ اپنا نورانی اثر اسپر ڈالتاہی مگر یہہ نہیں کہ اپنی طرف سے بلکہ وہ درمیانی خادم ہونے کی وجہ سے اس نالی کی طرح جو ایک طرف سے پانی کو کہینچتی ہے اور دوسری طرف اس پانی کو پہنچا دیتی ہے اللہ تعالی کا نور فیض اپنے اندر کہینچ لیتاہے پھر عین اوس وقت جبکہ انسان بوجہ تنزان محبتین روح القدس کی نالی کے قریب اپنے تئین رکہہ دیتاہے مگا اس نالی میں سے **فیض وحی** اسکے اندر گرجاتاہے یا یون کہو کہ اس وقت جبرئیل اپنا نورانی سایہ اوس **مستعد دل پر ڈالکر ایک عکسی تصویر اپنی اسکے اندر رکہہ دیتا ہے تب اس فرشتہ کا جو آسمان پر مستقر ہے جبرئیل نام ہے اس عکسی تصویر کا نام بھی جبرئیل ہے۔** اب یہہ کیسا صاف اور واضح امر ہے اس صورت میں یہہ نہیں کہ فرشتہ انسان کے اندر گہس آتاہے بلکہ اس کا عکس انسان کے آئینہ قلب میں نمودار ہوجاتاہے جیسے انسان ایک شیشہ مین اپنی صورت دیکہتاہے تو دوسرا اور چہرہ کٹ کر اس کے اندر نہین رکہہ دیاجاتا پس وحی کے نزول کی کیفیت سمجھنے کے لئے یہہ شیشہ کی مثال بہت صاف ہی۔

ہمارے

خیال میں مندرجہ بالا بیان اس آیت کی کیفیت اور حقیقت سمجہہ لینے کے واسطے کافی ہے اور اب کوئی زاید امر اسکے متعلق قابل بیان نہین رہا۔ سرسید احمد خان نے جو وحی کی حقیقت بیان کی ہے کہ وہ دل سے نکل کر دل ہی پر پڑتی ہے اور فی الخارج وہ کوئی چیز نہین ہے صاف طور پر غلط ثابت ہوگئی ہے اور ملکہ نبوت کا نام ہی جبرئیل قرار دینا صحیح نہیں ہے

کیونکہ نزول ہی کا لفظ صاف طور پر بتارہاہے کہ جبرئیل
محض ملکہ نبوت کا نام نہین ہوسکتا بلکہ وہ بجائے
خود ایک جدا وجود ہے اور اسکی حقیقت وہی
ہے جوکسیقدر ہمنے اوپر بیان کردی ہی
دانشمند سلیم الفطرت کیلئے اگر غور
کرے تو یہہ بیان بخوبی
سمجھ مین آسکتاہے اب ہم سمجھتے ہین کہ اس آیت کے متعلق
ضروری امور بیان ہوچکے

متقی بنجاؤ - یہ تقوی تمھاری کامیابی اور فتح و ظفر کا باعث ہو جاوے گا۔
مشکلات اور مصائب ہر قسم کی تنگیوں دشمنوں کی زدوں اور حملوں سے نجات پانے کی ایک ہی راہ ہے جس کا نام تقوی اللہ ہے تقوی اللہ کے مدارج اور مراتب بہت ہیں جو قرآن شریف میں بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالے متقی کو فیصلہ کی راہیں خود ہی بتا دیتا ہے ہزاروں ہزار طریقے ہیں جنسے سمجھا دیتا ہے۔ وجدان فطرت علمی دلائل۔ الہام۔ گویا غرض جسطرح چاہتا ہے سمجھا دیتا ہے۔ تقوی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ متقی بامراد ہوتا ہے مظفر و منصور ہوتا ہے۔
اس لیے
باربار تقوی کی تعلیم دیکر کامیابی کا اصل گر بتا کر اب حکم دیتا ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَأَحْسِنُوا ۛ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

ترجمہ اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو کیونکہ اللہ تعالے زیادتی کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور انہیں قتل کرو جہاں تم انکو پاؤ اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے تم بھی انکو نکالدو۔ اور دین سے پھرانا وہاں انکی راہ میں روکنا قتل کی نسبت سخت تر ہے اور مسجد حرام کے قریب نہ لڑو۔ جبتک تم سے وہ وہاں پر لڑائی نہ کریں۔ پس اگر وہ تمسے وہاں جنگ کریں۔ تو انہیں قتل کرو۔ یہی کافروں کی جزا ہے۔
پس اگر وہ باز رہیں پس تحقیق اللہ غفور اور رحیم ہے
اور ان سے مقابلہ کرو یہانتک کہ فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جاوے پس اگر وہ باز رہیں تو ظالموں کے سوا کسی پر سختی نہیں۔ حرمت کا مہینہ حرمت کے مہینے کے مقابلہ میں ہے اور ادب والی چیزوں میں اوسے کا بدلہ۔ پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو جس قسم کی زیادتی اس نے کی ہے ویسی ہی تم بھی کرو اور تقوی اختیار کرو۔ اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں مت پڑو۔ اور احسان کرو کیونکہ اللہ تعالے محسنوں سے محبت کرتا ہے۔

مسئلہ جہاد قرآن کریم کا ایک اہم مسئلہ ہے جسپر ہمارے مخالف لوگوں نے اپنی جگہ اور اپنے خیال میں خطرناک اعتراض کیے ہیں لیکن ہمکو افسوس سے ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ اعتراض کرنے والوں نے ہرگز ہرگز قرآن شریف میں تدبر نہیں کیا ورنہ کبھی ممکن نہ تھا کہ وہ اعتراض کرتے۔

یہ مسئلہ اپنی مختلف شاخوں اور صورتوں کی وجہ سے بہت بڑی تفصیل چاہتا ہے اور اسکے لیے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے

کام کی ہیں نہ دنیا کی - اوراب تک بہی اس درجہ کو پہنچکر پیچہا نہین چہوڑتی - پنجاب کی تعلیمی کمیٹی نے اسکی اخراج کی تدبیر کی تہی - مگر مسلمانون نے پہر شور مچا کر بدقسمتی سے اس کے اجرا کی راہ نکال لی - آہ ! یہ نہین سمجہتے کہ زبان اپنے خیالات ومتقدآت کو کیسے ساتہہ لاتی ہے -

تیسرا زمانہ اب آیا ہے کہ گورنمنٹ انگلشیہ کے عہد میں سب قوموں نے آرام اور چین پایا ہے طوایف الملوکی رہی نہیں اور اس امن و آرام کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف قسم کے فیشن اور طرح طرح کی آرایش اور توجہ کو منعطف کرنے والے سامان اور تفریح کے اسباب اور مشغلی پیدا ہوتے جاتے ہیں کہ الامان !

منجملہ ان کے **ناولون** اور **کہانیون** کا سلسلہ اس قدر وسیع ہوا ہے کہ اسکی کوئی حد ہی نہین یہان تک کہ لندن مین ہر ہفتہ مین ۷۰ جدید ناول شایع ہوتے ہیں اور اسی طرح پر یہان ہند میں کثرت ہو رہی ہے جہان دیکہو ناولون کا اشتہار اخبارات کو دیکہو تو اوسمین **داستانون** اور **سٹوریون** کا سلسلہ ضرور مذاق اور لطیفوں کے کالم نہ ہون تو اخبار پہیکا ہو اور ترقی نہ کر سکے غرض کہ تفریح طبع کیلئے بہت کچہہ ایجاد ہو گیا ہے اور طبایع پر ان دلفریب باتون نے ایسا اثر کیا ہے جو کسی زمانہ مین سحر بابل نے کیا تہا اور قرآن سے اس قدر بے اعتنائی ہوئی کہ آخر کہنا پڑتا ہے -

یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا

| مسیح موعود کے وجود پر ضمنی استدلال | مگران آیتون سے پہلی آیت ولما جاء ہم رسول من عند اللہ پر غور کرنے سے تسلی اور اطمینان ملتا ہے کہ جب ملک اور قوم کی ایسی حالت ہو جاوے کہ وہ کتاب اللہ کو پس پشت ڈالدے تو اے دانشمندو ! ڈہونڈو کہ کوئی **رسول تم میں سے ہے** ؟ اور اے سعید الفطرت لوگو ! **اٹھو اکہ اللہ کیطرف سے کوئی بیدار کرنیوالا ضرور آیا ہی**

پس

اب جبکہ یہہ حالت ہے تو اے قوم کے سر برآوردہ لوگو ! تم خواب غفلت میں کیون سوتے ہو آنے والے کا خیر مقدم کرو جو وعدۂ الٰہی کے موافق اس شب تار میں **چودہوین کا چاند** ہو کر آیا ہے سنو ! سنو !! وہ کیا کہتا ہے

درین ہنگام پر آتش بجوانجوش چسان خسپیم — زمان فریاد میدارد کہ بشتا بید بر نصرت را
شب تاریک بیم موج و قوم ما چنین غافل — کجا زین غم روم یارب نما خود دست قدرت را

| لطیفہ | ایک **امرتسری ملاں** اپنی تحریر مین اس رکوع کی تفسیر کرتے ہوئے لکہتا ہے کہ "راقم کہتا ہے کہ یہی حال آج کل کے مسلمانون کا ہے عقاید بد ان کے وہ خرابیان ہین کہ پناہ خدا کوئی کہتا ہے کہ پیر صاحب نے بارہ برس کے بعد ڈوبے ہوئے بیڑون کو مریدون کی خاطر نکالا کوئی کہتا ہے پیر صاحب نے ایک مرید کے زندہ کرنے کو کئی ہزار روحیں عزرائیل سے چہڑا دین کوئی کہتا ہے مجلس مولود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود تشریف لاتے ہیں غرض عجیب عجیب قسم کے خرافات اپنے ذہنوں مین ڈال رکہے ہین . . . . یہ سب مہربانیان ہمارے مہربان سر سید احمد خان صاحب بالقابہ کی ہیں جنکی کوشش اور ہمدردی قومی سے قوم قوم تو ہوئی مگر اسلام سے خالی ہائی ایجوکیشن (اعلیٰ تعلیم) کا شور تو چہار دانگ عالم میں مچا یا مگر طریق تحصیل سے غافل رہا سے کبہی سید صاحب نے اپنے عملی طریق سے اس امر کا ثبوت بہی دیا ہو کہ مسلمانوں کو فہم قرآنی بہی ضروریات سے ہے الی اللہ المشتکی الیہ المآب والرجعی افسوس صد افسوس ہنوز بدقسمتی - سے یہ سب کچہہ دیکہنا تہا"

کیون حضرت ملاں صاحب.

پیر صاحب کا بارہ سالہ غرقاب کشتی کا نکالنا تو شرک سہی مگر آپ یہ تو بتلائیں کہ کیا اس زمانہ فاسد مین مسلمانون خصوصًا دعوے

اور مطلب رمضان کے بعد ہی سے بلا فصل شروع ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رمضان کے فضائل اور فوائد سنے اور معلوم کیا کہ اس سے سطرح پر تقویٰ حاصل ہوتا ہے تو ان کے دلوں میں ایک جوش پیدا ہوا کہ کل مہینوں کے فضائل اور حقائق سے بھی واقف ہوں یسئلونک عن الاھلۃ میں اسی کیطرف اشارہ ہے اس کا جواب یہ ملا ہے کہ

قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ

کہدو کہ لوگوں کے فائدہ کے لیے یہ وقت مقرر فرمائے ہیں اور اسلیے بھی کہ حج کرو۔ یعنی بعض چاند میں حج بھی ہوتا ہے۔

رفع وہم بعض نادانوں نے سوال کیا ہے کہ سوال تو اھلہ کی بابت کیا گیا تھا یہ جواب کیا دیا گیا۔ یاد رہے کہ سوال کی نوعیت یہی ہے کہ صحابہ نے دوسرے مہینوں کے متعلق پوچھا کہ ان میں کیا کریں۔ تو اس کا جواب یہ بالکل صحیح ہے کہ مہینوں کا تعین اس لیے ہے کہ تمھارے دینی اور دنیوی کاموں میں سہولت واقع ہو۔

اھلہ جمع ہے ہلال کی پہلی اور دوسری رات کے چاند کو تیسری تک بھی ہلال کہتے ہیں بلکہ سات رات تک ہلال کہلاتا ہے اس کے بعد قمر کہلاتا ہے چونکہ حج کا ذکر بھی آیا تھا اس لیے حج کے تعلق کی وجہ سے اس بیہودہ رسم کا استیصال بھی ساتھ ہی فرمایا جو عرب میں رائج تھی کہ حج کا احرام باندھنے کے بعد اگر کسی شخص کو گھر آنیکی ضرورت ہوتی تو وہ گھر کے دروازہ سے نہیں آتے تھے بلکہ

اتیان ظہور پیچھے سے نقب لگا کر یا زینہ سے چڑھ کر آتے تھے اور اسکو بڑی نیکی سمجھتے تھے اسلیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کی پاک وحی کے موافق انکو سکھایا کہ یہ نیکی نہیں حقیقی نیکی تو تقوی اللہ ہے

غرض

صحابہ کا یہ سوال محض اسی وجہ سے تھا کہ رمضان کے فضائل اور فوائد سنکر دوسرے مہینوں کے فضائل سننے کا ایک جوش ان میں پیدا ہوا تھا۔

اللہ تعالےٰ نے ان مہینوں کو مواقیت للناس بنایا ہے یعنی نفع اٹھانے کے اوقات ہیں وہ انسان جس کو فرصت صحت بھی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا علم بھی عطا ہوا ہو یا کوئی درد دل سے سنانے والا ملا ہو اگر منافع اٹھانے کی سعی نہیں کرتا تو اس سے بڑھ کر کون بدقسمت ہوگا۔

حج حج کے متعلق ہم پہلے کافی بحث کر آئے ہیں یہاں اسقدر ذکر کافی ہے کہ حج اللہ تعالیٰ کے سنن میں سے ہے۔ یاد رکھو وہ جگہ جہاں کثرت سے بدکاریاں ہوتی ہوں وہ غضب الٰہی کا مورد ہوتی ہے اور جہاں عظمت اور ذکر الٰہی ہو وہاں فیضان الٰہی کثرت سے نازل ہوتا ہے۔ اور بیت اللہ میں رات دن اللہ تعالےٰ کی عظمت وجبروت کے اوراد پڑھے جلتے ہیں۔ کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اسکی صفات کا زندہ اور بین ثبوت موجود ہے۔ بس یہ وہ مقام ہے جہاں لاکھوں کروڑوں انسان اللہ کی یاد کے لیے حاضر ہوتے ہیں اللہ تعالےٰ کی تحمید کے لیے مال وجان کو خطرات میں ڈالتے ہیں اہل وعیال اور رفقاء کو چھوڑتے ہیں وہاں خدا تعالےٰ کا فیضان سب سے زیادہ کیوں نازل نہو اس لیے ایسی جگہ کا سفر بہت سے مفید اور پاک اثر انسان کی حالت پر پیدا کرتا ہے۔

اور

ہر ایک چیز کے لیے خدا تعالےٰ نے ایک راہ رکھی ہوئی ہے اسی راہ پر چلکر وہ اصل مقصد حاصل ہو سکتا ہے اسیطرح پر نیکیوں کے حاصل کرنے کے لئے بھی ایک ہی راہ ہے کوئی نیکی نیکی نہیں ہو سکتی جبتک اخلاص اور اعتدال اس کے ساتھ نہ ہو۔ اسی لیے یہاں عربوں کی رسم اتیان ظہور کا ذکر کرکے حقیقی نیکی کی ہدایت کی۔ دروازہ سے داخل ہونا کسی کام کا کما حقہ کرنا اور اس کے صحیح طریق پر کرنا ہونا ہے جو کامیابی کا ذریعہ ہے اسلیے بتایا کہ حقیقی نیکی تقوی ہے۔ چونکہ اب وقت پہونچا تھا کہ مسلمان فطری قویٰ میں انتقامی طاقت کو مدنظر رکھکر ان لوگوں کا مقابلہ کریں جو اسلام کے سخت مخالف ہیں اور اسلام کے مسائل سے انکو انکار ہے۔ اس لیے اس سے پہلے کہ دفاعی جنگوں کا حکم دے یہ تاکید کی کہ

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥

کی تشریح پر کفایت کریں۔ گو چنانچہ فرمایا

واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین
کفروا یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت
وما یعلمٰن من احد حتی یقولا انما نحن فتنة فلا تکفر فیتعلمون منھما ما یفرقون
بہ بین المرء وزوجہ وما ھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ ویتعلمون
ما یضرھم ولا ینفعھم ولقد علموا لمن اشترٰہ ما لہ فی الاخرة من خلاق
ولبئس ما شروا بہ انفسھم لو کانوا یعلمون ۰ ولو انھم امنوا واتقوا لمثوبة من
عند اللہ خیر لو کانوا یعلمون +

علم دین اور علم الکتاب کو چھوڑ کر ایسی کتابوں کے پیچھے پڑ گئے جو بدکار اسدہوادر شیاطین) سلیمان کے عہد حکومت میں پڑہتے تھے (اور سلیمان تو ان علوم حقہ سے پھیرنے والی باتوں سے کوئی تعلق اور دخل نہ رکھتے تھے کیونکہ یہ تو کفر تھا) اور سلیمان نے تو کفر نہین کیا بلکہ یہ کفر تو بدکار لوگوں ہی کا تھا جو لوگوں کو دل ربا باتین جو کتاب اللہ سے روکین سکھاتے تھے اور کچھ بھی نہین اتارا گیا بابل میں دو فرشتوں ہاروت ماروت پر (یعنے نہ اس نام کے کوئی دو فرشتے تھے اور نہ ان پر کچھ اتارا گیا) اور نہ وہ کسیکو کچھ سکھاتے تھے (کیونکہ ان پر کچھ اترا ہی نہ تھا) تو کہ کہتے کہ ہم ایک فتنہ ہیں اور تو نہ کفر کر۔ پس سیکھتے ہیں ان دو قسم سحر ان سے ایسی باتین جو عورت اور مرد میں اسکے ذریعہ فرق کرتے ہیں اور یہ کسیکو تکلیف نہیں پہنچا سکتے۔ ضرر تو اسی کو پہنچتا ہے جسکو خدا ضرر پہنچاوے اور شریر لوگ ایسی باتین سیکھتے ہین جو ان کو ضرر پہنچاتی ہین اور نفع نہین دیتی ہیں اور بیشک خود بھی جانتے ہین کہ جو کچھ انہوں نے خریدا ہے اسکا کچھ بھی نتیجہ آخرت میں نہیں ہے (فطرت سلیمہ کی شہادت ہر ایک کو ملزم کرتی ہے بدکار کب چاہتا ہے کہ کوئی اس سے بدکاری کرے یہ نہ چاہنا ہی اس پر حجت ہے) اور برا ہے جو کچھ انہون نے اپنی جانوں کے بدلہ مین خریدا کاش وہ جانتے !!! اگر ایمان لاتے اور متقی بنتے تو ان کے حق میں اچھا ہوتا۔ اللہ تعالی کے نزدیک ثواب ہوتا۔ کاش ان کو اس بات کا علم ہوتا !!!

ان آیات میں جیساکہ ہمنے شرح میں بیان کر دیا ہے کتاب اللہ کے چھوٹ جانے کے اسباب کو بیان کیا ہے اور واقعات صحیحہ کو پیش کرکے اسلام پر آنے والے زمانہ کی پیش گوئی کی ہے۔ ان آیتوں پر بعض مفسرین نے عجیب عجیب ناول لکھیں کی ہیں اور ہاروت وماروت کی داستان اور زہرہ کے آسمان پر جانے کی کہانی کو ایسا رنگین لباس پہنایا ہے کہ انسانی عقل حیران رہ جاتی مگر اعلی طبقہ کے مفسرین نے ان تمام قصص کو خرافات ہی قرار دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ چونکہ اسلام پر ایک ایسا وقت آنے والا تھا کہ **کتاب اللہ** کو چھوڑ دیا جاوے گا اور تمام توجہ اور مصروفیت ان بیہودہ چیزوں کیطرف لگ جاویگی جو خدا سے دوری کا موجب ہوتی ہیں اور شیاطین کا فعل کہلاتی ہیں۔

چنانچہ یہ وبا تین دفعہ آیا ہے۔ اول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب مسلمانوں کی فتوحات کو وسعت ہوئی تو ان میں سادگی کا کم ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ **عباسیون** کے زمانہ میں خصوصا مامون اور ہارون کے زمانہ میں تعلیم القرآن بالکل اٹھ گئی اور اس کی جگہ علوم کے ایک نئے سلسلہ نے لے لی۔ پرانے یونانیون کے عقاید کی کتابین درس میں داخل ہوئیں جو ابتک بھی چلی آتی ہیں۔

دوسرا زمانہ ہندوستان مین مسلمانوں پر ترکوں کے عہد حکومت میں آیا ہے انکا تعلق ہی عربی زبان سے نہ تھا بلکہ جو کچھ تھی فارسی تھی چنانچہ شاہی زبان اور دفتر کی تمام زبان فارسی تھی اسی وجہ سے فارسی لوگوں کے خیالات و معتقدات نے ایک راہ پائی۔ اور فارسی زبان میں وہ بیہودہ اور مغلق و مہمل کتابیں لکھی گئیں جنکا اب بھی وجود موجود ہے حالانکہ وہ دین کے

سابقہ کا سیا بیان حل کی گئی تھیں، بالکل صحیح ہیں یہ لڑائیاں ہوئی تھیں۔ جو شخص اسلام کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا اور اس نے اسلامی جنگوں کے حالات پر نظر کی ہے بشرطیکہ وہ انصاف رکھتا ہو اسے ماننا پڑے گا کہ اسلامی لڑائیاں محض دفاعی تھیں مذہب کو بزور شمشیر پھیلانا ان لڑائیوں کا مقصد اور مطلب نہ تھا۔

چنانچہ خود قرآن شریف میں ان لڑائیوں کی وجہ صاف طور پر لکھی ہے اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ الآیہ یعنی ان لوگوں کو مقابلہ کی اجازت دی گئی ہے جن کے قتل کے لیے مخالفوں نے چڑھائی کی اس لیے اجازت دی گئی کہ ان پر ظلم ہوا اور خدا تعالیٰ مظلوم کی حمایت کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ ان کا گناہ بجز اس کے اور کوئی نہ تھا کہ انھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

اب یہ وہ آیت ہے جس سے اسلامی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ دانشمند غور کرے کہ کیا اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم خواہ نخواہ لڑو اور اس لیے لڑو کہ وہ اسلام قبول کریں۔

یہ ناحق کا ظلم اور انصاف کا خون ہے جو اسلام کو بدنام کرنے کے لیے اسلامی جنگوں پر اعتراض کیا جاتا ہے پھر ان لڑائیوں میں ایسی رعایتیں ملحوظ رکھی جاتی تھیں کہ آج کل کی مہذب دنیا میں بھی ان رعایتوں کی نظیر نہیں مل سکتی۔ معاہدات کا لحاظ رکھا جاتا تھا بحالیکہ آج کہا جاتا ہے عہد نامے توڑنے ہی کے لیے ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جن کے ساتھ مقابلہ ہوا وہ تو پہلے ہی طرح طرح کے جرائم اور خونریزیوں کے سبب سے [illegible] واجب القتل ہو چکے تھے۔ پھر اس میں اسلام کا کیا قصور۔ اسلامی جنگیں صرف امن قائم کرنے اور بتوں کی شان توڑنے کے لیے تھیں۔ اور مخالفوں کے حملے روکنے کے لیے۔

گر ترتیب آیات جہاد پر غور کی جاوے تو مسئلہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ اس طرح چلتا ہے اول کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تابعین کو سخت ایذائیں دیں اور بعض کو سخت تکلیف اور بے رحمیوں سے مار ڈالا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر لیا تو آپ مکہ کو چھوڑ کر دور دراز ملک میں چلے گئے مگر ادل آپ کا تعاقب کیا گیا جب اس میں ناکام رہے تو آپ کے دور دراز مامن پر حملے شروع کیے۔ اور جب پھر بھی مخالف لڑائی کرنے سے باز نہ آئے تو دوسری آیت یہ نازل ہوئی وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ یعنی جو لوگ تم سے لڑتے ہیں ان کا مقابلہ کرو۔ اور پھر بھی حد سے مت بڑھو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور پھر فرمایا وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ یعنی قتل کرو انھیں جہاں پاؤ اور انھیں اس جگہ سے نکالو جہاں سے تمہیں انھوں نے نکالا اور پھر فرمایا وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ یعنی اس حد تک ان کا مقابلہ کرو کہ کوئی بغاوت دور ہو جاوے اور دین کی روکیں اٹھ جاویں اور [illegible] دین اللہ کے لیے ہو جاوے۔

پھر فرمایا وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ تم مسجد الحرام کے قریب ان کا مقابلہ نہ کرو جب تک وہ مسجد حرام میں ہی تمہیں مارنے نہ لگ جائیں۔ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ اور اگر وہ تم سے لڑیں پھر تم بھی لڑو۔ (کیوں)

كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ۔

کیونکہ یہی کافروں کی جزا ہے

غرض جہاں تک ان آیتوں پر غور کرتے جاؤ جو زیر تفسیر ہیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی غرض ان جنگوں سے محض قیام امن اور اپنی ذاتی حفاظت تھی۔

عیسائی اعتراض کرتے وقت یشوع اور موسیٰ کی لڑائیوں پر اور اپنے گھر کے داؤد کے جنگوں پر کبھی غور نہیں کرتے۔ افسوس!!!

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ کے معنے

ترجمہ میں ہم نے دکھایا ہے کہ فتنہ کے معنے ہیں وجہ دکھ دینے اور فساد کرنے کے ہیں بخاری جلد ۳ صفحہ ۹۸ مطبوعہ مصر میں لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ کے معنی تفصیل سے مندرج ہیں۔

وَكَانَ الْاِسْلَامُ قَلِيْلًا فَكَانَ الرَّجُلُ يُفْتَنُ فِيْ دِيْنِهٖ اِمَّا يَقْتُلُوْهُ وَاِمَّا يُعَذِّبُوْهُ حَتّٰى كَثُرَ الْاِسْلَامُ فَلَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ۔

کیاہے جو عیسائی لوگ صرف ان کو ایک بادشاہ قرار دیکر مکالمہ الہیہ سے خبر سمجھتے بلکہ بعض تو کافر کہتے ہیں اور پھر اس بات کی تغلیط کی ہے کہ ہاروت و ماروت کی طرف جو علم منسوب کئے جاتے ہیں یہ بھی محض غلط ہیں۔ آخر میں توحید کی راہ بتائی ہے کہ دنیا میں کوئی وجود کسیکو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ صرف اللہ تعالی ہی کی ذات پاک کے قبضہ و تصرف میں ہے۔ جھوٹا ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ کسیکو نفع پہنچا سکتا ہوں یا نقصان خود یہہ لوگ جو حب یا بغض کے تعویذ ٹوٹکے اور جھاڑے جھنکے کرتے پھرتے ہیں سخت مشکلات میں مبتلا ہوتے ہیں انکی حالت خود ان کے کذب کی دلیل ہے۔

آخر میں تقوے اللہ کی فضیلت اور ایمان باللہ کی ضرورت بتائی ہے کہ یہی ایسی چیزیں ہیں جن سے دار آخرت میں انسان بہرہ ور ہو سکتا ہے۔

سحر سحر سے مراد اس چیز کو کہتے ہیں جو باریک اور لطیف الماخذ ہو پس تمام دل ربا باتیں اسی میں داخل ہیں البتہ اگر وہ برائی کیطرف کھینچے اور وہ نیکی کی باتوں سے ہٹا دے جیسے قصہ کہانی کی کتابیں۔ گندے ناول۔ فسانے مجنون اور پاگل بنانے والے نسخے اور یہ شرک و بدعت بھرے ٹوٹکے سب کے سب سحر مذموم میں داخل ہیں اور ہر ایسی بات جو اللہ تعالی سے دوری کا موجب ہو اس میں شامل ہے البتہ اگر عمدہ باتیں ہوں تو سحر حلال ہے جیسے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان من البیان لسحرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیتیں فری میسن کے راز کے انکشاف پر کسیقدر روشنی ڈالتی ہیں کیونکہ یہی گروہ عورت اور مرد میں تفریق کرتے ہیں عورتوں کو داخل نہیں کرتے اور اسکی طرف پطرس ۲ میں بھی اشارۃً ذکر ہے۔

بہرحال کچھہ بھی ہو واضح طور پر ان اسباب کو بیان کیا گیا ہے۔ جو کتاب اللہ کے چھوٹ جانے کے باعث ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی ہمکو اور ہمارے پڑھنے والوں کو ان سے محفوظ رکھے۔ آمین

لیکن ہم کسی قدر اختصار کے ساتھ اسکو یہاں بیان کرتے ہیں اور ان اعتراضوں پر نظر کرتے ہیں جو اس مسئلہ کے متعلق کیے جاتے ہیں - اس مسئلہ کے بیان کرنے میں ہم مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھیں گے یا یہ کہو کہ اس مضمون کی تقسیم اس طرح پر کرینگے۔

اسلام نے فطری قوی کے موافق تعلیم دی

جو لوگ اسلام کے سخت مخالف ہیں اور اسلام کے مسائل سے انکو انکار ہے اگر وہ حملہ آور ہوں اور اسلام کے استیصال پر کمر باندھیں تو اسلام جو خالق فطرت کا کلام ہے علی العموم لوگوں کو مسیح کی تعلیم پر عملدر آمد کرنے کی اور طاقت سے باہر تکلیف نہیں دیتا ہر ایک منصف اپنے دل میں غور کرے کہ یہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری گال کو سامنے رکھنا جو ایک میل پر بیگار لے جاوے اُسکے ساتھ دو میل چلے جانا عام لوگوں سے دلی محبت کے ساتھ ہو سکتا ہے؟ کبھی نہیں تو پھر ایسا مذہب عالمگیر مذہب اور فطری قوی کا مایحتاج نہیں ہو سکتا - اس واسطے اسلام فطری قوی میں انتقامی طاقتوں کو مدنظر رکھکر اخلاقی شریعت کی تکمیل کرتا ہے - اور یہی غرض جہاد میں تھی جیسے فرمایا۔

(۱) جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ - سورہ شعریٰ ع ۴ ۲۵ بدی کا بدلا اسی قدر ہے اور جو کوئی معاف کرے اور اس معاف کرنے میں اصلاح مقصود ہو تو اُس کا اجر اللہ پر ہے۔

(۲) وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین (نحل - ع ۲۲) اور اگر تم بدلا لو تو اس کے برابر بدلا لو جس قدر ایذا دی گئی ہو - اور اگر تم صبر کرو تو البتہ وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

(۳) وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم - الآیہ

غرض اسلام نے انتقامی قوت کے تقاضے کے موافق فطری قوی کے تقاضوں کو مدنظر رکھکر تعلیم دی ہے اور جہاد اس تعلیم کا نتیجہ ہے

اسلام بالطبع جنگ نہیں چاہتا

اسلام کے معنی ہی صلح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے ہیں کیونکہ یہ لفظ **سلم** سے مشتق ہے جس کے معنے صلح اور آشتی کے ہیں - جبر اور اکراہ سے اسلام اور تصدیق قلبی کا حصول ممکن ہی نہیں ہے قرآن کریم کی دوسری سورۃ (یعنی سورہ بقرہ جس کی تفسیر ہم لکھ رہے ہیں) کو جو مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور جس میں جہاد کا حکم ہوا ہے بغور پڑھو تو معلوم ہوگا کہ اسی میں ہے لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ دین میں زبردستی نہیں حق و باطل واضح ہو گیا ہے۔

اسلام میں شرط ہے کہ آدمی صدق دل سے باری تعالے کی الوہیت اور اُسکی معبودیت اور اُس کے رسولوں کی رسالت وغیرہ وغیرہ ضروریات دین پر یقین لاوے تب مسلمان کہلا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ دلی یقین جبر و اکراہ سے کبھی حاصل ہونا ممکن نہیں

ہم دلیری اور جرأت کے ساتھ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے خلفاء راشدین کے زمانہ میں کوئی شخص جبر و اکراہ سے مسلمان نہیں بنایا گیا +

جہاد کیا ہے؟

کم عقل رہتی کے دشمنوں نے جہاد کے لفظ کو ایک ڈراونی اور بھیانک صورت میں دکھایا ہے اور حقیقت میں یہی ایک پیارا اور مبارک لفظ ہے جو تمام ترقیوں اور خوبیوں کے حصول کا اصل الاصول ہے جہاد کا دوسرا نام ہے **سعی فی الدین** اللہ تعالے لوگوں پر اپنی ہدایت کی راہیں کھولنے کا وعدہ کرتا ہے جو مجاہدہ کرتے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کٹ مرنا یا لڑنا جہاد کا حقیقی مفہوم نہیں ہے

اسلامی جنگوں کی وجہ

یاد رہے کہ اسلامی لڑائیوں کی وہ صورت اور نوعیت نہیں ہے جیسے ایک زبردست بادشاہ کمزور پر چڑھائی کرکے ان کو قتل کر ڈالتا ہے بلکہ صحیح نقشہ ان لڑائیوں کا یہ ہے کہ جب ایک مدۃ دراز تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین مخالفوں کے ہاتھ سے دکھ اُٹھاتے رہے چنانچہ اُنمیں سے کئی قتل کیے گئے اور کئی بُرے عذابوں سے مارے گئے یہانتک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ کیا گیا اور یہ تمام کامیابیاں انکے معبودوں کے برحق ہونے پر حمل کی گئیں بلکہ ہجرت کی حالت میں بھی آنحضرت کو امن میں نہ چھوڑا گیا تو اس وقت ان کے روکنے کے لیے اور نیز ان لوگوں کو امن میں لانے کے لئے جو اُن کے ہاتھ میں قیدیوں کی طرح تھے اور نیز اسبات کو ظاہر کرنے کے لیے کہ ان کے معبود حق کی تائید پر یہ

علم و دانش کرنے والے **مولویوں** نہیں بلکہ فہم قرآن کی ضرورت نہ سمجھنے والوں پر الی اللہ المشتکی الیہ المآب والرجعی چلینو دالہ کے عقاید کی یہ حالت نہیں ہے کہ وہ ایک عاجز انسان کو جسکی نسبت قرآن شریف (جہاں مولوی صاحب وہی قرآن جس کے فہم کی مسلمانوں کو ضرورت ہے) کہتا ہے مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ كَانَا یَاْكُلَانِ الطَّعَامَ مسیح ابن مریم بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ اللہ کا رسول تھا اور اس سے پیشتر جس قدر رسول آئے وہ سب اس دنیا سے چل دئیے (پہر وہ خلاف سنت کیوں کر بچ سکتا تھا) اور اسکی ماں صدیقہ تھی اور دونو کہانا کہایا کرتے تھے۔

اور پہر جسکی وفات کا اللہ تعالی نے وعدہ فرمایا تھا تا کہ اوسکو صلیبی لعنت سے محفوظ رکہے اور خود جس نے اپنی موت کا اقرار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی الفاظ کہہ کر اوسکی موت کی صراحت فرمائی اور صحابہ کرام نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی وفات کے بعد پہلا اجماع مسیح کی وفات پر ہی کیا۔ کیا اسی زمانہ میں ان حق پوش مولویوں کی بدولت وہ **حی و قیوم** کا ہمتا اور ہمسر نہیں بنایا گیا؟ آہ! اس پر آپ کو افسوس نہ ہوا؟ ایک عاجز انسان کو خدائی صفات کا حصہ دار بنا دینا چڑیوں کا خالق خدا کی طرح ماننا۔ مردوں کا زندہ کرنے والا۔ عالم الغیب۔ حلال و حرام ٹھہرانے والا۔ اور زمانہ کے اثر سے محفوظ ماننا اور پہر مسلمان کے مسلمان بلکہ مولوی اور مفسر بنے رہنا یہہ اسی زمانہ کی نیرنگیوں میں سے ہے کیا انکی بہی آپ کو کچھ خبر ہے کاش ان علماء نے اپنی عملی حالت سے ثابت کیا ہوتا کہ **مسلمانوں کیلئے فہم قرآن ضروریات سے ہے**۔ اگر ان کو یہہ معلوم ہو گیا تہا اور عملی طور پر وہ قرآن کی عظمت کرتے تو قرآن شریف پیش کرنے والوں کے مقابلہ پر اپنی گالیاں اور کفر کے فتووں کے ترکش لیکر میدان میں نہ نکلتے۔

اچھا جب بقول آپ کے اسلام کی یہ حالت ہو گئی ہے پہر بہی آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ امت بیمار کے لئے کسی مسیح کی ضرورت نہیں اور گمراہان قوم کے لئے کوئی مہدی درکار نہیں؟ سوچو اور سنو!!

بشنوید ای طالبان! کز غیب بکنند این ندا
مصلحے باید کہ در ہر جا مفاسد زادہ اند
صادقم از طرف مولیٰ با نشانہا آمدم
صد در علم و ہدیٰ بر روئے من بکشادہ اند
آسمان بارد نشان الوقت میگوید زمیں
این دو شاہد از پی تصدیق من استادہ اند

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا

غرض پہر ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے وجود سے وہ ناپاک اعتراض دور

بلا تامل اُسی عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے پر مستعد ہو جاتے ہیں اور گو اُس وقت ہمارے دل میں یہ رنج بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنے ایک پیارے عضو کو زخمی کرتے یا کاٹتے ہیں۔ مگر اس خیال سے کہ اس عضو کا فساد کسی دوسرے شریف عضو کو بھی ساتھ ہی تباہ نہ کرے ہم کاٹنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں بس اسی مثال سے سمجھ لینا چاہیے کہ خدا بھی جب دیکھتا ہے کہ اُس کے راست باز باطل پرستوں کے ہاتھ سے ہلاک ہونے ہیں اور فساد پھیلتا ہے تو راست بازوں کی جان کے بچاؤ اور فساد کے فرو کرنے کے لیے مناسب تدبیر ظہور میں لاتا ہے۔ خواہ آسمان سے خواہ زمین سے اس لیے کہ وہ جیسا کہ رحیم ہے ویسا ہی حکیم بھی ہے۔ الحمد للہ رب العالمین

الغرض

ان جنگوں میں مسلمانوں کو شریروں کی شرارت سے محفوظ رکھنا اُن کے حملوں سے بچانا مقصود تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کا اظہار مدنظر تھا کس طرح پر آپ اقتدار اور انتقام کی قوت رکھتے ہوئے بھی اپنے دشمنوں کو لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہنے کے لیے سینہ فراخ رکھتے ہیں۔ اور کیسے شجاع اور مرد میدان ہیں۔ ان ساری باتوں کے ہوتے ہوئے اصل غرض کو اللہ تعالیٰ مفقود ہونے نہیں دیتا وہ اصل غرض کیا ہے۔

واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین ۝

اللہ تعالیٰ کے متقی ہو جاؤ۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہوتا ہے جیسے مقابلہ کا حکم دینے سے پہلے۔ فرمایا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون یعنی کامیابی اور دشمنوں پر فتح کا گُر تقویٰ ہے اسی طرح آخر میں بھی تعلیم تقوی اللہ کی دی جس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ اسلام کا اصل منشا کیا تھا؟ غرض ہر حال میں تقوی ہی کی تعلیم دیتا ہے۔

میدان جنگ میں تقوی اللہ کو مدنظر رکھنا اور اسکی تعلیم دینا **خاص اسلام کا فخر ہے**۔ جسکو ہم خصوصیت سے اس موجود مضمون میں انشاء اللہ العزیز دکھائیں گے جس کا ذکر حاشیہ میں کیا ہے +

چونکہ جنگوں میں روپے کی بھی ضرورت پڑتی ہے اس لیے اب انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم دیجاتی ہے۔ علاوہ بریں۔ **جہاد ہو سکتا ہے** دعا سے! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نمونہ بنکر دکھانے سے دینی تصنیف کرنے سے دینی تصانیف میں مدد دینے سے + اور پھر ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک انسان شفقت علی خلق اللہ کا سبق حاصل نہ کرے۔ اس لیے اس کے واسطے بھی انفاق فی ضروری ہے۔ لہٰذا اسی تعلیم دیجاتی ہے

وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَأَحْسِنُوا ۛ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

نوٹ جہاد کے متعلق حضرت حکیم الامت نے ایک مضمون لکھا ہے ہم اُمید کرتے ہیں کہ اس مضمون کو کسی دوسری جگہ ہم مکمل درج کر سکیں گے۔ حرفے عفی عنہ

ما ننسخ من اٰیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها الم تعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر ۔
الم تعلم ان اللہ لہ ملک السمٰوات والارض وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر ۔

ہم جو کسی نشان کو مٹاتے ہین یا بہلا دیتے ہین (یہ بلا وجہ نہین ہوتا) تو اس سے بہتر یا اسکی مانند لاتے ہین (اس امر پر اعتراض کرنے والے!) کیا تو نہین جانتا کہ اللہ تعالی ہر ایک شے کا اندازہ کرنیوالا ہے۔ اور کیا تو نہین جانتا کہ آسمان اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے اور اللہ تعالی کے سوا تمہارا کوئی بہی حامی و مددگار نہین ہے ۔

اللہ تعالی اپنی قدرت کاملہ سے مناسبتِ وقت اور ضرورتِ وقت کا کسی قوم کی نسبت خود فیصلہ کرتا ہے ہر ایک شے کا اندازہ اپنی قدرت سے خود کرتا ہے۔ زمین و آسمان مین بے انتہا تغیرات اسی کے مالکانہ تصرف سے ہوتے ہین حمایت اور نصرت کے اسباب جس طرح اور جس قدر وہ چاہتا ہے آپ ہی اپنے تصرف سے پیدا کرتا ہے ہر قوم اور ہر زمانہ کے تغیر حالت پر جدید سامان اسی کے دست قدرت سے ظاہر ہوتے ہین۔ سوائے اسکے اور بہی کوئی ہے جو انسانون کی ضرورت پیش آمدہ پر سامان مہیا کر دینے کا متکفل ہو سکے دراصل اس سلسلے کے نبوت مین کوئی تغیر نہین۔ قومون کے حالات اپنی ترقی و تنزل مین اپنے اپنے وقت اور زمانہ کی مناسبت سے اس کے اسی کلام کے نزول کا باعث ٹہر جاتے ہین جسکے وہ لائق ہوتے ہین۔ اب نزول قرآن کے زمانہ مین اہل زمین کی طبائع جس آسمانی امر کی مستحق تہین وہی امر ان کے لئے نازل کیا گیا اپنے رسول کے ذریعہ سے اپنا کلام نازل کرکے خدا نے اس تقاضے کو پورا کیا کل زمین کے رہنے والون کے لئے کامل شریعت نازل کی گئی) ۔

ننسخ کے لفظ سے ایک طویل بحث ناسخ منسوخ کے عنوان سے مسلمانون مین جاری ہوگئی ہے مگر خدا کا فضل ہے کہ اس مسئلہ کی حقیقت معلوم ہوگئی ہے۔ قرآن کریم مین کوئی آیتہ منسوخ موجود نہین ہے ۔ چنانچہ جہان جہان اور جو جو آیتہ غلطی سے منسوخ سمجھہ لیگئی ہے وہان ہم انشاءاللہ اسکی تصریح کر دینگے ۔ یہان صرف اسی قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ جیسا کہ اسکی پہلی آیتہ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہود و نصاری اسلام اور اسکی ترقی کو ناپسند کرتے اور مسلمانون کو دیکھہ کر اندر ہی اندر کڑہتے تہے اور یہود اپنی بداعمالیون اور سیہ کاریون کی وجہ سے مغضوب قوم ہو چکی تہی اس لئے اللہ تعالی نبوت کو بنی اسمٰعیل مین منتقل فرماتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفون کے انجام کی پیشگوئی کرتا ہے۔ **ننسخ** کے معنی ہم مٹاتے ہین اور **ننسہا** کے معنی ہم بہلا دیتے ہین ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ مین چار قومیں تہیں ۔ مشرکان عرب ۔ یہودی ۔ عیسائی ۔ مجوسی ۔ اب دیکھو کہ عرب اور مکہ کے مشرکون کا تو نام و نشان مٹا دیا اور ان کو بہلا دیا ۔ عیسائیوں کی کتاب کا پتہ ہی نہین چلتا کہ کس زبان مین تہی ۔ اور یہودی ایسے پراگندہ حال ہوئے کہ حسب منشاء آیتہ الہی کہ ما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر کوئی ان کے حال کا پرسان ہی نہیں رہا۔ پہر اس تغیر عظیم پر اللہ تعالی نے اپنی قدرت کاملہ اور تصرف تام کو بطور دلیل اور حجت ملزمہ پیش کیا ہے اب جبکہ انتقال نبوت ہو چکا تو اللہ تعالی مسلمانون کو یہود کے نقش قدم پر چلنے سے منع فرماتا ہے ۔

ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسی من قبل ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سواء السبیل

کیا تم اے ایماندارو جنہون نے اس رسول اور اس قرآن کو مان لیا ہے چاہتے ہو کہ اپنے رسول کے سامنے ایسے ہی بیجا سوالات اٹہاؤ جیسا کہ اس سے پیشتر موسٰے سے سوالات کئے گئے (جیسے بنی اسرائیل کے حالات جو بیان ہوئے گواہ ہین) جو شخص ایمان کو کفر سے تبدیل کرتا ہے اور ایمان لاکر پہر کفر کی تاریکی مین پہنستا ہے وہ ضرور صراطِ مستقیم سے بہٹک گیا ہے۔

موسٰے علیہ السلام سے کس قسم کے سوالات کئے گئے قرآن شریف ان کا گواہ ہے اور پہلے جو حالات بنی اسرائیل کے بیان ہوئے ان سے صاف معلوم ہے مثلاً انہون نے کہا کہ اے موسے ہمارے لئے بہی کوئی ٹہاکر انکے ٹہاکرون جیسا بنا دے یا مثلاً کہا لن نؤمن لک حتی نری اللہ جہرۃ وغیرہ وغیرہ اس قسم کی باتین شوخی اور سوء ادب کے علاوہ کفر کی باتین ہیں انسے پرہیز کرنا چاہئے ۔ اور

ود کثیر من اہل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا حسدا من عند انفسہم من بعد ما تبین لہم الحق فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ

یعنی مسلمان تھوڑے سے تھے اس لیے یوں ہوتا کہ ایک شخص کو مسلمان ہونے سے روکا جاتا اگر وہ مسلمان ہو جاتا تو بہر نوع اس کو بہت ایذا دی جاتی تھی اب جب کہ مسلمان بڑھ گئے تو یہ مصیبت اُٹھ گئی۔

یعنی بھی کیے گئے ہیں کہ اس لیے لڑو کہ لوگ آزمائشوں میں اور دین میں پھسلائے جانے سے بچ جائیں اور ظاہر و باطن میں مسلمان ہو کر بسر کریں۔

جہاد کی فلاسفی پر حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دھرم مہوتسو کے جلسہ میں اپنی تقریر کے آخر میں جو حصہ بیان فرمایا اور جس پر اس تقریر کو ختم کیا ہے اسی پر ہم بالفعل اس مضمون کو ختم کر دیتے ہیں۔

یہ لڑائیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کے اظہار کا باعث تھیں

وہ تقریر یہ ہے۔

خدا کی عنایت اور فضل نے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام اخلاق کے ظاہر کرنے کا موقعہ دیا چنانچہ سخاوت اور شجاعت اور حلم اور عفو اور عدل اپنے اپنے موقعہ پر ایسے کمال سے ظہور میں آئے کہ صفحہ دنیا میں اس کی نظیر ڈھونڈنا لاحاصل ہے آپ نے دونوں زمانوں ضعف اور قدرت اور ناداری اور ثروت میں زمانہ کو دکھلا دیا کہ وہ ذات پاک کیسے اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی جامع تھی اور کوئی انسانی خلق اخلاق فاضلہ میں سے ایسا نہیں ہے جو اس کے ظاہر ہونے کے لیے آپ کو خدا تعالیٰ نے ایک موقعہ نہ دیا۔ شجاعت استقلال عفو حلم وغیرہ وغیرہ تمام اخلاق فاضلہ ایسے طور پر ثابت ہو گئے کہ دنیا میں اس کی نظیر کا تلاش کرنا طلب محال ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جنہوں نے ظلم کو انتہا تک پہنچا دیا اور اسلام کو نابود کرنا چاہا خدا نے انکو بھی بے سزا نہیں چھوڑا کیونکہ ان کو بے سزا چھوڑنا گویا راستبازوں کو ان کے پیروں کے نیچے ہلاک کرانا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی **لڑائیوں** کی ہرگز یہ غرض نہ تھی۔ کہ خواہ نخواہ لوگوں کو قتل کیا جائے وہ اپنے باپ دادا کے ملک سے نکالے گئے تھے اور بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں بے گناہ شہید کیے گئے تھے اور ابھی ظالم ظلم سے باز نہیں آتے تھے اور اسلام کی تعلیم کو روکتے تھے لہٰذا خدا کے **قانون حفاظت** نے یہ چاہا کہ مظلوموں کو بالکل نابود ہونے سے بچا لے۔ جنہوں نے تلوار اٹھائی تھی انہیں تلوار کے ساتھ تلوار کا مقابلہ ہوا۔ غرض قتل کرنے والوں کا فتنہ فرو کرنے کے لیے بطور مدافعت شر کے وہ لڑائیاں تھیں اور اس وقت ہوئیں جبکہ ظالم طبع لوگ اہل حق کو نابود کرنا چاہتے تھے اس حالت میں اگر اسلام اس حفاظت خود اختیاری کو عمل میں نہ لاتا تو ہزاروں بچے اور عورتیں بے گناہ قتل ہو کر آخر اسلام نابود ہو جاتا۔

یاد رہے کہ ہمارے مخالفین کی یہ بڑی زبردستی ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ الہامی ہدایت ایسی ہونی چاہیے جس کے کسی مقام اور کسی محل میں دشمنوں کے مقابلہ کی تعلیم نہ ہو اور ہمیشہ حلم اور نرمی کے پیرایہ میں اپنی محبت اور رحمت کو ظاہر کرے ایسے لوگ اپنی دانست میں خدائے عزوجل کی بڑی تعظیم کر رہے ہیں کہ جو اُسکی تمام صفات کاملہ کو صرف نرمی اور ملائمت پر ہی ختم کرتے ہیں لیکن غور کرنے والے پر آسانی کھل سکتا ہے کہ یہ لوگ بڑی موٹی اور فاش غلطی میں مبتلا ہیں۔ خدا کے قانون قدرت پر نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کے لیے وہ رحمت محض تو ضرور ہے مگر وہ رحمت ہمیشہ اور ہر حال میں نرمی اور ملائمت کے رنگ میں ظہور پذیر نہیں ہوتی بلکہ وہ سراسر رحمت کے تقاضا سے طبیب حاذق کی طرح کبھی شربت شیریں ہمیں پلاتا ہے اور کبھی دوائی تلخ دیتا ہے اسکی رحمت نوع انسان پر اس طرح وارد ہوتی ہے جیسے کہ ہم میں سے ایک شخص اپنے تمام وجود پر رحمت رکھتا ہے اس بات میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک فرد ہم میں سے اپنے سارے وجود سے پیار رکھتا ہے اور اگر کوئی ہمارے ایک بال کو اکھاڑنا چاہے تو ہم اُس پر سخت ناراض ہوتے ہیں لیکن باوجود اس کے کہ ہماری محبت جو ہم اپنے وجود سے رکھتے ہیں ہمارے تمام وجود میں بٹی ہوئی ہے اور تمام اعضا ہمارے حقیقت میں ہمارے پیارے ہیں ہم کسی کا نقصان نہیں چاہتے مگر پھر بھی یہ بات ببداہت ثابت ہے کہ ہم اپنے تمام اعضا سے ایک درجہ کی اور یکساں محبت نہیں رکھتے بلکہ اعضائے رئیسہ و شریفہ کی محبت جن پر ہمارے مقاصد کا بہت کچھ مدار ہے ہمارے دلوں پر غالب ہوتی ہے ایسا ہی ہماری نظر میں ایک ہی عضو کی محبت کی نسبت مجموعہ اعضاء کی محبت بہت بڑھ کر ہوتی ہے پس جب کبھی ہمارے لیے کوئی ایسا موقعہ آ پڑتا ہے کہ ایک شریف عضو کا بچاؤ ادنیٰ درجہ کے عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے یا توڑنے پر موقوف ہوتا ہے تو ہم جان کے بچانے کے لیے

رکوع نمبر ۱۳

بنی اسرائیل کے قوم کے حالات قران پر ایمان لانیوالون کے لئے عبرت
کا مقام ہین یہودیوں کی بداعمالیان بیان کرکے ایمانداروں کو ڈرایا جاتا ہے
اہلکتاب اور مشرک مسلمانون کے خیرخواہ نہیں ہیں خدا تعالی نبوت کو اسمٰعیلی
خاندان مین منتقل فرماتا ہے۔ مومنون کو بیجا اعتراض کرنے سے منع فرمایا جاتا ہے
یہودیون کے موسی کے سامنے بیجا اعتراض اٹھانے کا حوالہ دیا جاتا یہودیون
کے حاسدانہ منصوبون سے مسلمانون کو بچایا جاتا۔ نماز پر قایم رہنے اور زکوۃ کے
ادا کرنے اور بہلے کامون کی عادت ڈالنے کا حکم دیا جانا۔ یہودیون اور عیسائیون
کا یہ دعوی کہ ہم دونو کے سوا کوئی جنت میں نہ جائیگا توڑا جاتا اور نجات کا اصول بتایا جاتا

عام نظر اس رکوع مین مولا کریم بنی اسرائیل (جنکی بداعمالیون کا ذکر بہت بڑا ہوچکا ہے) کو مغضوب علیہ بناکر رد کرونیا ہے اور نبوت بنی اسرائیل سے منتقل ہوکر بنی اسمٰعیل کے خاندان میں آجانیکا ذکر فرماتا ہے اور حقیقت اسلام پر بحث فرماتا ہے

یاایھاالذین امنوا لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکفرین عذاب الیم

ایمان والو! تم ہرگز یہودیون کی طرح اپنے رسول کو راعنا نہ کہو بلکہ تم انظرنا کہا کرو پہلے ہی غور سے سن لیا کرو یہہ کہنے کی ضرورت ہی نہ پڑے کہ پہر فرمائے۔ ان منکرون کو دردناک دکھہ کی مار پڑنے والی ہے

اس آیت مین آداب گفتگو کو بیان فرمایا ہے۔ بعض شریر اور ردی الطبع لوگ ایسے ذومعنی الفاظ بولا کرتے ہیں کہ انکا مقصد اور مفہوم دلی تو کچھہ اور ہوتا ہے اور ظاہر مین کچھہ اور۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بہی ایسے لوگ آیا کرتے تھے اور اس قسم کے الفاظ بولا کرتے تہے ان مین سے ایک لفظ راعنا ہے جس کے مندرجہ ذیل معنے آتے ہیں

اول- راعنا ہماری رعایت کر یعنی ہمنے سنا نہین پہر فرمائے۔ دوم (ع) کو ذرا کہینچ کر دینے سے اسکے معنی او ہمارے چرواہے یا گنوار کے ہوجاتے ہیں- سوم راعنا بمعنے بیوقوف بہی آتا ہے۔

پس مومن کی شان نہین کہ ایسے ذومعنی الفاظ استعمال کرے وا پ مجلس کے خلاف ہے کہ کسی ذومعنی لفظ کے ساتھہ کہا جاوے پہر فرمائے سنا نہین یا سمجہا نہین۔ یاد رکہو کہ قرآن کریم مین جو اوامر و نواہی آگئے ہین خواہ وہ کسی ہی طرز پر بیان ہوئے ہون اون پر عمل کرنا ضروری ہے

ما یود الذین کفروا من اھل الکتب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم ط

واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

ان اہل کتاب مین سے جو منکر ہوگئے ہین اور نیز مشرک تو یہہ چاہتے ہی نہین کہ تمہارے رب کیطرف سے کوئی خیر و برکت تم پر نازل ہو (تمہاری حالتون کا بہتر ہوجانا اور تمہارا نیک بنجانا ان منکرون کو عداوت کے سبب سے پسند نہین آتا اور اللہ تعالی جب کسی کی نسبت بہتری کو اپنے ارادہ میں ٹہیرا لیتا ہے تو اوسکو اپنی رحمت سے خاص کرلیتا ہے) اور اللہ تعالی تو اپنی رحمت سے خاص کر رہا ہے جسکو چاہ رہا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے (کسیکو برگزیدہ کرنا اس کے صاحب فضل عظیم ہونیکی وجہہ سے ہے جو شخص اسکی مشیت مین قابل نوازش ولایق عزت ٹہیرجاتا ہے اوسکو وہ اپنے فضل عظیم کے دامن میں لے لیتا ہے خواہ منکر برا ہی مناتے رہین)

یہہ آیت اسرائیلی خاندان سے اسمٰعیلی خاندان مین انتقال نبوت کا مقدمہ ہے یعنی مشرک اور کافر اہلکتاب یا نصاری اور یہود کب چاہتے ہین کہ مسلمانون پر خیر و برکت نازل ہو مگر وہ اب یاد رکہین کہ اسرائیلی خاندان نبوت کا خاتمہ ہوتا ہے۔

کہ انھیں تکلیف ہوتی ہے یا وہ تکلیف کا نتیجہ ہے۔؟

بارہا مینے مصروع (مرگی زدہ) کے حالات اضطرابیہ کو دیکھا۔ بعد افاقہ جب اس سے دریافت کیا اُس نے اپنی تکالیف سے بے خبری بیان کی

علاوہ بریں یہ نقص نباتات پر بھی عائد ہوتا ہے اور ان کے استعمال سے ان نباتات کے سلسلہ کا قطع بھی جن کو ہم نے استعمال کیا لازم آتا ہے۔ سوم تمتع نفس وجودجات سے حیوانات بے خبر ہیں۔

چہارم۔ تمتع مستلذات کبھی اضطراری ہوتا ہے اور کبھی اختیاری اضطراری کی مثال بھوکے کو کھانا کھلانا اور پیاسے کو پانی پلا دینا اور اختیاری کی مثال لذیذ میوجات کا استعمال کرنا۔ اضطراری تمتع۔ اور لابدی استلذاذ کی محرومی اور اُنکا دفع ہونا دو طرح ہوتا ہے۔ اول دفع رنج اور مصیبت اس طرح کہ رنج اور مصیبت کا ہی استیصال کیا جاوے۔ دوم۔ صورت یہ ہے کہ رنج اور مصیبت کو باقی رکھکر رنج زدہ کو آرام سے روکا جاوے +

اول کی مثال۔ خارش والے مریض کا مرض کسی طرح دور کیا جاوے اور اُسے خارش کی دوائی کھانے سے محروم رکھا جاوے۔ اسطرح مرض کا دور کرنا اور مریض کو دوائی سے محروم رکھنا کوئی جرم نہیں اور نہ کوئی ظلم ہے۔ بلکہ مریض پر پرلے درجہ کا احسان ہے۔ دوسری صورۃ یہ ہے کہ خارش والے مریض کے مرض کو باقی رکھکر خارش کی دوائی استعمال کرنے سے محروم رکھا جاوے یا کھجلانے سے روکا جاوے۔ یہ قسم البتہ ظلم ہے

اب غور کرو حیوانات کے تمتعات اضطراری ہیں۔ یا اختیاری۔ ظاہر ہے کہ حیوانات کے تمتع کیا ہیں۔ یہی کھانا۔ پینا۔ بول۔ براز کرنا اور تنفس لینا۔ اور یہ اقسام ظاہر ہے کہ بالکل اضطراری ہیں۔ پس حیوانات کو بند کر کے ایذا دینا ظلم ہوگا اور بے انصافی ہوگی کیونکہ جانوروں کو اس صورت میں اُن کے ضروری تمتعات کھانے پینے سے محروم رکھا جاتا ہے اسی واسطے جناب رحمۃ للعالمین (فداہ ابی وامی و نفسی ومالی) نے فرمایا ہے

امرأة دخلت النار فی هرة حبستها ولا هی اطعمتها تاکل من خشاش الارض یعنی ایک عورت ایک بلی کے بدلے جہنم میں داخل ہوئی جسے اُس نے بند کر کے کھانے پینے سے محروم کر دیا وہ بیچاری کوڑا کرکٹ ہی کھاتی۔ حیوانات کو ذبح کر دینا۔ اور اُن کے مادہ اضطرار کو ہی قطع کرنا ظلم نہ ہوگا۔

یاد رہے کہ ذبح میں قلیل تمتعات (مثلاً جانوروں کا کودنا پھاندنا) کا ابطال ضرور ہوتا ہے مگر انسانی فوائد کے لیے اتنے قلیل نقصان کا ارتکاب منکرین ذبح بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ دودھ کی خاطر جانوروں کے ننھے ننھے شیر خوار بچوں کو باندھ کر ایسے تمتعات سے روک دیتے ہیں۔

ذبح پر یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ ذبح میں بے جرم جانور کو سخت سے سخت تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے خدا کی کمزور مگر نہایت پیاری مخلوق انسان کے بہت سے کام حیوانات کی تکلیف پر موقوف ہیں۔ گوشت کھانے کے منکروں کے ملک میں زراعت کے تمام کاروبار حرفت اور تجارت پر نظر کرو۔ یہاں کیا غالب عمرانات کے اکثر کام حیوانات کی تکلیف پر موقوف ہیں۔ اسی واسطے باری تعالیٰ نے حیوانات کی بناوٹ اور ان کے طبعی قوی میں جیسی مضبوطی رکھی ہے۔ اُن کے نفسانی قوی اور ادراکی طاقتوں میں ایسا استحکام نہیں رکھا۔ حیوانی مسکن اور حیوانی لباس اور حیوانی خوراک اور حیوانی بود و باش و آرام پر نظر کرو۔ پھر انسانی محل قصور و اقسام اقسام کے لباسوں۔ کپڑوں۔ اور انواع اطعمۂ لذیذ اور فرحت افزا منظروں کو دیکھو اس قانون قدرت کے نظارہ سے صاف عیاں ہے کہ ذبح کی آلام سمجھنے میں بھی اُن کے قوی ایسے ہی کمزور اور ضعیف ہیں جیسے ادراکی قوی حیوانات کا ذی روح ہونا اس امر پر راہ نمائی نہیں کرتا کہ اُن کے قوای نفسانیہ بھی قوی ہوں۔ دیکھو آدمی کا جگر اور شش باوجود ذی روح کے اعضا اور قوی الادراک انسان کے اجزا ہونیکے بالکل بے حس ہیں اسی طرح بعض حیوانی قوی کی حدت حیوانات کی عام ذکاوت کی مستلزم نہیں۔ دیکھو اکثر حیوانات بدون وحشت اور اضطراب کے ذابح کے پاس کھڑے رہتے ہیں۔ رحم ایک قلبی حالت ہے ایسے ہی قہر بھی ایک جبلی صفت ہے یہ دونوں صفتیں کسبی نہیں ہوتیں ہاں کبھی سوسائٹی اور تعلیم سے ان میں کمی اور زیادتی ہوا کرتی ہے۔ گو وہاں اصل اور عرض کا فرق ضرور رہتا ہے۔ مگر اس سے دونوں افراط

رکوع نمبر۱۴

یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کی تکذیب کرتے۔ باوجود ایک ہی کتاب کے ماننے کے انکا باہمی تکرار جاہلوں کی سی حرکت ہے جب یہ حال ہے تو پھر ان کا یہ کہنا کہ بجز یہود اور نصاریٰ کے کوئی بہشت میں جائیگا ہی نہیں کیسے سچا ہو سکتا ہے اس تنازعہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آنا ضروری ہے باہمی ضد و عداوت سے خدا کی یاد کے مکانوں کی تخریب یا بربادی میں کوشش کرنا موجب عذاب ہے خدا کے ذکر سے عداوت کرنا خود خدا سے عداوت کرنا ہے۔ خدا کی یاد اور اس کی توحید کا مشرق و مغرب میں پکارے جانا ہر کام میں اللہ ہی کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اس ذکر سے منع کرنیوالے لوگ اس کشادہ علم والے موحد کے سامنے کب کامیاب ہو سکتے ہیں؟ ایسی وسیع علم والی ذات کی نسبت کوئی بیٹا تجویز کرنا خلاف شان ہے جو لوگ ایسا اعتقاد رکھتے ہیں وہ خدا کی شان کو نہیں سمجھتے۔ اس بات کا ثبوت دیا جاتا کہ خدا کی کوئی ایسی حالت نہیں ہے کہ اس کے لئے کسی خاص بیٹے کی ضرورت ہو خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کے لایق ہر شخص نہیں ہو سکتا یہودی اور عیسائی ایسی بداعتقادیوں کی حالتمیں اسلام کے منادی کرنیوالے سے ہرگز راضی نہیں ہو سکتے ہدایت وہی ہے جو خدا کی جانب سے ہو۔ سچی ہدایت اور واقعی علم کے بعد ناراستی کی پیروی انسان کو خدا کی حمایت سے دور پھینک دیتی ہے خدا کی کتاب پر غور کرنیوالے لوگ حق کے ماننے والے ہوتے ہیں۔ انکار کرنیوالوں کو سوائے زیاں کاری کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا

عام نظر اس رکوع میں مغضوب اور ضال گروہ کی تفسیر کو بیان کیا ہے اور ان مزید اسباب کا ذکر فرمایا جو ذلت کا موجب ہوتے ہیں اس طرح پر مندرجہ ذیل امور اس رکوع میں بیان ہوئے ہیں۔

الف۔ اختلاف اور باہمی فسادوں کی وجہ بتلائی کہ ایک دوسرے کی تذلیل کی جاتی ہے۔

ب۔ مسجدوں میں آنے سے روکنے والوں کو اسی دنیا میں ذلیل ہونا پڑتا ہے اس کے ضمن میں فتح مکہ اور کفار مکہ کی ذلت کی پیشگوئی بیان کی ہے۔

ج۔ عام امن قایم رکھنے کی تدابیر کو بیان فرمایا۔

د۔ عیسائیوں کے اس عقیدہ کی تردید کی کہ خدا کا کوئی بیٹا بھی ہے۔

ہ۔ ہر قول و فعل و حرکت و سکون تک میں اللہ کریم کی ہی توجہ ملحوظ ہو۔

و۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو جداگانہ شانوں کا ظہور دوستوں کے لئے بشیر اور اعداء کے لئے نذیر ہونا۔

ز۔ علم کے بعد جو ہدایت کو چھوڑتا ہے وہ مغضوب قوم میں سے ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا کوئی ولی اور نصیر نہیں ہوتا۔

ح۔ کافروں کا انجام خسران ہیں۔

ترجمہ اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کے باعث نہ ٹھیرو۔ اور احسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

اور اللہ کے لیے حج اور عمرہ پورا کرو۔ بس اگر تم گھیرے جاؤ۔ بس جو قربانی میسر آئے کردو اور جب تک قربانی اپنے محل پر نہ پہنچ جاوے اپنے سروں کو نہ منڈواؤ۔ بس اگر کوئی تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو بال منڈوانے کے بدلے میں روزے یا صدقہ یا قربانی ادا کرے بس جب تم امن میں آجاؤ۔ بس جو کوئی عمرہ کو حج سے ملا کر فائدہ اٹھانا چاہے۔ بس جیسے ہوسکے قربانی کرے اور جسکو میسر نہ ہو تین روزے ایام حج میں اور سات واپسی کے وقت رکھے۔ یہ پورے دس ہوے۔ یہ اس کے لیے ہے جس کا گھربار مکہ میں نہ ہو۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور جان لو کہ بیشک اللہ سخت عقاب کرنے والا ہے۔

انفقوا فی سبیل اللہ پہلے بھی ہم کسی قدر تشریح کر آئے ہیں کہ انفاق فی سبیل اللہ کا یہاں کیا تعلق ہے اب ایک بات اور بتانی چاہتے ہیں۔ سبیل اللہ کے معنی قرآن شریف میں حج کے بھی آئے ہیں اس لیے انفاق فی سبیل اللہ سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ حج کے لیے خرچ کرو۔ ان آیتوں میں ہم لا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ پر کسی قدر بسط سے کلام کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے پہلے ضروری ضروری الفاظ کا مفہوم بتاتے ہیں۔

ذالک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام میں ذالک کا اشارہ بعض کے نزدیک فصیام ثلاثۃ ایام فی الحج و سبعۃ اذا رجعتم کی طرف ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ذالک کا مشار الیہ تمتع بالعمرۃ الی الحج ہے۔ بہرحال کسی کی طرف ہو مطلب دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔

اگر کوئی شخص حج کرنے والا صرف حج کا احرام باندھے تو اسکو مفرد کہتے ہیں اور اگر پہلے ایام حج (شوال۔ ذوقعدہ۔ عشرہ ذوالحج) میں صرف عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کرنے سے فارغ ہوکر پھر ایام حج میں حج کا احرام باندھے اور حج بھی تو اسکو متمتع اور دونوں کا احرام باندھے اور دونوں کو ادا کرے تو اسکو قارن کہتے ہیں۔

اصل تعلیم اس میں بھی وہی تقویٰ ہے جیسے فرمایا واتقوا اللہ متقی بنو۔ متقی بننے کا گر بھی بتایا واعلموا ان اللہ شدید العقاب جب انسان اللہ تعالیٰ کے شدید العقاب یقین کرے تو اسکی روح پر اسکی ہیبت و جبروت غالب ہوکر اسکو اللہ تعالیٰ کی نارضامندیوں سے بچائے گی۔

گوشت خوری قربانی اور گوشت خوری پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے گوشت خوری کے متعلق حضرت حکیم الامۃ نے تصدیق میں ایک کافی مضمون لکھدیا ہے جس کا اندراج ہی یہاں کافی ہوگا۔ قال حکیم الامۃ

گوشت کھانے کے منکروں نے جانوروں کے ذبح کرنے میں گوشت کھانے والوں پر جس قدر اعتراض کیے ہیں۔ اس کا مفصل جواب برہان لامع نام ایک بسیط کتاب میں مولوی سید قمر علی لکھنوی نے لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ بقدر ضرورت یہاں گذارش ہے۔ معترضوں کے اعتراضات کا مدار ان چند وجوہ پر ہے۔ منکرین کی پہلی وجہ "جانوروں کا ذبح کرنا۔ باری تعالیٰ کی صنعت کا مٹانا ہوتا ہے" جواب صنعت الٰہیہ کا وجود جیسا حکمتوں پر مبنی ہے ویسے ہی ذبح کرنا بھی چونکہ ضروری امر ہے حکمتوں سے خالی نہیں وہ بھی حکمتوں پر مبنی ہے۔

ایضاً۔ منکرین ذبح بھی نباتات اور معدنیات کی قدرتی صفت کا ابطال کرتے ہیں۔ اگر جانوروں کا ذبح کرنا قدرتی صنعت کا تغیر ہے تو نباتات اور جمادات کا استعمال بھی قدرتی صنعت کا تغیر ہے۔

ایضاً۔ ہمیشہ مرکبات میں تغیر ہوا کرتا ہے۔ اور کسی آن میں مرکبات موجودہ تغیر سے محفوظ نہیں رہ سکتیں بس تغیر ایک لازمی امر ہے جو مصنوعات کو لابد ہے۔ ذبح ہوں یا نہ ہوں پھر ذبح پر انکار کیوں کیا جاتا ہے۔

دوسرا طعن یہ کرتے ہیں کہ ذبح کرنے میں جانور کو بقیہ حیات اور تمتع زندگی سے محروم کیا جاتا ہے۔ مگر پہلے یہ ثابت ہونا چاہیے کہ حیوانات کو اس محرومی سے ضرر یا صدمہ پہنچتا ہے۔ حیوانات کے اضطراب اور انکی عند الذبح حرکات سے اندازہ نہیں لگ سکتا کیونکہ کیا ثبوت ہے

بامرہ ان اللہ علےٰ کل شئ قدیرہ

(تم اے اہلکتاب کیطرف کیا خیال کرتے ہو) انہیں سے تو بہت سے لوگ اسی قسم کے ہیں جو برابر اسی بات کے خواہشمند رہتے ہیں کہ تمکو ایمان لانیکے بعد پھر کافر کردین انکی جانون کو تو حسد نے حق الامر کے واضح ہو جانے کے بعد کہا لیا۔ پس انکو اپنی سرکشی میں ٹہنے دو اور انکی صحبت سے ہٹ جاؤ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنی امر کیساتھ آجائیگا یعنے خود بخود پکڑ لیگا بیشک خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ غلبہ حق اور ظہور اسلام کا وقت آتا ہے خدا تمکو کامیاب اور انکو ناکام اور نامراد کردیگا۔

یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو ایک دنگ مین پوری ہوچکی اور پھر اسکی ظہور کا وقت آیا ہے۔ فاعفوا کے معنے سرکشی مین بڑہنے دینا بھی ہے۔

حتی یاتی اللہ بامرہ خدا تعالیٰ انکو پکڑ لیگا یا خدا کی باتین پوری ہوجائینگی۔ جبکہ یہ لوگ تمہارے گمراہ کرنیکے درپے ہیں تمہارا کام یہ ہو کہ۔

واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ان اللہ بما تعملون بصیرہ

اور تم نماز میں جو تمہاری عبودیت کا جوہر ہے لگے رہو زکوٰۃ کے ذریعہ بنی نوع انسان پر شفقت کئے جاؤ۔ تم ہر ایک نیکی کو جو خدا کی رضامندی چاہ کر (اخلاص سے) رسول اللہ صلعم کے طریق پر (صواب سے) آگے بھیجتے جاتے ہو خدا کے حضور اسے پاؤ گے۔ تمکو ان اعمال صالحہ کا نتیجہ ضرور ملنے والا ہے خدا تعالیٰ تمہارے ان اعمال صالحہ کو دیکھ رہا ہے تمہارا یہ خلوص ہرگز ضایع نہ ہوگا اور تمہارا کوئی عمل بے نتیجہ نہ رہیگا + اور تم جو اہلکتاب سے سنتے ہو کہ بہشت کے ٹھیکیدار ہین انہین سنا دو۔

وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا او نصاریٰ تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین

اور ان اہلکتاب نے جو کہا کہ یہودیون یا نصرانیون کے سوا کوئی بہشت مین ہرگز داخل نہ ہوگا انکی آرزوئین بالکل جھوٹ ہین ان سے کہدو کہ اگر تم اپنے اس دعوی مین سچے ہو تو کوئی

قل ھاتوا برھانکم | بہشتی زندگی چونکہ اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے اسلئے قل ھاتوا برھانکم مین اہل یہود اور نصاری سے یہی مطالبہ ہے کہ تم اپنا کوئی نجات یافتہ جسکی عملی حالت اور بہشتی زندگی سے ہم اندازہ کرلین کہ بیشک یہی لوگ ارث الجنۃ ہین پیش کرو بہشتی لوگون کو دنیا مین بشارتین عطا ہوتی ہین حزن وخوف ان سے دور کیا جاتا ہے انکو استقامت ملتی ہے ملایکہ کا انپر نزول ہوتا ہے اور آیندہ کی خبرین انکو بتائی جاتی ہیں اور وہ پیشگوئیان کیا کرتا ہے۔ پس اگر کوئی یہودی یا عیسائی نجات یافتہ ہے تو اسے پیش کرو اب بھی نصاری اور یہود دیر اور ہر ایسے مدعی پر یہ حجت ہے یہ فخر اسلام ہی کو ہے کہ ہمین ایسے نجات یافتہ لوگ موجود ہین چنانچہ آج بھی حضرت مسیح موعود مہدی مسعود ایک برہان ہین جو ان نشانات کو ۔ سا تھ لیکر آئے ہین اور آواز بلند کہتے ہین۔

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہمنے | کوئی دین دین محمد سا نہ پایا ہمنے | ہمنے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا | نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہمنے

اور دینون کو جو دیکھا تو کہین نور نہ تہا | یہ ثمر باغ محمد سے ہی کہایا ہمنے | آج ان نورون کا اک زور ہے اس عاجز مین | دل کو ان نورون کا ہر رنگ دلایا ہمنے

آزمایش کیلئے کوئی نہ آیا ہرچند | ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہمنے

غرض یہود اور عیسائی اور نہ کوئی اور نجات ومکتی کا ٹہیکیدار اس معیار پر صادق اتر سکتا ہے سنو! نجات کا اصول ہم بتلاتے ہین۔

بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

ہان نجات کا اصول تو یہ ہے اور وہ شخص نجات یافتہ ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ مین اپنا سارا وجود سونپ دے یعنے اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کیلئے اور اسکے ارادون کی پیروی کیلئے اور اسکی خوشنودی کے حاصل کرنیکے واسطے سونپ دیوے اور وہ اپنے وجود کی تمام طاقتین اعتقادی اور عملی طور پر اللہ ہی کی راہ میں لگا دے۔

اعتقادی طور پر اس طرح سے کہ اپنے تمام وجود کو درحقیقت ایک ایسی شے سمجھ لے جو خدا تعالیٰ کی شناخت اور اسکی طاعت اور اسکے عشق اور محبت اور اسکی رضامندی حاصل کرنیکے لئے بنائی گئی ہے اور عملی طور پر اس طرح کہ خالصاً للہ حقیقی نیکیان جو ہر ایک قوت سے متعلق اور ہر ایک خداداد توفیق سے وابستہ ہین بجالاوے مگر ایسے ذوق وشوق وحضور سے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ مین اپنے معبود حقیقی کے چہرہ کو دیکھ رہا ہے پس جسکی اعتقادی اور عملی صفائی ایسی محبت ذاتی پر مبنی ہو اور ایسے طبعی جوش سے اعمال حسنہ اس سے صادر ہون وہی ہے جو عند اللہ مستحق اجر ہے اور ایسے لوگون پر پھر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ کچھ غم رکھتے ہین یعنے ایسے لوگون کے لئے نجات نقد موجود ہے۔ کیونکہ جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان لاکر اس سے موافقت تامہ ہوگئی اور ارادہ اسکا خدا تعالیٰ کے ارادہ کا ہمرنگ ہوگیا اور تمام لذت اسکی فرمانبرداری مین ٹھہر گئی اور جمیع اعمال صالحہ نہ مشقت کی راہ سے بلکہ تلذذ اور احتظاظ کی کشش سے صادر ہونے لگے تو یہی وہ کیفیت ہے جسکو فلاح اور نجات اور رستگاری سے موسوم کرنا چاہئے اور عالم آخرت مین جو کچھ نجات کے متعلق مشہود ومحسوس ہوگا وہ حقیقت اسی کیفیت راسخہ کے اظلال وآثار ہین جو اس جہان مین جسمانی طور پر ظاہر ہو جائینگے +

ہرگز محفوظ نہ ہوتے **چہارم** ایک جگہ چارہ نہ ملتا۔ جنگل میں کوئی ساتھ نہ جاتا۔ پیری اور ضعف سے خود نہ جا سکتے۔ اگر جاتے بھی تو وہاں قدرتی گوشت خور جانور درندوں کی چھریاں لیکر موجود ہو جاتے۔ **پنجم** لوگوں کے کھیت ضائع کرتے۔ تو کھیت والے آخر ان سے وہی معاملہ کرنے جو ذبح کے مجوز کرتے ہیں **ششم** اگر بدون جواز فتویٰ ذبح سب جانور خود مر جاتے تو ان کی عفونت باعث امراض ہوتی۔ یا جلانے کی تکلیف مالایطاق بے وجہ انسان پر رکھی جاتی۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے جنگلوں میں تو شکاری جانوروں اور گوشت خوروں کو پیدا فرمایا۔ اور شہر میں مجوزین ذبح کو۔

ہند کے اصل باشندے یا تو گوشت خوری کے مجوز ہوں گے یا انھیں عفونتوں کے سبب ہمیشہ کمزور ہو کر مغلوب ہی رہے بعضے یہ اعتراض کرتے ہیں۔ "گوشت اگر قدرتی طور پر انسان کے لیے مفید ہوتا۔ تو انسان کو اسمیں اتنی صنعت اور تکلیف کی حاجت نہ ہوتی" اس کا **جواب** یہ ہے کہ انسانی مرغوبات اور اسکی پسندیدہ چیزیں سب کی سب اس کے تصرف در ترکیب سے اُسے پسندیدہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ مرکب القویٰ متصرف اور جامعیت کا پتلا بھلا بدون دخل خود کچھ پسند کرتا ہے؟ اُسکی میوہ خوری میں میووں کی تراش اور تصفیہ کو دیکھو۔ اسکی غمگساربی بی کے زیورات پر نگاہ کرو۔ اسکے جواہرات کی بناوٹ پر نظر دوڑاؤ اسکے لباس کو سوچو۔ اسلیے تو اسکو مردار کا کھانا اور خون کھانا حرام ہوا کہ اسکو اس سے بدمزگی نہ ہو۔

ایک اور قدرتی نظارہ دیکھو۔ عمدہ صفات میں شجاعت ہے اور گوشت اس کا معین ہے۔ اسواسطے گوشت خور قومیں قحمندی محدود رہی۔ اور جبانت نہایت کی رذالت ہے۔ اور گوشت اس کا دشمن ہے۔ اگر کاملین کو اجازت ذبح نہ ہوتی۔ تو شریر خود احکام الٰہی اور احکام فطرت کے پابند نہ ہوتے۔ ضرور گوشت کھاتے اور کاملوں کو ستاتے اور دنیا کو انواع اقسام کے مفاسد کا سامنا کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے کاملین کو بھی جواز دیدی تاکہ اشرار کا مقابلہ کر سکیں۔

گوشت خوری ایک ضروری امر ہے **علم** اور اُس کا تجربہ ایک ایسی **ضروری** چیز ہے جس پر انسان کی انسانیت کا مدار ہے اور ظاہر ہے کہ علوم کی ترقی بدون صحرانوردی اور سیر و سیاحت جبل و بحار بالکل محال ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسی ریاضت میں عمدہ غذا کی ضرورت ہے اور علوم کے عاشق ہیئت دست اور بے زر ہوتے ہیں بدون شکار وحشی و طیور اُن کی اوقات کیونکر بسر ہوتی؟ علوم طبقات الارض اور جغرافیہ کے عشاق کو قطبین کا سفر اور جہازوں کی سیاحت بدون دریائی شکار کیونکر میسر آتے؟ معتبر میں سے بعض جبال اور بعض بیابان کے باشندوں اور قطبین کے رہنے والوں کو گوشت اور مچھلی کی حاجت لابدی ہے۔

جہاز والوں کو بعض حالتوں میں مچھلی کا شکار کرنا بہت ضروری ہوتا ہے جس سے سیاح ناواقف نہیں۔ تلوار ہر جگہ عام طور پر میسر نہیں ہو سکتی اور بالکل ظاہر ہے کہ چھرکے ساتھ گردن کی طرف سے ذبح کرنا ایسا آرام دہ نہیں ہے جیسے گلے کی طرف سے ہے۔

قربانی کی اصل غایت

قربانی کی اصل غایت و غرض تقویٰ اللہ ہے گوشت اور خون سے کوئی غرض نہیں چنانچہ خود اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کو گوشت اور قربانیوں کا خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اعمال صالحہ کی روح جو تقویٰ اور طہارت ہے وہ تمھاری طرف سے پہنچتی ہے۔

اور خود اسی مقام پر بھی اللہ تعالیٰ قربانی وغیرہ کے حکم کے بعد آخر فرماتا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان ساری تعلیموں کی تہ اور بطن میں اصل مقصود امر تقویٰ اللہ ہے

لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ

اسلام انسان کو ہر قسم کی ہلاکت سے بچنے کی ہدایت فرماتا ہے گویا حفظ ماتقدم کے تمام اصولوں کو بتاتا ہے۔ خودکشی اسی لیے اسلام میں حرام ہے۔ اس زمانہ میں حفظ صحت کے اصولوں پر بہت بڑا زور دیا جاتا اور سینی ٹیشن کا محکمہ (حفظان صحت) الگ قائم ہے۔ ناواقف انسان کہہ سکتا ہے کہ کتنا بڑا کمال ہے لیکن قرآن کریم پر غور کرنے والا انسان سمجھ سکتا ہے کہ ساری جسمانی اور روحانی حفظ صحت کے اصول ایک لفظ میں بیان کر دئے

رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیت الحرام میں صلح حدیبیہ کے وقت داخل ہونے سے روک دیا آخر نتیجہ یہہ ہوا کہ مکہ فتح ہوگیا اور ائمۃ الکفر ذلیل وخوار ہوکر عذاب عظیم کا مزا چکھتے ہوئے ہلاک ہوگئے۔

اِس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد اللہ میں اگر ذکر الٰہی کرنا چاہے تو اوسکو محض اس بنا پر روکنا ہرگز ہرگز درست نہیں ہے کہ وہ ہمارا ہمخیال اور ہم عقیدہ نہیں سب کوئی بھی ہو جب وہ یاد الٰہی کے لئے آتا ہے تو آنے دو۔ یہہ آبادی مسجد کی صورت ہے اور دوسری اس کی بربادی کی۔ اس وقت جو لوگ باہمی تکفیر و تفسیق پر تلے ہوئے ہین اور اخراج عن المساجد کے فتوے صادر کر رہے ہیں وہ اس مقام پر ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ مساجد سے روکنے والے کیلئے خزی فی الدنیا کی سزا مقرر ہوچکی ہے۔

پس

یا درکھو کہ کسیکو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے مت دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل پر نگاہ کرو کہ آپ نے تو ایک بار نصاری نجران تک کو مسجد مین آنے سے نہیں روکا اور اپنی مسجد میں اون کو نماز پڑھ لینے دی۔

یہہ آیت قیام امن کی صورت ہے مساجد میں پھر اوسکو وسیع کر کے مشرق و مغرب میں قیام امن کی صورت بتائی اور اس کے ضمن میں بتا دیا کہ تم مشرق اور مغرب میں فتح کرتے ہوئے چلے جاؤ گے اور عظیم الشان فتوحات حاصل کرلوگے اس لئے ایسے وقت میں تمہیں کیا کرنا چاہئے؟

ولِلّٰہِ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ان اللہ واسع علیم ط

اور مشرق و مغرب تو اللہ ہی کا ہے (اللہ کے نام کی منادی اب مشرق و مغرب میں ہوگی) جس طرف تم منہ پھیرو اللہ ہی کی توجہ کا لحاظ رکھو۔ بیشک اللہ نہایت وسعت دینے والا ہے اور وہ علیم ہے تمہیں آج ان فتوحات اور وسعت کا علم نہین ہے جو ہونے والی ہے ترقی اسلام کا وقت آپہنچا۔ اب کسی کی کچھہ پیش نہیں جاسکتی یہہ پیشگوئی اللہ تعالی نے وسیع علم کی بنا پر فرمائی ہے

فثم وجہ اللہ کے معنی سمجھنے میں بعض لوگون کو دھوکا لگا ہے اور انہوں نے اس سے مسئلہ وحدت وجود نکالنے کی سعی کی ہے یہہ مسئلہ بہت بار یک مسئلہ ہے ہم اس مقام پر اس کے متعلق کوئی طویل بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ یہہ آیت وحدت وجودیون کی مسئلہ وحدت وجود کی صاف طور پر تردید کرتی ہے۔ متولی اور موجود دو تو جدا ہوتے ہیں پھر وحدت کہاں رہی۔

اصل بات یہ ہے کہ اس آیت میں یہہ بتایا گیا ہے کہ ہر ایک کام میں رضائے الٰہی کو مقدم کرو۔ اس سے پیشتر کہ تم اسکو کرو دیکھ لو الٰہی منشا اور حکم ہے یا نہیں یہہ آیت تو خدا پرستی کی تعلیم کی جان اور روح ہے۔ صحابہ کرام کو چونکہ بڑے بڑے فتوحات حاصل ہونے والے تھے جیسا کہ وللہ المشرق والمغرب کا لفظ ظاہر کرتا ہے اور ان اللہ واسع علیم سے معلوم ہوتا ہے اس لئے انکو ہدایت ہوتی ہے کہ تم مشرق اور مغرب مین پہیلو گے۔ بڑے بڑے فاتح بنو گے مگر رضاء الٰہی کو ہاتھہ سے نہ دینا کہیں بخل مشرق پھر مقدم خدا ہو۔ اور ہر ایک جگہ امن قایم رکہو مساجد اللہ تک ہی محدود نہ سمجھو جہاں کوئی اللہ کا نام لینے والا ہے آسکی حفاظت کرو تمہارے لئے ہر جگہ مساجد اللہ ہی ہے۔ یہ اسلام کے یونیورسل ریلیجن (عالمگیر مذہب) ہونے کی دلیل ہے۔ ایک مسلمان ہر جگہ چلتا ہوا۔ سوار۔ پیدل۔ لیٹا ہوا۔ مسجد میں۔ جنگل میں۔ سمندر مین ہر جگہ مساجد اللہ کا کام لے سکتا ہے کوئی تکلیف مالایطاق اسکی گردن پر نہیں رہی اور یہی مذہب حقہ کی خوبی کی دلیل ہے نہ یہہ کہ خاص اسباب واشیاء کے بدون وہ یاد الٰہی بھی نہ کر سکے جیسے ہندؤں کو پوجا کا کس قدر اسباب وسامان ساتھہ رکھنا پڑتا ہے یا یہودیوں اور عیسائیوں کی ضروری پابندیاں ہیں۔

غرض

ہر طرف اللہ ہی کی توجہ کو مدنظر رکھو مگر ایسا نہ ہو کہ اس سے یہ سمجھ لو کہ اگر کسی مین کوئی غلطی اور ناپاک عقیدہ معطل صفات الٰہی ہو اس پہ بھی لحاظ نہ کرو۔ نہیں جسمین کوئی غلطی ہو اوسکو ضرور پکڑو اور اس کا غلط ہونا ثابت کرو۔ دیکھو ایسے لوگ بھی تو دنیا میں موجود ہیں۔

اور تفریط کی جانبین کسی عام حکیمانہ قانون کے باعث نہ ہوگی

ظالم خلق آزار یا عقرب اور مار خوں خوار پر رحم کرنا ظلم ستمگار سے ہرگز کم نہیں۔

نکوئی با بداں کردن چناں است ✤ کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

اچھے تجربہ کے ڈاکٹر کو زخموں کا چیرنا قبیح نہیں گو اس عمدہ کام کو ایک رقیق القلب نہ کر سکے۔ اور ڈاکٹروں کو اپنے زخم میں قسی القلب کہا کرے۔ مگر تعجب ہے! کہ ذبح کے منکر ذبح کے سوائے انواع و اقسام کے شدائد اور تکالیف جانوروں پر جائز رکھتے ہیں۔ حالانکہ

اول۔ صدمۂ موت جو ذبح سے حاصل ہوتا ہے۔ بدون دخل انسانی بھی شدنی ہے۔ اور جن تکالیف کو منکرین ذبح جائز رکھتے ہیں وہ بدون جبر انسان کے اور کسی طرح حیوانات کو لاحق ہونی ممکن نہیں۔

دوم۔ ان تکالیف سے جنکو منکرین جائز رکھتے ہیں حیوانات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ صرف اس میں انسانی فائدہ ہے اور ذبح جانور کو تکالیف امراض اور تدریجی موت کے شدائد سے نجات بخش ہے بخلاف ان تکالیف کے جنکو منکرین جائز رکھتے ہیں مصائب شدیدہ کے تحمل پر مہلت دینا رحم نہیں پس ذبح کرنا رحم ہے۔ کیونکہ ذبح کرتے ہیں جانور کو شدائد مرض الموت اور دیگر شدائد زمانی سے بچایا جاتا ہے اور ذبح سے جانور کو وہی امر پیش آتا ہے جو اسے بدون ذبح بھی پیش آنے والا تھا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ حیوانات کو ذبح کرنے سے انسان کیوں منع کیا جاوے۔ اس لیے کہ

اول۔ انسان مدنی الطبع اور بہت حقوق کا ذمہ دار ہے اور بہت معاملات کا اسپر مدار ہے۔ ہاں انسان کے ہاتھ سے جن حقوق کا اتلاف معاملات ذبح میں ممکن تھا مذہب حق نے اس کا انسداد ضرور کیا ہے چنانچہ اسی مصلحت کی بنا پر شیر دار جانور کا بلحاظ اُس کے بچہ کے اور اور ملک کے جانور کا ذبح کرنا بلحاظ اتلاف حقوق غیر کے درست اور پسندیدہ نہیں۔

دوم۔ انسانی بناوٹ پر نظر کرو۔ انسان کی ابتدائی پرورش کس طرح جانوروں سے زیادہ پر از تکالیف ہے اسکی خوراک پوشاک اس کے علوم کس وقت اور محنت سے اس کو حاصل ہوتے ہیں پس اس قانون الٰہی سے قیاس ہو سکتا ہے انسان کی موت بھی بخلاف حیوانات انھیں حکمتوں کے لحاظ سے بڑی بڑی دقتوں اور مشکلات پر مبنی ہوگی۔

سوم تعجب ہے کہ تمام دنیا کے جانوروں کا مرنا۔ تمام مدعیان الہام کے نزدیک خدائے رحیم کی طرف منسوب ہے پھر نہایت تعجب ہے کہ ذبح کے حکم کو کیوں یہ رحم کے خلاف یقین کرتے ہیں؟ شکاری جانوروں کا خالق کیا رحیم نہیں؟ امراض شدیدہ اور معمولی موت جو تدریجی اور سخت تکالیف کے بعد ہوتی ہے اس آنی موت ذبح سے اگر زیادہ تکلیف دہ ہے تو کیوں ایسی پہلی قسم کی موت دینے والا دیالو۔ کرپالو۔ نیاکاری بنا رہتا ہے؟ اور ذبح کے حکم دینے سے ظالم کہا گیا! آریہ صاحبان! وبائی ہواؤں کا بھیجنے والا رحیم اور عادل نہیں۔؟ بیشک ہے! ضرور ہے! اور قدرتی نظارہ دیکھو! انسان کی بناوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاکی پتلا۔ حیوانات۔ نباتات۔ اور جمادات پر حکمراں ہے اسکی بناوٹ بتاتی ہے کہ اُس کا پورا حق ہے حیوانات سے سواری اور بار برداری کا کام لے ان کے بچوں کا دودھ پیے جانوروں پر حبس اور زد و کوب کی سزا بدون جرم تجویز کرے جس کے باعث اگر جانوروں میں ادراک اور قوی ارادہ ہوتا۔ تو اُن سے خودکشی بھی ممکن تھی تو اس حکمراں کے حق میں ایسی دیرپا تکالیف کے جواز پر ذبح کی تکلیف کو جو صرف ایک دو منٹ کے لیئے ہوتی ہوگی کس عقل سے ممانعت کیجاتی ہے؟ ایک اور نظارہ دیکھلو یا قتل اخس بخاطر اشرف کل مذاہب میں معمول ہے روح کی خاطر اور حفاظت کے لئے بعض امراض میں اعضا کا کاٹنا پسند ہے۔ اور زخم کے ہزاروں کیڑوں کا مار ڈالنا ضرور ہے اور ان کیڑوں کا وہاں سے نکالنا اور جلاوطن کرنا لابد ہے۔ ایک بادشاہ یا ر نیار مر کے بچانے کو ہزاروں جانوروں کا قتل جائز ہے تو کیا انسانی آرام کے لیئے ذبح حیوانات ممنوع ہوگا؟ ہرگز نہیں ✤

ذبح کا حکم جانوروں پر رحم ہے **اول**۔ اگر جانوروں کے واسطے ذبح کا حکم نہ کیا جاتا تو بار برداری اور سواری کے کام میں سخت دکھ اٹھاتے **دوم** جانور پیری۔ ضعف۔ ناتوانی اور عدم خبرگیری سے تکلیف پاتے **سوم** تدریجی موت کے شدائد سے

ط - ایمان بالکتب کی حقیقت بیان فرائی کہ کیا ہوتی ہے -

مندرجہ بالا امور ہیں جو اس رکوع میں مولا کریم نے بیان فرمائے ہیں اب ہم حسب معمول اس رکوع کی تفسیر کرتے ہیں -

وقالت الیھود لیست النصارٰی علیٰ شیٔ وقالت النصارٰی لیست الیھود علیٰ شیٔ وھم یتلون الکتٰب کذٰلک قال الذین لا یعلمون مثل قولھم فاللّٰہ یحکم بینھم یوم القیٰمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کی کچھ حقیقت نہیں ہے) وہ کسی چیز پر نہیں یعنے محض بے حقیقت ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی شے پر نہیں (یعنے ناحق پر ہیں) اور وہ تو کتاب پڑھتے ہیں (یہ ان عالموں کا حال ہو) ایسا ہی ان لوگوں نے کہا جو کچھ نہ جانتے تھے پس اللہ ہی انکی ان مختلف فیہ باتوں میں قیامت کو فیصلہ کریگا -

اصل بات یہ ہے کہ مخاطاً مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو حقیر سمجھے کہ وہ کسی کام ہی کی نہیں ہے اس کا قیام بجائے خود بتا رہا ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہے جو خدا تعالیٰ نے اسکو قائم رکھا ہے - یہ یاد رکھو کہ ہر ایک پہلو سے بری کوئی چیز نہیں ہے باہمی اختلاف اور خانہ جنگیوں کی ابتدا اسی سے شروع ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کی تذلیل اور تحقیر کرے - عیسائی بنی اسرائیل کے نبیوں کو معاذاللہ **چور اور بٹ مار** کہتے ہیں اور یہود مسیح علیہ السلام کی شان میں جو گستاخیاں کرتے ہیں انکا ذکر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے - اس سے ایک عظیم الشان اختلاف کی بنیاد رکھی گئی ہے - اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے اس طرز عمل سے سبق دینا چاہتا ہے کہ تم باہم ایک دوسرے کی تذلیل اور تحقیر نہ کرو - اس آیت میں بہت غور کرنے کے بعد یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر بھی ایک زمانہ ایسا آنے والا تھا جو اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی اس باہمی تذلیل و تحقیر کا ذکر کیا کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم میں کوئی بات ایسی درج نہیں کیگئی جس میں مسلمانوں کے لئے سبق نہ ہو پس جہاں تک غور کیا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسیح موعود کے زمانہ کے واقعات کی خبر ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ اسلام پر آنے والا ہے جبکہ اسلام صرف نام اور رسم ہی کے طور پر رہ جائیگا - اور کہیں اسی زمانہ کو **فیج اعوج** کے نام سے ذکر کیا ہے - اور وہ زمانہ تیرہویں صدی اور چودھویں صدی کے مجدد حضرت مسیح موعود کی بعثت سے پہلے کا ہے کیونکہ اسلام کا صرف نام ہی نام رہ گیا ہے مختلف فرقے اسلام میں پیدا ہوگئے اور ہر ایک ان میں سے صرف اپنے آپ کو تو مسلمان سمجھتا ہے مگر دوسروں کو کافر قرار دیتا ہے اب اگر ان ۷۳ فرقوں میں سے ہر ایک دوسرے کے کفر کا مجموعہ لیا جاوے تو اسلام صرف برائے نام ہی رہ جاتا ہے اور ایک دوسرے کے بنائے ہوئے کافر ہی کافر باقی رہ جاتے ہیں غرض اسلام کی موجودہ حالت بجائے خود تقاضا کر رہی ہے کہ ع مردے از غیب بروں آید و کارے بکند" اسلام چونکہ امن اور صلح کاری پھیلانے کے واسطے آیا ہے اس لئے اس باہمی نزاع کا علاج بتایا کہ

مسیح موعود کے زمانہ پر استدلال

من اظلم ممن منع مسٰجد اللّٰہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا اولٰئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم ۝

(انہوں نے باہمی عداوت کی وجہ سے خدا کی مسجدوں کو ویران کرنا شروع کر دیا) اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے ؟ جو اللہ کی مسجدوں میں اسکا نام لیکارے جانے اور اسکی یاد کرنے سے روکتا ہے اور اُن کے اُجاڑنے کی کوشش کرتا ہے ایسے لوگ جو باہمی عداوت کے سبب ذکر الٰہی کی عظمت کھو بیٹھے ہیں ہرگز اس لائق نہیں رہے کہ اب ایسے پاک مکانوں میں نڈر ہو کر داخل ہو سکیں اب ان کے لئے حفاظت ہو چکی ان لوگوں کی دنیا میں ہی ذلت ہوگی اور آخر کار ان کو عذاب عظیم کا مزہ چکھنا پڑیگا -

اس آیت میں صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کیطرف پیشگوئی ہے - اور پھر اسلام کے ان دونوں کی بابت بھی پیشگوئی ہے جبکہ اخراج عن المساجد پر ندوہ کے دیسے ہی ٹلان پیدا ہو جائیں گے -

قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ پ ۴ اٰل عمران

(سوختنی قربانی) تو کہہ مجھ سے پہلے رسول بینات لیکر اور تمہاری مانگی ہوئی چیز (سوختنی قربانی) کو بھی لیکر آئے پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا - اگر تم صادق ہو۔

تیسری وہ تمام قربانیاں موقوف کر دیں جن میں یہ خیال پیدا ہو سکے کہ وہ تراکیب ہمارے گناہوں - بدکاریوں - نافرمانیوں کا کفارہ ہوں گی - ایسی ہی قربانیوں نے جو ایک برّے کی ہوئی یا نہ ہوئی تمام عیسائیوں کو دلیر و بیباک کر دیا ہے۔

ایسی ہی قربانیاں بعض جگہ منوجی نے ویدوں سے بیان کی ہیں چونکہ منوجی ایسی معتبر کتاب ہے جس کے ذریعے تمام ستیارتھ پرکاش بھرا پڑا ہے ہمیں امید ہے کہ آریہ سماج اسکو تسلیم کرے گی - و الا دکھلائے گی کہ منوجی کے وہ اقوال کس ویدک منتر کے رد رُوہ ہیں۔

منوجی ادھیا تین شلوک نمبر ۶۸

گرستھ کے گھر میں چولھا [۱] - سل بٹہ [۲] - جھاڑو [۳] - اوکھلی - موسل [۴] - پانی کا گھڑا [۵] - ان سب سے کام لینے میں جیو مرتے ہیں۔

شلوک نمبر ۶۹

ان پانچوں کے پرائشچت کے لیے پانچ مہا یگیہ کو گرستھ لوگ نیتہ ہی کریں

شلوک نمبر ۷۰

پانچ مہا یگیہ یہ ہیں - وید کا پڑھنا - برہم یگیہ - پتروں کا ترپن - پتر یگیہ - ہون کرنا - دیو یگیہ - بَل دینا - اتھ کا پوجن - منشیہ یگیہ۔

شلوک نمبر ۷۱

جو کوئی سامرتھ کے موافق ان مہا یگیوں کو کرتا ہے وہ روزمرہ کی ہنسا (جان کشی) کے پاپ سے چھوٹتا رہتا ہے۔

قربانی کے مضمون کا آخری تیسرا بقیہ

ہم نے اس مضمون کے پہلے حصہ میں بتایا ہے کہ قربانیاں کرنا انسانی فطرتوں کا مقتضیٰ ہے اور اسکو واضح کر کے دکھایا ہے کہ قربانی کرنے میں شامیوں - یافث اور عامیوں کی کوئی خصوصیت نہیں - پھر دوسرے حصہ میں یہ بھی بتایا ہے کہ اسلام نے قربانی میں کیا اصلاح فرمائی ہے اور کن قربانیوں سے روکا ہے - اب ہم تیسرے حصہ کو جو اس مضمون کے متعلق ہو بیان کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ اسلام نے کن قربانیوں کو جائز رکھا ہے - سو اوّل انسانی قربانی کا ذکر کرتے ہیں - مگر قبل اس کے کہ اس کا بیان کریں قربان کے لفظ کی جس سے قربانی کا لفظ نکلا ہے تشریح کرتے ہیں - سنو اس لفظ قربان کے لغت عرب میں کیا معنی ہیں - لغت عرب میں لکھا ہے

قرب الشئ قربانا وما تقربت به ومنه الصلوٰۃ قربان کل تقی	خوب ہی نزدیک ہوئی یہ چیز اور قربان وہ جسکو ذریعہ اسکے نزدیک ہو ہی محاورہ ہے کہ نماز ہر ایک متقی کے لیے قربان ہے۔	القربان بالضم ما قرب الی اللہ و القربان جلیس الملک و خاصتہ	قربان پیش کے ساتھ جو اسکے ذریعہ نزدیکی کرے قربان بادشاہ کا مجلسی اور اسکا ممتاز۔

اور حدیث میں آیا ہے

مایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبیتہ - فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا (بخاری)

میرا بندہ نفلوں کے ذریعہ میرے قریب ہوتا ہے یہانتک کہ میں اُسے پیار کرتا ہوں جب میں اُسے پیار کرتا ہوں میں اُسکے کان بنجاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے اور آنکھ بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔

پس قربان کے معنی ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں میں اپنے آپ کو محو کر دینا اور اس ذریعہ سے اپنے آپ کو اُسکے نزدیک کرنا اور اُس کے خاصوں میں ہو جانا - جب کوئی انسان ایسا ہوتا ہے کہ نہ اُسکو کسی کے ساتھ مخلوق میں سے ذاتی رنج و غضب ہوتا ہے اور نہ کسی کے ساتھ مخلوق میں سے ذاتی محبت اور تعلق ہوتا ہے اسکی محبت خلق سے ہوتی ہے مگر للہ و باللہ و فی اللہ ہوتی ہے اور اُسکا بغض بھی ہوتا ہے مگر للہ و باللہ و فی اللہ ہوتا ہے وہ فانی باللہ اور باقی باللہ ہو جاتا ہے - اسکا کھانا صرف اسلیے ہوتا ہے کہ جناب الٰہی نے کُلُوا کا حکم دیا ہے اور ایسے آدمی کا پینا اسلیے ہوتا ہے کہ اسکو پینے میں الٰہی ارشاد ہے وَاشْرَبُوْا - اور اس کا بیوی سے محبت و پیار اسی واسطے ہوتا ہے کہ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (پ ۴ نسآء) کا حکم ہے۔

پس شہوۃ - و غضب - طمع و جزع - عجز و کسل - بے استقلالی وغیرہ رذایل انہیں نہیں رہتے - وہ انعامات کے وقت اگر شکر کرتا ہے تو ارشاد الٰہی سے اگر مصائب پر صبر کرتا ہے تو رضاء الٰہی کے لیے - وہ اپنے اور دوسرے کے معاصی پر اسلیے ناراض ہوتا ہے کہ اُسکا مولیٰ ان باتوں پر ناراض ہے - وہ مشرکوں بے ایمانوں شریروں پر تلوار اُٹھاتا ہے مگر الٰہی ہتھیار بنکر یہی قربانی ہے

ظالم کبھی نہین ہو سکتا - پس صحابہ کا خلیفہ ہونا ان کے ظالم نہ ہونے کی واضح دلیل ہے - فاعتبروا یااولی الابصار ۔

پھر لاینال عھدی الظالمین یہ پیشگوی ہے جو بنی اسرائیل کے خاندان نبوت کو ختم کرتی ہے اور بنی اسمٰعیل کی ابدی نبوت اور امامت پر مہر کرتی ہے

واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی وعھدنا الی ابراھیم واسمعیل ان طھرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود

ابراہیم کے وقت سے اس مکان کو فتن دجال سے سلامتی کا گھر اور لوگون کے اجتماع کی جگہ ہم نے ٹھہرا دیا ہوا ہے اب تم اس عہد کی پیروی کر کے راستباز اور وفادار بن جاؤ اور ابراہیم کے مقام کو اپنی نمازگاہ ٹھہرا لو - یہ وہی عہد ہے جو ہمنے ابراہیم اور اس کے بیٹے اسمٰعیل سے کیا تہا کہ تم اس میرے گہر کے طواف کرنے والون خدا کی یاد مین گوشہ نشین ہونے والون اور رکوع سجود کرنے والون کے لئے بیت اللہ کو بیت رکہو۔

یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو وہ سترہ ایک مقام پر انشاء اللہ نہایت وضاحت سے بیان کیجاویگی کیونکہ اس جگہ اسکا ذکر خصوصیت کے ساتہہ بطور پیشگوئی آیا ہے - مختصر طور پر یہان بہی ذکر کر دیا جاتا ہے **مکہ معظمہ** کے لئے تین عظیم الشان نشان مقرر کئے گئے ہیں

اول یہ کہ وہان لوگ جمع ہون کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسکو مثابۃ للناس فرمایا ہے اب دیکھ لو کہ دنیا کے ہر ایک حصہ سے لوگ وہان جمع ہوتے ہیں -

دوم - امنًا ہر ایک قسم کا امن یہہ اشارہ ہے فتن دجالیہ سے مامون رہنے کی طرف - لکہا ہے کہ دنیا کے ہر ایک حصہ میں دجال پہنچے گا مگر نہ داخل ہوگا تو ہیت اللہ مین چرچ آف انگلنڈ کے ہی پادری صرف ۳۶ کروڑ روپیہ سالانہ خرچ کرتے ہیں دوسرون کا تو ذکر ہی کیا مگر اس بے فصیل کے شہر مین نہین جا سکتے - اور نہ کبھی جا ئین -

مثابۃ اور امنًا کے لفظ بتلا رہے ہیں کہ آنے والے لوگون کے لئے مثابۃ اور نہ آنے کے قابل لوگون سے **امن** ہے -

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی سے یہ مراد ہے کہ ابراہیم کے نقش قدم پر چلو جیسے اوس نے فرمان برداری میں کمال دکہایا تم بہی وہ کمال اپنے اندر پیدا کرو -

عھدنا الی ابراھیم واسمٰعیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آئندہ بیت اللہ مین کبھی بت پرستی نہ ہوگی جیسا کہ آگے بہی اسکی تشریح آتی ہے -

چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا تہا کہ بیت اللہ مثابۃ للناس بنایا گیا اس لئے بلحاظ تقاضا ء بشریت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہہ اندیشہ ہوا کہ کہین اسمٰعیل منقطع النسل ہی نہ ہو جاوے یا اوسکی اولاد بہت کثرت سے ہو تو کہین اس وادی غیر ذی زرع میں بہوکون سے ہی ہلاک نہ ہو جاوے یا فتن دجالی ترقی کر کے اس کو مرتد ہی نہ کر دین اس پر ایک اضطراب اور جوش آپ کی روح مین پیدا ہوا اور یون دعا کی -

واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا بلدًا اٰمنًا وارزق اھلہ من الثمرات من اٰمن منھم باللہ والیوم الاٰخر قال ومن کفر فامتعہ قلیلا ثم اضطرہ الی عذاب النار وبئس المصیر

اور اسوقت کی طرف اشارہ تہا جب ابراہیم نے خدا کے حضور یون دعا کی اے میرے رب تو اس شہر کو امن وسلامتی کا شہر بنا دے اور فتن دجالیہ سے اس کو محفوظ رکہہ اور یہان کے رہنے والون کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والے ہون گے پہلوں اور میوون سے رزق عطا فرمائیو - خدا نے فرمایا کہ ان منکر ہی کچہہ تہوڑا سا عرصہ اس شہر میں آباد رکہ کر قلیل سا

اور سچ بھی ہے کیونکہ اسماعیل کے جیتے اُس کی جوانی کے قریب زمانہ میں اسحاق کا ذبح کرنا کوئی عظیم الشان امر نہیں۔ ایک تیرہ برس کا بچہ موجود ہے اس وقت ایک سالہ کا قربان کرنا ایسا خطرناک نہیں جیسے تیرہ سالہ اکلوتے کا قربان کرنا"
پھر اسی کے جلد نمبر ۱ صفحہ ۵۵ میں لکھا ہے کہ کنعانیوں میں جو قدیم باستثناء فلسطین کے مقنے ان میں انسانی قربانی کا رواج تھا۔ جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی رویا کے مطابق جب بجائے لڑکے کے مینڈھا ذبح فرمایا۔ تو اسطرح سے انسانی قربانی کا ازالہ فرماکر حیوانی قربانی اس کے قائمقام کر دی۔
ہاں پال! یہ تو بتاؤ کہ تمہارے یہاں گنی میں ہونا کے لیے جو کچھ ڈالا جاتا ہے اور اسے تم لوگ ہٹ کہتے ہو۔ اور ہٹ میں کیا ہوتا ہے دیکھو یجروید صفحہ ۴۶ - تیسرا ادھیا - منتر نمبر ۱ کی تفسیر "خوشبو دار کیسر - کستوری وغیرہ میٹھا گوڑ - شکر وغیرہ روگ ناشک گورچ وغیرہ چار قسم کا ساکل" اس پر غور کرو۔
جب گھر گھر تمام دنیا میں ہر روز کستوری جلائی گئی تو اس قیمتی چیز کے طمع پر کسقدر کستوری کے ہرن مارے جائیں گے اور شکاری ان کے تباہ کرنے میں کس قدر کوشش کرینگے۔ شہد کے لیے کسقدر مکھیوں کی خانہ ویرانی کرنی پڑے گی۔
اب ہم اسلامی قربانی اور اس کے مقابل آریہ ورتی قربانیوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام قوموں کے مصلح ہوکر آتے ہیں وہ کل رسومات سابقہ کا استیصال کرنا نہیں چاہتے بلکہ ان میں جو رسم محض غلط اور توہم پر مبنی ہو اسکو تو باطل کر دیتے ہیں اور جس رسم کی اصل صحیح ہو مگر اُس کے ساتھ کچھ غلطی ملگئی ہو اس میں صرف غلطی کی اصلاح فرما دیتے ہیں۔ اس نکتہ کو یاد رکھکر مضمون آیندہ پر نظر کرو۔

دوسرا مضمون قربانی پر

اسلام نے بعض قربانیوں کو قطعاً حرام اور نیست و نابود کر دیا ہے۔ اول - وہ قربانیاں جن میں بت پرستی اور شرک ہو کیونکہ شرک میں مبتلا انسان بحیثیت مشرک ہونے کے حقیقی اسباب کو ترک کر کے اپنی دیوی دیوتا سے امیدوار کامیابی کا ہوتا ہے اس لیے حقیقی کامیابی سے محروم رہتا ہے اور دوسرے ان مشرکوں اور پجاریوں کو اپنی اپنی دکان گرم کرنے کے لیے صدہا جھوٹے قصے بنانے پڑتے ہیں۔
اس لیے توحید کی حامی شریعت نے ایسی تمام قربانیوں کو باطل کر دیا اور محرمات میں اسکو رکھدیا اور فرمایا

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ | حرام کیا گیا تمپر مُردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کا نام پکارا جائے۔

اور ہمارے صوفیاء کرام نے تو یہاں تک احتیاط اور تاکید کو اختیار فرمایا ہے کہ وہ کہتے ہیں ما کا لفظ جو مَا أُهِلَّ میں آیا ہے وہ عام اور وسیع ہے۔ پھر حضرت شیخ ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے دیکھو فتوحات مکیہ جلد نمبر ۳

وَالشِّعْرُ فِي غَيْرِ اللَّهِ مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَإِنَّهُ لِلنِّيَّةِ بِهِ أَثَرٌ فِي الْأَشْيَاءِ وَاللَّهُ يَقُولُ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔ پ سرتینہ | غیر اللہ کے لیے شعر کہنے مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ سے ہے کیونکہ نیت کا اثر چیزوں میں ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور نہیں حکم کیے گئے وہ لوگ مگر اس بات کا کہ عبادت و پرستش کریں اللہ کی صرف اُسی کے لیے خالص کرنے والے ہوں اپنے دین کو

ہم نے اپنی کتاب میں ایسے شعروں سے پرہیز کیا ہے جو کسی محبوب مجازی کے حق میں غیر اللہ کے لیے وہ شعر بولے گئے کیونکہ وہ مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ ہیں اور حرام ہیں۔ دوم - تمام ان سوختنی قربانیوں سے روک دیا گیا ہے جو اشیاء آگ میں تباہ کی جاتی ہیں اور جن کا ذکر صدہا بلکہ ہزارہا بار یجر - رگ - سام ویدوں میں ہوا ہے - تمہارے مشرک بھائیوں نے اسوقت بھی حضرت نبی کریم پر یہی اعتراض کیا جیسے اُن کا قول خدا تعالیٰ نے نقل کیا ہے اور فرمایا ہے

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ پ۔ آل عمران | اللہ نے سنی بات اُن کی جنھوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم دولتمند ہیں۔

اور پھر یہ تمہارا اعتراض نقل کیا ہے اور کہا ہے۔

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ | وہ جنھوں نے کہا کہ ہم رسول کی بات نہیں مانیں گے جبتک ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جاتی

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ بَلْ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ ○

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○

اسلام میں کوئی اعتقاد ایسا نہیں جو مبطل صفات الٰہی ہو جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ تجویز کیا اور کہا کہ اس نے بھی ایک بیٹا اختیار کیا ان کا یہ عقیدہ شان خدا کے شایان نہیں۔ اسکی ذات پاک ہے وہ ہر ایک قسم کی احتیاج سے پاک ہے ہر ایک قسم کے عیب سے بَری ہے آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا مال ہے اور یہ سب کے سب فرمان بردار الٰہی ہیں اسکے حضور میں ادب سے سرنگون ہیں۔ سب آسمان اور زمین کو بغیر مادہ اور بلا کسی نمونے کے اپنی قدرت کاملہ سے اس نے پیدا کیا ہے یہ اسی کی شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو اسکو حکم دیتا ہے کہ ہو وہ ہو جاتی ہے ایسی عالی شان ذات کے لئے کب زیبا ہے کہ وہ کسی عورت کے پیٹ سے نکلے ہوئے بچے کو اپنا بیٹا بنائے اسکی ذات و صفات ایسے تعلق سے بالکل پاک اور مبرا ہے وہ سبحٰن ہے۔

ان آیتوں میں مسیح کی **الوہیت - ابنیت** کی کامل تردید فرمائی ہے اور معجزات مسیح کی حقیقت کھول کر بتائی اور اس طرح پر **الضال** گروہ کی ایک اور تفسیر بتائی ہے۔

عیسائی جو مسیح کو ولد اللہ کہتے ہیں غور سے سنیں اور وہ لوگ جو عیسائیوں کے خیالات کو سن کر اعتقادی طور پر مسیح کو ان صفات سے متصف کرتے ہیں جو صرف خدا یگانہ کے سزاوار ہیں اس مقام پر غور کریں۔

ابطال الوہیت و ابنیت مسیح	قرآن کریم کا طرز بیان ایسا کامل ہے کہ دنیا کی اور کسی کتاب کو فخر حاصل نہیں۔ جو دعویٰ کرے اسکے دلائل بھی ساتھ ہی دے۔ اس مقام پر قرآن کریم قالوا اتخذ اللّٰہ ولدا کی تردید کرتا ہے اکثر میں **پہلی دلیل**

سُبْحٰنَہٗ ہے

یعنی اللہ تعالیٰ تو ہر عیب و بدی سے منزہ ہے مگر **ولد** ماننے والوں کو لازمی طور پر خدا میں ایک عیب ماننا پڑتا ہے عیسائی ہی یہ بات مانتے ہیں کہ **خدا عادل** ہے اور **رحیم** ہے لیکن بیٹے کے ماننے سے نہ عادل رہ سکتا ہے نہ رحیم رہ سکتا ہے؟ کیونکہ عیسائیوں کے عقیدہ کے موافق **خدا رحیم** تب رہ سکتا ہے کہ گناہگاروں کو چھوڑ دے لیکن جبکہ اوس نے گناہ گاروں کے بدلہ میں ایک **فدیہ** لے لیا تو رحیم کہاں رہا؟ اور **عادل** بھی نہ رہا اس لئے کہ اپ نے **ایک بیگناہ کی جان لی** پس اس سے خدا تعالیٰ کی سبحانیت میں فرق آگیا معلوم ہوا کہ **ولد اللہ کا** مسئلہ ایک ایسا اعتقاد ہے جو خدا تعالیٰ کی صفت **سبحان** ہونے کے خلاف ہے اس لئے ہرگز درست نہیں ہے۔ اور یوں بھی اس صفت کے خلاف ہے کہ خدا تعالیٰ میں عجز ثابت ہوا کہ وہ گناہگاروں کو بدوں اس کے نجات ہی نہیں دے سکتا کہ خود اپنے بیٹے میں حلول کرے اور پھانسی پر لٹک مرے سبحان اللہ العظیم غرض اس عقیدہ باطلہ کے باعث خدائے قدوس پر بہت نقص ماننے پڑیں گے۔

پھر تردید ابنیت و الوہیت پر **دوسری دلیل** یہ دی بل لہ ما فی السمٰوٰت والارض کل لہ قانتون یعنے جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اسی کا فرمان بردار ہے۔

مسیح اگر ابن اللہ یا خود خدا ہے تو اسکی کسی ملکیت کا جز زمین پر ہو یا آسمان میں پتہ دو۔ سورج۔ چاند ستارے تمام ارضی و سماوی اشیاء اللہ ہی کی فرماں برداری میں مصروف ہیں مسیح کی فرماں بردار کون سی چیز ہے۔ ایک انجیر کا درخت تو صرف تلور شدت بھوک کے وقت مسیح کی اطاعت نہ کر سکا۔ اور پھل نہ دے سکا۔ تو اور کیا مسیح کے اختیار و املاک میں ہوگا؟ اس انجیر کے درخت نے خدا ہی کی فرماں برداری کی جس نے اسوقت اوسکو بے ثمر رہنے کا حکم دے رکھا تھا۔

ناواقف مسلمان غور کریں!	اس مقام پر ان ناواقف مسلمانوں کو بھی غور کرنی چاہئے جو یہ کہتے ہیں کہ مسیح نے چمگادڑ بنائے تھے

اللہ تعالیٰ کیسے صاف طور پر نفی فرماتا ہے بل لہ ما فی السمٰوٰت والارض زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کی ملک و مال ہے نہ کسی دوسرے کا مسیح کے بنائے ہوئے چمگادڑ اس آسمان اور زمین میں تو ہو نہیں سکتے اب اس نئی زمین نئے آسمان کا پتہ دو

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (انعام)	میری نماز میری قربانی میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے ہاتھ ہے جو پروردگار ہے جہانوں کا اسکا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا فرماں بردار ہوں ۔

دوم ۔ مشرکوں ۔ بت پرستوں کو دکھایا ہے کہ تمہاری دیوی دیوتا کی قربانیاں سب لغو ہیں انکی ذرہ ضرورت نہیں ۔ اگر یہہ ضروری ہیں تو دیکھو میں جانوروں کو ذبح کرتا ہوں مگر پھر بھی ان دیوی دیوتا کی نذر نیاز میں نہیں چڑھاتا اور نہ اُن کے نام سے ذبح کرتا ہوں ۔ اور نہ میں انکی دیوتا میں اُنکو ڈالتا ہوں مگر میرا ذرا نقصان نہیں ہوتا ۔ اگر کوئی خونخوار دیوی دیوتا ہے اور میں اسکی مخالفت میں اسکے نام کی قربانی نہیں کرتا تو چاہئے کہ میرا کوئی بال تو بیکا کرکے دکھائے جب نہیں کرسکتا تو معلوم ہوا کہ یہ قربانیاں لغو ہیں ۔

پس جیسے ہمارے سب کام الٰہی رضامندی کے لئے ہونے چاہئیں اسی طرح قربانیاں بھی اسی کے نام کی ہونی چاہئیں ۔ سجدہ ہو تو اسیکا ۔ تعظیم ہو تو اسی کی ۔ ذبح ہو تو اسی کے نام کا وغیرہ وغیرہ ۔

سوم ۔ چونکہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے اس لئے یہہ ظاہری نظارہ کہ ہمنے کس طرح ایک جانور کو جو ہمارے ماتحت ہے ذبح کردیا ہے جناب الٰہی کی کبریائی کو یاد دلاتا ہے کہ ہم اور ہمارے اطبا اور ہمارے مدبر و محافظ اور دعائیں اور شفاعت کرنے والوں کی تمام کوششیں اس محدود زندگی کیلئے انکی محنتیں بے سود ہوجائیں گی اور بے سود ہوجاتی ہیں ۔ اسی طرح حق سبحانہ وتعالےٰ کیطرف سے جب حقیقی طور پر وفات وموت کا وقت آگیا جو ہمارے لئے مقدر ہے ہزار ہاتھ پاؤں ہلائینگے کچھ مفید نہ ہوگا ۔ اس قربانی کے اس نظارہ سے انشاءاللہ امید ہے کہ آخر انسان اس نتیجہ پر پہنچ جاوے اگر سلیم الفطرت ہے کہ دنیا روزے چند عاقبت کار با خداوند مجھے کامل فرمانبرداری حق سبحانہ تعالےٰ کی چاہئے ۔

۲۶۱
ع ۲۳

چہارم ۔ جہانتک نظام کائنات کا مطالعہ کیا جاتا ہے اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ عناصر بسیط سے لیکر حیوانات تک بلکہ ادنےٰ انسانوں سے لیکر متوسطین تک اعلےٰ درجہ کے انسانوں کے لئے نیابت کرتے ہیں ۔ اور نظارے جانے دو ۔ بیل جی زمین کے پھاڑنے ۔ پانی کے دینے بار برداری کیلئے ہر وقت انسان کی محنتوں کے بدلہ اپنے آپکو لگائے ہوئے ہیں اور کوئی عقلمند یا رحیم مذہب اس سے مضائقہ نہیں کرتا ۔ خود گاؤ تمہاری ماتا جی چرواہے کے قبضہ میں تمام دن کاٹتی ہے اور اس کا بچہ اس سے الگ **بلبلاتا ہے** ” اور تڑپتا ہے “ پر ماتما لوگ اپنے لئے اور اپنے بہُو اور بہوُ کیلئے کوئی آریہ سماجی رحم نہیں کھاتا ۔

اسی طرح فوجیں اور اُنکے متوسط افسر اعلےٰ انسان کے لئے کٹوائے جاتے ہیں اور مارے جاتے ہیں تو کیا اس سے یہ چوتھی وجہ قربانی کی نہیں نکل سکتی کہ ہم بیماروں کی جان کے بدلہ بھی انکو قربان کردیں +

لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ قرآن کریم کی یہہ لانظیر تعلیم ایسی ہے کہ دوسرے مذاہب میں اسکی نظیر ملنا ممکن نہیں ہے ہم نے اپنی اس تفسیر کے پہلے کسی مقام پر بتایا ہے کہ اسلام انسان کو سست اور نکما بنانا نہیں چاہتا اور یہہ بھی کہ اسلام کی تعلیم حکیمانہ نظام اپنے اندر رکھتی ہے جیسا کہ لفظ اسلام کا منشاء ہے اسلئے وہ انسانی قوئے کے تمام پہلوؤں کا نشوونما کرتی ہے ۔ اور نقطہ اعتدال پر جو صراط المستقیم کا دوسرا نام قرار پاسکتا ہے واقع ہوئی ہے ۔ چنانچہ اس آیت میں **لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ** کا حصہ اس امر کو ثابت کررہا ہے ۔ اس حصہ میں جہاں حفظان صحت کے ان تمام اصولوں کی (جو محکمہ حفظان صحت مدتہائے دراز کی تحقیقات اور خوردبین کے بعد معلوم کرسکتا ہے) پیروی کی ہدایت موجود ہے ۔ وہاں **دفاعی** قانون کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے ۔ +

عیسائی مذہب سے مقابلہ اس حصہ آیت میں یہہ حصہ آیت قانون دفاعی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے ۔ اور یہہ اسلام ہی کا کمال ہے عیسائی مذہب اس کے مقابلہ میں کہاں ٹھیر سکتا ہے جو کہتا ہے کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دو ۔ **اور خود مسیح کی اپنی عملی تعلیم خودکشی** (کفارہ) ہی اسکے رد کے لئے کافی ہے ۔ اسکے مقابلہ میں اسلام کی یہ تعلیم ہے **جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ** الآیۃ ۔

باوجود اسکے کہ اسلام نے دفاعی تعلیم دی ہے لیکن اسکے ساتھ ہی اسکے کمالات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ **احسان** کو چھوڑنا نہیں چاہتا چنانچہ فرمایا ۔

اور غیر ذی زرع بے آباد بیابان کا آباد ہو جانا اور دنیا کا مرجع و مآب ہو جانا ابراہیمی دعا ہی کا نتیجہ ہے اور پہلے نوشتون کے مطابق یہ وہی نبی ہے جسکا ذکر پیدایش باب ۱۸ آیت ۲۰ مین یون کیا گیا ہے۔ اور اسمعیل کے حق مین مینے تیری سنی (تیری پکار جو تونے اسمعیل کی بے وطنی مین جدا ہوتے وقت اس سے کی ہے مینے سن لی قبول کرلی) دیکھ مین اسے برکت دون گا (وہ ان تمام برکتون کا وارث ہوگا جو روحانی اور جسمانی طور پر تجھ سے اور تیری نسل سے وعدہ کرچکا ہون) اور اسے برومند کرونگا اور اسے بہت بڑھاؤن گا (اسکی نسل بڑھے گی اور اسکے خاندان کا شجر پھلدار ہوگا اس وقت وہ اکیلا ہے بے سامان ہے مگر نسلون کا باپ باسامان ہوگا دین اور دنیا مین بار آور ہوگا) اور اس سے بارہ سردار پیدا ہون گے اور اس سے بڑی قوم بناؤن گا (ظاہر طور پر اسکی نسل ایسی بااقتدار ہوگی کہ وہ بڑی قوم بنجائیگا اور اسکی قوم مین بارہ سردار قایم ہون گے) حجاز عرب مین ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اکبر حضرت اسمعیل کی آبادی۔ ترقی۔ نسل کا بڑھنا قریش کا بااقتدار ہونا بڑی قوم بنا شریعت کا بھی بنی اسمعیل مین بنی اسرائیل کی طرح قایم ہونا۔ قرآن جیسی کامل کتاب کا کامل انسان یعنی خاتم الانبیا پر دعاء ابراہیم کی قبولیت کے نتیجہ مین نازل ہونا۔ اقوام عرب بنی اسمعیل کا دینی و دنیوی برکتین پانا برومند ہونا۔ کل اقوام خصوصًا بنی اسرائیل کے سامنے حیرت ناک طور سے اقبال مند بن جانا اقران و امثال پر سبقت لیجا کر بااقتدار بڑی بڑی سلطنتین قایم کرنا یہہ واقعات صحیحہ ہین اور اگر یہہ ابراہیم کی دعا کا اثر نہین اور قادر قیوم خدا کے منشاء سے یہہ سلسلہ جاری نہیں ہوا تو کیا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے

وہ مثیل[1] حضرت موسی دعائے ابرہام | جسکے منہ مین خود خدا نے دیدیا اپنا کلام
تاکہ بھر جائے زمین اسکی ستایش سے تمام | اور صفات حق ہوں[2] اُس سے عیان جہان مین خاص و عام

حضرت داؤد کا وہ پہلوان باوقار
اور سلیمان[3] کا محمد نام ہے پیارا نگار

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاک اور مطہر زندگی کا اسی دعا ہی سے پتہ لگ سکتا ہے کاش ! آنکھہ کے اندھے اعتراض کرنے والون کو ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہی پر نظر کی ہوتی حقیقت مین دنیا مین ایک کامل مکمل مزکی انسان آیا۔ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید
اللھم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم
و علی آل ابراھیم انک حمید مجید +

---

[1] استثنا $\frac{۱۹}{۱۸-۲۱}$ [2] زبور ۴۵ [3] تسبیحات سلیمان $\frac{۵}{۱۰-۱۶}$

جس کے بارے میں ارشاد ہے

إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۔ پ ۶ مائدہ

جب ان دونوں نے قربانی دی۔ آخر ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی رد ہوئی۔ کہا میں تجھے مار ڈالوں گا اُسنے کہا اللہ متقیوں کی قربانی قبول کیا کرتا ہے۔

دوسری انسانی قربانی جسکو اسلام نے جائز رکھا ہے جو انان قوم اور مدبران ملک کی قربانی ہے مگر اسوقت کی بڑی بڑی سیاسی بلاد یورپ و امریکہ ہاں عام بلاد کا ذکر کیوں کریں۔ خود انگلستان نے میری ذرہ سی شخصی زندگی میں جہاں انڈیا۔ کابل۔ پنجاب۔ دہلی کے غدر۔ سوڈان۔ خرطوم۔ ٹرنسفال اور سمالی لینڈ وغیرہ جزائر میں صرف تجارۃ یا یوں کہو حکومت کے لیئے لاکھوں ہزار ور ڈ ر قربانی کیے ہیں تو وہاں ان تراشے گلوں نے اپنے ملک و قوم کو تو دنیا کے صراط پر سے کیا گذرا دنیا کی جنت میں پہونچا دیا ہے۔ اور وید کی تعلیم نے تو ہزار ہا منتروں میں اس سرمبیدہ انسانی قربانی کی تاکید رکھی ہے۔ میں کہاں تک گنکر دکھاؤں مشتے نمونہ از خروارے لکھتا ہوں۔

اول دیکھو سوال نمبر ۴ کو جہاں مینے مفصل حوالے دیے ہیں ستیارتھ ص ۳۵۵ رگوید بھاش نمبر ۱۶۶ و نمبر ۷۰ و نمبر ۶۱۶۔ اور اسکے علاوہ دیکھو یجر وید ادھیا نمبر ا منتر ۵ حصول راج اور لکھشمی کے لیے کیا شغل تجویز کیا ہے اور اسی ادھیا کے منتر نمبر ۶ و منتر ۲۶ میں جہاں دشمن کے باندھنے اور چیرنے کا حکم ہے قابل غور ہے۔ اور منتر ۲۸ میں ہے بغیر لڑائی اور طاقت کے دشمن کبھی نہیں ڈرتے۔ یجر وید ادھیا ۵ منتر ۲۲ میں ہے جیسے میں دشمن سپاہ و شتر دلن کے شر کاٹتا ہوں تو بھی کاٹ۔ یجر وید ادھیا نمبر ۶ منتر ۱ جیسے میں بد اطواروں کی گلو تراشی کرتا ہوں ویسی ہی آپ بھی کیجیے لہذا اسلام نے اس قربانی کو صرف دفاعی جنگوں میں منحصر اور محدود کر دیا۔ جب مخالف دشمن مسلمانوں کو قتل کریں اور اسلام کا استیصال کرنے لگیں تو اُسوقت کے لیے فرمایا۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۔ پ ۱۷ حج

اجازت دیگئی ان لوگونکو جنسے لڑائی کیگئی اسلیے کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ انھیں دشمن پر غالب

اور فرمایا ہے

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۔ پ ۲ ۔ بقرہ۔

مقابلہ کرو اعلاء کلمۃ اللہ میں اُن سے جو تمسے مقابلہ کرتے ہیں اور حد سے نہ بڑھنا۔

اسکے معنی نبی کریم صلعم اور آپکے اول جانشین نے یہ کیے ہیں کہ "لڑکے۔ عورتیں۔ بڈھے۔ فقیر اور تمام صلح جو نہ مارے جائیں" اور فرمایا

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ ۔ پ ۲ ۔ بقرہ

مقابلہ کرو یہاں تک کہ فتنہ اور شرارت نہ رہے۔

اسلام کا اللہ تعالیٰ نے دو نوطر پر غلبہ دکھانا چاہا ہے ایکوقت تھا جب دشمن نے اسلام کے استیصال کے لیئے تلوار اُٹھائی مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا تو اسلام نے مسلمانوں کو بغاوۃ سے روکدیا کہ غدر نہ کرنا اس ملک سے نکل جاؤ۔ جہاں تکلیف ہے اسلیے مکہ معظمہ کا ملک چھوڑ دیا گیا۔ جب دشمن کو اہیر صبر آیا اور اُسنے تعاقب کیا تو آخر اسلام نے تلوار اُٹھائی اور کامیاب ہوگیا۔ پھر اسوقت چودھویں صدی میں صرف حجج کے حملے سے اسلام کی جنگ شروع ہو گئی اسلام کے باعث کوئی قوم مسلمان پر ہتھیاروں سے اب کام نہیں لیتی تو اسلام نے بھی براہین نیرہ اور حجج ساطعہ اور دلائل واضحہ (ترک رسی) سے مقابلہ شروع کیا۔ بُت پرست قومیں اسلام کے مقابلے سے ہار کر بُت پرستی کے دعوی سے باز آرہی ہیں اور بالکل اس مسئلہ میں صلح ہو رہی ہیں کیونکہ انڈیا میں کچھ برہمو ہوگئے ہیں اور کچھ آریہ سماج۔ ادھر یورپ و امریکہ میں یونی ٹیرین۔ فری تھنکروں کا سمندر موج مار رہا ہے اور کیا خوب ہوا حضرت مسیح کی خدائی بیست و نابود ہو رہی ہے یُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ پ ۲۸۔ حشر) مخلوق اسلام کے مقدس مذہب میں آرہی ہے۔ دھرم پال بابا اور اس کے چند بھائی اسطرح اسلام سے نکل گئے جیسطرح مکھن سے بال الگ ہو جاتا ہے تاکہ مقدس مذہب اسوقت خس و خاشاک سے پاک ہو جاوے۔

ہمارے مولوی تو علی العموم سمجھیں یا نسمجھیں اگر اسوقت وہ مہدی آنیوالا ہو [illegible] ملو خونی جنگ کرنی ہے تو ایجاد اسلحہ اور اتحاد قومی و ملکی اور عصبیت کا جلوہ مسلمانوں میں روز افزوں ہونا یورپ میں عصبیت کے سوا جنگ کی وساطت سے دینوی سلطنت کا ملنا خیال است و محال است و جنوں۔ میرے دیکھتے ایکطرف سلطنت اودھ و دہلی۔ زنجبار۔ مسقط۔ مصر۔ مراکش اور دوسری طرف یارقند۔ سمرقند بخارا۔ سرویہ۔ مانٹی نیگرو۔ ہرزیگوینا۔ و جزائر سائپرس۔ کریٹ بلکہ او حصص مملکت ترک بھی اور عرب کے حصہائے کویت و عدن و یمن بنند بیج کچھ نکل گئے اور باقی نکل رہے ہیں۔ اسیواسطے تو **مہدی صادق** علیہ السلام نے **دینی جہاد کی ممانعت کا فتویٰ مسیح موعود کی طرف سے شائع کیا ہے۔**

تیسری قربانی جسکو اسلام نے بعض جانورونکو اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی یاد کرکے ذبح کرنے اور اُنکا گوشت پکا کر استعمال کرنیکا حکم دیا ہے اس قربانی کے منشا بہت ہیں۔ **اول** تو وہ حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کی اس سچی قربانی کی یادگار ہے جو ان دونوں نے اس فرمانبرداری میں کر دکھائی اور جس کا بیان اس آیت میں ہے۔

إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۔ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۔ پ ۲۳ صافات۔

میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں اپنتو غور کرکے بتا کہ تیری کیا رائے ہے اُسنے کہا اے میرے باپ تو وہ بات کر جسکا تجھے حکم دیا جاتا ہے تو مجھے انشاء اللہ صابر پائیگا جب وہ دونوں اللہ کے حکم پر راضی ہوگئے اور اُسے ماتھے کے بل لٹایا ہمنے اسے آواز دی کہ اے ابراہیم تونے خواب کو سچا کر دکھایا۔

اور فرمایا

فایدہ اُٹھائین گے مگر پھر اُن کو عذاب النار مین بے بس کرون گا جو کہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت مین **اداب دُعا** کی رعایت اور اسکی قبولیت کا باعث کیسی صاف طور پر بیان کر دیا ہے۔ حضرت ابراہیم مومن کے لئے دعا کرتے ہین اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرانے والا اگر اپنے اندر کسی قسم کی صلاحیت اور طہارت نرکھتا ہو تو دعا کرنے والے کی دُعا اسکو کچھہ فایدہ نہین پہنچا سکتی۔ علاوہ ازین مومن کو دعا کرتے وقت حزم و احتیاط چاہئے کہ وہ کسی ایسے انسان کے لئے دعا کرنے کی جرأت نہ کرے جو خدا کی نگاہ مین اپنے افعال بد کی وجہ سے مردود ہو۔

پھر اس آیت سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ **مومن بھوکا نہین مر سکتا** آخر مین ایک پیشگوئی فرمائی جو کفار مکہ کے انجام کی خبر دیتی ہے ومن کفر فامتعہ قلیلا ثم اضطرہ الی عذاب النار

نار سے مراد جنگ بھی ہوتی ہے یعنے آخر منکران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ میں ہلاک کر دون گا۔ تاکہ آخرت کے عذاب النار کے لئے ایک دلیل ان کے لئے قایم ہو چنانچہ منکران سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی بے بس ہو کر ہلاک ہوئے۔ پھر حضرت ابراہیم نے اسی دُعا کے سلسلہ مین عرض کی۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع
العلیم ٥ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک وارنا مناسکنا
وتب علینا انک انت التواب الرحیم ٥ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا
علیھم اٰیٰتک ویعلمھم الکتب والحکمة ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم ٥

اور اب تم کو وہ وقت یاد کرنا چاہئے کہ خود ابراہیم اور اسمٰعیل نے اس گھر کی بنیادین اٹھائین اور اسکی دیوارین اٹھاتے وقت انہون نے یہہ دعا کی تہی اے ہمارے پروردگار تو اس ہماری بنائی ہوئی عمارت کو قبولیت کا شرف بخش تو سمیع اور علیم ہے تو سنتا اور جانتا ہے کہ کس نیت اور ارادہ پر ہمنے یہ عمارت کھڑی کی ہے اے ہمارے پروردگار ہمکو تو اپنا ہی فرمان بردار بنالے اور ہم کسی کو زبان سے یا ہاتھ سے دُکھہ دینے والے نہ ہون اور ہماری اولاد مین سے نیکیون اور بھلائیون کے سکھانیوالے گروہ پیدا کریو اور وہ تیرے ہی فرمان بردار ہوں اور ہم کو اپنی حدود سے آگاہ کر اور اس گھر مین بندگی اور نیاز مندی بجا لانے کا طریق خود ہی تعلیم فرما اور ہمکو رجوع الی اللہ اور انابت کی توفیق عطا فرما۔ ہان ہان اے مولا تو اور صرف تو ہی توبہ قبول کرنیوالا اور رحم کرنیوالا ہے۔

اے ہمارے رب تو ان لوگون مین سے جو یہان آباد ہون **ایک رسول** مبعوث فرما جو تیرے احکام اور نشان ان پر پڑہے اور انکو لکہی ہوئی محفوظ باتین تعلیم کرے اور وہ باتین مضبوط اور پکی اور برمحل اسرار حکمت سے بھری ہوئی ہون اور ان کی ناپاکیون کو دور کرکے انکو پاک صاف بنا دے۔ بیشک ! اے پروردگار تو عزت والا اور حکمت والا ہے۔ تو ہی تو ایسا توانا ہے کہ اپنے فرمان بردار بندون کی دعاؤن کو قبول فرماکر جہان مین بڑے بڑے زور آور حکمت سے بار آور بنا دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر اجمالی طور پر تورات مین بہی ہے تورات ابراہیمی واقعات اور متلیات کو کچھہ تو پہلے ہی مفصل طور پر بیان نہین کرتی اس پر اسمٰعیلی واقعات اور بہی اجمالی رنگ لئے ہوئے ہین

حضرت ابراہیم کی اس دعا پر غور کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علو شان و رفعت **تزکیہ نفس** کا خوب پتہ لگتا ہے۔ جہان حضرت ابراہیم کی دُعا کو نقل فرمایا ہے اور دوسرے موقع پر خود اللہ تعالے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی شان بیان فرماتا ہے چنانچہ سورۃ جمعہ مین فرمایا ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمة جس سے حضرت ابراہیم کی دعا کی قبولیت کا جو اوس نے سمیع و علیم عزیز و حکیم ذات کے حضور اپنے بیٹے اسمٰعیل اور اوسکی اولاد کے حق مین کی تہی اور اس قبولیت دعا کو ذات ستودہ صفات فخر موجودات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق فرمایا جبتک اللہ کا معزز و محترم ہونا

ہوتی ہے کہ وہ ایسے محسن کی عبادت کرنیکے وقت اُسکو غایب نہیں سمجھتا بلکہ یقیناً اُسکو حاضر خیال کرکے اس کی عبادت کرتا ہے اور اس عبادت کا نام قرآن شریف میں اِحسان ہے اور صحیح بخاری اور مسلم میں خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے احسان کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں۔

اور اس درجہ کے بعد ایک اور درجہ ہے جس کا نام اِیتَاءِ ذِی القُربٰی ہے + اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب انسان ایک مدت تک احسانات الٰہی کو بلا شرکت اسباب دیکھتا ہے اور اوسکو حاضر اور بلا واسطہ محسن سمجھکر اُس کی عبادت کرتا رہے تو اس تصور اور تخیل کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک ذاتی محبت اسکو جناب الٰہی کی نسبت پیدا ہو جائیگی کیونکہ متواتر احسانات کا دائمی ملاحظہ بالضرور شخص ممنون کے دل میں یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ اوس شخص کی ذاتی محبت سے بھر جاتا ہے جس کے غیر محدود احسانات اُسپر محیط ہو گئے پس اس صورت میں وہ صرف احسانات کے تصور سے اُسکی عبادت نہیں کرتا بلکہ اوسکی ذاتی محبت اس کے دل میں بیٹھ جاتی ہے جیساکہ بچہ کو ایک ذاتی محبت اپنی

> **نوٹ** مرتبہ ایتاء ذی القربٰی متواتر احسانات کے ملاحظہ سے پیدا ہوتا ہے اور اس مرتبہ میں کامل طور پر عابد کے دل میں محبت ذاتی باری تعالےٰ کی پیدا ہو جاتی ہے اور اغراض نفسانیہ کا رائحہ اور بقیہ بالکل دور ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محبت ذاتی کا اصل اور منبع دو ہی چیزیں ہیں۔
> (۱) اوّل کثرت سے مطالعہ کسی کے حسن کا اوس کے نقوش اور خال وخط اور شمائل کو ہر وقت ذہن میں رکھنا اور بار بار اوسکا تصور کرنا۔
> (۲) دوسرے کثرت سے تصور کسی کے متواتر احسانات کا کرنا اور اُس کے انواع اقسام کے مروتوں اور احسانوں کو ذہن میں لاتے رہنا اور ان [illegible]

ماں سے ہوتی ہے پس اسوقت وہ عبادت کے وقت صرف خدا تعالےٰ کو دیکھتا ہی نہیں بلکہ دیکھ کر سچے عشاق کیطرح لذت بھی اٹھاتا ہے اور تمام اغراض نفسانی معدوم ہو کر ذاتی محبت اس کی اندر پیدا ہو جاتی ہے اور یہ وہ مرتبہ ہے جسکو خدا تعالےٰ نے لفظ ایتاء ذی القربٰی سے تعبیر کیا ہے اور اسی کی طرف خدا تعالےٰ نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا غرض آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى کی یہ **تفسیر** ہے اور اس میں خدا تعالےٰ نے **تینوں مرتبے** انسانی معرفت کے بیان کر دئے اور **تیسرے مرتبہ** کو محبت ذاتی کا مرتبہ قرار دیا اور یہ وہ مرتبہ ہے جس میں تمام اغراض نفسانی جل جاتے ہیں۔ اور دل ایسا محبت سے بھر جاتا ہے جیساکہ **ایک شیشہ عطر** سے بھرا ہوا ہوتا ہے اسی مرتبہ کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ یعنی بعض مومن لوگوں میں سے وہ بھی ہیں کہ اپنی جانیں رضاء الٰہی کے عوض میں بیچ دیتے ہیں اور خدا ایسوں ہی پر مہربان ہے اور پھر فرمایا بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یعنی وہ لوگ نجات یافتہ ہیں جو خدا کو اپنا وجود حوالہ کر دیں اور اسکی نعمتوں کے تصور سے اُسکی عبادت کریں کہ گویا اسکو دیکھ رہے ہیں سو ایسے لوگ خدا کے پاس سے اجر پاتے ہیں اور نہ اونکو کچھ خوف ہے اور نہ وے کچھ غم کرتے ہیں یعنی اونکا مدعا خدا اور خدا کی محبت ہو جاتی ہے اور خدا کے پاس کی نعمتیں اُنکا اجر ہوتا ہے اور پھر ایک جگہ فرمایا يُطْعِمُوْنَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا یعنی مومن وہ ہیں جو خدا کی محبت سے مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو روٹی کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس روٹی کھلانے سے تم سے کوئی بدلا اور شکر گذاری نہیں چاہتے اور نہ ہماری کچھ غرض ہے ان تمام خدمات سے صرف خدا کا چہرہ ہمارا مطلب ہے۔

۲۶۳
ع ۲۳
۷

اور

حقوق العباد کی رعایت سے

اسکے یہ معنی ہیں کہ اپنے بھائیوں اور بنی نوع سے عدل کرو۔ اور اپنے حقوق سے زیادہ ان سے کچھ تعرض نہ کرو اور انصاف پر قایم رہو۔ اور اگر اس درجہ سے ترقی کرنا چاہو تو اس سے آگے احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کی بدی کے مقابل نیکی کرے اور اسکے آزار کے عوض میں اسکو راحت پہونچاوے اور مروت اور احسان کے طور پر دستگیری کرے۔ پھر بعد اسکے اِیتَاءِ ذِی القُربٰی کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو جسقدر اپنے

---

۴ **نوٹ** نفس کے بیچنے میں داخل ہے کہ انسان اپنی زندگی اور اپنے آرام کو جلال الٰہی کے ظاہر کرنے اور دین کی خدمتیں وقف کر دیوے۔ منہ

ظالم کبھی نہین ہوسکتا۔ پس صحابہ کا خلیفہ ہونا ان کے ظالم نہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔ فاعتبروا یااولی الابصار

پھر لا ینال عھدی الظالمین یہ پیشگوئی ہے جو بنی اسرائیل کے خاندان نبوت کو ختم کرتی ہے اور بنی اسماعیل کی ابدی نبوت اور امامت پر مہر کرتی ہے

واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی وعھدنا الی

ابراھیم واسمعیل ان طھرا بیتی للطایفین والعاکفین والرکع السجود

ابراہیم کے وقت سے اس مکان کو فتن دجال سے سلامتی کا گھر اور لوگون کے اجتماع کی جگہ ہم نے ٹھہرا دیا ہوا ہے اب تم اس عہد کی پیروی کرکے راستباز اور وفادار بن جاؤ اور ابراہیم کے مقام کو اپنی نماز گاہ ٹھہراؤ۔ یہ وہی عہد ہے جو ہمنے ابراہیم اور اس کے بیٹے اسمٰعیل سے کیا تھا کہ تم اس میرے گھر کے طواف کرنے والون خدا کی یاد مین گوشہ نشین ہونے والون اور رکوع سجود کرنے والون کے لئے بیت اللہ کو بت رکھو۔

یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو دوسرے ایک مقام پر انشاء اللہ نہایت وضاحت سے بیان کیجاویگی کیونکہ اس جگہ اسکا ذکر خصوصیت کے ساتھ بطور پیشگوئی آیا ہے۔ مختصر طور پر یہان بھی ذکر کردیا جاتا ہے مکہ معظمہ کے لئے تین عظیم الشان نشان مقرر کئے گئے ہیں

اول یہ کہ وہان لوگ جمع ہون کیونکہ اللہ تعالی نے اسکو مثابۃ للناس فرمایا ہے اب دیکھ لوکہ دنیا کے ہر ایک حصہ سے لوگ وہان جمع ہوتے ہیں۔

دوم۔ امنًا ہر ایک قسم کا امن یہہ اشارہ ہے فتن دجالیہ سے مامون رہنے کی طرف۔ لکھا ہے کہ دنیا کے ہر ایک حصہ میں دجال پہلے گا مگر نہ داخل ہوگا نوبت اسدرجہ چرچ آف انگلنڈ کے ہی پادری صرف ۳۶ کروڑ روپیہ سالانہ خرچ کرتے ہیں دوسرون کا تو ذکر ہی کیا مگر اس بے فصیل کے شہر مین نہین جاسکتے۔ اور نہ کبھی جائین۔

مثابۃ اور امنًا کے لفظ بتلا رہے ہیں کہ آنے والے لوگون کے لئے مثابۃ اور نہ آنے کے قابل لوگون سے امن ہے۔

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی سے یہ مراد ہے کہ ابراہیم کے نقش قدم پر چلو جیسے اوس نے فرمان برداری میں کمال دکھایا تم بھی وہ کمال اپنے اندر پیدا کرو۔

عھدنا الی ابراھیم واسمعیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آئندہ بیت اللہ مین کبھی بت پرستی نہ ہوگی جیسا کہ آگے بھی اسکی تشریح آتی ہے۔

چونکہ اللہ تعالی نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ بیت اللہ مثابۃ للناس بنایا گیا اس لئے بلحاظ تقاضا و بشریت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہہ اندیشہ ہوا کہ کہین اسمعیل منقطع النسل ہی نہ ہوجاوے یا اوسکی اولاد بہت کثرت سے ہو تو کہین اس وادی غیر ذی زرع میں بھوکون سے ہی ہلاک نہ ہوجاوے یا فتن دجالی ترقی کرکے اس کو مرتد ہی نہ کردین اس پر ایک اضطراب اور جوش آپ کی روح مین پیدا ہوا اور یون دعا کی۔

واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا بلدًا امنًا وارزق اھلہ من الثمرات من امن منھم باللہ

والیوم الاخر قال ومن کفر فامتعہ قلیلا ثم اضطرہ الی عذاب النار وبئس المصیرہ

اور اسوقت کی طرف اشارہ تہا جب ابراہیم نے خدا کے حضور یون دعا کی اے میرے رب تو اس شہر کو امن وسلامتی کا شہر بنا دے اور فتن دجالیہ سے اس کو محفوظ رکھ اور یہان کے رہنے والون کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والے ہون گے پہلوں اور میوون سے رزق عطا فرمایئو۔ خدا نے فرمایا کہ ان منکرون کو بھی کچھ تھوڑا سا عرصہ اس شہر میں آباد رکھ کر قلیل سا

کمالِ اسلام

وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ - یعنی اس میں کوئی کلام نہیں کہ اللہ تعالےٰ اس امر کی ہدایت کرتا ہے کہ تم اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو - یعنی دشمن اگر حملہ کرے تو اس کا دفاع ضروری ہے - لیکن اسپر بھی تم احسان کرو - یعنی اوسپر باوجود غلبہ اور اقتدار حاصل کر لینے کے احسان کرو - اور اس احسان کرنے کی ترغیب اس امر سے دی کہ اللہ تعالےٰ کا محبوب بننے کی یہی راہ ہے - اس مقام پر ان لوگوں کو خوب غور کرنا چاہئے - جو کہتے ہیں کہ اسلامی جنگیں جبراً مسلمان بنانے کے کیواسطے تھیں - کیونکہ یہاں یہی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جنگیں دفاعی تھیں بلکہ یہہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مفتوح اور مغلوب دشمن کے ساتھہ احسان کی تعلیم دی ہے - یہی وجہہ تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ عملی رنگ میں دکھا دیا -

احسان کا مفہوم

اَحْسِنُوْا میں جو حکم ہے کہ احسان کرو دوسرے مقام پر اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی کے رنگ میں اسی حکم کو بیان کیا گیا ہے اس آیت میں کمال بلاغت کے ساتھہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بیان کر دیا ہے اس لئے اس لحاظ سے کہ احسان کا مفہوم سمجھہ میں آجاوے دونوں طریق پر اس آیت کے معنے کئے جاتے ہیں - چنانچہ

حقوق اللہ کی رعایت پر

اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ **انصاف کی پابندی سے خدا تعالےٰ کی اطاعت کر** کیونکہ جس نے تجھے پیدا کیا اور تیری پرورش کی اور ہر وقت کر رہا ہے اسکا حق ہے کہ تو بھی اسکی اطاعت کرے اور اگر اس سے زیادہ تجھے بصیرت ہو تو نہ صرف رعایت حق سے بلکہ احسان کی پابندی سے اوسکی اطاعت کر کیونکہ وہ محسن ہے اور اس کے احسان اس قدر ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے اور ظاہر ہے کہ عدل کے درجہ سے بڑھکر وہ درجہ ہے جس میں اطاعت کے وقت احسان بھی ملحوظ رہے اور چونکہ اسوقت مطالعہ اور ملاحظہ احسان کا محسن کی شکل اور شمائل کو ہمیشہ نظر کے سامنے لے آتا ہے اسلئے احسان کی تعریف میں یہ بات داخل ہے کہ ایسے طور سے عبادت کرے کہ گویا خدا تعالےٰ کو دیکھہ رہا ہے اور خدا تعالےٰ کی اطاعت کرنے والے درحقیقت **تین قسم** پر منقسم ہیں **اوّل** وہ لوگ جو بباعث محجوبیت اور رویت اسباب کے احسان آلہٰی کا اچھی طرح ملاحظہ نہیں کرتے اور نہ وہ جوش اون میں پیدا ہوتا ہے جو احسان کی عظمتوں پر نظر ڈالکر پیدا ہوا کرتا ہے اور نہ وہ محبت اون میں حرکت کرتی ہے جو محسن کی عنایات عظیمہ کا تصور کر کے جنبش میں آیا کرتی ہے بلکہ صرف ایک اجمالی نظر سے خدا تعالےٰ کے حقوق خالقیت وغیرہ کو تسلیم کر لیتے ہیں اور احسان الٰہی کی تفصیلات کو جنپر ایک باریک نظر ڈالنا اوس حقیقی محسن کو نظر کے سامنے لے آتا ہے ہرگز مشاہدہ نہیں کرتے کیونکہ اسباب پرستی کا گرد و غبار مسبب حقیقی کا پورا چہرہ دیکھنے سے روک دیتا ہے اسلئے اون کو وہ صاف نظر میسر نہیں آتی جس سے کامل طور پر معطی حقیقی کا جمال مشاہدہ کر سکتے سو اون کی ناقص معرفت رعایت اسباب کی کدورت سے ملی ہوئی ہوتی ہے اور بوجہہ اسکے جو وہ خدا کے احسانات اچھی طرح دیکھہ نہیں سکتے خود بھی اوسکی طرف وہ التفات نہیں کرتے جو احسانات کے مشاہدہ کے وقت کرنی پڑتی ہے جس سے محسن کی شکل نظر کے سامنے آجاتی ہے بلکہ اونکی معرفت ایک دھندلی سی ہوتی ہے وجہہ یہ کہ وہ کچھہ تو اپنی محنتوں اور اپنے اسباب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور کچھہ تکلف کے طور پر یہ بھی مانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا حق خالقیت اور رزاقیت ہمارے سر پر واجب ہے اور چونکہ خدا تعالےٰ انسان کو اُس کے وسعت فہم سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اس لئے ان سے جبتک کہ وہ اسی حالت میں ہیں یہی چاہتا ہے کہ اسکے حقوق شکر ادا کریں اور آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ میں عدل سے مراد یہی اطاعت برعایت عدل ہے مگر اس سے بڑھکر ایک اور مرتبہ انسان کی معرفت کا ہے اور وہ یہ ہے - کہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں انسان کی نظر رویت اسباب سے بالکل پاک اور منزہ ہو کر خدا تعالےٰ کے فضل اور احسان کے ہاتھہ کو دیکھہ لیتی ہے اور اس مرتبہ پر انسان اسباب کے حجابوں سے بالکل باہر آجاتا ہے اور یہ مقولہ کہ مثلاً میری اپنی ہی آب پاشی سے میری کھیتی ہوئی اور یا میری اپنی ہی بازو سے یہ کامیابی مجھے ہوئی یا زید کی مہربانی سے فلاں مطلب میرا پورا ہوا اور بکر کی خبرگیری سے میں تباہی سے بچ گیا یہ تمام باتیں ہیچ اور باطل معلوم ہونے لگتی ہیں اور ایک ہی ہستی اور ایک ہی قدرت اور ایک ہی محسن اور ایک ہی ہاتھہ نظر آتا ہے تب انسان ایک صاف نظر سے جس کے ساتھہ ایک ذرہ شرک فی الاسباب کی گرد و غبار نہیں خدا تعالےٰ کے احسانوں کو دیکھتا ہے اور یہ رویت اوس قسم کی صاف اور یقینی

ع ۲۳ ۲۶۲

رکوع نمبر ۱۶

بنی اسرائیل کا آخری فیصلہ سنایا جانا - ابراہیم کا طریق بتایا جانا - خدا کے حضور مسلمان ہونا ہی ابراہیم کی برگزیدگی کا باعث ہوا - ایک ہی اکیلے خدا کی عبادت وہ عہد ہے جو ابراہیم سے لیا گیا - ابراہیم اور یعقوب کی وصیت اپنی اولاد کو اس عہد کے پورا کرنے کیلئے ہر ایک امت اپنی کمائی کا بدلہ خود پائے گی باپ دادا کی نیکی بدکردار اولاد کو کچھ فائدہ نہیں دیسکتی صرف یہودی یا عیسائی ہو جانا ہدایت نہیں سچی ہدایت ابراہیم کا طریق ہے اللہ پر ایمان لانا - کلام الہی کے موافق عملدرآمد کرنا - ابراہیم - اسمٰعیل - اسحاق - یعقوب اور انکی راستباز اولاد پر جو خدا کی طرف سے نازل ہوا اسکو ماننا - موسیٰ اور عیسیٰ اور باقی سب رسولوں کو جو کچھ ان کے پروردگار کیطرف سے عطا ہوا اس پر ایمان لانا کسی رسول کی نسبت اس کے منجانب اللہ ہونے میں فرق نہ کرنا یہی اسلام ہے - عیسائیوں کے اصطباغ یعنی بپتسمہ میں الہی رنگ نہیں ہے - سچا بپتسمہ وہ ہے جس میں الہی رنگ حاصل ہو جاوے اور یہ رنگ اسلام میں ہے عیسائیوں کو قائل کیا جانا کہ اصل نجات کا انحصار اعمال اور اخلاص پر ہے - یہودیت اور عیسائیت صرف نام کی فرقہ بندی ہے ابراہیم اور انکی پاک اولاد کا حوالہ دیا جانا - عیسائیوں اور یہودیوں کو پیشگوئی کے چھپانے پر ظالم ٹھہرایا جانا - کفارہ کی تردید کی جاتی راہ نجات کو واضح کیا جانا -

عام نظر اس رکوع میں اللہ تعالی نے نجات کے اصول پر بحث فرمائی ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے طریق کو اسلامی طریق بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ قومی بڑائی اور فخر نجات کا موجب نہیں - باپ دادوں کی نیکیاں اولاد کی نجات کا موجب نہیں ہونگی اس طرح پر مختصر طریق سے سورۃ فاتحہ کو اس رکوع میں پھر دکھایا ہے -

ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ ولقد اصطفینہ فی الدنیا وانہ فی الاخرۃ لمن الصلحین اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین

اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرتا ہے وہی جس نے اپنے آپ کو بے وقوف ثابت کیا اور ابراہیم کو تو ہم نے دنیا میں برگزیدہ ثابت کیا اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہے -

(اسکو یہہ مدارج اور مراتب کیوں ملے ؟ اسکی غایت درجہ کی فرمانبرداری اور سلامت روی کے باعث کیونکہ) جب ہی کہ ابراہیم کے رب نے اسکو کہا کہ تو فرمانبردار بنجا اور ہاتھ سے یا زبان سے کسی کو ضرر نہ پہنچا - تب ہی اوس نے عرض کی اے مولا کریم میں تو تیرا جو رب العالمین ہے فرمانبردار ہو چکا -

اس آیت پر غور کرنے سے حضرت ابراہیم کے طریق کی پسندیدگی اور منعم علیہ گروہ کی راہ کا صفائی کے ساتھ پتہ لگتا ہے اور خود حضرت ابراہیم کی بلند حوصلگی اور اولوالعزمی ثابت ہوتی ہے -

(چہارم) ذکر الٰہی کی ہدایت کے ساتھ منازل سلوک کے طے کرنے اور انتہائی مقام **معرفت** پر پہونچنے کی راہ بتائی ہے۔
(پنجم) دنیادار اور نفور از دنیا (اہل اللہ) لوگوں میں امتیاز بتایا ہے اور حسنات الدنیا اور حسنات الآخرۃ کے عطا ہونے کی راہ سکھائی ہے۔
(ششم) بدر کی فتح کے متعلق عظیم الشان پیشگوئی اور اس کے ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پر بھی ایما۔

مندرجہ بالا مطالب کو بالتوضیح ہم اپنے اپنے مقام پر انشاء اللہ العزیز بیان کرینگے سب سے پہلے بجمالی طور پر اس رکوع کو لکھتے اور اسکا ترجمہ دیتے ہیں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیق

۲۶۵
ع ۲۴

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور غیر ذی زرع بے آباد بیابان کا آباد ہو جانا اور دُنیا کا مرجع و مآب ہو جانا ابراہیمی دعا ہی کا نتیجہ ہے اور پہلے نوشتون کے مطابق
یہ وہی نبی ہے جسکا ذکر پیدایش باب ۱۸ آیت ۲۰ مین یون کیا گیا ہے۔ اور اسمعیل کے حق مین مینے تیری سُنی (تیری پکار جو تونے
اسمعیل کی بے وطنی مین جدا ہوتے وقت اس سے کی ہے میںنے سُن لی قبول کرلی) دیکھ مین اسے برکت دونگا (وہ ان تمام برکتون
کا وارث ہوگا جو روحانی اور جسمانی طور پر تجھہ سے اور تیری نسل سے وعدہ کرچکا ہون) اور اسے برومند کرونگا اور اسے بہت
بڑہاؤنگا (اسکی نسل بڑھے گی اور اسکے خاندان کا شجر پہلدار ہوگا اس وقت وہ اکیلا ہے بے سامان ہے مگر نسلون کا باپ
با سامان ہوگا دین اور دنیا مین بارآور ہوگا) اور اس سے بارہ سردار پیدا ہون گے اور اس سے بڑی قوم بناؤنگا (ظاہر
طور پر اسکی نسل ایسی با اقتدار ہوگی کہ وہ بڑی قوم بنجائیگا اور اسکی قوم مین بارہ سردار قایم ہون گے) حجاز عرب مین ابراہیم
علیہ السلام کے فرزند اکبر حضرت اسمعیل کی آبادی۔ ترقی۔ نسل کا بڑہنا قریش کا با اقتدار ہونا بڑی قوم بنانا شریعت کا عہد بنی اسمعیل
مین بنی اسرائیل کی طرح قایم ہونا۔ قرآن جیسی کامل کتاب کا کامل انسان نان خاتم الانبیاء پر دعاء ابراہیم کی قبولیت کے
نتیجہ مین نازل ہونا۔ اقوام عرب بنی اسمعیل کا دینی و دنیوی برکتین پانا برومند ہونا۔ کل اقوام خصوصًا بنی اسرائیل کے
سامنے حیرت ناک طور سے اقبال مند بن جانا اقران و امثال پر سبقت لیجاکر با اقتدار بڑی بڑی سلطنتین قایم کرنا یہہ
واقعات صحیحہ مین اور اگر یہہ ابراہیم کی دعا کا اثر نہین اور قادر قیوم خدا کے منشاء سے یہہ سلسلہ جاری نہیں ہوا تو کیا ہے
کسی نے کیا خوب کہا ہے

وہ مثیل[1] حضرت موسی دعائے ابراہام — جسکے منہ مین خود خدا نے دیدیا اپنا کلام
تاکہ بھر جائے زمین اسکی ستایش سے تمام — اور صفات حق ہون اس سے[2] جہانمین خاص عام

حضرت داؤد کا وہ پہلوان باوقار
اور سلیمان[3] کا محمد نام ہے پیارا نگار

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاک اور مطہر زندگی کا اسی دعا ہی سے پتہ لگ سکتا ہے کاش! آنکھہ کے اندہے اعتراض کرنے
والون کو ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہی پر نظر کی ہوتی حقیقت مین دنیا مین ایک کامل مکمل مزکی انسان آیا۔ اللھم صلی علی محمد وعلی
ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید
اللھم بارک علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم
وعلی ابراھیم انک حمید مجید +

---

[1] استثنا ۱۸–۲۱/۱۹ [2] زبور ۴۵ [3] تسبیحات سلیمان ۱۰–۱۶/۵

بھائی سے نیکی کرے یا جسقدر بنی نوع کی خیر خواہی بجا لاوے اس سے کوئی اور کسی قسم کا احسان منظور نہ ہو بلکہ طبعی طور پر بغیر پیش نہاد کسی غرض کے وہ تجھ سے صادر ہو جیسے شدت قرابت کے جوش سے ایک خویش دوسرے خویش کے ساتھ نیکی کرتا ہے سو یہ اخلاقی ترقی کا آخری کمال ہے کہ ہمدردی خلائق میں کوئی نفسانی مطلب یا مدعا یا غرض درمیان نہ ہو بلکہ اخوت و قرابت انسانی کا جوش اس اعلیٰ درجہ پر نشوونما پا جاوے کہ خود بخود بغیر کسی تکلف کے اور بغیر پیش نہاد رکھنے کسی قسم کی شکر گذاری یا دعا اور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی فقط فطرتی جوش سے صادر ہو۔

اسطرحپر

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ اس مقام پر گویا لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے اور وَاَحْسِنُوْا وَالْاِحْسَانِ کے مقابل اور رنگ ہیں۔ اور اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ احسان کرنے کی وجہ اور دلیل بیان ہوئی ہے۔

اس رکوع کی تعلیم کی اصل غرض بالآخر اللہ تعالٰے اس رکوع کو ختم کرتے ہوئے اسکی اصل غرض اور غایت بتاتا ہے وہ کیا ہے؟ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالٰے سخت عذاب دینے والا ہے۔

یہہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ گناہوں سے بچنے کا یہہ نا قابل خطا گر اور اصل ہے کہ اللہ تعالٰے کو علیم یقین کیا جاوے اور اس امر پر ایمان لایا جاوے کہ وہ ہمارے اعمال پر نتایج مترتب کرنیوالا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَّقِیْنَ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔ آمین۔

رکوع ۲۴

۲۶۴
۲۴
ع ۸

حج کے متعلق مزید احکام بتائے جاتے ہیں۔ گداگری سے روکنے کا اصل سکھایا جاتا ہے اسلام کا اصل مقصد اور قرآن کریم کے نزول کی علت غائی چونکہ تقویٰ کی تعلیم ہے اسی لئے تقوےٰ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ اس امر کی اجازت کا عطا ہونا کہ حج میں تجارت کرنا منع نہیں ہے۔ کثرت ذکر الٰہی اور استغفار کی ہدایت کیجاتی ہے اللہ تعالٰے کی عبادت اور ذکر کو محبت ذاتی کے رنگ میں کرنے کا ارشاد ہوتا ہے۔ جو انسان کے کمالات سلوک میں سے ہے۔ انسان کی دو قسم کی تقسیم پیش کر کے دنیا اور اسکی اغراض میں منہمک ہونے کے نتیجہ سے ڈرایا جاتا ہے کہ جو لوگ ہمہ تن متاع الدنیا کے ہی دلدادہ ہوتے جائیں وہ متاع الآخرۃ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ حسنات الآخرۃ کے طلبگار لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ حسنات الدنیا سے بھی بہرہ ور ہوتے ہیں۔ پھر اصل مقصد ذکر الٰہی اور تقویٰ اللہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے بعض ظاہر نما لوگوں کے حالات سے اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ بظاہر عجیب و غریب باتیں کرتے ہیں اور اپنی باتوں پر اللہ تعالٰے کو بھی گواہ ٹھیراتے ہیں لیکن دراصل وہ اندرونی طور پر خطرناک ہوتے ہیں اور قسم قسم کی خرابیاں اونکی ذات سے پیدا ہوتی ہیں وہ مُفْسِدٌ فِی الْاَرْضِ ہوتے ہیں اور حرث و نسل کو تباہ کرتے ہیں۔ اس قسم کی طرز زندگی سے منع کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالٰے فساد کو پسند نہیں کرتا ہے یا یہ کہو کہ مفسد محبوب الٰہی نہیں بن سکتا۔ ایسے مفسدوں کے انجام سے باخبر کیا جاتا ہے۔ پھر اعلیٰ طبقہ کے باخدا انسانوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو رضا الٰہی میں محو ہو جاتے ہیں اور اپنی جان تک دیدینے سے تامل نہیں کرتے۔

صلح و سلامتی کے دین (اسلام) میں داخل ہونے کا ارشاد فرمایا جاتا ہے اور شیطان کی پیروی سے بچنے کی ہدایت ہوتی ہے اسلئے کہ وہ انسان کا ایسا دشمن ہے کہ اسکو اللہ تعالٰے سے کاٹ کر دور پھینکدیتا ہے۔ بعض کھلے کھلے نشانات کے آنے کی بشارت دیجاتی ہے اور فتح بدر کی پیشگوئی کیجاتی ہے کہ اسکے بعد بکلی فیصلہ ہو جائیگا۔ یہہ بھی بتایا جاتا ہے کہ نشانات خواہ وہ کتنے ہی کھلے اور بیّن کیوں نہوں مفسد ہرگز ان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

عام مطالب یہہ رکوع عظیم الشان مطالب اور پیشگوئیوں پر مشتمل ہیں۔

(اول) پچھلے رکوع میں یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ کے جواب میں دو امر پیش کئے گئے تھے مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ اس نئے اس رکوع میں اَلْحَجُّ کے متعلق مزید احکام بتائے گئے ہیں۔

(دوم) اَلْحَجُّ میں ایک عظیم الشان واقعہ مرکوز ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وابستہ ہے۔ اور ابھی پیش آنیوالا تھا۔

(سوم) گداگری سے روکنے کا قانون اور اصل بیان کیا ہے۔ اور تقویٰ اللہ کی ہدایت فرمائی ہے۔

فایدہ اٹھائینگے مگر پھر ان کو عذاب النار میں بے بس کرونگا جو کہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت مین **آداب دعا** کی رعایت اور اسکی قبولیت کا باعث کیسے صاف طور پر بیان کر دیا ہے۔ حضرت ابراہیم مومن کے لئے دعا کرتے ہین اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرنیوالا اگر اپنے اندر کسی قسم کی صلاحیت اور طہارت نرکھتا ہو تو دعا کرنے والے کی تو دعا اسکو کچھہ فایدہ نہین پہنچا سکتی۔ علاوہ ازین مومن کو دعا کرنے وقت حزم و احتیاط چاہیئے کہ وہ کسی ایسے انسان کے لئے دعا کرنے کی جرأت نہ کرے جو خدا کی نگاہ مین اپنے افعال بد کی وجہ سے مردود ہو۔

پھر اس آیت سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ **مومن بھوکا نہین مر سکتا** آخر مین ایک پیشگوئی فرمائی جو کفار مکہ کے انجام کی خبر دیتی ہے ومن کفر فامتعہ قلیلا ثم اضطرہ الی عذاب النار

نار سے مراد جنگ بھی ہوتی ہے یعنے آخر منکران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ میں ہلاک کر دونگا۔ تاکہ آخرۃ کے عذاب النار کے لئے ایک دلیل ان کے لئے قایم ہو چنانچہ منکران سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی بے بس ہو کر ہلاک ہوئے۔ پھر حضرت ابراہیم نے اسی دعا کے سلسلہ مین عرض کی۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع

العلیم ۝ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا

وتب علینا انک انت التواب الرحیم ۝ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا

علیھم ایاتک ویعلمھم الکتب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم ۝

اور اب تم وہ وقت یاد کرنا چاہیئے کہ خود ابراہیم اور اسمٰعیل نے اس گھر کی بنیادین اٹھائین اور اسکی دیوارین اٹھاتے وقت انہون نے یہہ دعا کی تھی اے ہمارے پروردگار تو اس ہماری بنائی ہوئی عمارت کو قبولیت کا شرف بخش تو سمیع اور علیم ہے تو سنتا اور جانتا ہے کہ کس نیت اور ارادہ پر ہمنے یہ عمارت کھڑی کی ہے اے ہمارے پروردگار ہمکو تو اپنا ہی فرمان بردار بنا لے اور ہم کسی کو زبان سے یا ہاتھ سے دکھ دینے والے نہ ہون اور ہماری اولاد مین سے نیکیون اور بھلائیون کے سکھانیوالے گروہ پیدا کیو اور وہ تیرے ہی فرمان بردار ہون اور ہم کو اپنی حدود سے آگاہ کر اور اس گھر مین بندگی اور نیازمندی بجا لانے کا طریق خود ہی تعلیم فرما اور ہمکو رجوع الی اللہ اور انابت کی توفیق عطا فرما۔ ہان ہان اے مولا تو اور صرف تو ہی توبہ قبول کرنیوالا اور رحم کرنیوالا ہے۔

اے ہمارے رب تو ان لوگون مین سے جو یہان آباد ہون **ایک رسول** مبعوث فرما جو تیرے احکام اور نشانات پڑھے اور انکو لکھی ہوئی محفوظ باتین تعلیم کرے اور وہ باتین مضبوط اور پکی اور برمحل اسرار حکمت سے بھری ہوئی ہون اور ان کی ناپاکیون کو دور کرکے انکو پاک صاف بنا دے۔ بیشک! اے پروردگار تو عزت والا اور حکمت والا ہے۔ تو ہی تو ایسا توانا ہے کہ اپنے فرمان بردار بندون کی دعاؤن کو قبول فرما کر جہان مین بڑے بڑے زور آور حکمت سے بارآور بنا دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر اجمالی طور پر توراۃ مین بھی ہے توراۃ ابراہیمی واقعات اور تمثیلات کو کچھہ تو پہلے ہی مفصل طور پر بیان نہین کرتی اس پر اسمٰعیلی واقعات اور بھی اجمالی رنگ لئے ہوئے ہین

حضرت ابراہیم کی اس دعا پر غور کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علوشان و رفعت **تزکیہ نفس** کا خوب پتہ لگتا ہے۔ جہان حضرت ابراہیم کی دعا کو نقل فرمایا ہے اور دوسرے موقع پر خود اللہ تعالے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی شان بیان فرماتا ہے چنانچہ سورۃ جمعہ مین فرمایا ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ جس سے حضرت ابراہیم کی دعا کی قبولیت کا جو اس نے سمیع و علیم عزیز و حکیم ذات کے حضور اپنے بیٹے اسمٰعیل اور اوسکی اولاد کے حق مین کی تھی اور اس قبولیت دعا کو ذات ستودہ صفات فخر موجودات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق فرمایا۔ بیت اللہ کا معزز و محترم ہونا

کہ تم اللہ تعالےٰ کیطرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔

اور بعض لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جسکی بات اس دنیا میں تجھے متعجب کرتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر اللہ تعالےٰ کو گواہ بھی ٹہیراتا ہے بحالیکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔

اور جب وہ برسرحکومت ہوجاوے (یا تم سے پیٹھ پھیرے) تو وہ زمین میں فساد کرنے کی کوشش کرتا ہے اور زراعت اور نسل کو تباہ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ تو فساد کو پسند نہیں کرتا ہے۔

اور جب ایسے آدمی کو کہا جاوے خدا سے ڈر! تو تکبر اسے گناہ پر دلیر کر دیتا ہے اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

اور بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں جو رضاء الٰہی میں اپنی جان دیدیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

ایمان والو! صلح وسلامتی کے دین (اسلام) میں سب کے سب داخل ہو جاؤ۔ شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا کھلا اور خدا سے کاٹ دینے والا دشمن ہے۔

پس اگر تم اس کے بعد بھی کہ تمہارے پاس کھلے کھلے نشانات اور مدلل اور واضح تعلیمات آگئیں پھسل جاؤ تو یاد رکھو اللہ تعالےٰ غالب اور حکمت والا ہے۔

کیا وہ اسی امر کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالےٰ اور اسکے ملائکہ بادلوں کے سایہ میں آویں؟ یاد رکھو یہ تو فیصلہ ہوچکا اور سب کام اللہ تعالےٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

۱۹۷ ۲۴ ع

تفسیر

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ حج کے چند خاص مشہور مہینے ہیں جنکو عام لوگ بھی جانتے ہیں اور وہ شوال۔ ذی قعدہ۔ اور ذی الحجہ کا سارا مہینہ یا اسکے دس دن ہیں شوال سے پہلے حج کا احرام نہیں باندھا جاسکتا۔ ان مہینوں میں حج کا احرام باندھا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات کے وصال کے بعد جو واقعات پیش آنیوالے تھے وہ بھی ایک رنگ میں اس رکوع سے اگلے رکوعات میں بیان ہوئے ہیں۔ اسوقت چونکہ سب لوگ (**الحج**) میں موجود تھے انکو آگاہ کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جو واقعات پیش آنے والے تھے انکا اجمالی نقشہ بھی کھینچ دیا ہے۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ یعنی جو شخص ان ایام معلومات میں اپنے ذمہ لگالے یا حج فرض کرلے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ ہر شخص کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ اسی لئے قرآن شریف کے دوسرے مقام پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا سپارہ ۴ رکوع

ترجمہ - اور لوگوں پر فرض ہے کہ بیت اللہ کا حج کریں وہ لوگ جن کو وہاں تک پہونچنے کا مقدور ہو۔

اگرچہ من استطاع الیہ سبیلا میں راستہ کا پرامن ہونا اور بعض اور امور کا پتہ بھی لگتا ہے لیکن ان امور کو ہم اصل آیتہ کی تفسیر کے مقام کے لئے چھوڑتے ہیں۔

بہر حال

فرمایا کہ حج کے یہ مشہور مہینے ہیں جو لوگ ان مہینوں میں احرام حج باندھ لیں۔ انہیں چاہئے کہ

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ

کیا معنے عورتوں سے وہ حرکات اور باتیں نہ کریں جو موجب شہوت یا نتیجہ شہوت ہوں تمتع کے لئے احرام کھولنا ضروری ہوتا ہے۔ اور

اَسْلِمْ جو امر کا صیغہ ہے چاہتا تہا کہ اسکا جواب مضارع کے صیغہ سے ہوتا کہ ہان حضور فرمان بردار ہو جاؤنگا - مگر نہیں حضرت ابراہیم ماضی کے صیغہ کے ساتہہ جواب دیتے ہیں کہ مثا حکم کے ساتہہ ہی تعمیل ہوگئی ہے اور کہدیا کہ میری ساری توجہ حضور ہی کے لئے ہے -

سَفِہٗ جو تہوڑی سی بات سے خوش ہونیوالا ہو اور ذرا سی بات پر ناراض ہونیوالا ہو - اوچہا - بے وقوف -

صالح وہ انسان ہوتا ہے جس کے اندر سے ہر قسم کی کدورتین جو نفسانی خواہشون اور شہوانی جذبات کا نچوڑ ہوتی ہین نکل جاوین اور وہ ایک پاک اور معتدل انسان ہو جیسے انسان بیمار تب ہی ہوتا ہے جبکہ اس کے اندر کوئی مفسد مادہ پیدا ہو جاوے اور کوئی خلط بڑہ جاوے اور اگر تمام اخلاط اعتدال پر رہین تو وہ انسان صحیح المزاج کہلاتا ہے - اسی طرح پر اندرونی قوی اور روحانی قوتین جبکہ ٹہیک طور پر اپنے فرض منصبی پر لگی ہون اور انہین کسی قسم کی افراط تفریط نہ ہو تو وہ صلاحیت کا درجہ اپنے اندر رکہتی ہیں اور منعم علیہ انسانون مین سے ایک ہوتا ہے -

پس صراط مستقیم گویا ابراہیم علیہ السلام کا طریق ہے جو اس پر چلتا ہے وہ منعم علیہ ہوتا ہے اور اس سے اوہر اودہر جو ہوتا ہے وہ اوچہا اور بے وقوف ہوتا ہے -

فی الاخرۃ لمن الصالحین مین یہ لطیفہ معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ مین ابراہیم ہی کی نسل سے ایک کامل و مزکی انسان پیدا ہوا جو اسکی دعا کا نتیجہ تہا جس نے عظیم الشان اصلاح دنیا مین کی ہے پس بلحاظ اس امر کے الدال علی الخیر کفاعلہ اس صلاحیت کے ثواب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہی حصہ ضروری ملتا ہے اور یون آپ کے مدارج بلند ہو رہے ہیں اور یہہ دامن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابدالآباد تک وسیع ہے پس حضرت ابراہیم کے مدارج کی ترقی کا دامن بہی ابدالاباد تک چلا جاتا ہے -

اَسْلِم مسلمان بن یعنے فرمان بردار ہو جا اپنی ساری توجہ خدا ہی کے سپرد کر دے - اور اپنے ہاتہہ اور زبان سے کسی کو دکہ نہ دے مسلمان کی یہہ تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ مسلمان وہی ہے جسکے ہاتہہ اور زبان سے بنی نوع انسان عامۃً اور مسلمان خاصۃً محفوظ رہین گویا اسلام ہی ایک مذہب ہے جو دنیا مین **امن** - **سلامتی** کی روح پہونکتا ہے اور ہر ایک قسم کی بغاوت - فساد - رنجدہی - بدامنی کو روکتا ہے اور عام سادگی اور امن سے زندگی بسر کرنے کی ہدایت کرتا ہے -

چونکہ کامل انسان کا یہی خاصہ نہین ہوتا کہ وہ اپنی ہی ذات تک مفاد اور منافع کو محدود رکہے علاوہ ازین اسلام تو یہہ سکہاتا ہے کہ کوئی مومن کامل ہوتا ہی نہین جب تک وہ اپنے بہائی کے لئے بہی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اس لئے خود کامل ہو کر مکمل بہی ہوتا ہے - اسی طرح پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ صرف اپنا ایمان اور اخلاص خدا کے حضور دکہایا بلکہ اپنی اولاد کو بہی اسی خدا پرستی کی تعلیم دی - آج کل عام طور پر یہہ مرض پہیلا ہوا ہے کہ اولاد کو دینی تعلیم سے بالکل بے بہرہ رکہا جاتا ہے اور دنیوی تعلیم کو مقدم کیا ہوا ہے - ابوالملت سیدنا ابراہیم کے طریق سے منہ پہیرنے والیکا نام اللہ تعالی نے سفیہ رکہا ہے پس یہہ بڑے خوف کا مقام ہے خدا سے پناہ مانگنی چاہئے کہ ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی اولاد کو دین کی پاک ہدایتون سے بے بہرہ رکہنے کے باعث اس ذلت کے نیچے آجاوین مگر یہ یاد رہے کہ پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے تاکہ دوسرون کو بتلانے اور سکہانے کے قابل ہو سکین (اللھم اجعلنا من الصالحین والمصلحین - آمین)

دینی تعلیم پر توجہ

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بہی اسی فرمان برداری کی تعلیم فرمائی جسکا ذکر اللہ تعالی نے یون فرمایا ہے

ووصی بھا ابراھیم بنیہ ویعقوب یبنی ان اللہ اصطفی لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون

اور اسی فرمان برداری اور اطاعت کی بجا آوری کے واسطے ابراہیم نے اور نیز یعقوب نے اپنے بیٹون کو وصیت بہی کر دی کہ اے میرے بیٹو ! یہی وہ دین (اسلام) ہے جو خدا نے تمہارے لئے برگزیدہ کیا ہے - دیکہو ! تمہاری موت اس مسلمانی طریق کے سوا اور کسی طریق پر نہ ہو -

وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ
لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا
قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ
بِالْعِبَادِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ
ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ع

۱۲۶ ع ۲۴ ۸

ترجمہ :- حج چند مشہور مہینوں کا نام ہے پس جو کوئی اپنے ذمہ کرلے انہی مہینوں میں حج تو وہ عورتوں سے جماع نکرے - اور نہ نقض عہد کرے اور نہ کسی قسم کا جھگڑا کرے - اور (ماسوا اسکے) تم جو کچھ بھی نیکی کرو - اللہ تعالےٰ اوسے خوب جانتا ہے۔
اور زاد راہ ساتھہ لے لو - (کیونکہ زاد کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان سوال سے بچ رہتا ہے) پس تقویٰ کا زاد اگر ساتھہ ہو تو سب سے بہتر ہے - اور اے دانشمندو! وہ تقویٰ اختیار کرو جو میرے نزدیک تقویٰ ہے -

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم اپنے رب سے فضل چاہو (کیا معنے منافع دنیوی حاصل کرو) پس جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام (مزدلفہ) میں خدا تعالےٰ کا ذکر کرو - اور اسکا ذکر اسی طریق پر کرو جیسا کہ تم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا ہے - اگرچہ اس سے پہلے تم بھولے ہوؤں میں سے تھے -

از ان بعد وہاں سے ہی پھر کر آؤ جہاں سے لوگ پھر کر آتے ہیں (یعنے عرفات پر جاؤ اور وہاں سے لوگوں کے ساتھہ واپس آؤ) اور استغفار کرتے رہو بے شک اللہ غفور اور رحیم ہے -

پس جب تم اپنے حج کے ارکان پورے کر چکو تو اللہ تعالےٰ کا ایسا ذکر کرو جیسا تم اپنے اباؤ اجداد کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھکر اللہ کا ذکر کرو - بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمکو دنیا میں بھلائی دے - اور آخرۃ میں انکے لئے کوئی حصہ نہیں ہے -

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں حسنات الدنیا عطا کر اور حسنات الآخرۃ عطا فرما اور آگ کے عذاب سے بچا - انہیں لوگوں کے واسطے انکے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالےٰ جلدی حساب کرنے والا ہے اور ایام معدودہ (گنتی کے دنوں - مقررہ دنوں) میں اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتے رہو - پس جو دو ہی دنمیں جلدی کرے اسپر بھی کوئی گناہ نہیں ہے اور جو ایک روز پیچھے ٹھیرا رہے اور تاخیر کردے اسپر بھی کوئی گناہ نہیں ہے ہاں ضروری تو یہ ہے کہ وہ متقی ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو - اور یقیناً یاد رکھو

رکوع نمبر ۱۶

بنی اسرائیل کو آخری نبی علیہ السلام سے ملایا جانا - ابراہیم کا طریق بتایا جانا - خدا کے حضور مسلمان
ہونا ہی ابراہیم کی برگزیدگی کا باعث ہوا - ایک ہی اکیلے خدا کی عبادت
وہ عہد ہے جو ابراہیم سے لیا گیا - ابراہیم اور یعقوب کی وصیت اپنی اولاد
کو اس عہد کے پورا کرنے کیلئے ہر ایک امت اپنی کمائی کا بدلہ خود پائے گی
باپ دادا کی نیکی بدکردار اولاد کو کچھ فائدہ نہیں دیسکتی صرف یہودی یا عیسائی
ہو جانا ہدایت نہیں سچی ہدایت ابراہیم کا طریق ہے اللہ پر ایمان لانا -
کلام الٰہی کے موافق عملدرامد کرنا - ابراہیم - اسمٰعیل - اسحاق - یعقوب
اور انکی راستباز اولاد پر جو خدا کی طرف سے نازل ہوا اسکو ماننا -
موسیٰ اور عیسیٰ اور باقی سب رسولوں کو جو کچھ ان کے پروردگار کیطرف
سے عطا ہوا اس پر ایمان لانا کسی رسول کی نسبت اس کے منجانب اللہ ہونے
مین فرق نہ کرنا ہی اسلام ہے - عیسائیوں کے اصطباغ یعنی بپتسمہ مین
الٰہی رنگ نہین ہے - سچا بپتسمہ وہ ہے جسمین الٰہی رنگ حاصل ہو جاوے
اور یہ رنگ اسلام مین ہے عیسائیوں کو قایل کیا جانا کہ اصل نجات کا انحصار
اعمال اور اخلاص پر ہے - یہودیت اور عیسائیت صرف نام کی فرقہ
بندی ہے ابراہیم اور انکی پاک اولاد کا حوالہ دیا جانا - عیسائیوں اور یہودیوں
کو پیشگوئی کے چھپانے پر ظالم ٹھہرایا جانا - کفارہ کی تردید کی جانی راہ نجات
کو واضح کیا جانا -

عام نظر اس رکوع مین اللہ تعالیٰ نے نجات کے اصول پر بحث فرمائی ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے طریق کو اسلامی طریق بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ قومی بڑائی اور فخر نجات کا موجب نہین - باپ دادوں کی نیکیاں اولاد کی نجات کا موجب نہین ہونگی اس طرح پر مختصر طریق سے سورۃ فاتحہ کو اس رکوع مین پھر دکھایا ہے -

ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ ولقد اصطفینہ فی الدنیا وانہ فی
الاخرۃ لمن الصلحین اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العلمین

اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرتا ہے وہی جس نے اپنے آپ کو بے وقوف ثابت کیا اور ابراہیم کو تو ہم نے دنیا مین برگزیدہ ثابت کیا اور آخرت مین بھی وہ صالحین میں سے ہے -

(اسکو یہہ مدارج اور مراتب کیون ملے ؟ اسکی غایت درجہ کی فرمان برداری اور سلامت روگی کے باعث کیونکہ) جب ہی کہ ابراہیم کے رب نے اسکو کہا کہ تو فرمان بردار بنجا اور ہاتھ سے یا زبان سے کسی کو ضرر نہ پہنچا - تب ہی اوس نے عرض کی مولا کریم میں تو تیرا جو رب العالمین ہے فرمان بردار ہو چکا -

اس آیت پر غور کرنے سے حضرت ابراہیم کے طریق کی پسندیدگی اور منعم علیہ گروہ کی راہ کا صفائی کے ساتھ پتہ لگتا ہے اور خود حضرت ابراہیم کی بلند حوصلگی اور اولوالعزمی ثابت ہوتی ہے -

اس لئے

قرآن کریم اس مقام پر انسان کو اصل زاد کی طرف توجہ دلاتا ہے جسکو کوئی چور بھی نہیں لے جا سکتا۔ اور مکرر تاکید کے لئے فرمایا۔

واتقون یا اولی الالباب

اے دانشمندو! مجھ سے ہی ڈرو۔ تقوی اللہ اختیار کرو۔ اس حصہ آیت پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی دانش اور حکمت کا سرچشمہ خدا تعالے کا خوف اور خشیت ہے۔ اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی کتاب میں فرماتے ہیں خدا کا خوف حکمت کا شروع ہے اور قرآن کریم نے بھی اسی مفہوم کو ان الفاظ میں اور فرمایا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا خشیت الٰہی اور تقوی اللہ ایک باریک فرق کے ساتھ ایک ہی چیز ہیں۔ اور تقوی اللہ علوم الٰہیہ اور معارف حقہ کے کھلنے کا بھی باعث ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ اگر دبستان الٰہی میں تعلیم پانا چاہتے ہو یا یہہ خواہش ہو کہ خود او سبحانہ تعالے تمہارا معلم ہو تو تقوی اللہ اختیار کرو۔

غرض

اس حصہ آیت سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ دانشمندی کا منبع تقوی ہے اور قرآن کریم کے دوسرے مقامات اسکی تائید کرتے ہیں۔ اور حقیقی طور پر گداگری کے روکنے کا یہہ سنہری اصل ہے کہ تقوی اللہ اختیار کیا جاوے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تو یہانتک فرمایا ہے کہ میں نے متقی کی اولاد کو بھی ٹکڑے مانگتے نہیں دیکھا گویا خدا تعالے یہانتک حمایت فرماتا ہے۔ بلکہ مصنف نے بھی ایسے لوگ دیکھے الحمد للہ رب العالمین۔

پس

وہ لوگ جو مسلمانوں میں گداگری کو کم کرنے کے آرزومند ہیں اور اس مسئلہ پر پولیٹیکل اکانمی کے نازک ترین مسائل پر بحث کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اس اصل کو اختیار کریں اور قوم میں تقوی کی روح پھونکنے کی کوشش کریں۔ اور یہہ منحصر ہے قرآن کریم کی طرف قوم کو توجہ دلانے پر اور توجہ الی القرآن منحصر ہے کسی مزکی نفس کی صحبت میں رہنے پر۔ اسوقت خدا کا فضل ہے کہ اسکی طرف سے ایک مزکی ہم میں موجود ہے جو اسطرف قوم کو بلاتا ہے مگر وائے برحال قوم! کہ وہ نہیں سنتی اور آخر۔

روزے بگریہ یاد کند وقت خوشترم

کی مصداق ہوگی۔ آہ! آہ!! آہ!!!

حقیقی اصل انسداد گداگری کی تو بیان ہو چکی اب اللہ تعالے ایک اور ذریعہ بیان فرماتا ہے

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ

کیا معنے یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہے اگر تم حج میں تجارت وغیرہ کے ذریعہ اپنے رب کا فضل حاصل کرنا چاہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایام حج میں تجارت کرکے فائدہ اوٹھالو تو یہ منع نہیں ہے۔

اس اصل پر بھی غور کرو۔ حج کے ایام تجارتی امور کے لئے کیسے مفید اور نفع بخش ہوتے ہیں جبکہ روئے زمین کے ہر حصہ کے لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اسطرح پر کل دنیا کی ضروریات اور تجارتی اشیاء کا بخوبی علم ہو سکتا ہے۔ اور یقیناً ہر قسم کی چیز وہاں فروخت ہو سکتی ہے۔ پس اگر کوئی شخص وہاں تجارت کرے تو کچھ حرج نہیں اسے فائدہ ہی ہوگا۔ اور یہہ فائدہ یقینی ہے جیسا ان تبتغوا فضلاً من ربکم کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں۔

تجارت ضروری ہے آجکل مسلمانوں کی ترقی کا خیال قوم میں حرکت کر رہا ہے اور مختلف طریق سوچے جا رہے ہیں لیکن قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ترقیوں کی جڑ تو تقوی اللہ ہے۔ اور اسباب میں سے تجارت بہت اعلے درجہ کا ذریعہ ہے۔ کاش مسلمان اسطرف توجہ کریں!!! تجارت کی خوبی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ حج میں بھی اللہ تعالے منع نہیں فرماتا۔ بلکہ اسکو فضلاً من ربکم فرماتا ہے۔

کو جو کہانے پینے اور دیگر حوایج بشریہ کا محتاج تہا خدا بنا رہے ہین اور ایسا ہی بعض یہود بہی عزیر کو ابن اللہ مانتے ہین اور بعض اپنے احبار و رہبان کو ارباباً من دون اللہ جانتے ہین ۔

اِس پر اگر یہہ وہم دامنگیر ہو کہ ملت ابراہیم حنیف کا یہہ منشاء ہے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی رسالت حقہ سے انکار کیا جاتا ہے تو ان کو کہول کر بتا دو کہ ملت حنیفیہ کیا ہے ؟

قولوا امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط

وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون ۝

ان لوگون کو سنا دو کہ ہم ایک ہی سچے تمام صفات کاملہ سے موصوف اور ساری بدیون سے منزہ خدا پر اللہ جس کا نام ہے ایمان لا چکے اور جو کلام ہمپر اسکی طرف سے اترا ہے اسکو ہمنے مان لیا ہے اور جو کچہہ ابراہیم ۔ اسحاق ۔ یعقوب اور انکی راستباز اولاد پر نازل ہوتا رہا ہے اسپر ہی ہمنے یقین کر لیا ہے اور جو کچہہ موسیٰ وعیسیٰ اور دیگر سب انبیاؤن کو ان کے رب کی طرف سے ملا ہے ان کو بہی ہمنے مان لیا ہے ہم ان خدا کے بہیجے ہوؤن مین کچہہ بہی فرق نہین کرتے سب کو برابر خدا کا رسول مانتے ہین لو ہم تو اب اسی ایک خدا کے فرمانبردار ہو چکے

لا نفرق بین احد منھم اور وفات مسیح پر استدلال — اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اگر دوسرے نبیون کے خلاف کسی نبی کو زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر چڑہایا جاوے اور ان صفات سے اُسکو متصف کیا جاوے جو کسی دوسرے نبی کو کبہی نہین ملی ہین بلکہ وہ صفات خدا تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہین جیسا کہ نادان اور ناواقف لوگون نے عیسایون کے خیالات کو لیکر حضرت مسیح کی نسبت تجویز کر رکہی ہین تو یہہ ایک **تفریق** ہے جو اسلام کے عقاید مبینہ کے صریح خلاف ہے ۔ کسی نبی کو دوسرے پر فضیلت ہونا یہہ امر دیگر ہے ۔ لیکن ایسے صفات دینا جو نبوت کی شان نہین بلکہ الوہیت کی شان ہے کفر ہے ۔ جو لوگ مسیح کو زندہ آسمان پر بٹہاتے ہین وہ اس مقام پر غور کرین ۔ پس یہی ایمان یہی اسلام ہدایت اور کامیابی کا ذریعہ ہے اس لئے یہود و نصاریٰ سُن رکہین ۔

فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا وان تولوا فانما ھم فی شقاق فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم

پس اگر یہہ اہل کتاب یہودی یا عیسائی اسی طرح مومن ہو جاوین جیسے تم ایمان لائے ہو تو بیشک یہ ہدایت پا جاوینگے ۔ اور اگر اس طرح کے ایمان لانے سے منہ پہیر لین تو پہر اس مین کچہہ شک ہی نہین کہ یہ لوگ صرف ایک ضد پر اڑ رہے ہین ۔ ان لوگون کی مخالفت کے لئے تمہین اللہ کافی ہے اور وہ سمیع وعلیم ہے ۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ونحن لہ عابدون

عیسائیون کا اصطباغ دینے کا طریق اور بپتسمہ کا پانی چہڑکنا کیا فایدہ رکہتا ہے ؟ اصل اصطباغ تو اللہ کا اصطباغ ہے تم کہدو کہ ہمنے تو الٰہی رنگ لے لیا ہے جس سے وہ رنگین کرنا چاہتا ہے ۔ الٰہی رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہے اور ہم تو اُسی اکیلے خدا کی عبادت کرنیوالے لوگ ہین ۔ ہر آنکہ کسی نہ کسی رنگ کو پسند کرتی ہے کوئی سفید کوئی سرخ کوئی زرد علی ہذا القیاس مگر مومن ایک ہی رنگ کو پسند کرتا ہے اور وہ رنگ اس آیۃ مین بتا دیا گیا ہے کہ نحن لہ عابدون الٰہی فرمان برداری یہی ایک بہترین رنگ ہے ہمارے نام اصطباغ اور بپتسمہ ہلاک کرتے ہین مخلص مومن کے لئے کسی آبی یا آتشی اصطباغ کی ضرورت نہین اس کے لئے خدا تعالیٰ کا فرمان بردار ہو جانا ہی کافی ہے ۔

قل اتحاجوننا فی اللہ وھو ربنا وربکم ولنا اعمالنا ولکم اعمالکم ونحن لہ مخلصون

ان لوگون سے کہدو کہ تم اللہ کے بارے مین ہم سے کیا جہگڑتے ہو وہ تو ہمارا بہی رب ہے اور تمہارا بہی رب ہے ہم اپنے اعمال کا بدلہ پانے والے ہین اور تمکو تمہارے اعمال کا بدلہ ملتا ہے ہم تو سب طرفون سے ہٹکر اسی ایک رب کی فرمان برداری مین داخل ہو گئے ۔

ابطال کفارہ والوہیت — اس آیۃ سے بہی عیسائیون کے معتقدات الوہیت مسیح اور کفارہ مسیح کا خاص طرح ابطال ہوتا ہے یعنے تم ہمارے ساتہہ اللہ کی بابت کیا جہگڑتے ہو کیا مطلب کہ مسیح کو الوہیت کا درجہ دیتے ہو یہ غلط ہے اللہ ہمارا اور تمہارا ایک ہے تین نہین اور مسیح بہی اللہ نہین ۔ کیونکہ ہمارا اللہ تو ہمارا رب بہی ہے اور تمہارا بہی رب ہے ۔ حالانکہ مسیح کو ربوبیت کی صفت سے متصف نہین مانتے اور مسیح کو ابن اللہ قرار دیکر خدا کی

نہ کسی قسم کا فسق کریں۔ نقض عہد وغیرہ نکریں یہانتک کہ کسی کو گالی بھی نہ دیں کیونکہ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ آیا ہے اور نہ کسی سے کسی قسم کا جھگڑا کریں اسکی وجہہ یہ ہے کہ مجادلہ کرنے والا توجہہ الی اللہ کے قابل نہیں رہتا وہ تو دوسرے کی عیب چینی اور خوردہ گیری میں مصروف ہو جاتا ہے توجہ الی اللہ کا اسے موقع ہی کب مسلکتا ہے لکھا ہے کہ مجادل باوُنْ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

غرض

اللہ تعالےٰ ہدایت فرماتا ہے۔ کہ ایام حج میں ان امور کی نگہداشت ضروری ہے۔

رفع وہم | کوئی شخص غلطی سے یہ نہ سمجھ لے کہ رَفَث۔ فُسُوْق۔ اور جِدَال سے ہی منع کیا ہے ان سے باز رہے دوسرے اوامر و نواہی کا بے شک لحاظ نکرے؟ اسلئے اس قسم کے وہم کے رفع کے لئے فرما دیا وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ یعنی نیکی کا کوئی بھی کام کرو اللہ تعالےٰ اسے جانتا ہے اس حصّہ آیت میں ایک خاص قسم کا لطیفہ ہے جو علم ادب کی خوبیوں سے پیدا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہاں نیکی کے کاموں کے کرنے کا ذکر فرمایا ہے جس کی تہ میں یہ امر مرکوز ہے کہ بدی تو ایسی چیز ہے کہ اسکا ذکر بھی نہ کیا جاوے۔ یاد کرنے کے قابل جو افعال ہیں وہ نیکی کے ہیں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ایام حج میں ہر قسم کی بدیوں سے الگ رہو اور نیکیاں ہی کرتے رہو۔

انسداد گداگری | اسکے بعد اللہ تعالےٰ ایک عظیم الشان مسئلہ پولیٹیکل اکانمی (اقتصاد) کو پیش کرتا ہے جس پر عملدرآمد نہونے کی وجہہ سے گداگری کا خطرناک طریق پھیل گیا ہے جس سے نہ صرف ملکی سرمایہ کو نقصان پہونچا ہے بلکہ گداگر قوموں میں سستی اور کاہلی پیدا ہونے کے علاوہ خودداری (سیلف ریسپکٹ) عزت و حمیت دلیری و جرأت کا مادہ بھی مفقود ہو گیا ہے۔ اس طریق بد کو روکنے کے واسطے فرمایا وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی

۲۶۸ ۲۴ ع ۸

اور یاد رکھو کہ حج کو جانے سے پہلے زاد راہ بہم پہونچاؤ۔ کیونکہ زاد راہ کے مفاد اور منافع میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دست سوال دراز کرنے یا کسی کے مال پر دست درازی کرنے سے بچا لیتی ہے اور بہتر زاد تو تقوی ہے۔

ابھی ہم نے بیان کیا ہے کہ قرآن شریف کے دوسرے مقام پر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا یعنی لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض تو ہے مگر ان لوگوں پر جو اخراجات راہ کا مقدور اور استطاعت رکھتے ہوں۔

قرآن کریم کی یہ تعلیم کیسی اعلےٰ اور برگزیدہ ہے کہ حج باوصفیکہ ایک سالانہ قومی انجمن (جیسا کہ ہم نے اسی تفسیر کے دوسرے مقام پر بحث کی ہے) لیکن اسمیں ہر کس و ناکس کے شمول کو غیر ضروری سمجھکر مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا کی قید لگا دی تاکہ اس مقام پر سمجھدار اور سنجیدہ لوگ جمع ہوں جنکے تبادلہ خیالات سے قوم کو صنعتی۔ تجارتی۔ حرفتی۔ زراعتی اور دوسرے مفید ملک و ملت امور سے ترقیات دینی اور روحانی اور دعاون کے علاوہ واقفیت پیدا ہو۔ اور ہر قسم کی بدیوں اور بدکاریوں سے روکنے کے لئے یہ قید لگا دی کہ زاد راہ ساتھ لے لو۔ تاکہ گداگری کا خطرناک مرض پھیلنے نہ پائے۔ اور چوری کی وارداتیں بھی نہ ہوں۔ لیکن اسلام کا اصل منشاء اور قرآن کریم کی علت غائی چونکہ متاع الدنیا میں ہی منہمک ہو جانا نہیں ہے بلکہ تقوی ہے اسلئے تَزَوَّدُوْا کا حکم دیتے ہوئے یہی فرما دیا ہے فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی۔ التقوی بہترین زاد راہ ہے۔ یہ اس لئے بھی کہ انسانی فطرت میں جبکہ یہ بات ہے۔ کہ وہ کل کی فکر کرتا ہے اور سفر سے پہلے تہیہ اسباب کرنے لگتا ہے اسلئے سفر اخروی کے لئے بھی اسے زاد راہ لینی چاہئے جو اسے دکھوں سے نجات دے اور یہ زاد تقوی ہے کیونکہ قرآن کریم کے نزول کی علت غائی هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ہی ہے۔

علاوہ بریں قرآن کریم ہی کے نصوص سے ثابت ہے کہ متقی کو اللہ تعالےٰ ضائع نہیں کرتا۔ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ متقی کو ایسے طریق پر رزق ملتا ہے کہ اسے شان و گمان بھی نہیں ہوتا۔ پس اگر انسان سچا مسلمان اور حقیقی متقی ہو۔ تو خدا تعالےٰ خود اسکا متکفل اور حامی کار ہو جاتا ہے۔

دین کیا ہے ؟ دین معاملہ کا نام ہے کما تدین وتدان جیسا کروگے ویسا پاؤگے اسی لئے خدا تعالی کی یہ صفت ہے مالک یوم الدین یعنے یوم الجزا کا مالک - الدین سے مراد الاسلام ہے

اسلام ہی ایک مذہب ہے جسکو خدا نے برگزیدہ کیا حضرت ابراہیم کے اس قول کی تصدیق قرآن کریم کے دوسرے مقام پر رب العالمین کیطرف سے بہی موجود ہے ورضیت لکم الاسلام دینا -

لا تموتن الا وانتم مسلمون مسلمان ہی ہوکر مرنا چونکہ موت انسان کے اپنے اختیار مین نہین ہے اور نہین معلوم کس وقت آجاوے اسلئے حضرت ابراہیم انہین یہ تعلیم فرماتے ہین کہ تم ہر وقت ہی مسلمان بنے رہو کوئی لحظہ اور وقت کا حصہ تمپر ایسا نہ آوے کہ تم مسلمان نہ ہو کیونکہ ممکن ہے اسی وقت موت آجاوے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بہی مومنون کو یہی پیغام دوسرے موقع پر ان ہی الفاظ مین سنایا گیا ہے لا تموتن الا وانتم مسلمون اسکی تعمیل اسی صورت مین ہوسکتی ہے کہ انسان ہر وقت موت کو پیش نظر رکہے اور اللہ تعالی ہی کا فرمان بردار اور مسلمان بنا رہے جب انسان اپنا کچھہ نہین رکہتا تو خدا اس کے لئے سب کچھہ کہتا ہے من لہ المولے فلہ الکل خدا مہربان تو کل مہربان پس ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو یہہ وصیت کی تہی کہ تمکو جب موت آوے اسلام مین آوے تمہارا مطلوب اور مقصود خدا ہی ہو تاکہ مرتے وقت بہت سی آرزوئین اور حسرتین آآ کر تمہین تیرہ دل اور پژمردہ نہ کرین - جب خدا تعالی کی طرف توجہ تام ہوگی پہر موت بہی تمہارے لئے مسرت کا باعث ہوجائیگی -

پہر حضرت یعقوب کی وصیت کو اور بہی کہول کر بیان فرماتا ہے

ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی
قالو نعبد الٰہک والٰہ آبائک ابراہیم واسمعیل واسحٰق الٰہا واحدا
ونحن لہ مسلمون

کیا تم اس وقت جبکہ یعقوب کی موت قریب آپہنچی موجود تہے جب اوس نے اپنے بیٹون کو یہہ سوال کیا کہ میرے بعد اب تم کسکی عبادت کروگے ؟ تو اونہون نے یہی جواب دیا کہ ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم اسمعیل اور اسحاق کے معبود کی جو ایک ہی اکیلا خدا ہے عبادت کرین گے اور ہم اسی کے مسلمان بندے بنے رہین گے ہم اپنی ساری توجہات کو اسی کے سپرد کرتے ہین -

تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون ○

یہہ تہا ایک گروہ معلم الخیر وہ مر گیا جو کچھہ انہون نے کیا اسکا بدلہ ان کے لئے ہی اور تمہاری اعمال تمہارے ساتہ ہین - تم سے ان لوگون کے اعمال کے متعلق تو سوال نہ ہوگا -

یعنے انکی بزرگی اور خدا کے حضور مقبول ہونے پر انکی موجودہ نسل کا فخر کرنا کسی کام نہین آئیگا جبتک کہ وہ طریق اختیار نہ کیا جاوے جس طریق پر چل کر یہ لوگ خدا کے حضور بزرگ اور مقبول ہوئے

اس آیت سے کفارہ کی کیسی صاف تردید ہوتی ہے ایک کے گناہ دوسرا نہین اٹہا سکتا - اور پہر یہ غرض ہی کہ تم بہی معلم الخیر ہو

وقالوا کونوا ہودا او نصاری تہتدوا قل بل ملۃ ابراہیم حنیفا وما کان من المشرکین

اور ان لوگون کا یہ کہنا کہ یہودی ہوجاؤ یا عیسائی بنجاؤ تب ہی تم نجات پاؤگے (ہرگز درست نہین) تم ان کو جواب دو کہ ہمنے تو اسی ابراہیمی طریق کو اختیار کر لیا ہے - ابراہیم ہر طرف سے منہ پہیر کر ایک ہی اکیلے سچے خدا کی پرستش کرنیوالا تہا اور وہ ہرگز مشرکون کی جماعت مین سے نہ تہا *

ملۃ ابراہیم حنیفا ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالی کی فرمان برداری کے ساتہ کسی دوسرے کو شریک نہین رکہا اس لئے اسی کی پیروی چاہئے اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود اور عیسائی دونو شرک میں مبتلا ہین - عیسائیون کا شرک تو ظاہر ہی ہے کہ عوض بیٹے کے

* اس ایت سے بہی وفات مسیح صاف طور پر ثابت ہوتی ہے سوچو منہ

مقابل میں کوئی خوبی عطا نہیں کرتے ۔ برخلاف اسکے اسلام کا یہ عجیب کمال ہے کہ وہ جہاں ایک برائی کو چھڑاتا ہے اسکے ساتھ ہی اسکا قایم مقام ایک نیکی کو عطا کرتا ہے ۔ اسی مقام پر دیکھو ۔ **تفرقِ قومی** کو چھڑایا اسکی بجائے **اخوت** کو عام کیا۔

اور پھر یہ بھی اسکا کمال ہے کہ ہر حالت میں **روحانی تعلیم** دیتا ہے جو لوگ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حالات زندگی سے واقف ہیں اور جنہوں نے آپ کی **دعاؤں** پر نظر کی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ زندگی کے ہر حصہ اور حالت میں آپ نے خدا تعالےٰ کی طرف توجہ اور ترقیات کے لئے مایل کیا ہے ۔ اسلئے اس مقام پر بھی جہاں ایک بےمعنی اور بیہودہ قومی تفرق کے دستور کو توڑا ہے ۔ اسکے ساتھ ایکطرف ایک عمدہ تعلیم دی اور ساتھ **استغفار** جیسی عظیم الشان کلید کامیابی عطا فرمائی ۔ ارکان حج کے اختتام پر اس اعلےٰ درجہ معرفت کیطرف متوجہ کیا جو حج کی تہ میں مرکوز ہے اور جو اسلام کی **اصل جان** ہے چنانچہ فرمایا

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا

یعنی جب تم اپنے حج کے ارکان پورے کر چکو تب اللہ تعالےٰ کے ذکر میں مصروف ہو جاؤ اور یہ ذکر اسی طرح کرو جسطرح تم اپنے اباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس آیتہ کی تفسیر لکھتے وقت ہمیں پھر ان لوگوں کے ایک قومی دستور کا بتا دینا ضروری ہے ۔ پہلے ہم نے لکھا ہے کہ مکہ سے جب قریش آتے تھے تو وہ عرفات تک نہ جاتے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو وہاں تک پہونچایا ۔ پھر ان لوگوں کا دستور تہا کہ وہ عید کے دن واپس ہو کر **منا** پر پہونچتے تھے وہاں ایک سالانہ قومی مجمع ہوتا تھا جس میں **زبان دانی** کے جوہر دکھائے جاتے تھے اور وہ اپنے اسلاف کے کارہائے نمایاں کو بھی بیان کیا کرتے تھے اور مختلف امور میں اپنی شیخیاں بگھارتے بےمعنی دستور کو ترک کرایا اور اسکے بجائے ذکر اللہ کی طرف انکو متوجہ کیا ۔ اور یہ تعلیم دی کہ وہاں ہو چکر ذکر اللہ کیا کرو۔

ذکر اللہ

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا پر کسی قدر ہم **اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ** کی تفسیر کرتے وقت تفسیر احسان میں بحث کر آئے ہیں اسجگہ مختصر طور پر یہہ بتا دینا ضروری ہے کہ حج چونکہ **عاشقانہ نیازمندی** کا نمونہ ہے اور اسلام کا منشا ہے کہ ہر ایک فعل میں ہر ایک قول میں ہمکو ہمارا خالق ۔ رازق ۔ مربی یاد رہے کوئی فعل اور قول بدون شمول نام باری و رضاء ایزدی نہ ہو ہر وقت فانی اشیاء سے بقا کیطرف جسم سے روح کیطرف توجہ رہے پس حج کے عام مناسک کے بعد **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ** کی حقیقت کا اپنے اندر پیدا کرنا دراصل حج کی **حقیقت تامہ** ہے اور یہ وہ مرتبہ ہے جو اہل تصوف کی اصطلاح میں **لقا** کہلاتا ہے۔

حج پر کسیقدر تفصیلی بحث ہم پہلے کر آئے ہیں ۔ اسلئے زیادہ کی حاجت نہیں بجز اسکے کہ **عاشقانہ نیازمندی** کے رنگ میں حج میں **قربانی** دراصل اپنی **قربانی** کر دینے کی طرف ایما ہے ۔ جسکا یہ مفہوم ہے کہ تمام قوے اور اعضا اور جو کچھ اپنا ہے اللہ تعالیٰ کو سونپ دیا جاوے اور اسکی راہ میں وقف کر دیا جاوے اور اپنی نفسانی جنبشوں اور سکونوں سے بکلی باز آجاوے اور اسپر ایک موت وارد ہو جاوے اور سچ مچ **اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** اسکے عمل سے نکلے ۔ اس کے بعد **استغفار** کے ذریعہ الٰہی جذبہ اور تحریک اس میں نئی روح پہونکتا ہے اور تمام نفسانی حرکات کے انقطاع کے بعد ربانی تحریک سے پر ہو کر حرکت شروع ہوتی ہے جو بقا کہلاتی ہے ۔ اسکے بعد جب پوری معرفت یقین توکل اور محبت میں ایسا مرتبہ عالیہ پیدا ہو جاوے کہ اسکے خلوص اور ایمان اور وفا کا اجر اسکی نظر میں وہمی اور خیالی اور ظنی نہ رہے بلکہ ایسا یقینی اور قطعی اور مشہود ہو کہ گویا وہ اسکو مل چکا ہے اور خدا تعالےٰ کو گویا دیکھ رہا ہے تو یہہ حالت چونکہ ہر قسم کے قبض وکدورت سے پاک ہوتی ہے اسلئے **لقا** کہلاتی ہے اور اسی کیفیت راسخہ کو اس آیتہ میں بیان کیا ہے ۔ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے **اطفال اللہ** کے عنوان سے اس آیت پر جو کچھ لکھا ہے اسے ہم ذیل میں دیتے ہیں ۔

اور یہ **لقا** کا مرتبہ تب سالک کے لئے کامل طور پر متحقق ہوتا ہے کہ جب ربانی رنگ بشریت کے رنگ وبو کو بتمام وکمال اپنے رنگ کے نیچے متواری اور پوشیدہ کر دیوے جس طرح آگ لوہے کے رنگ کو اپنے نیچے ایسا چھپا لیتی ہے کہ نظر ظاہر میں بجز آگ کے اور کچھہ دکھائی نہیں دیتا یہ وہی مقام ہے جسپر پہنچکر بعض سالکین نے لغزشیں کھائی ہیں اور شہودی پیوند کو وجودی پیوند کے رنگ میں سمجھہ لیا ہے ۔ اس مقام میں جو اولیاء اللہ پہنچے ہیں یا جنکو اسمیں سے کوئی گھونٹ میسر آگیا ہے بعض اہل تصوف نے اُن کا نام **اطفال اللہ** رکھہ دیا اس مناسبت سے کہ

۲۷۱
۲۴
ع۵

التماس

تفسیر القران کا پہلا پارہ پیش کرتے ہوئے مین یہہ التماس کرنا چاہتا ہون کہ اگرچہ تصحیح کا بہت بڑا خیال رکھا گیا ہے لیکن بشریت ساتھ ضرور ہے اس لئے اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو مجھے معذور سمجھ کر معاف فرمایا جاوے

۲- مین ناظرین تفسیر القران سے عموماً اور اپنی جماعت کے معزز و محترم اصحاب سے خصوصاً درخواست کرتا ہون کہ وہ اس پارہ کو پڑھکر اپنی راے سے مجھے اطلاع دین تاکہ آیندہ پارون مین مجھے انکی صائب راؤن سے مدد ملے ٭

الملتمس شیخ یعقوب علی تراب احمدی

اڈیٹر اخبار الحکم

ان قومی اور ملکی مفاد مشترکہ کے اظہار کے بعد پھر اصل مطلب کی .... طرف قرآن کریم توجہ دلاتا ہے۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ص
وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ

یعنی جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام (مزدلفہ) میں ٹھیر کر خدا کا ذکر کرو۔ اور یہ ذکر اللہ اپنے خود تراشیدہ خیال کے موافق نہو بلکہ اس طریق پر ذکر کرو۔ جسطرح پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تمکو کرکے دکھلایا ہے اور اگرچہ اس سے پہلے تم بہولے ہوؤں میں تھے۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طریق پر اپنے فعل سے دکھایا ہے وہ اس طرح پر ثابت ہے کہ مزدلفہ پہونچکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اذان اور دو اقامت سے مغرب اور عشا کی نمازیں پڑہیں پھر لیٹ رہے صبح ہوئی تو اذان اور اقامت سے صبح کی نماز پڑہی پھر اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہوکر قزح پہاڑ پر جو مزدلفہ کے میدان میں واقع ہے آئے۔ اور روبقبلہ ہوکر دعا تکبیر۔ اور تہلیل کرتے رہے اور سورج نکلنے کو تھا کہ آگے کو روانہ ہوئے۔

عرفات مکہ معظمہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ایک میدان ہے جہاں نہ کوئی پتھر ہے نہ درخت نہ عمارت صرف الٰہی یاد کیلئے ایک کہلا نیلا وسیع میدان ہے اور اسی سے دعا۔ شام کو واپس آتے پر تین میل پر آکر ٹھیرتے ہیں جسے مزدلفہ یا مشعر الحرام کہتے ہیں۔

اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ سے یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر تم لوگ طریق عبادت سے ہی ناواقف تھے

پہ نظر اور چکڑالوی کا رد اس سے یہ بہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور نقش قدم پر چلنے کے بغیر انسان ضالین کے گروہ میں جاملتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جب تک تزکیہ نفس نہ ہو آپ کے دبستان میں جب تک کوئی تعلیم حاصل نکرے (اور آپکی تعلیم قالی بہی تھی حالی بہی) وہ کتاب اللہ کے حقایق اور معارف حکمیہ سے ناواقف اور زمرۂ ضالین میں رہتا ہے۔ ہم اسپر اس آیت شریف سے بھی استشہاد کرتے ہیں هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (سورہ جمعہ)

۲۷۰
۲۴
ع
۵

پس وہ لوگ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ کو چہوڑتے ہیں اور اپنے قیاسی خیالات اور اختراعات سے طرق عبادت وضع کرتے ہیں وہ یقیناً اسکے نیچے ہیں۔ اس زمانہ میں یہہ فتنہ کچھہ تو مختلف سجادہ نشینوں اور سلسلوں نے اوراد و وظایف کے رنگ میں پہیلایا ہے اور سب بڑھ کر چکڑالوی نے اس میں حصہ لیا ہے۔ اور یہ فتنہ محرک ہے اس امر کا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روح جوش میں آکر اپنا نزول ثانی چاہے جو آپکے بروز کے رنگ میں ہوا ہے۔ فتدبروا یا اهل القرآن !!!

پھر انہیں مراسم حج کے سلسلہ میں فرمایا

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

یعنی پھر (ایک بات یہ ہے کہ عرفات سے چلو تو) جس جگہہ سے اور لوگ چلیں تم بھی وہیں سے چلو اور اللہ تعالے سے استغفار کرتے رہو بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ مکہ سے عرفات کو جاتے وقت منا۔ مزدلفہ۔ عرفات آتے ہیں مکہ کے اصل باشندے عرفات پر نہیں جاتے تھے کیونکہ وہ دوسری حد ہے درمیان ایک وادی ہے اس پر آکھڑے ہوتے اور آگے نہ بڑھتے۔ لیکن **اسلام جنرل برادرہڈ** (اخوت عامہ) پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اسلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قریش کے دستور کے خلاف آگے بڑھ کر سب کو ایک کردیا۔ اور سب کو رشتہ اخوت میں منسلک کردیا۔ اس دستور قومی کو مدنظر رکھتے ہوئے مولا کریم نے یہ حکم دیا گویا اس **تفریق قومی** کو مٹا دیا۔ اور ساتھہ ہی یہہ بھی حکم دیا کہ اللہ تعالے سے حفاظت طلب کرتے رہو کہ تم میں بڑائی۔ تکبر۔ اور نخوت پیدا نہو۔

اسلام کی ایک لانظیر خوبی دنیا کے اکثر مذاہب پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعض برائیوں کے ترک کی تو ہدایت کرتے ہیں لیکن انکے

ربوبیت ہی سے منکر ہین اور خدا کو خدا باپ کہہ کر پکارتے ہین -

علاوہ ازین ربوبیت اعمال کو نہین چاہتی حالانکہ مسیح کے خون پر ایمان لانا ہی عیسائیون کے نزدیک نجات کی صورت ہے تو ربوبیت کا پتہ تو کہان رہا - اور مسیح تو خود ہی کام مر تارہا اَورون کی ربوبیت کیا کریگا -

غرض رب کہہ کر مسیح کی الوہیت کو باطل کیا اور پھر تعالی الله کہکر کفارہ کی بنیاد اکھاڑ دی - دُنیا مین ایک انسان دوسرے کا بوجھ نہین اٹھا سکتا - کبھی نہین ہوتا کہ زید کھانا کھاوے اور بکر کا پیٹ بھر جاوے - پھر یہ کیسی بیہودہ بات ہے کہ گناہ کرے کوئی اور پکڑا جاوے کوئی اور - گناہ تو کرین اور اور پھانسی چڑھے حضرت مسیح یہہ عجیب انصاف اور رحم ہے !!! ذرا سوچو تو سہی

ام تقولون ان ابراهيم واسمعيل واسحق ويعقوب والاسباط كانوا هودا او نصارى قل انتم اعلم ام الله ومن اظلم ممن كتم شهادة عنده من الله وما الله بغافل عما تعملون ۝

کیا تم لوگ کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور انکی رستہ دار اولاد یہودی یا عیسائی کہلاتی تہی ؟ ان سے پوچھو کہ کیا اس بات کو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالی اس موجودہ یہودیت اور عیسائیت کو اس پہلی ممتاز جماعت کو کچھہ تعلق ہی نہین اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اس شہادت حقہ کو چھپایا جسکی نسبت ظاہر کرنیکا خدا سے حکم پہنچا تہا اسمٰعیل کی نسل سے آخری کامل کے پیدا ہونے کی بشارت جو ابراہیم اور موسیٰ اور دیگر انبیا کی زبانی درج ہو چکی تہی انہون نے ظلم سے ان بشارات کو چھپایا اور سچے اور کامل رسول کے منکر ہو گئے اللہ تو تمہاری ان کرتوتون سے بے خبر نہیں ۔

اس آیت مین دونون قومون کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت حقہ کے چھپانے پر ملزم کیا گیا ہے اور ان کی ان بدکرتوتون کے برے انجام کی خبر دی ہے - پہر سُن رکھو نجات کا اصل مدار اعمال صالحہ اور ایمان ہی پر ہے - کفارہ کچھہ شے نہین اور نہ بزرگون کی اولاد ہونا نجات کا موجب ہو سکتا ہے -

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

تم ابراہیم کی اولاد ہونے پر نازاں نہ کرو وہ ایک جماعت تہی جو گذر گئی اور جو لوگون کو بہلائی کی باتین بتلاتی تہی ان کے اعمال اور انکی باتین تو انکے ساتھہ ہی گئین - اور جو تم کر رہے ہو یہہ تمہارے ساتھہ ہے ان کے اعمال سے تم کو کچھہ تعلق نہین تمہین اپنے ہی اعمال کا بدلہ ملیگا - تم سے ان کے اعمال کی بابت کوئی سوال نہین ہوگا - تم سے تو تمہارے ہی اعمال پوچھے جائینگے - باپ دادا کا بزرگ یا مقبول خدا ہونا کچھہ بہی کام نہ آئیگا -

اس رکوع کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ انسان ایک اللہ پر ایمان لائے اور انبیا علیہم السلام کو بلا تفریق منجانب اللہ تسلیم کرے اور ہمہ تن خدا تعالی ہی کا فرمان بردار رہو اپنے اعمال و افعال ہی کا محاسبہ کرتا رہے کہ آیا رضاء الہی کے لئے کام کر رہا ہے یا اغراض نفسانی کی تعمیل پیش ہے - غرض ہر آن اور ہر حالت مین رضاء الہی کا جویان رہے جو انسان کی راحت اور خوشی کا موجب ہے -

دُعا

مولا کریم ! ہمکو اور ہمارے پڑھنے والون کو توفیق دیجیو کہ ابراہیم حنیف کے نقش قدم پر چلین - زندہ ہون تو مسلمان مرین تو تیرے فرمانبردار ہوکر مرین اور اٹھین تو تیرے فرمان بردارون کے زمرہ میں ہمارا بھی حشر ہو - آمین -

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

مشکل ہے جب تک انسان کے دل سے دوسرے رب اور ان کی قدر و منزلت و عظمت و وقار نکل نجاوے تب تک حقیقی رب اور اسکی ربوبیت کا ٹہیکہ نہیں اٹھاتا۔ بعض لوگوں نے جہوٹ ہی کو اپنا رب بنا یا ہوا ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہمارا جہوٹ کے بدون گذارہ ہی مشکل ہے۔ بعض چوری و رہزنی اور فریب دہی ہی کو اپنا رب بنائے ہوئے ہیں انکا اعتقاد ہے کہ اس راہ کے سوا انکے واسطے کوئی رزق کا راہ ہی نہیں۔ جو ان کے ارباب وہ چیزیں ہیں۔ دیکہو ایک چور جس کے پاس سارے نقب زنی کے ہتہیار موجود ہیں اور رات کا موقع ہی اوسکے مفید مطلب ہے اور کوئی چوکیدار وغیرہ بہی نہیں جاگتا ہے تو ایسی حالت میں وہ چوری کے سوا کسی اور راہ کو بہی جانتا ہے جس سے اوسکا رزق آسکتا ہے وہ اپنے ہتہیاروں کو ہی اپنا معبود جانتا ہے غرض ایسے لوگ جنکو اپنی ہی حیلہ بازیوں پر اعتماد اور بہروسہ ہوتا ہے اونکو خدا سے استعانت اور دعا کرنے کی کیا حاجت۔ دعا کی حاجت اسی کو ہوتی ہے جسکے سارے راہ بند ہوں اور کوئی راہ سوائے اس در کے نہ ہو اسی کے دل سے دعا نکلتی ہے غرض رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا الخ ایسی دعا کرنا صرف اون ہی لوگوں کا کام ہے جو خدا ہی کو اپنا رب جان چکے ہیں اور انکو یقین ہے کہ اون کے رب کے سامنے سارے ارباب باطل ہیچ ہیں۔
آگ سے مراد صرف وہی آگ نہیں جو قیامت کو ہوگی بلکہ دنیا میں ہی جو شخص ایک لمبی عمر پاتا ہے وہ دیکہہ لیتا ہے کہ دنیا میں بہی ہزاروں طرح کی آگ ہیں تجربہ کار جانتے ہیں کہ قسم قسم کی آگ دنیا میں موجود ہے۔ طرح طرح کے عذاب خوف۔ حزن۔ فقر و فاقے۔ امراض۔ نا کامیاں۔ ذلت و ادبار کے اندیشے ہزاروں قسم کے دکہہ اولاد۔ بیوی وغیرہ کے متعلق تکالیف اور رشتہ داروں کے ساتہہ معاملات میں اولجہن غرض یہ سب آگ ہیں تو مومن دعا کرتا ہے کہ ساری قسم کی آگوں سے ہمیں بچا۔ جب ہمنے تیرا دامن پکڑا ہے تو ان سب عوارض سے جو انسانی زندگی کو تلخ کرنے والے ہیں اور انسا نکے لئے بمنزلہ آگ ہیں بچائے رکھ۔

پہر اسی بیان حج کی ضمن میں فرمایا کہ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔

یعنی گنتی کے ایام مقررہ میں خدا کی یاد کرتے رہو۔ پہر جو شخص جلدی کرے اور دو ہی دن میں چل کہڑا ہو اسپر بہی کوئی گناہ نہیں اصل غرض تو تقوی اللہ اختیار کرنا ہے اسلئے متقی ہو اور متقی بننے کا گر اور اصل یہ ہے کہ اس بات کو کبہی نہ بہولو کہ خدا تعالے کے حضور حاضر ہونا ہے۔
اس آیت میں بہی ایک خاص طریق کی طرف اشارہ ہے۔ عرفات سے چل کر طواف کعبہ کرنے کے ساتہہ حج ختم ہو جاتا ہے مگر وہ لوگ عمداً وہاں ٹہیرے رہتے اور اپنے بزرگوں کی بڑائیاں کرتے اسلئے اللہ تعالے نے فرمایا کہ دو یا زیادہ دن ٹہیرنے کی تو اجازت ہے لیکن ذکر الٰہی کرتے رہیں لِمَنِ اتَّقٰى سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ٹہیرنے کی غرض تقوی پر مبنی ہے اور کسی غرض سے ٹہیرنا مناسب نہیں ہے

اب

پہر اللہ تعالے منافق طبع لوگوں کا ذکر کرتا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝
قرآن کریم کے شروع میں دوسرے رکوع کے اندر جہاں منافقوں کے بعض صفات بیان فرمائے ہیں وہاں اللہ تعالے نے انکو اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ بہی فرمایا ہے۔ فَسَادَ فِي الْاَرْضِ کی تفسیر میں اس مقام پر ہم نے مفصل بحث کردی ہے۔ تکرار کی حاجت نہیں۔
تَوَلّٰى کے معنے | یعنی جب اسکو حکومت ملجاوے بر سر ولایت ہو جاوے۔
يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ | حَرْث سے مراد عام کہیتی ہی ہے لیکن نَسْل کے قرینہ کے لحاظ سے اسکے معنے عورت بہی ہیں
یعنی ایسے شریر اور منافق طبع لوگ جب برسر حکومت ہو جاتے ہیں تو لوگوں کی کہیتی برباد کرتے ہیں اور دوسروں کی بہو بیٹیاں خراب کرتے ہیں۔
ان تمام امور سے اللہ تعالے وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ کہہ کر منع کرتا ہے اسکے بالمقابل دوسرے گروہ کا جو رضا الٰہی کے اعلے مدارج پر پہونچتے ہیں ذکر فرماتا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اس آیت کے متعلق کہ وہ معرفت تامہ کے اعلے مدارج کو بیان کرتی ہے ہم پہلے بحث کر آئے ہیں۔ اسکے بعد اللہ تعالے نے سچے مسلمان ہونے اور باہم صلح و آشتی کی تعلیم دی ہے اور شیطان کی

تفسیر القرآن

بابت جنوری سنہ ۱۹۰۳ء

جلد اول — نمبر اول

جسکو

خاکسار شیخ یعقوب علی تراب احمدی ایڈیٹر الحکم قادیان نے حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریروں یا تحریروں اور حضرت حکیم الامتہ مولٰنا

وبالفضل اولٰنا مولوی حافظ حاجی حکیم نور الدین صاحب بھیروی

کو درس قرآن مجید میں سے لئے ہوئے نوٹس اور آپ کی

پرانی یادداشتوں اور مولٰنا مولوی عبدالکریم صاحب

کی خطبات سے لیکر مرتب کیا اور حضرت حکیم الامتہ اور مولٰنا مولوی

عبدالکریم صاحب کی اصلاح کے بعد شایع کیا

اخبار الحکم و تفسیر القرآن کے کارخانہ انوار احمدیہ پریس قادیان دارالامان میں

وہ لوگ صفات الٰہی کے لحاظ عاطفت میں بکلی جا پڑے ہیں اور جیسے ایک شخص کا لڑکا اپنے حلیہ اور خط و خال میں کچھ اپنے باپ سے مناسبت رکھتا ہے ویسا ہی انکو بھی ظلی طور پر بوجہ تخلق باخلاق اللہ خدا تعالیٰ کی صفات جمیلہ سے کچھ مناسبت پیدا ہو گئی ہے۔ ایسے نام اگرچہ کھلے کھلے طور پر زبان شرع مستعمل نہیں ہیں مگر درحقیقت عارفوں نے قرآن کریم سے ہی اسکو استنباط کیا ہے کیونکہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا یعنی اللہ تعالیٰ کو ایسا یاد کرو کہ جیسے تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اگر مجازی طور پر ان الفاظ کا بولنا منہیات شرع سے ہوتا تو خدا تعالیٰ ایسی طرز سے اپنی کلام کو منزہ رکھتا جس سے اس اطلاق کا جواز مستنبط ہو سکتا ہے۔

اسکے بعد اللہ تعالیٰ دنیا طلبی کے انجام کے متعلق ایک فیصلہ پیش کرتا ہے۔ چونکہ اسلام کے مقصد کے خلاف ہے اسلئے اس سے گویا منع کرتا ہے فرمایا

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ

یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں جو محض دنیا ہی دنیا طلب کرتے ہیں اور آخرت میں اون کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

یہاں یہ تو نہیں فرمایا کہ انکو دنیا نہیں دی جاتی کیونکہ كُلًّا نُمِدُّ هٰؤُلَاءِ دوسری جگہ آیا ہے البتہ دنیا طلبی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں منہمک ہو کر حصول آخرۃ سے بے بہرہ ہو جاتا ہے۔ خدا پرست اور مومن کا یہ نشان ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ

یعنی اور بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں حسنات الدنیا عطا فرما اور حسنات الآخرۃ بھی عطا کر۔ عذاب جہنم سے بچا یہی ہیں وہ لوگ جنکو آخرت میں حصہ ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ جلدی حساب کرنے والا ہے۔

۲۷۲
ع ۸

حسنات الدنیا حسنات الدنیا سے مراد عمدہ صحت۔ نیک اولاد۔ عمدہ گھر۔ ہمسایہ نیک۔ زوجہ نیک و پسندیدہ۔ حلال رزق۔ عمل صالح۔ سواری اچھی۔ علم نافع اور حسنات الآخرۃ سے مراد ہے کہ قبر روضۃ من ریاض الجنۃ ہو جاوے اور حشر میں سایہ عرش عظیم کا فر د کو ملے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پڑوس ہو۔ مرتے ہی صالح لوگوں میں ملجاوے۔ خدا تعالیٰ کے لقاء میں اعلیٰ درجہ کا قرب ملے۔ ہول قبر سے محفوظ ہو روحانی ترقیات کرے۔

حسنۃ الدنیا و حسنۃ الآخرۃ اس دعا پر حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقع پر مندرجہ ذیل تقریر فرمائی تھی جسے ہم الحکم سے لیکر درج کرتے ہیں۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اے ہمارے رب ہمیں اس دنیا میں بھی آرام و آسائش کے سامان عطا فرما۔ اور آنے والے جہان میں بھی آرام اور راحت عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

دیکھو درحقیقت رَبَّنَا کے لفظ میں توبہ ہی کی طرف ایک باریک اشارہ ہے کیونکہ رَبَّنَا کا لفظ چاہتا ہے کہ وہ بعض اور رَبّوں کو جو اس نے پہلے بنائے ہوئے تھے اون سے بیزار ہو کر اس رب کی طرف آیا ہے۔ اور یہ لفظ حقیقی درد اور گداز کے سوا انسان کے دل سے نکل نہیں سکتا۔ رب کہتے ہیں تبدریج کمال کو پہنچانے والے اور پرورش کرنے والے کو۔ اصل میں انسان نے اپنے بہت سے ارباب بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اپنے حیلوں اور دغا بازیوں پر اسے پورا بھروسہ ہوتا ہے تو وہی اسکے رب ہیں اگر اُسے اپنے علم کا یا قوت بازو کا گھمنڈ ہے تو وہی اوسکے رب ہیں۔ اگر اُسے اپنے حسن یا مال و دولت پر فخر ہے تو وہ ہی اوسکا رب ہے۔ غرض اس طرح کے ہزاروں ارباب اسکے ساتھ لگے ہوئے ہیں جب تک اون سب کو ترک کر کے اُن سے بیزار ہو کے اس واحد لاشریک سچے اور حقیقی رب کے آگے سر نیاز نہ جھکائے اور رَبَّنَا کی پُر درد اور دل کو پگھلانے والی آوازوں سے اوسکے آستانہ پر نہ گرے تب تک وہ حقیقی رب کو نہیں سمجھا پس جب ایسی دلسوزی اور جان گدازی سے اسکے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے توبہ کرتا اور اُسے مخاطب کرتا ہے کہ رَبَّنَا یعنی اصلی اور حقیقی رب تو تو ہی تھا مگر ہم اپنی غلطی سے دوسری جگہ بھٹکتے پھرتے رہے اب میں نے اون جھوٹے بتوں اور باطل معبودوں کو ترک کر دیا ہے اور صدق دل سے تیری ربوبیت کا اقرار کرتا ہوں تیرے آستانہ پر آتا ہوں غرض بجز اس کے خدا کو اپنا رب بنانا

تفسیر القرآن

تفسیر القرآن لکھنا اُن لوگون کا کام ہے جن کے دل مجاہدات نفسانیہ سے پاک ہوں اور جو ہمیشہ کلام اللہ کے مشتاق رہتے ہون مینے اس خدمت کے سرانجام دینے کیلئے محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ کیا ہے۔ اس تفسیر القرآن کا طرز بیان اور تقسیم مضامین تو مینے خود تجویز کیا ہے۔ اور مضامین حضرت مولانا مولوی حافظ حکیم نورالدین صاحب کے درس قرآن مجید اور ان کی تفسیر اور یادداشتون سے زیادہ تر لیا ہے پھر مینے حضرت اقدس حجۃ اللہ فی الارض مسیح موعود ادام اللہ فیوضہم کی تفسیر کو جو آپ کی تصنیفات یا تقریرون سے ملی ہے مقدم کر کے اسمین داخل کیا ہے۔ ایسا ہی اور حقایق و معارف جو حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب کے مُنہ سے سُنے اونکو بھی حتی الوسع اسمین درج کیا ہے۔ اسی ترتیب اور صورت پر مینے ارادہ کیا ہوا ہے کہ جہان تک توفیق ملے ایک ایک پارہ شایع کرتا جاؤن۔ چنانچہ اسکے بعد دوسرا پارہ شروع کیا جاویگا۔ اور ازان بعد تیسرا علیٰ ہذالقیاس اس تفسیر میں جو جو خصوصیات ہین وہ اس اشتہار مین درج نہیں ہوسکتین دیکھنے سے تعلق رکھتی ہین۔ اس لئے جو صاحب اس سلسلہ کے خریدار رہنا چاہین وہ اطلاع دین ایک پارہ کی پیشگی قیمت بلامحصول ڈاک ایک روپیہ اور مابعد سوا روپیہ (۱۴؍) ہوگی۔

مین اپنے ناظرین سے التجا کرتا ہون کہ وہ میرے لئے دُعا کرین کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو سرانجام دینے کی توفیق دے کیونکہ ساری توفیقین اُسی کے ہاتھ مین ہین۔ اور اوسکی مدد کے بدون کچھ بھی نہین ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ اسکو قبول فرماوے

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ آمین

تمام درخواستیں بنام

شیخ یعقوب علی تراب احمدی

اڈیٹر الحکم و مرتب تفسیر القرآن بمقام قادیان دارالامان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور آنی چاہئین۔

تھا۔ اس کے اندر ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے ایک عظیم الشان واقعہ کی پیشگوئی۔

اس سے پہلے رکوع کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان پیشگوئی پر جو جنگ بدر میں پوری ہوئی ختم کیا ہے۔ اب سورۃ کریم اس امر پر روشنی ڈالتا ہے کہ نشانات تو دیئے جاتے ہیں مگر نشانات سے فائدہ اٹھانے والے بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں چنانچہ فرمایا۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ترجمہ:- بنی اسرائیل سے پوچھو (کہ اون کو ہم نے کسقدر کھلے کھلے نشانات عطا کئے اور جو شخص نعمت اللہ عطا ہونے کے بعد اسکو بدل ڈالے تو یاد رکھو) بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

تفسیر

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے جو جو انعامات کئے وہ قرآن کریم کے مختلف مقامات پر درج ہیں خصوصاً پارہ اوّل میں اسی سورۃ میں بڑی وضاحت سے اس پر بحث ہوئی ہے چنانچہ غور سے پڑھو پارہ اوّل رکوع ۵ و رکوع ۶ و رکوع ۷ و رکوع ۸ و رکوع ۹ وغیرہ۔

ایمان مشروط بہ نشان نکرنا چاہیئے قرآن کریم کے بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت اللہ اسطرح پر جاری ہے کہ جو شخص آیات کو اپنے ایمان کے لئے مشروط کرتا ہے وہ عموماً ٹھوکر کھا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ گویا اس طریق پر وہ خدا تعالیٰ کو آزماتا ہے اور نشانات میں بجائے خود ابتلاء اور خفا ضرور ہوتا ہی یہی وجہ ہے کہ نشانات کے بعد اگر کوئی ایمان دلاوے تو وہ سخت مستوجب سزا ہوتا ہے اسلئے کہ اس پر پورے طور سے اتمام حجت ہو چکتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اسلئے عموماً اقتراحی نشانات وہ نازل نہیں کرتا ان میں تاخیر ڈال دیتا ہے کیونکہ وہ نشانات دراصل قول فیصل ہوتے ہیں اسکے بعد پھر انذاری صورت نشانات کی ہو جاتی ہے یہ ایک باریک سر ہے جسکو تاہم مخالف نہیں سمجھتے اور وہ ایسی موقعہ پر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ مامور نشان نمائی سے عاجز ہے غرض اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی حالت کو بغرض عبرت پیش کرتا ہے۔ کہ اون کو نشانات دکھائے گئے اور انہوں نے (الا ماشاء اللہ) ان سے فائدہ نہ اٹھایا۔

تبدیل انعام الٰہی سے کیا مراد ہے
لطیف نکات اور مسیح موعود کے زمانہ پر استدلال

مَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ سے کیا مراد ہے؟ اسکے لئے ہم بنی اسرائیل ہی کے حالات کو مشاہدہ کرتے ہیں جو جو اسباب بنی اسرائیل کے لئے موجب عذاب ہوئے ہیں ہماری سمجھ میں آتا ہے کہ وہی نعمت اللہ کی تبدیل کا مفہوم ہیں۔ مثلاً جب اولاً ہی بنی اسرائیل کا ذکر شروع کیا اور انہیں اسطرح پر مخاطب فرمایا يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ میں تذکیر نعمت کیطرف متوجہ کیا۔ اور ایفاء عہد کا حکم کیا۔ وغیرہ وغیرہ ایک لمبے سلسلے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ اس آیت سے صاف پایا جاتا ہے بنی اسرائیل کو فاتح قوم کی صورت میں انعامات عطا ہوئے تھے لیکن انہوں نے ان انعام الٰہی کو جو اوامر اللہ کی اطاعت سے ملنے والے تھے بدل ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان پر طاعون جیسا شدید عذاب نازل ہوا اس سے پہلے رکوع میں اسی [illegible] ایک حکم موجود ہے ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ عدم استغفار عذاب الٰہی کا محرک ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف نے خود ہی اسکی تصریح کی ہے مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ یعنی جو لوگ استغفار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمایا۔

عذاب اور استغفار وہی تعلق ہے جو زہر اور تریاق میں ہوتا ہے اور چونکہ یہ امر اللہ تعالیٰ سے تعلق ہیں یعنی عذاب بھی اسی کی طرف سے آتا ہے اور طلب حفاظت بھی اسی سے کیجاتی ہے۔ اسلئے جو شخص اللہ تعالیٰ [illegible] حفاظت طلب کرتا ہے جو طلب کرنے کا حق ہے وہ یقیناً عذاب سے محفوظ رہ سکتا ہے پس ایک استبدال نعمت تو یہ ہے کہ اوامر اللہ کی خلاف ورزی کیجاوے۔ دوم عدم استغفار بھی ہماری سمجھ میں استبدال نعمت اللہ ہی ہے۔ تیسرے بنی اسرائیل کے حالات میں اللہ تعالیٰ ایک مقام پر فرماتا ہے۔

۲۷۵
ع ۲۵/۹

جلد اول نمبر اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

ہمارا چاند

جمال وحسن قرآں نور جانِ ہر مسلماں ہے
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بہار جاوداں پیدا ہے اُس کی ہر عبارت میں +
کلام پاک یزداں کا نہیں ثانی کوئی ہرگز
خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو
ملائک جس کی حضرۃ میں کریں اقرار لاعلمی
بنا سکتا نہیں اِک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
ارے لوگو کرو کچھہ خوف شان کبریائی کا
خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے
اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذات واحد کا
یہ کیسے پڑ گئے دل پر تمھارے جہل کے پردے
ہمیں کچھہ کیں نہیں یارو نصیحت ہے غریبانہ

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اُس سا کوئی بستاں ہے
اگر لولوے عماں ہے وگر لعل بدخشاں ہے
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے
سخن میں اُس کے ہمتائی کہاں مقدور انساں ہے
تو پھر کیونکر بنانا نور حق کا اُس پہ آساں ہے
زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھہ بوئی ایماں ہے
خدا سے کچھہ ڈرو یارو یہ کیسا کذب بہتاں ہے
تو پھر کیوں اس قدر دل میں تمھارے شرک پنہاں ہے
خطا کرتے ہو باز آؤ اگر کچھہ خوف یزداں ہے
کوئی جو نیک دل ہو وہ دل وجاں اُسپہ قرباں ہے

کچھہ اپنی نسبت

آغاز کردہ ام تو رسانی بہ انتہا

جب سے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے دار الامان میں رہنے کا شرف عطا کیا ہے ہمیشہ میری آرزو اور خواہش یہی رہی ہے کہ جہانتک ممکن ہو وہ علوم عالیہ اور حقائق ومعارف جو اپنے سید ومولا امام ہمام علیہ الصلوۃ والسلام کے مُنہ سے سُننے کا اتفاق ہوتا ہے اپنے دوسرے بھائیوں تک پُہنچاؤں اور خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اخبار الحکم کے ذریعہ میں اس خدمۃ کا شرف ایک حد تک حاصل کر چکا ہوں اور تحدیث بالنعمۃ کے طور پر میں اس فضل کا اظہار کرتا ہوں کہ میں غالباً پہلا شخص ہوں جسکو یہ نعمت حاصل ہوئی و الحمد للہ علی ذلک

اس کے ساتھ ہی یہ آرزو بھی میرے دل میں ہمیشہ نشو ونما پاتی رہی کہ حضرت مولانا ومخدومنا حکیم الامۃ کا جو درس قرآن مجید جاری ہے

رکوع ۲۵

اس امر کے ثبوت میں کہ ہر شخص نشانات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ بنی اسرائیل کو پیش کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بہت سے نشانات دیکھے مگر وہ بات جو قوی الایمان اور راخشی باللہ کی نشانات کے بعد پیدا ہونی چاہیئے انہیں نہ ہوئی۔ اس کا نتیجہ اس لئے اس کے حق میں اچھا ثابت نہ ہوا۔ کافرون اور مومنون میں ایک امتیاز بتایا جاتا ہے کہ کافر حیاۃ الدنیا کو پسند کرتے ہیں اور مومنون اور متقیون پر ٹھٹھا اڑاتے ہیں۔ بحالیکہ قیامت میں متقی ان سے بڑھکر ہون گے اور اس کا ثبوت اس دنیا میں ہی ملتا ہے۔ انبیاء کی بعثت کے وقت کی حالت سے آگاہ کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ جو نبی دنیا میں آتا ہے وہ دو شانین رکھتا ہے۔ اپنے لئے اور اپنے دوستون کے لئے کامیابی کی بشارتیں سناتا ہے مخالفین کیلئے وہ منذر پیشگویان کرتا ہے ان کو حق و حکمت سے بھری ہوئی ایک کتاب عطا ہوتی ہے جس سے وہ عام اختلافات متعلقہ مذہب کا فیصلہ کرتا ہے وہ مامور حکم ہوتا ہے اور اختلاف بھی ان لوگون میں ہوتا ہے جنکو وہ احکام کتاب اللہ کے دیئے جا چکے ہوتے ہیں اور باوجود نشانات دیکھنے کے وہ بغاوت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سے ایک گروہ کو ہدایت کر دیتا ہے۔ اسیطرح اللہ تعالیٰ مسیح موعودؑ کے زمانہ کی طرف بھی ایما کرتا ہے۔

یہ بتایا جاتا ہے کہ اگرچہ کامیابیان انبیاء اور مومن کیلئے یقینی ہیں لیکن سنت اللہ اسیطرح جاری ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور انکی جماعت پر ایسی ایسی مصیبتیں اور تکلیفیں ٹوٹ پڑتی ہیں کہ انپر ایک قسم کا زلزلہ سا آ جاتا ہے جب یہ حالت ہو جاتی ہے اسوقت وہ بلبلا کر نصرت الٰہی کے طالب ہوتے ہیں اور متیٰ نصر اللہ (اللہ تعالیٰ کی مدد کہان ہے) کہہ اٹھتے ہیں۔ یہی وقت نصرت الٰہی کے قریب ہونے کا ہوتا ہے اس رنگ میں ان تمام مصائب و مشکلات کی پیشگوئی فرمائی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے متبع حضرت خلیفۃ اللہ المہدی کیلئے آنیوالی تھین۔ محل و مقامات خیرات کی تصریح بیان کیجاتی ہے کہ سب سے اول مستحق والدین ہیں پھر دوسرے قریبی رشتہ دار ازان بعد مساکین اور مسافر اور ماسوا اسکے بنی نوع انسان کی عامہ ہمدردی کی تعلیم دی۔ آخر میں اس امر خطیر و عظیم کے متعلق ارشاد الٰہی ہوتا ہے جو دفاعی جنگ کی صورت میں پیش آیا فرمایا چونکہ تمہارا علم محدود اور تجربہ ناقص ہے اس لئے ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو اپنے لئے برا سمجھو اور وہ تمہارے لئے مفید ہو اور ایک امر اپنے لئے مفید قرار دو اور وہ تمہارے لئے مضر ہو۔ اصل یہی ہے کہ مفید اور مضر ہونا اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے تم نہیں جانتے

عام مطالب

۱۔ اس امر کی توضیح کہ نشانات ہر شخص کو نفع رسان نہیں ہوتے جو لوگ اپنا ایمان مشروط بہ نشانات کرتے ہیں وہ نقصان اٹھاتے ہیں۔

۲۔ کافرون اور مومنون کا امتیاز بتایا ہے اور مومنون کے بالآخر بامراد اور مظفر و منصور ہونے کی پیشگوئی کی ہے۔

۳۔ بعثت انبیاء کیوقت دنیا کی عام حالت کو پیش کیا ہے۔ اور دکھایا ہے کہ مامور نذیر و بشیر ہوتا ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعود کے متعلق عجیب پیشگوئی (جسپر اس مقام کے لکھتے وقت اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے خاکسار مرتب تفسیر ہذا کو متوجہ کیا ہے) اور نصرت الٰہی کے آنیکا وقت اور زمانہ بھی بتایا ہے کہ کس وقت نصرت آتی ہے۔ متیٰ نصر اللہ کی حقیقت۔

۴۔ خیرات کے محل و موقع کی تعلیم اور اس عظیم الشان واقع کے متعلق بشارت جو دفاعی جنگ کی صورت میں پیش آنے والا

فہرست مضامین

نمبر اول

فَارْهَبُوْنِ ○ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْآ اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۪ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّ
اِيَّایَ فَاتَّقُوْنِ ○ کو سامنے رکھ کر غور کرو۔ ہم جبکہ بنی اسرائیل اپنے انکار اور استبدال انعام الٰہی کی وجہ سے مورد عذاب ہوئے
ضرور تھا کہ اس نعمت اللہ کا انکار بھی ایک نکال اور وبال کا موجب ہوتا۔ جو اس وقت طاعون کے رنگ میں آیا ہے۔ اتقوا اللہ ! اتقوا اللہ !
اتقوا اللہ !! (ھٰذَا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ) شَدِیْدُ الْعِقَابِ کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس استبدال
کا نتیجہ ہوگا۔

قرآن کریم کی محکم اور ابلغ ترکیب ایسی ہے کہ اگر اسپر پورا تدبر کیا جاوے تو قرآن کریم کے حقایق اور معارف کا عجیب لطف آتا ہے ہم نے
اس رکوع سے پہلے رکوع کی آخری آیتوں کی تفسیر میں بتایا ہے کہ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ بدر کی پیشگوئی ہے اور بدر کے لفظ میں حضرت
مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ایک راز سربستہ بطور پیشگوئی رکھا گیا ہے جو آپ کے زمانہ بعثت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسکے
بعد بنی اسرائیل سے استفسار کا شروع عجیب محل اور مناسبت ہے۔ جب ان احادیث پر نظر کی جاوے جو مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق ہیں
اور جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی حالت کو مشابہ بالیہود ہوجانے کی پیشگوئیاں فرمائی ہیں تو صاف طور پر کہا جاتا ہے
کہ اگرچہ یہ آیات زیر تفسیر بالذات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ کے متعلق ہیں لیکن کچھ شک نہیں کہ قرآن کریم کے حقایق مستقل ہونے
کی صورت میں وہ مسیح موعود کے زمانہ سے ہی وابستہ ہیں۔ **الغرض** اللہ تعالےٰ **نعمت اللہ** کے بدل (کفر) پر عذاب شدید کے وعید سے
ڈراتا ہے اور پھر وجوہات کفر بتلاتا ہے کہ وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے انسان ماموران الٰہی اور آیات اللہ کے انکار سے مورد عذاب ہو
جاتا ہے چنانچہ فرمایا۔

۲۷۷ ۲۵ ع ۹

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

ترجمہ۔ منکروں کے واسطے دنیا کی (چندروزہ) زندگی خوبصورت دکھائی گئی ہے اور وہ مومنوں کی ہنسی اڑاتے ہیں (یاد رکھو)
متقی قیامت کو ان پر غالب ہونگے۔ اور اللہ تعالے بے حساب رزق دے رہا ہے جسکو چاہتا ہے۔

تفسیر

اس آیت میں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے ان اسباب کو بتایا ہے جو قبول حق سے روکتے ہیں۔

وجوہات کفر انہیں سے پہلا سبب تو یہ ہے کہ منکر دنیا و دنی کی زندگی پر لٹو ہوجاتے ہیں انکی نظر اس سے پرے نہیں جاتی وہ سمجھتے ہیں کہ جو
کچھ ہے یہاں تک ہی محدود ہے سزا و جزا اور قیامت کچھ بھی نہیں۔ چونکہ وہ سطحی نظر رکھتے ہیں اسلئے جب خدا تعالے کا مامور اسمانی علوم انکے سامنے
پیش کرتا ہے اور حق کی طرف انہیں بلاتا ہے تو وہ انکار کر دیتے ہیں۔ حقیقت میں دنیا کی زندگی پر اترانا اور اسکی خوبیوں ہی پر مرمٹنا۔ انسان کو
علوم حقہ سے روک دیتا ہے۔ کما قال اللہ تعالے سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِیَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ۔

مسیح موعود کے ساتھ خاص تعلق یوں تو ہر مامور کے زمانہ میں منکرین کے اسباب انکار میں سے یہ بڑا سبب ہوتا ہے لیکن ہمارے
نزدیک مسیح موعود کے زمانہ کے منکروں کے لئے یہ خاص نشان ہے اور اسپر دلیل یہ ہے کہ قرآن شریف کے ایک دوسرے مقام یعنی سورہ کہف
کے آخر رکوع میں یوں فرمایا ہے۔ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْآ اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ
لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ○ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ○ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ
يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا
ترجمہ۔ ہم نے جہنم کو کافروں کی مہمانی کے لئے طیار کر رکھا ہے۔ کہدو کہ کیا ہم تمکو ان لوگوں کی خبریں جو باعتبار اعمال
کے بہت خسارے میں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنکی ساری کوششیں دنیاوی زندگی کی تدابیر میں صرف ہوئیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اچھا کام
کر رہے ہیں یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات (نشانوں) کا انکار کیا اور لقاء اللہ کا بھی انکار کیا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انکے اعمال

قرآن کریم اپنی نسبت کیا فرماتا ہے

قرآن شریف نے جو کچھ اپنی نسبت دعویٰ کیا ہے وہ نرا دعویٰ ہی نہیں بلکہ ان دعاوی کو ساتھ ہی دلائل و براہین کے ساتھ موکد فرمایا ہے اس مقام پر ہم ان دعاوی کے دلائل پیش کرنے کی ضرورۃ نہیں سمجھتے بلکہ اس مقصد کو ہم کسی اگلے نمبر میں انشاء اللہ تعالیٰ پیش کرینگے۔ سردست ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قرآن شریف اپنی نسبت آپ کیا فرماتا ہے ؟

پس یاد رہے کہ قرآن شریف اپنی نسبت فرماتا ہے۔

۱۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ پ۱ اس کتاب میں کوئی شک و تردد اور ہلاکت نہیں۔

۲۔ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ پ۱ متقیوں کے لئے ہدایت نامہ ہے۔

۳۔ بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ پ۴ لوگوں کے لیے بیان ہے اور متقیوں کے لئے ہدایت نامہ اور نصیحت نامہ ہے۔

۴۔ فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ پ۳۰ قرآن شریف تمام صداقتوں پر مشتمل ہے تمام مضبوط اور پکی باتیں اس میں موجود ہیں۔

۵۔ کِتٰبًا مُّفَصَّلًا ۔ وہ مفصل کتاب ہے۔

۶۔ یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ پ۶ وہ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے پیچھے لگتے ہیں سلامتی کی راہوں پر لگاتا اور چلاتا ہے۔ اور ان کو رسم عادۃ اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔

۷۔ یُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ پ۲ تمکو وہ حقائق اور معارف سکھاتا ہے جنکا تم کو علم نہ تھا۔

۸۔ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی ۔ ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے۔

۹۔ لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ پ۲۴ باطل اس کیطرف کسی طرف سے راہ ہی نہیں پا سکتا۔

۱۰۔ اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ پ۱۵ بیشک یہ قرآن سب سے زیادہ سیدھی مستحکم اور مضبوط راہ بتاتا ہے۔

۱۱۔ اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ پ۱۷ اس کتاب مجید میں فرمانبردار قوم کے لیے تبلیغ ہے۔

۱۲۔ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ پ۲۷ اور بیشک وہ حق الیقین ہے اسمیں ظن اور شک کی جگہ ہی نہیں۔

۱۳۔ حِکْمَۃٌ بَالِغَۃٌ پ۲۷ وہ حکمۃ بالغہ ہے۔

۱۴۔ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ پ۱۴ اس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے۔

۱۵۔ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا پ۲۵ قرآن روح ہے ہمارے امر سے یعنی زندگی بخش شے ہے۔

۱۶۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ پ۱۸ نور ہی نور ہے۔

۱۷۔ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ پ۲۵ نازل کیا کتاب کو جو خود حق ہے اور میزان حق ہے یعنی آپ بھی سچا اور سچ کی شناخت کا معیار بھی

۱۸۔ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی پ۲ وہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایتوں کے لیے اسمیں تفصیل ہے۔

۱۹۔ اَلْفُرْقَانَ ۔ حق و باطل میں امتیاز کرتا ہے۔

۲۰۔ اِنَّہٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ پ۳۰ بیشک وہ قول فیصل ہے۔

۲۱۔ وما انزلنا علیک الکتب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی ورحمۃ لقوم یومنون پ۱۴ اور ہمنے تمپر ایسی کتاب نازل کی ہے جو ان لوگوں کے لیے کھول کھولکر بیان کرتی ہے تمام اختلافی امور کو اور ایماندارون کے لیے ہدایۃ اور شفا ہے۔

۲۲۔ شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ پ۱۱ امراض قلبی کے واسطے شفا ہے۔

عـ۱　وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۟

اس آیت میں بھی **استبدال نعمت** کا ذکر آیا ہے اور اس کا نتیجہ بھی ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ بتا دیا گیا ہے اور مقام زیر تفسیر میں بھی **استبدال نعمت** کا نتیجہ بھی ظاہر کیا گیا ہے وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ **غرض** آیات کی اس تطبیق اور توفیق کو مدنظر رکھتے ہوئے استبدال نعمت اللہ کے معنے سمجھ لینے کچھ مشکل نہیں ہیں۔ اسپر ہم قرآن کریم سے ایک اور استشہاد بھی پیش کرنا چاہتے ہیں جو اپنے رنگ میں **تبدیل نعمت اللہ** کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ازدیاد نعمت کے گر کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ ؕ یعنی نعمت الٰہی کی قدر اور شکر گذاری اس کے ازدیاد کا باعث ہوتی ہے اور اگر منعم علیہ شخص اسکی قدر نہ کرے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا عذاب شدید ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نعمت اللہ کی قدر نہ کرنا یہ بھی وہی **استبدال نعمت** ہے جس سے اس مقام پر منع کیا ہے۔ ایک اور لطیف بات بھی قرآن کریم کے تدبر سے اس کے متعلق یہ سمجھ میں آتی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے منعم علیہ گروہ کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا ہے

مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ

کہ وہ چار گروہ ہوتے ہیں نبی۔ صدیق۔ شہید۔ صلحا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ نعمت کا کمال نبوت۔ صداقت۔ شہادت۔ صلاحیت کے مدارج پر منقسم ہے پس ان مراتب کے کمالات کے حصول کے لئے سعی اور مجاہدہ نہ کرنا یہ بھی استبدال ہے کہ انبیاء علیہم السلام

پھر ایک اور بات ہے سورۂ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۟ کی دعا تعلیم کی گئی ہے اور **مَغْضُوْب** اور **ضَآلِّيْن** کی راہوں سے بچنے کے لئے دعا کا حکم ہے پس صراط المستقیم عظیم الشان نعمت ہے اور اس کے بالمقابل **مَغْضُوْب** اور **ضَآلِّيْن** کی راہ ہلاکت کی راہ ہے۔ اسلئے اس طریق پر اس آیت میں صراط المستقیم کی ہدایت کا ایما اور اشارہ ہے اور مغضوب اور ضالین کی راہوں سے بچنے کی ہدایت بالآخر ایک اور امر پیش کر کے ہم اس تفسیر کو ختم کر دیتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک یہ امر نہایت ہی قابل غور اور مہتم بالشان ہے کیونکہ اس کو اگر اس رکوع کے دوسرے مطالب سے مطابق کیا جاوے تو **حضرت مسیح موعود** علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی عظیم الشان خبر پائی جاتی ہے اور وہ امر یہ ہے قرآن شریف میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ

اس آیت کا ظہور دو مختلف قرنوں (زمانوں) میں ہوا ہے پہلا زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا جبکہ **تکمیل ہدایت** کے رنگ میں اسکا ظہور ہوا اور دوسرا زمانہ وہ زمانہ ہے جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ ہے کیونکہ **تکمیل تبلیغ ہدایت** اس وقت ہوا ہے۔ اس طرح وہ **اتمام نعمت** بھی دو ہی صورتوں اور وقتوں میں ہوا۔ یہی وہ سر ہے جو مہدی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اتحاد نام کی طرف مشیر ہے۔ اور اسی رنگ میں يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ کا اطلاق ہے۔

غرض

ان مقامات لطیفہ پر یکجائی نظر کر لینے کے بعد اور بنی اسرائیل کے حالات کو زیر نظر رکھنے سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ منجملہ انتہا اور معارف اور حقایق کے جو ان آیات اور خصوصاً اس آیت میں رکھتے ہیں یہ بھی نکتہ معرفت ہے کہ اس میں **مسیح موعود کے زمانہ کی عظیم الشان پیشگوئی** ہے پس اس آیت کو يٰبَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْۤ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ

عـ۱ اس آیت کی تفسیر اور ترجمہ کے لئے تفسیر القرآن مرتبہ خاکسار کا پہلا پارہ پڑھو۔ مرتب عفی عنہ۔

اس سے نوٹ لیکر اپنے طرز اور طریق پر قرآن شریف کی ایک مختصر سی تفسیر قوم کے سامنے پیش کروں جو اسکو کم از کم اُن غلطیوں سے بچانیکا ذریعہ ہو سکے جو موجودہ فلسفیہ اور طبعیات کیوجہ سے قرآن شریف کے متعلق نئی روشنی کے نوجوانوں کے خیال میں پیدا ہوئی ہیں یا بعض اسباب کیوجہ سے پرانے لوگوں میں پیدا ہو چکی تھیں ۔ مینے اس خواہش کے پورا کرنیکے لیے مختلف تدابیر کیں مگر آخر وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالی کا منشا ہو ۔ الحکم میں مینے قرآن کریم پر لطیف نوٹوں کا سلسلہ جاری کیا جو بہت ہی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا اور ایک حد تک مفید ثابت ہوا ۔ لیکن اخبار کی کمی صفحات نے سمجھو یا خدا تعالی کے فضل نے اس کام کو زیادہ عمدگی اور خوبی سے ترتیب پانیکے لیے یہ راہ کھولدی کہ مینے اسکو بجائے ادھوری اور ناکمل نوٹوں کے ایک حد تک مکمل اور مرتب تفسیر القرآن کی شکل میں پیش کیا جو ان نوٹوں سے بڑھ چڑھ کر مقبول ہوئی اور یہ امر کچھ کم حوصلہ افزا نہیں کہ اسکی آٹھ سو سے زائد جلدیں قوم نے خریدیں اور اسپر بہت بڑی شکر گذاری ظاہر کی گئی ۔ صدہا خطوط اسکی تعریف میں میرے پاس پہونچے جس پر مجھے دوسرا پارہ مرتب کرنیکا حوصلہ ہوا خدا کا فضل ہے کہ بہت بڑا حصہ اس کا مرتب ہو کر اور چھپکر خریداران تفسیر القرآن کو بھیجا گیا ۔ اگرچہ بہت سے اسباب اور موانع کیوجہ سے وہ ابتک پورا نہیں ہو سکا ۔ مگر میرا یقین ہے کہ یہ دیر اور توقف انشاء اللہ اسکی بہتری اور خوبی کو بڑھانیوالا ہوگا ۔

اور اب اس کام کو باقاعدہ اور مسلسل جاری رکھنے کیواسطے جبکہ بہت سے خطوط کے ذریعہ مجھے متوجہ کیا گیا اور اس ضرورۃ کو بہت زور سے محسوس کیا گیا مینے یہی مناسب سمجھا کہ اب تیسرا قدم اس ترتیب تفسیر القرآن میں یوں اٹھایا جاوے کہ اسکو باقاعدہ ماہوار شائع کیا جاوے چنانچہ یہ پہلا نمبر اسی ارادہ اور عزم کا ظہور ہے اور یہ بالکل خدا تعالی کے فضل اور توفیق پر منحصر ہے کہ وہ مجھے توفیق دے ۔ البتہ جہانتک اسباب کا تعلق ہے وہانتک مجھے اپنی قوم سے اپیل کرنے میں کوئی شرم نہیں کرنی چاہیے کہ وہ مجھے اس قابل بنانیکی سعی کرے کہ میں اس خدمۃ کو سرانجام دینے میں مالی مشکلات کے مقابلہ سے نکل جاؤں اور اس کے لیے قوم کا یہی فرض ہے کہ ہر فرد جو اسکو خرید سکتا ہے خود بھی خریدے اور دوسروں کو اسکے خریدنیکی تحریص و ترغیب دلائے ۔ یہ قرآن کریم کے مقاصد اور اغراض کی اشاعۃ کر یہ خود قرآن کریم کی اشاعۃ اور تبلیغ ہے اس لیے میں اسپر زیادہ زور دینے کی ضرورۃ بھی نہیں سمجھتا اور نہ زمانہ کے عرفی اور اشتہاری الفاظ میں اس قوم کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو بحمد اللہ قرآن کریم کی عاشق زار قوم ہے اور اسکو خدائے حی و قیوم کا **زندہ کلام** یقین کرتی ہے ۔ بیشک میں کھلے دل سے یہ امر قوم کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ اگر وہ اس سلسلہ کی جو میں شروع کرتا ہوں ضرورۃ نہ سمجھیں تو مجھے اسکو بند کرنیکی صلاح دیں لیکن اگر یہ اشد ضرورۃ کو کسی حد تک پورا کرنے والا سلسلہ ثابت ہو تو پھر وہ

اے بیخبر بخدمت **قرآن کمر ببند** ۔ زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

پر عمل کرنے کو آمادہ ہو جائیں ۔ میرے لیے خدا تعالی سے دعا مانگیں کہ وہ اس خدمۃ کو سرانجام دینے کی توفیق ۔ ہمت اور اسباب مجھے عطا فرمائے

اگرچہ میں نے تفسیر القرآن کے پہلے پارہ کے متعلق عرض حال کرتے ہوئے اس تفسیر القرآن کے ماخذ بیان کر دیے ہیں تاہم میں یہاں پھر مختصر عرض کرتا ہوں یہ تفسیر میں حضرت حکیم الامۃ مولانا مولوی **نور الدین** صاحب کے درس قرآن مجید سے لیے ہوئے نوٹوں کی بنا پر مرتب کرتا ہوں تقسیم مضامین ۔ طرز بیان میرا اپنا ہے ۔ اور حضرۃ حجۃ اللہ علی الارض **مسیح موعود** علیہ الصلوۃ والسلام کی تفسیر جہانتک مل سکتی ہے آپ کی تحریروں یا تقریروں میں اسے مقدم کرتا ہوں پھر حضرۃ حکیم الامۃ کی تفسیر کو لیتا ہوں ازاں بعد حضرۃ مولانا مولوی **عبد الکریم** صاحب کے خطبات یا تقریروں سے جو حصہ تفسیر کے متعلق مل سکتا ہے اُسے بھی درج کرتا ہوں اور اسی طرح اور اکابران ملۃ کے کلام سے جو نکتہ معرفۃ قرآن کریم کے حقائق کو بیان کرنے والا مل سکتا ہے اسکو بھی جمع کر لیتا ہوں اور پھر خود غور و فکر کر کے ایک ترتیب کے ساتھ انکو مرتب کر کے طیار شدہ مسودہ بغرض اصلاح حضرۃ حکیم الامۃ کے حضور پیش کرتا ہوں اور اُنکی اصلاح کے بعد اصلاح شدہ مسودہ حضرۃ مولانا مولوی عبد الکریم صاحب کی جناب میں پیش کیا جاتا ہے ان کی مناسب اصلاح کے بعد وہ لکھا جاتا اور چھاپا جاتا ہے ۔

الغرض اس طریق پر میں اسکو مرتب کرتا ہوں ۔ آخر میں پھر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس قدر عظیم الشان کام کا بوجھ اُٹھانیکے لیے میں اپنی علمی اور عملی طاقت کے لحاظ سے محض تہیدست ہوں ۔ اگر اس میدان میں میں کوئی کام کر سکا تو یقیناً یقیناً محض خدا ہی کا فضل و کرم ہوگا اور اس لیے اُسی کو مخاطب کر کے کہتا ہوں

آغاز کردہ ام تو رسانی بہ انتہا

آمین

(ایڈیٹر)

دے رہا ہے جسکو چاہتا ہے۔ یعنی مومنوں نے دنیا کو چھوڑا ہے لیکن خدا تعالے دنیا انکے قدموں پر لا ڈالیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ بیکس اور مہجور قوم آخر فاتح اور شاہنشاہ کہلائی۔

پھر انبیاء علیہم السلام کے نزول وبعثت کے وقت جو حالت دنیا کی ہوتی ہے اسکو اسطرح بیان کیا ہے

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۚ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔

ترجمہ ۔ سب لوگ ایک ہی رنگ سے رنگین تھے پس اللہ تعالے نے نبیوں کو مبشرین اور منذرین بناکر بھیجا۔ اور ان کے ساتھ حق وحکمت کی بھری ہوئی کتاب نازل کی تاکہ لوگوں میں جن امور کا اختلاف ہے وہ فیصلہ کرے۔ اور یہ اختلاف بھی ان لوگوں نے باہم بغاوت وعداوت کی وجہ سے کیا اور ان امور میں کیا جبکہ انکے پاس کھلے کھلے دلایل ونشانات کے ساتھ وہ احکام حق آچکے تھے پس اللہ تعالے نے مومنوں کو کامیاب کیا اور انہیں وہ راہ حق اپنے اذن سے دکھادی جس میں مختلف تھا اور اللہ تعالے جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

تفسیر

یہ آیات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعاوی کی بالذات وبالاصل دلایل ہیں اور ضمناً مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی پر بھی۔ اور سچ تو یہ ہے بقول حضرت حکیم الامتہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور جمیع راستبازوں کی راستبازی کا جو معیار اور محک ہے وہ یقیناً حضرت مسیح موعود کے لئے بھی ہے۔

۲۷۹ ۲۵ ع ۹

انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے پہلے کی حالت عام قاعدہ اور سنت یہی ہے کہ نبیوں کی بعثت سے پہلے دنیا ایک ہی حالت میں رنگین ہوتی ہے۔ بعض فسق وفجور اور کھلی بے حیائیوں میں منہمک ہوتے ہیں اور بعض انپر کوئی نوٹس نہ لینے کیوجہ سے اور انکے مرتکب لوگوں سے نفرت نہ کرنے کی وجہ سے انکے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ جب دنیا کی ایسی حالت ہو تو اللہ تعالے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا کرتا ہے

انبیاء کی دو شانیں اور وہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں دو مختلف شانوں سے ہوتے ہیں ایک رنگ میں وہ مبشر ہوتے ہیں اور دوسرے رنگ میں منذر۔ مبشر تو اس لحاظ سے ہوتے ہیں کہ وہ خدا تعالے کی رحمت ومغفرت اور برکات وفیوض لیکر آتے ہیں اور اپنے رفقاء کی کامیابیوں کی پیشگوئیاں کرتے ہیں۔ اور منذر اس لئے ہوتے ہیں کہ خدا تعالے کے عذاب سے ڈراتے ہیں اور اپنے مخالفوں کی ہلاکت کی پیشگوئی کرتے ہیں۔ اس رنگ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور آپکے اعدا کی ہلاکت کی پیشگوئی ہے۔

مسیح موعود کے زمانہ پر استدلال ان آیات میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی پیشگوئی بھی ہے اسطرح پر کہ اول زمانہ کی حالت ایک ہی رنگ سے رنگین ہوچکی ہے دوم اب قوم میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے اسلئے حضرت مسیح موعود ان اختلافات کو مٹانے کے واسطے آئے ہیں اور اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف اہل علم لوگوں کے درمیان ہوگا سو اسوقت جسقدر اختلاف مسلمانوں میں ہے اسکے بانی مبانی علماء ہی ہیں۔ آنیوالے مسیح کا نام حَکَم رکھا گیا ہے جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ حَكَمًا عَدْلًا ۔

اس آیت میں لِيَحْكُمَ کا لفظ اسکی طرف خوب اشارہ کرتا ہے۔ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ بھی اسی اختلاف کی طرف اشارہ کرتا ہے جو باہم مسلمانوں میں ہو۔ پس مسیح موعود نے آکر اس اختلاف کو مٹا دیا۔ نزول کتاب سے مراد یہ ہے کہ کتاب اللہ کے حقایق ومعارف اسے دئے گئے ہیں جس میں اسنے عظیم الشان تحدیاں بھی کی ہیں۔ اور پھر حضرت مسیح موعود کو چونکہ یہ الہام بھی ہوا ہے جَرِيُّ اللّٰهِ فِيْ حُلَلِ الْأَنْبِيَاءِ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کل نبیوں کے شیون آپ میں جمع ہیں اور پھر کھلے الفاظ میں آپ کو نذیر کہا گیا ہے۔

دنیا میں ایک نذیر آیا دنیا نے اوسکو قبول نہ کیا پر خدا اسے قبول کریگا اور زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کردیگا سو اور ایسا ہی

دوسرا حصہ **احادیث** کا جنکو احادیث ہی کہنا چاہیے وہ ہے جو سلسلہ **تعامل یا سنت** سے کچھ تعلق نہیں ہے بلکہ ائمہ حدیث نے اُن کی تنقید کا صرف یہ قاعدہ بنایا ہے کہ راویوں کے حالات پر نظر ڈالکر باعتبار اُن کے صدق یا کذب اور سلامت فہم اور باعتبار اُن کے قوت حافظہ یا عدم قوت حافظہ وغیرہ امور کے کسی حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا حکم دیتے ہیں تاہم اُن کا کسی حدیث کی نسبت یہ کہنا کہ یہ صحیح ہے یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ حدیث من کل الوجوہ مرتبہ ثبوت کامل تک پہونچ گئی ہے جس میں اب غلطی کا امکان نہیں - بلکہ ان کا مطلب صحیح کہنے سے صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ بخیال اُن کے اُن آفات اور عیوب سے مبرا ہے جو غیر صحیح حدیثوں میں پائے جاتے ہیں اور ممکن ہے کہ ایک حدیث باوجود صحیح ہونے کے پھر بھی واقعی اور حقیقی طور پر صحیح نہ ہو - اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہ دوسرا حصہ احادیث کا چونکہ راویوں کے سہارے اور ان کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کیا گیا ہے اس لیے یہ بالاتفاق تسلیم کر لیا گیا ہے کہ علم حدیث ایک ظنی علم ہے جو مفید ظن ہے اور ظنی نتیجہ کا منتج پس یاد رکھنا چاہیے کہ احادیث کا مرتبہ ظن سے بڑھ کر نہیں کیونکہ جس طریق سے وہ حاصل کی گئی ہیں وہ یقینی اور قطعی الثبوت طریق نہیں بلکہ بہت سی آمیزش کی گنجایش ہے کیونکہ جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے ان احادیث کا فی الواقع صحیح اور راست ہونا تمام راویوں کی صداقت اور نیک چلنی اور سلامت فہم اور سلامت حافظہ اور تقوی اور طہارت وغیرہ شرائط پر موقوف ہے اور ان تمام امور کا کماحقہ طمینان کے موافق فیصلہ ہونا اور کامل درجہ کے ثبوت پر جو حکم رویت کا رکھتا ہو پہونچنا محال ہے اور کسیکو طاقت نہیں کہ ایسی حدیثوں کی نسبت ایسا کامل ثبوت پیش کر سکے۔

اس قدر بیان کے بعد اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب احادیث غایت کار مفید ظن ہیں تو کیا ہمیں ان احادیث کو چھوڑ دینا چاہیے ؟ اس کا مختصر جواب تو یہی ہے کہ ہرگز نہیں ہاں یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہر حدیث کو واجب العمل مان لیا جاوے خواہ وہ قرآن کریم اور سنت ثابتہ ہی کے خلاف کیوں نہ ہو ؟ ؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

احادیث کی صحت کا معیار

بلکہ احادیث کے متعلق ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے - کہ جب تک وہ کھلے کھلے طور پر قرآن شریف اور سنت صحیحہ کے معارض اور خلاف ثابت نہ ہوں اس وقت تک ادنی درجہ کی حدیث بھی قابل قدر ہے اس سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ احادیث کی تنقید اور صحت کا اصل محک اور معیار قرآن شریف ہے ہر چند محدثین نے اپنے طریق پر روات کی حالت کو صحت یا غیر صحت احادیث کے لیے مقرر کیا ہے لیکن کبھی انھوں نے یہ دعوی نہیں کیا کہ یہ معیار کامل اور قرآن کریم سے مستغنی کرنے والا ہے۔

اور قرآن کریم چونکہ مہیمن - امام - میزان - قول فصل - اور ہادی ہے اس لیے یقینی اور صحیح معیار وہی ہو سکتا ہے - یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے **فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ** یعنی تم اللہ تعالے اور اس کی آیات کے بعد کس حدیث پر ایمان لاؤ گے ؟ اور پھر فرمایا **فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ**۔

ان آیات پر یکجائی نظر کرنے کے بعد اور قرآن کریم کے مراتب اور محامد پر غور کر کے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ مومن کا یہ مذہب ہونا چاہیے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت ثابتہ کو بلا شرط اور حدیث کو شرطی طور پر حجت شرعی قرار دے۔

پس جو امر قول یا فعل یا تقریر کے طور پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے احادیث میں بیان کیا گیا ہے ہم اس امر کو اسی محک سے آزمائیں گے اور دیکھیں گے کہ حسب آیت شریفہ فبای حدیث بعدہ یومنون وہ حدیث قرآن کریم کی کسی صریح اور بین آیت سے مخالف تو نہیں اگر نہوئی تو ہم بسر و چشم اسکو قبول کرینگے اور اگر بظاہر مخالف نظر آوے گی تو ہم حتی الوسع اُسکی توفیق اور تطبیق کے لیے کوشش کرینگے اور اگر ہم باوجود پوری پوری کوشش کے اس امر تطبیق میں ناکام رہیں گے اور کھلے کھلے طور پر ہمیں صاف صاف مخالف معلوم ہوگی تو پھر افسوس کے ساتھ اُسکو چھوڑ دینا پڑے گا - کیونکہ حدیث کا پایہ قرآن کریم کے پایہ اور مرتبہ کو نہیں پہونچتا - قرآن کریم وحی متلو ہے اور اس کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے میں وہ اہتمام بلیغ کیا گیا ہے کہ احادیث کے اہتمام کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔

ضائع ہو گئے پس ہم قیامت کے دن انکے لئے کوئی وزن قایم نکریں گے (یعنی ان اعمال کو کچھ بھی وقعت نہ دینگے)

اسٹ بیہ آیت اس پہلی آیت زیر تفسیر کی بہت ہی عمدہ مفسر ہے۔ ان دونوں کے باہم ملانے سے یہ امر بخوبی کھل جاتا ہے کہ ہمہ تن دنیا ہی کی طرف متوجہ ہو جانا اور اسکو ہی اپنا قبلہ وکعبہ تصور کر لینا خدا تعالےٰ کی طرف سے غافل کر دیتا ہے اور اسکی آیات کا منکر بنا دیتا ہے۔

اور اس انکار کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حیٰوۃ الدنیا پر ایک ناز اور تکبر ہو جاتا ہے جو محرومی کا بڑا بھاری باعث ہے۔

محرومی کا دوسرا ذریعہ دوسرا ذریعہ محروم رہ جانے اور انکار کا اس مقام پر مومنوں سے سخر (ٹھٹھا مخول) ہے۔ مسخری اور بیہودہ مذاق جسکو آجکل کے زمانہ میں قابلیت سمجھا جاتا ہے (بدقسمتی) خدا تعالےٰ کی آیات کے انکار کا خطرناک ذریعہ ہے۔ مسخری اور مذاق سے جہالت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ذبح بقرہ کے متعلق حکم سنکر انکی قوم نے کہا قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ترجمہ بنی اسرائیل نے کہا کہ کیا ہم سے آپ مذاق کرتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔

اور جب حقیقی علم سے انسان محروم ہو گیا تو وہ حقیقی معرفت جو آیات اللہ اور ماموران الٰہی کی شناخت کیوقت کام آتی ہے کیونکر مل سکے۔

پھر مسخری کرنے والے اور ٹھٹھا مارنے والوں کے محروم رہنے کے متعلق قرآن کریم کے ایک دوسرے مقام پر یوں آیا ہے

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ

ترجمہ۔ واویلا ان لوگوں پر جنکے پاس جب کوئی رسول آیا انہوں نے اسے ٹھٹھوں میں اڑایا۔

اور ایسا ہی سورۂ کہف میں وجوہات انکار میں فرمایا ہے

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا

ان لوگوں کا بدلہ جہنم ہے اسلئے کہ انہوں نے میری آیات اور میرے رسولوں کا انکار کیا اور انکی ہنسی اڑائی۔

۲۸ ۲۵ ع ۹

غرض ایک دو نہیں قرآن کریم کے متعدد مقامات پر ان امور کو اللہ تعالےٰ نے واضح کر کے دکھایا ہے اور یوں بھی استہزا اور سخر ایسی بری صفات ہیں جو انسان کو درجہ انسانیت سے گرا دیتی ہیں۔

سورۂ کہف کی آیات جو اس آیۃ کی شرح میں ہمنے درج کی ہیں انکے متعلق اسقدر اور کہنا ضروری ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سورۂ کہف کی ابتدائی اور آخری آیات کو زمانہ دجال کے متعلق اسطرح پر بیان فرمایا ہے کہ انکی کثرت تلاوت کا حکم ہے اور یہ آیات اس آیت کی تفسیر ہیں۔ اس سے بھی پایا جاتا ہے کہ یہ رکوع ظلی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے متعلق ہے۔

اس ہنسی اور ٹھٹھے کی حالت میں اللہ تعالےٰ مومنوں کو بشارت دیتا ہے اور بطور پیشگوئی فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

یعنی متقی انکے مرنے کے بعد فاتح ہونگے۔ ہم ایمان لاتے ہیں کہ یَوْمَ الْقِيٰمَةِ حق ہے اور اس روز متقی کافروں سے بڑھ چڑھ کر ممتاز ہونگے۔ لیکن قیامت کے معنے موت کے بھی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ۔ اس سے پہلے رکوع میں بدر کی پیشگوئی ہے اسلئے قیامتہ سے مراد وہ یوم البدر بھی ہے۔ یعنی آج تو یہ لوگ مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے ہیں مگر ایک دن آتا ہے کہ مومن اور کافر میں امتیاز ہو جائیگا اور وہ امتیاز اس رنگ میں ہوگا کہ متقی فایز المرام ہو جائیں گے۔

مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق بھی ہم الکلیوں کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حجۃ اللہ کو خدا تعالےٰ نے یوں مخاطب کر کے فرمایا

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور پھر دوسری پیشگوئی اس میں یہ ہے وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ اور اللہ تعالےٰ بے حساب رزق

حاشیہ۔ **عبرت** نئی روشنی کے دلدادہ اور یورپ کی ترقیوں کے شیدائی اس مقام پر خصوصیت سے غور کریں کہ انکی مساعی حیٰوۃ الدنیا کے لئے کیا نتیجہ پیدا کرینگے۔؟

۲۳- نورٌ مبین۔ حق کو باطل سے جدا کرنے والا نور۔

۲۴- حقٌ مبین۔ کھلا کھلا حق۔

۲۵- بالحق انزلنٰہ وبالحق نزل۔ ضرورت حقہ کیوقت تیرا سے اتارا اور ضرورت حقہ کے تمام سامانوں کو لیکر اترا۔

یہ مختصر محامد قرآن شریف کے ہمنے قرآن شریف سے بیان کیے ہیں جنکا خلاصہ ہم ذیل کے چند پیرگرافوں میں بیان کرتے ہیں۔

الف۔ قرآن مجید ایک ایسا بیّن نور ہے جو انسان کو ہر قسم کی تاریکیوں سے نجات دینا اور دلکو منور کرتا ہے جس سے روحانی عالم کی حقیقت صاف صاف منکشف ہوجاتی ہے۔ قلبی امراض کی دوا ہے۔ سکینت اور اطمینان کا ذریعہ ہے۔ مبارک وہ جو اس نور سے مستنیر ہو۔

ب۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرفسے انسان کی ہدایت اور نجات کے لئے خاص واعظ ہے اور روحانی بیماریونکی شفا ہے اس کے احکام کو ماننے والا ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔

ج۔ قرآن کریم انسان کی فطرۃ کا سچا معلم اور مزکی ہے اور اس کے فطرتی دین کو تازہ کرتا ہے تھوڑے ہیں جو اس کے احکام سُنکر سر تسلیم خم کرتے ہیں اور اکثر ہیں جو پہلو تہی کرتے اور تکبر اور سرکشی سے کام لیتے۔ مومن فوراً مان جاتا ہے اور ابا و انکار سے بچتا ہے۔

د حقیقی زندگی کا سرچشمہ قرآن ہے زندوں کی زندگی کا مایہ حیات یہی ہے اور مُردوں کے لیے زندگی کا باعث۔

س قرآن کو نہ ماننا انسان کی بے ایمانی اور بدکاری کی دلیل ہے کیونکہ یہ انسان کی فطرۃ کا سچا معلم ہے۔

قرآن شریف اور حدیث

امتداد زمانہ کے باعث جیسے قرآن شریف کی طرف سے توجہ کم ہوتی گئی اُسی قدر اس کی عظمت اور مرتبت کے متعلق غلط فہمیاں ہوتی گئیں حتیٰ کہ اس زمانہ میں جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں ایک قوم ایسی بھی ہے جو گویا قرآن شریف کو احادیث کے بغیر ناقص تا مکمل۔ ناقابل عمل قرار دیتی ہے اور حدیث کو اُسپر قاضی ٹھیراتی ہے گو وہ اپنے اس مطلب و مدعا کو کیسے ہی عمدہ اور مزین الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کرے لیکن انجام کار وہ پہونچتی اسی نتیجہ پر ہے۔

ہم عنوان بالا کے متعلق جو کچھ لکھیں گے وہ اعلیٰ حضرۃ حجۃ الاسلام مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی تحریروں یا تقریروں کا ہی اقتباس ہوگا۔

حدیث کے دو حصے

احادیث کے دو حصے ہیں ایک وہ حصہ جو سلسلہ **تعامل** کی پناہ میں کامل طور پر آگیا ہے یعنی وہ احادیث جنکو تعامل کے محکم اور قوی اور لاریب سلسلہ نے مدد دی ہے اور مرتبہ یقین تک پہونچا دیا ہے جس میں تمام ضروریات دین اور عبادات اور عقود اور معاملات اور احکام شرع متین داخل ہیں ایسی حدیثیں بلا شبہ یقین اور کامل ثبوت کی حد تک پہونچ گئی ہیں اور جو کچھ ان حدیثوں کو قوۃ حاصل ہے وہ قوۃ **فن حدیث** کے ذریعہ سے حاصل **نہیں** ہوئی اور نہ وہ احادیث منقولہ کی ذاتی قوۃ ہے اور نہ وہ راویوں کی وثاقت اور اعتبار کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے **بلکہ وہ قوۃ ببرکت وطفیل سلسلہ تعامل پیدا ہوئی ہے** پس ایسی حدیثیں جہانتک انکو سلسلہ تعامل سے قوۃ ملی ہے مرتبہ **یقین** تک پہونچی ہوئی ہیں۔ اس حصہ تعامل کا نام دوسرا نام **سنت** بھی رکھتے ہیں اور اگر یہ بھی فرض کر لیا جاوے کہ فن حدیث دنیا میں نہ ہوتا پھر بھی وہ سب اعمال اور فرائض دین جو سلسلہ تعامل کے نیچے ہیں قطعی اور یقینی ہوتے۔ خیال کرنا چاہیے کہ جس زمانہ تک احادیث جمع نہیں ہوئی تھیں کیا اُسوقت تک لوگ حج نہیں کرتے تھے یا نماز نہیں پڑھتے تھے؟ یا زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔ غرض یہ حصہ تعامل احادیث کا محتاج نہیں ہے بلکہ بجائے خود یہ ایک الگ چیز ہے۔ ہاں ہم یہ مان لینگے کہ احادیث کے ذریعہ بھی اس حصہ **تعامل** کو مدد ملی ہے۔

اس آیت پر حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک خطبہ پڑھا ہے جسے ہم جہاد کی فلاسفی کے عنوان سے الحکم میں چھاپ چکے ہیں (جو مفصل دیکھنا چاہے وہاں دیکھے)

مسیح موعود اور اس آیت کا تعلق | یہ آیت بھی ظلی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے ایک تعلق رکھتی ہے اور اسکا ثبوت اوّل تو یہ ہے کہ اس رکوع کے اکثر مضامین کی مطابقت ہم نے دکھائی ہے **دوم** یہی آیت حضرت **مسیح موعود** پر نازل ہوئی ہے جیسا کہ براہین احمدیہ میں درج ہے۔ اسلئے اسکو بہت بڑا تعلق ہے اور یہ ایک پیشگوئی ہے جو صاحبزادہ عبداللطیف شہید کے متعلق حضرت مسیح موعود نے قرار دی ہے جسکا مفصل ذکر تذکرۃ الشہادتین میں کیا گیا ہے۔

رکوع ۲۶ ع ۱۰

عزت والے مہینوں میں لڑائی کے متعلق احکام کا سوال کیا جاتا ہے اور اسکا جواب ان مہینوں میں لڑائی کے وجوہات بتاتے ہیں اور فتنہ پردازیوں اور آئے دن کی شرارتوں کا خاتمہ کرنے کی راہ کفار مکہ کی آخری ناکامی کی پیشگوئی کیجاتی ہے صحابہ کرام کی کامیابیوں کی پیشگوئی بالمقابل کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نذیر و بشیر ہونیکا ثبوت ہے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کے جواب میں کہاہے کہ انمیں بہت بڑا گناہ ہے۔ پھر اس سوال کا جواب ہے کہ ہم کیا خرچ کریں؟ یتامی کے متعلق قانون دیاجاتا ہے اور چونکہ جنگوں میں لڑکے یتیم ہوجاتے ہیں اور لڑکیاں پکڑی آتی ہیں اسلئے انکی غور پرداخت اور نکاح وغیرہ امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور آخر میں مسلمانوں کے کامیاب ہونے کی پیش گوئی کی جاتی ہے۔

۲۸۱
۲۶
ع ۱۰

عام مطالب | اس رکوع میں جیسا کہ اوپر کے خلاصہ مضامین میں ہم نے بتایا ہے اول دفاعی جنگوں کے متعلق ضروری احکام ہیں۔ اور جو امور لڑائیوں میں پیش آتے ہیں ان پر بحث ہے۔ اسلئے ہم پہلے ہر ایک رکوع کو لکھ کر اس کا ترجمہ دیتے پھر اوپر تفسیر صغیر ضروری کرینگے۔

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰٓئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ أُولَٰٓئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۖ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

پانچواں معیار - لغت عرب بھی ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اپنے وسائل آپ اس قدر قائم کر دیے ہیں کہ چنداں لغات عرب کی تفتیش کی حاجت نہیں ہاں موجب زیادت بصیرت بیشک ہے بلکہ بعض اوقات قرآن کریم کے اسرار مخفیہ کیطرف لغت کھودنے سے توجہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایک بھید کی بات نکل آتی ہے۔

چھٹا معیار - روحانی سلسلہ کے سمجھنے کے لیے سلسلہ جسمانی ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کے دونوں سلسلوں میں کلی مطابقت ہے۔

ساتواں معیار وحی ولایت اور مکاشفات محدثین ہیں *

---

* **حاشیہ** سید احمد خان صاحب نے اپنی کسی کتاب میں وحی کو معیار صداقت نہیں ٹھیرایا اور نہ ٹھیرانا چاہتے ہیں اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ وحی کو خواہ وہ وحی نبوت ہو یا وحی ولایت نظر عزت سے نہیں دیکھتے بلکہ اُسکو صرف ملکہ فطرۃ خیال کرتے ہیں سو ان کی اس رائے کی نسبت بھی اسجگہ کسیقدر بیان کرنا قرین مصلحت ہے سو واضح ہو کہ سید صاحب کی یہ بڑی غلط اور سخت فتنہ انداز اور حق سے دور ڈالنے والی رائے ہے کہ وحی اللہ کو صرف ملکہ فطرت خیال کرتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ انسان کی فطرت میں کئی قسم کے ملکات ہوتے ہیں اور تمام ملکات اس قسم کے ہیں کہ ایک کی طرز اور وضع دوسرے کی طرز اور وضع پر شاہد ہے مثلاً بعض کی فطرت علم حساب اور ہندسہ سے ایک مناسبت رکھتی ہے اور بعض کی علم طب سے اور بعض کی علم منطق اور کلام سے لیکن خود بخود یہ استعداد مخفیہ کسیکو محاسب اور مہندس یا طبیب اور منطقی نہیں بنا سکتی بلکہ ایسا شخص تعلیم اُستاد کا محتاج ہوتا ہے اور پھر وانا اُستاد جب اس شخص کی طبیعت کو ایک خاص علم سے مناسبت دیکھتا ہے تو اُسی کے پڑھنے کی اسکو رغبت دیتا ہے اسی کے مناسب یہ شعر ہے۔ **شعر**

ہر کسے را بہر کارے ساختند ٭ میل طبعش اندراں انداختند

اس تعلیم یابی کے بعد وہ ملکہ جو تخم کی طرح چھپا ہوا تھا بھڑک اُٹھتا ہے اور طرح طرح کی باریکیاں اُس علم کی اسکو سوجھتی ہیں اور جو کچھ اُس فن کے متعلق نئے نئے امور منجانب اللہ اُس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اگر اُن کا الہام اور القا نام رکھیں تو کچھ بعید نہیں ہوتا کیونکہ بلاشبہ وہ تمام عمدہ باتیں جنسے انسانوں کو نفع پہونچتا ہے خدا تعالیٰ کیطرف سے دل میں ڈالی جاتی ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہ بھی درحقیقت اسی کی طرف اشارہ فرما کر کہتا ہے فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا یعنی بری باتیں اور نیک باتیں جو انسانوں کے دلوں میں پڑتی ہیں وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی الہام ہوتی ہیں اچھا آدمی اچھی طبیعت کی وجہ سے اس لائق ہوتا ہے کہ اچھی باتیں اُس کے دل میں پیدا ہوتی ہیں اور درحقیقت نیک انسان اس قسم کے الہامات کے حاصل کرنے کے لیے فطرتاً ایک نیک ملکہ اپنے اندر رکھتا ہے اور برا انسان فطرتاً ایک برا ملکہ رکھتا ہے چنانچہ اسی ملکہ فطرتی کی وجہ سے بہت سے لوگ اچھی اور بری تالیفیں اور پاک ناپاک ملفوظات اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا انبیا کی وحی کی بھی یہی حقیقت ہے کہ وہ بھی درحقیقت ایک ملکہ فطرت ہے جو اس قسم کے القا سے فیضیاب ہوتا رہتا ہے جس کی تفصیل ابھی بیان ہوئی اگر صرف اتنی ہی بات ہے تو حقیقت معلوم شد کیونکہ انبیا کی وحی کو صرف ایک ملکہ فطرت قرار دیکر پھر انبیا اور اسی قسم کے دوسرے لوگوں میں مابہ الامتیاز قائم کرنا نہایت مشکل ہے۔ شاید سید صاحب اس جگہ یہ فرمائیں کہ ہم وحی متلو کے قائل ہیں یعنی قرآن کریم بالفاظہ وحی ہے مگر میں سید صاحب کی اس حکمت عملی کو خوب سمجھتا ہوں وہ اس وحی متلو کے ہرگز قائل نہیں جس کے ہم لوگ قائل ہیں ظاہر ہے کہ یونہی تو کوئی القا الفاظ کے بغیر نہیں ہوتا اور ایسے معانی جو الفاظ سے مجرد ہوں ذہن میں آہی نہیں سکتے لیکن پھر خود قرآن اور حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں بھی ایک فرق ہے اور اسی

ایک اور الہام ہوا جس میں فرمایا لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ غرض جہانتک وسعت نظر سے کام لیا جاوے یہ امر صاف نظر آجائیگا۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ کی تفسیر ہم اسی جزو ثانی کے پہلے رکوع میں کر چکے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالٰے مسلمان اور احمدیوں کو تابع بالاصل کرکے خطاب فرماتا ہے اور انکو صبر و تحمل اور ثبات قدم کی تعلیم دیتا ہے اور کامیابی اور نصرۃ کے وقت کا پتہ بتاتا ہے۔ .... اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝

ترجمہ کیا تم نے گمان کرلیا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر ابھی وہ وقت نہیں آیا جو تم سے پہلے لوگوں پر آیا۔ انپر جنگیں اور مصیبتیں آئیں اور وہ اس حد تک زلزلوں میں ڈالے گئے کہ رسول اور اسکے ہمراہی مومن بول اٹھے کہ خدا تعالٰے کی نصرت کہاں ہے؟ (پھر ہم نے انہیں بشارت دی) کہ آگاہ ہو اللہ تعالٰے کی مدد قریب ہے۔

اس آیت کی تفسیر پر ہمیں زیادہ بحث کی حاجت نہیں ہے کیونکہ بالکل صاف ہے۔ یعنی انبیاء و مرسلین اور مومنین کے ساتھ یہ سنت اللہ ہے کہ وہ سخت سے سخت مصیبتوں اور زلزلوں میں ڈالے جاتے ہیں اور ان پر ایسی حالت آجاتی ہے کہ وہ

مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ

پکار اٹھتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ کہتے میں وہ بے صبری کا ارتکاب نہیں کرتے بلکہ یہ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ایسے رنگ میں ہوتا ہے کہ وہ گویا نصرت الٰہی کا استقبال کرنا چاہتے ہیں۔ اسپر ہی اسی تفسیر میں پہلے کسی مقام پر بحث ہو چکی ہے۔

مسیح موعود کے زمانہ میں ہی مسیح موعود اور اسکی قوم کو مخالفین نے ہر طرح سے پیسنا چاہا کبھی مقدمات کے رنگ میں اور کبھی جھوٹی مخبریوں کے ذریعہ۔ اور ایسی حالت کے قریب تک پہونچا دیا۔ یہانتک زبان حال سے

مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ پکار اٹھے

جسکا جواب خدا تعالٰے نے اپنے برگزیدہ بندہ کو انہیں الفاظ میں دیا۔ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ اور پھر فرمایا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ اور پھر فرمایا تری نَصْرٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت مسیح موعود کے واقعات زندگی خصوصاً موجودہ مقدمات کے نقشہ پر غور کرو اور ان آیات کو پڑھو۔ اسبات کو کبھی بھولنا نہیں چاہئے کہ اولاً بالذات و بالاصل ان آیات کے مصداق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور ظلی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام

غرض چونکہ یہ واقعات مسلمانوں کے ساتھ پیش آنے والے تھے اور گویا بطور پیشگوئی تھے اسلئے ایسے موقعوں پر اخراجات کی ضرورت پڑتی ہے اسلئے اللہ تعالٰے محل خرچ کی تفسیر بتاتا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ۔ اے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ محل خرچ کیا ہیں؟ کہدو کہ تم جو مال خرچ کرو اسکے مستحق والدین۔ قریبی رشتہ دار۔ یتیم۔ مسکین۔ اور مسافر ہیں اور تم جو کچھ بھی نیکی کرو بے شک اللہ تعالٰے اسے جانتا ہے۔

تفسیر:۔ یعنی اولاً و بالذات ان لوگوں پر خرچ کرو۔ اور پھر عامہ ہمدردی کے لئے جو کچھ بھی چاہو اور جہاں چاہو خرچ کرو۔ پہلے اللہ تعالٰے نے ضمنی رنگ میں صحابہ کو ان واقعات کی خبر دی تھی جو ضراء اور باساء کے رنگ میں پیش آنے والے تھے اب کھلے رنگ میں پیشگوئی ہوتی ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

۲۸۰ ع ۲۵ ۹

پس کتاب اللہ مقدم اور امام ہے جس امر میں احادیث نبویہ کے معانی کتاب اللہ اور سنتہ ثابتہ کے مخالف نہوں وہ حجت شرعی ہین۔

حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ قرآن کریم کا یہ منصب اور مرتبہ ہے کہ وہ بیناتٌ من الہدیٰ ہے۔ وہ لقولٌ فصلٌ ہے وہ میزانٌ ہے تو پھر اسکے بعد کون ایسا مومن ہوگا جو قرآن کریم کو احادیث کا حکم مقرر نہ کرے اسلیے ہر مومن مسلمان کا مذہب یہ ہونا چاہیے کہ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو قرآن کریم پر عرض کرے تا معلوم ہو کہ وہ واقعی طور پر اسی مشکوٰۃ وحی سے نور حاصل کرنیوالے ہیں جس سے قرآن نکلا ہے یا اس کے مخالف ہیں۔

المختصر قرآن اور حدیث کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف مقدم اور امام ہے اور احادیث کے لیے بطور حکم۔ احادیث کا وہ حصہ جو تعامل کے نیچے ہے اور جسکو سنتہ کہتے ہیں اسکو کبھی احادیث کے ساتھ مختلط نہیں کرنا چاہیے۔

اس مضمون پر ہم ابھی اور بھی لکھیں گے مگر ہم اب سر دست اسی پر ختم کر دیتے ہیں وما توفیقی الا باللہ وھو نعم الموفق

اصول التفسیر

حضرت حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصول التفسیر کے متعلق جو ارقام فرمایا ہے ہم اس عنوان کے تحت میں درج کرتے ہیں۔ ایڈیٹر

جاننا چاہیے کہ سب سے اول معیار تفسیر صحیح کا شواہد قرآنی ہیں۔ یہ بات نہایت توجہ سے یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن کریم اور معمولی کتابوں کی طرح نہیں جو اپنی صداقتوں کے ثبوت یا انکشاف کیلیے دوسری کا محتاج ہو۔ وہ ایک ایسی متناسب عمارت کی طرح ہے جسکی ایک اینٹ کے ہلانے سے تمام عمارت کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ اس کی کوئی صداقت ایسی نہیں ہے جو کم سے کم دس یا بیس شاہد اس کے خود اسی میں موجود نہ ہوں۔ سو اگر ہم قرآن کریم کی ایک آیت کے ایک معنی کریں تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ان معنوں کی تصدیق کے لیے دوسرے شواہد قرآن کریم سے ملتے ہیں یا نہیں۔ اگر دوسرے شواہد دستیاب نہ ہوں۔ بلکہ وہ معنی دوسری آیتوں سے معارض پائے جاویں تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ وہ معنی بالکل باطل ہیں۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ قرآن کریم میں اختلاف ہو اور سچے معنوں کی یہی نشانی ہے کہ قرآن کریم میں سے ایک لشکر شواہد بیّنہ کا اس کا مصدق ہو

منقول از برکات الدعا صفحہ ۱۶

دوسرا معیار۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تفسیر ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کریم کے معنے سمجھنے والے ہمارے پیارے اور بزرگ نبی حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تفسیر ثابت ہو جائے تو مسلمان کا فرض ہے کہ بلا توقف اور بلا دغدغہ قبول کرے نہیں تو اسمیں الحاد اور فلسفیت کی رگ ہوگی۔

تیسرا معیار۔ صحابہ کی تفسیر ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نوروں کو حاصل کرنے والے اور علم نبوۃ کے پہلے وارث تھے اور خدا تعالے کا اُنپر بڑا فضل تھا اور نصرت الٰہی اُن کی قوت مدرکہ کے ساتھ تھی۔ کیونکہ اُن کا نہ صرف قال بلکہ حال تھا۔

چوتھا معیار خود اپنا نفس مطہر لیکر قرآن کریم میں غور کرنا ہے۔ کیونکہ نفس مطہرہ سے قرآن کریم کو مناسبت ہے اللہ جل شانہ فرماتا ہے لا یمسّہ الا المطہّرون۔ یعنی قرآن کریم کے حقائق صرف اُنپر کھلتے ہیں جو پاک دل ہوں۔ کیونکہ مطہر القلب انسان پر قرآن کریم کے حقائق اور پاک معارف بوجہ مناسبت کھل جاتے ہیں اور وہ اُن کو شناخت کر لیتا ہے اور سونگھ لیتا ہے۔ اور اُس کا دل بول اُٹھتا ہے۔ کہ ہاں یہی راہ سچی ہے۔ اور اس کا نور قلب سچائی کی پرکھ کے لیے ایک عمدہ معیار ہوتا ہے۔ پس جب تک انسان صاحب حال نہ ہو۔ اور اس تنگ راہ سے گذرنے والا نہ ہو جس سے انبیا علیہم السلام گذرے ہیں۔ تب تک مناسب ہے کہ گستاخی اور تکبر کی جہت سے مفسر القرآن نہ بن بیٹھے ورنہ تفسیر بالرای ہوگی جس سے نبی علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ من فسّر القرآن برایہ فاصاب فقد اخطا یعنی جس نے صرف اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی۔ اور اپنے خیال میں اچھی کی۔ تب بھی بُری تفسیر کی۔

غرض یہ سب واقعات پیشگوئی کے رنگ میں ہیں اور اسباب جنگ ہیں۔ اس میں بتایا ہے کہ اگرچہ اِن مہینوں میں جنگ کرنا اچھا نہیں لیکن یہ لوگ جو آئے دن شرارتیں کرتے ہیں اور اندرونی طور پر ریشہ دوانیاں کرتے اور مسلمانوں کو فتنہ میں ڈالتے ہیں اور اِن مہینوں میں بھی باز نہیں آتے یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے اسلئے اگر اِن مہینوں میں یہ لوگ مقابلہ کریں تو مقابلہ کرو انکا مقابلہ کرنا چاہئے اور یہ بھی بتا دیا کہ کفار تو اسوقت تک جنگ کرینگے جب تک بزعم خود تمہیں اسلام سے برگشتہ نہ کر دیں۔ لیکن جو مرتد اور کافر مرے گا وہ جہنم میں جائیگا۔

یہ ارتداد بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے واقعہ کی طرف اشارہ آتا ہے اور ایک پیشگوئی ہے اسکے ساتھ ملا کر پڑھو مَنۡ يَّرۡتَدَّ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَسَوۡفَ يَاۡتِيۡهِ الی الآیۃ۔ اور اس سے اگلی آیت چونکہ صحابہ کی کامیابیوں کے متعلق ہے اسلئے اور بھی وضاحت کرتی ہے۔

صحابہ کے متعلق پیشگوئی اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۔ الی الآیۃ یہ صحابہ کے متعلق پیشگوئی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انکا ایمان انکی ہجرت اور ان کے مجاہدات خالصتہً اللہ تعالےٰ کے لئے تھے۔ ادھر مخالفین اور معاندین اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ کی پیشگوئی کے موافق تباہ ہوئے اور مخلصین اُولٰٓئِكَ يَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ کے مصداق ہو کر بامراد ہوئے۔ پس جو لوگ ابوبکر و عمر کی نسبت سوء ادب کرتے ہیں وہ غور کریں۔

شراب اور جوا پھر عرب میں چونکہ دستور تھا اور عام طور پر بھی جنگوں میں شراب جمع کی جاتی اور دی جاتی ہے اور وہ مصارف جنگ کے لئے اور رفع قحط کے لئے جوا کھیلا کرتے تھے جو ہار جاتا وہ ذمہ دار کھلانے پلانے کا ہوتا۔ اسلئے اسکے متعلق سوال کیا تو حکم ہوا کہ اِن دونوں میں کبیرہ گناہ ہے اور اس سوال کا جواب جو فطرتی طور پر پیدا ہوتا تھا کہ پھر مصارف جنگ کے لئے کیا کریں فرمایا کہ جو تمہاری ضرورتوں سے بچ رہے اسے خرچ کرو۔ العفو کے معنے ہیں جو ضروریات سے زیادہ ہو اور جسکے خرچ کرنے سے کوئی کمی نہ ہو۔ حرمت شراب پر حضرت نبی کریم کا ارشاد حقہ بس ہے جو فرمایا اَلۡخَمۡرُ جِمَاعُ الۡاِثۡمِ حکیم الامتہ نے ایک نوٹ تصدیق میں لکھا ہے جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

شراب کی حرمت کا قرآن میں حکم ہے۔ اور اسپر سخت ممانعت ہے پھر اسمیں اختلاف کیا ہوا۔ اختلاف ہوتا۔ کہ کہیں قرآن شریف میں حلت ہوتی۔ اور کہیں حرمت صرف اسمیں اختلاف کیا ہوا۔ غور کرو۔

اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَيۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّوۡقِعَ بَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِى الۡخَمۡرِ وَالۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ ۝ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ۔

ایک ہمارے پرانے دوست نے جنکو اب ہم سے کچھ ایسا تعلق نہیں رہا۔ اور معلوم نہیں ہو سکتا۔ کہ کیوں۔ مگر یہ ہے کہ اسکے جلیس ہی ہیسے ناخوش ہیں ایکدفعہ سوال کیا۔ شراب کی نسبت صریح لفظ حرمت بھی موجود ہے؟ بینے اسکے آگے پہلی آیت متذکرہ بیان کی الا اسکو انکار رہا۔ اور کہا کہ صریح حرمت ہو تو مانوں گا۔ خاکسار نے اسے عرض کیا صریح لفظ حرام بھی قرآن میں ہے۔

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَالۡمَيۡسِرِ ؕ قُلۡ فِيۡهِمَاۤ اِثۡمٌ كَبِيۡرٌ ۝

اس آیت شریف سے ثابت ہوا۔ شراب میں اثم ہے۔ اور بڑا اثم ہے۔ اب اثم کا حکم سنو۔

قُلۡ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ وَالۡاِثۡمَ وَالۡبَغۡىَ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ وَاَنۡ تُشۡرِكُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا وَّاَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ ۔ ذرا غور کرو شراب کی ممانعت کس زور سے فرمائی ہے۔

ل بے ریب شراب اور قمار بازی اور بت پرستی اور بدشگنی کا ماننا شیطانی ناپاک باتیں ہیں ان سے بچے رہیں تو کہ نجات پاؤ۔ شیطان کا تو منشا ہی ہے کہ شراب اور قمار کے باعث آپس میں تمہاری عداوت اور بغض پیدا ہو اور تمہیں الٰہی یاد اور نماز سے اس بہانے روک لے بس اب بھی ان بری باتوں سے رکوگے کہ نہیں اور فرمانبردار ہو اللہ و رسول کے اور نافرمانی سے خوف رکھو اگر ہمارے حکموں کو نہ مانوگے تو جان رکھو ہمارے رسول کے ذمہ تو اتنا ہی تھا کہ اس نے کھول کر سنا دیا۔

ل لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ شراب اور جوے کا کیا حکم ہے تو کہدے کہ اِن دونوں میں بڑی بدی ہے اور یہ دونوں بڑے اثم ہیں۔

ل تو کہدے ہر ایک ظاہری و باطنی بے حیائی کو اور اثم و ناحق کی بغاوت اور شرک کو جس کمبخت کے واسطے اللہ نے کوئی ثبوت کچھ نہیں بتائی اور اس امر کو کہ خدا پر ایسی باتیں بناؤ جسکا تم کو علم نہیں میرے اللہ نے حرام کر دیا ہے۔

۲۸۳ ۲۶ ع ۱

دیکھکر کہتا ہے۔ اور سنکر بولتا ہے اور یہ راہ اس اُمت کے لیے کھلی ہے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وارث حقیقی کوئی نہ رہے اور ایک شخص جو دنیا کا کیڑا اور دنیا کے جاہ و جلال اور ننگ و ناموس میں مبتلا ہے وہی وارث علم نبوت ہو کیونکہ خدا تعالے وعدہ کرچکا ہے کہ بجز **مطہرین** کے علم نبوت کسیکو نہیں دیا جائے گا بلکہ یہ تو اس علم پاک سے بازی کرنا ہے کہ ہر ایک شخص باوجود اپنی آلودہ حالت کے وارث النبی ہونیکا دعویٰ کرے اور یہ بھی ایک سخت جہالت ہے کہ وارثوں کے وجود سے انکار کیا جائے اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اسرار نبوت کو اب صرف بطور ایک گذشتہ قصہ کے تسلیم کرنا چاہیے۔ جنکا وجود ہماری نظر کے سامنے نہیں ہے اور نہ ہونا ممکن ہے اور نہ اُن کا کوئی نمونہ موجود ہے۔ بات یوں نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اسلام زندہ مذہب نہ کہلا سکتا بلکہ اور مذہبوں کیطرح یہ بھی **مردہ مذہب ہوتا** اور اس صورت میں اعتقاد مسئلہ نبوۃ بھی صرف ایک **قصہ** ہوتا جس کا گذشتہ قرنوں کی طرف حوالہ دیا جاتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اسلام کے زندہ ہونے کا ثبوت اور نبوۃ کی تعیینی حقیقۃ جو ہمیشہ ہر ایک زمانہ میں منکرین وحی کو قائل اور ملزم کر سکے اُسی حالت میں قائم رہ سکتی ہے کہ سلسلہ وحی برنگ محدثیت ہمیشہ کے لیے جاری رہے۔ سو اُس نے ایسا ہی کیا **مُحدَّث** وہ لوگ ہیں جو شرف مکالمہ الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں اور اُن کا جوہر نفس انبیا کے جوہر نفس سے اشد مشابہت رکھتا ہے اور وہ خواص عجیبہ نبوۃ کے لیے بطور آیات باقیہ کے ہوتے ہیں تا یہ دقیق مسئلہ نزول وحی کا کسی زمانہ میں بے ثبوت ہو کر صرف بطور قصہ کے نہ ہو جائے اور یہ خیال ہرگز درست نہیں کہ انبیا علیہم السلام دنیا سے بے وارث ہی گذر گئے اور اب اُن کی نسبت کچھہ رائے ظاہر کرنا بجز قصہ خوانی کے اور کچھہ زیادہ وقعت نہیں رکھتا بلکہ ہر ایک صدی میں ضرورۃ کے وقت اُن کے وارث پیدا ہوتے رہے ہیں اور اس صدی میں **یہ عاجز** ہے خدا تعالیٰ نے **مجھکو** اس زمانہ کی **اصلاح** کے لیے بھیجا ہے تا وہ غلطیاں جو بجز خدا تعالے کی خاص تائید کے نکل نہیں سکتی تھیں وہ مسلمانوں کے خیالات سے نکالی

بقیہ حاشیہ منظور ہوتا ہے تب ایک عجیب کیفیت سے وہ خیالات یکے بعد دیگرے نظر کے سامنے آتی ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک خیال مثلاً زید کی نسبت دل میں آیا کہ وہ فلاں مرض سے صحت یاب ہوگا یا نہ ہوگا تو جھٹ اُسپر ایک ٹکڑہ کلام الٰہی کا ایک شعاع کیطرح گرتا ہے اور بسا اوقات اُسکے گرنے کے ساتھ تمام بدن ہل جاتا ہے پھر وہ مقدمہ طے ہوکر دوسرا خیال سامنے آتا ہے اُدھر وہ خیال نظر کے سامنے کھڑا ہوا اور ادھر ساتھ ہی ایک ٹکڑہ الہام کا اُسپر گرا جیسا کہ ایک تیرانداز ہر ایک شکار کے نکلنے پر تیر مارتا جاتا ہے اور عین اُسوقت میں محسوس ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ خیالات کا ہمارے ملکہ فطرت سے پیدا ہوتا ہے اور کلام جو اُسپر گرتا ہے وہ اوپر سے نازل ہوتا ہے اگرچہ شعرا وغیرہ کو بھی سوچنے کے بعد القا ہوتا ہے مگر اس وحی کو اُس سے مناسبت دینا سخت بے تمیزی ہے کیونکہ وہ القا خوض اور فکر کا ایک نتیجہ ہوتا ہے اور ہوش و حواس کی قائمی اور انسانیت کی حد میں ہونیکی حالت میں ظہور کرتا ہے لیکن یہ القا صرف اُسوقت ہوتا ہے کہ جب انسان اپنے تمام وجود کے ساتھ خدا تعالیٰ کے تصرف میں آجاتا ہے اور اپنا ہوش اور اپنا خوض کسی طور سے اُسمیں دخل نہیں رکھتا اُسوقت زبان ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا یہ اپنی زبان نہیں اور ایک دوسری زبردست طاقت اُس سے کام لے رہی ہے اور یہ صورۃ جو میں نے بیان کی ہے اس سے صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ فطرتی سلسلہ کیا چیز ہے اور آسمان سے کیا نازل ہوتا ہے۔ بالآخر میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس منحوس نیچریت کو مسلمانوں کے دلوں سے ایسا دھو دے کہ کوئی داغ اُسکا باقی نہ رہے۔ منہ

ترجمہ: (اے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) تجھ سے عزت والے مہینوں میں جنگ کرنے کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ انکو کہدو کہ ان مہینوں میں جنگ کرنا تو بڑا گناہ ہے اور اللہ تعالےٰ کی راہ سے روکنا اور اسکو نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور ان لوگوں کو جو اس مسجد میں رہنے اور عبادت کرنے کے اہل ہیں وہاں سے نکال دینا اللہ تعالےٰ کے نزدیک (عزت والے مہینوں میں لڑائی سے بھی) بڑھ کر گناہ ہے اور آئے دن کا فساد و فتنہ پردازی تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ (کفار) تو تم سے ہمیشہ اسوقت تک لڑتے رہینگے کہ تمہیں اسلام سے برگشتہ کریں اگر انکی مقدرت میں ہو۔ اور یاد رکھو کہ جو شخص تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہوا اور اس کفر ہی کی حالت میں مر گیا پس اسکے عمل جو اس نے تمہارے مقابلہ کے لئے کئے دنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے اور یہی لوگ ہیں جو جہنم میں جائینگے اور وہ اس میں رہ پڑے۔ بے شک جو مومن ہوئے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کیا ...... وہی اللہ تعالےٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ غفور اور رحیم ہے۔ تجھ سے شراب نوشی اور قمار بازی کا سوال کرتے ہیں انکو کہدے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کسیقدر فائدہ بھی ہے مگر ان کا ضرر انکے نفع سے بہت بڑھا ہوا ہے اور پھر تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں انکو کہدو۔ جو اپنی ضروریات سے زاید ہو۔ اسی طرح پر اللہ تعالےٰ اپنے احکام کو کھولکر بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا و آخرۃ میں فکر کرو اور پھر تجھ سے یتیموں کی بابت سوال کرتے ہیں انکو کہدو۔ یتامیٰ کی اصلاح عمدہ چیز ہے۔ اور اگر تم انسے مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالےٰ بگاڑنے والے اور سنوارنے والے کو خوب جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشکلات میں ڈالدیتا۔ بے شک اللہ زبردست اور حکمت والا ہے اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں انسے نکاح مت کرو۔ اور مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی ہے خواہ وہ تمہیں کیسی ہی معلوم ہو اور جب تک مشرک ایمان نہ لاویں مسلمان عورتیں انکے نکاح میں نہ دو۔ اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے خواہ وہ تمہیں اچھا ہی لگے۔ یہ (مشرک مرد ہوں یا عورتیں) جہنم کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اپنی عنایت سے جنت اور مغفرۃ کی طرف بلاتا ہے اور اپنے نشانات کھول کھول کر لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

تفسیر: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ میں بدر کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی۔ پھر اس عظیم الشان نشان کے متعلق ضروری امور پر اس سے اگلے رکوع میں بحث فرمائی۔ اور صحابہ کی کامیابیوں کو بطور پیشگوئی بیان کیا۔ اور جہاد کے متعلق حکم دیا کہ تمہیں اب دفاعی جنگ کرنی پڑیں گی۔ اب اسی سلسلے میں ...... ان جنگوں کے متعلق ضروری احکام بیان ہوئے ہیں۔

۲۸۲ ۲۶ ع۱۰

اہل عرب میں یہ ایک قومی اور ملکی دستور تھا کہ وہ رجب۔ ذی قعدہ۔ ذی الحجہ اور محرم کے مہینوں میں جدال و قتال چھوڑ دیتے تھے اور اسی لئے یہ شہر الحرام کہلاتے تھے لیکن اب مشکلات یہ آ کر پڑیں کہ کفار اندر ہی اندر ان مہینوں میں بھی ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے اسلئے حکم ہوا کہ اگر تم پر حملہ ہو تو بے شک مقابلہ کرنا چاہیئے۔

رفع اعتراض: اس آیت يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ کو بعض مفسرین نے آیۃ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ ۱۹۱ سے منسوخ قرار دیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں آیتوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ آیت اول الذکر ابتدائی چھیڑ چھاڑ کے واسطے ہے نہ یہ کہ وہ دفاع اور ذب سے بھی مانع ہے۔ اور دوسری آیت اس وقت کے متعلق ہے جب جنگ چھڑ چکا ہو۔ حضرت حکیم الامۃ نے رد نسخ میں اس آیت پر اسطرح سے کلام فرمایا ہے۔

فوز الکبیر میں ہے کہ یہ آیت تحریم قتال پر دلالت نہیں کرتی بلکہ یہ آیت تو قتال کی مجوز ہے البتہ یہ آیت علت کو تعلیم کرکے مانع کا اظہار کرتی ہے پس یہ معنے ہوئے کہ شہر حرم میں قتال بڑی سخت بات ہے لیکن فتنہ اس سے بھی بُرا ہے پس فتنہ کے مقابلہ میں قتال بُرا نہ ہوگا۔"

اسکے بعد اب اسپر کچھ لکھنا فضول ہے کیونکہ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ مگر کہنا بہرحال مفید ضرور ہے۔ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ میں ضمیریں ہم۔ ہم لڑنے والوں کی طرف ہیں جنکا ذکر یُقَاتِلُوْنَكُمْ میں ہے۔

وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ یہ سب وجوہات جنگ ہیں جو آپ کو اپنے موقع پر پیش آئے۔ مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نکالا گیا آخرکار جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس تشریف لائے تو آپکو داخل ہونے سے روکا گیا اور حدیبیہ کے مقام پر صلحنامہ لکھا گیا۔

اور یہ معیار گویا تمام معیاروں پر حاوی ہے کیونکہ صاحب وحی محدثیت اپنے نبی متبوع کا پورا ہمرنگ ہوتا ہے - اور بغیر نبوت تشریعی اور تجدید احکام کے وہ سب باتیں اسکو دی جاتی ہیں اور اُسپر یقینی طور پر بھی تعلیم ظاہر کی جاتی ہے اور نہ صرف اس قدر بلکہ اسپر وہ سب امور بطور انعام اکرام کے وارد ہوجاتے ہیں جو نبی متبوع پر وارد ہوتے ہیں سو اس کا بیان محض اٹکلیں نہیں ہوتیں بلکہ وہ

فرق کی بنا پر حدیث کے الفاظ کو اُس چشمہ سے نکلا ہوا قرار نہیں دیتے جس چشمہ سے قرآن کے الفاظ نکلے ہیں گو عام القا اور الہام کا مفہوم مدنظر رکھکر حدیث کے الفاظ بھی بجانب اللہ ہیں چنانچہ آیت وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی بہ شہادت دے رہی ہے - یہ بات تو ہم دوبارہ یاد دلا دیتے ہیں کہ گو کسی قسم کا القا ہو الفاظ ہمیشہ ساتھ ہوں گے - مثلاً ایک شاعر جو ایک مصرعہ کے لیے دوسرا مصرعہ تلاش کرتا ہے تو جب اُسکے ذہن پر بجانب اللہ کوئی القا ہوگا تو الفاظ کے ساتھ ہی ہوگا -

اب جبکہ یہ بات پختہ طور پر فیصلہ پاگئی کہ حکماء اور عرفاء اور شعراء کو بھی خدا تعالیٰ کیطرف سے ہی القا ہوتا ہے اور وہ بھی الہام متلو ہی ہوتا ہے اور اُن میں سے راست بازوں کو راستی کا اور بدوں کو بدی کا ایک ملکہ عطا کیا جاتا ہے اور مناسب حال اُس ملکہ کے وقتاً فوقتاً اُن کو الہام ہوتا رہتا ہے مثلاً جسنے ریل ایجاد کی اُسکو بھی القا ہی ہوا تھا اور جو تار برقی کا موجد گذرا ہے وہ بھی ان معنوں کر کے ملہم ہی تھا تو وہی اعتراض جس کا ذکر ہم کرچکے ہیں سید صاحب پر وارد ہوگا اگر سید صاحب یہ جواب دیں کہ درحقیقت نفس القا میں تو انبیاء اور حکماء بلکہ کافر اور مومن برابر ہیں مگر فرق یہ ہے کہ انبیا کا القا ہمیشہ صحیح ہوتا ہے تو ایسے جواب میں سید صاحب کو اس بات کا قائل ہونا پڑے گا کہ وحی نبوت کفار کے الہام سے کوئی ذاتی امتیاز نہیں رکھتی صرف یہ زائد امر ہے کہ انبیا کی وحی غلطی سے پاک نہیں تھی لیکن یہ دعوے بلا دلیل ہے بلکہ سراسر تحکم ہے کیونکہ اس صورت میں ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وہ حصہ کثیر حکماء کے مواعظ اور نصائح اور اخلاقی باتوں کا جو غلطیوں سے پاک اور قرآن کے مواحق ہے اُس کو بلاشبہ کلام الٰہی سمجھیں اور فرقان حمید کے برابر قرار دیدیں اور اُس کے وحی متلو ہونے پر ایمان لادیں اور دوسرا حصہ جس میں غلطی ہو اُسکو اسی طرح اجتہادی غلطیوں کی مد میں داخل کردیں جیسا کہ انبیا سے بھی کبھی اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے اور پھر اس اصول کے لحاظ سے ایسے حکماء بلکہ کفار کو بھی نبی سمجھ لیں -

اب ظاہر ہے کہ درحقیقت یہ ایسا خیال ہے کہ قریب ہے کہ سید صاحب کا ایمان اُس سے ضائع ہوجائے بلکہ شاید کسی قدر پیرانہ سالی نبوت وغیرہ حکما کی وحی کو قرآن کی وحی سے اعلیٰ سمجھنے لگیں - افسوس کہ اگر سید صاحب قرآن کے معنے سمجھنے کے لیے قرآن کو ہی معیار ٹھیراتے تو اس ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچ جاتے - قرآن نے کسی جگہ اپنی وحی کی یہ مثال پیش نہیں کی کہ وہ اُس چشمہ کی مانند ہے کہ جو زمین سے جوش مارتا ہے بلکہ ہر جگہ یہی مثال پیش کی ہے کہ وہ اُس بارش کی مانند ہے کہ جو آسمان سے نازل ہوتی ہے -

اور اگر سید صاحب لکھنے کے وقت کسی صاحب حال سے پوچھ لیتے کہ وحی اللہ کیا شے ہے اور کیونکر نازل ہوتی ہے تو تب بھی اس لغزش سے بچ جاتے - اس ٹھوکر سے سید صاحب نے ایک جماعت کثیرہ مسلمانوں کو تباہ کر دیا اور قریب قریب الحاد اور دہریت کے پہنچا دیا اور وحی نبوۃ کی عزۃ کو کھو کر اُس فطرتی ملکہ تک محدود کردیا جسمیں کافر اور بے ایمان بھی شریک ہیں۔

اس وقت میں محض للہ اپنی ذاتی شہادت سید صاحب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں شاید خدا تعالےٰ اُن پر فضل کرے -

سو اے عزیز سید مجھے اُس اللہ جل شانہ کی قسم ہے کہ یہ بات واقعی صحیح ہے کہ وحی آسمان سے دلپر ایسی گرتی ہے جیسے آفتاب کی شعاع دیوار پر - میں ہر روز دیکھتا ہوں کہ جب مکالمہ الٰہیہ کا وقت آتا ہے تو اول یکدفعہ مجھپر ایک ربودگی طاری ہوتی ہے تب میں ایک تبدیل یافتہ چیز کی مانند ہو جاتا ہوں اور میری حس اور میرا ادراک اور ہوش گو بگفتن باقی ہوتا ہے مگر اُس وقت میں پاتا ہوں کہ گویا ایک وجود شدید الطاقت نے میرے تمام وجود کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے اور اُس وقت احساس کرتا ہوں کہ میری ہستی کی تمام رگیں اُس کے ہاتھ میں ہیں اور جو کچھ میرا ہے اب وہ میرا نہیں بلکہ اُس کا ہے جب یہ حالت ہوجاتی ہے تو اُس وقت سب سے پہلے خدا تعالےٰ دل کے اُن خیالات کو میری نظر کے سامنے پیش کرتا ہے جنپر اپنے کلام کی شعاع ڈالنا اُسکو

ترجمہ - اور تجھ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہدو وہ ایک نجاست اور دکھ ہے - پس ایام حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے تاوقتیکہ وہ پاک نہ ہو جائیں مقاربت نہ کرو - پس جب وہ پاک ہو جائیں تو جہاں سے اللہ تعالٰی نے تمھیں حکم دیا ہے اُن کے پاس آؤ - بیشک اللہ تعالٰی توبہ کرنیوالوں اور متطہرین کو (طہارت اختیار کرنیوالوں) دوست رکھتا ہے +
تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں جہاں سے چاہو آؤ اور اپنے لیے (اعمال صالحہ کو) آگے بھیجو - اور تقوی اللہ اختیار کرو اور جانتے رہو کہ تم کو اللہ تعالٰی کے حضور جانا ہے اور مومنوں کو بشارت دیدو +
اور اللہ تعالٰی کو اپنی قسموں کی آڑ نہ بناؤ - کہ نیکی نہ کروگے یا تقوی اختیار نہ کروگے یا لوگوں میں صلح نہ کراوگے یاد رکھو اللہ تعالٰی سمیع اور علیم ہے + اللہ تعالٰے تمھاری قسموں میں لغویات پر مواخذہ نہیں کرتا لیکن ان باتوں پر ضرور مواخذہ کرتا ہے جو تمھارے دلوں نے ارادہ کی ہیں - اور اللہ تعالٰے غفور اور حلیم ہے
جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے سے قسم کھا بیٹھیں - انکو چار مہینے کی مہلت ہے پس اگر رجوع کرلیں تو اللہ تعالٰے غفور اور رحیم ہے +
اور اگر طلاق ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سمیع اور علیم ہے + اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں - (یعنی نکاح ثانی نہ کریں) اور اگر وہ اللہ تعالٰے اور یوم آخر پر ایمان رکھتی ہیں تو جو کچھ اللہ تعالٰی نے اُن کے رحموں میں پیدا کیا ہے اُس کا چھپانا اُنھیں جائز نہیں ہے اور ان کے خاوندوں کو انھیں اپنی زوجیت میں واپس لینے کا زیادہ حق ہے اس اثنا میں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہے - اور جیسے مردوں کا حق عورتوں پر ہے ویسے ہی مردوں پر عورتوں کا حق ہے - ہاں مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے اور اللہ تعالٰی عزیز اور حکیم ہے +

تفسیر محیض کے وہی معنی ہیں جو حیض کے ہیں - حیض عورت کے ایام ماہواری سے مراد ہے - سوال یہ تھا کہ حیض کے متعلق کیا حکم ہے یعنی آیا ایام حیض میں عورتوں سے مباشرت کرنی چاہیے یا نہیں ؟ اس کے جواب میں فرمایا گیا قل ھو اذی کہدو کہ وہ ایک دکھ ہے -

۲۸۵
۲۷
ع
۱۱

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ یعنی ایام حیض میں عورتوں کے نزدیک مت جاؤ - اس سے یہ مراد نہیں کہ ان کے پاس نہ جاؤ اور ان کو بالکل الگ رکھو جیسا کہ یہود میں دستور تھا کہ حیض والی عورت کو الگ مکان میں رکھتے تھے بلکہ ایسے بیہودہ خیالات کو تو دور کیا گیا ہے - ایسا خیال کرنا کہ مطلق قریب جانے سے روکا گیا ہے کمال درجہ کی حماقت اور غلطی ہے اس حد تک بات بڑھانا قرآن کریم کا منشا نہیں ہے کہ عورت کو ایام حیض میں زہر قاتل کیطرح سمجھا جاوے جس کے چھونے سے فی الفور موت نتیجہ ہوگی اگر بغیر ارادہ مباشرت چھونا منع ہوتا تو یہی نہیں کہ ضروریات تمدن میں حرج واقعہ ہوتا بلکہ بیچاری عورتیں ایک عجیب مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتیں بیمار ہوتیں تو کوئی نبض بھی نہ دیکھ سکتا - گرتیں تو کوئی اُٹھا بھی نہ سکتا اگر کسی درد میں ہاتھ پیر دبانے کی ضرورت ہوتی تو کوئی دبا نہ سکتا - اگر مر جاتیں تو کوئی دفن نہ کرسکتا - یہ سب نافہموں کی جہالتیں ہیں اصل بات یہ ہے کہ خاوند کو ایام حیض میں مباشرت منع ہے لیکن اپنی عورت سے محبت اور آثار محبت حرام نہیں ہیں +
قرآن شریف کا یہ حکم بہت سے مصالح پر مبنی ہے - منجملہ ان کے ایک تو طبی قواعد کے رو سے بھی ثابت ہے کہ ایسی حالت میں جماع کرنا خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے -
حالت حیض میں اجتماع خون اور جریان کی وجہ سے رحم و انثیین نازک حالت میں ہوتے ہیں اس لیے صدمہ جماع کی برداشت نہیں ہوسکتی بلکہ بہت سے امراض مثل کثرۃ جریان خون کا مرض اور ورم رحم و انثیین دبلیۃ الرحم و انثیین - رحم کا اپنے مقام و وضع سے ہٹ جانا - اختناق الرحم - مراق ورم مراق البطن وغیرہ پیدا ہو سکتے ہیں اور بچہ میں نقص دماغی - صرع جذام خنازیر وسل وغیرہ امراض ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور خود مرد بھی سوزاک کے خطرناک مرض میں مبتلا ہو سکتا ہے اور اس کے

ستوم۔ عدم انفاق شرک اور پھر کفر تک لیجانے کا موجب ہو سکتا ہے۔
چہارم۔ مشرکوں اور کافروں سے فیصلہ کی پہلی راہ صفات الٰہی کا مسئلہ ہے قرآن شریف نے جو صفات اللہ تعالےٰ کی بیان کی ہیں دوسرا کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔
پنجم۔ اللہ تعالےٰ کی ہستی اور اُسکی توحید پر دلائل اُس کی صفات کے اظہار سے۔
ششم۔ قرب الٰہی کے حصول کی یہ ثابت شدہ راہ ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کی صفات کا علم حاصل کرکے ان صفات کے نیچے اپنے اعمال کو بنا وے۔
ہفتم۔ اسلام کو بجبر پھیلائے جانیکے اعتراض کی تردید اسلام کی عام اشاعت کا اصل راز اس کی کھلی تعلیم ہے۔
ہشتم۔ مومن باللہ کب کامل ہوتا ہے۔
نہم۔ مومن اللہ کی ولایت میں ہوتا ہے اور اس ولایت کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ظلمت سے نکل کر نور کیطرف آتا ہے۔
دہم۔ کافر نور سے ظلمت کی طرف جاتا ہے اور پھر آخری اور انتہائی ظلمت کدہ جہنم میں جا پڑتا ہے۔
یہ وہ مطالب عشرہ ہیں جو ہم اس رکوع کی تلخیص میں پیش کرتے ہیں اور ناظرین اپنے اپنے مقام پر ان امور کو پڑھ کر ان شاء اللہ تعالےٰ زیادہ وضاحت کے ساتھ ان سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

ترجمہ اے ایمان والو! خرچ کرو اُس چیز میں سے جو ہم نے تم کو دی ہے اُس دن کے آنے سے پہلے جس میں کوئی بیع نہ ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی اور نہ شفاعت اور جو انکار کرتے ہیں وہی ظالم (مشرک خسارہ پانیوالے) ہیں

پہلی آیتوں سے تعلق اس سے پہلے مسئلہ جہاد پر بحث ہوتی آئی ہے اور اس کے لیے اللہ کی راہ میں انفاق کا حکم ہوا تھا۔ پھر اسی کی تائید میں فضائل الرسل کو بیان کرکے اللہ تعالےٰ انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید فرماتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ اسجگہ اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی فرمایا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ۔ ایمان والو ہمارے دیے میں سے کچھ خرچ کرو۔ اس خرچ کے مصرف پہلے بتا دیے ہیں کہ کہاں کہاں خرچ کرو۔ اس حصہ آیت کی تفسیر ہم مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ سے کرتے ہیں کیونکہ یہاں خطاب مومنوں کو ہے اور سورۃ البقرہ کے پہلے رکوع میں مومن کا تیسرا درجہ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ہی قرار دیا ہے۔ چونکہ کسی خاص چیز کی تخصیص یا تعیین نہیں فرمائی اس لیے ہر چیز جو اللہ تعالیٰ نے مومن کو دی ہے وہ اپنے نوع انسان کی نفع رسانی اور شفقت علی خلق اللہ کے لیے کلاً یا جزءً خرچ کرے۔ مثلاً زبان دی ہے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے علم دیا ہے تو لوگوں کو پڑھائے اور فائدہ پہونچائے مال و دولت سے بہرہ وافر عطا فرمایا ہے تو مستحق لوگوں کو اس سے فائدہ پہونچائے۔ اور انفاق کا عظیم الشان محل فی سبیل اللہ وعلی من عند رسول اللہ بھی ہے پھر انفقوا مما رزقنکم کی تفسیر کے لیے من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسنا پر بھی غور کرنا چاہیے

انفاق فی سبیل اللہ کے ثمرات انفاق فی سبیل اللہ کے نتائج تو کثرۃ سے ہوتے ہیں مگر اس آیۃ میں سب سے بڑا فائدہ اور نتیجہ یہ بتایا گیا ہے کہ جو مومن ہو اور اللہ تعالیٰ کے عطیہ میں سے اس کے لیے خرچ کرے۔ وہ کفر اور ظلم سے بچ جاتا ہے۔
الکفرون ھم الظلمون کے معنے یہ بھی ہیں کہ جو انفاق فی سبیل اللہ سے مضائقہ اور انکار کرتے ہیں خسارہ پانے والے وہی ہیں۔ یہ اس شبہ کا جواب ہے جو بعض کمزور طبیعت کے انسان پیش کرتے ہیں کہ اگر ہم اپنے مال میں سے خرچ کریں گے تو گویا مال کم ہو جائیگا۔ مگر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ خسارہ پانے والے نہیں ہیں۔ اسکی تائید اس آیۃ سے ہوتی ہے مثل

لطیفہ شراب اور جوے کے سوال کے جواب میں اثم کبیر کو نفع پر مقدم کرکے بتایا ہے کہ نفع کالعدم ہے۔ اور پھر اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ کہہ کر اس نفع کی اور بھی نفی کی ہے۔

اور پھر چونکہ جنگوں میں اکثر بچے یتیم ہو جاتے ہیں اور بہت سی لڑکیاں پکڑی آتی ہیں اور مرد بھی اسلیئے ان کے متعلق سوالات کا جواب دیا گیا۔ یتیموں کے لئے تو یہ فیصلہ کیا کہ جس طریق سے انکے سرمایہ میں کفایت ہو اور انکی تعلیم و تربیت اچھی طرح ہو سکے وہی طریق اختیار کرنا چاہیئے اور مشرکہ عورتوں کے نکاح سے روکا۔ اور مشرک مردوں کو مسلمان عورتیں نکاح میں دینے سے روکا۔ اسی سے اسلام کی خوبی اور کمال اور اصل غرض کا پتہ لگتا ہے کہ وہ دنیا میں کہانتک **اشاعت توحید** کی ضرورت سمجھتا ہے۔

اور آخر میں **اسلام** کی کامیابی اور شرک کی ناکامی کی پیشگوئی ان الفاظ میں کردی۔

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

رکوع ۲۷ / ۱۱

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ ھُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَاۗءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۗءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ

اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّھِنَّ فِيْ

ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ

عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ

دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ

عَزِيْزٌ

حَكِيْمٌ ۝

۲۸۴ / ۲۷ ع ۱۱

جائیں اور منکرین کو سچے اور زندہ خدا کا ثبوت دیا جائے اور اسلام کی عظمت اور حقیقت تازہ نشانوں سے ثابت کی جائے سو یہی ہو رہا ہے۔ قرآن کریم کے معارف ظاہر ہو رہے ہیں۔ لطائف اور دقائق کلام ربانی کھل رہے ہیں **نشان آسمانی** اور خوارق ظہور میں آ رہے ہیں اور اسلام کے حسنوں اور نوروں اور برکتوں کا خدا تعالیٰ نئے سرے جلوہ دکھا رہا ہے جس کی آنکھیں دیکھنے کی ہیں دیکھے اور جس میں سچا جوش ہے وہ طلب کرے اور جس میں ایک ذرہ حب اللہ اور رسول کریم کی ہے وہ اٹھے اور آزمائے اور خدا تعالیٰ کی اس پسندیدہ جماعت میں داخل ہووے جس کی بنیادی اینٹ اس نے اپنے پاک ہاتھ سے رکھی ہے۔ اور یہ کہنا کہ اب وحی ولایت کی راہ مسدود ہے اور نشان ظاہر نہیں ہو سکتے اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں یہ ہلاکت کی راہ ہے نہ سلامتی کی۔ خدا کے فضل کو رد مت کرو اٹھو آزماؤ اور پرکھو پھر اگر یہ پاؤ کہ معمولی سمجھ اور معمولی عقل اور معمولی باتوں کا انسان ہے تو قبول نہ کرو۔ لیکن اگر کرشمۂ قدرت دیکھو اور اسی **ہاتھ کی چمک پاؤ** جو مؤیدان حق اور مکلمان الٰہی میں ظاہر ہوتا رہا ہے تو قبول کر لو اور یقیناً سمجھو کہ خدا تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بڑا احسان یہی ہے کہ وہ اسلام کو مردہ مذہب رکھنا نہیں چاہتا۔ بلکہ ہمیشہ یقین اور معرفت اور الزام خصم کے طریقوں کو کھلا رکھنا چاہتا ہے۔ بھلا تم آپ ہی سوچو کہ اگر کوئی وحی نبوۃ کا منکر ہو اور یہ کہے کہ ایسا خیال تمہارا سراسر وہم ہے تو اس کا منہ بند کرنیوالی بجز اس کا نمونہ دکھلانے کے اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے۔ کیا یہ خوشخبری ہے یا بدخبری۔ کہ آسمانی برکتیں صرف چند سال اسلام میں رہیں۔ اور پھر وہ خشک اور مردہ مذہب ہو گیا۔ اور کیا ایک سچے مذہب کے لیئے یہی علامتیں ہونی چاہییں!!! غرض صحیح تفسیر کے لیے یہ معیار ہیں۔

تفسیر القرآن

الجزء الثالث

(رکوع اوّل)

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے اور جزاء افعال پر متوجہ کیا جاتا ہے۔ مسئلہ کفارہ کی تردید کی جاتی اور شرک اور کفر کا تعلق ظاہر کیا جاتا ہے۔

صفات الٰہی کے مسئلہ کی حقیقت کھول کر بیان کی جاتی ہے اور قرب الٰہی کے حصول کی راہ بتائی جاتی ہے

مسئلہ شفاعت پر روشنی ڈالی جاتی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اس کے علم کی وسعت کا اظہار کیا جاتا ہے۔

اسلام کے بزور شمشیر پھیلائے جانیکی تردید کیجاتی اور ثابت کیا جاتا ہے کہ اشاعت اسلام کا اصلی راز اسکی کھلی اور روشن تعلیم ہے۔ کفر بالطاغوت اور ایمان باللہ کی حقیقت اور اسکے ثمرات کا ذکر کیا جاتا ہے اور ان اسباب کا ذکر کہ جو نور سے ظلمت کیطرف لے جانے کے محرک ہوتے ہیں۔

پھر اس ظلمت میں جانے والوں کے انجام سے باخبر کیا جاتا ہے۔

عام مطالب یہ رکوع لاانتہا مقاصد اور مطالب پر مشتمل ہے مگر جس قدر مطالب ہم اس تفسیر میں بیان کر سکیں گے اُن کا خلاصہ یہ ہے

اوّل ۔ انفاق فی سبیل اللہ انسان کو اسدن کی تلخی اور سختی سے بچانیکا موجب ہو جاتا ہے جبکہ کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔

دوم ۔ انفاق فی سبیل اللہ کفر اور شرک سے بچانے کا بھی باعث ہو جاتا ہے۔

یمانٔکم

یمین کے معنی قوت و مضبوطی کے ہیں لیکن اس سے مراد اصطلاح شرع میں وہ قسم ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ یا اسکی صفات کے نام سے کھائی جاوے۔ قسم کی تین قسمیں ہیں اول غموس یعنی کسی گذشتہ بات پر عمداً جھوٹی قسم کھا لینا۔ ایسی قسموں پر مواخذہ ہوگا اور وَلٰكِن يُّؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ایسی ہی قسموں کے متعلق ہے دوم منعقدہ یعنی ایسی قسم کہ آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے اگر آئندہ معلوم ہو کہ اس قسم کے توڑنے میں بہتری ہے تو اس قسم کو توڑ دے اور کفارہ ادا کردے۔ اگر بلاوجہ قسم توڑی ہے تب بھی کفارہ دے چنانچہ اس امر کی تشریح سورۂ مائدہ میں ہے۔

ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الايمان فكفارته اطعام عشرة مسكين من اوسط ما تطعمون اهليكم او كسوتهم او تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام ۵/۸۹

ترجمہ لیکن خدا تعالیٰ تمھارا مواخذہ قسم منعقدہ پر کرتا ہے پس اس کا کفارہ ہے دس مساکین کا کھانا کھلانا جو متوسط طور پر اپنے عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام آزاد کرنا پر جو یہ بات نہ کرسکے تو تین دن کے روزے رکھے +

تیسری قسم قسم کی لغو ہے۔ یعنی تقوی و صلحکاری کے برخلاف قسم کھا بیٹھنا جیسا کہ ترتیب آیات سے واضح ہوتا ہے یا گذشتہ بات کی نسبت بصورت ظن غالب ہونے کے بلا قصد عادتاً واللہ باللہ وغیرہ الفاظ زبان سے نکالنا۔ ان قسموں پر مواخذہ تو نہیں ہے لیکن مومن کی شان سے بعید ہے کیونکہ والذين هم عن اللغو معرضون یعنی مومن وہ ہوتے ہیں جو لغویات سے پرہیز کرتے ہیں +

ایلاء

یہاں تک تو لغو قسموں کے متعلق بحث تھی اب اسی سلسلہ قسم میں اس قسم کا ذکر فرمایا جو بعض آدمی اپنی عورتوں کے تعلقات زوجیت اور فرائض معاشرت کے متعلق کھا بیٹھتے ہیں۔ اور زبان شرع میں اس کا نام ایلاء ہے۔ عرب میں چونکہ یہ خطرناک دستور تھا کہ مرد اپنی عورت سے خفا ہو کر اس سے الگ رہنے کی قسم کھا لیتا۔ اور پھر جب تک چاہتا اسے تنگ کرتا یعنی نہ اسے طلاق دیتا نہ اس کے ساتھ تعلق معاشرت رکھتا + یہ خطرناک دستور عورت ذات کے لیے سخت تکلیف دہ تھا اس لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ان برکات وفیوض میں سے جو مخصوصاً بنی نوع انسان کے اس دوسرے گروہ (عورت) پر ہوئے ہیں یہ بھی احسان تھا کہ ایلاء کے لیے چار مہینے کی مدت مقرر کردی جیسا کہ فرمایا ہے۔

للذين يؤلون من نساۂهم تربص اربعة اشهر الآیہ یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے جدا ہونے کے لیے قسم کھا لیتے ہیں انھیں چار مہینے تک انتظار کرنا چاہیے۔ اگر وہ اس عرصہ میں اپنے ارادہ سے باز آجاویں اور رجوع کرلیں تو خدا تعالیٰ کو غفور رحیم پائیں گے۔ اور اگر وہ اس عرصہ کے اندر رجوع نہ کریں تو پھر ایک طلاق بائن ہو جائے گی۔ اب مسئلہ طلاق شروع ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اسی مقام پر اس کے متعلق ضروری بحث کردیں تاکہ آئندہ رکوعات میں زیادہ بحث کی حاجت نہ رہے +

طلاق

یہ ایک مہتم بالشان مسئلہ ہے اسپر عیسائیوں اور آریوں نے بیہودہ اعتراض کرنے میں کوئی دقیقہ فردگذاشت نہیں کیا اور حجۃ الاسلام حضرت امام ہمام مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور مخدوم الملۃ حضرت حکیم الامۃ کو پادریوں اور آریوں کے بالمقابل اس سوال پر لکھنے کی ضرورت پڑی ہے اسلیے ہمارے نزدیک ان تحریروں کا یہاں درج کردینا ہی کافی اور ضروری ہے +

طلاق کی فلاسفی

نکاح ایک معاہدہ ہے جسمیں مرد کیطرف سے مہر اور تعہد نان ونفقہ اور اسلام اور حسن معاشرت شرط ہے اور عورت کیطرف سے عفت اور پاکدامنی اور نیک چلنی اور فرمانبرداری شرائط ضروریہ میں سے ہے اور جیسا کہ دوسرے تمام معاہدے شرائط کے ٹوٹ جانے سے قابل فسخ ہو جاتے ہیں ایسا ہی یہ معاہدہ بھی شرطوں کے ٹوٹنے کے بعد قابل فسخ ہو جاتے ہیں ....

.... صرف یہ فرق ہے کہ اگر مرد کی طرف سے شرائط ٹوٹ جائیں تو عورت خود بخود توڑنے کی مجاز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود بخود نکاح کرنے کی مجاز نہیں بلکہ حاکم وقت کے ذریعہ سے نکاح کو تڑوا سکتی ہے جیسا کہ ولی کے ذریعہ سے نکاح کو کرا سکتی ہے اور یہ کمی اختیار اسکی فطرتی شتاب کاری اور نقصان عقل کیوجہ سے ہے لیکن مرد جیسا کہ اپنے اختیار سے معاہدہ نکاح کا باندھ سکتا ہے ایسا

۲۸۷
۲۷
ع ۱۱

ابھی اپنے نفس پر بھروسا نہیں کر سکتا کہ خود بخود نفسانی ظلمات سے باہر آ سکتا ہے۔ یہ تو انسانی کانشنس کی شہادۃ ہے اور ماسوا اس کے اگر غور اور فکر سے کام لیا جاوے تو عقل سلیم بھی اُسی کو چاہتی ہے کہ نجات کے لیے شفیع کی ضرورۃ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نہایت درجہ تقدس اور تطہر کے مرتبہ پر ہے اور انسان نہایت درجہ ظلمت اور معصیت اور آلودگی کے گڑھے میں ہے اور بوجہ فقدان مناسبت اور مشابہت عام طبقہ انسانی گروہ کا اس لائق نہیں کہ وہ براہ راست خدا سے فیض پا کر مرتبہ نجات کا حاصل کر لیں۔ پس اس لیے حکمت اور رحمت الٰہی نے یہ تقاضا فرمایا کہ نوع انسان اور اللہ تعالےٰ میں بعض افراد کاملہ جو اپنی فطرت میں ایک خاص فضیلت رکھتے ہوں درمیانی واسطہ ہوں اور وہ اس قسم کے انسان ہوں جنکی فطرت نے کچھ حصہ صفات لاہوتی سے لیا ہو اور کچھ حصہ صفات ناسوتی سے تا بباعث لاہوتی مناسبت کے خدا سے فیض حاصل کریں اور بباعث ناسوتی مناسبت کے اُس فیض کو جو اوپر سے لیا ہے نیچے کو یعنی بنی نوع کو پہنچاویں اور یہ کہنا واقعی صحیح ہے کہ اس قسم کے انسان بوجہ زیادت کمال لاہوتی اور ناسوتی کے دوسرے انسانوں سے ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں گویا یہ ایک مخلوق ہی الگ ہے کیونکہ جسقدر ان لوگوں کو خدا کا جلال اور عظمت ظاہر کرنے کے لیے جوش دیا جاتا ہے اور جسقدر ان کے دلوں میں وفاداری کا مادہ بھرا جاتا ہے اور پھر جس قدر بنی نوع کی ہمدردی کا جوش ان کو عطا کیا جاتا ہے وہ ایک ایسا امر فوق العادت ہے جو دوسروں کے لیے اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ ہاں یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یہ تمام اشخاص ایک مرتبہ پر نہیں ہوتے بلکہ ان فطرتی فضائل میں کوئی اعلیٰ درجہ پر ہے کوئی اس سے کم اور کوئی اُس سے کم۔

ایک سلیم العقل کا پاک کانشنس سمجھ سکتا ہے کہ شفاعت کا مسئلہ کوئی بناوٹی اور مصنوعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ خدا کے مقرر کردہ انتظام میں ۔۔۔ اسکی نظیریں موجود ہیں اور قانون قدرۃ میں اسکی شہادتیں صریح طور پر ملتی ہیں۔ اب شفاعت کی فلاسفی یوں سمجھنی چاہیے کہ شفع لغت میں جُفت کو کہتے ہیں پس شفاعت کے لفظ میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ وہ ضروری امر جو شفیع کی صفات میں سے ہونا ہے یہ ہے کہ اُسکو دو طرفہ اتحاد حاصل ہو یعنی ایکطرف اُسکے نفس کو خدا تعالےٰ سے تعلق شدید ہو ایسا کہ گویا وہ کمال اتحاد کے سبب حضرت احدیت کے لیے بطور جفت اور پیوند کے ہو اور دوسری طرف اسکو مخلوق سے بھی شدید تعلق ہو گویا وہ اُن کے اعضا کی ایک جز ہو۔ پس شفاعت کا امر مترتب ہونے کیلیے درحقیقت یہی دو جز ہیں جنپر ترتب اثر موقوف ہے۔

یہی راز ہے جو حکمۃ الٰہیہ نے آدم کو ایسے طور سے بنایا کہ فطرۃ کی ابتدا سے ہی اُسکی سرشت میں دو قسم کے تعلق قائم کر دیے یعنی ایک تعلق تو خدا سے قائم کیا جیسا قرآن شریف میں فرمایا فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له سٰجدین ۔ یعنی جب میں اسکو ٹھیک ٹھیک بنا لوں اور میں اپنی روح اسمیں پھونک دوں تو اے فرشتو اسی وقت تم سجدہ میں گر جاؤ* مذکورہ بالا آیت سے صاف ثابت ہے کہ خدا نے آدم میں اُسکی پیدایش کے ساتھ ہی

***حاشیہ** اس آیۃ میں ایک عمیق راز کی طرف اشارہ ہے جو انتہائی درجہ کے کمال کا ایک نشان ہے اور وہ یہ کہ انسان ابتدا میں صرف صورۃ انسان کی ہوتی ہے مگر اندر سے وہ بیجان ہوتا ہے اور کوئی روحانیت اُس میں نہیں ہوتی اور اس صورت میں فرشتے اسکی خدمۃ نہیں کرتے کیونکہ وہ ایک پوست بیمغز ہے لیکن بعد اس کے رفتہ رفتہ سعید انسان پر یہ زمانہ آجاتا ہے کہ وہ خدا سے بہت ہی قریب جا رہتا ہے تب جب ٹھیک ٹھیک ذوالجلال کی روشنی کے مقابل پر اسکا نفس جا پڑتا ہے اور کوئی حجاب درمیان نہیں ہوتا کہ اُس روشنی کو روک دے تو بلا توقف الوہیت کی روشنی جسکو دوسرے لفظوں میں خدا کی روح کہہ سکتے ہیں اس انسان کے اندر داخل ہو جاتی ہے اور یہی ایک خاص حالت ہے جسکی نسبت کلام الٰہی میں کہا گیا کہ خدا نے آدم میں اپنی روح پھونک دی اس حالت پر نہ کسی تکلف سے اور نہ ایسے امر سے جو شریعت کے احکام کے رنگ میں

علاوہ جرب ضعف باہ اور بنتیجۃً جذام تک نوبت پہنچتی ہے +

الغرض نہایت تہذیب وحکمت کے ساتھ ایام حیض میں مباشرت سے منع کیا ہے جس سے نہ صرف یہی کہ مرد وعورت اور بچہ بہت سے امراض سے بچ جاتے ہیں بلکہ اپنے جذبات پر حکومت کی عادت ہو جاتی ہے + اس کے علاوہ لواطت اور اغلام کے حرام ہونے کے دلائل بھی اس میں موجود ہیں +

اولاً خود حیض کی نسبت سوال کرنا ہی ثابت کرتا ہو کہ اگر لواطت جائز ہوتا تو حیض اور غیر حیض سمیں مساوی تھا +

دوم - اسکو اذیٰ کہا یعنی یہ دکھ ہے ناپاکی اور غلاظت ہے - اور لواطت تو اور بھی گندگی ہے -

سوم - فاعتزلوا النساء فی المحیض فرمایا یعنی ایام حیض میں عورتوں سے الگ رہو تو الگ رہنے میں لواطت کیونکر ہوگی +

چہارم لا تقربوا ھنّ حتی یطھرن - یعنی جب تک پاک نہ ہولیں یعنی بالکل خون بند نہ ہووے - اگر لواطت جائز ہوتا تو اس قید کی کیا ضرورت تھی ؟ +

پنجم - فاذا تطھرن فرمایا - قرآن شریف نے ایسے موقع پر بھی پاک لفظ استعمال فرمایا ہے چنانچہ سیپارہ ۲۹ کے رکوع ۱۹ میں لوط اور ان کے متبعین کی نسبت شریر قوم لواطت کرنے والوں کی نسبت یہی الفاظ بولتی ہے انھم اناس یتطھرون +

ششم - فاتوا ھنّ من حیث امرکم اللہ یعنی جہاں سے اللہ تعالیٰ نے امر کیا ہے - وہاں سے انکے پاس آؤ - صاف دلیل ہے کہ اس فعل شنیع سے روکا ہے -

ہفتم - عورت کو حرث کہا ہے یعنی کھیتی - اور لواطت میں کھیتی نہیں ہوسکتی +

ہشتم - قدموا لانفسکم - یعنی اپنے نفسوں کے لیے آیندہ کا بندوبست کرو - جو طریق معروف سے ممکن ہے +

نہم - واتقوا اللہ میں لواطت کے خلاف فطرت اور غلیظ فعل سے روکا ہے +

دہم واعلموا انکم ملٰقوہ بھی ایک تہدید ہے + (تلک عشرۃ کاملۃ)

اب اور ہمیں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں یہ زبردست دس دلیلیں ہیں جو خلاف وضع فطری سے روکنے کے لیے دی گئی ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ قرآن کریم کا یہ عام اور پاک طرز ہے کہ وہ ہر تعلیم میں خواہ دنیا کے امور متمدنہ اور سیاسیہ کے متعلق ہو یا معاشرت اور عام امور کے دینی اور روحانی پہلو کو کبھی ہاتھ سے نہیں دیتا - حیض ایک قسم کی پلیدی تھی جس سے بچنے کے لیے روکا تھا تو ساتھ ہی باطنی پلیدی کے بچنے کی ترکیب بتائی یعنی توبہ سے وہ دور ہوگی اس لیے یہاں فرمایا ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین بلکہ توابین کو مقدم رکھا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان جس قدر سچی توبہ سے کام لیتا ہے اُسی قدر خشوع وخضوع بڑھ جاتا ہے اور پاک لوگوں اور ملائکہ کے تعلقات اس سے بڑھ جاتے ہیں اور وہ ہر قسم کی پلیدی سے بچنے لگتا ہے - فتدبروا +

نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ اس آیت پر ناعاقبت اندیش اور ناپاک فطرت لوگوں نے بڑے اعتراض کیے ہیں اور کہا ہے کہ اس سے معاذ اللہ لواطت کا جواز نکلتا ہے اس مغلطہ کو خود قرآن کریم نے جیسا کہ اوپر بتایا ہے دور کر دیا ہے چونکہ حیض کے سبب سے عورتوں کا ذکر آگیا تھا اس لیے اسی تذکرہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ اُن قسموں کا ذکر فرماتا ہے اور لغو قسموں سے منع فرمایا لا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم الآیہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی قسم کھانا کہ میں نماز نہ پڑھوں گا یا میں دوسرے برائی کے کام نہ چھوڑوں گا یا فلاں نیکی نہ کروں گا بہت ہی بیہودہ امر ہے اگر کوئی اس قسم کی قسم اپنی جہالت سے کھا بیٹھے تو اُسے توڑ دینی چاہیے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیحین میں مروی ہے کہ میں انشاء اللہ جس بات کی قسم کھاؤں گا اور وہ بات مجکو اچھی معلوم ہوگی میں اپنی قسم توڑ کر کفارہ دیدوں گا اور اسیات کو کروں گا - مگر افسوس ہے کہ مسلمان مسلمان کہلاکر جس بات کی قسم کھالیں اپنی نادانی اور جہالت سے شوخی اور بے باکی سے اس قسم کو آڑ بناتے ہیں - ایسی قسموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے +

۲۸۶ ع ۲۷

یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضٰعفہ لہ اضعافاً کثیرۃ۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے مال کا کوئی حصہ الگ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔

پھر ان ثمرات کے ضمن میں یہ بھی بتایا ہے کہ یہ انفاق اُس دن کی تلخی اور سختی سے بچاتا ہے جبکہ کوئی بیع خلۃ اور شفاعۃ کام نہ دیگی۔

انہ الہ او نام

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیۃ سے نفی شفاعت ثابت ہوتی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ شفاعت بالاذن خود قرآن شریف میں رکھی ہے۔ جیسا کہ اسی رکوع میں آئے گا۔ اور ایک مقام پر فرمایا ہے ولا یملک الذین یدعون من دونہ الشفاعۃ الا من شہد بالحق وھم یعلمون

یہ لا جو لا بیع ولا خلۃ ولا شفاعۃ پر آیا ہے یہ نفی جنس کا نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض قسم کی بیع۔ خلۃ اور شفاعۃ نہ ہوگی کیونکہ قرآن شریف میں دوسرے مقامات پر ان امور کا اثبات فرمایا گیا ہے۔

مثلاً بیع کے لیے آگیا ہے ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کا جان و مال خرید لیا ہے بعوض اسکے کہ اُن کے لیے جنت ہے۔ یا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ کیا میں تم کو ایسی تجارۃ کی خبر دوں جو تم کو عذاب الیم سے بچالے۔

اور وہ تجارۃ یہی بتائی ہے۔ تؤمنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور پھر جس قدر ممکن ہے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے سعی کرو یہ تمھارے لیے بہتر اور خیر و برکت کا موجب ہے اگر تمکو اس کا علم ہو۔

یہ آیت بڑی صفائی کے ساتھ اس آیۃ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ الآیہ کی تفسیر کر دیتی ہے اور ایسا ہی خلۃ کے متعلق بھی قرآن شریف میں آیا ہے الاخلاء یومئذ بعضہم لبعض عدو الا المتقین۔

غرض ان مقامات پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لا نفی جنس کا لا نہیں ہے۔

البتہ اب اسقدر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ شفاعت پر کسی قدر وضاحت سے روشنی ڈالی جاوے۔ اور اسپر بجائے اسکے کہ ہم خود کوئی بحث کریں حضرت حجۃ الاسلام امام ہمام مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرۃ حکیم الامۃ نے مسئلہ شفاعت پر جو بحث کی ہے اُنکو درج کر دیا جاوے۔ اس لیے اس مسئلہ کے متعلق ہم حضرۃ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرۃ حکیم الامۃ کی مختلف تصانیف کے مختلف مقامات کو ایک جگہ کر دیں گے۔

نجات اور شفاعۃ کی حقیقی فلاسفی

مذہبی مسائل میں سے نجات اور شفاعت کا مسئلہ ایک ایسا عظیم الشان اور مدار المہام مسئلہ ہے کہ مذہبی پابندی کے تمام اغراض اُسی پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اور کسی مذہب کے صدق اور سچائی کے پرکھنے کے لیے وہی ایک ایسا صاف اور کھلا کھلا نشان ہے جس کے ذریعہ سے پوری تسلی اور اطمینان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں مذہب درحقیقت سچا اور منجانب اللہ ہے اور یہ بات بالکل راست اور درست ہے کہ جس مذہب نے اس مسئلہ کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا یا اپنے فرقہ میں نجات یافتہ لوگوں کے موجودہ نمونے کھلے کھلے امتیاز کے ساتھ دکھلا نہیں سکا اُس مذہب کے باطل ہونے کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورۃ نہیں مگر جس مذہب نے کمال صحت سے نجات کی اصل حقیقت دکھلائی ہے اور نہ صرف اسقدر بلکہ اپنے موجودہ زمانہ میں ایسے انسان بھی پیش کیے ہیں جنمیں کامل طور پر نجات کی روح پھونکی گئی ہے اُس نے مہر لگا دی ہے کہ وہ سچا اور منجانب اللہ ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ہر ایک انسان طبعاً اپنے دل میں محسوس کرتا ہے کہ وہ صدہا طرح کی غفلتوں اور پردوں اور نفسانی حملوں اور لغزشوں اور کمزوریوں اور جہالتوں اور قدم قدم پر [illegible] ں اور ٹھوکروں اور مسلسل خطرات اور وساوس کی وجہ سے اور نیز دنیا کی انواع و اقسام کی آفتوں اور بلاؤں کے سبب سے ایک ایسے زبردست ہاتھ کا ضرور محتاج ہے جو اسکو ان تمام مکروہات سے بچاوے کیونکہ انسان اپنی فطرۃ میں ضعیف ہے اور وہ کبھی ایک دم کے لیے بھی

مارو (یعنی جیسی جیسی صورت اور مصلحت پیش آوے) پس اگر وہ تمھاری تابعدار ہو جائیں تو تم بھی طلاق وغیرہ کا نام نہ لو اور تکبر نکرو کہ کبریائی خدا کے لیے مسلم ہے یعنی دل میں یہ نہ کہو کہ اس کی مجھے کیا حاجت ہے میں دوسری بیوی کر سکتا ہوں بلکہ تواضع سے پیش آوے کہ تواضع خدا کو پیاری ہے اور پھر فرماتا ہے کہ میاں بیوی کیطرف سے اگر منصف صلح کرانے کے لیے کوشش کرینگے تو خدا توفیق دیگا اور پھر فرمایا لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِہِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَۃِ اَشْہُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ وَاِنْ عَزَمُوا الطلاق فان اللہ سمیع علیم۔ والمطلقت یتربصن بانفسہن ثلثۃ قروء۔ الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔ ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن۔ فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ واذا طلقتم النساء فبلغن اجلہن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجہن۔ واتقوا اللہ ربکم ولا تخرجوھن من بیوتہن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ۔ فاذا بلغن اجلہن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ والّٰئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتہن ثلثۃ اشہر۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا۔ ذلک امر اللہ انزلہ الیکم۔ ومن یتق اللہ یکفر عنہ سیاٰتہ ویعظم لہ اجرا۔ ترجمہ جو لوگ اپنی بیویوں سے جدا ہونے کے لیے قسم کھا لیتے ہیں وہ طلاق دینے میں جلدی نہ کریں بلکہ چار مہینے انتظار کریں۔ سو اگر وہ اس عرصہ میں اپنے ارادہ سے باز آجاویں پس خدا کو غفور و رحیم پائیں گے۔ اور اگر طلاق دینے پر پختہ ارادہ کرلیں سو یاد رکھیں کہ خدا سننے والا اور جاننے والا ہے یعنی اگر وہ عورت جسکو طلاق دی گئی خدا کے علم میں مظلوم ہو اور پھر وہ بددعا کرے تو اُس کی بددعا سُن لے گا۔ اور چاہیے کہ جن عورتوں کو طلاق دی گئی وہ رجوع کی اُمید کے لیے تین حیض تک انتظار کریں اور ان تین حیض میں جو قریباً تین مہینے ہیں دو دفعہ طلاق ہو گی یعنی ہر یک حیض کے بعد خاوند عورت کو طلاق دے اور جب تیسرا مہینہ آوے تو خاوند کو ہوشیار ہو جانا چاہیے کہ اب یا تو تیسری طلاق دیکر احسان کے ساتھ دائمی جدائی اور قطع تعلق ہے اور یا تیسری طلاق سے رُک جائے اور عورت کو حسن معاشرت کے ساتھ اپنے گھر میں آباد کرے اور یہ جائز نہیں ہوگا کہ جو مال طلاق سے پہلے عورت کو دیا تھا وہ واپس لے لے۔ اور اگر تیسری طلاق جو تیسرے حیض کے بعد ہوتی ہے دیدے تو اب وہ عورت اُس کی عورت نہیں رہی اور جبتک وہ دوسرا خاوند نہ کرے تب تک نیا نکاح اس سے نہیں ہو سکتا (یعنی ایسے شخص کی سزا یہی ہے جو باوجود ہدایت متذکرہ بالا کے پھر نہ سمجھے اور چونکہ یہ عورت اب اُس کی عورت نہیں رہی اسلیے وہ خاوند کرنے میں اختیار کلی رکھتی ہے) اور پھر فرمایا کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ مدت مقررہ تک پہنچ جائیں اور عدت کی میعاد گذر جائے تو انکو نکاح کرنے سے مت روکو یعنی جب تین حیض کے بعد تین طلاقیں ہو چکیں عدت بھی گذر گئی تو اب وہ عورتیں تمھاری عورتیں نہیں ان کو نکاح کرنے سے مت روکو اور خدا سے ڈرو اور ان کو عدت کے دنوں میں گھروں میں سے مت نکالو مگر یہ کہ کوئی کھلی کھلی بدکاری اُن سے ظاہر ہو اور جب تین حیض کی مدت گذر جائے تو پھر بعد اس کے احسان کے ساتھ رکھلو یا احسان کے ساتھ اُسکو رخصت کردو اگر کوئی تم میں سے خدا سے ڈرے گا یعنی طلاق دینے میں جلدی نہیں کرے گا اور کسی بے ثبوت شبہ پر بگڑ نہیں جائے گا تو خدا اس کو تمام مشکلات سے رہائی دے گا اور اسکو ایسے طور سے رزق پہونچائے گا کہ اُسے علم نہیں ہو گا کہ مجھے کہاں سے رزق آتا ہے اور جو عورتیں حیض سے نومید ہو گئی ہیں اُن کی مہلت طلاق بجائے تین حیض کے تین مہینے ہیں اور جو خدا سے ڈرے گا یعنی طلاق دینے میں جلدی نہیں کرے گا خدا اُس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔ یہ خدا کا حکم ہے جو تمھاری طرف اُتارا گیا اور جو خدا سے ڈریگا یعنی طلاق دینے میں جلدی نہیں کرے گا اور حتی الوسع طلاق سے دست بردار رہے گا خدا اُس کے تمام گناہ معاف کردیگا اور اُسکو بہت بڑا اجر دے گا + اگر کوئی عورت اذیت اور مصیبت کا باعث ہو تو ہمکو کیونکر یہ خیال کرنا چاہیے کہ خدا ہم سے ایسی عورت کے طلاق دینے سے ناخوش ہوگا (میں دل کی سختی کو اُس شخص سے منسوب کرتا ہوں جو اس عورت کو اپنے پاس رہنے دے جُس شخص سے

٢٨٩
٢٨
ع
١١

پسلی سے ہی اسکو نکالا۔ جیساکہ قرآن شریف میں فرمایا ہے وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا یعنی آدم کے وجود میں سے ہی ہمنے اس کا جوڑا پیدا کیا جو حوّا ہے تا آدم کا یہ تعلق حوّا اور اُسکی اولاد سے طبعی ہو نہ بناوٹی۔ اور یہ اس لیے کیا کہ تا آدم زادوں کے تعلق اور ہمدردی کو بقا ہو کیونکہ طبعی تعلق غیر منفک ہوتے ہیں مگر غیر طبعی تعلق کے لیے بقا نہیں ہے کیونکہ ان میں وہ باہمی کشش نہیں ہے جو طبعی میں ہوتی ہے۔ غرض خدا نے اسطرح پر دونوں قسم کے تعلق جو آدم کے لیے خدا سے اور بنی نوع سے ہونی چاہیے تھے طبعی طور پر پیدا کیے پس اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ کامل انسان جو شفیع ہونے کے لائق ہو وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے ان دونوں تعلقوں سے کامل حصہ لیا ہو اور کوئی شخص بغیر ان ہر دو قسم کے کمال کے انسان کامل نہیں ہو سکتا اسی لیے آدم کے بعد بھی سنتہ اللہ اسی طرح پر جاری ہوئی کہ کامل انسان کے لیے جو شفیع ہو سکتا ہے یہ دونوں تعلق ضروری ٹھہرائے گئے یعنی ایک یہ تعلق کہ اُنمیں آسمانی روح پھونکی گئی۔ اور خدا نے ایسا انسے اتصال کیا کہ گویا ان میں اُتر آیا اور دوسرے یہ کہ بنی نوع کی زوجیت کا وہ جوڑ جو حوّا اور آدم میں باہمی ہمدردی اور محبت کے ساتھ مستحکم کیا گیا تھا ان میں سب سے زیادہ چمکایا گیا اسی تحریک سے اُنکو بیویوں کی طرف رغبت ہوئی اور یہی ایک اول علامت اس بات کی ہے کہ ان میں بنی نوع کی ہمدردی کا مادہ ہے اور اسی کی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ بِأَهْلِهِ یعنے تم میں سے سب سے زیادہ بنی نوع کے ساتھ بھلائی کرنے والا وہی ہو سکتا ہے کہ پہلے اپنی بیوی کے ساتھ بھلائی کرے مگر جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ ظلم اور شرارت کا برتاؤ رکھتا ہے ممکن نہیں کہ وہ دوسرں کے ساتھ بھی بھلائی کر سکے کیونکہ خدا نے آدم کو پیدا کرکے سب سے پہلے آدم کی محبت کا مصداق اسکی بیوی کو ہی بنایا ہے پس جو شخص اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتا یا اس کے خود بیوی ہی نہیں وہ کامل انسان ہونے کے مرتبہ سے گرا ہوا ہے اور شفاعت کی دو شرطوں میں سے ایک شرط اسمیں مفقود ہے اسلیے اگر عصمت اسمیں پائی بھی جاوے تب بھی وہ شفاعت کرنے کے لائق نہیں لیکن جو شخص کوئی بیوی نکاح میں لاتا ہے وہ اپنے لیے بنی نوع کی ہمدردی کی بنا ڈالتا ہے کیونکہ ایک بیوی بہت سے رشتوں کا موجب ہو جاتی ہے اور بچے پیدا ہوتے ہیں اُن کی بیویاں آتی ہیں اور بچوں کی نانیاں اور بچوں کے ماموں وغیرہ ہوتے ہیں اور اسطرح پر ایسا شخص خواہ نخواہ محبت اور ہمدردی کا عادی ہو جاتا ہے اور اسکی اس عادت کا دائرہ وسیع ہو کر سب کو اپنی ہمدردی سے حصہ دیتا ہے لیکن جو لوگ جوگیوں کی طرح نشوونما پاتے ہیں ان کو اس عادت کے وسیع کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا اسلیے اُن کے دل سخت اور خشک رہ جاتے ہیں۔

قرآن شریف سے ثبوت کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم انسان کامل تھے۔

اسی مقام شفاعت کیطرف قرآن شریف میں اشارہ فرماکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انسان کامل ہونے کی شان میں فرمایا دَنَىٰ فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ یعنی یہ رسول خدا کیطرف چڑھا اور جہاں تک امکان میں ہے خدا سے نزدیک ہوا اور قرب کے تمام کمالات کو طے کیا اور لاہوتی مقام سے پورا حصہ لیا اور پھر ناسوت کیطرف کامل رجوع کیا یعنی عبودیت کے انتہائی نقطہ تک اپنے تئیں پہونچایا اور بشریت کے تمام لوازم یعنی بنی نوع کی ہمدردی اور محبت سے جو ناسوتی کمال کہلاتا ہے پورا حصہ لیا لہذا ایکطرف خدا کی محبت میں کمال تام تک پہنچا۔ پس چونکہ وہ کامل طور پر خدا سے قریب ہوا اور پھر کامل طور پر بنی نوع سے قریب ہوا اسلیے دونوں طرف کے مساوی قرب کی وجہ سے ایسا ہو گیا جیساکہ دو قوسوں میں ایک خط ہوتا ہے لہذا وہ شرط جو شفاعت کے لیے ضروری ہے اس میں پائی گئی اور خدا نے اپنے کلام میں اس کے لیے گواہی دی کہ وہ اپنے بنی نوع میں اور اپنے خدا میں ایسے طور سے درمیان ہے جیساکہ وتر دو قوسوں کے درمیان ہوتا ہے۔

اور پھر ایک اور مقام میں آپ کے الٰہی قرب کی نسبت یوں فرمایا قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔ یعنی لوگوں کو اطلاع دیدے کہ میری یہ حالت ہے کہ میں اپنے وجود سے بالکل کھویا

فطرتی قانون نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے

ہی عورت کی طرف سے شرائط ٹوٹنے کے وقت طلاق دینے میں بھی خود مختار ہے

کہ ہر ایک معاہدہ شرائط قرار دادہ کے فوت ہونے سے قابل فسخ ہو جاتا ہے اور اگر فریق ثانی فسخ سے مانع ہو تو وہ اُس فریق پر ظلم کرتا ہے جو فقدان شرائط کی وجہ سے فسخ عہد کا حق رکھتا ہے جیسا ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ نکاح کیا چیز ہے تو بجز اس کے اور کوئی حقیقت معلوم نہیں ہوتی کہ ایک پاک معاہدہ کی شرائط کے نیچے دو انسانوں کا زندگی بسر کرنا ہے اور جو شخص شرائط شکنی کا مرتکب ہو وہ عدالت کی رو سے معاہدہ کے حقوق سے محروم رہنے کے لائق ہو جاتا ہے اور اسی محرومی کا نام دوسرے لفظوں میں طلاق ہے لہٰذا طلاق ایک ایسی پوری پوری جدائی ہے جس سے مطلقہ کی حرکات سے شخص طلاق دہندہ پر کوئی بد اثر نہیں پہنچتا یا دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک عورت کسی کی منکوحہ ہو کر نکاح کے معاہدہ کو کسی اپنی بدچلنی سے توڑ دے تو وہ اُس عضو کی طرح ہے جو گندہ ہو گیا اور سڑ گیا یا اُس دانت کی طرح ہے جسکو کیڑے نے کھا لیا اور وہ اپنے شدید درد سے ہر وقت تمام بدن کو ستاتا اور دکھ دیتا ہے تو اب حقیقت میں وہ دانت دانت نہیں ہے اور وہ متعفن عضو حقیقت میں عضو نہیں ہے اور سلامتی اسی میں ہے کہ اُسکو اکھاڑ دیا جائے اور کاٹ دیا جائے اور پھینک دیا جائے یہ سب کارروائی قانون قدرت کے موافق ہے۔ عورت کا مرد سے ایسا تعلق نہیں جیسے اپنے ہاتھ اور اپنے پیر کا لیکن تاہم اگر کسی کا ہاتھ یا پیر کسی ایسی آفت میں مبتلا ہو جائے کہ اطباء اور ڈاکٹروں کی رائے اسی پر اتفاق کرے کہ زندگی اس کے کاٹ دینے میں ہے تو بھلا تم میں سے کون ہے کہ ایک جان کے بچانے کے لیے کاٹ دینے پر راضی نہ ہو پس ایسا ہی اگر تیری منکوحہ اپنی بدچلنی اور کسی مہلک پاپ سے تیرے پر وبال لاوے تو وہ ایسا عضو ہے کہ بگڑ گیا اور سڑ گیا اور اب وہ تیرا عضو نہیں ہے اسکو جلد کاٹ دے اور گھر سے باہر پھینک دے ایسا نہ ہو کہ اس کی زہر تیرے سارے بدن میں پہنچ جائے اور تجھے ہلاک کرے پھر اگر اس کاٹے ہوئے اور زہریلے جسم کو کوئی پرندہ یا درندہ کھالے تو تجھے اس سے کیا کام کیونکہ وہ جسم تو اُسی وقت سے تیرا جسم نہیں رہا جبکہ تو نے اُسکو کاٹ کر پھینک دیا۔ اب جب طلاق کی ایسی صورت ہے کہ اُس میں خاوند خاوند نہیں رہتا اور نہ عورت اُس کی عورت رہتی ہے اور عورت ایسی جدا ہو جاتی ہے کہ جیسے ایک خراب شدہ عضو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے ✤

مسلمان بیوجہ طلاق نہیں دیتے؟

اور اگر یہ کہو کہ مسلمان بے وجہ بھی عورتوں کو طلاق دیدیتے ہیں تو تمھیں معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو لغو کام کرنے سے منع کیا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ اور قرآن میں بیوجہ طلاق دینے والونکو بہت ڈرایا ہے۔ ماسوا اس کے تم اس بات کو بھی تو ذرا سوچو کہ مسلمان اپنی حیثیت کے موافق بہت سا مال خرچ کر کے ایک عورت سے شادی کرتے ہیں اور ایک رقم کثیر عورت کے مہر کی اُن کے ذمہ ہوتی ہے اور بعضوں کے مہر کئی ہزار اور بعض کے ایک لاکھ یا کئی لاکھ ہوتے ہیں اور یہ مہر عورت کا حق ہوتا ہے اور طلاق کے وقت بہرحال اس کا اختیار ہوتا ہے کہ وصول کرائے اور نیز قرآن میں یہ حکم ہے کہ اگر عورت کو طلاق دیا جائے تو جس قدر مال عورت کو طلاق سے پہلے دیا گیا ہے وہ عورت کا ہی رہے گا اور اگر عورت صاحب اولاد ہو تو بچوں کے تعہد کی مشکلات اس کے علاوہ ہیں اسی واسطے کوئی مسلمان جبتک اس کی جان پر ہی عورت کی وجہ سے کوئی وبال نہ پڑے تب تک طلاق کا نام نہیں لیتا۔ بھلا کون ایسا پاگل ہے کہ بیوجہ اس قدر تباہی کا بوجھ اپنے سر پر ڈال لے ✤

طلاق کے متعلق قرآن کریم کی پابندیاں

ان نادانوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن میں کونسی ہدایتیں ہیں جن کی پابندی کے بعد پھر ایک شخص طلاق دینے کا مجاز ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝

یعنی جن عورتوں کی طرف سے ناموافقت کے آثار ظاہر ہو جائیں پس تم اُن کو نصیحت کرو اور خوابگاہوں میں اُن سے جدا رہو اور

۲۸۸
۲۷
ع ۱۱

اپنی روح پھونک کر اُسکی فطرۃ کو اپنے ساتھ ایک تعلق قائم کر دیا۔ سو یہ اس لیے کیا گیا کہ تا انسان کو فطرتاً خدا سے تعلق پیدا ہو جاوے ایسا ہی دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ ان لوگوں سے بھی فطرتی تعلق ہو جو بنی نوع کہلائیں گے کیونکہ جبکہ اُن کا وجود آدم کی ہڈی میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت ہوگا تو وہ ضرور اس روح میں سے بھی حصہ لینگے جو آدم میں پھونکی گئی۔ پس اس لیے آدم طبعی طور پر اُن کا شفیع ٹھیرے گا کیونکہ بباعث نفخ روح جو راستبازی آدم کی فطرت کو دی گئی ہے ضرور ہے کہ اسکی راستبازی کا کچھ حصہ اس شخص کو بھی ملے جو اس میں سے نکلا ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ ہر ایک جانور کا بچہ اسکی صفات اور افعال میں سے حصہ لیتا ہے۔ اور دراصل شفاعت کی حقیقت بھی یہی ہے کہ فطرتی وارث اپنے مورث سے حصہ لے کیونکہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ شفاعۃ کا لفظ شفع کے لفظ سے نکلا ہے جو زوج کو کہتے ہیں پس جو شخص فطرتی طور پر ایکدوسرے شخص کا زوج ٹھہر جائیگا ضرور اُسکی صفات میں سے حصہ لے گا۔

اسی اصول پر تمام سلسلہ خلقی توارث کا جاری ہے یعنی انسان کا بچہ انسانی قویٰ میں سے حصہ لیتا ہے اور گھوڑے کا بچہ گھوڑے کے قویٰ میں سے حصہ لیتا ہے اور اسی وراثت کا نام دوسرے لفظوں میں شفاعۃ سے فیضیاب ہونا ہے کیونکہ جبکہ شفاعت کی اصل شفع یعنی زوج ہے پس تمام مدار شفاعۃ سے فیض اُٹھانے کا اس بات پر ہے کہ جس شخص کی شفاعۃ سے آدمی مستفیض ہونا چاہتا ہے اس سے فطرتی تعلق اسکو حاصل ہو۔ تا جو کچھ اسکی فطرت کو دیا گیا ہے اسکی فطرت کو بھی وہی ملے یہ تعلق جیسا کہ وہبی طور پر انسانی فطرت میں موجود ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی جنس ہے ایسا ہی کسبی طور پر بھی یہ تعلق زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے یعنی جب ایک انسان یہ چاہتا ہے کہ جو فطرتی محبۃ اور فطرتی ہمدردی بنی نوع کی اسمیں موجود ہے اسمیں زیادت ہو تو بقدر دائرہ فطرت اور مناسبت کے زیادت بھی ہو جاتی ہے اسی بنا پر قوت عشقی کا تموج بھی ہے کہ ایک شخص ایک شخص سے اسقدر محبت بڑھاتا ہے کہ بغیر اسکے دیکھنے کے آرام نہیں کر سکتا آخر اسکی شدت اس دوسرے شخص کے دل پر بھی اثر کرتی ہے اور جو شخص انتہا درجہ پر کسی سے محبت کرتا ہے وہی شخص کامل طور پر اور سچے طور پر اُسکی بھلائی بھی چاہتا ہے چنانچہ یہ امر بچوں کی نسبت انکی ماں کی طرف سے مشہود اور محسوس ہے۔

سو اصل جڑ شفاعت کی یہی محبت ہے جبکہ اس کے ساتھ فطرتی تعلق بھی ہو کیونکہ بجز فطرتی تعلق کے محبت کا کمال جو شرط شفاعت ہے غیر ممکن ہے اس تعلق کو انسانی فطرت میں داخل کرنے کے لیے حوا کو علیحدہ پیدا نہ کیا بلکہ آدم کی

بقیہ حاشیہ ہوتا ہے فرشتوں کو یہ حکم ہوتا ہے کہ اسکے آگے سجدہ میں گریں یعنی کامل طور پر اسکی اطاعت کریں گویا وہ اسکو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ حکم فرشتوں کی فطرۃ کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے کوئی مستحدث امر نہیں ہوتا۔ یعنی ایسے شخص کے مقابل پر جسکا وجود خدا کی صورت پر آجاتا ہے خود فرشتے طبعاً محسوس کر لیتے ہیں کہ اب اسکی خدمت کے لیے ہمیں گرنا چاہیے اور ایسے قصے درحقیقت قصے نہیں ہیں بلکہ قرآن کریم میں عادت الٰہی اسی طرح واقع ہے کہ اُن قصوں کے نیچے کوئی علمی حقیقت ہوتی ہے پس اسجگہ یہی علمی حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس قصہ کے پیرایہ میں ظاہر کرنا چاہا ہے کہ کامل انسان کی نشانی کیا ہے پس فرمایا کہ انسان کامل کی پہلی نشانی یہ ہے کہ انسانی خلقت کے کسی حصہ میں وہ کم نصیب نہ ہو اور اسکے روحانی جسمانی اعضا نے بشری بناوٹ سے پورا حصہ لیا ہو اور بکمال اعتدال پر اسکی فطرۃ واقع ہو (۲) اور دوسری نشانی یہ ہے کہ الٰہی روح نے اسکے اندر دخول کیا ہو (۳) اور تیسری یہ نشانی ہے کہ فرشتے اسکو سجدہ کریں یعنی تمام فرشتے جو زمین اور آسمان کے کام میں لگے ہوئے ہیں اُسکے خادم ہوں اور اسکی منشا کے موافق کام کریں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کا تمام لشکر ملائکہ کا بھی اس شخص کے ساتھ ہو جاتا ہے اور اسکی طرف جھک جاتا ہے تب ہر ایک میدان میں اور ہر ایک مشکل کے وقت میں فرشتے اُسکی مدد کرتے ہیں اور اسکی اطاعت کیلیے ہر دم کمر بستہ رہتے ہیں گویا وہ ہر وقت اسکے سامنے سجدہ میں ہیں کیونکہ وہ خدا کا خلیفہ ہے لیکن ان باتوں کو زمینی خیال کے لوگ سمجھ نہیں سکتے کیونکہ آسمانی روح کو انکو حصہ نہیں دیا گیا۔ منہ

تا زیادتی کرو اور جو کوئی یہ کام کرے اُس نے بُرا کیا اپنا + فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن سورۂ بقرہ - تو اب نہ رکو
اُن کو کہ نکاح کر لیں اپنے خاوندوں سے -

سو چہارم صحیح نکاح میں طرفین کی رضامندی اور باہمی پسندیدگی جیسے آیت فانکحوا ما طاب لکم - اور حدیث عقبہ بن
عامر سے ثابت ہے انہٗ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِرَجُلٍ اَتَرْضٰی اَنْ اُزَوِّجَکَ فُلَانَۃَ قَالَ نَعَمْ وَقَالَ
لِلْمَرْاَۃِ اَتَرْضَیْنَ اَنْ اُزَوِّجَکِ فُلَانًا قَالَتْ نَعَمْ فَزَوَّجَ اَحَدُھُمَا صَاحِبَہٗ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک شخص سے پوچھا کہ آیا تو راضی ہے اسپر کہ تیرا نکاح فلاں عورت کے ساتھ کرا دوں اُس نے کہا ہاں پھر آپ نے ایک عورت
سے فرمایا کہ آیا تو راضی ہے اسپر کہ تیرا نکاح فلاں مرد کے ساتھ کرا دوں اُس نے عرض کیا ہاں - پس آپ نے اُن دونوں کا نکاح کرا دیا -

اور طرفین کے اولیا اور اقارب کی رضامندی جو حدیث لا نکاح الا بولی وشاھدی عدل - احمد دارقطنی بیہقی نے
روایت کی - ثابت ہے - اور پھر اگر خاوند کوئی بدسلوکی کرے یا کہیں بےخبر ہو کر چلا جاوے - یا ایسے امراض اور اسباب میں گرفتار
ہو جاوے جس سے عورت کو ضرر ہو تو اُسپر فرمایا ولا تمسکوھن ضرارا - اور مت بند کرو اُن کے ستانے کو - ولا تضاروا
ھن - سورہ طلاق - اور ایذا نہ پہونچاؤ اُن کو - ما جعل علیکم فی الدین من حرج سورہ حج - نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل
جو کوئی خدا سے ڈرے شرعی احکام پر پابند ہو اور آیات متذکرہ بالا پر عمل کرے اُسے کوئی تکلیف نہیں - ومن یتق اللہ
یجعل لہ مخرجا - سورۂ طلاق - اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دیتا ہے اُس کا گذارہ +

طلاق کے متعلق اسلام اور دوسرے مذاہب

یہ ثابت ہو چکنے کے بعد کہ طلاق ایک فطری اور قانون قدرت کے موافق مسئلہ ہے
یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اس مسئلہ میں بھی سب مذاہب سے افضل
ترین ہے اور جو راہ اُس نے اختیار کی ہے کسی اور مذہب میں موجود نہیں ہے

آریہ سماج کا تو ذکر ہی فضول ہے کیونکہ اس نے اس مسئلہ کو جائز ہی نہیں رکھا ہاں اس کے بالمقابل ایک نیوگ کا مسئلہ جو ایسا
حیا سوز اور غیرت کش ہے کہ ہم اس کے ذکر اور تفصیل سے اس تفسیر القرآن کو پاک رکھنا چاہتے ہیں جیسے انہوں نے خلاف فطرت
طلاق کو نہیں رکھا ویسے ہی خلاف فطرت و محبت نیوگ کو جائز رکھا ہے + یعنے طلاق تو ایک فطرتی مسئلہ تھا -

عیسائیوں نے طلاق کے اسباب میں سے صرف زنا ایک سبب رکھا ہے یعنی انجیل میں یہی سبب درج ہے لیکن اس فیصلہ کے
نامکمل اور غیر مشروع ہونے کے لیے عیسائی گورنمنٹ کا اپنا قانون ہی کافی ہے کیونکہ آخر ولایت میں طلاق کا قانون پاس ہو گیا
جو اسلام کی صداقت پر زبردست دلیل ہے +

یہودیوں میں طلاق کے متعلق یہ قباحت تھی کہ وہ قیود اور پابندیوں کے ساتھ نہ تھا بلکہ مرد جب چاہے طلاق دے سکتا تھا خواہ
کوئی وجہ ہو یا نہ ہو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی طلاق دے تو طلاق نامہ لکھدے - اور پھر مطلقہ عورت پر یہ جبر تھا
کہ کوئی اس کے ساتھ نکاح نہ کرے جیسا کہ احبار ۲۱ میں لکھا ہے وہ اس عورت کو جو فاحشہ یا بےحرمت ہے نکاح نہ کریں اور نہ
اُس عورت کو جسے اُس کے شوہر نے طلاق دیا ہو +

اب ان مذاہب کے مسائل متعلق طلاق پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ افراط اور تفریط میں پڑے ہوئے ہیں لیکن
اسلام جو صراط مستقیم اور اعتدال پر واقع ہے اس نے طلاق کو عین حکمت اور سراسر دانش اور اصول فطرت کے موافق قائم کیا ہے -
اور اس کا زبردست ثبوت یہ ہے کہ آخر عیسائی گورنمنٹ کو بھی قانون طلاق پاس کرنا پڑا +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کو آخری صورتوں میں جائز رکھا ہے اور اس کے لیے ایسی شرائط مقرر کی ہیں کہ جہاں تک ممکن
ہو پھر رجوع اور تعلقات قائم رہ سکیں - اول یہ کہ طہر میں طلاق دے تاکہ ایام حیض میں جو عارضی مفارقت ہے وہ کسی تنفر یا غصہ کا
باعث نہ ہوئی ہو دوم ایکبار طلاق دے اور عدت کی میعاد کافی رکھی تاکہ پھر رجوع کرے سوم عدت کے بعد بھی ملاپ کی صورت رکھی

۲۹۱
۲۸
ع
۱۱

اس لیے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے افعال ظاہر کیے جنسے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درحقیقت تمام چیزوں پر خدا کو اختیار کرلیا تھا اور آپ کے ذرہ ذرہ اور رگ وریشہ میں خدا کی محبت اور خدا کی عظمت ایسی رچی ہوئی تھی کہ گویا آپ کا وجود خدا کی تجلیات کے پورے مشاہدہ کے لیے ایک آئینہ کی طرح تھا - خدا کی محبت کاملہ کے آثار جس قدر عقل سوچ سکتی ہے وہ تمام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے - یہ ظاہر ہے کہ ایک شخص جو کسی دوسرے شخص سے محبت کرتا ہے وہ یا تو اس کے کسی احسان کیوجہ سے اس سے محبت کرتا ہے اور یا اُس کے حسن کی وجہ سے - کیونکہ جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے اس وقت سے آجتک تمام بنی آدم کا متفق علیہ یہ تجربہ ہے کہ احسان محبت کی تحریک کرتا ہے اور باوجودیکہ بنی آدم اپنی طبائع میں بہت سا اختلاف رکھتے ہیں - تاہم جمیع افراد انسانی کے اندر یہ خاصیت پائی جاتی ہے - کہ وہ احسان سے ضرور بقدر اپنی استعداد کے متاثر ہو کر محسن کی محبت دل میں پیدا کرلیتے ہیں یہانتک کہ نہایت خبیس اور سنگدل اور کمینہ فرقہ انسانوں کا جو چور اور ڈاکو اور دیگر جرائم پیشہ لوگ ہیں جو بذریعہ مختلف قسم کے جرائم کے وجہ معاش پیدا کرتے ہیں وہ بھی احسان سے متاثر ہوجاتے ہیں - مثلاً ایک چور جس کا نقب زنی کام ہے اگر اس کو رات کے وقت دو گھروں میں نقب لگانے کا موقع ملے اور ان دونوں میں سے ایک ایسا شخص ہو جو کبھی اس نے اسکے ساتھ نیکی کی تھی اور دوسرا محض اجنبی ہو تو اس چور کی فطرۃ باوجود سخت ناپاک ہونے کے ہرگز اس بات کو پسند نہیں کریگی کہ نقب زنی کے وقت اجنبی کے گھر کو تو عمداً چھوڑ دے اور اس اپنے دوست کے گھر میں نقب لگا دے بلکہ انسان تو انسان حیوانات اور درندوں میں بھی یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ وہ احسان کرنے والے پر حملہ نہیں کرتے چنانچہ اس بارہ میں کتّے کی سیرت اور خصلت اکثر انسانوں کے تجربہ میں آچکی ہے کہ کس قدر وہ اپنے محسن کی اطاعت اختیار کرتا ہے پس اسمیں کچھ بھی شک نہیں کہ احسان موجب محبّت ہے ایسا ہی حسن کا موجب محبت ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ حسن کے مشاہدہ میں ایک لذۃ ہے اور انسان ایسی چیز کیطرف طبعاً میل کرتا ہے جس سے اسکو لذت پیدا ہوتی ہے اور حسن سے مراد صرف جسمانی نقوش نہیں ہیں کہ آنکھ ایسی اور ناک ایسی ہو اور پیشانی ایسی ہو اور رنگ ایسا ہو بلکہ اُس سے مراد ایک ذاتی خوبی اور ذاتی کمال اور ذاتی لطافت ہے جو کمال اعتدال اور بے نظیری سے ایسے مرتبہ پر واقع ہو جو اس میں ایک کشش پیدا ہو جاوے پس تمام وہ خوبیاں جن کو انسانی فطرت تعریف میں داخل کرتی ہے حسن میں داخل ہوتی ہیں اور انسان کا دل ان کی طرف کھینچا جاتا ہے مثلاً ایک شخص ایک ایسا پہلوان بہادر سرآمد روزگار نکلا ہے کہ کوئی شخص کشتی میں اس کے ساتھ برابری نہیں کرسکتا اور نہ صرف اسی قدر بلکہ وہ شیروں کو بھی ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے اور میدان جنگ میں اپنی شجاعت اور طاقت سے ہزار آدمی کو بھی شکست دیسکتا ہے اور ہزاروں دشمنوں کے محاصرہ میں آکر جان بچا کر نکل جاتا ہے تو ایسا شخص بالطبع دلونکو اپنی طرف کھینچیگا اور لوگ ضرور اس سے محبت کرینگے اور گو لوگوں کو اسکی بیمثل پہلوانی اور شجاعت سے کچھ بھی فائدہ نہ ہو بلکہ وہ کسی دور دراز ملک کا رہنے والا ہو جسکو دیکھا بھی نہ ہو یا اس زمانہ سے وہ پہلے گذر چکا ہو مگر تاہم لوگ اس کے قصوں کو محبت سے سُنیں گے اور اس کے ان کمالات کی وجہ سے اس سے محبت کرینگے سو اس محبت کی کیا وجہ ہے !!!

کیا اس نے کسی پر احسان کیا ہے - ظاہر ہے کہ احسان تو اُس نے کسی پر نہیں کیا پس بجز حسن کے اس کی کوئی اور وجہ نہیں پس کچھ شک نہیں کہ یہ تمام روحانی خوبیاں حسن ہیں اور ان کا نام حسن اخلاق اور حسن صفات ہے جو حسن اعضا کے مقابل پر واقع ہے اور احسان میں اور حسن اخلاق اور حسن صفات میں یہ فرق ہے کہ کسی شخص کے نیک خلق یا نیک صفت کو اس وقت اور اُس شخص کی نسبت احسان کے نام سے موسوم کیا جائے گا جبکہ ایک شخص اس نیک خلق یا نیک صفت سے متمتع ہو جائے اور اس سے کوئی فائدہ اُٹھائے - پس وہ شخص جو اس نیک خلق یا نیک صفت سے فائدہ اُٹھائے گا اسکی نسبت وہ نیک خلق یا نیک صفت احسان ہوگا جسکا ذکر بطور مدح اور شکر کے وہ کرے گا - لیکن دوسرے لوگوں کی نسبت وہ نیک خلق اس کا حسن میں داخل ہوگا - مثلاً صفت فیاضی اور سخاوت اس شخص کے حق میں احسان ہے جو فیضیاب ہوا مگر دوسروں کی نظر

.... نہ اُس شخص سے جو اسکو ایسی صورتوں میں اپنے گھر سے نکالدے ناموافقت سے عورت کو ایسی سختی ہے جس میں طلاق سے زیادہ بے رحمی ہے - طلاق ایک مصیبت ہے جو ایک بدتر مصیبت کے عوض اختیار کیجاتی ہے - تمام معاہدے بدعہدی سے ٹوٹ جاتے ہیں پھر اسپر کونسی معقول دلیل ہے کہ نکاح کا معاہدہ ٹوٹ نہیں سکتا اور کیا وجہ کہ نکاح کی نوعیت تمام معاہدوں سے مختلف ہے - عیسیٰ نے زنا کی شرط سے طلاق کی اجازت دی مگر آخر اجازت تو دیدی نکاح ملاپ کیلیے ہے اس لیے نہیں کہ ہم دائمی تنازعہ اور نزاع کے باعث سے پریشان خاطر رہیں (خلاصہ تقریر جان ملٹن) +

طلاق پر حکیم الامۃ کی سنہری نظر

مختلف اسباب سے میاں بی بی میں جدائی کی نوبت پہونچتی ہے اور باہمی نہایت تنفر پیدا ہوجاتا ہے - گو اسلام نے جدائی کی روکیں رکھدی تھیں اور فرمایا فانکحوا ما طاب لکم من النساء تو نکاح کرو جو تم کو خوش آویں عورتیں - اس آیت میں حکم دیا بی بی کو قبل نکاح پسند کرلو پھر نکاح کرو اور فرمایا وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً و یجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً سورہ نساء اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ معقول (جو لوگوں میں پسند ہو) پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تمکو بھاوے ایک چیز اور اللہ رکھے اُس میں بہت خوبی - ناظرین! منصفانہ طور پر اس آیت کے معنی میں غور کرو - تاکید معاشرت کے واسطے قرآن مجید طور پر کیسے سخت اور لطیف طرز اختیار کرتا ہے - اس آیت میں فرمایا اگر کسی باعث سے بی بی ناپسند اور ناگوار ہو تب بھی سلوک ہی کرو - اس سلوک کے بدلے ہم تمکو بہت ہی بھلائی دیں گے !!!

اس عجیب و غریب انعام کے سُننے پر بھی اگر کوئی کاربند نہ ہو تو اور تدابیر فرمائیں دیکھو والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن سورۂ نساء - اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تمکو تو انکو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو - وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکماً من اھلہ وحکماً من اھلھا ان یریدا اصلاحاً یوفق اللہ بینھما سورۂ نساء - اور اگر تم لوگ ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے - اگر یہ دونوں چاہیں گے صلح تو اللہ ملاپ دیگا اُن میں +

وامسک علیک زوجک واتق اللہ - سورۂ احزاب - رہنے دے اپنے پاس اپنی جورو اور ڈر اللہ سے - والصلح خیر سورۂ نساء - اور صلح اچھی بات ہے - وبعولتھن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحاً سورہ بقرہ - اور اُن کے خاوندوں کو پہونچتا ہے پھیر لینا اُن کا اگر چاہیں صلح کرلیں - ہاں زنا کا بدفعل اگر عورت سے سرزد ہو - اور یہ فعل منشائے نکاح کے بالکل خلاف تھا اس کے ظہور کے وقت فرمایا ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اتیتموھن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ سورۂ نساء - اور نہ اُن کو بند کرو کہ لے لو اُن سے کچھہ اپنا دیا مگر جب وہ کریں بےحیائی - ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ - سورۂ طلاق - پارہ - ۲۸ -

جب ان تدابیر باہمی معاشرت میں فتور ہوا - اور دلی روابط زن وشو سے ٹوٹ گئے تو صرف جسمانی تعلق کو جو ایک جسم بلا روح تھا روحانی شارع نے پسند نہ فرمایا اور طلاق کی اجازت بخشی - لاکن ایک ہی طلاق کی اور تین مہینے تک باہمی مصالحہ کی مہلت دی اور فرمایا اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ واتقوا اللہ سورہ طلاق - اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو اُن کو طلاق دو اُن کی عدت پر اور گنتے رہو عدت اور ڈرو اللہ سے - واسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن - سورۂ طلاق - گھر دو انکو رہنے کو جہاں سے آپ رہو اپنے مقدور سے اور ایذا نہ چاہو اُن کی یا تنگ پکڑو اُن کو - فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف سورۂ طلاق - پھر جب پہونچیں اپنے وعدہ کو تو رکھلو اُن کو دستور سے یا چھوڑ دو اُن کو دستور سے - ولا تمسکوھن ضراراً لتعتدوا ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ سورۂ بقرہ اور مت بند کرو اُن کے ستانے کو

۲۹۰
۲۸
ع
۱۱

گیا ہوں میری تمام عبادتیں خدا کے لیے ہو گئی ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر ایک انسان جب تک وہ کامل نہیں خدا کے لیے خالص طور پر عبادت نہیں کر سکتا۔ بلکہ کچھ عبادت اسکی خدا کے لیے ہوتی ہے اور کچھ اپنے نفس کے لیے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کی عظمت اور بزرگی چاہتا ہے جیسا کہ خدا کی عظمت اور بزرگی کرنی چاہیے اور یہی عبادة کی حقیقت ہے اور ایسا ہی ایک حصہ اس کی عبادت کا مخلوق کے لیے ہوتا ہے کیونکہ جس عظمت اور بزرگی اور قدرت اور تصرف کو خدا سے مخصوص کرنا چاہیے اُس عظمت اور قدرت کا حصہ مخلوق کو بھی دیتا ہے اس لیے جیسا کہ وہ خدا کی پرستش کرتا ہے نفس اور مخلوق کی بھی پرستش کرتا ہے بلکہ عام طور پر جمیع اسباب سفلیہ کو اپنی پرستش سے حصہ دیتا ہے کیونکہ خدا کے ارادہ اور تقدیر کے مقابل ان اسباب کو بھی کارخانہ محو و اثبات میں دخیل سمجھتا ہے پس ایسا انسان خدا تعالیٰ کا سچا پرستار نہیں ٹھہر سکتا جو کبھی خدا کی عظمت کا اپنے نفس کو شریک ٹھہراتا ہے۔ اور کبھی مخلوق اور کبھی اسباب کو بلکہ سچا پرستار وہ ہے جو خدا کی تمام عظمتیں اور تمام بزرگیاں اور تمام تصرف خدا کو ہی دیتا ہے نہ کسی اور کو۔ اور جب اس مرتبہ توحید پر انسان کی پرستش پہنچ جائے تب حقیقی طور پر وہ خدا کا پرستار کہلاتا ہے اور ایسا انسان جیسا کہ زبان سے کہتا ہے کہ خدا وحدہ لا شریک ہے ایسا ہی وہ اپنے فعل سے یعنی اپنی عبادت سے بھی خدا کی توحید پر گواہی دیتا ہے پس اسی مرتبہ کاملہ کی طرف اشارہ ہے جو آیت مذکورہ بالا میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ تو لوگوں کو کہدے کہ میری تمام عبادتیں خدا کے لیے ہیں یعنی نفس کو اور مخلوق کو اور اسباب کو میری عبادت میں سے کوئی حصہ نہیں۔

اور پھر بعد اس کے فرمایا کہ میری قربانی بھی خاص خدا کے لیے ہے اور میرا جینا بھی خدا کے لیے ہے۔ یاد رہے کہ نسیکہ لغت عرب میں قربانی کو کہتے ہیں اور لفظ نسک جو آیۃ میں موجود ہے اسکی جمع ہے اور نیز دوسرے معنی اس کے عبادت کے بھی ہیں پس اسجگہ ایسا لفظ استعمال کیا جس کے معنے عبادت اور قربانی دونوں پر اطلاق پاتے ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کامل عبادت جس میں نفس اور مخلوق اور اسباب شریک نہیں ہیں درحقیقت ایک قربانی ہے اور کامل قربانی درحقیقت کامل عبادت ہے اور پھر بعد اس کے جو فرمایا کہ میرا جینا بھی خدا کے لیے ہے اور میرا مرنا بھی خدا کے لیے یہ آخری فقرہ قربانی کے لفظ کی تشریح ہے تا کوئی اس وہم میں نہ پڑے کہ قربانی سے مراد بکرے کی قربانی یا گائے کی قربانی یا اونٹ کی قربانی ہے اور تا اس لفظ سے کہ میرا جینا اور میرا مرنا خاص خدا کے لیے ہے صاف طور پر سمجھا جائے کہ اس قربانی سے مراد روح کی قربانی ہے اور قربانی کا لفظ قرب سے لیا گیا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کا قرب تب حاصل ہوتا ہے کہ جب تمام نفسانی قویٰ اور نفسانی جنبشوں پر موت آجائے غرض یہ آیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قرب تام پر ایک بڑی دلیل ہے اور یہ آیت بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسقدر خدا میں گم اور محو ہو گئے تھے کہ آپ کی زندگی کے تمام انفاس اور آپ کی موت محض خدا کے لیے ہو گئی تھی اور آپ کے وجود میں نفس اور مخلوق اور اسباب کا کچھ حصہ باقی نہیں رہا تھا اور آپ کی روح خدا کے آستانہ پر ایسے اخلاص سے گری تھی کہ اسمیں غیر کی ایک ذرہ آمیزش نہیں رہی تھی پس اسطرح پر آپ نے اس شرط کے حصہ کو پورا کیا جو شفیع کے لیے ایک لازمی شرط ہے۔ اور آخری فقرہ آیۃ مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ میرا جینا اور مرنا اُس خدا کے لیے ہے جو تمام جہان کی پرورش میں لگا ہوا ہے اسمیں یہ اشارہ ہے کہ میری قربانی بھی تمام جہان کی بھلائی کے لیے ہے ایسا ہی دوسرا حصہ شفاعت کا ہمدردی مخلوق ہے اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ آیت دَنَا فَتَدَلّٰی کا دوسرا لفظ تَدَلّٰی اسی ہمدردی پر دلالت کرتا ہے۔ یاد رہے کہ تَدَلّٰی کا مجرد دلو ہے اور دلو کہتے ہیں ڈول کو کنوئیں کے اندر ڈبونا تا پانی اُس کے اندر بھر جائے اور دوسرے معنے دلو کے یہ ہیں کہ کسیکو اپنا شفیع پکڑنا۔ پس تَدَلّٰی کے یہ معنے ہیں کہ شفاعت کے لیے دور افتادہ لوگوں کی طرف بکمال ہمدردی و غمخواری توجہ کرنا اور ان سے بہت نزدیک ہو کر ان کا مکدر پانی اُٹھانا اور پاک پانی انکو عطا کرنا۔

اور چونکہ خدا سے محبت کرنا اور اسکی محبت میں اعلیٰ مقام قرب تک پہنچنا ایک ایسا امر ہے جو کسی غیر کو اس پر اطلاع نہیں ہو سکتی

رکوع
۱۲

طلاق کے متعلق مزید احکام بتلائے جاتے ہیں اور طلاق عدم طلاق کی صورت میں بھی احسان اور معروف طریق کے ملحوظ رکھنے کی ہدایت ہوتی ہے +

حکم دیا جاتا ہے کہ جو کچھ عورتوں کو دیہ رہا ہے انہیں سے کچھ مت لو لیکن اگر احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہو اور بیوی الگ ہونا چاہے اور وہ کچھ دیکر الگ ہو جاوے تو حرج نہیں - حدود اللہ سے تجاوز کرنا انسان کو ظالم بنا دیتا ہے اس سے بچو - بعد طلاق کامل وہ عورت کسی طرح پہلے خاوند کی بی بی نہیں ہو سکتی ہاں اسکی ایک صورت ہے کہ جب اس اپنے خاوند کے تعلق سے آزاد ہو گئی اور عورت نے اس علیحدگی اور قطع تعلق کے بعد کسی اور شخص سے حسب اجازت شرع اسلام نکاح کر لیا اور اس دوسرے نے بھی اسباب طلاق پر طلاق دیدیا اور اس طلاق کے بعد اس دوسرے شخص سے کوئی تعلق اس عورت کا نہیں اور اب یہ مجاز ہے کہ کسی شخص سے نکاح کرے تو اس دوسرے خاوند کے بعد یہ عورت مجاز ہے کہ پہلے شوہر سے نکاح کرے یا کسی اور بستر سے کیونکہ ممکن ہے اب تجربہ نے اسکو عاقبت اندیشی سکھا دی ہو -

دکھ دینے کے لیے معلق عورت کو رکھنے سے منع کیا جاتا ہے جو بعض شریر کرتے ہیں کہ نہ طلاق دیتے ہیں اور نہ آباد کرتے ہیں ایسا کرنا خطرناک ظلم ہے اس سے منع کیا جاتا ہے کہ آیات اللہ پر ہنسی اور ٹھٹھا نہ اڑاؤ - اور انعام الٰہی کا ذکر کرو جس سے محبت الٰہی پیدا ہو گی کتاب اور حکمت جو کچھ بھی تمپر نازل ہوا اسکی غرض یہ ہے کہ تم متقی بن جاؤ - اور متقی بننے کا گر بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو بکلشئ علیم یقین کرو +

عام مطالب اس رکوع کے عام مطالب میں سے وہی مسئلہ طلاق ہے جسپر ہم پہلے مبسوط بحث کر چکے ہیں اس لیے اب صرف ترجمہ کافی ہے اور بعض ضروری مقامات پر ضروری نوٹ +

ع ۲۹۳ ۸ ۱۲

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْھُنَّ شَيْـــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْھِمَا فِـيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰي تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْھِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُھَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَاَمْسِكُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ ھُزُوًا ۡ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

البقرہ

اسکی لذت ہوتی ہے اور اسی میں اسکی راحت ہوتی ہے وہ اُس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ اور قوت پانے کے لیے جو الفاظ
خدا کے کلام میں مقرر کیے گئے ہیں وہی ہیں جو استغفار کے نام سے مشہور ہیں۔

ضرورۃ شفاعۃ

ممکن ہے کہ اس جگہ کوئی شخص یہ سوال بھی پیش کرے کہ انسان کو شفاعت کی کیوں ضرورت ہے اور کیوں
جائز نہیں کہ ایک شخص براہ راست توبہ اور استغفار کر کے خدا سے معافی حاصل کرے۔ اس سوال کا جواب
قانون قدرت خود دیتا ہے کیونکہ یہ بات مسلم ہے اور کسیکو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان بلکہ تمام
حیوانات کی نسل کا سلسلہ شفاعت پر ہی چل رہا ہے کیونکہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ شفاعت کا لفظ شفع سے نکلا ہے جس کے
معنی ہیں جُفت پس ہمیں کیا شک ہو سکتا ہے کہ تمام برکات تناسل شفع سے ہی پیدا ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں ایک انسان
کے اخلاق اور قوت اور صورت دوسرے انسان میں اسی ذریعہ سے آجاتے ہیں یعنی وہ ایک جوڑ کا ہی نتیجہ ہوتا ہے ایسا ہی
ایک حیوان جو دوسرے سے پیدا ہوتا ہے مثلاً بکری بیل گدھا وغیرہ اور وہ تمام قویٰ جو ایک حیوان سے دوسرے میں منتقل
ہوتے ہیں وہ بھی درحقیقت ایک جوڑ کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ پس یہی جوڑ جب ان معنوں سے لیا جاتا ہے کہ ایک ناقص کامل سے
روحانی تعلق پیدا کر کے اس کی روح سے اپنی کمزوری کا علاج پاتا ہے اور نفسانی جذبات سے محفوظ رہتا ہے تب اس جوڑ کا
نام شفاعت ہے جیسا کہ چاند سورج کے مقابل ہو کر ایک قسم کا اتحاد اور جوڑ اس سے حاصل کرتا ہے تو معاً اس نور کو حاصل
کر لیتا ہے جو آفتاب میں ہے اور چونکہ اس روحانی جوڑ کو جو پر محبت دلوں کو انبیا کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اس جسمانی جوڑ
سے ایک مناسبت ہے جو زید کو مثلاً اپنے باپ سے ہے۔ اس لیے یہ روحانی فیضیاب بھی خدا کے نزدیک اولاد کہلاتے
ہیں اور اس تولد کو کامل طور پر حاصل کرنے والے وہی نقوش اور اخلاق اور برکات حاصل کر لیتے ہیں جو نبیوں میں موجود
ہوتے ہیں پس دراصل یہی حقیقت شفاعت ہے اور جسطرح جسمانی شفع یعنی جوڑ کا یہ لازمہ ذاتی ہے کہ اولاد مناسب حال اس
شخص کے ہوتی ہے جس سے یہ جوڑ کیا گیا ہے ایسا ہی روحانی شفع کا بھی خاصہ ہے غرض یہی حقیقت شفاعت ہے کہ خدا کا
قانون جسمانی اور روحانی اسطرح پر قدیم سے [illegible] واقع ہے کہ تمام برکات جوڑ سے
ہی پیدا ہوتی ہیں صرف یہ فرق ہے کہ ایک قسم کو شفع کہا گیا ہے اور دوسری قسم کا نام شفاعت رکھا گیا ہے اور انسان کو
جسطرح کہ سلسلہ تناسل کے محفوظ رکھنے کے لیے شفع کی ضرورت ہے ایسا ہی روحانیت کا سلسلہ باقی رکھنے کے لیے
شفاعت کی ضرورت ہے اور خدا کے کلام نے دونوں کو بیان فرما دیا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ اللہ تعالے قرآن شریف
میں یہ فرماتا ہے کہ خدا نے آدم کو جوڑا پیدا کیا اور پھر اس جوڑہ سے مخلوق مرد اور عورت پیدا کیے اور ایسا ہی فرماتا ہے
کہ خدا نے زمین پر اپنا خلیفہ پیدا کیا جو آدم تھا جس میں خدائی روح تھی پھر وہ نور آدم سے دوسرے نبیوں میں منتقل ہو گیا
اور ابراہیم اور اسحٰق اور اسمٰعیل اور یعقوب اور موسیٰ اور داؤد اور عیسیٰ وغیرہم سب اس نور کے وارث ہوئے یہاں
تک کہ آخری وارث ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے پس ان تمام پاک نبیوں نے جیسا کہ آدم سے وراثت
میں جسمانی نقوش پائے ایسا ہی بحیثیت خلیفہ ہونے آدم کے اس سے خدائی روح بھی پائی پھر ان کے ذریعہ سے وقتاً
فوقتاً اور لوگ بھی وارث ہوتے گئے ✦

قرآن شریف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ثبوت

اور قرآن شریف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بارہ میں مختلف مقامات میں
ذکر فرمایا گیا ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ
یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ترجمہ کہہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ
میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمھارے گناہ بخشے اب دیکھو کہ یہ آیت
کسقدر صراحت سے بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا جس کے لوازم میں سے محبت اور تعظیم اور
اطاعت آنحضرۃ صلے اللہ علیہ وسلم ہے اس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ انسان خدا کا محبوب بنجاتا ہے اور اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں

اور پہلے خاوند سے تعلق ہونے کو ازکی و اطہر فرمایا۔ چہارم تیسری دفعہ آخر طلاق پر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ تعلقات قائم نہیں رہ سکتے پھر رجعت نہیں ہو سکتی جب تک کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ ہوا ہو اور پھر واقعی اسباب سے پھر طلاق ہوئی ہو اس میں یہ حکمت ہے کہ اگر مرد اور عورت میں محبت کا کوئی شمہ باقی ہے تو وہ اس امر سے خائف ہو کر تیسری طلاق کا ارادہ نہ کرینگے غرض اسلام نے نہ عورت کی بے حرمتی کی ہے کہ جب چاہے چھوڑ دے اور نہ غیر مشروط قید ہے کہ کسی صورت میں الگ ہی نہ ہو خواہ وہ کیسی ہی مشکلات خطرناک میں پھنسے +

ہماری رائے میں طلاق کے متعلق اسیقدر بحث کافی ہے۔ اور اب اسکے بعد ان آیات کا صرف ترجمہ ہی کافی ہے جو طلاق کے متعلق ہیں جو ہم نے شروع میں کر دیا ہے +

مختلف صفات الٰہی کا راز اس رکوع میں مختلف مقامات پر اللہ تعالٰے کی مختلف صفات کا ذکر ہوا ہے اسلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے استعمال میں جو سر معلوم ہوا ہے وہ بھی درج کر دیا جاوے۔

(اوّل) لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِاَيْمَانِكُمْ میں سمیع علیم آیا ہے اس مقام پر ان صفات کے آنے میں یہ سر ہے کہ چونکہ قسم کی ہاڑ بنانے سے منع کیا ہے اور انسان جو افعال حسنہ سے ہی بعض اوقات اپنی بے وقوفی یا جلد بازی سے قسم کھا لیتا ہے کہ میں نہیں کرونگا۔ اور پھر اسی قسم کی وجہ سے اڑ بیٹھتا ہے کہ اب میں یہ کام نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے قسم کھائی ہے یہ نامناسب ہے اسکا نتیجہ خطرناک ہے اسلئے ایسے طریق سے باز رہنا چاہئے اور اپنی زبان کو قابو میں رکھنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ کوئی بات کہدو اور سمیع و علیم خدا اسپر نتیجہ مترتب کرے۔ نیز جب اچھی باتوں میں علے العموم قسم مناسب نہیں تو بری بات پر قسم کیسی بری ہے۔

(دوم) لغو قسم میں عدم گرفت کے ذکر پر فرمایا۔ واللہ غفور حلیم لغو قسم کی تشریح تو ہم پہلے کر چکے ہیں اب صرف اسقدر ہی بتانا کافی ہے اگر اللہ تعالٰے تشدد کرتا تو ان لغو قسموں میں بھی گرفت کر سکتا تھا مگر نہیں وہ پردہ پوشی فرماتا ہے اور اپنے حلم سے کام لیتا ہے اسلئے غفور حلیم آیا ہے

(سوم) جو شخص اپنی بی بی کے پاس جانے پر قسم کھاتا ہے وہ کسی بڑے رنج کے باعث قسم کھاتا ہے اور اب جو رجوع کرتا ہے تو بیوی کی خطا درگذر کو معاف کرتا ہے اسلئے اللہ تعالٰے بھی اسکے اس فعل پر جزاء بالمثل کے طور پر اپنی صفت غفاری اور رحیمیت سے کام لیتا ہے۔

(چہارم) عزم طلاق میں فرمایا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ چونکہ طلاق کو اللہ تعالٰے نے آخری علاج تعلقات زن و شوہر کی بدظنی کا قرار دیا ہے اور وہ پسند فرماتا ہے جہانتک ممکن ہو معاشرت میں یہ نقص طلاق واقع نہ ہو۔ لیکن جب وہ علیحدگی اختیار کرتا ہے تو کوئی واقعی موجب ہوگا جسکے باعث رجوع نہیں کرتا یا شریر ہے پس چونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جسکو اللہ ہی جانتا ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اسلئے سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ فرمایا۔ کیونکہ اس طلاق کے نتائج اللہ تعالٰے ہی جانتا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ان یتفرقا۔ الآیہ۔

پنجم ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ واللہ عزیز حکیم۔ اسجگہ عزیز اور حکیم کی جو صفات استعمال ہوئی ہیں اسجگہ چونکہ انسان کو ایک فضیلت اور عزت دی ہے۔ اسلیے عزیز حکیم فرمایا یعنی یہ عزت یونہی خیالی طور پر نہیں دی بلکہ حکمت پر مبنی ہے۔ اس کا ثبوت دوسرے مقام پر یوں دیا ہے۔ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم۔ یعنی مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے یعنی قدرتی طور پر آدمیوں کو عورتوں پر قوام بنایا ہے اس کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے دوسرے یہ کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں پس اس عزت کی وجہ سے جو حکمت کے ساتھ دی گئی ہے عزیز حکیم فرمایا۔

۲۹۲
۲۸
ع
۱۱

میں حسن صفات سمجھا جائیگا۔
غرض خدا کا قانون قدرت اور صحیفۂ فطرت جس کا سلسلہ قدیم سے اور انسان کی بنیاد کے وقت سے چلا آتا ہے وہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ خدا کے ساتھ تعلق شدید پیدا ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے احسان اور حسن سے تمتع اُٹھایا ہو اور ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ احسان سے مراد خدا تعالیٰ کے اخلاقی نمونے ہیں جو کسی انسان نے اپنی ذات کی نسبت بچشم خود دیکھے ہوں مثلاً بیکسی اور عاجزی اور کمزوری اور یتیمی کے وقت میں خدا اُس کا متولی ہوا ہو اور حاجتوں اور ضرورتوں کے وقت میں خدا نے خود اُسکی حاجت برآری کی ہو اور سخت اور کمر شکن غموں کے وقت میں خدا نے خود اُسکی مدد کی ہو اور خدا طلبی کے وقت میں بغیر توسط کسی مرشد اور ہادی کے خود خدا نے اُسکی رہنمائی کی ہو اور حسن سے مراد بھی خدا تعالے کی وہی صفات حسنہ ہیں جو احسان کے رنگ میں ملاحظہ ہوتی ہیں۔ مثلاً خدا کی قدرت کاملہ اور رفق اور وہ لطف اور وہ ربوبیت اور وہ رحم جو خدا میں پایا جاتا ہے اور وہ عام ربوبیت اسکی جو مشاہدہ ہو رہی ہے اور وہ عام نعمتیں اس کی جو انسانوں کے آرام کے لیے بکثرت موجود ہیں اور وہ علم اس کا جسکو انسان نبیوں کے ذریعہ سے حاصل کرتا اور اس کے ذریعہ سے موت اور تباہی سے بچتا ہے اور اسکی یہ صفت کہ وہ بیقراروں درماندوں کی دعائیں قبول کرتا ہے اور اس کی یہ خوبی کہ جو لوگ اسکی طرف جھکتے ہیں وہ ان سے زیادہ ان کیطرف جھکتا ہے یہ تمام صفات خدا کی اس کے حسن میں داخل ہیں اور پھر وہی صفات ہیں کہ جب ایک شخص خاص طور پر ان سے فیضیاب بھی ہو جاتا ہے تو وہ اس کی نسبت احسان بھی کہلاتی ہیں گو دوسرے کی نسبت فقط حسن میں داخل ہیں اور جو شخص خدا تعالیٰ کی ان صفات کو جو درحقیقت اس کا حسن اور جمال ہے احسان کے رنگ میں بھی دیکھ لیتا ہے تو اس کا ایمان نہایت درجہ تک قوی ہو جاتا ہے اور وہ خدا کیطرف ایسا کھینچا جاتا ہے جیسا ایک لوہا آہن ربا کی طرف کھینچا جاتا ہے اس کی محبت خدا سے بہت بڑھ جاتی ہے اور اس کا بھروسا خدا پر بہت قوی ہو جاتا ہے اور چونکہ وہ اس بات کو آزما لیتا ہے کہ اسکی تمام بھلائی خدا میں ہے اسلیے اس کی اُمیدیں خدا پر نہایت مضبوط ہو جاتی ہیں اور وہ طبعاً نہ کسی تکلف اور بناوٹ سے خدا کیطرف جھکا رہتا ہے اور اپنے تئیں ہر دم خدا سے مدد پانے کا محتاج دیکھتا ہے اور اسکی ان صفات کاملہ کے تصور سے یقین رکھتا ہے کہ وہ ضرور کامیاب ہوگا کیونکہ خدا کے فیض اور کرم اور جود کے بہت سے نمونے اس کا چشم دید مشاہدہ ہوتا ہے اس لیے اس کی دعائیں قوت اور یقین کے چشمہ سے نکلتی ہیں اور اسکا عقد بہت نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے اور آخر کار بمشاہدہ آلا اور نعماء الٰہیہ کے نور یقین بہت زور کے ساتھ اس کے اندر داخل ہو جاتا ہے اور اس کی ہستی جل جاتی ہے اور بباعث کثرت تصور عظمت اور قدرت الٰہی کے اس کا دل خدا کا گھر ہو جاتا ہے اور جسطرح انسان کی روح اس کے زندہ ہونے کی حالت میں کبھی اس کے جسم سے جدا نہیں ہوتی اسی طرح خدائے قادر ذوالجلال کیطرف سے جو یقین اس کے اندر داخل ہوا ہے وہ کبھی اس سے علیحدہ نہیں ہوتا اور ہر وقت پاک روح اس کے اندر جوش مارتی رہتی ہے اور اسی پاک روح کی تعلیم سے وہ بولتا اور حقائق اور معارف اس کے اندر سے نکلتے ہیں اور خدائے ذوالعزۃ والجبروت کا خیمہ ہر وقت اس کے دل میں لگا رہتا ہے اور یقین اور صدق اور محبت کی لذت ہر وقت پانی کی طرح اس کے اندر بہتی رہتی ہے جسکی آبپاشی سے ہر ایک عضو اس کا سیراب نظر آتا ہے آنکھوں میں ایک جدا سیرابی مشہود ہوتی ہے پیشانی پر الگ ایک نور اس سیرابی کا لہراتا دکھائی دیتا ہے اور چہرہ پر محبت الٰہی کی ایک بارش برستی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور زبان بھی اس نور کی سیرابی سے پورا حصہ لیتی ہے ایسی طرح تمام اعضا پر ایک ایسی شگفتگی نظر آتی ہے جیساکہ ابر بہار کے برسنے کے بعد موسم بہار میں ایک دلکش تازگی درختوں کی ٹہنیوں اور پتوں اور پھولوں اور پھلوں میں محسوس ہوتی ہے لیکن جس شخص میں یہ روح نہیں اُتری اور یہ سیرابی اسکو حاصل نہیں اس کا تمام جسم مردار کیطرح ہوتا ہے اور یہ سیرابی اور تازگی اور شگفتگی جس کی قلم تشریح نہیں کرسکتی یہ اس مردار کے دلکو مل ہی نہیں سکتی جسکو نور یقین کے چشمہ نے شاداب نہیں کیا بلکہ ایکطرح کی سڑی ہوئی بدبو اس سے آتی ہے مگر وہ شخص جسکو نور دیا گیا ہے اور جس کے اندر یہ چشمہ پھوٹ نکلا ہے اسکی علامات میں سے یہ ایک علامت ہے کہ اس کا جی ہر وقت یہی چاہتا ہے کہ ہر ایک بات میں اور ہر ایک قول میں اور ہر ایک فعل میں خدا سے قوت پاوے اسی میں

حتیٰ تنکح زوجاً وغیرہ کے معنے اور حلالہ بعض کم فہم اور خبیث فطرت لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ قرآن شریف میں تیسری طلاق کے بعد حتیٰ تنکح زوجاً وغیرہ فرمایا ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ وہ دوسرے مرد سے ہم بستری کرا کر پھر نکاح کرنے کا حیلہ ہے اور یہ حرامکاری ہے اس کا جواب بجز لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے کیا دیں + اور اس کا نام حلالہ ٹھیرا کر اُس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ یعنی جو مسلمان اپنی جورو کو طلاق دے وہ اپنی جورو کو اپنے پر حلال کرنے کے لیے دوسرے سے ایک رات ہم بستر کراتا ہے تب آپ اُسکو اپنے نکاح میں لے آتا ہے سو ہم اس افترا کا جواب بجز لعنۃ اللہ علی الکاذبین اور کیا دیسکتے ہیں۔ ناظرین پر واضح رہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں حلالہ کی رسم تھی لیکن اسلام نے اس ناپاک رسم کو قطعاً حرام کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جو حلالہ کے پابند ہوں چنانچہ ابن عمر سے مروی ہے کہ حلالہ زنا میں داخل ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حلالہ کرنے والے سنگسار کیے جاویں۔ اگر کوئی مطلقہ سے نکاح کرے تو نکاح تب درست ہوگا کہ جب واقعی طور پر اُسکو اپنی جورو بنائے اور اگر دل میں یہ خیال ہو کہ وہ اس حیلہ کے لیے اُسکو جورو بناتا ہے کہ تا اُس کے طلاق کے بعد دوسرے پر حلال ہوجائے تو ایسا نکاح ہرگز درست نہیں اور ایسا نکاح کرنے والا اُس عورت سے زنا کرتا ہے اور جو ایسے فعل کی ترغیب دے وہ اس سے زنا کرواتا ہے۔ غرض حلالہ علماء اسلام کے اتفاق سے حرام ہے اور آئمہ اور علماء سلف جیسے حضرت قتادہ۔ عطا اور امام حسن اور ابراہیم۔ نخعی۔ حسن بصری۔ مجاہد۔ شعبی۔ سعید ابن مسیب اور امام مالک۔ لیث۔ ثوری۔ امام احمد بن حنبل وغیرہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور سب محققین علماء اسکی حرمت کے قائل ہیں اور شریعت اسلام اور نیز لغت عرب میں بھی زوج اسکو کہتے ہیں کہ کسی عورت کو فی الحقیقت اپنی جورو بنانے کے لیے تمام حقوق کو مدنظر رکھکر اپنے نکاح میں لاوے اور نکاح کا معاہدہ حقیقی اور واقعی ہو نہ کسی دوسرے کے لیے ایک حیلہ ہو اور قرآن شریف میں جو آیا ہے حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ اس کے یہی معنے ہیں کہ جیسے دنیا میں نیک نیتی کے ساتھ اپنے نفس کی اغراض کے لیے نکاح ہوتے ہیں ایسا ہی جب تک ایک مطلقہ کے ساتھ کسی کا نکاح نہ ہو اور وہ پھر اپنی مرضی سے اُسکو طلاق نہ دے تب تک پہلے طلاق دینے والے سے دوبارہ اُس کا نکاح نہیں ہوسکتا سو آیت کا یہ منشا نہیں کہ جورو کرنے والا پہلے خاوند کے لیے ایک راہ بتادے اور آپ نکاح کرنے کے لیے سچی نیت نہ رکھتا ہو بلکہ نکاح صرف اُس صورت میں ہوگا کہ اپنے پختہ اور مستقل ارادہ سے اپنے صحیح اغراض کو مدنظر رکھکر نکاح کرے ورنہ اگر کسی حیلہ کی غرض سے نکاح کرے گا تو عند الشرع وہ نکاح ہرگز درست نہیں ہوگا۔ لہٰذا ایسا شخص جو اسلام پر حلالہ کی تہمت لگانا چاہے اُسکو یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کا یہ مذہب نہیں ہے اور قرآن اور صحیح بخاری اور مسلم اور دیگر احادیث صحیحہ کے رو سے حلالہ قطعی حرام ہے اور مرتکب اس کا زانی کی طرح مستوجب سزا ہے +

طلاق کے متعلق جو احکام بتلائے ہیں اُنکو اللہ تعالیٰ نے حدود اللہ ٹھیرایا ہے اور ان سے اعتدا کرنے والے کو ظالم قرار دیا ہے پس ان حدبندیوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ انسان **علوم حقہ** کا وارث ہوگا جیسا کہ فرمایا تلک حدود اللہ یبینھا لقوم یعلمون اور ان حدود پر عمل نہ کرنا یہی نہیں کہ انسان کو ظالم بنا دیتا ہے بلکہ آیات اللہ پر ہنسی کرنے والا ٹھیراتا ہے جیسا فرمایا ولا تتخذوا اٰیات اللہ ھزوا +

واذکروا نعمت اللہ علیکم یہاں انعام الٰہی سے مراد یہی احکام و اوامر ہیں جو خدا تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔ کیونکہ اسکے ساتھ ہی فرماتا ہے وما انزل علیکم من الکتب والحکمۃ الی الآیۃ۔ یعنی وہ نعمت الٰہی کیا ہے جس کے یاد رکھنے کی تاکید ہے وہ وہی ہے جو کتاب اور حکمت میں سے تم پر نازل کیا ہے غرض اسکے لیے کیا ہے یعظکم بہ اور ان سب کا منشاء اور مقصد اعلیٰ یہ ہے کہ تم متقی بنو اور متقی بننے کا گر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بکل شیء علیم یقین کرو۔ اللھم اجعلنا من المتقین ونور قلوبنا بنور الیقین انک بکل شیء علیم وعلی کل شیء قدیر

۲۹۵ ۲۸ ع ۱۲

لیکن اسجگہ طبعاً یہ سوال پیش ہوتا ہے کہ وہ ذریعہ کونسا ہے کیا عقل وہ ذریعہ ہو سکتی ہے تو اس کا یہی جواب ہے کہ عقل ہرگز کامل ذریعہ نہیں ہو سکتی جبتک کوئی آسمانی مددگار نہ ہو۔ کیونکہ دل میں یہ یقین ہونا کہ گناہ کے لیے واقعی ایک سزا ہے جس سے انسان بچ نہیں سکتا یہ یقین کامل طور پر اسوقت ہو سکتا ہے کہ جب کامل طور پر معلوم ہو کہ خدا بھی ہے جو گناہ پر سزا دے سکتا ہے لیکن مجرد عقلمند جسکو آسمان سے کوئی روشنی نہیں ملی خدا تعالے پر کامل طور پر یقین نہیں کر سکتا کیونکہ اس نے خدا تعالے کے کلام کو نہیں سنا اور نہ اُس کے چہرہ کو دیکھا اس لیے اسکو خدا تعالے کی نسبت بشرطیکہ وہ زمین و آسمان کی مخلوقات پر غور کر کے صحیح نتیجہ تک پہنچ سکے۔ صرف اس قدر علم ہو سکتا ہے کہ ان تمام مصنوعات کا کوئی صانع ہونا چاہیے لیکن اس یقینی قطعی علم تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ صانع موجود بھی ہے اور ظاہر ہے کہ ہونا چاہیے اور ہے میں بڑا فرق ہے یعنی جو شخص صرف اسی قدر علم رکھتا ہے کہ فقط ہونا چاہیے کے مرتبہ پر آکر ٹھہر گیا ہے پھر ماورا اس کے اسکی نظر کے سامنے تاریکی ہے وہ اس شخص کی مانند اپنے علم کی رو سے ہرگز نہیں کہ جو اس صانع حقیقی کی نسبت صرف یہ نہیں کہتا کہ ہونا چاہیے بلکہ اس نور کی شہادۃ سے جو اسکو دیا گیا ہے محسوس بھی کر لیتا ہے کہ وہ ہے اور یہ نہیں کہ صرف وہ آسمانی نور سے خدا کی ہستی کا مشاہدہ کرتا ہے بلکہ اس آسمانی نور کی ہدایت سے اس کے ذہنی اور عقلی قویٰ بھی ایسے تیز کیے جاتے ہیں کہ اس کا قیاسی استدلال بھی اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتا ہے پس وہ دُہری قوۃ سے خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین رکھتا ہے اسجگہ آسمانی نور سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا یقینی مکالمہ اسے نصیب ہوتا ہے یا صاحب مکالمہ سے نہایت شدید اور گہرا تعلق اسکو ہوتا ہے اور مکالمہ الٰہیہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ عام لوگوں کیطرح ظنی طور پر وہ الہام کا دعویٰ ہے کیونکہ ظنی الہام کچھ چیز نہیں ہے بلکہ وہ عقل سے بھی نیچے گرا ہوا ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ درحقیقت وہ یقینی اور قطعی طور پر خدا تعالیٰ سے ایسی پاک اور کامل وحی ہوتی ہے جس کے ساتھ آسمانی نشان ایک لازمی امر کیطرح ہوتے ہیں اور وہ وحی اپنی ذات میں نہایت شوکت اور عظمت رکھتی ہے اور اپنے پُر رعب اور لذیذ الفاظ کے ساتھ ایک فولادی میخ کی طرح دل کے اندر گھس جاتی ہے اور اسپر خدا کے نشانوں اور فوق العادت علامات کی ایک چمکتی مہر ہوتی ہے اور انسان کو خدا پر پورا یقین حاصل کرنے کے لیے یہ ایک پہلی ضرورت ہے کہ ایسی وحی سے بذات خود فیضیاب ہو یا ایک فیضیاب سے تعلق شدید رکھتا ہو جو روحانی تاثیر سے دلونکو اپنی طرف کھینچنے والا ہو پس ہر ایک مذہب جو یہ تازہ بتازہ وحی جو زندہ نشان اپنے ساتھ رکھتی ہے پیش نہیں کر سکتا۔ وہ اُن بوسیدہ ہڈیوں کی مانند ہے جو خاک نے قریبا انکو خاک کی مانند کر دیا ہے اور ایسے مذہب سے ہرگز ممکن نہیں کہ سچی تبدیلی پیدا کر سکے اور اسپر ناز اور فخر کرنیوالے صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو محض باپ دادوں کی لکیر پر چلنا چاہتے ہیں اور حق جوئی کی اُنکی روح میں کوئی خواہش نہیں اور نہ ایسی خواہش کے وہ آرزومند ہیں بلکہ شدت تعصب اور گمراہی کے باعث سے انکی اندرونی حالت کی ایک کایا پلٹ ہو رہی ہے انکو اسبات کی پرواہ نہیں کہ وہ کیونکر یقینی طور پر خدا پر ایمان لا سکتے ہیں اور وہ خدا کن صفات کا ہونا چاہیے جسپر یقینی ایمان آ سکتا ہے اور وہ کونسے امور ہیں جو خدا تعالیٰ کی ہستی کی نسبت یقین پیدا کر سکتے ہیں اور نیز یقین کے علامات کیا ہیں جو صاحب یقین کے لیے بطور امتیازی نشان کے ہوتے ہیں یاد رہے کہ اگرچہ کوئی مذہب کسی حد تک معقولیت کے رنگ میں ہو اور ظاہری تہذیب اور شائستگی سے موصوف بھی ہو لیکن اسی حد تک نہیں کہا جائے گا کہ وہ مذہب خدا تعالے کی ہستی اور اس کی صفات کی نسبت یقین کے مرتبہ تک پہونچاتا ہے بلکہ دنیا کے تمام مذہب اس وقت تک سراسر لغو اور بیفائدہ اور بیہودہ اور بیجان مردہ ہیں جبتک کہ ایک سالک کو یقین کے صافی چشمہ تک نہ پہونچا دیں +

افسوس اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ خدا کے وجود اور اُسکی ہستی اور اُسکی عظمت اور قدرۃ اور دیگر صفات حسنہ پر یقین لانا کیا چیز ہے ناچار اگر انکی حالت پر افسوس سے یہ رائے ظاہر کی جائے کہ چشمہ صافیہ یقین سے بے نصیب ہیں

ترجمہ اور یہ طلاق تو دو ہی دفعہ تک ہے (تراں بعد) اگر اپنی زوجیت میں رکھنا چاہے تو عمدگی کے ساتھ رکھے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دو۔ اور جو کچھ بھی تم اپنی بیویوں کو دے چکے ہو انہیں سے کچھ بھی واپس لینا تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔ ہاں اگر دونوں کو خوف ہو کہ ہم اس موجودہ تعلق میں حدود اللہ پر قائم نہ رہ سکیں گے + پس اگر تم کو (اے مسلمانو) خوف ہو کہ وہ اللہ تعالے کی حدبندیوں کو قائم نہ رکھیں گے ایسی صورت میں اگر بیوی اپنے خاوند کو کچھ دیکر اپنا پیچھا چھڑالے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ اللہ تعالے کی حدبندیاں ہیں پس ان سے آگے نہ بڑھو اور (یاد رکھو) جو اللہ تعالے کی حدود کو توڑتے ہیں وہی ظالم ہیں + پس اگر اس نے عورت کو طلاق دیدیا ہے (تیسری مرتبہ بھی) تو اس تیسری طلاق دینے کے بعد مطلقہ طلاق دہندہ کو حلال نہیں ہے جب تک کہیں اور جگہ نکاح نہ کرے (اور وہ خود اسکو طلاق نہ دیدے) پس اگر وہ شوہر ثانی بھی اسکو طلاق دیدے پھر اس کی طلاق کے بعد اگر وہ دونوں پہلا خاوند اور یہ بی بی باہم رجوع کرلیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ دونوں کو یقین ہو کہ آیندہ اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے + اور یہ اللہ تعالے کی حدبندیاں ہیں جنکو اللہ تعالے اہل علم لوگوں کے واسطے بیان کرتا ہے + اور جب تم نے اپنی عورتوں کو طلاق دیدیا اور انھوں نے اپنی عدت پوری کرلی تو یا انھیں حسن معاشرت سے رکھلو یا پسندیدہ طریقوں سے اُنکو رخصت کر دو۔ اور انھیں تکلیف دینے کے واسطے اپنے گھروں میں نہ رکھو تاکہ تم اللہ تعالے کی حدبندیاں توڑ کر ظلم کرنے لگو۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی ہنسی نہ اُڑاو۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو انعام تمپر کیے ہیں اُنکو یاد کرو۔ اور جو کچھ تمپر کتاب اور حکمت میں سے نازل کیا ہے (اسکی غرض کیا ہے؟) اس کے ساتھ اللہ تعالے تمھیں نصیحت کرتا ہے اور تقوی اللہ اختیار کرو اور جانتے رہو کہ بیشک اللہ تعالے ہر شے کا عالم ہے +

تفسیر عرب میں جہاں اور سیکڑوں ہزاروں رسومات قبیحہ تھیں طلاق کے متعلق ایک بد رسم تھی کہ عورت کو طلاق دیتے اور جب ایام عدت قریب الختم ہوتے تو پھر رجوع کر لیتے اور پھر طلاق دیدیتے۔ اسطرح پر اُس بیچاری کو ہمیشہ ستاتے اور دکھ دیتے رہتے مگر اللہ تعالیٰ نے اس طریق مذموم کی اصلاح فرمائی کہ صرف دو مرتبہ طلاق دیکر رجوع کر سکتا ہے اسکے بعد نہیں۔ جیسا کہ فرمایا اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ یعنی طلاق صرف دو مرتبہ ہے دوسری طلاق کے بعد مرد اگر چاہے تو حسن معاشرت سے عورت کو رکھ سکتا ہے اور اگر نہیں رکھنا چاہتا تو احسان کے ساتھ ہی الگ کرے +

آہ! افسوس! اب ظالم لوگوں نے ایسا وتیرہ کر رکھا ہے کہ نہ طلاق دیتے ہیں اور نہ آباد کرتے ہیں پس ان لوگوں نے عرب کی بدترین رسم سے بھی بدتر رسم اختیار کرکے ظلم عظیم اختیار کر رکھا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون +

یہ کسقدر اسلام کے کمالات میں سے کمال ہے کہ باوصفیکہ عورت کو میاں الگ کرتا ہے لیکن ایسی صورت میں بھی احسان کی تعلیم دیتا ہے۔ کیا دنیا کا کوئی مذہب اس کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں +

خلع جیسے مرد کو طلاق کا اختیار ہے اور اس صورت میں وہ ان مال و زیورات و مہر وغیرہ سے جو اسنے عورت کو دیدیا ہے کچھ بھی لینے کا مجاز نہیں ایسے ہی عورت کو بھی ایک موقع حاصل ہے کہ جب اسکی مرد سے کسی صورت میں بھی نہ بنے اور نہ مرد کو یہ خیال ہو اور نہ دوسرے لوگوں کو جو برادری میں سے بطور پنچ مقرر ہوں ایسی صورت میں عورت اپنے زیورات یا مہر وغیرہ میں سے کچھ دیکر الگ ہو جاوے اور یہ روپیہ وغیرہ خاوند کو لینا جائز ہے اسپر کوئی گناہ نہیں اسطریق پر قطع تعلق کا نام خُلع ہے +

لیکن یہ یاد رہے کہ قرآن شریف اس امر سے سختی کے ساتھ روکتا اور منع کرتا ہے کہ مرد ایسی نیت سے عورت پر سختی کرے کہ وہ کچھ دے کر اس سے طلاق لے۔ جیسا کہ فرمایا ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اتیتموھن ۴/۱۹ +

حدود اللہ یہ سب امور اور احکام حدود اللہ ہیں اُنکو توڑنے والا ظالم ہے +

۲۹۴ ۲۸ ع ۱۲

اگر کوئی گناہ کی زہر کھا چکا ہے تو محبت اور اطاعت اور پیروی کے تریاق سے اس زہر کا اثر جاتا رہتا ہے اور جسطرح بذریعہ دوا مرض سے ایک انسان پاک ہو سکتا ہے ایسا ہی ایک شخص گناہ سے پاک ہو جاتا ہے اور جسطرح نور ظلمت کو دور کرتا ہے اور تریاق زہر کا اثر زائل کرتا ہے اور آگ جلاتی ہے ایسا ہی سچی اطاعت اور محبت کا اثر ہوتا ہے دیکھو آگ کیونکر ایک دم میں جلا دیتی ہے۔ پس اسی طرح پر نیکی جو محض خدا کا جلال ظاہر کرنے کے لیے کیجاتی ہے وہ گناہ کا خس و خاشاک بھسم کرنے کے لیے آگ کا حکم رکھتی ہے جب ایک انسان سچے دل سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے اور آپ کی تمام عظمت اور بزرگی کو مانکر پورے صدق و صفا اور اطاعت اور محبت سے آپ کی پیروی کرتا ہے یہانتک کہ کامل اطاعت کی وجہ سے فنا کے مقام تک پہونچ جاتا ہے تب اس تعلق شدید کی وجہ سے جو آپ کے ساتھ ہو جاتا ہے وہ الٰہی نور جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اُترتا ہے اس سے یہ شخص بھی حصہ لیتا ہے تب چونکہ ظلمت اور نور کے باہم منافات ہے وہ ظلمت جو اس کے اندر ہے دور ہونی شروع ہو جاتی ہے یہانتک کہ کوئی حصہ ظلمت کا اس کے اندر باقی نہیں رہتا اور پھر اس نور سے قوت پاکر اعلیٰ درجہ کی نیکیاں اس سے ظاہر ہوتی ہیں اور اس کے ہر ایک عضو میں سے محبت الٰہی کا نور چمک اُٹھتا ہے تب اندرونی ظلمت بکلی دور ہو جاتی ہے اور علمی رنگ سے بھی اس میں نور پیدا ہو جاتا ہے آخر ان نوروں کے اجتماع سے گناہ کی تاریکی اس کے دل سے کوچ کرتی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ نور اور تاریکی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے لہٰذا ایمانی نور اور گناہ کی تاریکی بھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی اور اگر ایسے شخص سے اتفاقاً کوئی گناہ ظہور میں نہیں آیا تو اسکو اس ابتلاء سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آیندہ گناہ کی طاقت اس سے مسلوب ہو جاتی ہے اور نیکی کرنے کی طرف اسکو رغبت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اسکی نسبت اللہ تعالے آپ قرآن شریف میں فرماتا ہے حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۔ یعنی خدا نے تم پر پاک روح نازل کرکے ہر ایک نیکی تمھیں پیاری لگائی اور کفر اور فسق اور عصیان تمھاری نظر میں مکروہ کیا۔

لیکن پھر اسجگہ یہ سوال ہو کہ وہ نور جو بذریعہ نبی علیہ السلام کے پیروی کرنے والے کو ملتا ہے جس سے گناہ کے جذبات دور ہو جاتے ہیں وہ کیا چیز ہے سو اس سوال کا یہ جواب ہے کہ وہ ایک پاک معرفت ہے جس کے ساتھ کوئی تاریکی شک و شبہ کی نہیں اور وہ ایک پاک محبت ہے جس کے ساتھ کوئی نفسانی غرض نہیں اور وہ ایک پاک لذت ہے جو تمام لذتوں سے بڑھ کر ہے جس کے ساتھ کوئی کثافت نہیں اور وہ ایک زبردست کشش ہے جس پر کوئی کشش غالب نہیں اور وہ ایک قوی الاثر تریاق ہے جس سے تمام اندرونی زہریں دور ہوتی ہیں یہ پانچ چیزیں ہیں جو نور کے طور پر روح القدس کے ساتھ سچی پیروی کرنیوالے کے دل پر نازل ہوتی ہیں پس ایسا دل نہ صرف گناہ سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے بلکہ طبعاً اس سے متنفر بھی ہو جاتا ہے ان پانچ چیزوں کی طاقت کا جدا جدا بیان کرنا اس حقیقت کے سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ کیونکر پاک معرفت گناہ سے روکتی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ انسان بلکہ حیوان بھی نقصان رساں چیز کی نسبت علم صحیح اور یقینی پاکر اس کے نزدیک نہیں جا سکتا۔ چور کو اگر یہ اطلاع ہو کہ جسجگہ میں نقب لگانا چاہتا ہوں اسجگہ مخفی طور پر ایک جماعت کھڑی ہے جو عین نقب زنی کیحالت میں مجھے پکڑ لیگی تو وہ ہرگز اس بات پر جرأت نہیں کر سکتا کہ نقب لگا دے بلکہ اگر ایک پرند بھی اس بات کو تاڑ جاوے کہ یہ چند دانے جو میرے لیے زمین پر پھیلائے گئے ہیں ان کے نیچے دام ہے تو وہ ان دانوں کے نزدیک نہیں آتا ایسا ہی مثلاً اگر ایک نہایت عمدہ لطیف کھانا پکایا گیا ہو مگر کسی شخصکو یہ علم ہو جائے کہ اس کھانے میں زہر ہے تو وہ کبھی اُس کھانے کے نزدیک نہیں آتا پس ان تمام مشاہدات سے صاف ظاہر ہے کہ انسان جب ایک موذی اور نقصان رساں چیز کی نسبت پورا علم حاصل کرلے تو کبھی اس چیز کی طرف رغبت نہیں کرتا بلکہ اسکی شکل سے بھی بھاگتا ہے لہٰذا یہ امر قابل تسلیم ہے کہ اگر انسان کو کسی ذریعہ سے اس بات کا علم ہو جاوے کہ گناہ ایسی مہلک زہر ہے جو فی الفور ہلاک کرتی ہے تو بلا شبہ انسان بعد اس علم کے گناہ کا مرتکب ہرگز نہیں ہوگا۔

ترجمہ اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ عورتیں معمولی طلاق کی عدت تک پہنچ جاویں) کیا معنی عدت گذار دیں تو انھیں اپنے خاوندوں کے ساتھ بشرطیکہ وہ باہم حسن معاشرت کے ساتھ رضامند ہوگئے ہوں نکاح کرنے سے نہ روکو یہ اُس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور یوم آخرۃ (قیامة) پر ایمان رکھتا ہو ۔ یہ امر تمھارے لیے عامہ تزکیہ نفس اور طہارت کا موجب ہے اور اللہ تعالے جانتا ہے اور تم نہیں جانتے +

اور جو شخص (اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد یہ چاہے کہ اُسکی بیوی) اپنی اولاد کو پوری مدت تک دودھ پلائے ۔ تو اسکے لیے مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں ۔ اور جس کا وہ بچہ ہے (یعنی باپ) اُسے چاہیے کہ پسندیدہ طریق سے ان ماؤں کو کھانا کپڑا دے ۔ ہر شخص کو اُسکی گنجایش ہی کے موافق تکلیف دیجاتی ہے ۔ نہ تو ماکو بچہ کی وجہ سے نقصان پہونچایا جاوے (یعنی دستور سے کم نان و نفقہ دیا جاوے) اور نہ اُس شخص کو جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) بچہ کیوجہ سے نقصان ہو (کہ وہ مقدور اور دستور سے زیادہ دے) اور (دودھ پلانے کا نان و نفقہ جیسا کہ باپ پر ہے اُسکی مرجانے کی صورت میں) ایسا ہی ہے اس کے وارث پر لازم ہے ۔ پس اگر دونوں باہمی رضامندی اور مشورہ سے (دو سال کے اندر ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو اُنپر کوئی گناہ نہیں ہے ۔ اور اگر تم اپنی اولاد کو (کسی دوسری عورت کا) دودھ پلانا چاہو تو اسمیں بھی کوئی حرج نہیں ہے ۔ بشرطیکہ جو کچھ تمہنے دینا کیا ہے دستور کے موافق دیدو ۔ اور تقویٰ اللہ اختیار کرو ۔ اور جانتے رہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو بیشک اللہ تعالےٰ اُسے دیکھتا ہے +

اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان عورتوں کو چاہیے کہ چار مہینے اور دس دن تک اپنے آپکو روکے رکھیں (یعنی نکاح نہ کریں) پھر جب وہ اپنی مدت (چار ماہ دس دن) پوری کرلیں تو جو کچھ جائز طور پر اپنے لیے کریں اس کا تمپر کچھ الزام نہیں ہے اور اللہ تعالےٰ تمھارے اعمال سے خبردار ہے + اور اگر تم باریک اشاروں سے انکو اپنے تعلق کے متعلق کہدو کہ ایسی عورتیں ضائع نہیں ہوا کرتیں یا اللہ تعالے تمکو ضائع نہ کرے گا ۔ یا اسکو اپنے دلوں میں چھپائے ہوے ہو تو اس کا تمپر کوئی گناہ نہیں ہے ۔ اللہ تعالے کو علم ہے کہ قریب ہی تمکو (ان عورتوں سے نکاح کا) خیال پیدا ہوگا (اسمیں تو کچھ حرج نہیں) مگر مخفی طور پر نکاح کا معاہدہ نہ کرنا ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی پسندیدہ بات کہدو ۔ اور جب تک میعاد مقررہ پوری نہ ہو لے عقد نکاح کا ارادہ نہ کرو ۔ اور جان لو کہ جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اللہ اسکو خوب جانتا ہے پس اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ تعالے غفور اور حلیم ہے +

تفسیر اس رکوع میں طلاق کے بعد رضاعت کے مسائل ارشاد فرماے ہیں ۔ طلاق کے بعد کبھی فطرتی طور پر ماں رنجیدہ ہوتی ہے اور اس کے دودھ پلانے سے انکار کردیتی ہے اور کبھی باپ چاہتا ہے کہ کسی اور سے دودھ پلوائے اور ماں تڑپتی ہے اسلیے حکم ہوا کہ دو برس مائیں اپنے بچہ کو دودھ پلائیں اگر باپ ان سے پلوانا چاہے اور اس کے معاوضہ میں وہ کھانا کپڑا وغیرہ حسب دستور ان کو دیتا رہے یہ نہو کہ والدہ کو بچہ کیوجہ سے کم دیا جاوے کہ آخر اس کا بیٹا ہے یا والد سے زیادہ لیا جاوے کہ اسکو اسکی پرورش کرانی مقصود ہے ۔ اگر باپ مرجاوے تو پھر جو اس لڑکے کا وارث جائز ہو وہ اسی طریق کو ملحوظ رکھے ۔ اور اگر دو برس سے کم عرصہ میں دودھ چھڑانا چاہیں تو باہمی مشورہ اور رضامندی سے ہوسکتا ہے اور حسب دستور دوسری دودھ پلانے والی کو نان و نفقہ دیکر دودھ پلوا سکتے ہیں جیسا کہ پہلے ہمنے بار بار بیان کیا ہے کہ قرآن کریم کا یہ حسن اور خوبی ہے کہ وہ عام معاملات پر بھی بحث کرتا ہوا اصل غرض تقویٰ اللہ کو ہاتھ سے نہیں دیتا بلکہ اسکی برابر تاکید کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی فرمایا واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر اللہ متقی بنے رہو اور متقی بننے کا گر یہ ہے کہ تم اس بات پر یقین رکھو کہ اللہ تعالےٰ تمھارے اعمال کا نگراں ہے +

اس کے بعد بیوہ کی عدت کا ذکر فرمایا کہ اپنے خاوند کے مرنے کے بعد چار مہینے دس دن تک اسکو ٹھیرنا چاہیے ۔ بشرطیکہ حاملہ نہو کیونکہ حاملہ ہونے کی صورت میں بالاتفاق اس کی عدت وضع حمل ہے +

۹۶ ع
۲۹
۱۴

کی ان میں موجود ہیں۔

پہلی دلیل۔ لفظ اللہ سے ہی ملتی ہے کیونکہ قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ اس جامع جمیع صفات کاملہ ذات کا نام ہے جو ہر بدی سے منزہ اور ہر خوبی سے موصوف ہے۔ اسی لیے قرآن شریف میں اللہ کے اسم کو جمیع صفات کاملہ کا موصوف ٹھیرایا ہے اسی جہت سے اس آیت کے سر پر بھی اللہ کا اسم بیان فرمایا اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یعنی اس عالم پر ثبات کی قیوم ذات جامع جمیع کمالات ہے یہ اسبات کیطرف اشارہ ہے کہ یہ عالم جس ترتیب محکم اور ترکیب ابلغ سے موجود اور مرتب ہے اس کے لیے یہ گمان کرنا باطل ہے کہ انھیں چیزوں میں سے بعض چیزیں بعض کے لیے علت موجبہ ہوسکتی ہیں بلکہ اس حکیمانہ کام کے لیے جو سراسر حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ ایک ایسے صانع کی ضرورت ہے جو اپنی ذات میں مدبر بالارادہ اور حکیم اور علیم اور رحیم اور غیر فانی اور تمام صفات کاملہ سے متصف ہو سو وہی اللہ ہے جسکو اپنی ذات میں کمال تام حاصل ہے۔ ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت کے ساتھ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہکر یہ بھی بتا دیا کہ وہ شرکت سے پاک ہے۔

دوسری دلیل اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کے الفاظ ہیں۔ یعنی اللہ جو جامع صفات کاملہ اور مستحق عبادت ہے۔ اسکا وجود بدیہی الثبوت ہے کیونکہ وہ حی بالذات اور قائم بالذات ہے بجز اس کے کوئی قائم بالذات اور حی بالذات نہیں ہے یعنی بغیر اس کے کسی چیز میں یہ صفت نہیں پائی جاتی کہ بغیر کسی علت موجدہ کے آپ ہی موجود اور قائم رہ سکے یا اس عالم کی جو کمال حکمت اور ترتیب محکم اور موزون سے بنایا گیا ہے علت موجبہ ہو سکے اور یہ امر اس صانع عالم جامع جمیع صفات کاملہ کی ہستی کو ثابت کرنیوالا ہے۔ اس استدلال لطیف کی تفصیل یہ ہے کہ یہ بات ببداہت ثابت ہے کہ عالم کے اشیا میں سے ہر ایک موجود جو نظر آتا ہے اسکا وجود اور قیام نظراً علی ذاتہ ضروری نہیں مثلاً زمین کروی الشکل ہے اور اسکا قطر بعض کے گمان میں چار ہزار کوس پختہ ہے مگر اسبات پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی کہ کیوں یہی شکل اور یہی مقدار اس کے لیے ضروری ہے اور کیوں جائز نہیں کہ اس سے زیادہ یا اس سے کم ہو یا برخلاف شکل حاصل کے کسی اور شکل سے متشکل ہو۔ اور جب پھر کوئی دلیل قائم نہ ہوئی تو یہ شکل اور یہ مقدار جس کے مجموعہ کا نام وجود ہے زمین کے لیے ضروری نہ ہوا۔ اور علی ہذا القیاس تمام عالم کی اشیا کا وجود اور قیام غیر ضروری ٹھیرا۔ اور صرف یہی بات نہیں کہ وجود ہر ایک ممکن کا نظراً علی ذاتہ غیر ضروری ہے بلکہ بعض صورتیں ایسی نظر آتی ہیں کہ اکثر چیزوں کے معدوم ہونے کے اسباب بھی قائم نہ ہوجاتے ہیں پھر بھی وہ چیزیں معدوم نہیں ہوتیں۔ مثلاً باوجود اس کے کہ سخت سخت قحط اور وبائیں پڑتی ہیں مگر پھر بھی ابتدائے زمانہ سے تخم ہر ایک چیز کا بچتا چلا آیا ہے حالانکہ عند العقل جائز بلکہ واجب تھا کہ ہزارہا شدائد اور حوادث میں سے جو ابتدا سے دنیا پر نازل ہوتی رہے ہیں کبھی کسی دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ شدت قحط کے وقت غلہ جو انسان کی خوراک ہے بالکل مفقود ہوجاتا یا کبھی شدت وبا کے وقت نوع انسان کا نام بھی باقی نہ رہتا یا کوئی اور انواع حیوانات میں سے مفقود ہوجاتے۔ یا کبھی اتفاقی طور پر سورج یا چاند کی کل بگڑ جاتی۔ یا دوسری بیشمار چیزوں میں سے جو عالم کی درستی نظام کے لیے ضروری ہیں کسی چیز کے وجود میں خلل راہ پا جاتا۔ کیونکہ کروڑہا چیزوں کا اختلال اور فساد سے سالم رہنا اور کبھی ان پر آفت کا نازل نہ ہونا قیاس سے بعید ہے پس جو چیزیں نہ ضروری الوجود ہیں نہ ضروری القیام بلکہ انکا کبھی نہ کبھی بگڑ جانا ان کے باقی رہنے سے زیادہ تر قرین قیاس ہے ان پر کبھی زوال نہ آنا اور احسن طور پر بہ ترتیب محکم اور ترکیب ابلغ ان کا وجود اور قیام پایا جانا اور کروڑہا ضروریات عالم میں سے کبھی کسی چیز کا مفقود نہ ہونا صریح اسبات پر نشان ہے کہ ان سب کے لیے ایک محیی اور محافظ اور قیوم ہے جو جامع جمیع صفات کاملہ یعنی مدبر اور حکیم اور رحمن اور رحیم اور اپنی ذات میں ازلی ابدی اور ہر ایک نقصان سے پاک ہے جسپر کبھی موت اور فنا طاری نہیں ہوتی۔ بلکہ اونگھ اور نیند سے بھی جو مشابہ بالموت ہے پاک ہے سو وہی ذات جامع صفات کاملہ ہے جس نے اس عالم امکانی کو برعایت کمال حکمت اور موزونیت وجود عطا کیا۔

تیسری دلیل لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ سے پیدا ہوتی ہے یعنی جبکہ عالم کے لیے نہ حیات حقیقی

رکوع ۲۹
۱۳

رجعی طلاق کے متعلق کچھ اور احکام بیان ہوتے ہیں۔ یعنی طلاق کی میعاد تین حیض یا تین طہر وغیرہ نگذری ہو تو فریقین رجوع کر سکتے ہیں۔ طلاق کے بعد رضاعت کے کچھ مسائل بیان کیے جاتے ہیں + کہ والدہ اپنے بچہ کو بشرطیکہ خاوند اس سے دودھ پلوانا چاہے دو سال تک دودھ پلائے اور اپنے شوہر سابق سے کھانا اور کپڑا لے۔ اور اگر باپ مرجاوے تو وارث کے لیے بھی یہی احکام ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ باہمی مشورہ اور رضامندی سے دو سال سے پہلے بھی دودھ چھڑا سکتے ہیں۔ اور ایسا ہی کسی دوسرے سے بھی دودھ پلوا سکتے ہو۔

طلاق اور رضاعت کے مسئلہ کے بعد بیوہ عورتوں کے متعلق احکام دیے جاتے ہیں کہ وہ چار مہینے دس دن تک عدت رکھیں اسکے بعد اگر چاہیں تو نکاح کر لیں (بشرطیکہ حاملہ نہ ہوں) بیوہ عورتوں کو ایک اشارہ کیطرح (مثلاً) تو انشاء اللہ ضائع نہ ہوگی۔ تیرے جیسی ضائع نہیں ہوا کرتیں) مخفی طور پر تعلقات اور وعدوں کے کرنے سے روکا جاتا ہے۔ اور عدت سے پہلے نکاح کرنے سے روکا جاتا ہے اور اس امر کیطرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ اللہ تعالے کی صفات غفور اور حلیم پر ایمان رکھو +

عام مطالب۔ جیسا کہ ہم نے تلخیص رکوع ہذا میں بیان کیا ہے اس رکوع میں طلاق کے کچھ مسائل اور پھر رضاعت کے احکام اور ازاں بعد بیوہ عورتوں کے متعلق احکام ہیں جو اس رکوع کے ترجمہ سے واضح ہو جائیں گے +

۲۳۶ ۲۵ ع ۱۴

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۝ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ق وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ج فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۝ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ج فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ط عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۝ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ج وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

لہٰذا وہ بھی پاکیزگی سے بھی بے نصیب ہیں جو یقین کے بعد حاصل ہوتی ہے تو وہ اس بات سے بہت غصہ کرتے ہیں اور جوش میں آکر کہتے ہیں کہ کیا ہم خدا پر یقین نہیں رکھتے کیا ہم اسکو نہیں مانتے پس ان تمام باتوں کا یہی جواب ہے کہ درحقیقت نہ تم خدا پر یقین رکھتے ہو اور نہ اُسکو مانتے ہو افسوس کہ وہ نہیں سمجھتے کہ ایک سوراخ پر جبکہ انکو دلی یقین ہوتا ہے کہ اس میں ایک زہریلہ سانپ ہے تو اسمیں اپنا ہاتھ نہیں ڈالتے کیونکہ اسمیں اپنی ہلاکت دیکھتے ہیں لیکن ہر ایک گناہ دلیری سے کر لیتے ہیں وہ ایک ہلاہل زہر کو نہیں کھاتے کیونکہ جانتے ہیں کہ مر جاوینگے لیکن بڑے بڑے خوفناک جرائم ان سے ظہور میں آتے ہیں بلکہ یقین تو یقین ظن غالب کے مرتبہ پر بھی وہ کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کرتے جس سے کسی ضرر کا احتمال ہے مثلاً وہ کسی ایسی چھت کے نیچے سونا پسند نہیں کرتے جسکا شہتیر کسی قدر ٹوٹ گیا ہے وہ کسی ایسے گاؤں میں رہنا نہیں چاہتے جس میں ہیضہ یا طاعون شروع ہو گئی ہے پھر کیا باعث ہے کہ باوجود دعوی یقین کے خدا تعالیٰ کے حکموں کو توڑتے ہیں پس یقیناً سمجھو کہ حق یہی بات ہے کہ درحقیقت انکو یقین نہیں بلکہ انکو یہ ظن غالب بھی نہیں ہے کہ ایک مقتدر ذات موجود ہے جو ایک دم میں ہلاک کر سکتی ہے +

اب ہم سمجھتے ہیں کہ اس قدر بیان کے بعد مسئلہ شفاعت پر اور کسی اعتراض کی گنجایش نہیں۔ غرض اللہ تعالے وعظ فرماتا ہے کہ ایک دن آنے والا ہے جس میں کوئی بیع مفید نہ ہوگی مگر بیع الایمان باللہ ورسلہ آہ اور کوئی خلّۃ مفید نہ ہوگی مگر خلّۃ الانبیاء والصادقین اور کوئی شفاعت کام نہ آئے گی مگر شفاعۃ الرسل

والکٰفرون ھم الظّٰلمون کافر ہی ظالم ہیں اس ترجمہ میں اوپر بتایا ہے کہ ایک مراد تو اس سے یہ ہو سکتی ہے کہ جو لوگ انکار انفاق کرتے ہیں اس بنا پر کہ خرچ کرنے سے خسارہ ہوگا یا مال کم ہو جائے گا وہی خسارہ پانے والے ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ ان باتوں سے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں انکار کرتے ہیں وہ مشرک ہیں اب اللہ تعالے اس شرک کی تردید فرماتا ہے

اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحیّ القیّوم۔ لا تاخذہ سنۃ ولا نوم ط لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض ط من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ ط یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء ج وسع کرسیہ السمٰوات والارض ج ولا یؤدہ حفظھما ج وھو العلیّ العظیم +

ہر ایک عیب سے پاک تمام صفات کاملہ کے ساتھ موصوف جس کا نام اللہ ہے اُسکے بغیر کوئی بھی پرستش و فرمانبرداری کا مستحق نہیں۔ دائم اور باقی تمام موجودات کا مدبر اور حافظ جسکو کبھی سُستی اونگھ اور نیند نہو۔ اسی کے تصرف اور ملک اور خلق میں ہیں آسمان و زمین اسی کی ہستی اور یکتائی کو ثابت کرتے ہیں کوئی بھی نہیں کہ اسکی کبریائی و عظمت کے باعث اُس پاکذات کی پروانگی کے سوا کسی کی سفارش بھی کر سکے پس کسیکو مقابلہ و حمایت کی تو کیا سکت ہوگی۔ وہ جانتا ہے تمام جو کچھ آگے ہوگا۔ اور جو کچھ گذر چکا ہے یا آئندہ ہوگا۔ موجودات کی نسبت کیا کہنا ہے کوئی بھی اُسکے علم سے کسی چیز کا اسکی مشیت کے سوا احاطہ نہیں کر سکتا اسکا کامل علم آسمانوں اور زمینوں پر حاوی ہے اور وہ آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت سے کبھی نہیں تھکتا۔ وہ شریک اور جوڑ سے بلند ہے۔

ہستی الٰہی پر دلائل یہ آیتیں اپنے اندر عجیب و غریب معارف اور نکات رکھتی ہیں۔ دہریوں کا رد اس میں ہے آریوں کا اسمیں عیسائیوں کا اسمیں۔ غرض تمام مذاہب باطلہ کا رد اسمیں موجود ہے۔ ہم صرف مختصر طور پر اشارات لکھینگے غور کرنیوالی طبیعتیں خود اور فکر کرکے زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں گی۔ پہلے ہم ان دلائل پر غور کرنا چاہتے ہیں جو ہستی باری تعالیٰ

اور اللہ تعالے زبردست حکیم ہے اور جن عورتوں کو طلاق دیگئی ہے اُن کے ساتھ خوشخوئی سے سلوک کرنا متقیوں پر حق ہے۔ اس طرح پر اللہ تعالے تمہارے لیے اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل مند بنو +

تفسیر

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ طلاق وغیرہ کے مسائل کے ضمن میں پھر قیام نماز اور حفاظت نماز کا حکم دیا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مال و اولاد اور ازواج کے معاملات میں منہمک ہوکر نماز سے غافل نہ ہوجائیں۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اسکی تصریح بھی ہوئی ہے یاایہا الذین امنوا لا تلہکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ۔ یعنی ایمان والو! تمہاری اولاد اور تمہارے اموال تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کرکے ہلاک نہ کردیں +

كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ کی طرف توجہ دلائی ہے +

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا الآیہ اس آیت کے متعلق یہی کہا گیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور آیت یذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر اس کی ناسخ ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے اس کا جواب حکیم الامۃ نے اپنے خط رد نسخ میں یہ لکھا ہے۔ پانچویں آیت والذین یتوفون منکم الیٰ قولہ متاعا الی الحول الخ منسوخة بآیة اربعة اشھر وعشرا والوصیة منسوخة بالمیراث والسکنی باقیة عند قوم منسوخة عند آخرین۔ فوز الکبیر میں ہے کہ جمہور مفسرین اسے منسوخ کہتے ہیں۔ پھر کہا ویمکن ان یقال یستحب او یجوز للمیت الوصیة ولا یجب علی المرأة ان تسکن فی وصیتہ وعلیہ ابن عباس وھذا التوجیہ ظاھر من الآیة۔ میں کہتا ہوں کہ اس ظہور میں کچھ کلام نہیں۔ مجاہد اور عطا سے مروی ہے کہ آیت منسوخ نہیں اور حسب اس وصیۃ کے سال بھر کامل اگر عورت اپنے شوہر کے گھر میں رہنا چاہے اسکو منع کرنا درست نہیں اور اگر چار مہینے دس دن کے بعد یا وضع حمل کے بعد نکلنا چاہے اور دوسری جگہ چلی جاوے تو مختار ہے اور یہی مذہب ہے ایک جماعۃ کا اور پسند کیا اسکو ابن تیمیہ نے +

۵۹ منزل ۱۴ ع

رکوع ۳۱
۱۵

اصل مطلب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جو دفاعی جنگوں کے متعلق شروع ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ مثیل موسیٰ ہیں اور اس قسم کے واقعات پیش آنیوالے تھے اسلیے بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کو عبرت اور سبق کیلیے پیش کیا جاتا ہے کہ موسیٰ کی قوم مصر سے دشمنوں کے خوف سے نکلی مگر ایک نافرمانی کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئی اور اسکے بقیۃ السلف (اولاد) اسکی جگہ کامیاب ہوئی۔ اسلیے نبی کی نافرمانی سے پرہیز کرنے کی معناً ہدایت کی جاتی ہے۔ سامان جنگ کے لیے اور قومی ہمدردی اور نوع انسان کی حمایت و حفاظت کیلحاظ خرچ مال کا حکم ہوتا ہے۔ اور یہ وعدہ دیا جاتا ہے کہ جو کچھ بھی تم خرچ کروگے وہ بڑھے گا پھر بنی اسرائیل کا ایک قصہ پیش کیا جاتا ہے جنھوں نے باوجود وعدہ اقرار کے جو اپنے نبی کے سامنے کیا تھا انحراف کیا (باستثنائے بعض کے) اس امر پر روشنی ڈالی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کا انتخاب بہترین انتخاب ہوتا ہے خواہ وہ دوسروں کی نظر میں بظاہر قابل اعتراض نظر آتا ہو اسلیے اُسپر اعتراض فضول ہوتا ہے +

اور اندازہ کے موافق اسکی طیاری اور ارادہ ہوگا لیکن اگر وہ ایک کنواں طیار کرنا چاہے تو اسی کے موافق اس کا عزم اور اسکی طیاری کا سامان ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک شخص نگل (فنا دہان سے کوئی ایک گولی کی مار پر ایک گاؤں ہے) جانا چاہے تو اس کی طیاری اسی حیثیت سے ہوگی لیکن اگر اسکو کلکتہ یا بمبئی یا کم از کم لاہور امرتسر ہی جانا ہو تو اسکی طیاری میں اسی سفر کے اندازہ پر وسعت اور اس کے قوی میں زبردست تحریک ہوگی ان مثالوں پر غور کر لینے سے یہ اصول صاف سمجھ میں آتا ہے کہ انسان کے اندر ارادہ اور عزم۔ ہمت اور حوصلہ شے مطلوب کی بزرگی اور پایہ کے برابر ہوتا ہے۔ اب ایسے اصول کو مدنظر رکھکر ہم کہتے ہیں کہ انسان کے سامنے جس قسم کا خدا پیش کیا جاوے ویسی ہی صفات اور ان صفات کے حسب حال تحریکیں اور عزم اسمیں پیدا ہوں گے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے جو خدا دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور جسے انسان کا حقیقی مطلوب۔ معبود اور محبوب ٹھیرایا ہے اسکی تصویر ہی سے انسانی ارادوں اور ہمتوں میں ایک زبردست تحریک بلند پروازی اور اولوالعزمی کی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی انسانی فطرت کا اصل منشا اور مقتضا ہے انسانی روح میں جتنا قوتیں...... حکیم و خبیر خدا نے ودیعت رکھی ہوئی ہیں اور بالیدگی تکمیل اور نشو و نما اور پھر ترقی پر ترقی کرنیکی اضطراری طلب ان میں موجود ہے یہ ساری باتیں بالکل بے سود اور عبث ہوتیں اگر مطلوب کمزور اور ناتوان ہوتا۔

۴۔ دنیا اللہ تعالیٰ کی اس حقیقت اور صفات پر کوئی اطلاع نہ پاسکتی جو قرآن مجید نے آکر ظاہر کی ہیں۔ انجیل نے مثلاً ایک خدا پیش کیا اور اسے گاڈ کے لفظ سے تعبیر کیا اور ساتھ ہی اسکی حقیقت یوں بتائی کہ مریم کے پیٹ میں اس گاڈ نے آکر نو ماہ تک حیض کے خون سے پرورش پائی اور پھر ریں ریں پیں پیں کرتا ہوا معمولی راہ سے پیدا ہوا اور ایک عرصہ تک اپنی ماں کو پیشاب پاخانہ کر کے دکھ دیتا رہا۔ بھوک پیاس اور بیماریوں کے صدمات سے مضطرب ہو کر چلاتا رہا۔ جب جوان ہوا اسے شیطان آزماتا پھرا اور پہاڑوں پہ لیگیا۔ آخر عدالتوں میں پکڑا اور گھسیٹا گیا اور بغاوت اور کفر کے الزام لگائے گئے۔ اور صلیب پر طمانچے کھاتا ہوا چڑھایا گیا اور ملعون ہو کر ہاویہ میں رہا وغیرہ وغیرہ۔

اور پھر انجیل دکھاتی ہے کہ اس میں کوئی علم۔ کوئی قوت نہیں بلکہ ہر ایک قسم کا ضعف۔ ناتوانی۔ بیکسی۔ اسمیں پائی جاتی ہے اب ایسے خدا کا تصور کر کے روح اور راستی سے کون اسکی عبادت کرے گا اور اس سے محبت کریگا۔ میرا ایمان ہے کہ روحیں ایسے خدا کے لیے محبت کیواسطے جوش اور تحریک پیدا نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کی فطرت میں ہے کہ وہ ایسی لغو اور فضول ردی اشیا سے پیدا نہیں کرتی اور اس کا عملی نمونہ بھی ہمیں کوئے دکھلائے نہیں دیتا۔ کوئی مجھے بتائے کہ ان لوگوں نے جب ایسے خدا سے تعلق پیدا کیا تو پھل کیا پایا؟ کونسے عظیم الشان ارادے خوارق عادات اور روحانیت ان میں پیدا ہوئی؟ بلکہ اس اعتقاد کی شامت سے عیسائیوں کو اس سے قطعاً انکار ہے اب کوئی آسمانی نشان دکھا سکتا ہو اور قبولیت دعا کا مسئلہ بھی ان میں نہیں رہا۔ میں ایک لفظ میں کہدیتا ہوں کہ وہ زندہ مذہب نہیں رہا خیالات کی اشاعت کے لیے پانی کی طرح مال بہانا یا ہر قسم کے اسباب کو ہاتھ میں لینا یہ سچائی کی قوی دلیل نہیں ہوسکتی جب تک خود مذہب کے اندر سے روشنی نہ نکلے خود سچائی کے اظہار میں خارق عادت زندہ نشان اسکے ساتھ نہ ہوں۔ ایسے میں پھر سوال کرتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ عیسائی مذہب کے زندہ برکات اس کے ساتھ نہیں یہ نحوست کیوں پڑی کہ ایک بھی صلیب کا پرستار ایسا دکھائی نہیں دیتا جو دعوی کے ساتھ کہہ سکے کہ ہاں میں انجیل کے جلال کو ظاہر کرنے کے واسطے تائیدی نشان دکھا سکتا ہوں اس کا فلسفہ یہی ہے کہ ان کے قلب پر جب یہ صدا آکر پڑی کہ خود ساری رات روتے رہنے والے خدا کی دعا قبول نہیں ہوئی اور اس کی ساری ناکام زندگی کا نظارہ ان کے سامنے آیا تو یہ منحوس اور مردہ اعتقاد رکھنا پڑا کہ اب مکالمات اور مکاشفات نہیں ہوتے اس لیے کہ ان کے سامنے ایک کم علم اور کمزور خدا ہے چونکہ مریدین حوصلہ مراد ہی کے موافق ہونا چاہیے تھا اس لیے انمیں وہ عزم وہ ہمت پیدا نہیں ہوسکتی۔

اگر کوئی ببول کے درخت کے نیچے جائے تو اسے پھل کھانے کا شوق اور عزم کہاں سے آئے گا لیکن ہاں اگر بے دانہ

اس عدت کا ستر | چار مہینے دس دن جو شوہر کے مرنے کے بعد عدت رکھی ہے اس کا ستر یہ ہے کہ اس عرصہ میں اگر حمل ہو تو بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔ دوران عدت میں کھلے طور پر پیغام نکاح نہیں دینا چاہیے ہاں اشارۃً یا کنایۃً نامناسب نہیں البتہ اس امر سے منع فرمایا ہے کہ مخفی طور پر کوئی وعدہ وغیرہ کیا جاوے جو مقدمۃ الفواحش ہو سکتا ہے اسلیے اسکے سدباب کیواسطے اس سے منع کیا ہے۔ بہرحال بعد گذرنے عدت کے نکاح ہونا چاہیے۔ پھر گناہوں سے بچنے کا وہی نسخہ بتایا کہ خدا تعالے کو علیم تسلیم کیا جاوے۔ اور اگر صبر و تحمل کے ساتھ میعاد مقررہ کا انتظار کیا جاوے تو غفور حلیم خدا بہترین نتائج پیدا کر دے گا +

رکوع ۳۰
۱۴

طلاق کے بقیہ احکام دیے جاتے ہیں اور ان کے احکام کے ضمن میں پھر نماز کی تاکید ہوتی ہے اور اس کے بعد پھر طلاق وغیرہ کے احکام دیے جاتے ہیں +

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

۸ع ۱۴

ترجمہ تم پر کوئی الزام نہیں ہے اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ نہ لگایا ہو (ہم بستر نہ ہوئے ہو) اور نہ مہر معین کیا ہو۔ ہاں! ایسی عورتوں کے ساتھ فارغ البال اپنی حیثیت کے موافق اور تنگدست اپنی قدر کے موافق کچھ سلوک کر دے یہ سلوک پسندیدہ طریق پر ہو جو کہ محسنین پر حق ہے + اور اگر تم ہاتھ لگانے (مباشرت) سے پہلے طلاق دیدو اور ان کے واسطے مہر مقرر کر چکے ہو تو جو کچھ مہر مقرر کیا ہے اسکا نصف دیدو (ہاں یہ امر دیگر ہے) اگر وہ (عورتیں اپنا حق) معاف کر دیں یا وہ شخص جسکے ہاتھ میں عقد نکاح ہے (شوہر) (اپنا نصف حصہ) معاف کر دے یعنی پورا مہر دیدے۔ اور اگر تم اپنا نصف حصہ معاف کر دو (یعنی پورا دیدو) تو یہ پرہیز گاری کے بہت ہی قریب ہے۔ اور آپس میں فضل کی باتوں کو مت بھلاؤ بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسکو دیکھتا ہے +

تمام نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً بیچ کی نماز کی اور اللہ تعالی کے حضور ادب سے کھڑے ہو۔ اور اگر تم ڈرتے ہو تو پیادہ یا سوار (جیسی حالت ہو یا ہو سکے) پڑھ لو۔ پھر جب امن میں آجاؤ تو اللہ تعالی کا ذکر کرو اسطرح جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھلایا ہے جو تم نہ جانتے تھے + اور جو لوگ تم میں سے بیویاں چھوڑ مریں اپنی بیویوں کے لیے ایک سال تک گھر سے نہ نکالنے اور نان و نفقہ کی وصیت کر جاویں۔ پس اگر وہ خود گھر سے نکل جائیں اور اپنے لیے کوئی پسندیدہ امر کر لیں (یعنی نکاح کر لیں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے

حاصل ہے اور نہ قیام حقیقی تو بالضرور اُسکو ایک علت موجبہ کی حاجت ہے جس کے ذریعہ سے اُسے حیات حقیقی حاصل ہو اور ضرور ہے کہ ایسی علت موجبہ جامع صفات کاملہ اور مدبر بالارادہ حکیم اور عالم الغیب ہو سو وہی اللہ ہے لہٗ ما فی السموات وما فی الارض۔

غرض ایک ایک لفظ ہستی باری تعالیٰ پر دلائل رکھتا ہے لیکن اس خیال سے کہ طول نہ ہو ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

ان آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کا خالق اور پیدا کنندہ ہے

آریوں اور عیسائیوں سے مقابلہ

اسیطرح ہر ایک چیز کا واقعی اور حقیقی طور پر وہی قیوم بھی ہے یعنی ہر ایک چیز کا بقا اس کے وجود کے ساتھ ہے اور ہر ایک چیز کے لیے اس کا وجود بمنزلہ جان ہے لیکن آریوں اور عیسائیوں کا یہ اعتقاد نہیں ہے۔ آریوں کا تو اس لیے کہ وہ ارواح اور اجسام کا خالق ہی خدا کو نہیں مانتے اور نہ ہر ایک چیز کے ساتھ اس کا ایسا تعلق نہیں مانتے جس سے ثابت ہو کہ ہر ایک چیز اُسی کی قدرت اور ارادہ کا نتیجہ ہے۔ اور اسکی مشیت کے لیے بطور سایہ کے ہے بلکہ ہر ایک چیز کا وجود ایسے طور سے مستقل خیال کرتے ہیں کہ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ ان کے زعم میں تمام چیزیں اپنے وجود میں مستقل طور پر قدیم اور انادی ہیں پس جبکہ یہ تمام چیزیں ان کے خیال میں خدا تعالیٰ کی قدرت سے نکل کر انکی قدرت کے ساتھ قائم نہیں تو بلا شبہ یہ سب چیزیں آریوں کے مانے ہوے پرمیشر سے ایسی ہی بے تعلق ہیں کہ اگر ان کے پرمیشر کا مرنا بھی فرض کرلیں تب بھی ارواح اور اجسام کا کچھ نقصان نہیں ہے۔ اسی طرح عیسائیوں کے اعتقاد کے رو سے بھی مجسم خدا قیوم الاشیاء نہیں ہے کیونکہ قیوم ہونیکے لیے معیت ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ عیسائیوں کا خدا یسوع اب زمین پر نہیں ہے کیونکہ اگر زمین پر ہوتا تو ضرور لوگوں کو نظر آتا۔ جیسا کہ اس زمانہ میں نظر آتا تھا جبکہ پلاطوس کے عہد میں اس کے ملک میں موجود تھا پس جبکہ وہ زمین پر موجود نہیں تو زمین کے لوگوں کا قیوم کیونکر ہو۔ رہا آسمان سو وہ انکا بھی قیوم نہیں ہوسکتا کیونکہ اُس کا جسم تو صرف چھ سات بالشت کے قریب ہوگا پھر وہ سارے آسمانوں پر کیسے موجود ہوسکتا ہے علاوہ بریں جبکہ اُسپر موت کا وار بھی چل گیا تو یہ اعتراض اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔

اسی آیت پر حضرت مولانا مولوی عبد الکریم صاحب سلمہ ربہ نے ایکبار ایک چھوٹا سا خطبہ پڑھا تھا چونکہ وہ بجائے خود بڑا لطیف اور قابل قدر ہے ہم اُس کا ایک حصہ اسجگہ درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

(۱) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اللہ ایسی ذات پاک ہے جو تمام صفات کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں سے منزہ ہے اُس کے سوا اور کوئی معبود۔ مطلوب۔ محبوب اور مطاع نہیں وہ الحي (زندہ) ہے اور ہر قسم کی زندگیوں کا سرچشمہ ہے۔ وہ القيوم (اپنی ذات میں قائم) ہے اور ہر چیز کا قیام اور بقا اُسی کے ساتھ ہے۔

(۲) قرآن شریف کی بڑی عظیم الشان کارروائیوں میں سے یا قرآن کریم کے پاک وجود کی ضرورتوں میں سب سے بڑی ضرورت کہ کیوں اس کتاب کے آنے کی ضرورت ہوئی اور اس نے آکر کیا کیا ایک یہ بھی ہے کہ اس نے وہ خدا پیش کیا ہے جو حقیقی خدا ہے۔ ہاں وہ خدا دکھایا ہے جسکی انسان کو ضرورت ہے علاوہ جسپر بڑی صفائی اور پاکیزگی کے بعد بھروسا کرکے انسانی فطرت ایک ذوق سے بھری ہوئی خوشی حاصل کرسکتی ہے اور دنیا کی صعوبناک منزلوں کو اس کے سہارے بڑی آسانی سے طے کرسکتی ہے اور دنیا کے ہموم و غموم کے تاریک جنگلوں اور بیابانوں میں اسکی روشنی اور معیت سے روشن راہ پاتی اور تسلی پکڑتی ہے۔

(۳) حقیقت میں یہ سچی اور بالکل سچی بات ہے کہ انسان کے اندر حوصلہ۔ ارادہ۔ ہمت اور بلند پروازی اسی قدر ہوتی اور ہوسکتی ہے جس قدر شئے مطلوب ہو۔ جس پایہ اور رتبہ کی چیز کو وہ حاصل کرنا چاہتا ہے اسی انداز اور قدر کے ارادے اُسکے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر انھیں ارادوں اور عزموں کے انداز پر حصول مطلب کیلیے دوسرے سامان وہ بہم پہونچاتا ہے دیکھو اگر ایک شخص زمین کے اندر ایک چھوٹا سا سوراخ کرنا چاہے تو اُسی سوراخ کے مقدار

یوشع بن نون موسیٰ علیہ السلام کی جگہ خلیفہ ہوئے اور خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی نئی نسل کو یوشع بن نون کے عہد میں کنعان عطا کیا جس میدان میں بنی اسرائیل چالیس سال تک بھٹکتے پھرے وہ بحر قلزم سے مشرق کی طرف بیابان قادسیا اور عرب کا شمالی و مغربی گوشہ اور دریائے یردن یعنی شام کے کنارہ تک پھیلا ہوا ہے یہ کئی سو کوس کا میدان ہے یہ فاصلہ چند منزلوں میں طے ہو سکتا تھا اور پہلے جاسوس خود دیکھکر ہی آئے تھے مگر غضب خدا کی وجہ سے چالیس سال تک بھٹکتے پھرے۔

قرآن شریف نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ہے فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ اس پہلی نسل کے ہلاک ہونے اور دوسری کے پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

قرآن شریف میں ان بارہ نقیبوں کے تقرر اور قوم موسےٰ کے انکار انکی ہلاکت کا مفصل ذکر سپارہ ۶ رکوع ۳ و رکوع ۴ میں مندرج ہے چنانچہ رکوع ۳ میں فرمایا: وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ○

ترجمہ:۔ اور بیشک اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل سے عہد اطاعت لیا اور ہم نے انہیں میں کے بارہ سردار انپر مقرر کئے اور اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل کو کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں بشرطیکہ تم نماز قایم کرو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور انکی مدد کرو۔ اور اللہ تعالےٰ کے لئے اپنے مال کا کچھ حصہ پسندیدہ طریق پر الگ کرو۔ تو میں تمہاری کمزوریاں ڈھانپ دونگا اور تمکو ایسی سرزمین میں داخل کردونگا۔ جو باغات پر مشتمل ہوگی جنکے نیچے سے ندیاں جاری ہونگی پس اسکے بعد جو کفر کریگا بے شک وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔

اور پھر رکوع ۴ میں اور بہی تفصیل ہے۔

رکوع

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ○ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ○ قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ○ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۚ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۚ۔

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا اس حکم کے مفہوم میں ہے جو اس سپارہ ۶ رکوع ۴ میں قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ○ یعنی اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ ارض مقدسہ چالیس سال تک کے لئے انپر حرام ہوگئی۔ یہ اسی جنگل مصر میں بھٹک بھٹک کر ہلاک ہوجائینگے۔

ثُمَّ اَحْیَاهُمْ سے مراد انکی اولاد ہے یعنی وہ بچے جو اوسوقت موجود تھے ان کو طاقت دی اور انہوں نے نشو و نما پایا اور آخر وہ ارض مقدسہ میں داخل ہوئے۔

۳۰۱
۳۱
ع۱۵

اسکو ضروری ہے کہ وہ ان اسماء اور صفات کے نیچے چلے جو اس تقرب الہٰی میں پائی جاتی ہیں اسی اصل اور نہج سے انسان اگر خدا تعالےٰ کا قرب حاصل کرنا چاہے تو اسکو ضروری ہے کہ خدا تعالےٰ کی صفات اور اسماء پر غور کرے اور اپنے عادات اور چال چلن کو ان کے ماتحت کرے۔ اب ہم یہاں ان صفات الٰہیہ کو بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ مومن کو اس کے بالمقابل کیا اختیار کرنا چاہیے جو مقرب الٰہی ہو سکے۔

۱۔ اللّٰہ ہر بدی سے پاک کل صفات کاملہ سے متصف۔ پس اس اسم کے ماتحت ضروری ہے کہ انسان بدیوں سے بچے اور صفات حمیدہ حاصل کرنے کی سعی کرے۔

۲۔ الحیّ۔ کا اسم ظاہر کرتا ہے کہ دائم زندہ اور زندگی بخش اللہ تعالےٰ ہی کی ذات ہے پس جو حیات ابدی کا خواہشمند ہو اسکو اس اسم کے نیچے زندہ دل ہونا چاہیے (زندہ دل سے مراد بیہودہ لطیفہ گو نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف

۳۔ القیّوم۔ قائم بالذات اور دوسروں کے قیام کا موجب شفقت علیٰ خلق اللہ کرنے والا دوسروں کو سہارا اور مدد دینے والا اس اسم کے ماتحت قرب حاصل کرتا ہے

۴۔ لَا تَأخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ اسکو اونگھ یا نیند نہیں پکڑتی۔ اس صفت کے ماتحت رہ کر قرب حاصل کرنے والا بیدار دل اور ہوشیار چاہیے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ جاگتا ہی رہے نہیں اس کے لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں آپ کی سنت کو دیکھے اصلی وانام۔

۵۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کے نیچے قرب حاصل کرنیوالے کو بھی پوری ہوشیاری اور چوکس رہنے کی تعلیم دی ہے۔

۶۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ مومن کے پاس بھی کوئی بری سپارش نہ کر سکے۔ اور ہر ایک کو ایسا دلیر نہ کردے کہ جس جائز و ناجائز امر کی چاہے سپارش کر دے۔

۷۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ کے نیچے ضروری ہے کہ مومن موجودہ وقت کا علم رکھے اور آیندہ کے لیے عاقبت اندیشی اور مآل بینی سے کام لے۔ ؎ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

۸۔ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ۔ مومن کا علم بھی وسیع ہونا چاہیے۔

۹۔ وَلَا یَؤُدُہٗ حِفْظُھُمَا۔ اس صفت کے ماتحت مومن کو انتھک ہونا چاہیے۔

۱۰۔ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔ یہ صفت بتاتی ہے کہ مومن کو بڑا بردبار عالی خیال بلند حوصلہ ہونا چاہیے

وَتِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ

کرسی	کرسی کے معنے ہمنے علم کیے ہیں کیونکہ حدیث بخاری قاموس اور دیگر کتب لغت سے کرسی کے معنے علم ہی ثابت ہوتے ہیں۔

جبکہ اللہ تعالےٰ ان صفات سے موصوف ہے اور اسلام ایسے خدا کو پیش کرتا ہے پھر کسقدر نادانی اور حماقت ہے جو کوئی یہ کہے کہ اسلام بجبر پھیلایا گیا ہے یاد رکھو

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔

ترجمہ الدین (الاسلام) میں کوئی جبر نہیں۔ (کیونکہ) بیشک گمراہی سے ہدایت کھلے طور پر الگ (ممتاز) ہو چکی ہے۔ پس جو طاغوت کا کفر کرے اور اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے پس وہی ہے جسنے مضبوط رسی کو پکڑ لیا ہے جسکے واسطے ذرا بھی شکست نہیں اور اللہ دعاؤں کا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

عام مطالب

اس رکوع میں مندرجہ ذیل مطالب بیان ہوئے ہیں +

اول احیا وامات اللہ ہی کے قبضہ و اقتدار میں ہے۔ اگر خدا نفع نہ ہو تو انسان موت سے فوج نہیں سکتا جس سے ڈر کر بھاگتا ہے + **دوم** اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے + **سوم** نبی کے ہاتھ پر وعدہ کر کے انحراف کرنا خطرناک نتائج کا موجب ہوتا ہے۔ خود کوئی امر پیش کرنا چاہیے **چہارم** نبی جو کچھ فیصلہ کرے اُس پر راضی ہو جانا شرط ایمان ہے + **پنجم** نبوت وسلطنت کا عطا کرنا اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ ہے اور وہی محل صحیح کو جانتا ہے +

مندرجہ بالا مطالب کو اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے تعلیم فرمایا ہے۔ درحقیقت مسئلہ جہاد کا شروع تھا۔ لیکن ضمناً اسکے متعلقات پر بحث ہونے لگی پہلے اسمیں خرچ اموال۔ خمر و میسر کا مسئلہ۔ عورتوں کا مسئلہ۔ حیض کے متعلق بحث۔ طلاق اور ضروری احکام بیان کرنے پڑے + اب یہ خیال ہوا کہ مکہ معظمہ سے جو نکلے ہیں تو دشمنوں کی شرارت اور دکھوں سے نجات پانیکی غرض سے نکلے ہیں اور اب ہماری گو یا وہی مثال ہو گئی ہے جیسے قوم موسیٰ کی تھی جو مصر سے نکلی تھی اسلیے اللہ تعالےٰ اس واقعہ کو عبرت اور نصیحت کیخاطر پیش کرتا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسکی طرح نافرمانی کر بیٹھو پس اس رکوع میں اسی بنی اسرائیل کا ذکر ہے چنانچہ فرمایا

الم تر الى الذين خرجوا من ديارهم وهم الوف حذر الموت فقال لهم الله موتوا ثم احياهم ان الله لذو فضل على الناس ولكن اكثر الناس لا يشكرون ٥ **ترجمہ** کیا تو نے غور نہیں کیا؟ ان لوگوں کے حال پر جو ہزاروں کی تعداد میں تھے موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا کہ مر جاؤ پھر اُن کو زندہ کیا بے شک اللہ تعالےٰ تو لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے مگر اکثر لوگ (اس کا) شکر نہیں کرتے +

تفسیر

یہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا حال ہے جبکہ بنی اسرائیل ہزاروں ہزار مصر سے نکل کر ارض مقدس کی طرف جا رہے تھے۔ راستہ میں موسیٰ علیہ السلام نے بارہ رقیب جاسوسوں کے طریق پر کنعان کے حالات معلوم کرنے کے واسطے بھیجے۔ اُنھوں نے واپس آکر یشوع بن نون اور کالب کے سوا عمالیقوں کے قد و قامت اور ان کی قوت و شجاعت کا مرعوب طریق پر ذکر کیا جس سے بنی اسرائیل کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور انھوں نے جانے سے انکار کر دیا اس پر خدا تعالےٰ کا غضب اُن پر نازل ہوا اور وہ زمین اُن پر چالیس سال تک حرام ہو گئی اور جب وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا چالیس برس کے عرصہ میں ہلاک ہو گئے اور بیابانوں میں خراب و خستہ ہو کر تباہ ہوئے اور مر گئے اس کے بعد اُن کی اولاد جو انکار میں شریک نہ تھی وہاں داخل ہوئی جیساکہ قرآن کریم میں ہے فانها محرمة عليهم اربعين سنة اور یہ توریت میں بھی ہے توریت کتاب گنتی کے باب ۱۴ میں ہے کہ تم ہرگز اس زمین پر نہ پہونچوگے بجز یوشع اور کالب کے اور تمھارے لڑکوں کے جن کے حق میں تم کہتے ہو کہ وہ لٹ جائیں گے میں اُن کو داخل کروں گا اور تمھاری لاشیں اسی بیابان میں گریں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اکثر لوگ تو اس واقعہ کے اگلے روز عمالیق کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اور کالب اور یشوع کے سوا باقی دس جاسوس اور باقی سب لوگ وقتاً فوقتاً ہلاک ہوتے رہے چالیس سال کے عرصہ میں پہلے ہارون علیہ السلام اور بعد اُن کے موسیٰ علیہ السلام بھی یردن ندی کے پار گئے۔ چالیس سال گذرنے کے بعد

ع ۱۴ / ۳۰۰

کے درخت کے نیچے جاؤ گے تو خواہ نخواہ ایک جوش اور تحریک پھل کھانے کے واسطے پیدا ہو گی اسیطرح جن لوگوں نے جو ضعف اور ناتوان خدا کو سامنے پایا تو رفتہ رفتہ قبولیت دعا اور تائیدی نشانوں سے انکار ہی کر دیا۔ یہی حال تمام بت پرست قوموں کا ہے

لیکن

قرآن کریم جیسی مجید اور حکیم کتاب نے جو خدا انسان کے سامنے پیش کیا ہے۔ اُسکی صفات اور شان بزرگ ہی کے تصور سے انسان کی اُمید دراز ہو جاتی اور اسکی فطرت میں عبادت اور حمد کے لیے ایک جوش پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ الحی القیوم ہے۔ یعنی استحقاق عبادت اسی ہی کو ہے محبت اُسی سے لگانی چاہیے اسلیے کہ زندہ اور قائم بالذات وہی ہے۔

پھر اس میں یہ دیکھنا چاہیے کہ ایک ایک صفت کے تصور سے کیا کیا ارادے اور اُمنگیں پیدا ہوتی ہیں اور کیوں دل اس سے تعلق پکڑنیکو تڑپتا ہے اسلیے کہ حقیقت میں انسان کی روح کا سچا مطلوب وہی ہے۔ مگر بدقسمتی ہے اس قوم کی جسنے اس سے انکار کیا اور کہا کہ وہ مصلوب ہوا۔ اور لعنتی ہوا۔ اور انکی کتاب پیش کرتی ہے اُس خدا کو جس کی ابتدا حیض کے خون سے اور انتہا صلیب کی لعنت اور ہاویہ کی سزا پر ہوئی۔

میں بار بار اس اصول کو پیش کرتا ہوں کہ اس خدا کے ماننے والوں نے کیا پایا اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم ہی کو دیکھو جو آپ کے ساتھ ہوئی آپ نے قریش کے درمیان دعوی کیا کہ میں خدا کی طرف سے ہوں ایسے وقت میں کہ کوئی شان و شوکت نہ تھی جمعیت اور جتھا نہ تھا بالمقابل قریش کے ساری قوم مخالف تھی اور خطرناک مخالف اب خیال کر کے دیکھو کہ وہ کونسی قوت اور طاقت تھی جس کے سہارے پر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہیں بولتے تھے کہ فکیدونی جمیعا ثم لا تنظرون۔

ان جانستاں مصیبتوں میں اسی الحی القیوم خدا پر سہارا تھا جو ایسے زبردست دعوے اُن کے سامنے کیے گئے۔ اور پھر وہ سب کے سب پورے ہوئے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ایمان چونکہ ایک مقتدر قادر مطلق ہستی پر تھا یہ ایمان ہی ان کے اندر تمام قویٰ میں ایک حوصلہ اور سٹیم بھر دیتا تھا۔ اور روح میں دعاؤں کے لیے ایک زبردست جوش پیدا ہوتا تھا اُس سے اپنی ساری دعاؤں کی قبولیت کا نمونہ دکھا دیا یہی وجہ ہے کہ آج جبکہ تمام قومیں اقرار کر چکی ہیں کہ خدا کے ساتھ سچے تعلقات کا نمونہ دکھلانے والا ان میں کوئی نہیں اور اس نمونہ کی وجہ ہی سے خدا اس کے مکالمات۔ مکاشفات ملائکہ اور دعاؤں کی قبولیت کا انکار کیا گیا ہے غرض خدا کی ہستی کے جتنے زبردست ثبوت تھے اُن سے جب انکار ہوا تو غیور خدا نے اسی طرح جیسے ایکوقت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا کہ الحیّ القیوم خدا کا نمونہ دکھاوے اسی طرح اس وقت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بروز مرزا غلام احمد علیہ الصلوۃ والسلام کو مسیح موعود کرکے بھیجا جس نے آکر اسی طرز پر خدا تعالے کی ہستی کا ثبوت دکھایا۔

میرے دوستو! اگر تمھارے پاس اور کوئی بھی ثبوت نہو تو اسی کو لیکر تم مشرق مغرب میں کہیں جاؤ اور کسی گدی نشین کسی راہب یا پادری سے ملو اور پوچھو کہ کیا وہ آسمانی نشان دکھلانے میں اس کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ تمھیں صاف جواب ملیگا کہ ہرگز نہیں۔ پس جبکہ اس وقت مذاہب حشرات الارض کیطرح نکلے ہیں اور ہر ایک انہیں سے اپنے آپکو سچا اور خدا کا قائم کردہ مذہب بتاتا ہے پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ ان میں خدا کی تائید کے نشان نہیں اور صرف ہمی کے پاس ہیں میرے دوستو! یہی دلیل تو اس کے صدق پر کافی دلیل ہے۔

قربِ الٰہی کے حصول کے ذریعے

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کے حصول کے ذریعوں کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ فرمایا ہے۔ عام طور پر یہ قاعدہ ہے کہ جس قسم کے انسان کے ساتھ انسان تعلق پیدا کرنا چاہتا ہے

لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ؀

ترجمہ:- کیا تو نے بنی اسرائیل کے حال پر نظر نہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے - جبکہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے واسطے ایک بادشاہ مقرر فرما تا کہ ہم اس کے ہمراہ ہو کر اللہ تعالےٰ کی راہ میں مقابلہ کریں اس نبی نے جواب دیا کہ کیا تم عنقریب (ایسا نہ کروگے کہ) اگر تمکو مقابلہ کا حکم دیا گیا تو مقابلہ نکرو - انہوں نے کہا کہ ہمیں کیا ہو گیا ہے جو ہم خدا تعالےٰ کی راہ میں مقابلہ نکریں بحالیکہ ہم اپنے گھروں سے نکال دئے گئے ہیں اور اپنے بال بچوں سے جدا کئے گئے - پس جب انپر مقابلہ کا حکم ہوا تو سوائے قلیل کے سب کے سب لڑانے سے پھر گئے - اور اللہ تعالےٰ ظالموں سے خوب آگاہ ہے -

اور انکے نبی نے انکو کہا کہ بے شک اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے - انہوں نے کہا کہ وہ ہمپر کیونکر حکمران ہو سکتا ہے کیونکہ اسکے مقابلہ میں تو ہم سلطنت کے زیادہ مستحق ہیں اور اسکو تو کچھ مال و دولت کی وسعت بھی نہیں دی گئی اس نبی نے جواب دیا کہ بیشک اللہ تعالےٰ نے اسکو تمپر برگزیدہ کیا ہے اور اسکو علم و جسم میں زیادہ فراخی دی ہے - اور اللہ تعالےٰ اپنا ملک جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت دینے والا اور علیم ہے

اور انکے نبی نے ان سے کہا بے شک طالوت کے بادشاہ ہونے کی یہ نشانی ہے کہ جس میں تمہارے رب کیطرف سے سکینہ (الواح تورات) اور ہارون و موسیٰ کی چھوڑی ہوئی یادگاریں ہیں اس صندوق کو فرشتے اٹھا لائیں گے - بے شک اس میں تمہارے لئے آیات ہیں اگر تم مومن ہو -

مندرجہ بالا آیتوں میں جیسا کہ ہم نے انکے شروع ہی میں بتایا ہے اللہ تعالےٰ نے ہمیں ایک سبق دیا ہے - جب بادشاہ طالوت مقرر ہو گیا تو ان لوگوں نے اسپر اعتراض کر دیا کہ وہ زیادہ دولت مند نہیں - یہ کوئی نئی بات نہیں ہے سنت اللہ اس طرح چلی آئی ہے کہ جب کوئی خلیفہ مقرر ہوتا ہے تو اسپر اعتراض ہوتے ہیں طالوت کے احق بالملک ہونے کے دلیل خدا تعالےٰ نے یہ دی ہے - وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ خلیفۃ اللہ کے لئے اوّل اور مقدم فضل یہ ہے کہ اسکا علم وسیع ہو اور پھر یہ ہے کہ وہ قوی الجثہ بھی ہو -

۳۰۳
۱۰۳
ع ۱۵

تابوت سکینہ | کہتے ہیں تابوت سکینہ ایک صندوق تھا جس میں الواح تورات اور موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کے تبرکات تھے - اس تابوت کو انبیاء علیہم السلام لشکر کے آگے رکھا کرتے تھے اور دشمن سے لڑتے تھے آخر اسرائیلوں کے فسق کی وجہ سے قوم عمالقہ اس تابوت کو لوٹ گئی تھی - امنیں جب وبا پھوٹ پڑی تو انہوں نے اسے باہر نکال دیا وہ طالوت کے کھیت پر آ ٹھہرا - یہ گویا فرشتوں کی رہنمائی سے وہاں آ گیا -

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ | یہ حصہ آیت بتاتا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات پر بطور دلیل اور نشان ہے - چنانچہ اسلام میں بھی اس قسم کا واقعہ ہوا ہے حجر اسود کو قرامطے لے گئے تھے انمیں بھی وبا پھوٹی تھی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی مکہ والوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ وَلَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰي رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ - کہ مکہ اور طایف کے کسی نمبردار پر نزول قرآن ہونا چاہئے تھا - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مالی حالت بھی کمزور تھی کیونکہ آپ یتیم رہ گئے تھے اسلئے دوسرے لوگ اپنے مال و منال پر ناز اور گھمنڈ کرتے تھے - مگر اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو برگزیدہ کیا چنانچہ آپ کا نام ہی مصطفےٰ ہے -

ایمان بالملائکہ کی فلاسفی

ایمان باللہ کے بعد دوسری جزو ایمان کی ایمان بالملائکہ ہے ایمان بالملائکہ کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ نے یوں سمجھہ دی ہے کہ انسان کے دل پر ہر وقت ملک اور شیطان نظر رکھتے ہیں اور یہ امر ایسا واضح اور صاف ہے کہ اگر غور کرنے والی فطرت اور طبیعت رکھنے والا انسان ہو تو بہت جلد اسکو سمجھہ لیتا ہے بلکہ موٹی عقل کے آدمی بھی معلوم کر سکتے ہیں اور وہ اسطرح پر کہ بعض وقت بکایک بیٹھے بٹھائے انسان کے دل میں نیکی کی تحریک ہوتی ہے یہانتک کہ ایسے وقت بھی یہ تحریک ہو جاتی ہے جبکہ وہ کسی بڑی بدی اور بدکاری میں مصروف ہو۔ میں نے ان امور پر مدتوں غور کی اور سوچا ہے اور ہر ایک شخص اپنے دل کی مختلف کیفیتوں اور حالتوں سے آگاہ ہے وہ دیکھتا ہے کہ کبھی اندر ہی اندر کسی خطرناک بدی کی تحریک ہو رہی ہے اور پھر محسوس کرتا ہے کہ معًا دل میں رقت اور نیکی کی تحریک کا اثر پاتا ہے یہ تحریکات نیک یا بد جو ہوتی ہیں بدون کسی محرک کے تو ہو نہیں سکتی ہیں بس یہ وہی بات ہے جو مینے ابھی کہی ہے کہ انسان کے دل کی طرف ملائکہ اور شیاطین نظر رکھتے ہیں۔ پس ایمان بالملائکہ کی اصل غرض یہ ہے کہ ہر نیکی کی تحریک پر جو ملائکہ ہی کیطرف سے ہوتی ہے کبھی کسل و کاہلی سے کام نہ لے اور فوراً اسپر عمل کرنے کو طیار ہو جائے اور توجہ کرے اگر ایسا نہ کرے گا تو اعلموا ان اللّٰہ یحول بین المرء و قلبہ کا مصداق ہو کر پھر نیکی کی توفیق سے بتدریج محروم ہو جائے گا۔

قرب الٰہی کا دوسرا ذریعہ

یہ پکی بات ہے کہ جب انسان نیکی کی تحریکوں کو ضائع کرتا ہے تو پھر وہ طاقت۔ وقت فرصت اور موقع نہیں ملتا۔ اگر انسان اس وقت متوجہ ہو جائے تو معًا نیک خیال کی تحریک ہوتی ہے چونکہ اس خواہش کا محرک محض فضل الٰہی سے ملک ہوتا ہے جب انسان اس کی تحریک پر کاربند ہوتا ہے تو پھر اس فرشتہ اور اسکی جماعت کا تعلق بڑھتا ہے اور پھر اس جماعت سے اعلیٰ ملائکہ کا تعلق بڑھنے لگتا ہے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں صاف آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے پیار کرتا ہے تو جبرئیل کو آگاہ کرتا ہے تو وہ جبرئیل اور اسکی جماعت کا محبوب ہوتا ہے اسی طرح پر درجہ بدرجہ وہ محبوب اور مقبول ہوتا جاتا ہے یہانتک کہ وہ زمین میں مقبول ہو جاتا ہے یہ حدیث اسی اصل اور راز کی حل کرنے والی ہے جو مینے بیان کیا ہے **ایمان بالملائکہ** کی حقیقت پر غور نہیں کی گئی اور اسکو ایک معمولی بات سمجھہ لیا جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ ملائکہ کی پاک تحریکوں پر کاربند ہونے سے نیکیوں میں ترقی ہوتی ہے یہانتک کہ انسان اللہ تعالیٰ کا قرب اور دنیا میں قبول حاصل کرتا ہے۔ اسیطرح پر جیسے نیکیوں کی تحریک ہوتی ہے مینے دیکھا ہے کہ بدیوں کی بھی تحریک ہوتی ہے اگر انسان اس وقت تعوذ و استغفار سے کام نہ لے دعائیں نہ مانگے لاحول نہ پڑھے تو بدی کی تحریک اپنا اثر کرتی ہے اور بدیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے پس جیسے یہ ضروری ہے کہ ہر نیک تحریک کے ہوتے ہی اسپر کاربند ہو نیکی سعی کرے اور سستی اور کاہلی سے کام نہ لے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر بد تحریک پر فی الفور استغفار کرے۔ لاحول پڑھے۔ درود شریف اور سورہ فاتحہ پڑھے اور دعائیں مانگے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایمان باللہ کے بعد ایمان بالملائکہ کو کیوں رکھا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ساری سچائیوں اور پاکیزگیوں کا سرچشمہ تو جناب الٰہی ہی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے پاک ارادے ملائکہ پر جلوہ گری کرتے ہیں اور ملائکہ سے پاک تحریکیں ہوتی ہیں ان نیکی کی تحریکوں کا ذریعہ دوسرے درجہ پر چونکہ ملائکہ ہیں اس لیے ایمان باللہ کے بعد اسکو رکھا۔ ملائکہ کے وجود پر زیادہ بحث کی اس وقت حاجت نہیں یہ تحریکیں ہی ملائکہ کے وجود کو ثابت کر رہی ہیں اس کے علاوہ لاکھوں لاکھہ مخلوق الٰہی ایسی ہے جس کا ہمکو علم بھی نہیں اور نہ اُن پر ایمان لانے کا ہمکو حکم ہے اسکے بعد تیسرا جزو ایمان بالکتب ہے براہ راست مکالمہ اول فضل ہے پھر ملائکہ کی تحریک پر عمل کرنا اس کے قرب کو بڑھاتا ہے اسکے بعد کتاب اللہ کے ماننے کا مرتبہ ہے کتاب اللہ پر ایمان بھی اللہ کے فضل اور ملائکہ ہی کی تحریک سے ہوتا ہے

ایمان بالکتب

اللہ کی کتاب پر عملدرآمد جو سچے ایمان کا مفہوم اصلی ہے چاہتا ہے محنت اور جہاد چنانچہ فرمایا **وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا**

اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ سے مراد وہ عام فضل وکرم ہے جو بنی اسرائیل پر ہوئے تھے جیسا کہ رکوع ۶ پارہ اوّل میں خدا تعالیٰ یاد دلاتا ہے یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ

اور ایسا ہی پارہ ۶ رکوع ۴ میں بھی یاد دلایا اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ +

پس اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ میں علی الناس سے عام انسان ہی مراد ہیں اور خصوصاً النَّاسِ سے مراد یہاں بنی اسرائیل ہے - وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ کی تفسیر دوسرے مقام پر صاف ہے وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ

یعنی انعام الٰہیہ کی قدر کرنے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں اور اس مقام پر جو فرمایا کہ اکثر لوگ ناقدردان ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی اس جماعت میں بہت بڑا حصہ ناشکر گذاروں کا تھا - شکر گذاروں کا اسلئے ذکر نہیں فرمایا کہ وہ جماعت اسقدر کم تھی کہ گویا وہ تعداد کوئی ہستی ہی نہ رکھتی تھی جو قابل ذکر ہو + سپارہ ۶ کے رکوع ۴ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون کے سوا دو آدمی تھے جیسے فرمایا قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْہِمُ الْبَابَ اور یہ یشوع بن نون اور کالب تھے -

غرض اس قصہ کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ موقع پیش نہ آوے اور خدا کا خاص فضل ہے صحابہ پر کہ وہ اس ابتلا سے صاف بچ گئے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے -

لا نقول کما قال اصحاب موسیٰ لموسیٰ اذھب انت وربك فقاتلا بل نقاتل من یمینك وعن شمالك وحتی تصل برك الغماد -

حاصل کلام اصل ذکر جہاد تھا - اسی سلسلہ میں فرمایا :- وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

ترجمہ - اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مقابلہ کرو اور جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ سمیع اور علیم ہے -

ان مجاہدات میں صرف مال کی ہی ضرورت ہے اسلئے حکم دیا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ترجمہ - کون ہے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے لئے پسندیدہ طریق پر اپنے مال کا ایک حصہ الگ کردے پس اللہ تعالیٰ اس مال کو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا گیا ہے لیتا ہے اور اسکو بڑھاتا ہے اور بہت گنا بڑھاتا ہے -

۳۰۴
۳۱
ع ۱۵

قرضًا حسنًا یعنی عمدگی کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو - اسمیں ریا - نمود و نمائش کا خیال نہ ہو - یہاں ایک پیشگوئی ہے - صحابہ جو اسوقت مال خرچ کریں گے اللہ تعالیٰ اس مال کے بدلے ہزاروں ہزار گنا انہیں عطا کریگا چنانچہ صحابہ کرام کی سیرۃ اسپر گواہ ہے اور واقعات نے دکھا دیا ہے کہ انہیں کسقدر عظیم الشان بدلہ ملا -

اسکے بعد اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے قصہ کی طرف توجہ دلاتا ہے جسمیں ایسے بیّنہ سبق دینا مقصود ہے کہ اوّل خود کسی امر کے لئے کوئی استدعا مت کرو ورنہ ٹھوکر کہانے کا اندیشہ ہے جیسا کہ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے تقرر ملک کی خواہش کی کہ ہم اسکے ہمراہ ہو کر لڑیں گے لیکن آخر رہ گئے - دوم خدا تعالیٰ جب کسی کو حکومت عطا کرے تو اسکی اطاعت کرنی چاہئے - یہ لحاظ اور خیال نہیں کرنا چاہئے - کہ اس میں فلاں کمزوری ہے ہماری سمجھ میں ایسا آتا ہے واللہ اعلم بالصواب کہ یہ امر زمانہ خلافت کے متعلق ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے وقت منکم امیر ومنا امیر کی صدا بلند ہونے کی پیشگوئی ہے - بہت سے لوگ اپنے آپ کو احق بالملک سمجھتے تھے لیکن خدا تعالیٰ نے جسکو خلیفہ بنایا آخر وہی کامیاب ہوا غرضنا بنی اسرائیل کے اس واقعہ کو بطور سبق پیش کرتا ہے -

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّھُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ قَالَ ھَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ ... تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْھُمْ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝ وَقَالَ لَھُمْ نَبِیُّھُمْ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ بَعَثَ لَکُمْ طَالُوْتَ مَلِکًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰی یَکُوْنُ

اس آیت کی تفسیر میں حضرت حکیم الامت نے یوں فرمایا ہے

اس آیت میں تین لفظ ہیں ۔ دین ۔ رشد ۔ اور غی۔

اَلدِّیْن

اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں جو دین کی توضیح اور تفسیر فرمائی ہے وہ یہ ہے ان الدین عند اللہ الاسلام اللہ تعالیٰ کے حضور دین کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟ **الاسلام** اپنی ساری قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ اللہ کا فرمانبردار ہو جائے ۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو لے اور اس پر روح اور راستی سے عملدرآمد کرے۔ **دین** کے متعلق جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سوال کیا ہے اور آپ نے صحابہ کرام کو بلکہ ہمکو آگاہ کیا ہے کہ یہ جبرئیل تھا اتاکم لیعلمکم دینکم پس **دین** کی حقیقت اور اسکا صحیح اور سچا مفہوم وہ ہوگا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بیان فرمایا **الاسلام** کے معنی یہ ہیں سر رکھدینا جان سے دل سے اعضا سے مال سے غرض ہر پہلو اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری کرنا۔

دین کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزیں عطا فرمائی ہیں جن کے ذریعہ ہم اسکی کامل اطاعت فرماں پذیری اور وفاداری کا اظہار کرسکتے ہیں اور پھر ان کے ورا اور اندر ہی اندر قویٰ پر حکمرانی کر سکتے ہیں۔ اور انکو آلہی فرمانبرداری میں لگا سکتے ہیں ۔ غرض دین کی اصل حقیقت جو قرآن شریف نے بتائی ہے وہ مختصر الفاظ میں کامل وفاداری۔ سچی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہے

الدین کا پہلا رکن یعنی الایمان

پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کے توسط سے جو کچھ صحابہ کو اور ہمکو سکھایا ہے وہ ان سوالات میں بیان ہوا ہے جو صحابہ کی موجودگی میں جبرئیلؑ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کیے اور جنکی اصل غرض لیعلمکم دینکم تھی ۔ انہیں سے پہلا یہ ہے ما الایمان؟ یا رسول اللہ........ ایمان کس چیز کا نام ہے؟ فرمایا ان تومن باللہ ایمان کی عظیم الشان اور پہلی جزو ایمان باللہ ہے ۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ ایمان کا سرچشمہ اور اسکی ابتدا اللہ تعالیٰ پر یقین کرنے سے شروع ہوتی ہے **ایمان باللہ** کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ کو جمیع صفات کاملہ سے موصوف اور تمام محامد اور اسماء حسنیٰ کا مجموعہ اور مسمیٰ اور تمام بدیوں اور نقائص سے منزہ یقین کرنا ۔ اور اسکے سوا کسی شئے سے کوئی امید و بیم نہ رکھنا اور کسیکو اس کا ند اور شریک نہ ماننا **ایمان باللہ** ہے ۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے موصوف یقین کرتا ہے تو ایسے خدا سے وہی قرب اور تعلق پیدا کر سکتا ہے جو خوبیوں سے موصوف اور بدیوں سے پاک ہوگا پس جس جس قدر انسان فضائل کو حاصل کرتا اور رزائل کو ترک کرتا ہے اسیقدر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے قرب کے مدارج اور مراتب کو بڑھاتا اور اللہ تعالیٰ کی ولایت میں آتا جاتا ہے ۔ کیونکہ پاک کو گندہ کے ساتھ قرب کی نسبت نہیں ہو سکتی اور جوں جوں رذائل کی طرف جھکتا اور فضائل سے ہٹتا ہے اسیقدر اللہ تعالیٰ کے قرب سے محروم ہو کر اسکے فیضان ولایت سے دور اور مہجور ہو جاتا ہے۔

حصول قرب آلہی کا ذریعہ

یہ ایک قابل غور اصل ہے اور اسکو کبھی بھی ہاتھ سے دینا نہیں چاہیے ۔ صفات آلہی پر غور کرو ۔ اور وہی صفات اپنے اندر پیدا کرو ۔ نتیجہ یہ ہوگا **قرب آلہی** کی راہ قریب ہوتی جائیگی ۔ اور اس کی قدوسیت اور سجانیت تمہاری پاکیزگی اور طہارت کو اپنی طرف جذب کرے گی ۔ بہت سے لوگ اس قسم کے ہیں جو خود ناپاک اور گندی زیست رکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ کیوں ہمکو قرب آلہی حاصل نہیں ہوتا؟ وہ نادان نہیں جانتے کہ ایسے لوگوں کو قرب آلہی کیونکر حاصل ہو ۔ جو اپنے اندر پاکیزگی اور طہارت پیدا نہیں کرتے قدوس خدا ایک ناپاک انسان سے کیسے تعلق پیدا کرے؟

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝

ترجمہ :- جب طالوت فوجیں لیکر الگ ہوا - اسنے کہا بے شک اللہ تعالے ایک ندی پر تمہارے اندرونہ کا اظہار کرنا چاہتا ہے - پس جو کوئی اس میں سے سیر ہو کر پئے گا وہ ہم میں سے نہیں ہوگا اور جو اسکو نہ پئے گا پس بے شک وہ ہم میں سے ہے - ہاں اگر کوئی چلّو بھر پی لے تو مضائقہ نہیں ہے -

پس جب وہاں پہونچے تو بہ استثنائے چند کے سب نے خوب پی لیا پس جب طالوت اور اوس کے ہمراہی مومن اس نہر سے پار ہوئے تو انہوں نے کہا کہ آج ہم جالوت اور اسکے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے - (اس پر) وہ لوگ جنکو خدا تعالے کے حضور حاضر ہونے کا یقین تھا بول اٹھے کہ بسا اوقات اللہ تعالے کے اذن سے چھوٹی سی جماعت ایک بڑے گروہ پر غالب آئی ہے اور اللہ مستقل مزاج لوگوں کے ساتھ ہے -

اور جب جالوت اور اسکی فوج کے مقابلہ میں آئے انہوں نے دعا مانگی اے ہمارے پروردگار ہمیں صبر (استقلال) عطا فرما اور (میدان جنگ میں) ہمیں ثبات قدم بخش اور ہمیں کافروں کی فوج پر فتح عطا فرما اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اللہ کے اذن سے صف دشمن کو شکست دی اور ایک اور بات سنو داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور اللہ تعالے نے داؤد کو ملک حکمتہ عطا فرمائی اور اپنی مرضیات سے جو چاہا اوسکو سکھا دیا اور اگر اللہ تعالے بعض لوگوں کے ذریعہ بعض (کے شر) کو دفع نکرتا تو بے شک زمین فساد سے بھر جاتی اور لیکن اللہ تعالے جہانوں پر فضل کرنیوالا ہے - یہ اللہ تعالے کی آیات ہیں جو ہم تم پر حکمت کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ ثبوت ہیں - اس امر کا کہ تو یقیناً خدا کا رسول ہے یہ (سب) رسول جو ہم نے مبعوث کئے) انمیں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی انمیں سے بعض ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند کئے اور عیسیٰ ابن مریم کو کھلی کھلی تعلیم دی اور اسکو روح القدس سے قوت بھی دی اور اگر خدا تعالے چاہتا تو جو لوگ انکے بعد میں ہوئے تو باوجود کھلے کھلے نشانات کے آجانے کے پھر باہم نہ لڑتے جھگڑتے لیکن اونہوں نے باہم اختلاف کیا پس بعض اونمیں سے ایسے ہیں جو ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا - اور اگر اللہ تعالے چاہتا تو آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ تعالے جو چاہتا ہے کرتا ہے -

۳۰۵ ع ۳۲ ۱۶

تفسیر

اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ایک ندی پر تمہارے اندرونہ کا اظہار کرنا چاہتا ہے نہر عام طور پر وسعت اور فراخی کو بھی کہتے ہیں لکھا ہے کہ اس سرزمین میں شہد کی بہت کثرت تھی اور تورات کے محاوروں کے موافق کہا جاتا تھا کہ وہاں شہد کی نہریں جاری ہیں اس معنی کے لحاظ سے یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالے نے منع کیا تھا کہ وہاں خورد و نوش میں ہی منہمک نہ ہو جانا - کیونکہ جب انسان ان چیزوں میں منہمک ہوتا ہے تو اسکا لازمی نتیجہ اللہ تعالے کی طرف سے کم توجہی اور سستی ہو جاتا ہے تو چونکہ وہاں بہت سامال غنیمت وغیرہ ملا اور وہ اس میں مصروف ہو گئے اور اسطرح پر خدا تعالے کے حکم کے توڑنے والے ٹھہرے - اور عام طور پر اپنے الفاظ کے مفہوم موافق فی الواقع ایک ندی کے پانی سے آزمایا جانا بھی صحیح ہے - بہرحال دونوں صورتوں میں یہ قدر مشترک ہے کہ انہماک سے منع کیا تھا -

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اِلَى الْاٰيَةِ یہ وہ گروہ ہے جو فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ میں مستثنے کیا گیا ہے کَمْ مِّنْ فِئَةٍ

چوری اور راہ زنی اس کا کام نہیں ہے تاجب ہے تو چونگی کا محصول اور دوسرے محاصل ضروری کے ادا کرنے میں سستی نہیں کرتا۔ زمیندار ہے تو وقت پر لگان ادا کرتا ہے لیکن اگر وہ یہ کہے کہ مجھے بادشاہ کی ضرورت نہیں اور اس کے اعزاز و اکرام میں کمی کرے تو شریر اور باغی قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح پر ماموروں کی مخالفت خطرناک گناہ ہے جو اللہ تعالے کے حضور ہو سکتا ہے۔ ابلیس نے بھی گناہ کیا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کی راہ میں شیاطین بہت دھوکے دیتے ہیں میرے نزدیک وہ لوگ بڑے ہی بدبخت ہیں جو اللہ تعالٰی کے منشا کے خلاف کرنا چاہتے ہیں۔ ایسوں پر ذرہ ذرہ لعنت بھیجتا ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالٰی چاہتا ہے کہ ایک شخص معزز و مکرم اور مطاع ہو تو اسکی مخالفت کرنیوالا تباہ نہ ہو تو کیا ہو یہی سر ہے جو انبیاء و رسل اور مامور و نکے مخالف ہمیشہ تباہ ہوئے ہیں۔ وہ جرم بغاوت کے مجرم ہوتے ہیں پس کتابوں کے بعد رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے ورنہ انسان متکبر ہو جاتا ہے اور پہلا گناہ دین میں خلیفۃ اللہ کے مقابل یہی تھا اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ اسمیں شک نہیں کہ سنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ ماموروں پر اعتراض ہوتے ہیں اچھے بھی کرتے ہیں بُرے بھی مگر اچھوں کو رجوع کرنا پڑتا ہے اور بُرے نہیں کرتے۔ مگر مبارک وہی ہیں جو اعتراض سے بچتے ہیں کیونکہ نیکوں کو بھی آخر مامور کے حضور رجوع اور سجدہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ پس اگر یہ ملک کیطرح بھی ہو پھر بھی اعتراض سے بچو کیونکہ خدا تو سجدہ کرائے بغیر نہ چھوڑیگا ورنہ لعنت کا طوق گلے میں پڑے گا۔

جزا و سزا

اس کے بعد پانچواں رکن ایمان کا جزا و سزا پر ایمان ہے۔ یہ ایک فطرتی اصل ہے اور انسان کی بناوٹ میں داخل ہے کہ جزا اور بدلے کے لیے ہوشیار اور سزا سے مضائقہ کرتا ہے یہ ایک فطرتی مسئلہ ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ایک بچہ بھی جب دیکھتا ہے کہ یہاں سے دُکھ پہونچیگا وہاں سے ہٹتا ہے اور جہاں راحت پہونچتی ہے وہاں خوشی سے جاتا ہے۔ چلّا چلّا کر جزا لینے کو طیار ہوتا ہے یہانتک کہ فاسق و فاجر کی فطرت میں بھی یہ امر ہے۔ ایک آدمی کبھی پسند نہیں کرتا کہ دوسرے کے سامنے ذلیل و خوار ہو۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ معزز ہو میں نے دیکھا ہے کہ فیل ہونے سے ایک بچہ کو کیسی ذلت پہنچتی ہے بعض اوقات ان ناکامیوں نے خودکشیاں کرا دی ہیں اور پاس ہونے سے کیسی خوشی ہوتی ہے زمینداروں کو دیکھا ہے کہ جب بروقت بارش ہو اور پھل کے ضائع ہونیکا اندیشہ ہو کیسا رنج اسے ہوتا ہے لیکن اگر غلہ گھر لے آئے تو کیسا خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر حرفہ اور صنعت والا دوکاندار غرض کوئی نہیں چاہتا کہ محنت کا بدلہ نہ ملے۔ اور بچاؤ کا سامان نہ ہو۔ پس جب یہ فطرتی امر ہے تو اسکو بھی اللہ تعالٰی نے ایمان کا جزو رکھا ہے کہ جزا و سزا پر ایمان لاؤ۔ اللہ مالک یوم الدین ہے روز روشن کیطرح اُسکی جزائیں سزائیں ہیں اور وہ مخفی نہ ہونگی اور مالکانہ رنگ میں آئینگی جیسے مالک اچھے کام پر انعام اور بُرے کام پر سزا دیتا ہے۔ اس حصہ پر ایمان لاکر انسان کامیاب ہو جاتا ہے مگر اسمیں سستی اور غفلت کرنے سے ناکام رہتا ہے اور قرب الٰہی کی راہوں سے دور چلا جاتا ہے۔

دوسرا سوال

پھر دوسرا سوال جو جبرئیل نے تعلیم الدین کے لیے آنحضرۃ صلعم سے کیا اور آپ نے اسکا جواب دیا وہ ہے مَا الْاِسْلَامُ؟ اسکا جواب جو پاک انسان خاتم الانبیاء و خاتم الاولیاء و خاتم الکمالات کی زبان سے نکلا وہ یہ ہے اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ جو بات انسان کے دل سے اُٹھتی ہے ضرور ہے کہ اُسکا اثر اُس کے اعضا و جوارح پر اور مال پر پڑے کون نہیں سمجھتا کہ شجاعۃ اگر اندر ہو تو وہ اپنے ہاتھ بازو اور اعضا سے محل و موقع پر اس کا ثبوت دیگا۔ اگر وہ موقع پر بھاگ جاتا اور بزدلی ظاہر کرتا ہے تو کوئی اُسکو شجاع نہیں کہہ سکتا۔ اسیطرح سخاوۃ ایک عمدہ جوہر ہے لیکن اگر اسکا اثر مال پر نہیں پڑتا تو وہ سخاوۃ نہیں بخل ہے ایسا ہی عفت ایک عمدہ صفۃ ہے ضرور ہے کہ جسمیں یہ صفت ہو وہ بدنظری اور بیحیائی سے بچے اور تمام فواحش اور ناپاک کاموں سے پرہیز کرے۔ اسیطرح جسکے اندر قناعۃ ہو ضروری ہوگا کہ وہ دوسروں کے مال پر بیجا تصرف سے پرہیز کریگا۔ غرض یہ ضروری بات ہے کہ جب اندر کوئی بات ہو تو اسکا اثر جوارح اور مال پر ضرور ہوتا ہے پس اگر انسان سچی نیازمندی فرمانبرداری تحریک ملائکہ۔ کتابوں۔ ماموروں۔ خلفا اور مصلحوں کی اطاعۃ میں ہو اور دل میں یہ بات ہو تو زبان پر ضرور آئیگی اور اُسکا اظہار کریگا۔ اگر ضعف یقین سے کسی انسان کو مانا ہوا ہو اور شرح صدر حاصل نہ ہو تو ممکن نہیں کہ زبان اُٹھا پیوست پاسکے اسی لئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اگر اللہ کے اسماء پر کامل یقین ہو اور اسکے رسولوں پر ملائکہ پر اور کتابوں اور انبیاء پر یقین ہو .... تو اس یقین کا اثر زبان پر آتا ہے اور انسان ایک لذۃ کیساتھ کہہ اُٹھتا ہے اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔ بے ریب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامل صفات والا انسان کل سچائیوں اور علوم حقہ کا لانیوالا ہے۔ جب یہ اقرار اور وہ ایمان ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سچی نیازمندی کے ساتھ

علاوہ بریں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ علم عطا فرمایا گیا جو کسی اور کو نہیں دیا گیا فرمایا وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اور پھر فرمایا قُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا پھر فرمایا عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ پھر اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ فرمایا یہ کہ آپ کے وسعت علم کی تحدید قرآن کریم موجود ہے۔

بسطۃ فی الجسم آپ مضبوط اپنے کام کے بیٹے قوی تھے آپ ہی کمانڈر انچیف افواج تھے۔

وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آئندہ کامیابیوں اور فتوحات کے لئے بطور پیشگوئی ہے۔ غرض طالوت بادشاہ ہوگیا اب مزید حالات اللہ تعالے طالوت کے متعلق بیان فرماتا ہے۔

رکوع ۳۲

کامیابی کا اصل گر بتایا جاتا ہے۔ کہ اطاعت نبی کی جاوے۔ اور دعاؤں اور صبر و استقلال سے کام لیا جاوے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر پیشگوئی کے رنگ میں واقعات مندرجہ کو دلیل قایم کیا جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے افضل الرسل ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت مسیح ابن مریم کی بریت کیجاتی کہ یہودی جیسا کہ انپر الزام لگاتے ہیں وہ اس سے بری ہیں بلکہ وہ موید بروح القدس ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد اختلاف کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ع ۳۲ ۳۰۴

عام مطالب اس رکوع میں دراصل تین عظیم الشان امور پر بحث ہے۔

اول جب اللہ تعالے کسی کو کامیابی عطا کرے تو اسوقت اسے حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے اور اطاعت نبی سے باہر نہیں ہونا چاہیے۔

دوم - کامیابی کا اصل الاصول دعائیں اور صبر و استقلال ہے۔

سوم - آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور آپ کی رسالت کے دلائل۔

پہلے ہم اس رکوع کو لکھتے ہیں اور اسکا ترجمہ دیتے ہیں پھر تفسیر۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ یعنی جو لوگ ہم میں ہو کر مجاہدہ اور سعی کرتے ہیں ہم اُن پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔ یہ کیسی سچی اور صاف بات ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اختلاف کے وقت انسان مجاہدات سے کام نہیں لیتا۔ کیوں ایسے وقت انسان دبدا اور تردد میں پڑتا ہے اور جب یہ دیکھتا ہے کہ ایک کچھ فتویٰ دیتا ہے اور دوسرا کچھ تو وہ گھبراجاتا اور کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ کاش وہ جاھدوا فینا کا پابند ہوتا تو اسپر سچائی کی اصل حقیقت کھُل جاتی۔ مجاہدہ کے ساتھ ایک اور شرط بھی ہے وہ تقویٰ کی شرط ہے۔ تقویٰ کلام اللہ کے لیے معلم کا کام دیتا ہے واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ۔ اللہ کی تعلیم تقویٰ پر منحصر ہے اور اُسکی راہ کا حصول جہاد پر۔ جہاد سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں سعی اور کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سعی اور جہاد اور تقویٰ اللہ سے روکنے والی ایک خطرناک غلطی ہے جس میں اکثر لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہے

ترقیات کا مانع

فرحوا بما عندهم من العلم۔ کسی قسم کا علم جو انسان کو ہو وہ اسپر ناز کرلے اسی کو اپنے لیے کافی اور راحت بخش سمجھے تو وہ سچے علوم اور ان کے نتائج سے محروم رہ جاتا ہے۔ خواہ کسی قسم کا علم ہو۔ حدیث کا سائنس کا۔ صرف و نحو یا کلام یا اور علوم غرض کچھ ہی ہو انسان جب انکو اپنے لیے کافی سمجھ لیتا ہے تو ترقیوں کی پیاس مٹ جاتی ہے اور محروم رہتا ہے۔

راست باز انسان کی پیاس سچائی سے کبھی نہیں بجھ سکتی بلکہ ہر وقت بڑھتی ہے اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ ایک کامل انسان اعلم باللہ۔ اتقی للہ۔ اخشی للہ جس کا نام محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سچے علوم۔ معرفتیں سچے بیان اور عملدرآمد میں کامل تھا اس سے بڑھ کر اعلم۔ اتقیٰ اور اخشی کوئی نہیں پھر بھی اس امام المتقین او امام العالمین کو یہ حکم ہوتا ہے قُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔

اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ سچائی کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور یقین کی راہوں اور علوم حقہ کے لیے اسی قدر پیاس انسان میں بڑھیگی جس قدر وہ نیکیوں اور تقویٰ میں ترقی کرے گا جو انسان اپنے اندر اس پیاس کو بجھا ہوا محسوس کرے اور فرحوا بما عندهم من العلم کے آثار پاتے اسکو استغفار اور دعا کرنی چاہیے کہ وہ خطرناک مرض میں مبتلا ہے جو اُسکے لیے یقین اور معرفت کی راہوں کو روکنے والی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے رضا کی راہیں بے انت اور اسکے مراتب و درجات بے انتہا ہیں پھر مومن کیونکر مستغنی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اسے واجب ہے کہ اللہ کے فضل کا طالب اور ملائکہ کی پاک تحریکوں کا متبع ہو کر کتاب اللہ کے سمجھنے میں چست و چالاک ہو۔ اور سعی اور مجاہدہ کرے تقویٰ اختیار کرے تا سچے علوم کے دروازے اسپر کھلیں۔

غرض کتاب اللہ پر ایمان تب پیدا ہوگا جب اس کا علم ہوگا اور علم منحصر ہے مجاہدہ اور تقویٰ پر اور فرحوا بما عندهم من العلم سے الگ ہونے پر۔

ایمان بالرسالت

اس کے بعد چوتھا رکن ایمان کا ایمان بالرسل ہے۔ بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ڈھیروں ڈھیر کتابیں ہیں پُرانے لوگوں کی یادداشتیں ہیں ہم نیکی اور بدی کو سمجھتے ہیں کسی مامور و مرسل کی کیا ضرورت ہے۔ یہ لوگ اپنے مخازن علوم کو کافی سمجھتے ہیں اور خطرناک جرم کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور باغی ٹھیرائے جاتے ہیں اور یہ سچ بھی ہے اللہ تعالیٰ ہی سے تو وہ مقابلہ کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ ایک انسان کو معظم و مکرم اور مطاع بنانا چاہتا ہے تو ہر ایک کا فرض ہے کہ رضاء الٰہی کو مقدم کرے اور اسکو اپنا مطاع سمجھے ارادہ الٰہی کو کوئی چیز روک نہیں سکتی اسکے مقابلہ میں تو جو آئے گا وہ ہلاک ہو جائے گا بس جو خلاف ورزی کرتا ہے یا یہ سمجھتا ہے کہ میرے علوم کے سامنے اسکی احتیاج نہیں وہ اس تعظیم مکرمت اور اعزاز میں جو اس مطاع مکرم معظم کے متبعین کو ملتا ہے حصہ دار نہیں ہوتا بلکہ محروم رہ جاتا ہے۔ خواہ ایسا انسان اپنے طور پر کتنی ہی نیکیاں کرتا ہو مگر اس ایک انسان کی مخالفت اور خلاف ورزی سے اس کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان منشا کے خلاف کرتا ہے اور اسپر بغاوت کا الزام ہے۔ دنیوی گورنمنٹوں کے نظام میں بھی یہی قانون ہے ایک بھلا مانس آدمی جو کبھی بدمعاملگی نہیں کرتا

میں ہے طالوت نے داؤد کو انکے باپ سے بلا کر سلحہ بردار رکہا اور داؤد سے واقف تہا۔ اور ۱۷ باب ۳۱۔ ۳۹ میں ہے۔ داؤد نے جالوت سے لڑنے کا ارادہ کیا تو طالوت نے اپنا ذرہ بکتر دیا۔ مگر۔ ۱ سموئیل ۱۷ باب ۵۵ میں ہے۔ جب داؤد لڑنے کو بڑہا تو ساول نے لشکر کے سردار سے پوچہا یہ جوان کس کا بیٹا ہے۔ جب داؤد سر کاٹکر لایا تو ساول نے پوچہا یہ لڑکا کس کا بیٹا ہے۔

اس تعارف اور عدم تعارف سے حیران ہوکر عیسائی مؤرخ کہتے ہیں۔ ۱۔ سموئیل میں قصہ اُلٹ پلٹ گیا ہے مگر اس غدر پر بہی کچہہ نہیں بنتا کیونکہ ۱۶ باب میں بربط نوازوں میں ساول سے ملاقات کرنا پایا جاتا ہے۔

متقدمین عیسائی کہتے ہیں ۱۔ سموئیل ۷ باب آیت ۱۲۔ ۳۱۔ اور ۵۵۔ ۵۸ تک صحیح نہیں اسلئے سیٹو ایجنٹ کے قلمی نسخہ اور کیٹلن میں یہ آئتیں نہیں ۱۶۔ باب ۱۸۔ ۲۱۔ اور ۱۷ باب ۳۳۔ ۳۴ کے مطابق نہ ہونے سے بعض ۱۷ باب کو الحاقی کہتے ہیں۔ صاحب اظہار عیسوی چہتیسویں فساد کے جواب میں کہتے ہیں۔ بعض جا واقعات کا بیان تاریخ وار نہیں ورآگے پیچہے لکہا گیا ہے صفحہ ۲۴۶۔

ایک اور نیا جواب نہر بحرکت ہا غالباً آرام اور وسعت کو کہتے ہیں۔ پس معنے یہ ہوے ساول نے کہا خدا تمکو آرام دیگا اور کہانے پینے کو بخشے گا۔ تم زیادتی نہ کرنا بقدر ضرورت لے لینا۔ شرب اور طعم کا لفظ وسیع ہے مگر لوگ لوٹ پر ٹوٹ پڑے اور گناہ کیا۔ اور اُسکے بیٹے نے بہی کچہہ کہایا اور قوم نے اسے سزا یاب نہ ہونے دیا۔ دیکہو۔ ۱ سموئیل ۱۴۔ باب ۲۴۔ ۴۶۔

پھر نہر کے معنے ندی کے ہی لیتے ہیں

مگر قرآن میں یہ قول ساول کا مندرج ہے اور وہ عبری بولنے والا آدمی ہے اور عبری محاورے میں نہر کا لفظ قابل غور ہے۔ خروج ۳ باب ۸۔ دودہ اور شہد موج مارتا ہے گنتی ۱۶ باب ۱۳ تو ہمیں اوس زمین سے جسمیں دودہ اور شہد بہتا ہے نکال لایا گنتی ۱۴ باب ۲۷ جہاں تونے بہیجا وہاں سچ مچ دودہ اور شہد بہتا ہے۔ اب دیکہو ۱۔ سموئیل ۱۴۔ باب ۲۴۔ ساول نے لوگوں کو کہانے پر لعنت دی سب لوگ بن میں پہنچے اور وہاں شہد تہا (وہی جو موج مارتا بہتا بتایا گیا) یونتن ساول کے بیٹے نے عصا کی نوک سے شہد کے چہتے کو چہیدا اور ہاتہ اپنے منہ میں ڈالا۔ اور بنی اسرائیل یونتن کے جانب دار ہوئے۔ (گویا سب نے پیا)

ایک اور نیا جواب جالوت ہر ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو میدان میں اکیلا نکلکر لڑے۔ قرآن میں دو جالوتوں کا ذکر ہے ایک وہ جسکی لڑائی طالوت سے ہوئی اور ایک جالوت وہ جسے داؤد نے مارا۔ قرآن پر غور کرو۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ۔ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ سپارہ ۲۔ سورۃ بقرہ۔ رکوع ۳۳۔

یہاں وقف لکہا ہے۔ اور یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ قصہ تمام ہوا۔ اور آگے اور قصہ شروع کیا۔ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ۔ عربی میں غالباً جب نکرے کا اعادہ ہوتا ہے۔ تو وہ پہلا مراد نہیں ہوتا۔

وعلمہ مما یشاء حضرت داؤد کو ملک اور حکمت کے عطا کرنے کا اللہ تعالٰے نے اظہار فرمایا ہے نیز فرمایا وعلمہ مما یشاء اسکی توضیح قرآن کریم کے دوسرے مقام پر یوں کی ہے وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنتُمْ شٰكِرُونَ۔ ترجمہ:۔ ہم نے انہیں (داؤد کو) تمہاری جنگی پوشش کا بنانا سکہایا تاکہ لڑائی کے زخموں سے تمہاری حفاظت کرے پس کیا تم اب بہی شکر کرنے والے ہوئے ہو؟ اور پہر ایک مقام پر فرمایا وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ۝ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝ (سورہ ص رکوع ۲)

اس آیت میں فَصْلَ الْخِطَابِ ۝ کے عطا ہونے کا خصوصیت سے ذکر ہے۔

طالوت جالوت وغیرہ کے قصہ کی غرض قرآن کریم کا مقصد بعض تاریخی قصص کے بیان کرنے سے قصہ گوئی نہیں ہے

۳۰۷ ۳۴۲ ع۱۶

اسلام کی صداقت اور عظمت کو دنیا میں قایم کرنے والا

اکیلا اردو اخبار

الحکم قادیان

اسلام کی ضرورت۔ اس کی صداقت کل ادیان پر۔ اس کی فضیلت کا پر زور دلائل اور علمی سچائیوں اور تعلیم کی ذاتی خوبیوں کے رو سے ثابت کرنا اور قرآن کریم کے حقایق و معارف بیان کرنا اس کے منجانب اللہ ہونے اور خاتم الکتب اور زندہ کتاب ہونے کا ثبوت قرآن کریم ہی کے ذریعہ سے دینا اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت آپ کی پاک تعلیم اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی اور قوت قدسیہ کا زندہ نمونہ پیش کر کے دینا اور یہ ثابت کرنا کہ زندہ اور معصوم نبی آپ ہی ہیں ۔ اس اخبار کے عام اغراض ہیں۔ غرضیکہ قرآن شریف کی آیات کی تفسیر اور اس کی تعلیم کی خوبیاں نہایت سلیس مگر پُرزور اور پاکیزہ زبان میں بیان کیجاتی ہیں اور مخالفین مذہب اسلام کے اعتراضوں کا جواب نہایت متانت اور معقولیت سے دیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ لٹریچر نہایت ہی سلیس اخلاقی اور روحانی ہدایتوں کو لئے ہوئے ہوتا ہے اس لئے مستورات بھی پڑھکر پورا فائدہ اُٹھا سکتی ہیں یہ اخبار فلس کیپ سائز کے پورے ۱۶ صفحوں پر مہینہ میں چار بار شائع ہوتا ہے اگر آپ اسلام کی عظمت قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں؟ اگر اپنے خاندان اور کنبہ کی سچی اصلاح کے خواہشمند ہیں تو آپ الحکم کو ضرور پڑھیں قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک صرف پانچ روپیہ
نمونہ کا پرچہ ۲/ کو ملیگا بدون وصول قیمت کسی کے
نام جاری نہیں
ہو سکتا۔

تمام درخواستیں باجازت وی پی یا معہ زرچندہ شیخ یعقوب علی تراب احمدی ایڈیٹر و مالک اخبار الحکم قادیان کے نام آنی چاہئیں۔

فَلِيْلَةٍ کا مصداق بدر والے ہی ہیں کیونکہ انکے لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ بے شک اللہ تعالےٰ نے بدر میں تمہاری مدد کی اور تم تھوڑے تھے۔

لیکن ایک قلیل گروہ کے کثیر جماعت پر مراد نہ ہونے کا سِر ہے استقلال اور خدا تعالےٰ کے ساتھ سچا پیوند جس سے اللہ تعالےٰ کی محبت نصیب ہوتی ہے۔

مخالفوں کے اعتراض اور جواب | وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ پر عیسائیوں نے بعض اعتراض کئے ہیں۔اور تاریخی اعتبار سے اس بیان کو غلط ٹھہرانے کی کوشش کی ہے۔ہم وہ اعتراض اور انکا جواب حضرت حکیم الامتہ کی کتاب فصل الخطاب سے دیتے ہیں۔

اعتراض۔سورۃ بقرہ۔۳۳ رکوع ۹۔طالوت یعنی ساول نے اپنے لشکر کو پانی پلا کر آزمایا۔طالوت کا لشکر کو پانی پر آزمانا عہد عتیق میں مذکور نہیں۔ہاں طالوت سے ایک سو چونسٹھ برس پیشتر جدعون قاضی نے اس طرح لشکر کو آزمایا۔پس وحی نبی عرب نے غلطی کی۔کتاب قاضی ۷ باب۔۴۔۷۔سموئیل۔

جواب۔عہد عتیق میں کسی بات کے مذکور نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بات نفس الامر میں ہوئی ہی نہیں۔دیکھو متی باب ۱۳۔۱۶ میں چند نام مذکور ہیں اور سوا زر بابل کے کوئی نام عہد عتیق میں موجود نہیں۔کیا اب انجیل متی یا اوس کا پہلا باب غلط کہدیں۔

متی ۲۳۔باب ۳۵ میں۔بار اخیا کے بیٹے ذکریا کا ذکر کیا ہے۔حالانکہ ۲ تاریخ ۲۴ باب ۲۲۔یہویدع نام لکھا ہے۔عہد عتیق میں یہویدع کے دوسرے نام کے سکوت سے کیا ہم انجیل کو غلط کہدیں۔

یہوداہ کے خط ۹۔آیت میں ہے۔میکائیل نے شیطان سے تکرار کر کے موسیٰ کی لاش کی بابت بحث کی۔عبرانی۔۱۔باب ۶ پلوٹھے کے لئے فرشتوں کو سجدہ کا حکم۔

اوّل تمطاوس ۳ باب ۶۔غرور کر کے شیطان کا عذاب میں مبتلا ہونا۔یہ باتیں توریت و عہد عتیق میں نہیں۔تو کیا انکے مذکور نہ ہونے سے عہد جدید کے روح القدس کی لکھائی کتابیں غلط ہیں۔میں کہتا ہوں ایسا نہوا۔یعنی اگر کتاب سموئیل میں ساول کے آزمانے کا ذکر نہیں کیا تو کیا حرج۔سموئیل کی کتاب انکار ہی نہیں کرتی۔جدعون قاضی نے اپنے لشکر کو پانی پر آزمایا۔جیسا ۷ باب قاضی میں ہے تو کیا اس سے لازم آتا ہے کہ ساول نے اپنے لشکر کو پانی پر نہیں آزمایا۔سو جو مردے کو ایلیا نے زندہ کیا۔ا سلاطین ۱۷ باب ۲۰۔الیسع نے زندہ کیا۔۲ سلاطین ۴ باب ۲۲۔تو کیا اب ہم کو جائز ہے ہم کہدیں انجیل میں مسیح کا مردہ زندہ کرنے کا قصّہ غلط ہے۔کیونکہ مسیح سے پہلے ایلیا اور الیسع نے مردے کو زندہ کیا ہے۔انجیل نویسوں نے غلطی سے ایلیا اور الیسع کا قصّہ مسیح کے ساتھ ملا دیا ہے۔اگر کہو جنکو ایلیا اور الیسع نے زندہ کیا وہ اور تھے اور مسیح نے جنکو زندہ کیا وہ اور۔تو یہاں بھی ہم کہتے ہیں جنکو جدعون نے آزمایا وہ اور تھے اور جس لشکر کو ساول نے آزمایا وہ اور تھا۔جس نہر پر جدعون نے لشکریوں کو آزمایا وہ اور تھی۔اور جس نہر پر ساول نے آزمایا وہ اور تھی۔

ہاں اگر یہ بات ثابت ہو جاوے کہ جہاں ساول اور جالوت فلسطی کی لڑائی ہوئی وہاں نہر نہ تھی تو البتہ قرآن پر شبہہ ہو سکتا ہے۔مگر وہاں ندی موجود تھی۔کیونکہ فلسطینی۔سوکوہ۔عزیقاہ۔افس۔دمیم۔میں جمع تھے اور بنی اسرائیل وادی ایلاہ میں۔اور دونوں کے درمیان دریائے شورق واقع تھا فلسطی دریا کے جنوبی اور بنی اسرائیل دریا کے شمالی کنارے پر تھے۔بنی اسرائیل نے دریا سے عبور کر کے حملہ کیا اور ہمیشہ سپہ سالار ایسے طریقوں سے انتخاب کیا کرتے ہیں۔

اظہار عیسوی میں لکھا ہے قاضیوں کی کتاب دوسرے سموئیل سے پہلے تصنیف ہوئی نہ پہلے سموئیل سے پہلے۔دیکھو اظہار عیسوی صفحہ ۱۹۸۔پس کیا تعجب ہے۔طالوت کا قصّہ جدعون کے قصّہ سے کتاب قاضی میں گڈ مڈ ہو گیا۔

کتاب سموئیل کے واقعات نہ تو ترتیب سے ہیں اور نہ یہ بات ہے کہ طالوت کا کوئی واقعہ سموئیل سے فروگذاشت نہیں ہوا۔کیونکہ سموئیل ۱۷۔باب ۲۱

٢٠٦ ع ٣٢ ١٦

جناب الٰہی کے حضور پیش ہو۔ اور یہی نماز ہے۔ نماز ظاہری پاکیزگی ہاتھ منہ دھونے اور ناک صاف کرنے اور شرمگاہوں کو پاک کرنیکے ساتھ یہ تعلیم دیتی ہے کہ جیسے
میں ان ظاہری پاکیزگیوں کو ملحوظ رکھتا ہوں اندرونی صفائی اور پاکیزگی اور سچی طہارت عطا کر اور پھر اللہ تعالےٰ کے حضور سبحانیت۔ رحمانیت۔ قدوسیت۔ مجدیت۔
پھر ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت اور اسکے ملک اور ملک میں تصرفات اور ذمہ واریوں کو یاد کرکے کہ انکو قلب کیساتھ ماننے کو طیار ہوں سینہ پر ہاتھ رکھکر تیرے حضور کھڑا
ہوتا ہوں۔ اس قسم کی نماز جب پڑھتا ہے تو پھر اسکی وہ خاصیت اور اثر پیدا ہوتا ہے جو ان الصلوٰة تنهیٰ عن الفحشاء والمنکر میں بیان ہوا ہے پھر پاک کتاب کا کچھ حصہ پڑھے اور رکوع
کرے کہ میری عبودیت اور نیازمندی کی انتہا بجز سجدہ کے اور کوئی نہیں۔ جب اس قسم کی نماز پڑھے تو وہ نیازمندی اور سچائی جب اعضا اور جوارح پر اپنا اثر کریگی تو اوپر جوش مارکر نکلی
کریگی اور اسکا اثر مال پر پڑیگا۔ اسکے بعد تیسری بات جبرئیل نے پوچھی ہے جس سے دین کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ یہ ہے ما الاحسان؟ احسان کیا ہے رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری

الاحسان میں ایسا اخلاص اور احتساب ہو کہ تو گویا اسکو دیکھتا ہے اور اگر اس درجہ تک نہ پہنچ تو کم از کم اپنے آپکو اسکی نگرانی میں سمجھ جبتک ایسا بندہ نہ ہو وہ دین کے مراتب کو نہیں سمجھ
سکتا پس ایسا دین کوئی سلیم الفطرۃ کہہ سکتا ہے کہ اسمیں اکراہ کی ضرورت ہے؟ ہرگز نہیں لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ اسوقت بھی ایسا ہی وقت ہے جیسا کہ رسول اللہ کے زمانہ
میں تمام ہدایت کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ تجربہ مشاہدہ سائنس۔ قویٰ کا نشو و نما و جلا۔ صحیح فطری قویٰ رشد اور غی میں امتیاز کرنیکو موجود ہیں۔ رشد کو اقتصاد بھی کہتے ہیں جو افراط اور تفریط کے
درمیان کی راہ ہے بہت لوگ ہیں جو خاص مذاق میں بڑھے ہوئے ہیں بعض ایسے ہیں کہ انکو کھانے ہی کی ایک دھت ہوتی ہے اور اب وہ اسمیں بہت ترقی کر گئے ہیں اور کرتے جاتے ہیں بعضکو بچپن ہی
میں یہ عادت ہوئی اور پھر بڑھتے بڑھتے بہت سی بداطواریوں کا باعث بنگئی ایسا ہی لباس میں افراط سے کام لینے والوں کا حال ہے ایسا ہی بعض جمع اموال میں
فضول خرچیوں میں بڑھتے ہیں جب ایک کی عادت ڈال لیتے ہیں تو پھر وہ ہر روز بڑھتی ہے غرض افراط اور تفریط دونوں مذموم چیزیں ہیں محمود اور پسندیدہ اقتصاد اور رشد ہے یہی حال اقوال
اور افعال میں ہے اسطرح پر ترقی کرتے کرتے ہم عقائد تک پہنچتے ہیں بعض نے تو سوسائٹی کے اصول رسم و رواج سب کو اختیار کرلیا ہے اور مذہب کا جزو قرار دے لیا اور بعض ایسے ہیں کہ ساری
انجمنوں کو لغو قرار دیتے ہیں غرض دنیا عجیب قسم کی افراط تفریط میں پڑی ہوئی ہے رشد اور اقتصاد کی صراط مستقیم صرف اسلام لیکر آیا ہے بعض نادانوں نے اعتراض کیا ہے کہ اسلام تو رشد
اور اقتصاد سکھاتا ہے پھر رسول اللہ نے مقابلہ کیوں کیا؟ مگر افسوس ہے کہ انکو معلوم نہیں انہوں نے تو تیرہ سال تک صبر کیا اور پھر آخر آپ کل دنیا کیلئے ہادی تھے تو بادشاہوں اور تاجداروں کیلئے
بھی کوئی قانون چاہیے تھا یا نہیں؟ اب دیکھلو کہ غیر قوموں کی لڑائیوں میں کیا ہوتا ہے جب دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے تو بعض اوقات عورتیں بچے مویشی کھیت سب تباہ ہوجاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے
صرف اسلئے کہ مذہب نے ملکداری کا کوئی نمونہ اور قانون پیش نہیں کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر ضرورت کی خود تکمیل کی ہے اور اسی لیے خانہ داری کے اصول پر الگ بحث کی ہے ان لوگوں کو جو
حیض و نفاس کے مسائل پر اعتراض کرتے ہیں غور کرنا چاہیے کہ معاشرت کا یہ بھی جزو ہے۔ غرض ہماری شریعۃ جامع شریعۃ ہے جس میں انسان کی فطری حوائج کھانے پینے سے لیکر معاشرۃ تمدن تجارۃ
زراعۃ حرفۃ ملکداری اور پھر ان سب سے بڑھکر خداشناسی اور روحانی مدارج کی تکمیل کی یکساں تعلیم موجود ہے یہی وجہ ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں یہی باعث ہے کہ اسلام مکمل دین ہے یہ ایک بین نقشہ ہے کہ اسلام
ہر شعبہ اور ہر حصہ میں کیا تعلیم دیتا ہے۔ چونکہ اسوقت کتاب اللہ موجود ہے اور اسکا معلم بھی خدا کے فضل سے موجود ہے اور اسکا نمونہ تم دیکھ سکتے ہو میں صرف یہی کہونگا قد تبین الرشد من
الغی۔ رشد کی راہ۔ رشد کی راہ ہے اور اسکے خلاف خواہ افراط کی راہ ہو یا تفریط کی اسکا نام غی ہے رشد والوں کو مومن متقی سعید کہا گیا اور غی والوں کو کافر فاسق شقی۔ فمن یکفر بالطاغوت
جو لوگ الٰہی حد بندیوں کو توڑ کر چلے گئے ہیں انکو طاغوت کہا ہے اللہ تعالیٰ کی راہیں جنکو قرآن نے واضح کیا ہے اور آنحضرت نے دکھایا انہیں تو فصم نہیں ہے ادنی درجہ فصم ہے اس سے بڑے تو انفصام
پھر اس سے بڑھ کر تو انفصام۔ اللہ وہ اللہ ہے جو تمہاری دعاؤں کو سنتا اور تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔ الغرض یہ دین اور اسکا نتیجہ ہے قرب الٰہی جب انسان اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کرتا ہے تو چونکہ
اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے اسلیے ظلمۃ سے نکلنے لگتا ہے اور اسمیں امتیازی طاقت پیدا ہوتی جاتی ہے چنانچہ فرمایا

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ + ترجمہ اللہ اُن لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے (مومن ہیں) انکو اندھیروں سے نکالکر نور کیطرف لے
آتا ہے اور جنہوں نے کفر کیا ان کے ولی شیطان سرکش ہیں جو انکو نور سے نکالکر اندھیروں کی طرف لیجاتے ہیں۔ وہی لوگ جہنمی ہیں رہ پڑے اسمیں ہمیشہ۔

ظلمۃ کئی قسم کی ہوتی ہے ایک جہالۃ کی ظلمۃ ہے پھر رسومات عادات عدم استقلال کی ظلمت ہوتی ہے انسان جسقدر ظلمۃ میں بڑھتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے اور جسقدر
قرب حاصل ہوتا ہے اُسیقدر امتیازی قوت پیدا ہوتی ہے پس اگر کسی صحبت میں رہ کر ظلمۃ بڑھتی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ قرب الٰہی کا موجب نہیں بلکہ بعد و حرمان کا موجب ہے کیونکہ

نزول و صعود اللہ کے جسقدر انسان قریب ہوگا اسی قدر ظلمۃ سے رہائی اور نور سے حصہ ملتا جاویگا اسی لیے ضروری ہے کہ ہر فعل اور قول میں اپنا محاسبہ کرو نیچے اور اوپر کے دو لفظ ہیں جو
سائنس والوں کی اصطلاح میں بھی بولے جاتے ہیں یعنے نیچے اور اوپر جانیوالی چیز و نیز عنصر کی ہر ڈول جوں جوں نیچے جاتا ہے اسکی قوۃ میں تیزی ہوتی جاتی ہے اور اسیطرح پتنگ جب اوپر
جاتا ہے پہلے اسکا اوپر چڑھانا مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن آخر وہ بڑی زور سے اوپر کو چڑھتا ہے یہی اصل ترقی اور تنزل کی جان ہے یا صعود اور نزول کی روح ہے انسان جب بدی کیطرف جھکتا ہے
تو اسکی رفتار بہت سست اور دھیمی ہوتی ہے لیکن پھر بہت اس قدر ترقی کرتا ہے کہ خاتمہ جہنم میں جا کر ہوتا ہے یہ نزول ہے اور جب نیکیوں میں ترقی کرنے لگتا اور قرب الی اللہ کی راہ پر چلتا ہے تو ابتدا

مطبع انوار احمدیہ قادیان میں شیخ یعقوب علی تراب احمدی کے اہتمام سے چھپکر شائع ہوئی + بمنہ تعالےٰ

اسلام کی صداقت اور عظمت کو دنیا پر ثابت کرنے والا ... سب سے پرانا مشہور و مسلم احمدیہ سلسلہ کا پہلا اردو اخبار

الحکم

قادیان

اسلام کی ضرورت - اس کی صداقت کمال ایمان پر - اس کی فضیلت کا پر زور دلائل اور عملی سچائیوں اور تعلیم کی ذاتی خوبیوں کے رو سے ثابت کرنا اور قرآن کریم کے حقائق و معارف بیان کرنا اس کے من جانب اللہ ہونے اور خاتم الکتب اور زندہ کتاب ہونے کا ثبوت قرآن کریم ہی کے ذریعہ سے دینا اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت آپ کی پاک تعلیم اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی اور قوت قدسیہ کا زندہ نمونہ پیش کرکے دینا اور یہ ثابت کرنا کہ زندہ اور معصوم نبی آپ ہی ہیں اس اخبار کے عام اغراض ہیں - غرضیکہ قرآن شریف کی آیات کی تفسیر اور اس کی تعلیم کی خوبیاں نہایت سلیس مگر پُر زور اور پاکیزہ زبان میں بیان کی جاتی ہیں اور مخالفین مذہب اسلام کے اعتراضوں کا جواب نہایت متانت اور معقولیت سے دیا جاتا ہے چونکہ یہ لٹریچر نہایت ہی سلیس اخلاقی اور روحانی ہدایتوں کو لیے ہوئے ہوتا ہے - اس لیے مستورات بھی پڑھ کر پورا فائدہ اٹھا سکتی ہیں یہ اخبار ۲۲ + ۲۹ کی تقطیع کے ۱۲ صفحوں پر مہینہ میں چار بار شائع ہوتا ہے - ناظرین ! اگر آپ اسلام کی عظمت قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان عالی سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں ؟ قاریین ! اگر آپ اپنے خاندان اور کنبہ کی سچی اصلاح کے خواہش مند ہیں تو آپ الحکم کو ضرور پڑھیں قیمت سالانہ مع محصول ڈاک صرف پانچ روپے نمونہ کا پرچہ مفت ملے گا بدون وصول قیمت کسی کے نام جاری نہیں ہو سکتا +

تمام درخواستیں یا اجازت وی پی یا مع زرچندہ شیخ یعقوب علی تراب احمدی ایڈیٹر و مالک اخبار الحکم قادیان کے نام آنی چاہییں +

تفسیر القرآن

جلد اول　بابت ماہ فروری ۱۹۰۳ء　نمبر دوم

جسکو

خاکسار شیخ یعقوب علی تراب احمدی ایڈیٹر الحکم قادیان نے حضرۃ حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریروں یا تحریروں اور حضرۃ حکیم الامۃ مولانا و بالفضل اولنا مولوی حافظ حاجی حکیم نورالدین صاحب بھیروی کے درس قرآن مجید میں سے لیے ہوے نوٹس اور آپ کی پرانی یادداشتوں اور مولانا مولوی عبدالکریم صاحب کے خطبات سے لیکر مرتب کیا اور حضرت حکیم الامۃ اور مولانا مولوی عبدالکریم صاحب کی اصلاح کے بعد شائع کیا۔

اور

اخبار الحکم و تفسیر القرآن کے کارخانہ انوار احمدیہ پریس قادیان دارالامان میں

بلکہ وحی الٰہی تاریخ صحیحہ کی ہی مصدق ہوتی ہے اور وہ اپنی تائید میں اسے پیش کرتی ہے۔ علاوہ بریں قرآن کریم نے جو قصص لئے ہیں وہ بر نگ قصص نہیں ہیں۔ بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں ہیں اور اثبات نبوت عامہ کے دلائل ہیں یہی وجہ ہے کہ اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا تلک ایات اللہ نتلوھا علیک بالحق و انک لمن المرسلین۔

یعنی یہ ایات اللہ ہیں جو ہم تیرے اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم حق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ تیرے دلائل رسالت ہیں۔ ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حقیقی متبعین جانشین کو یہ واقعات پیش آنے والے تھے۔ چنانچہ وہی ارض مقدس جسکا وعدہ ان آیتوں میں موسیٰ علیہ السلام اور انکی قوم کو دیا گیا تہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے قبضہ میں بہی آنے والی تہی اسلئے اون واقعات کو پیش کر دیا اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا بہی اظہار مقصود ہے۔ کیونکہ صحابہ سے وہ کمزوریاں سرزد نہیں ہوئیں جو بنی اسرائیل سے ہوئیں۔ مثلاً بنی اسرائیل نے تو کہدیا اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون تو اور تیرا رب چلے جاؤ اور جا کر لڑو ہم تو یہ بیٹھے ہیں۔

صحابہ سے خدا کے فضل و کرم ایسی کمزوری سرزد نہیں ہوئی جیسا کہ اسکی تصدیق تو تعامل سے ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

اللہ تعالےٰ ہر چیز کو اعتدال پر رکہتا ہے اللہ تعالےٰ نے یہ قانون رکہا ہوا ہے کہ ہر ایک چیز کو وہ اعتدال پر رکہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو اور ایسے بے محابا بڑہنے دیا جاوے تو پہر دنیا میں ایک ہی چیز ہو اسلئے ایسا انتظام ہے کہ وہ کم بہی ہوتی رہتی ہے۔ اسی قانون اور انتظام کی طرف لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض میں اشارہ فرمایا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ تلک کا لفظ تین حروف سے بنا ہے ت یعنی یہ ل دوری کے معنے بیان کرتا ہے ک یعنی مخاطب۔ تلک الرسل سے مراد وہ رسول ہیں جنکا ذکر ہو چکا یعنی موسیٰ۔ عیسیٰ۔ ابراہیم۔ یعقوب داؤد علیہم السلام ان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شامل نہیں ہیں۔ ان رسولوں میں بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ اور یہ امر لانفرق بین احد من رسلہ کے خلاف نہیں کیونکہ اس میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نہیں چاہئے کہ ایک کو مانیں دوسرے کو نہ مانیں۔

البینٰت حضرت مسیح علیہ السلام کو بینات عطا فرمائیں اس سے یہ مطلب ہے کہ انکو علم اخلاق کی کہلی کہلی ہدایتیں دی تہیں

اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ کے متعلق ہم اپنی تفسیر القرآن پارہ اوّل کے صفحہ ۱۰۵ میں بحث کر چکے ہیں یہاں اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ جو چاہے اس مقام پر دیکھے البتہ روح القدس کے متعلق ایک سوط بحث کی ضرورت ہے جو کسی دوسرے وقت کے لئے ملتوی کرتے ہیں انشاء اللہ تعالےٰ کسی مقام پر کریں گے۔

اسکے بعد اللہ تعالےٰ ان لوگوں کا ذکر کرتا ہے اور اپنے متصرف بالارادہ ہونے کا ثبوت دیتا ہے کہ باوجود کہلے کہلے دلائل اور نشانات کے پہر بہی بعض لوگ منکر ہو گئے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے اللہ یفعل ما یرید۔

مولا کریم اس ناچیز سعی کو تو قبول فرما اور میرے لئے اور پڑہنے والوں کے لئے باعث نجات ٹہرا تا کہ ہم ان حقائق و معارف پر غور کریں اور پہر پُر لذت دل کے ساتھ احکام و اوامر پر عمل کریں اور منہیات سے بچیں۔ آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ كَمَا بَارَكْتَ وَسَلَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ ربنا تقبل منا انک انت سمیع علیم۔ آمین

۳۰۸ ۳۲ ع ۱۷

جان حسن قرآن ہو جان ہر مسلمان ہے

تفسیرُ القرآن

کیا نشانہ اور دل ان کا ہو اعلیٰ قرآن ہے

اگر آپ مسلمان ہیں؟ اور قرآن کریم کے حقایق و معارف اور اس کی تعلیم کی خوبیوں کے عاشق ہیں؟ تو آپ تفسیر القرآن جس کا پہلا پارہ شائع ہو چکا ہے ضرور پڑھیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اس طرز اور ڈھنگ کی تفسیر آپ کے ملاحظہ سے نہ گذری ہوگی۔ زمانہ حال کی ضرورتوں کے لحاظ سے قرآن کریم کو نہ صرف علمی رنگ میں پیش کیا ہے بلکہ مخالفین کی تمام اعتراضوں کا ہی جو وہ قرآن کریم پر کرتے ہیں قرآن کریم ہی سے معقول جواب دیا ہی اس تفسیر میں جو خوبیاں ہیں وہ اس مختصر اشتہار میں بیان نہیں ہو سکتی ہیں یہ تفسیر عالیجناب حافظ حاجی حکیم نور الدین صاحب بھیروی کے درس قرآن مجید سے لیگئی ہی اور انکی اصلاح اور نظر ثانی کے بعد شائع ہوئی ہی۔ قرآن شریف کی آیتوں کی باہم ترتیب نہایت عجیب طرز پر دکھائی ہی اور ہر رکوع کا خلاصہ اور ان مطالب کی تفصیل جو اسمیں بیان ہوئے ہیں تفسیر شروع کرنیسے پہلے دکھائی ہے۔ الغرض یہ عجیب و غریب تفسیر ہی اور اس اشتہار کے ذریعہ صرف ان لوگونکو مخاطب کیا جاتا ہی جو قرآن شریف سے عشق و محبت رکھتے ہیں وہ اسے پڑھیں۔
قیمت فی پارہ ۴ر۔ شروع جنوری سنہ ۱۹۰۳ء سے انشاء اللہ ماہوار دو جزو کلاں پر شائع ہوتی ہے۔ سالانہ قیمت ۳ ؎ مع محصول ڈاک۔

درخواستیں بنام
ایڈیٹر الحکم آنی چاہئیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دریائے نور

نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا — پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودہ — ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا
یا الٰہی ترا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے — جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں — مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشا نکلا
کس سے اُس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ — وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے قرآں — پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا
ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور — ایسا چمکا ہے کہ صد نیّر بیضا نکلا
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہو اس دنیا میں — جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اعمیٰ نکلا
جلنے سے آگے ہی یہ لوگ تو جل جاتے ہیں — جن کی ہر بات فقط جھوٹ کا پتلا نکلا

قرآن کریم میں کس قسم کے مضامین ہیں

ان مضامین کی پوری تفصیل دینا جو قرآن شریف میں بیان ہوئے ہیں بالکل ناممکن ہے البتہ مختصر سی فہرست ذیل میں ہم درج کرتے ہیں

اول۔ باری تعالےٰ کی ہستی اور اُس کی توحید کا بیان۔

باریتعالیٰ کی ہستی پر دلائل بیان کرتے وقت قرآن شریف نے یوں تو بہت سے طرز اور طُرق اختیار کیے ہیں اور کثرت کے ساتھ ان دلائل کو بیان کیا ہے لیکن ہم ان تمام دلائل کو پانچ قسموں پر تقسیم کر سکتے ہیں۔

الف اول وہ دلائل جو فطرتی طور پر انسان کے اندر موجود ہیں۔ یعنی وہ دلائل جن کو فطرتی طور پر ہر ایک انسان تسلیم کرتا ہے

(ب) وہ دلائل جو نظام عالم پر غور کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔

(ج) وہ دلائل جو گذشتہ اور موجودہ حالات انسانی پر نظر ڈالنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

(د) وہ دلائل جو انبیا علیہم السلام اور اولیاء کرام کے حالات پر نظر ڈالنے سے حاصل ہوتی ہیں۔

(ہ) وہ دلائل جو جہد فی سبیل اللہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

پھر ان پانچ قسم کے دلائل میں سے ہر ایک قسم بہت سے اقسام پر مشتمل ہے چنانچہ پہلی قسم کے ماتحت مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے

تفسیر القرآن

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

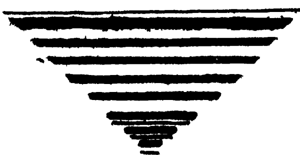
اگر آپ مسلمان ہیں؟ اور قرآن کریم کے حقائق و معارف اور اس کی تعلیم کی خوبیوں کے عاشق ہیں؟ تو آپ تفسیر القرآن کے پہلے دو پارے جو شائع ہو چکے ہیں ضرور پڑھیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اس طرز اور ڈھنگ کی تفسیر آپ کے ملاحظہ سے نہ گذری ہوگی۔ زمانہ حال کی ضرورتوں کے لحاظ سے قرآن کریم کو نہ صرف علمی رنگ میں پیش کیا ہے بلکہ مخالفین کے تمام اعتراضوں کا بھی جو وہ قرآن کریم پر کرتے ہیں قرآن کریم ہی سے معقول جواب دیا ہے اس تفسیر میں جو جو خوبیاں اور عجائبات ہیں وہ اس مختصر اشتہار میں بیان نہیں ہو سکتی ہیں۔ یہ تفسیر عالی جناب حافظ حاجی الحرمین الشریفین حکیم نور الدین صاحب بھیروی کے درس قرآن مجید سے لی گئی ہے اور ان کی اصلاح اور نظر ثانی کے بعد شائع ہوئی ہے۔ قرآن شریف کی آیتوں کی باہم ترتیب و تطبیق نہایت عجیب طرز پر دکھائی ہے اور ان لوگوں کی پوری دندان شکنی کی گئی ہے جو کہتے ہیں کہ معاذ اللہ قرآن مجید مجذوبوں اور مسلوب الحواس لوگوں کی بڑ کی مانند ہے کہ ایک بات کو اٹھا کر پورے طور پر نہیں نبھاتا۔ اور نیز ہر رکوع کا خلاصہ اور ان مطالب کی تفصیل و تشریح جو نہایت سہل ہوئیں تفسیر کے شروع کرنے سے پہلے دکھائی ہے۔ الغرض یہ نایاب اور عجیب و غریب تفسیر ایسی ہے کہ ذراسی شدبد رکھنے والے کے ہاتھ میں ہو۔ اور اس اشتہار کے ذریعہ صرف ان لوگوں کو مخاطب کیا جاتا ہے جو قرآن شریف سے عشق و محبت اور مخالفین کلام الٰہی کے معترضوں کے جواب دینے کا شوق اور مذاق رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ وہ دلچسپی اور خاص مذاق عارفانہ سے اس تفسیر کے لینے کے لیے توجہ کریں گے +

قیمت فی پارہ ایک روپیہ چار آنے۔ اور پہلے دو پاروں کے علاوہ آیندہ ماہ وار رسالہ کی صورت میں اب یہ تفسیر شائع ہوتی ہے۔ جس کے دو نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ قیمت سالانہ تین روپے مع محصول ڈاک +

درخواستیں بنام ایڈیٹر الحکم قادیان آنی چاہییں +

فہرست مضامین

نمبر۲ دوم



خلائق کے راستہ میں ان کی دانشمندانہ جانبازی اور جاں نثاری ۔ ۶۔ انکی کامیابی اور ان کے مخالفوں کی ناکامی و نامرادی۔

پانچویں قسم یعنی جہد فی سبیل اللہ سے پیدا ہونے والے دلائل کے ماتحت دس قسم کے دلائل ہیں اور فی الحقیقت یہی دلائل ہیں جو انسان کو ظلمات سے نکال کر یقین اور عرفان کی اعلیٰ چٹان پر پہنچاتے ہیں اور جہاں انسان خدا ہونا چاہیے کے بجائے کہتا ہے کہ خدا ہے ۔ ان دلائل کا نمونہ ہر زمانہ میں موجود ہوتا ہے اور ایسے ایسا وجود حجۃ اللہ کہلاتا ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود باجود بھی خدانما ہے غرض اس قسم کے دلائل کے ضمن میں مندرجہ ذیل دس قسم کے دلائل ہوتے ہیں۔

۱۔ خیرات و صدقات وعبادات سے اطمینان اور سرور حاصل ہونا۔

۲۔ مسائل دینی کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہونا۔

۳۔ اللہ تعالےٰ کی محبت۔

۴۔ اللہ تعالےٰ کی محبت حاصل ہو کر عرفان ذوق شوق اور تقویٰ میں ترقیات حاصل ہونا۔

۵۔ ہدایات غیبی نور عرفان اور رشد کا حاصل ہونا۔

۶۔ اللہ تعالےٰ کا ہادی اور والی اور محافظ ہونا۔

۷۔ غیبی امداد کا وقتاً فوقتاً پہنچتے رہنا۔

۸۔ رویاء صادقہ۔ مکاشفات اور الہامات کی صورت میں ملائکہ کا نازل ہونا۔

۹۔ دعاؤں کا قبول ہونا اور پیش از وقت ان کی قبولیت کی خبر ملنا۔

۱۰۔ ہر قسم کے خوف اور حزن سے نجات کلی حاصل ہو کر بہشتی لذات کا احساس اسی عالم سے شروع ہو جانا۔

بقیہ مختصر فہرست ان مضامین کی جو قرآن شریف میں بیان ہوئے ہیں

۱۔ توحید الٰہی کا بیان بڑے زور شور سے

۲۔ شرک اور تثلیث کا رد

۳۔ خدا تعالیٰ کی صفات کہ وہ قادر قدوس حکیم ہر عیب سے پاک وغیرہ

۴۔ انبیاء کرام کا ذکر ابرار کے نیک نمونے اور اُن کا نیک انجام

۵۔ فجار اور اشرار کی مذمت اور اُنکے برے نمونے اُن سے بچنے کی ہدایت

۶۔ مومنوں کا ذکر خدا کے خاص بندوں کی صفات۔

۷۔ منکرین مشرکین اور منافقین کا ذکر ۔ انکی راہوں سے بچنے کی ہدایت

۸۔ مومنوں سے وعدہ کہ انجام کار وہی غالب ہوں گے۔

۹۔ کفار سے وعید کہ وہ مامورین اللہ (آنحضرت صلعم) کے سامنے ہی نیست و نابود ہو جائیں گے۔

۱۰۔ حق کا احقاق۔

۱۱۔ بطلان کا ابطال۔

۱۲۔ قیامت کا ذکر۔

۱۳۔ جزا و سزا کا ثبوت۔

۱۴۔ آخرت کی خوبیاں بہشت کی نعمتیں

۱۵۔ دوزخ کی برائیاں دوزخ کے عذاب۔

۱۶۔ نجات ابدی۔

۱۷۔ ہلاکت ابدی۔

۱۸۔ حلال و حرام کا ذکر۔

۱۹۔ اخلاق فاضلہ اور تہذیب اخلاق۔

۲۰۔ تدبیر منزل کے متعلق ہدایات و احکام۔

۲۱۔ سیاست مدن کے اصول و قواعد۔

۲۲۔ اخلاق ردیہ کا ذکر ۔ انکی برائی اور ان سے بچنے کا ذکر۔

۲۳۔ دنیا میں دل لگانیکی برائی کا ذکر۔

۲۴۔ خدا کے ساتھ محبت لگانے کی برائی کا ذکر۔

۲۵۔ اہل اللہ کی محبت و صحبت کی ترغیب۔

۲۶۔ قرب الٰہی کے وسائل

۲۷۔ خدا کی معرفت اور گیان کے طریقے۔

ہر ایک انسان میں نیکی بدی کی تمیز ہونا بدی کے وقت خود بخود خوف کھانا اور نیکی کے وقت بشاش ہونا۔ فرمایا ونفس وما سواھا فالھمھا فجورھا وتقواھا۔
ترجمہ اور قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے نفس کو درست کیا پھر اس کے اندر نیکی اور بدی کا علم ڈالدیا۔

۲۔ مصیبت کے وقت ہر ایک انسان کا اضطراراً خدا ہی کو پکارنا۔ جیسے فرمایا امن یجیب المضطر اذا دعاہ ترجمہ کون ہے جو بیقرار کی پکار کو سنے جب وہ اسے پکار رہا ہو۔ یا جیسے فرمایا فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین ترجمہ جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو خالص ایمان اور یقین کے ساتھ پکارتے ہیں

۳۔ ہر ایک نیک طین انسان کا خدا کو ماننا۔ الست بربکم قالوا بلیٰ اس فطرتی اقرار پر گواہ ہے

۴۔ تمام قوموں کو ابتدائے آفرینش سے کوئی نہ کوئی معبود ماننا بھی اس فطرتی ایمان کو ظاہر کرتا ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق ہو۔

۵۔ عارفوں اور عابدوں کا عشق الٰہی میں بیحد ترقیات کرنا جس کی مثال کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا میں دی ہے یعنی پاک کلمہ درخت کے مشابہ ہے جس کی جڑ ثابت ہو اور شاخ آسمان میں ہو ہر ایک موسم میں اپنے رب کے اذن سے پھل دیتا ہے

قسم دوم کے ماتحت جو دلائل ہستی باریتعالیٰ پر دیے ہیں وہ بارہ قسم کے ہیں

۱۔ ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ حیوان کے واسطے اس کی فطرتی ضرورتوں کا پورا سامان موجود ہونا مامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا ہر ایک زمین پر چلنے والے کا رزق اللہ پر ہے۔ اور ایسا ہی وھو رب کل شئی اور وہ ہر شئے کا رب ہے۔

۲۔ ہر ایک حیوان میں اپنی غذا کی فطرتاً تمیز ہونا جیسے فرمایا ھو الذی قدر فھدیٰ پرورش اور بقائے نوع وغیرہ کے طریق مقرر کر دیے اور ہر ایک مخلوق کو اس کے حسب حال ہدایت کر دی۔

۳۔ ہر ایک حیوان میں بچہ جننے اور ان کے پالنے کا علم ہونا

۴۔ فصلوار غذاؤں کا بنا بنایا ذخیرہ طیار ہو جانا۔

۵۔ ہر ایک حیوان کا اپنے اپنے طریق بود و باش سے واقف ہونا اور اپنے مکان کو پہچاننا۔

۶۔ ہر ایک حیوان میں اس کے مناسب حال اعضا موجود ہونا۔

۷۔ تمام اشیا کا اپنے خواص پر قائم رہنا۔

۸۔ تمام مخلوقات کا ایک دوسرے سے ایسا متعلق ہونا جیسا کہ ایک جسم کے اعضا ہوتے ہیں

۹۔ چاند سورج اور سیاروں کا ہمیشہ اپنے اپنے وقت پر نکلنا

۱۰۔ ہر ایک نباتات اور حیوان کے اندر غذا کے مناسب ہونے کا پورا پورا انتظام

۱۱۔ ہر ایک حیوان کو فطرتاً یہ علم ہونا کہ تمام اشیا اپنے اپنے خواص پر ہمیشہ کے واسطے قائم ہیں

۱۲۔ تمام حیوانوں کی زبانوں رنگتوں اور خط و خال کا مختلف ہونا۔

تیسری قسم کے دلائل کے ماتحت چار قسم کے دلائل ہیں

۱۔ قوموں سلطنتوں کا اپنی اپنی نیکی بدی کے موافق زیر و زبر ہوتے رہنا

۲۔ ظالموں کا انجام بد

۳۔ خیرات وصدقات اور احسان کا انجام اچھا ہونا۔

۴۔ مفید خلائق کاموں کا دنیا میں قرار پذیر ہونا۔

چوتھی قسم کے ماتحت چھ قسم کے دلائل ہیں۔

۱۔ ان کا معجزنما اخلاص۔ ۲۔ ان کا معجزنما صبر و توکل۔ ۳۔ انکی معجزنما خیرخواہی خلائق۔ ۴۔ اظہار حق اور اصلاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ البقرۃ **تفسیر القرآن** الجزو الثالث

رکوع ۳۴

ربوبیت کے فیضان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ اور رباب مناظرہ کی تعلیم منکر کا مبہوت ہونا بیان کیا جاتا ہے اور کامیابی کی اصل اور ناکامی کی علت بتائی جاتی ہے کہ ظالم کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرتوں اور تصرفات کا مشاہدہ کرایا جاتا۔ ایک عظیم الشان پیشگوئی کی قبل از وقت اطلاع دیجاتی۔ کشفی امور کی حقیقت اور فلاسفی بیان کی جاتی ہے۔

احیاء موتی کی حقیقت پر روشنی ڈالی جاتی اور حشر اجساد اور کلام الٰہی کے نزول کا فلسفہ سکھایا جاتا ہے۔

عام مطالب اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان مقاصد اور مطالب بیان فرمائے ہیں جنکی تلخیص بھی کوئی آسان کام نہیں۔ تاہم مختصر طور پر مندرجہ ذیل امور بیان کئے جاتے ہیں۔

اوّل کامیابی کا اصل راز اور ناکامی کی علت یہ بتائی ہے کہ سچا موحد متوکل علی اللہ کامیاب ہوتا ہے اور کافر ظالم ناکام رہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عزت و جلال کے خواہشمند کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف خود ایک راہ بتا دیتا ہے۔

دوم۔ کشفی واقعات کی حقیقت بتائی ہے کہ کس طرح پر دور کے واقعات قریب کئے جاتے ہیں۔ اور اس میں بنی اسرائیل کے متعلق ایک عظیم الشان پیشگوئی فرمائی ہے۔

سوم۔ احیاء اور اماتت کا روحانی فلسفہ۔

چہارم۔ ذرات اور اجسام پر اللہ تعالیٰ کے تصرف کا ثبوت ایک مشاہدہ کے ذریعہ بتایا گیا ہے۔

پنجم۔ الوہیت کی عظمت و جبروت کے لحاظ سے اس کے آداب۔

ششم۔ ایمان اور اطمینان کی حقیقت۔

اس رکوع کا پہلے رکوع سے تعلق مندرجہ بالا تلخیص کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیتوں سے اسکا باہم تعلق دکھایا جاوے کیونکہ بظاہر پڑھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شائد تعلق نہو۔ مگر نہیں ایسا نہیں ان قصوں میں جو اللہ تعالیٰ یہاں بیان فرماتا ہے اس امر کا ثبوت منجملہ اور باتوں کے دیتا ہے کہ کس طرح وہ اپنے اولیاء کو نور کی طرف لے جاتا اور انکو امتیازی نشان عطا کرتا ہے اور کس طرح پر طاغوت کے پرستار شرمندہ ہوتے ہیں اور ظلمت میں مبتلا ہوتے ہیں۔

چنانچہ فرمایا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ

۲۸- خلوص نیت کا بیان

۲۹- ریا اور مکاری کی سخت مناہی اور کرنیوالوں پر تہدید

۳۰- تقویٰ - (خدا سے ڈرنے) پرہیزگاری اور طہارۃ (دلی صفائی) کی ہدایات -

۳۱- ذکر الٰہی اور عبادت کی ترغیب و تحریص -

۳۲- علم اور اہل علم کی فضیلت

۳۳- نجات اور اس کے اصول کی ہدایت دین کے ساتھ اس کا تعلق

۳۴- دنیا میں سیر و سیاحت کرنے کی ضرورۃ اور ہدایت -

۳۵- دنیا کی چیزوں سے فائدہ اٹھانے اور خدا کا شکر کرنیکی ہدایت

۳۶- صبر شکر توکل وغیرہ اخلاق فاضلہ کی نصیحت -

۳۷- جہاد اور اسکے احکام و اغراض -

۳۸- مشورۃ اور اصلاح بین الناس کی ترغیب -

۳۹- ہر قسم کی عبادات کی تفصیل -

۴۰- معاملات کا علم -

۴۱- حکمت (فلسفہ) اور جزئیات غیر محدود حاصل کرنے کی ترغیب - غرض ہر قسم کے علوم حقہ - کلام حدیث تصوف علم اخلاق سیاست مدن - وغیرہ وغیرہ ماخذ قرآن شریف ہی ہے - کیمیائی سعادت و احیاء علوم و مثنوی مولانا روم وغیرہ کتب اخلاق جن میں ایک صفحہ کا مقابلہ ڈیڑھ ہزار نہ ہرگز نہیں کرسکتا بہت کچھ قرآن ہی سے استنباط کی گئی ہیں - کیا سچ کہا ہے کسی بزرگ نے -

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰکِنْ * تَقَاصَرَ عَنْہُ اَفْہَامُ الرِّجَالِ

یعنی قرآن شریف میں سارے علم موجود ہیں آدمی ہی اپنے قصور فہم اور کمی ادراک کی وجہ سے معلوم نہیں کرسکتے ++

قرآن کریم کیونکر آسکتا ہے

حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب سلمہ ربہ سے اکثر دفعہ لوگوں نے سوال کیا ہے کہ قرآن کریم کیونکر آسکتا ہے ؟ حکیم الامۃ نے اس سوال کا جواب یوں دیا ہے -

قرآن کریم سے بڑھ کر سہل اور آسان کتاب دنیا میں نہیں مگر اس کے لیے جو پڑھنے والا ہو سب سے پہلے اور ضروری شرط قرآن کریم کے پڑھنے کے واسطے تقویٰ ہے اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ وہ متقی کو قرآن پڑھادیگا طالب علم کو معاش کی طرف سے فراغت اور فرصت چاہیے تقویٰ اختیار کرنے کی وجہ سے اسکو ایسی جگہ سے رزق پہونچتا ہے کہ کسیکو معلوم بھی نہیں ہوسکتا اللہ تعالےٰ خود متکفل ہوجاتا ہے -

پھر دوسری شرط قرآن کریم کے سمجھنے کے واسطے مجاہدہ ہے جو خدا میں ہوکر ہونا چاہیے - پھر مشکلات کا آسان ہوجانا اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے - پھر قرآن کریم کے پڑھنے کا ڈھنگ یہ ہے کہ ایکبار شروع سے لیکر اخیر تک خود پڑھے اور ہر آیت کو اپنے ہی لیے نازل ہونا ہوا سمجھے - آدم و ابلیس کا ذکر آئے تو اپنے دل سے سوال کرے کہ میں آدم ہوں یا شیطان اسطرح اپنی کل حالت کا مطالعہ کرنے کا موقع ملے گا اور اصلاح کی راہ نکل آئے گی - اسطرح قرآن کریم پڑھتے وقت جو مشکل مقام آویں انکو نوٹ کرتے جاؤ - جب قرآن شریف ایکبار ختم ہوجاوے پھر اپنی بیوی کو اور گھر والوں کو اپنے درس میں شامل کرو - اور ان کو سناؤ اس مرتبہ میں جو مشکل مقام پہلے آئے تھے ان شاء اللہ تعالےٰ ان کا ایک بڑا حصہ حل ہوجاوے گا اور جو باقی بھی رہ جاویں انکو پھر نوٹ کرو -

اور تیسری مرتبہ اپنے دوستوں کو بھی شامل کرو - اور پھر چوتھی مرتبہ غیروں کے سامنے سناؤ - اس مرتبہ ان شاء اللہ تعالےٰ سب مشکلات حل ہوجاویں گی -

مشکل مقامات کے حل کرنے کے واسطے دعا سے کام لو -

الفاظ کے معنے کرنے میں عام فروگذاشت

الفاظ کا ترجمہ کرنے میں ایک عام فروگذاشت کی جاتی ہے جسکو یہاں بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ محل اور موقع کے لحاظ اور متکلم اور مخاطب کی حیثیت سے معنے کرنے چاہیئے جیسے مثلاً ریل کے سٹیشن پر کہا جاوے کہ ٹکٹ لاؤ تو اس سے مراد ریل کا ٹکٹ ہوگا نہ ڈاکخانہ کا۔ غرض اسی طرح پر قرینہ اور موقع کے لحاظ سے معنے کرنے چاہیئے۔ اس مقام پر بھی بظاہر ایک ہی قسم کے لفظ بولے گئے ہیں لیکن بُت پرست مشرک جو اس فلسفہ سے ناواقف تھا اور باریک بین اور دقیق الخیال نہ تھا اس لئے وہ سمجھ نہ سکا۔ اور یحیی ویمیت کو سنکر کہدیا انا احی وامیت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اسکو ایسا جمود العقل پایا تو مناظرہ کی طرز کو اللہ تعالے کی ہدایت سے بدل دیا۔ اور کہا کہ میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے پس اگر تو کوئی قدرت رکھتا ہے تو مغرب سے نکال جس پر اس کافر کو حیران ہونا پڑا۔

اس مباحثہ سے سبق

یہ قصہ جو بیان کیا گیا ہے اس سے کیا نتیجہ نکلا؟ اسکا جواب خود اللہ تعالے نے ہی دیا ہے واللّٰہ لا یھدی القوم الظالمین اللہ تعالے مشرکوں کو بامراد نہیں کرتا اور انکو ہدایت نہیں کرتا۔

ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ خدا تعالے ان آیتوں میں دکھانا چاہتا ہے کہ وہ کسطرح اپنے اولیاء کی مدد کرتا اور ہر میدان میں انکو نصرت دیتا ہے اور ہر قسم کی ظلمت سے نکالکر نور کی طرف لیجاتا ہے چنانچہ یہاں خود صراحتاً فرمایا واللّٰہ لا یھدی القوم الظالمین۔

یہ خدا تعالیٰ ہی کی ہدایت تھی جو ایک بدیہی اور موٹی بات میں کافر کو ملزم کر دیا۔ چنانچہ اسکا ثبوت دوسرے مقام سے ملتا ہے جو سورۃ انعام میں ان الفاظ میں ادا ہوا ہے وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ○ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○

ترجمہ اور حضرت ابراہیم کی قوم نے ان سے جھگڑا کیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم مجھ سے اللہ کے بارہ میں جھگڑتے ہو اور بے شک اسی نے مجھے **ہدایت** کی اور میں انسے بالکل نہیں ڈرتا جنکو تم شریک ٹھہراتے ہو اسکے ساتھ (وہ میرا کچھ نہیں کر سکتے) مگر جو میرا پروردگار چاہتا ہے میرے رب کا علم سب چیزوں پر حاوی ہے پس تم کیوں نصیحت پزیر نہیں ہوتے۔ اور میں ان چیزوں سے کیوں ڈروں جنکو تم شریک ٹھہراتے ہو اور تم اس سے نہیں ڈرتے کہ تم نے ان کو اللہ کا شریک بنا لیا۔ جسکے لئے تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ ہم دونوں میں سے کون فریق زیادہ اقرب بالامن ہے۔

ان آیتوں میں قَدْ هَدَانِ صاف طور پر اس فضل کو ظاہر کرتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوا۔ اس موقعہ خدا کی یہہ بات واللّٰہ لا یھدی القوم الظالمین اس امر کو ثابت کر رہی ہے کہ حضرت ابراہیم کو ایسے وقت میں اللہ تعالے نے نور کیطرف نکالا اور بالمقابل مشرک کافر کو یخرجونہم من النور الی الظلمات کا مصداق بنایا۔ اور ایسا ہی وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اور أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا یہہ سب آئتیں اس کی تائید کرتی ہیں۔ فتدبر۔

اصل بات یہ ہے کہ وہ آجکل کے میٹیریلیسٹیون کیطرح آسمان کے خدا کے غیبی متصرف طاقتوں سے منکر اور محسوس دائرہ کے اندر چکر کھانیوالا تھا احیاء وامانت کا ایک مادی اور مرئی پہلو اسنے لے لیا مگر جب خلیفۃ اللہ نے انسانی ہاتھ کی پہونچ سے اوپر ایک فوق الطاقت امر میں بحث کا پہلو بدلا تو اسکی عقل تاریکی میں پڑگئی اور خدا تعالے نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدد کی اور نور کیطرف رہبری کی۔

غرض یہ پہلا ثبوت اس امر کا دیا کہ اللہ تعالے **مومنوں** کو نور کیطرف لے جاتا ہے اب ایک اور امر پیش کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ۔ کیا تو نے اُس شخص کے حال کو نہیں دیکھا! جسنے ابراہیم سے اپنے رب کی بابت بحث کی۔ یہ بحث بدلہ تھی اسبات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہی دے رکھی تھی جب ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اُس نے کہا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا کہ اللہ سورج کو لاتا ہے مشرق سے تو مغرب سے لا دکھا اسپر وہ کافر سراسیمہ ہو گیا۔ اور اللہ تعالےٰ تو ظالموں کو کامیاب نہیں کرتا۔

تفسیر۔ یہ قصہ پہلا ثبوت ہے اس امر کا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح پر مومنوں کو جہالت اور ناواقفی کی ظلمت سے نکال کر ہدایت کا نور بخشتا ہے مخاطب کو تعجب دلانے کے لئے الیٰ کے ساتھ یہ ترکیب واقع ہوتی ہے قالوا ما تری الی ھذا والمعنی ھل رأیت مثل ھذا او کھذا۔

حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ ابراہیم علیہ السلام سے ربوبیت کے متعلق جھگڑا کیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ساری صفات ربوبیت کے نیچے چلتی ہیں اور صفات الٰہیہ کے مسئلہ میں جو غلطی دوسری قوموں نے کھائی ہے وہ ربوبیت ہی سے شروع ہوتی ہے اس لئے مشرک رب النوع کا مسئلہ مان کر ہلاک ہو رہے ہیں۔ اور اسلام نے اسی غلطی کو مدنظر رکھ کر قرآن شریف کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہہ کر شروع کیا۔ تاکہ یہ رب النوع کا اعتقاد باطل دور ہو۔

قرآن شریف میں جہاں جہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر آیا ہے وہاں ربوبیت کے فیضان کا کثرت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ مریم میں جہاں پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان فرمایا ہے وہاں ہی لکھا ہے۔ قال سلام علیك ساستغفر لك ربی انه كان بی حفیا واعتزلكم وما تدعون من دون اللّٰه وادعوا ربی عسیٰ الا اكون بدعاء ربی شقیا۔ ترجمہ ابراہیم نے کہا تجھے برے اعتقاد سے سلامتی رہیو۔ میری طرف سے تجھے دکھ نہ پہونچیں میں تو بہرحال اپنے رب سے تیرے لئے معافی مانگونگا۔ وہ مجھ پر مہربان ہے اور میں تم سے اور تمہارے بتوں سے جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو الگ ہوں اور صرف اپنے رب کو ہی پکارتا ہوں اور یقین ہے کہ میں اپنے رب کو پکارنے یعنی اس سے دعا مانگنے میں ناکام نہیں رہونگا۔

ایسا ہی۔ سورہ شعرا میں حضرت ابراہیم کا ذکر آیا ہے تو وہاں بھی آپ ربوبیت کے فیضانوں کا وعظ کرتے ہیں اور قوم کو کہتے ہیں فانھم عدو لی الا رب العالمین یعنے تمہارے بت سب کے سب میرے دشمن ہیں ہاں میرا رب جو رب العالمین ہے وہ میرا دوست ہے۔ الذی خلقنی فھو یھدین الایۃ وہی رب جسنے مجھے پیدا کیا وہی میرا راہ نما ہے۔

اسیطرح پر سورۃ انعام میں بھی آپکا ذکر آیا ہے تو آپ اپنی قوم کو ایک عجیب طور سے انکے ارباب الانواع سے روکنے کا وعظ کہتے ہیں وہاں بھی الوہیت کا ہی ذکر ہے ان تمام مقامات پر یک جائی نظر کرکے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام رب النوع کی تعلیم باطل کو دور کرنا چاہتے تھے اور اس کا وعظ کہتے تھے اسلئے آپ سے ایک شخص کے ساتھ الٰہی ربوبیت پر مناظرہ ہوا۔

اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اس میں اٰتٰہُ کی ضمیر کو اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کیطرف بھی پھیر دیں جب بھی معنو نہیں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں پر جب انعام کرتا ہے تو لوگ مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ بہرحال ربوبیت کے متعلق جھگڑا ہوا۔

ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اس پر اس نے کہا انا احی وامیت میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔

۷- کفر و عصیان پر بھی موت کا اطلاق ہوتا ہے جیسے اول من مات ابلیس لانہ اول من عصیٰ یعنے سب سے پہلے جو مرا وہ ابلیس تھا کیونکہ وہ سب سے پہلے نافرمانی کا مرتکب ہوا۔

۸- فقر پر بھی موت کا لفظ مستعمل ہوتا ہے جیسے فقال اما تعلم ان من افقرتہ فقد اَمَتّہٗ یعنے کیا تو نہیں جانتا کہ جسکو میں نے فقیر کر دیا اسکو میں نے مار دیا۔

۹- ذلت پر بھی آتا ہے۔

۱۰- سوال پر بھی آتا ہے۔

۱۱- بڑھاپے پر بھی آتا ہے۔

۱۲- جنون اور صرع پر بھی آتا ہے۔

معلوم ہوا کہ موت کا لفظ بہت سے معنوں پر آتا ہے اس لئے اس آیت میں موت کا ترجمہ کرتے وقت ہم کو اس امر کا لحاظ رکھنا پڑے گا کہ یہ معنے قرآن شریف کی کسی دوسری آیت سے متعارض یا مخالف واقع نہوں۔

یوم کے معنے

پھر دوسرا لفظ قابل غور ہے یوم ہے یوم عربی زبان میں مطلق وقت کو کہتے ہیں وہ وقت خواہ ایک آن کلمح البصر ہو۔ یا ایک یوم لاکھوں کروڑوں برس کا۔ عربی زبان میں یوم اس زمانے اور وقت کو بھی کہتے ہیں جس میں کوئی واقعہ گزرا ہو وہ واقعہ کتنے بڑے وقت میں گزرا ہو جیسے یوم بعاث یوم حنین یوم بنوبکر یوم بسوس یوم عاد وغیرہ وغیرہ

ان دو لفظوں کے معنے بیان کرنے کے بعد ہم پہلے وہ قصہ بیان کرتے ہیں جو مفسروں نے اپنی تفسیروں میں اسکے متعلق لکھا ہے پھر ہم اسکی کمزوری دکھائینگے اور اس کے بعد جو کچھ ان آیتوں میں ظاہر کیا گیا ہے اور جو قرآن کریم کی تعلیم اور منشاء کے موافق معلوم ہوتا ہے پیش کریں گے اور جو جو معارف وحقائق اسکے اندر ہیں وہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اکثر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ جب عزیر نبی کو یروشلم کی بربادی اور تباہی پر افسوس ہوا تو اللہ تعالےٰ نے انکو سلایا اور اسی حال میں انکی روح پرواز کر گئی اور سو برس تک مردہ رکھا پھر زندہ کیا مرنے سے پہلے انہوں نے اپنا گدھا درخت سے باندھ دیا تھا اور روٹیوں کا تھیلا اور انگور کے شیرہ کا برتن درخت سے لٹکا دیا تھا۔ جب سو برس گذرے تو اللہ تعالیٰ نے انکو زندہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ گدھے کی صرف ہڈیاں رہ گئی ہیں مگر کھانے پینے کی چیزیں ابھی سڑی بسی نہ تھیں اسپر خدا تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ تو کتنی مدت رہا انہوں نے کہا کہ ایکدن یا اسکا کچھ حصہ۔ اس خیال کی بنا یہ تھی کہ آپ صبح کو سوئے تھے اور عصر کے وقت زندہ ہوئے۔ اس لئے انکو ایک ہی دن کا خیال گذرا مگر خدا تعالیٰ نے اسکی تردید کی اور کہا کہ تو سو برس پڑا رہا ہے۔ اور پھر گدھے کو زندہ کر کے تماشائے قدرت دکھایا وغیرہ وغیرہ

یہ قصہ ہے جو ان آیتوں کے متعلق تجویز کیا گیا ہے۔ ایک بات تو اس سے پائی جاتی ہے کہ وہ سو گئے تھے اور اسی سونے میں انکی روح پرواز کر گئی تھی مگر اسکا جواب صاف ہے والتی لم تمت فی منامھا۔ نیند کی حالت پر فیمسک التی قضی علیھا الموت والی حالت وارد نہیں ہوتی۔

قطع نظر اسکے اس قصہ کے یہ ہمیں ہیئت ماننے میں کئی اعتراض پیدا ہوتے ہیں

اول۔ جو واقعات خلاف سنت الٰہیہ قرآنیہ ہوں وہ کسی طرح ماننے جا سکتے ہی نہیں اور اس قصہ کے سند اور اس میں اختلاف کا تو یہ حال ہے کہ زندہ ہونیوالے شخص کے اصل نام کا پتہ ہی نہیں کوئی عزیر کہتا ہے کوئی خضر۔ اور کوئی کہتا ہے کہ وہ بعثت کا منکر تھا۔ جب صاحب قصہ کے نام کا ہی پتہ نہیں۔ تو پھر خلاف سنت اللہ واقعہ کو کیسے تسلیم کر لیا جاوے۔

دوم۔ ایک نبی کا سو سال تک مردہ رہنا تقدس باری تعالیٰ اور شان نبوت کے خلاف ہے کیونکہ نبی کی روح تو ایکدن بھی مردہ نہیں رہ سکتی بلکہ وہ تو ہر روز کیا ہر آن علوم اور معارف میں ترقی کرتی ہے۔

سوم۔ نبی کی روح جسم سے علیحدہ ہوتے ہی عالم قدس میں پہونچکر مقربین رب العالمین میں شامل ہو جاتی ہے۔

چہارم۔ اسجگہ ایک شہر ویران شدہ کی آبادی کا سوال تھا کہ یہ کیسے آباد ہوگا اس کے لئے تاریخی مثالیں کافی ہو سکتی تھیں

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

ترجمہ - یا اس شخص کی مثال پر نظر کرو - جو ایک بستی کے پاس سے گذرا جسکی چھتیں اوندھی گری ہوئی تھیں اس نے کہا اس برباد شدہ بستی کو اللہ تعالیٰ کب آباد کریگا - پس اللہ تعالیٰ نے اسکو سو سال کے لئے سلا دیا - پھر اسے اٹھایا اور اس سے پوچھا کہ تم کتنی مدت تک اس حالت میں رہے اسنے جواب دیا کہ ایک دن یا اسکا کچھ حصہ اس حالت میں رہا ہوں - اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ تو سو سال تک اس حالت میں رہا ہے بس تو اپنے کھانے اور پینے کی چیز کیطرف دیکھ کہ انپر کچھ تغیر نہیں آیا اور اپنے گدھے کیطرف دیکھ اور ہم تمکو لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں گے اور ہڈیوں کیطرف دیکھ ہم کیسے انکو بڑھاتے اور گوشت پہناتے ہیں - پس جب اسپر حقیقت کھل گئی تو کہنے لگا میں جانتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے -

تفسیر - یہ قصہ ایک معرکتہ الآرا قصہ ہے - اور اس پر عجیب عجیب قسم کی رائے زنیاں کی گئی ہیں - ہم اس کی تفسیر کرنے سے پہلے چند امور پیش کرنا چاہتے ہیں

حیات اور موت کے معنے حیات دو قسم کی ہوتی ہے ایک جسمانی اور دنیوی ۔ دوسری روحانی اور اخروی جیسے پہلی قسم کی حیات حاصل کرنے کے سامان اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں ویسے دوسری قسم کے اسباب بھی موجود ہیں قرآن شریف میں دونوں محاوروں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے -

اول جسمانی زندگی اور حیات کی نسبت فرمایا وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا اور اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی اتارا اور اسکے ساتھ زمین کو اسکے مرنے کے بعد زندہ کیا -

اور روحانی زندگی کے لئے فرمایا یا ایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم - اے ایمان والو! اللہ اور اسکے رسول کی بات سنو جب وہ تم کو اس امر کی طرف بلاتا ہے جو تمہیں زندگی بخشے -

غرض حیات کی یہ دو عظیم الشان قسمیں ہیں اور پھر اسکے ماتحت کئی قسمیں ہیں چنانچہ موت کا لفظ بہت سے معنوں پر آیا ہے اور اسکے بالمقابل زندگی کی بھی اسی قدر قسمیں ہیں - ہم ذیل میں موت کے معنوں کی فہرست دیتے ہیں

۱ - موت بمعنے نوم (نیند) جیسے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا یعنے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو مارنے کے بعد زندہ کیا - یعنی سونے کے بعد بیدار کیا -

۲ - موت بمعنے سکون جیسے عرب بولتے ہیں ماتت الریح ہوا ٹھہر گئی -

۳ - موت بمعنے فقدان قوت نامیہ جیسے یحی الارض بعد موتھا اللہ تعالیٰ زمین کو اسکے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے -

۴ - موت بمعنے زوال قوت حسیہ - جیسے یا لیتنی مت قبل ھذا - اے کاش میں اس سے پہلے بے حس ہو جاتی -

۵ - موت بمعنے زوال قوت عقلیہ - جیسے او من کان میتا فاحیینا ہ یعنے جو جاہل تھا اسکو عقل عطا کی گئی -

۶ - موت بمعنے حزن اور خوف - جیسے یا تیہ الموت من کل مکان یعنے ہر مکان سے اسپر خوف اور حزن طاری ہوگا -

مسیح کی نسبت تو یہ اعتقاد ہے کہ وہ زندہ ہی آسمان پر گئے اور زندہ ہی واپس آئینگے - عزیز کے قصہ سے اسکو کیا تعلق اور کیا مشابہت ہے؟ یہ مشابہت تو تب ہوتی اگر معترض کا یہ مذہب ہوتا کہ مسیح علیہ السلام قبر پھٹ کر نکلیں گے - جبکہ انکا یہ مذہب ہی نہیں تو پھر تعجب کی بات ہے کہ اس قصہ کو جو قیاس مع الفارق ہے کیوں پیش کرتے ہیں -

انکے معتقدات میں تو یہ ہے کہ کوئی اور شخص مسیح کا ہمشکل بنکر پھانسی ملا - اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ اسی جسم سمیت اور اسی لباس میں آسمان پر اٹھائے گئے - اور یہ بھی تو نہیں بتلاتے کہ وہ آسمان پر بیٹھے کرتے کیا ہیں بہشت میں سنجاری کا کام ہی کرتے اور بہشتیوں کے لئے تخت بناتے - خیر ہمکو اس سے بحث نہیں ہے مگر جو قصہ پیش کرتے ہیں اسکو عزیز کے قصہ سے کیا تعلق اور نسبت ہے؟

غرض اس سلسلہ میں یعنی مسیح کے قصہ میں عزیز کا قصہ داخل کرنا خلط مبحث ہے - ہمارا یہ مذہب ہے کہ عزیز کے قصہ کو مسیح کے آنے نہ آنے سے کچھ تعلق نہیں ہے ہاں اگر رنگ سوال اور ہو تو اور بات ہے یعنی عزیز کیونکر زندہ ہوا ؟ -

ہم اس قسم کی حیات کے منکر ہیں اور سارا قرآن اول سے آخر تک منکر ہے - اللہ تعالیٰ نے یہ تجویز بندوں کے لئے رکھی ہے کہ خدا تعالیٰ اسکے فرشتوں اسکی کتابوں وغیرہ پر ایمان رکھکر خاتمہ باسطرح پر ہوتا ہے کہ فرشتہ ملک الموت آکر قبض روح کر لیتا ہے اور پھر اور واقعات پیش آتے ہیں - منکر نکیر آتے ہیں اعمال ذبح [illegible] کیفیت تعالیٰ جاتی ہے - پھر قرآن کریم کہتا ہے کہ موتی قیامت ہی کو اٹھیں گے والوتی یبعثہم اللہ معالم میں لکھا ہے کہ رجوع موتی نہیں ہوتا - قرآن کریم کے دو حصے ہیں کوئی بات قصہ کے رنگ میں ہوتی ہے اور بعض احکام ہدایت کے رنگ میں ہوتے ہیں - حیثیت ہدایت جو پیش کرتا ہے اس کا منشا رہے کہ مان لو - جیسے اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ -

اب موم نوشتہ مرنے کی بابت کو یہ کہتے ہیں کہ [illegible] ہدایت نہیں ہوتی بلکہ احکام میں صفائی ہوتی ہے - جبکہ اسی ہدایت کے سلسلہ میں یہ فرمایا کہ ملک الموت آتا ہے اور پھر رجوع [illegible] حدیث میں بھی اسکی تائید آئی ہے اور قرآن شریف میں فرمایا فیمسک التی قضی علیہا الموت یعنی جس نفس پر موت کا حکم ہو جاتا ہے اسکو واپس نہیں آنے دیتا - اب یہ خدا کا کلام ہی جو قصہ کے رنگ میں نہیں بلکہ ہدایت کے رنگ میں ہے پھر اسکو قصہ کیوں بنایا جاتا ہے

جو لوگ قصص اور ہدایات میں تمیز نہیں کرتے انکو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور قرآن کریم میں اختلاف ثابت کرنیکے موجب ہوتے ہیں اور گویا اپنی عملی صورت میں قرآن کریم پر [illegible] دے بیٹھے ہیں کیونکہ قرآن شریف کی نسبت تو خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا - اور عدم اختلاف اسکے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ٹھیرائی گئی ہے - لیکن یہ ناعاقبت اندیش قصص اور ہدایات میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے اختلاف پیدا کرکے اسکو من عند غیر اللہ ٹھیراتے ہیں افسوس انکی دانش پر !!! ان لوگوں سے پوچھنا چاہیئے کہ مقدم ہدایات ہیں یا قصص؟ اور اگر دونوں میں تناقض پیدا ہو تو مقدم کس کو رکھوگے ؟ اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ جو مرجاتے ہیں وہ واپس نہیں آتے اور ترمذی میں حدیث موجود ہے کہ ایک صحابی شہید ہوئے انہوں نے عرض کی کہ یا الٰہی مجھے دنیا میں پھر بھیجو تو خدا تعالیٰ نے جواب یہی دیا فقد سبق القول منی حرام علی قریۃ اھلکناھا انہم لا یرجعون - اب قرآن کریم موجود ہے اسکی شرح حدیث شریف میں صاف الفاظ میں موجود ہے اس کے مقابلہ میں ایک خیالی اور فرضی کہانی کی کیا وقعت ہو سکتی ہے ؟؟؟

ہم پوچھتے ہیں کہ اس کے بعد کیا چاہتے ہو ؟ ہم قرآن اور حدیث پیش کرتے ہیں پھر عقل سلیم اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے ہماری طرف سے خود ساختہ بات ہوتی تو تم قصہ پیش کر دیتے - مگر یہاں تو ہدایت اور اسکی تائید میں حدیث پیش کیجاتی ہے اسکے بعد اور کیا چاہیئے - فماذا بعد الحق الا الضلال -

قصوں کے حقائق بتانے خدا تعالیٰ کو ضرور نہیں انپر ایمان لاؤ اور انکی تفاسیر حوالہ بخدا کرو -

پھر کیا ضرورت تھی کہ ایک نبی کو سو سال کے لئے ملا جاتا۔ اور پھر زندہ کر کے اسپر دوسری موت وارد کیجاتی اور اسطرح پر اسکی ہتک ہوتی کیا نبی کے اطمینان کے لئے خدا تعالیٰ کا معمول وعدہ کافی نہیں ہو سکتا تھا۔

پنجم۔ مرورِ زمانہ سے گدھا تو گل سڑ کر ہڈیاں رہ گیا۔ مگر روٹی اور شیرہ پر کچھہ اثر نہ ہوا۔ اس تخصیص اور تفریق کی کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔

ششم۔ قرآن شریف میں **وانظر الی حمارک** فرمایا لیکن اگر ہڈیاں ہو گئی تھیں تو کم از کم کہنا چاہیئے تھا کہ **وانظر الی عظام حمارک**۔

ہفتم۔ قصہ میں جو بیان کیا گیا ہے کہ عزیر نبی صبح کے وقت سوئے اور عصر کے وقت اُٹھے اس خیال سے تو انہوں نے ایک دن کہا مگر سو برس میں تو وہ در و دیوار حجر شجر غرض سارا نقشہ بدل جاتا ہے پھر جب سو سال بعد اُٹھے تو وہ نظارہ اور نقشہ ہی نہ تھا اس لئے خدا کو سمجھانا پڑا کہ تو سو سال مردہ رہا۔

ہشتم۔ اسی لاعلمی سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسی موت نے انکے روحانی قوی کو بیکار کر دیا تھا۔ ورنہ چاہئے کہ عالم قدس سے ہزارہا معارف لیکر واپس آتے۔

نہم۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تجھکو لوگوں کے لئے نشان بناتے ہیں مگر یہ کیسا نشان ہے خود سو سال مردہ پڑا رہا اور اپنے مرنے کی اُس کو خبر نہیں تو وہ اوروں کے لئے کیا نشان ہوگا۔

دہم۔ گدھے کی ہڈیوں کو جڑتے ہوئے اور اُنپر گوشت چڑھتے ہوئے خود حضرت عزیر نے دیکھا اور کسی اور نے تو دیکھا نہیں پھر وہ کسی پر حجت کیونکر ہے؟

یازدہم۔ سو سال کے بعد پہلے لوگ نہ رہے ہونگے اور اب نئے آدمیوں پر حجت کیسے ہو سکتی ہے بلکہ اُنکا کہنا کہ میں سو سال مردہ رہا اور یہہ میرا گدھا میرے سامنے زندہ کیا گیا ایک اور ابتلا کا موجب ہو گیا ہوگا ایسی خلاف بات سمجھانے کیلئے بھی ایسا ہی اور معجزہ دوسرے لوگوں کو دکھانا چاہیئے

دوازدہم۔ مردہ کا پھر زندہ ہونا قرآن کریم کی کسی آیت سے ثابت نہیں بلکہ عدم رجوع موتیٰ ثابت ہوتا ہے جہاں احیاء موتیٰ کا بطور اعجاز ذکر ہے وہاں حقیقی مردہ مراد نہیں (اسپر تفصیل سے بحث ہم انشاء اللہ العزیز معجزات مسیح میں کرینگے)۔

سیزدہم۔ ایسے قصے قرآن شریف کی طرف منسوب کرنے سے بڑی ہرج واقع ہوتے ہیں اول **لاتلبسوا الحق بالباطل** کے خلاف عمل کرنا ہے دوم محقق علما اور حکماء کی نظر میں قرآن مجید کو حقیر کرنا ہے۔

چہاردہم۔ ایسے کرشموں کی ضرورت عام منکرین کو ہوتی ہے نہ کہ انبیاء علیہم السلام کو۔ غرض بہت سے اعتراض اس ایجاد کردہ قصے پر ہوتے ہیں اب ہم اس اصل حقیقت کو جو اسکے متعلق حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ السلام نے ظاہر کی ہے یا حضرت حکیم الامۃ نے جو کچھہ اس کے متعلق فرمایا ہے اسے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

عزیر نبی کی دوبارہ زندگی* کا راز مسیح علیہ السلام کی وفات کے منکر اپنی دلائل میں حضرت عزیر کی زندگی کا سوال پیش کرتے ہیں کہ وہ سو برس مرکر پھر زندہ ہوا۔

مگر یاد رہے کہ یہ احیاء بعد الاماتت ہے۔ اور احیاء کی کئی قسمیں ہیں۔ اولؔ یہ کہ کوئی آدمی مرنیکے بعد ایسے طور پر زندہ ہو جاوے کہ قبر پھٹ جاوے اور وہ اپنا بوریا بدھنا بستر بستر اُٹھا کر دنیا میں آجاوے۔ دوؔم یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایک نئی زندگی بخشے جیسے اہل اللہ کو ایک دوسری زندگی دیجاتی ہے جسطرح پر ایک شخص نے خدا سے ڈر کر کہا تھا کہ میری راکھہ اڑا دیجاوے۔ اسپر خدا تعالیٰ نے اسکو زندہ کیا یہ راکھہ اکٹھا کرنا بھی ایک جسمانی زندگی تھی مرنیکے بعد جو زندگی ملتی ہے وہاں تو راکھہ کا اکٹھا کرنا نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ سب کچھہ ہوا مگر اپنے گھر تو نہ آیا۔ مولویصاحب نے کہا تھا کہ تسلی کیلئے ایک بات باقی ہے کہ ہم تجھکو لوگوں کے لئے نشان بناوینگے میں نے کہا تھا کہ یہہ ضروری نہیں ہے کہ لوگوں کے سمجھے ہوئے کے موافق نشان ہو۔ اور ایسا ہو کہ قبر پھٹ جاوے اور مردہ نکل آوے۔ یہ غلط بات ہے۔ بعض آدمی حجۃ اللہ آیات اللہ کہلاتے ہیں بعض کے وجود ہی نشان ہوتے ہیں بعض کے مرنیکے بعد نشان قایم رہتے ہیں۔

یہ بیان کرنا ضروری تہا کہ اس اعتراض کا منشا کیا ہے۔ جس راہ کو ہم نے اختیار کیا ہے یہ اسکے خلاف ہے۔ ہمارے مخالفوں کا

* نوٹ۔ عزیر کی زندگی کا سوال یہہ ثابت کرنے کے لئے کیا جاتا ہے کہ مردہ زندہ ہو سکتے ہیں اسلئے اس جواب میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے (ایڈیٹر)

ہزاروں میل سے آتی ہیں اور مہینوں برسوں پڑی رہتی ہیں خراب نہیں ہوتی ہیں مجھے ایک شخص نے بتلایا کہ اگر انڈے کو سرسوں کی تیل میں رکھ چھوڑیں تو نہیں بگڑتا۔ اسطرح پر ممکن ہے کہ انسان کے شبابی طاقتوں پر بھی اثر پڑے بعض مسلمانوں نے بھی دم سادھنے کی کوشش کی ہے خود میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں دن میں دو بار سانس لیتا ہوں یہ عملی شہادت ہے کہ ہوا کو سڑنے میں دخل ہے۔ اس قسم کی ہوا سے جب بچایا جاوے تو انسان کی عمر بڑھ جاوے تو حرج کیا ہے۔ اور عمر کا بڑھنا مان لیں تو کیا حرج ہے۔ قاعدہ کی بات یہ ہے کہ جسقدر حکمتیں ایجاد ہوتی ہیں یا تو طبعی طور پر خدا نے قاعدہ رکھا ہوا ہے یا عناصر کے نظام میں بات رکھی ہوتی ہے کوئی محقق دیکھ کر بات نکال لیتا ہے۔ ہم کو اسپر کوئی بحث نہیں ہے۔ ہمارا تو مذہب یہ ہے کہ علوم طبعی جسقدر ترقی کریں گے اور عملی رنگ اختیار کریں گے قرآن کریم کی عظمت دنیا میں قایم ہو گی۔

پھر ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۶۵ پر آپ فرماتے ہیں۔ کہ عزیر کے فوت ہونے اور پھر سو برس کے بعد زندہ ہونے کی حجت جو پیش کی گئی ہے یہ حجت مخالف کے لئے مفید نہیں ہے کیونکہ ہرگز بیان نہیں کیا گیا کہ عزیر کو زندہ کر کے پھر دنیا کے دار الهموم میں بھیجا گیا تا یہ فساد لازم آوے کہ وہ بہشت سے نکالا گیا بلکہ اگر ان آیات کو انکے ظاہری معانی پر محمول کیا جاوے تو صرف یہ ثابت ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے کرشمہ قدرت نے ایک دم کے لئے عزیر کو زندہ کر کے دکھلا دیا تا اپنی قدرت پر اسکو یقین دلا دے مگر وہ دنیا میں آنا صرف عارضی تھا اور دراصل عزیر بہشت میں ہی موجود تھا جاننا چاہیئے کہ تمام انبیاء اور صدیق مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جاتے ہیں اور ایک نورانی جسم بھی انہیں عطا کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی بیداری میں راستبازوں سے ملاقات بھی کرتے ہیں چنانچہ اس بارہ میں یہ عاجز خود صاحب تجربہ ہے پھر اگر عزیر کو خدا تعالیٰ نے اسی طرح زندہ کر دیا ہو تو تعجب کیا ہے۔ لیکن اس زندگی سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ زندہ ہو کر بہشت سے خارج کئے گئے یہ عجیب طور کی نادانی ہے بلکہ اس زندگی سے تو بہشت کی تجلی زیادہ تر بڑھ جاتی ہے۔

اب ہم اس قصہ کی تفسیر اس ڈھنگ میں لکھتے ہیں جو حضرت حکیم الامۃ نے بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس قصہ کے متعلق جو باتیں خدا تعالیٰ نے مجھے سوجھی ہیں وہ یہ ہیں اول حزقیل نبی کی کتاب کے ۳۷ باب میں یہ قصہ بعینہ موجود ہے ہم اس کو یہاں درج کرتے ہیں باب ۳۷ حزقیل۔

"خداوند کا ہاتھ مجھ پر تھا اور اس نے مجھے خداوند کی روح میں اٹھا لیا۔ اور اس وادی میں جو ہڈیوں سے بھرپور تھی مجھے اتار دیا اور مجھے ان کے آس پاس چوگرد پھرایا اور دیکھ وے وادی کے میدان میں بہت تھیں اور دیکھ وے نہایت سوکھی تھیں اور اس نے مجھے کہا کہ اے آدمزاد کیا یہ ہڈیاں جی سکتی ہیں مینے جواب میں کہا کہ اے خداوند یہوواہ تو ہی جانتا ہے پھر اس نے مجھے کہا کہ تو ان کے اوپر نبوت کر اور انسے کہہ کہ اے سوکھی ہڈیو تم خداوند کا کلام سنو۔ خداوند یہوواہ ان ہڈیوں کو یوں فرماتا ہے کہ دیکھو میں تمہارے اندر میں روح داخل کرونگا۔ اور تم جیوگے اور تم پر نسیں بٹھاؤنگا اور گوشت چڑھاؤنگا اور تمہیں چمڑے سے مڑھونگا اور تم میں روح ڈالوں گا اور تم جیوگے اور جانوگے کہ میں خداوند ہوں۔ سو مینے حکم کے موجب نبوت کی اور جب میں نبوت کرتا تھا تو ایک شور ہوا اور دیکھ ایک جنبش میں ہڈیاں آپس میں مل گئیں ہر ایک ہڈی اپنی ہڈی سے اور جو مینے نگاہ کی تو دیکھ نسیں اور گوشت انپر چڑھ آئے اور چمڑے کی انپر پوشش ہو گئی پر ان میں روح نہ تھی تب اسنے مجھے کہا کہ نبوت کر اے آدمزاد اور ہوا سے کہہ کہ خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے کہ اے سانس تو چاروں ہواؤں میں سے آ اور ان مقتولوں پر پھونک کہ وے جئیں سو مینے حکم کے بموجب نبوت کی اور انمیں روح آئی۔ اور وے جی اٹھے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے ایک نہایت بڑا لشکر۔ تب اسنے مجھے کہا کہ اے آدمزاد یہ ہڈیاں سارے اہل اسرائیل ہیں دیکھ یہ کہتے ہیں کہ ہماری ہڈیاں سوکھ گئیں اور ہماری امید جاتی رہی ہم تو بالکل فنا ہو گئے اس لئے تو نبوت کر اور انسے کہہ کہ خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے میرے لوگ میں تمہاری قبروں کو کھولونگا۔ اور تمکو تمہاری قبروں سے باہر نکالوں گا تب جانوگے کہ خداوند میں ہوں اور میں اپنی روح تم میں ڈالونگا اور تم جیوگے اور میں تم کو تمہاری سرزمین میں بساؤنگا۔ تب تم جانوگے کہ مجھ خداوند نے کہا اور پورا کیا"

قصوں میں یہ بات ضرور نہیں مثلاً اب یہ ضرور نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخالف بت پرستوں کے بتوں کا حلیہ بھی بتایا جاوے۔ اس قسم کے خیالات سوء ادبی پر مبنی ہوتے ہیں۔ غرض یاد رکھو کہ قصص قرآنی میں بیہودہ چھیڑ چھاڑ درست نہیں ہے۔ انسان پابند ہدایت نہیں ہو سکتا جب تک کہ تصریح نہ ہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ہدایتوں کو آسان کر دیا ہے۔ اسی طرز پر اللہ تعالےٰ نے یہ صراحت کی ہے کہ مردے واپس نہیں آتے۔

ہمارے مخالفوں میں اگر دیانت اور خدا ترسی ہو تو عزیر کا قصہ بیان کرتے وقت ضرور ہے کہ وہ ان آیات کو بھی ساتھ کہیں جن میں لکھا ہے کہ مردے واپس نہیں آتے۔ پھر ہم بطریق تنزل ایک اور جواب دیتے ہیں۔

اسبات کو ہم نے بیان کر دیا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ قصوں کے لئے اجمالی ایمان کافی ہے ہدایت میں چونکہ عملی رنگ لانا ضروری ہوتا ہے اس لئے اُسکا سمجھنا ضروری ہے ماسوا اسکے یہ جو لکھا ہے کہ سو برس تک مردہ رہے۔ اَمَاتَ کے معنی اَنَامَ بھی آئے ہیں اور قوت نامیہ اور حسیہ کے زوال پر بھی موت کا لفظ قرآن کریم میں بولا گیا ہے۔ بہر حال ہم سونے کے معنے بھی اصحاب کہف کے قصہ کیطرح کر سکتے ہیں اصحاف کہف اور عزیر کے قصہ میں فرق اتنا ہے کہ اصحاب کہف کے قصہ میں ایک کُتّا ہے اور یہاں گدہا ہے اور نفس کُتّے اور گدہے دونو سے مشابہت رکھتا ہے۔ خدا نے یہ دنیا کو گدہا بنایا اور کُتّے کو بلعم کے قصہ میں بیان فرمایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ نفس پیچھا نہیں چھوڑتا جو بیہوش ہوتا ہے اُس کے ساتھ یا کُتّا ہوگا یا گدہا۔

غرض دوسرے طریق پر جسکا ہم نے ذکر کیا ہے اَمَاتَ کے معنے اَنَامَ کرتے ہیں اور ہم اسپر ایمان رکھتے ہیں کہ سورہ میں چھوڑکر کوئی دو لاکھ برس تک سویا ہے۔ ہماری بحث یہ ہے کہ روح ملک الموت لے جاوے پھر واپس دنیا میں نہیں آتی سونے میں بھی قبض روح تو ہوتا ہے مگر اُسکو ملک الموت نہیں لے جاتا۔ اور عرصہ دراز تک سوئے رہنا ایسا امر ہے کہ اسپر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا ہندوؤں کی کتابوں میں دم سادہنے (حبس دم کرنے) کی ترکیبیں لکھی ہوئی ہیں اور جوگ ابھیاس کی منزلوں میں دم سادہنا بھی ہے۔ ابھی تہوڑا عرصہ گذرا ہے کہ اخبارات میں لکھا تہا کہ ریل کی سڑک طیار ہوتی تھی تو ایک سادہو کی کٹیا نکلی۔ ایسا ہی اخبارات میں ایک لڑکے کی بیس سال تک سوئے رہنے کی خبر گشت کر رہی تھی۔ غرض یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ ایک آدمی سو سال تک سویا رہے پھر یہ لفظ لَمْ يَتَسَنَّهْ قابل غور ہے اور موجودہ زمانہ کے تجربہ پر لحاظ کرنیکے بعد لَمْ يَتَسَنَّهْ کی حقیقت سمجھہ لینا کچھہ بھی مشکل نہیں ہے ایک ثقہ آدمی لکھتا ہے کہ میں نے گوشت کھایا جو میری پیدایش سے ۳۰ برس پہلے کا پکا ہوا تہا۔ ہوا نکال کر بند کیا گیا تہا۔ اب ولایت یورپ امریکہ سے ہر روز ہزاروں لاکھوں بوتلوں میں کہانے پکے پکائے چلے آتے ہیں لَمْ يَتَسَنَّهْ کا اثر تو ہندوؤں کے جوگ پر پڑتا ہے اور آج کل کے علمی بلند پروازیوں کی حقیقت کھولتا ہے۔ کہ قرآن کریم میں پہلے سے درج ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جیسے ہوا کے ایک خاص اثر سے کہانا سڑجاتا ہے اسی طرح انسان پر بھی اُسکا اثر ہوتا ہے۔ اب اگر خاص ترکیب سے کہانیکو اُس ہوا کے اثر سے محفوظ رکھکر زندہ رکھا جاتا ہے تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ کسی زمانہ میں یہ حقیقت بھی کہل جاوے کہ انسان پر کہانے کیطرح عمل ہو سکتا ہے یہ علوم ہیں انکے کرنیسے کوئی حرج لازم نہیں آتا۔ آجکل کی تحقیقات علمی تجربوں نے ایسے موزے بنالئے ہیں کہ انسان انکو پہنکر دریا پر چل سکتا ہے اور ایسے کوٹ ایجاد ہو گئے ہیں کہ آگ یا بندوق کی گولی اُنپر اپنا اثر نہیں کر سکتی اسی طرح سے لَمْ يَتَسَنَّهْ کی حقیقت جو قرآن کریم کے اندر مرکوز ہے علمی طور پر بھی ثابت ہو جاوے تو کیا تعجب ہے؟۔ ہوا کا اثر کہانے کو تباہ کرتا ہے اور انسان کیلئے بھی ہوا کا بڑا تعلق ہے ہوا کے دو حصے میں ایک قسم کی ہوا اندر جاتی ہے تو اندر تازگی پیدا ہوتی ہے دوسری دم کے ساتھہ باہر آتی ہے جو جلی ہوئی متعفن ہوا ہوتی ہے۔ غرض اگر لَمْ يَتَسَنَّهْ والی بات نکل آوے تو ہمارا کچھہ بھی حرج نہیں بلکہ جسقدر علوم طبعی پھیلتے جاتے ہیں اور پھیلیں گے اُسی قدر قرآن کریم کی عظمت اور خوبی ظاہر ہوگی۔ ہم تو آئے دن دیکھتے ہیں کہ ولایت کے پکے ہوئے شوربے اور گوشت ہندوستان میں آتے ہیں اور بگڑتے نہیں ولایتی ادویات

کشفی حالت کے عجائبات

کشفی حالت جو اہل باطن پر آتی ہے اس میں انکو عجیب عجیب نظارے دکہائے جاتے ہیں انکے یہہ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ انسان چند ساعتوں میں سالہا سال کے واقعات کو دیکھہ لیتا ہے کشفی آنکہہ عالم مثال میں مثالی صور کو مشاہدہ کرتی ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس میں ایک شے ازقبیل مادیات دکھائی جاتی ہے اوراس سے مراد کیفیات ہوتی ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا کہ آپ نے اس قدر دودہ پیا کہ اس کی تری آپ کے ناخنوں سے نکل پڑی اور اس کا بقیہ جناب فاروقؓ کو دیا اور مراد اس سے علم تھی بعض اوقات اشیاء مادیہ دکھاتی جاتی ہیں اور وقوع کے وقت انکی صورت کو ادنےٰ مشابہت بھی اصل دکھائی گئی شے سے نہیں ہوتی بلکہ کلی مغایرت ہوتی ہے اس کی مثال جناب یوسف علیہ السلام کا خواب ہے۔ اور ایسا ہی بڑے بڑے لمبے زمانے عام کشف میں بہت مختصر ہو جاتے ہیں جیساکہ عزیز مصر کی رویا میں ۱۴ سال کیسے مختصر دکہائے گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں کیسی عظیم الشان سیر کرائی گئی اور وہ معلومات اور معارف عطا کئے گئے جو صدیوں کی تعلیم میں بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔

کشوف اور رویا لا انتہا معلومات اور ترقیوں کا ذریعہ ہوتے ہیں کذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض میں اسی قدرت الہی کی طرف اشارہ ہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو کشوف ہی کے ذریعہ آئندہ اور گذشتہ کے حالات بتلائے جاتے ہیں۔ گذشتہ واقعات کی نسبت اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو مخاطب کرکے بار بار یہی فرماتا ہے کہ کیا تونے نہیں دیکھا پس وہ دیکھنا کشفی حالت کا ہے۔ کشف میں ہزارہا مشکلات حل ہوتی ہیں اور قدرت آلہیہ کے عجائبات نظر آتے ہیں اس طرح پر یہ ایک کشف ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی جیساکہ الم تر کا لفظ ظاہر کرتا ہے ہرایک وحی متلو جو گذشتہ یا آئندہ واقعات پر متضمن ہوتی ہے اس کی

اس قصہ کو جو حزقی ایل نبی کی کتاب کے ۳۷ باب میں اسطرح پر درج ہے غور کریں تو بڑی صفائی کے ساتھ اسکی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اور اگر اسکے ساتھ حزقی نبی کی کتاب کے ۱۱ باب کی ۲۴ آیت کو ملا کر دیکھا جاوے تو اور بھی صاف ہو جاتا ہے جہاں وہ کہتے ہیں کہ انجام کار رُوح نے مجھے اُٹھایا اور خدا کی روح نے رویا میں مجھے پھر کسدیوں کے ملک میں اسیروں پاس پہونچادیا۔ سو وہ رویا جو مینے دیکھی تھی مجھہ سے اوپر اُٹھہ گئی"

اور ابتدائی حصہ حزقی نبی کی کتاب کا پڑہا جاوے تو وہ بنی اسرائیل اور یروشلم کی تباہی کے حالات کو بیان کرتا ہے۔ اب مطلب بالکل صاف ہے کہ یہ سارا نظارہ رویا میں دکہایا گیا اور بنی اسرائیل کی تباہی اور یروشلم کی بربادی کو **ہڈیوں** اور مردوں کے رنگ میں دکہایا۔ اور اس نبی کو سو سال بعد آنیوالے واقعات بتائے جیسا کہ الفاظ **نبوت کر** وغیرہ جو ان آیتوں میں درج ہیں صاف اشارہ کرتے ہیں۔ **غرض** اصل یہ ہے کہ اس آیت میں جس شخص کے گذرنے کا ذکر ہے وہ ایک نبی تھے۔ قرآن شریف نے انکا نام نہیں لیا مگر حزقی ایل کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حزقی ایل تھے۔ جنکو یروشلم کی تباہی اور بربادی پر تاسف اور افسوس ہوا۔ اور تباہ شدہ بنی اسرائیل کی حالت پر انکے دل میں رقت پیدا ہوئی۔ اور انہوں نے تمنا ظاہر کی کہ کیا یہ قوم پھر بھی زندہ قوم اور یہ ویران شہر آباد ہو سکتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے انکو ایک کشف کے ذریعہ دکہایا۔ اور ایک سو سال بعد آنیوالے واقعات کو رویا کے ذریعہ ایک آن میں انپر ظاہر کیا کہ کس طرح پر وہ **آباد** اور زندہ ہوتے ہیں۔ پہر جب وہ کشفی حالت انکی جاتی رہی تو اللہ تعالیٰ نے انسے پوچھا کہ تم اس حالت میں کتنی دیر تک رہے۔ اس نبی نے بظاہر اس دنیا کی بات سمجھکر کہا کہ ایک دن یا اس کا کوئی حصہ اور یہ بات اپنی جگہ بالکل سچ تھی۔ لیکن دراصل وہ سو سال آیندہ کے واقعات کو دیکھہ چکا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ سو سال تک تو اس حالت میں رہا ہے (یہ سو سال عالم مثال کے تھے) اس پر حضرت حزقی ایل کو جب تردد واقع ہوا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے انکے رفع تردد کے لئے فرمایا کہ وہ سو سال عالم مثال کے تھے اس دنیا کے نہ تھے کیونکہ تم اپنی چیزوں کو دیکھو جو کہانے پینے کی ہیں وہ سڑی نہیں ہیں اور گدہے کو دیکہو وہ صحیح و تندرست موجود ہے۔ ہم تو تجھے ایک نشان بنانا چاہتے ہیں اور یہ سارا واقعہ ہ۔۔۔ **آیت اللہ** ہے اور تو دیکہہ کہ اس مردہ قوم بنی اسرائیل کی بحالی کیسے ہوتی ہے جب یہ امر اچھی طرح انکے ذہن نشین ہو گیا تو وہ بول اُٹھے **اعلم ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر** میں جانتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ غرض۔۔۔ ۔۔۔ اس نبی کی طرف سے ایک پیشگوئی کرائی گئی کہ یروشلم ایک سو سال کے اندر آباد ہو جائے گا۔ جیسا کہ حزقیل کی کتاب کے ۳۷ باب آیت ۱۲ میں درج ہے کہ **تو نبوت کر** یعنے پیشگوئی سنادے۔ چنانچہ کیقباد نے بنی اسرائیل کو ایک صدی گذرنے کے بعد یروشلم میں پہر آباد کیا اور اس طرح پر یہہ کشف پورا ہوا۔

القصہ

یہہ ایک کشف ہے حضرت حزقیل نبی کا۔ جو ان کو اس وقت ہوا جب وہ یروشلم کی تباہ شدہ حالت دیکہہ رہے تھے۔ چونکہ اس میں بزرگان و انبیاء علیہم السلام کے مزار بکثرت تھے اس لئے وہ اس کے آباد ہونے کے بڑے آرزو مند تھے اور دعائیں کرتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پہ دکھاکر انکا اطمینان کرادیا۔

ہڈیوں سے مراد بنی اسرائیل کی مردہ قوم ہے اور تمام مذہبی کتابوں میں ایسے محاورات استعمال ہوئے ہیں۔

بل ترقی کے لیے بھی آتا ہے جیسے جاء نی زید بل عمرو۔

قَالَ اَنّٰی یُحْیِیْ هٰذِهِ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اسکو کب جلائے گا۔ اَنّٰی بمعنی کب ہے

یہ ہم اوپر دکھا آئے ہیں کہ رویا میں لمبے زمانے کیسے کم کیے جاتے ہیں۔

غرض

یہ ایک مکاشفہ تھا حقیقی طور پر نہ کوئی مرا اور نہ مر کر پھر اس عالم میں زندہ ہوا۔ اب اللہ تعالیٰ ایک تیسرا قصہ بیان فرماتا ہے

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ

ترجمہ اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے کہا کیا تو ایمان نہیں لایا اُسنے کہا ہاں مگر یہ سوال اسواسطے ہے کہ میرا دل اطمینان حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرند لیکر انکو اپنے ساتھ ملا لو اور پھر انکو ایک ایک ٹیلہ پر چھوڑ دے پھر اُن کو پکار تیری طرف دوڑتے چلے آئیں گے اور جان لے بیشک اللہ عزیز اور حکیم ہے۔

تفسیر اس قصہ کے متعلق بھی ہمارے مفسرین کو مشکلات پیش آئی ہیں اور اس لطیف قصہ کو جو اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ کا مظہر اور اسکی عزت وحکمت کا مثبت ہے عجیب طور پر بدلا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو ایمان نہیں لایا اس کا جواب یہ دیا کہ ایمان تو لایا مگر میں مزید اطمینان چاہتا ہوں۔ اسپر اللہ نے حکم دیا۔ کہ چار پرند لیکر اپنے ساتھ ملا اور اُن کا قیمہ کر کے تھوڑا تھوڑا ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھدے پھر ان کو بلا وہ دوڑتے ہوئے تیری طرف چلے آئیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مگر اس رنگ میں یہ قصہ قرآن شریف کے الفاظ سے پایا نہیں جاتا۔ لیکن اگر یہ قصہ اسطرح پر صحیح مان لیا جاوے تو اسکو مکاشفہ ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ایسے نظارے مکاشفات میں بکثرت ہوتے ہیں اور خاص انبیا اور اولیا کا عرفان اور یقین مکاشفات سے ہی بڑھایا جاتا ہے۔ نہ کہ عام منکرین کی طرح خلاف فطرت نظاروں سے

کیا انبیا علیہم السلام عام دانشمندوں سے بھی کمتر ہوتے ہیں موجودہ نظام عالم اور قوانین مستمرہ انکی ہدایت اور ترقی مدارج کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ پھر کیا ابراہیم جیسا عظیم الشان نبی اہل دانش میں سے نہیں تھا کہ اسکو قدرت الٰہی کا عام نظارہ کافی نہ ہو سکتا؟ بیشک کافی تھا کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے دوسرے مقامات میں آیا ہے وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ۔ ترجمہ اور اسی طرح پر ہمنے ابراہیم کو آسمان و زمین کی سلطنتیں دکھائیں تا کہ وہ موقنین میں سے ہو۔

غرض انبیا علیہم السلام کی ایمانی حالت جو یقین کے درجہ پر پہنچتی ہے اسکا ذریعہ سب سے بڑا یہی الہامات اور مکاشفات ہوتے ہیں۔ اب ہم اس قصہ کی تفسیر جو حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف سے ملتی ہے درج کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

عمل الترب یعنی مسمریزم کا ایک شعبہ ایسا ہے جس کے بعض خواص میں سے یہ بھی ہے کہ جمادات یا مردہ حیوانات میں ایک حرکت مشابہ بحرکت حیوانات پیدا ہو کر اُس سے بعض مشتبہ اور مجہول امور کا پتہ لگ سکتا ہے ہمیں چاہیے کہ کسی سچائی کو ضائع نہ کریں اور جو کچھ وہ حقیقت یا خاصیت جو عین صداقت ہے اُسکو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھیں علم عمل الترب ایک عظیم الشان علم ہے جو طبعی کا ایک روحانی حصہ ہے جس میں بڑے بڑے خواص اور عجائبات پائے جاتے ہیں اور اسکی اصلیت یہ ہے کہ انسان جسطرح باعتبار اپنے مجموعی وجود کے تمام چیزوں کا

اصل حقیقت مکاشفات سے ہی معلوم ہوتی ہے۔

حزقی ایل کے اس مکاشفہ کی اصلیت کے متعلق اس آیت میں دو براہین کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو متوجہ کیا ہے اول یہ کہ مکاشفہ بہت قدرت و عجائبات والی چیز ہے اور جو اہل کشف ہوتا ہے وہ اپنے معارف علوم اور قوتہائے باطن کی وجہ سے لوگوں کے واسطے ایک حجت اور گواہ ہوتا ہے اس کا وجود آیت میں آیات اللہ ہوتا ہے اس لئے حضرت حزقی ایل کو فرمایا ولنجعلك أية للناس۔ یہ تو پہلی دلیل ہے۔

اور جیساکہ آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کشفی نظارہ کو ظاہری نظارہ کیطرف منتقل کرکے فرمایا وانظر الی العظام الایۃ یہ حکم وحی متلو میں تھا۔ اور عام طور پر سنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ عموماً ہرایک وحی متلو کے ساتھہ جو غیب کے متعلق ہو ایک کشفی نظارہ ہوتا ہے جس سے اس کی حقیقت پورے طور پر کھل جاتی ہے۔ کبھی یہ کشفی حالت وحی سے پہلے ہوتی ہے اور کبھی بعد۔ اس کے متعلق ہم زیادہ کچھہ نہیں لکھہ سکتے اسوقت خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ نمونہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود ہے جو لوگ آپکی تحریروں کو کثرت سے پڑھتے ہیں خصوصاً ہمارے اخبار الحکم کو پڑھنے والے انہیں ایسے امور کا بخوبی پتہ لگ سکتا ہے۔

حضرت حزقیل کو ان مکاشفات اور الہامات کے بعد جب حقایق پر اطلاع ہوئی تب کہنے لگے اعلم ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔ اہل کشوف ان امور سے آگاہ ہیں اور ظاہر پرست ان حقایق اور حالات سے چونکہ آگاہ نہیں تھے اس لئے انہوں نے وہ قصہ گھڑ لیا جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں

الغرض

پہلی توجیہ یہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہود یونکہ گدھا ہی کہا گیا مثل الذین حملوا التوراۃ الایۃ اس صورت میں بھی اللہ تعالےٰ نے یہ دکھلایا کہ سو برس تک تو مردہ رہا جب تیری قوم اس لئے یہاں یہ ذکر صاف ہے کہ اس شخص کا یوم اور بعض یوم سچا ہے کیونکہ خدا نے اسکی تصدیق کردی جبکہ یہ فرمایا انظر الی طعامك وشرابك لم یتسنہ

[illegible]

رکوع ۳۵ ۳

انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم دیجاتی ہے اور یوں شفقت علیٰ خلق اللہ کی ہدایت اور ترغیب دیکر بتایا جاتا ہے کہ کس طرح انسان خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرکے اپنے مال کو بڑھا سکتا ہے۔ اور اس مثال کی تہ میں خرچ کرنے کی ایک اصل سکھائی جاتی ہے۔ حقیقی خیرات جس میں احسان یا تکلیف نہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑے اجر کا باعث ٹھیرتی ہے اور انسان کو ہموم و غموم سے نجات دینے کا موجب ہوجاتی ہے۔ سائل کی دلجوئی اور اس کے اصرار پر صبر کی ہدایت کرکے حقیقی نیکی کا سبق دیا جاتا ہے اور سکھایا جاتا ہے کہ احسان نمائی ایذا دہی اور نمود و نمائش صدقات کے اجر کو ضائع کر دیتے ہیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اللہ اور قیامت کے منکر ہیں۔ کامیابی اور ناکامی کی ایک اور اصل بتائی جاتی ہے۔ محض خدا تعالیٰ ہی کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرنے والوں کی ایک اور مثال دی جاتی جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ ان کے صدقات افزونی مال کے باعث ہوتے ہیں۔ اور محض خدا کے لیے نیکی کرنیکی ایک راہ سکھائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال کا بینندہ یقین کرو۔ آخر میں بتایا ہے کہ کسطرح انسانی فطرت آرام اور کامیابی چاہتی ہے۔

عام مطالب اس رکوع میں مہتم بالشان امر انفاق فی سبیل اللہ ہے اور اسی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔

تفسیر القرآن کے متعدد مقامات میں ہم نے بتایا ہے کہ ایمان کی دو عظیم الشان شاخیں ہیں جن سے اس کی تکمیل ہوتی ہے یا وہ شجرہ طیبہ اس سے بنتا ہے جو اسلام کہلاتا ہے ان دو شاخوں میں سے ایک تعظیم لامر اللہ ہے اور دوسری شفقت علیٰ خلق اللہ۔ اسلام کا مفہوم بھی ان ہی دونوں باتوں کو چاہتا ہے۔ اس رکوع میں امر دوم پر خصوصیت کے ساتھ بحث کی گئی ہے کہ کسطرح انسان اپنے ہی نوع انسان کی خدمت ہمدردی چارہ جوئی اور بار برداری اور سچی غمخواری میں اپنی زندگی وقف کرے اور جس قدر خلقت کی حاجات ہیں اور جس قدر مختلف وجوہ اور طرق کی راہ سے قسام ازل نے بعض کو بعض کا محتاج بنایا ہے ان تمام امور میں محض للہ اپنی حقیقی اور بغیر ضانہ اور سچی ہمدردی سے جو اپنے وجود سے یا مال سے صادر ہوسکتی ہے انکو نفع پہنچاوے اور ہر ایک مدد کے محتاج کو مناسب مدد دے۔ اس رکوع کا مضمون اس حصہ ایمان کی نشوونما اور تربیت ہے۔ چونکہ اس سے پہلے بھی انفاق ہی کی تعلیم تھی اور بیچ میں ضمناً صفات الٰہی کے مسئلہ پر بحث کی تھی اور اسطرح پر تعظیم لامر اللہ یا اسلام کے جزو اول پر بحث تھی۔ اس لیے اب اسکے دوسرے حصہ پر اسی پہلے سلسلہ میں بحث شروع کی۔

پہلے بتایا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے مضائقہ کرتے ہیں وہ **مشرک** ہیں کیونکہ وہ روپے پیسہ کو گویا اپنا خدا اور قاضی الحاجات سمجھتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانہ کی سی ہے جو سات بالیاں اگائے اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور اللہ وسیع کرنے والا اور جاننے والا ہے

تفسیر پہلے انفاق فی سبیل اللہ کے لیے عام طور پر ترغیب دی تھی یہ کہکر کہ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا کون ہے جو اللہ کے لیے اپنے مال کا ایک حصہ قرض حسنہ کے طور پر الگ کردے۔ اور پھر حکم دیا کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ۔ ایمان والو جو کچھ ہم نے تمکو دیا ہے اسمیں سے کچھ خرچ بھی کرو۔ طبعی طور پر اس حکم پر سوال ہو سکتا تھا کہ کیوں خرچ کریں اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ بظاہر تو یہی ہوگا کہ مال کم ہو جاوے گا اس کا جواب اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور گویا وجہ بتا کر اس وہم کا ازالہ کرتا ہے کہ مال کم نہیں ہوگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے والا سات سو گنا تک نفع اٹھا سکتا ہے۔ جیسے ایک دانہ زمین میں ڈالدیا جاتا ہے پھر اسکی بالیاں نکلتی ہیں اور ایک دانہ کتنے دانوں کا مجموعہ ہوجاتا ہے اسی طرح پر جو چیز اللہ تعالیٰ کے سپرد کی جاوے اور اسکی راہ میں خرچ کی جاوے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتی يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ

خلیفۃ اللہ ہے اور سب چیزیں اُسکے تابع کر دی گئی ہیں۔ اسیطرح انسان جس قدر اپنے اندر انسانی قویٰ رکھتا ہے تمام چیزیں اُن قویٰ کی اسطرح تابع ہیں کہ شرائط مناسبہ کے ساتھ اُن کا اثر قبول کر لیتی ہیں انسان قوت فاعلہ کے ساتھ دنیا میں بھیجا گیا ہے اور دوسری چیزیں قوت منفعلہ رکھتی ہیں ادنیٰ اثر انسان کی قوت فاعلہ کا یہ ہے کہ ہر ایک جاندار اُس سے ایسا ہل سکتا ہے کہ اُسکے خادم اپنے تئیں شمار کر لیتا ہے اور اُسکا ہو جاتا ہے فطرۃ نے جن انسانوں کو قوت فاعلہ کا بہت سا حصہ دیا ہے اُنسے عمل الترب کے عجیب عجیب خواص ظاہر ہوتے ہیں درحقیقت انسان ایک ایسا جانور ہے کہ اُسکے ظاہری اور باطنی قویٰ ترقی دینے سے ترقی پذیر ہو سکتے ہیں اور اسکی قوت فاعلی کا اثر بڑھ جاتا ہے مثلاً جن لوگونکو ہمارے ملک میں ڈائن کہتے ہیں انکی صرف اسقدر حقیقت ہے کہ انکی زہریلی نظر سے ضعیف الخلقت لوگ بچے وغیرہ کسیقدر متاثر ہو جاتے ہیں بعض لوگ اپنی زہریلی نظر سے بعض اپنے تصورات تربی مشق کی وجہ سے دوسرے کے دلمیں ڈالدیتے ہیں بعض اپنی کیفیت ذوقی کا اثر اُسی عمل کے زور سے دوسرے کے دل تک پہنچا سکتے ہیں بعض بیجان چیزوں پر اثر ڈالکر اُنمیں حرکت پیدا کر دیتے ہیں چنانچہ زمانہ حال میں بھی ان باتوں میں مشق رکھنے والے بہت نظر آتے ہیں بعض کٹے ہوئے سر بکری وغیرہ کے عمل الترب کے زور سے ایسی حرکت میں لاتے ہیں کہ وہ ناچتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں بعض عمل الترب کے زور سے چور کا پتہ لگا لیتے ہیں قرآن شریف یا لوٹے کو حرکت دیکر چور کا پتہ نکالتے ہیں حقیقت میں یہ عمل الترب کی ایک شاخ ہے اگرچہ اسکی شرائط ضروریہ کے نہ پائے جانے کی وجہ سے غلطی واقع ہو چنانچہ اسی وجہ سے بکثرت غلطی واقع ہوتی بھی ہے لیکن یہ غلطی اس عمل کی عزت اور عظمت کو گھٹا نہیں سکتی کیونکہ بہت سے تجارب صحیحہ سے اسکی اصلیت ثابت ہو چکی ہے بیشک انسانی حیات اور شعور کا اثر دوسری چیزوں پر بھی پڑ سکتا ہے اور انسان کی قوۃ کشفی کا پرتو جمادات یا کسی مردہ حیوان پر پڑ کر اُسکو بعض مجہولات کے انکشاف کا آلہ بنا سکتا ہے چنانچہ قضیہ مذکورہ بالا جس کا آیت مذکورہ بالا میں ذکر ہے اسی قسم میں سے ہے اور بعد میں جو آیت ہے كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى یہ حیات حقیقی کا ثبوت نہیں بلکہ ایک اعجوبہ قدرۃ کے ثابت ہونے سے دوسری قدرۃ کیطرف اشارہ ہے چنانچہ جابجا قرآن شریف میں یہی طریق ہے یہانتک کہ نباتات کے اُگنے کو احیاء موتی پر دلیل ٹھہرائی گئی ہے اور یہی آیت كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى ان مقامات میں بھی لکھی گئی ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ جو قرآن کریم میں چار پرندوں کا ذکر آیا ہے کہ اُنکو اجزاء متفرقہ یعنی جدا جدا کر کے چار پہاڑیوں پر چھوڑا گیا تھا اور پھر وہ بلانے سے آ گئے تھے یہ بھی عمل الترب کیطرف اشارہ ہے کیونکہ عمل الترب کے تجارب بتلا رہے ہیں کہ انسان میں جمیع کائنات الارض کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے ایک قوۃ مقناطیسی ہے اور ممکن ہے کہ انسان کی قوت مقناطیسی اس حد تک ترقی کرے کہ کسی پرند یا چرند کو صرف توجہ سے اپنی طرف کھینچ لے۔ فتدبروا ولا تغفل۔ ۵۰

اس قصہ کی غرض

اس قصہ کے بیان سے اللہ تعالیٰ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ ہر ذرہ ذرہ اس دنیا کا اُسکی آواز سنتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی عزۃ و حکمۃ کا یقین بڑھتا ہے اسی لیئے اس آیت کے آخر میں فرمایا

إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

بیشک اللہ تعالیٰ عزت والا اور حکمت والا ہے ۔ عَزِيزٌ اور حَكِيمٌ اللہ تعالیٰ کے اسماء ایسے ہیں جن کا نبوۃ کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ تعلق ہے جو ایک جذب اور کشش کو ظاہر کرتے ہیں ۔ اور اسطرح جس ربوبیت کا تذکرہ شروع رکوع میں ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کی صفات الحیّ القیوم جو اس رکوع کے پہلے پیش کی گئی تھیں انپر اس رکوع میں مختلف صورتوں میں بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کو مختلف ظلمتوں سے نکالتا ہے چنانچہ تین مختلف صورتیں پیش کر کے دکھایا ہے کہ وہ کس طرح ظلمۃ سے نجات دیتا ہے۔ پہلی صورت میں بھی کافر کو مبہوت کر کے دکھایا اور حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم کے قصص میں مکاشفات کے ذریعہ علوم کے عطا کرنے اور ظلمتوں کے دور کرنے کا طریق بتایا۔

اور چونکہ اصل سلسلہ انفاق فی سبیل اللہ کا شروع ہوا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُسکی طرف رجوع کر کے وہی سلسلہ شروع فرماتا ہے

فٹ نوٹ تین صورتیں اس قصہ کی حل کی ہیں اوّل اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ چار پرندوں کو ہلا لے پھر چار پہاڑوں پر چھوڑ دے بلانے سے آ جاویں گے یہ اگر وہ تیری اتنی سی ربوبیت سے تیرے حکم پر چلتے ہیں تو کیا ہر ایک ذرہ جو میری ربوبیت کے نیچے ہے میرا حکم نہیں مانیں گے دوئم حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ ٹکڑے کر کے متفرق چار پہاڑوں پر پھینکدے وہ بلانے سے آ جائیں گے حضرت ابراہیم نے جبر و آہی اور آداب الٰہی کیوجہ سے اسکا تجربہ نہیں کیا سوم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو وہ مقام دکھا دیا جہاں احیاء اموات ہوتا ہے۔ منہ

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ +

انفاق فی سبیل اللہ کی صورت

انفاق فی سبیل اللہ کس صورت میں بار آور اور نتیجہ خیز ہو سکتا ہے ؟ اسکی صورت اس آیت میں بتائی ہے اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى یعنی اللہ تعالےٰ کی راہ میں خالصتہً للہ خرچ کرنے کی یہی صورۃ ہے کہ خرچ کرکے کوئی احسان نہ جتایا جائے یا تکلیف نہ دیجائے۔

اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب کسی کے ساتھ کوئی سلوک کرتے ہیں پھر اس سلوک کا بار بار بطور احسان اظہار کرتے ہیں یا جس شخص کو دیا ہی اسکو تکلیف دیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے لیے جو مال خالصتہً خرچ کیا جاوے اسمیں ریا اور نمود و نمایش کی خواہش سلب ہو جاتی ہے پھر وہ صرف مال اضطراب کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ فطرتی جوش اور سرور کے ساتھ ہوتا ہے + یا یہ کہو کہ محبّت ذاتی کے رنگ میں ہو جاتا ہے کسیکی مدح و ذم یا نفع و ضرر غرض نہیں ہوتی۔

یعنی انفاق فی سبیل اللہ اسلیے نہیں کرتے کہ اس سے کوئی نفع مقصود ہے یا ضرر سے بچنا غرض ہے بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اضطراری طور پر کرتے ہیں اگر کوئی ثواب بھی اسپر مترتب ہونیوالا ہو یہ وعدے جو ایسے مال کے بڑھنے اور مضاعف ہونیکے اللہ تعالیٰ نے کیے ہیں نہ بھی ہوں تب بھی وہ خرچ کریں گے ابتغاء مرضات اللہ جب انسان کا مقصود ہوتا ہے تو اسکے تمام اغراض نفسانی جل جاتے ہیں اور دل ایسا محبّت سے بھر جاتا ہے جیسے ایک شیشہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ غرض نفسانی اغراض کا بقیہ اور رائحہ رہتا ہی نہیں ابتغاء مرضات اللہ کے معنے ایک اور آیت سے بھی حل ہوتے ہیں جو اسطرح پر ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ یعنی بعض مومن لوگوں میں سے وہ بھی ہیں کہ اپنی جانیں رضاء الٰہی کے عوض میں بیچ دیتے ہیں اور اللہ اپنے ایسے بندوں پر مہربانی کرتا ہے + نفس کے بیچنے میں یہ بات داخل ہے کہ انسان اپنی زندگی اور اپنے آرام کو جلال الٰہی کے ظاہر کرنے اور دین کی خدمت کے لیے وقف کر دے (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ اٰمِيْن) اور پھر مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ کی تفسیر ایک اور آیت کر رہی ہے یا یہ کہو کہ یہ آیت کی تفسیر ہے اور وہ یہ ہے بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یعنی مسلمان وہ ہے جو اپنے وجود کو اللہ تعالےٰ کے لیے سونپ دیوے یعنی اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اُسکے ارادوں کی پیروی کے لیے اور اُسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیوے یا یہ کہو کہ اعتقادی اور عملی طور پر اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جاوے اور یہ اعتقادی اور عملی صفائی .. ذاتی محبت پر مبنی ہو اور طبعی جوش سے اعمال حسنہ اس سے صادر ہوں وہی ہے جو عند اللہ مستحق اجر ہے اور ایسے ہی لوگوں کے لیے نجات نقد موجود ہے نہ ان کے لیے کوئی خوف ہے اور نہ غم۔

اور ایسا ہی یہ آیت بھی ان معنوں کی تائید اور تصدیق کرتی ہے يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا + یعنی مومن وہ ہیں جو خدا کی محبت سے مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو روٹی کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں اس روٹی کھلانے سے تم سے کوئی بدلا اور شکر گذاری نہیں چاہتے اور نہ ہماری کچھ غرض ہے ان تمام خدمات سے صرف خدا کا چہرہ ہمارا مطلب ہے

غرض

جہاں تک قرآن کریم میں تدبر کرو صاف طور پر کھل جاوے گا کہ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ منا ولا اذیٰ میں محبت ذاتی کی تعلیم دینا مقصود ہے کہ انفاق کسی غرض و طمع کا نتیجہ نہ ہو۔ جب ایسا ہوگا تو پھر اس کا نتیجہ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ ہوگا

سعادت تامہ کے مدارج
فنا - بقا - لقا

اوپر کی آیتوں میں مطابقت دکھاتے ہوئے اس آیت کو بلیٰ من اسلم سے بھی مطابق کیا ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ دونوں کے نتائج اور ثمرات ایک ہی ہیں اگر یہ سچ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور بیشک یہ سچ ہے تو کچھ شک نہیں کہ ان دونوں آیتوں میں بہت بڑا تعلق ہے اسلام ایک للّٰہی وقف چاہتا ہے اور یہ آیت بھی ایک للّٰہی وقف کی ہدایت کرتی ہے۔ اس بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ سعادت تامہ کے ہر سہ مراتب ضرور یہ فنا - بقا - لقا کی تعلیم اس میں موجود ہے ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ جو وقف تام مالی کو چاہتا ہے یہ فنا کی حالت پر واقع ہوا ہے کیونکہ جب اپنا مال

کے معنی دو چند کرنے کے نہیں ہیں بلکہ یضاعف کے معنی بڑھانے کے ہیں خواہ وہ کئی گنا ہوں۔ خیرات کیا ہوا مال یا اللہ تعالے کی راہ میں خرچ کیا ہوا کیوں بڑھتا ہے اسکی وجہ یہی بتائی ہے کہ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اللہ تعالے وسعت والا اور علیم ہے اسکی صفات کے تقاضے تو بہرحال پورے ہو کر رہتے ہیں جبکہ اسکی یہ صفت ہے تو پھر کیوں اسکی راہ میں دیا ہوا مضاعف نہ ہو۔

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ کے معنی کرنے میں لِمَنْ يَّشَآءُ سے مراد وہی شخص ہے جس کا ذکر پہلے اللہ تعالی یوں فرما چکا ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً۔ یعنی جو شخص اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور اسکے لیے اپنے مال کا ایک حصہ الگ کرتا ہے اللہ تعالے اسکو ضرور بڑھاتا ہے۔

پھر انسان جس سچی خوشحالی اور راحت کا فطرتاً طلبگار رہے وہ نہ مال سے حاصل ہو سکتی ہے نہ علم سے نہ کسی اور چیز سے بلکہ سچی خوشحالی اور رحمت کا ملنا اللہ تعالی ہی کے فضل پر موقوف ہے۔ مگر اللہ تعالی کے فضل کے لیے بعض امور بطور جاذب فضل ہو جاتے ہیں انہیں سے انفاق فی سبیل اللہ بھی ہے چنانچہ فرماتا ہے

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ترجمہ

جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر جو کچھ خرچ کیا ہے اسکے بعد کوئی احسان نہیں جتلاتے اور نہ دل آزاری کرتے ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور ایسے لوگوں پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تفسیر اگرچہ قرینہ کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ انفاق فی سبیل اللہ جہاد کی تقریب سے لیکن جبکہ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ تکمیل ایمان کے لیے ضروری ہے تو کیوں ہم عام انفاق فی سبیل اللہ اس سے مراد نہ لیں اور اس اگلے رکوع پر تدبر کرنے سے صاف طور پر یہ عمومیت سمجھ میں آجاتی ہے۔ جیسا کہ ابھی آتا ہے لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى اپنے صدقات کو منت رکھنے اور دل آزاری سے باطل نہ کرو يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام عام احسان اور ہمدردی نوع انسان کی تعلیم دیتا ہے اور اس کا بہت بڑا ذریعہ خرچ مال ہے۔

اس آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کا ایک دوسرا نتیجہ بتایا گیا ہے اور وہ ہے اجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون ۝ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر کوئی خوف اور حزن نہیں ہے اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالے نے انفاق فی سبیل اللہ کا نتیجہ صرف یہی بتایا تھا کہ اس وہم کا ازالہ کر دیا تھا جو بشریت کی ضعف سے کمی مال کا پیدا ہوتا تھا اور مثال دیکر سمجھایا تھا کہ جیسے زمیندار ایک دانہ زمین میں ڈالتا ہے اور بظاہر وہ دانہ ضائع ہو گیا ہوا نظر آتا ہے مگر وہ محض اس لیے کہ خدا تعالی پر توکل اور بھروسہ کر کے ڈال دیا جاتا ہے تو کئی گنا پھل لاتا ہے لیکن اس آیہ میں بہت بڑی ترقی دکھائی ہے

اجرهم عند ربهم یہاں اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جو فرمایا ہے یہ بہت ہی قابل غور حصہ ہے۔ اللہ تعالی کی صفت ربوبیت کو کیوں لیا؟ یاد رہے کہ رب ان اسماء الٰہی میں سے ہے جو انسان کی فطرتی ضروریات اور سچی خواہشات کے متکفل ہیں اور نظام عالم کا انحصار ان پر ہے۔

ربوبیت کا فیضان **فیضان اعم** ہے۔ یہ وہ فیضان مطلق ہے کہ جو بلا تمیز ذی روح وغیر ذی روح افلاک سے لیکر خاک تک تمام چیزوں پر علی الاتصال جاری ہے اور ہر ایک چیز کا عدم سے صورت وجود پکڑنا اور پھر وجود کا حد کمال تک پہنچنا اسی فیضان کے ذریعہ سے ہے اور کوئی چیز جاندار ہو یا غیر جاندار اس سے باہر نہیں اسی سے وجود تمام ارواح و اجسام کا ظہور پذیر ہوا اور ہوتا ہے اور ہر ایک چیز نے پرورش پائی اور پاتی ہے یہی فیضان تمام کائنات کی جان ہے اگر وہ ایک لمحہ منقطع ہو جاوے تو تمام عالم نابود ہو جاوے۔

چونکہ یہ ایسا وسیع الشان فیضان ہے اس لیے فی سبیل اللہ انفاق کرنے والے کے اجر کو اسکے نیچے رکھا ہے یعنی جبکہ اس کا فیضان اعم جو بلا درخواست بلا تمیز کافر و مومن وغیرہ انسان کی فطرتی ضرورتوں کا متکفل ہے تو اس صفت کے ماتحت جو اجر ملے گا وہ کسقدر بڑھکر ہوگا۔ یہ دوسرا ثبوت اس امر کا ہے مثل الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله كمثل حبة انبتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

ترجمہ اور جو لوگ اپنے مال خوشنودی خدا کی طلب میں اور اپنی ثبات خاطر سے خرچ کرتے ہیں انکی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغ اونچی اور سبزہ خیز زمین میں ہو۔ اور اسپر زور کا مینہ برسے پس وہ اپنا پھل دو چند دے۔ اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو اسکو شبنم ہی کافی ہے اور اللہ تعالےٰ اعمال کا نگران ہے۔

تفسیر یہ **مثال** اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی دی ہے جو اپنے مال کو محض رضاء الٰہی کے لیے خرچ کرتے ہیں اور پہلی مثال اُن لوگوں کی تھی جو ریا من اور آزی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اب بطور رہا کے سوال کرتا ہے۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ **ترجمہ** کیا تم میں سے کوئی ایک پسند کرتا ہے کہ اسکے پاس کھجور اور انگور کا باغ ہو اور اُسکے نیچے سے نہریں جاری ہوں۔ اسمیں ہر قسم کے پھل ہوں۔ اور وہ شخص بوڑھا ہو جاوے اور اولاد اسکی کمزور ہو۔ پھر اُس باغ پر باد صرصر (جلا دینے والی) کا ایک بگولا چلے جس میں آگ ہو پس وہ باغ جل جاوے اسطرح پر اللہ تعالیٰ تمھارے لیے نشان بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر کرو۔

تفسیر ان مثالوں میں اللہ تعالےٰ **انفاق فی سبیل اللہ** کے مختلف مدارج اور ان کے نتائج کو بیان کرتا ہے۔ پہلی مثال اُن لوگوں کی ہے جو ریاء الناس کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ دوسری مثال رضاء الٰہی کے خرچ کرنے والوں کی ہے اور یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آیندہ کامیابیوں کی پیشگوئی ہے۔ آخری آیتوں میں دونوں مثالوں کو پیش کرکے سمجھایا ہے کہ ریاء الناس کے لیے خرچ کرنا گویا اعمال صالحہ متعلقہ انفاق کو ضائع کرنا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس سے ہمکو اور ہمارے پڑھنے والوں کو بچائے۔ آمین

اب سوال ہوتا ہے کہ کیا خرچ کریں؟ اس کا جواب اگلے رکوع میں دیا جاتا ہے۔

فائدہ

قرآن کریم کی عادت میں ہے کہ اس میں کوئی ایسی تعلیم نہیں دی گئی جس کے برکات اور نتائج اس دنیا میں عملی رنگ میں نہ دکھائے گئے ہوں۔ اپنی تعلیم کو زندہ اور بابرکت تعلیم اور ابدی تعلیم ثابت کرنے کے لیے ایک قوم کو برگزیدہ کیا اور اُنھیں شہداء علی الناس بنایا یعنی دنیا کے سامنے بطور نمونہ اور گواہ کے پیش کیا کہ میری تعلیمات خیالی اور وصفی باتیں نہیں بلکہ عملی اور نتیجہ خیز باتیں ہیں چنانچہ یہ قوم اُسپر چلکر کس حالت سے کس حالت تک پہونچی ہے۔

زمین میں دانہ ڈالنے کی مثال بڑی بھاری مثال ہے۔ یہ خدا کا حسی اور مرئی اور تجربہ شدہ قانون قدرت ہے گذشتہ نظیریں آیندہ کارروائی کی جرأت دلانیوالی اس کام میں ہوتی ہیں۔ زمین اور آسمان کا اٹل قانون قدرت بلا لحاظ ایمان یا عدم ایمان کے زمیندار کے حوصلوں کو بڑھاتا اور دانہ کو کئیں ملا دینے کی ترغیب اُنھیں دیتا ہے۔

مال کا دینا اور اُسپر دانہ زیر زمین کیطرح بعید اجر کے مترتب ہونے کا یقین کرنا اُس ہستی کی حوصلہ افزائی اور اُمید دہی پر ہو

کو جو علم رویا میں کلیجہ دکھایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اسپر ایک قسم کی موت ہی وارد ہو جاتی ہے اور پھر فقرہ لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذیٰ کا فقرہ بقا کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ وہ ہمیں تمام نفسانی جذبات کو سلب کر کے مرضات اللہ میں ایک زندگی پاتا ہے اور گویا ربانی تحریک سے پر ہو کر حرکت کرتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جو بقا کہلاتا ہے

پھر بعد اسکے یہ فقرات لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون + جو اثبات و ایجاب اجر و نفی و سلب خوف و حزن پر دلالت کرتے ہیں یہ حالت لقا کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جس وقت انسان کی عرفان اور یقین اور توکل اور محبت میں ایسا مرتبہ عالی پیدا ہو جاوے کہ اسکے خلوص اور ایمان اور وفا کا اجر اسکی نظر میں وہمی اور خیالی اور ظنی نہ رہے بلکہ ایسا یقینی اور قطعی اور مشہود اور محسوس اور مرئی ہو کہ گویا وہ اسکو مل چکا ہے اور ہر ایک آیندہ کا خوف اسکی نظر سے اٹھ جاوے اور ہر ایک گذشتہ اور موجودہ غم کا نام و نشان نہ رہے اور ہر ایک روحانی تنعم موجود اس وقت نظر آوے ۔ تو یہی حالت جو ہر ایک قبض اور کدورت سے پاک اور ہر شک اور دغدغہ سے محفوظ اور ہر ایک درد انتظار سے منزہ ہے لقاء کے نام سے موسوم ہے۔

غرض

یہ انفاق فی سبیل اللہ ایسا ہونا چاہیے ۔ اگر انفاق فی سبیل کی مقدرت نہ ہو یا ان صفات کے ساتھ نہ ہو تو پھر

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝ ترجمہ

بھلی بات کہنی اور پردہ پوشی کرنا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد دکھ دیا جاوے اور اللہ تعالیٰ غنی اور حلیم ہے

تفسیر - یاد رکھو کہ جب سائل سوال کرتا ہے اس وقت سائل اور مسئول عنہ کی دو حالتیں ہوتی ہیں یا تو اس کے پاس ہی نہیں ہے اور یا بخیل ہے اور دیتا نہیں ۔ اسطرح پر گویا چار باتیں ہوئیں سائل کی نسبت اگر نادار غریب ہو تو گویا ذلیل ہے اور یہ سوال اسکی پردہ دری کا باعث ہے اس لیے یہاں ہدایت ہے قول معروف و مغفرۃ یعنی جب کوئی سوال کرے تو سائل کے لیے بھی اور اپنے لیے بھی مغفرت طلب کرو کہ اللہ تعالیٰ اس سوال کی ذلت سے بچالے ۔ اور اچھی بات بھی کہدو ۔ اور استغفار بھی کرو یہ اس صدقہ سے بہتر ہے جس میں اذی اور تکلیف ہو ۔ ہمارے ملک میں یہ دستور ہے کہ جب سائل کچھ مانگتا ہے اور اسکو کچھ دینا نہیں ہوتا تو کہدیتے ہیں معاف کرو اصل میں قرآن شریف کی اس آیت کا مفہوم اور منشا یہ ہے کہ اپنے لیے اور سائل کے لیے خدا سے حفاظت چاہیے اور دل آزار باتیں نہ کرو جو پردہ دری کا موجب ہوتی ہیں ۔

اب پھر اللہ تعالیٰ انفاق فی سبیل اللہ کی مزید تحریک فرماتا اور خالصتہً للہ انفاق کی صورت بتاتا ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰىۙ كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًاؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْاؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

ترجمہ - ایمان والو اپنے صدقات کو احسان جتلانے یا ایذا رسانی سے اس شخص کی طرح اکارت نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کے لیے صرف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرۃ پر ایمان نہیں رکھتا اس کی مثال اس پھسلنے پتھر کی سی ہے جسپر کچھ مٹی پڑی ہو اور اسپر زور کا مینہ برسے تو اسکو صاف سل چھوڑ دے ۔ جو کچھ انھوں نے کمایا اس میں سے وہ کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتے اور کافر جو کام کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے نہیں یا اللہ کافروں کو بامراد نہیں کرتا

پھر ان لوگوں کی مثال دیتا ہے جو محض خدا کے لیے اپنا مال خرچ کرتے ہیں

تفسیر - کتب سابقہ میں اگرچہ صدقات وخیرات کی تعلیم تھی لیکن صدقات وخیرات میں خلوص نیت - ثبات نفس اور محل انفاق کی بابت ضروری تشریحات موجود نہ تھیں اور اگر تھیں تو ناقص تھیں اور قرآن شریف نے انہیں مکمل فرمایا۔

یہاں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ کیا خرچ کرو؟ اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ طیب چیزیں اپنی کمائی میں سے خرچ کرو۔

طیّب کے معنے ہیں عمدہ - حلال اور خبیث کے معنے ہیں ردّی اور حرام۔

طیبٰت ما کسبتم اور اخرجنا لکم من الارض خرچ کرو - یعنی جو کچھ تم نے اپنی محنت اور سعی سے پیدا کیا ہے اس میں سے دو۔ چونکہ فرمایا ہے طیبٰت ما کسبتم جو طیّب تم نے کمایا ہے اسلیے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو مال اور جو چیز عند الشرع جائز نہیں ہے یا جو کمائی جائز نہیں اُسکی خیرات بھی جائز نہیں ہے اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ سے مراد غلّہ - پھول - میوہ جات - غلے اناج اور ایسا ہی تمام معدنی اشیاء ان میں سے راہ خدا میں دو مگر ان میں سے ردی چیزیں دینے کا ارادہ نہ کرو۔

بعض اوقات انسان دیکھتا ہے کہ کچھ پھل سڑے ہوئے ہیں یا غلہ خراب شدہ ہے تو اسکو فقیروں کو دیکر اس کا نام خیرات رکھتا ہے یہ صحیح نہیں - خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ اسی شے پر بولا جاویگا جو اول اپنی پاک کمائی میں سے ہو دوسرے طیّب ہو ردی چیز دینے سے کیوں منع فرمایا؟ اسلیے کہ ردّی چیز کو جب تم خود پسند نہیں کرتے تو دوسروں کو کیوں دیتے ہو یہاں یہ تعلیم دی ہے ہر چہ برخود نہ پسندی بر دیگراں مپسند۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تکمیل ایمان کے لیے فرمایا ہے کہ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ - یہ کس قدر عظمت اور فضیلت اسلام کی ہے کہ وہ بنی نوع انسان میں خیرات وصدقات تک میں بھی اخوت اور مساوات کے سلسلہ کو قائم کرتا ہے اور انسان کو بلند خیال بنانا چاہتا ہے۔

طیّبٰت ما کسبتم کیوں خرچ کرو؟

اس سوال کے جواب میں دو قوی دلائل دیے ہیں اول یہ فطرتی اصل ہے کہ انسان کبھی اور کسی حال میں پسند نہیں کرتا کہ اسے ردّی چیز ملے - پس جس چیز کو وہ بجائے خود کراہت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو پھر دوسرے کی فطرت پر کیوں حملہ کرنا چاہتا ہے + فطرت خود اسے تعلیم دیتی ہے کہ وہ طیّب کو پسند کرے + پھر دوسری وجہ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ بتلائی ہے یعنی جان لو کہ اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے - یہ اس لیے فرمایا کہ انسان بالطبع کسی امیر اور اعلیٰ درجہ کے انسان کو کوئی چیز پیش کرنا چاہتا ہے تو ردّی اور خراب نہیں دیتا بلکہ اعلیٰ درجہ کی عمدہ اور بہترین شے پیش کرتا ہے - پھر اللہ تعالیٰ تو غنی اور حمید ہے اس کے لیے جود و وہ ردی کیا دو؟ وہ بھی تو اعلیٰ درجہ کی شے ہونی چاہیے چونکہ صدقات اللہ تعالیٰ ہی کو دیے جاتے ہیں - اور وہ پاک ہے اسلیے طیب دو اور خبیث چیزیں مت دو یہ صدقات کی مبطل ہو جاتی ہیں اور یہ خیال ہرگز نہیں کرنا چاہیے کہ انسان خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے مفلس اور قلاش ہو جاوے گا - نہیں بلکہ

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ یُّؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ؕ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

ترجمہ - شیطان تم کو محتاجی اور تنگی کا وعدہ دیتا ہے اور بخل کا حکم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کے وعدے دیتا ہے اور اللہ وسعت ..... والا اور علیم ہے - حکمۃ عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور جسکو حکمۃ عطا کرتا ہے بیشک اُسے خیر کثیر دی جاتی ہے مگر سوائے دانشمند لوگوں کے اور کوئی نصیحت نہیں پکڑتا۔

تفسیر - شیطان انسان کے دل میں یہ وسوسے اور توہم ڈالتا ہے کہ اگر تم صدقات وخیرات میں مال خرچ کروگے تو وہ منافع جاتا رہیگا اور تم مفلس اور نادار ہو جاؤگے اس وسوسہ سے وہ بخل کا حکم کرتا ہے - مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ بخل سے انسان دولتمند نہیں ہو سکتا

غیب الغیب ہی اور زمین کی طرح مرئی اور عام وخاص کے تجربہ کردہ نہیں بڑا نازک کام اور حوصلوں کو ہار دینے والا مسئلہ ہے۔ ایک قوم اور اس کا بانی ابتلا اور فتنوں کی چکیوں میں پس رہی ہیں۔ دشمن دن بدن استیصال کی کوششوں میں سرگرمی دکھاتے ہیں۔ ایسے وقتوں میں تو دنیا کے ساہوکار بھی خطرہ میں آپڑی ہوئی گورنمنٹ کو قرض دینے سے پہلو تہی کرتے ہیں کہ اگر ان کا استیصال ہوگیا تو کل کو وہ روپیہ کس سے وصول کریں گے۔

قرآن کریم میں خدا تعالے نے اول ان پہلے درجہ کے ایماندار ساہوکاروں کی مثال دی ہے جنھوں نے ایک نہایت نازک وقت میں خدا تعالے کے دین یا الٰہی گورنمنٹ کی مدد کی اور پھر ان کو ان کے تمام دشمنوں اور ان کے املاک پر قابض کرکے اور عرب شام روم ایران کو ان کے تصرف میں دیکر **زمین والے قانون قدرت** کی طرح انفاق فی سبیل اللہ کے مسئلہ کو بھی محسوس اور مشہود مسئلہ بنا کر دکھا دیا ہے۔ اور آیندہ کے لیے قیامت تک ان پہلے خرچ کرنے والوں کو ہر ایک منفق کے لیے ہر ایک ایسی آواز کے وقت حوصلہ افزائی کا سچا نمونہ بنا دیا ہے۔ کون اسبات سے بیخبر ہے کہ جس جس نے مہاجروں اور انصار میں سے اللہ تعالی کی راہ میں اُسوقت کچھہ دیا وہ دنیا سے نہیں اُٹھا جبتک بیحساب بدلہ نہ پالیا۔ ...... **اول المؤمنین اُسوۃ المہاجرین ابو بکر صدیق علیہ السلام** نے حضرت سید الرسل صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی مکی زندگی میں مختلف کاموں پر چالیس ہزار روپے خرچ کیے کیا اُس خرچ کا تھوڑا یا قابل حساب سود حاصل کیا جبکہ آپ کو **بیت النبوۃ** کے صدر یعنی مسند خلافت پر بلا فصل رونق افروزی کا شرف ملا۔ اسیطرح سیکڑوں ہزاروں ناصروں اور مہاجروں کی مثالیں کتب سیر میں ملتی ہیں جو تعجب انگیز ترکہ چھوڑ کر اس جہان سے نکلے۔ یہ ہے بڑا دلچسپ ثبوت قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے کا کہ اس کے ہر دعوی کی دلیل خود اس کے اندر موجود ہے۔

فالحمد للہ ثم الحمد للہ الذی ھدانا لھذا۔ (عبد الکریم)

رکوع ۳۷

یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ اللہ تعالے کی راہ میں اپنی پاک کمائی سے خرچ کرو۔ ناپسندیدہ اور خبیث چیز نہ دو۔ ہرچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند کا اصل پیش کرکے اتمام حجت کی جاتی ہے۔ حفظ مراتب کی تعلیم دیجاتی ہے۔ پھر اس دوسری اصل کو پیش کرکے انسان **علی قدر مراتب** کام کرتا ہے۔ اللہ تعالے کی صفات غنی اور حمید پر ایمان لانیکی ہدایت کی جاتی ہے شیطانی اور ربانی تعلیم اور ان کے امتیازی نتائج کو بتایا جاتا ہے۔ **حکمۃ** کا عطا ہونا ہی خیر کثیر ہے۔ تمھاری خیرات کو اللہ تعالے جانتا ہے اور نصرت الٰہی ظالموں کو نہیں مل سکتی۔ مخفی صدقات دینے کی ترغیب دیجاتی ہے کہ اخفا تمھارے لیے مفید ہے اور اس سے سئیات کا کفارہ ہوجاتا ہے۔ نیکی کرنے کی ایک اصل بتائی جاتی ہے کہ اللہ تعالی کے خیر دینے کی صفت پر ایمان رکھا جائے۔ ہدایت اللہ تعالے ہی کا کام ہے جسکو چاہے عطا کرے جو کچھہ تم اللہ تعالے کے لیے خرچ کرو۔ تمھارے لیے مفید ہے اور اللہ ہی کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے خرچ کرو۔ خیرات کا مصرف بتایا جاتا ہے۔

عام مطالب اس رکوع میں اللہ تعالے اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ کیا خرچ کرو؟ کیوں کرو؟ اور کہاں کرو؟

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۪ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ

ترجمہ۔ ایمان والو! جو کچھہ تم نے کمایا ہے اور جو کچھہ ہمنے تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں سے طیب چیزیں خرچ کرو۔ اور اسمیں سے ایسی خبیث چیزیں خرچ کرنیکا ارادہ نہ کرو۔ جنکو تم خود بھی بلا چشم پوشی لینے والے نہیں ہو اور جان لو کہ اللہ تعالے غنی اور حمید ہے۔

اور ایک وجہ کا اسکو اختیار دیکر قدرتی طور پر دو قسم کے محرک اس کے لیے مقرر کیے ہیں۔ ایک داعی خیر یعنی ملک جو نیکی کی رغبت دل میں ڈالتا ہے دوسرا داعی شر یعنی شیطان جو بدی کی رغبت دل میں ڈالتا ہے لیکن خدا نے داعی خیر کو غلبہ دیا ہے کہ اس کی تائید میں عقل عطا کی اور اپنا کلام نازل کیا اور خوارق اور نشان ظاہر کیے اور ارتکاب جرائم پر سخت سخت سزائیں مقرر کیں۔ سو خدا تعالیٰ نے انسان کو ہدایت پانے کے لیے کئی قسم کی روشنی عطا کی اور خود اس کے دل انصاف کو ہدایت کے قبول کرنے کے لیے مستعد پیدا کیا۔ اور داعی شر بدی کی طرف رغبت دینے والا ہے تا انسان اس کے رغبت دینے سے احتراز کر کے اس ثواب کو حاصل کرے جسے بجز اس قسم کے امتحان کے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

اور ثبوت اس بات کا کہ ایسے وجود داعی خیر و داعی شر انسان کے لیے پائے جاتے ہیں بہت صاف اور روشن ہے کیونکہ خود انسان بدیہی طور پر اپنے نفس میں احساس کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ دو قسم کے جذبات سے متاثر ہوتا رہتا ہے کبھی اس کے لیے ایسی حالت صاف اور نورانی میسر آ جاتی ہے کہ نیک خیالات اور نیک ارادے اس کے دل میں اٹھتے ہیں اور کبھی اس کی حالت ایسی پر ظلمت اور مکدر ہوتی ہے کہ طبیعت اس کی بد خیالات کی طرف رجوع کرتی ہے اور بدی کی طرف اپنے دل میں رغبت پاتا ہے۔ سو یہی دونوں داعی ہیں جنکو ملائک اور شیطان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حکماء فلسفہ نے انہیں دونوں داعی خیر اور داعی شر کو دوسرے طور پر بیان کیا ہے یعنی ان کے گمان میں خود انسان ہی کے وجود میں دو قسم کی قوتیں ہیں ایک قوت ملکی جو داعی خیر ہے اور دوسری قوت شیطانی جو داعی شر ہے۔ قوت ملکی نیکی کی طرف رغبت دیتی ہے اور چپکے سے انسان کے دل میں خود بخود پڑ جاتا ہے کہ میں نیک کام کروں جس سے میرا خدا راضی ہو۔ اور قوت شیطانی بدی کی طرف محرک ہوتی ہے غرض اسلامی عقائد اور دنیا کے کل فلاسفہ کے اعتقاد میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ اہل اسلام دونوں محرکوں کو خارجی طور پر دو وجود قرار دیتے ہیں اور فلسفی لوگ ان ہی دونوں وجودوں کو دو قسم کی قوتیں سمجھتے ہیں جو خود انسان ہی کے نفس میں موجود ہیں لیکن اس اصل بات... کہ فی الحقیقت انسان کے لیے دو محرک پائے جاتے ہیں خواہ محرک خارجی طور پر کچھ وجود رکھتے ہوں یا قوتوں کے نام سے ان کو موسوم کیا جائے۔ یہ ایک ایسا اجماعی اعتقاد ہے جو تمام گروہ فلاسفہ اس پر اتفاق رکھتے ہیں اور آج تک کسی عقلمند نے اس اجماعی اعتقاد سے انحراف اور انکار نہیں کیا وجہ یہ کہ یہ بدیہی صداقتوں میں سے ایک اعلیٰ درجہ کی بدیہی صداقت ہے جو اس شخص پر بکمال صفائی کھل سکتی ہے کہ جو اپنے نفس پر ایک منٹ کے لیے ..... توجہ اور غور کرے اور دیکھے کہ کیونکر نفس اس کا مختلف جذبات میں مبتلا ہوتا رہتا ہے اور کیونکر ایک دم میں کبھی زاہدانہ خیالات اس کے دل میں بھر جاتے ہیں اور کبھی رندانہ وساوس اسکو پکڑ لیتے ہیں۔

سو یہ ایک ایسی روشن اور کھلی صداقت ہے جو ذو العقول اس سے منکر نہیں ہو سکتے۔ ہاں جو لوگ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور کبھی انہوں نے اپنے نفس کے حالات کی طرف توجہ نہیں کی ان کے دلوں میں اگر ایسے ایسے پوچ وساوس اٹھیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ بباعث نہایت درجہ کی غفلت اور کور باطنی کے قانون قدرت الٰہی سے بکلی بے خبر اور انسانی خواص اور کیفیات سے سراسر ناواقف ہیں اور ان کے اس جہل مرکب کا یہی علاج ہے کہ وہ ہمارے اس بیان کو غور سے پڑھیں تا کہ انکو کچھ ندامت حاصل ہو کہ کس قدر تعصب نے انکو مجبور کر رکھا ہے کہ باوجود انسان کہلانے کے جو انسانیت کی عقل ہے اس سے بالکل خالی اور تہیدست ہیں اور ایسی اعلیٰ درجہ کی صداقتوں سے انکار کر رہے ہیں جنکو ایک دس برس کا بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ پھر بھی سائل اپنے سوال کے اخیر میں یہ شبہ پیش کرتا ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو تسلی دی تھی کہ شیطان تجکو بہکا نہیں سکے گا۔ لیکن اسی قرآن میں لکھا ہے کہ شیطان نے آدم کو بہکایا۔

یہ وسوسہ قلبی بھی سراسر قلت فہم اور کور باطنی کی وجہ سے سائل کے دل میں پیدا ہوا۔ کیونکہ قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ شیطان آدم کو بہکانے اور گمراہ کرنے کا قصد نہیں کریگا یا آدم اس کے بہکانے میں کبھی نہیں آئے گا ہاں قرآن شریف میں ایسی آیتیں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے نیک بندے شیطان کے بہکانے سے ایسے وبال میں نہیں پڑتے جس سے ان کا انجام بد ہو بلکہ حضرت خداوند کریم جل شانہ جلد تر ان کا تدارک فرماتا ہے اور اپنے ظل حفاظت میں لے لیتا ہے

دولت مند ہو تو آسودہ حالی اور راحت میسر نہیں آسکتی۔ یہ باتیں محض اللہ تعالےٰ کے فضل سے حاصل ہوتی ہیں

شیطان

شیطان کے وجود کے متعلق بڑے بڑے سا اعتراض کیے جاتے ہیں جو دراصل قلت تدبر و فہم کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں ورنہ یہ مسئلہ بہت صاف اور واضح ہے۔ شیطان کے وجود کے ثبوت کے لیے وہی طرز اور طریق ہے جو اثبات وجود ملائکہ میں ہمنے اختیار کیا ہے اور پہلے پارہ کی تفسیر القرآن میں ہم بیان کر آئے ہیں۔

مختصراً ہم پھر یہاں ذکر کرتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یکایک انسان کے اندر ایک تحریک نیکی کی پیدا ہوتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اتفاقاً بدی کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ نیکی یا بدی کی ایسی تحریکات کے محرک شیطان یا ملائکہ ہوتے ہیں۔ یعنی پاک تحریکوں کے محرک ملائکہ اور بری تحریکوں کے محرک شیطان۔ اور ان کا نام داعی خیر اور داعی شر بھی ہے۔ یہ دونوں داعی صرف محرک ہوتے ہیں کسی کام کر نے پر مجبور نہیں کرتے۔ اور ایسا ہی قانون قدرت میں ہم یہ نظام پاتے ہیں کہ ہمارے قوی ایسے مستقل اور کامل طور پر اپنی بناوٹ نہیں رکھتے کہ انکو خارجی معینات اور معاونات کی ضرورت اور حاجت نہ ہو اور خود ہماری جسمانی قوت ہی صرف اپنے ملکہ موجودہ سے کام لے جبکہ ہر ایک قسم کے تغیرات جو ہماری جسمانی یا روحانی حالت پر ہوتے ہیں وہ خارجی تحریکوں اور اثر کے بغیر نہیں تو یہ کسقدر غلطی ہے کہ ہم مان لیں کہ بلا توسط اسباب ہم کسی اثر کے نیچے آسکتے ہیں۔ خیر اور شر کے اکتساب میں صرف ہمارے ہی قوی کافی نہیں بلکہ خارجی ممدات اور معاونات کی ضرورت ہے جو خارق عادت اثر رکھتے ہوں مگر وہ ممد اور معاون خدا تعالےٰ سے براہ راست نہیں آتے بلکہ بتوسط اسباب ظہور میں آتے ہیں سو قانون قدرت نے قطعی اور یقینی طور پر ہم پر کھولدیا ہے کہ وہ ممدات اور معاونات خارج میں موجود ہیں گو انکی کیفیت اور کنہ ہمکو معلوم ہو یا نہ ہو مگر یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہ نہ براہ راست خدا تعالیٰ ہے نہ ہماری ہی قوتیں اور ہمارے ہی ملکے ہیں بلکہ وہ دونوں قسموں سے الگ الگ ایسی مخلوق چیزیں ہیں جو ایک مستقل وجود اپنا رکھتی ہیں اور جب ہم ان میں سے کسی کا نام داعی الخیر رکھیں گے تو اسی کو روح القدس یا جبرئیل کہیں گے اور جب ہم ان میں سے کسی کا نام داعی الی الشر رکھیں گے تو اسی کو ہم شیطان اور ابلیس کے نام سے موسوم کریں گے اور یہ ضرور نہیں کہ روح القدس یا شیطان ہر ایک تاریک دل کو نظر آجائیں اگرچہ عارف انکو بھی دیکھتے ہیں اور کشفی مجاہدات سے وہ دونوں ان کو نظر آتے ہیں لیکن محجوب کے لیے یہی طریق ہے کہ وہ اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود کو ثابت کرے۔ اور متاثرات کو دیکھکر اسکے مؤثر حقیقی کے وجود پر ایمان لاوے پس اس طریق سے شیطان کا وجود ثابت ہوتا بلکہ صفائی کے ساتھ نظر آجاتا ہے

آج کل کے فلسفہ باطلہ کی ظلمت سے متاثر ہو کر بعض لوگ شیطان کے وجود پر یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے خود ہی شیطان کو پیدا کر کے لوگوں کو گناہ اور گمراہی میں ڈالا کیا اس کا یہ ارادہ تھا کہ لوگ ہمیشہ بدی میں مبتلا رہکر کبھی نجات نہ پاویں۔

اس اعتراض کا جواب کہ کیا شیطان کو پیدا کر کے خدا نے لوگوں کو خود گمراہ کرنا چاہا ہے

ایسا سوال اُن لوگوں کے دل میں پیدا ہوتا ہے جنھوں نے کبھی غور اور فکر سے دینی معارف میں نظر نہیں کی یا جن کی نگاہیں خود ایسی پست ہیں کہ بجز بچانکہ چیونٹیوں کے اور کوئی حقیقت شناسی کی بات اور محققانہ صداقت اُن کو نہیں سوجھتی۔

اب واضح ہو کہ سائل کے اس سوال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصول اسلام سے بکلی بیگانہ اور معارف ربانی سے سراسر اجنبی ہے۔ کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ شریعت اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ گویا شیطان کو صرف لوگوں کے بہکانے اور ورغلانے کے لیے خدا تعالےٰ نے پیدا کیا ہے اور اسی اپنے وسوسہ کو پختہ سمجھکر تعلیم قرآنی پر اعتراض کرتا ہے حالانکہ تعلیم قرآنی کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے اور نہ یہ بات کلام الٰہی سے نکلتی ہے بلکہ عقیدہ حقہ اہل اسلام جسکو حضرت خداوند کریم جل شانہ نے خود اپنے کلام پاک میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے انسان کے لیے دونوں اسباب نیکی اور بدی کے مہیا کر کے

نہیں رہتے گویا اُس کا جن مسلمان چلوتا ہے مگر ثواب باقی رہ جاتا ہے کیونکہ وہ ابتلا کے منازل کو بڑی مردانگی کے ساتھ طے کرچکا ہے جیسے ایک صالح آدمی جسنے بڑے بڑے نیک کام اپنی جوانی میں کیے ہیں اپنی پیرانہ سالی میں بھی اُن کا ثواب پاتا ہے۔

رحمانی اور شیطانی اوامر اور اُن کے نتائج

اس آیت میں روحانی اور شیطانی اوامر اور اُن کے نتائج کو بھی بیان کردیا ہے۔ شیطان بخل کا حکم دیتا ہے اور اس کا نتیجہ فقر ہے اور اللہ تعالے انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیتا ہے اس کا نتیجہ مغفرۃ اور فضل ہے کیونکہ وہ واسع اور علیم ہے ان صفات کا اقتضا یہی ہے یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔

واسع اور علیم صفات کا باہم تعلق۔

واسع اور علیم کی صفات کا تعلق بظاہر یہاں عجیب سی ترکیب نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ بڑی ہی لذیذ بات ہے جب اسپر پورا غور کیا جائے۔ اللہ تعالی کی صفت واسع کا اقتضا ہر امر میں وسعت عطا فرماتا ہے اور علیم صفت کا تقاضا علوم حقہ سے بہرہ ور کرنا۔ لیکن علوم حقہ کے حصول کا مدار تقوٰی پر ہے واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ تقوٰی اللہ اختیار کرو اللہ تعالے تمہیں علم سکھادے گا۔ اور تقوٰی کے ثمرات میں سے عطائے رزق بھی ہے من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب اب ان آیات پر نظر یکجائی کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ ان صفات کے ماتحت رکھکر اللہ تعالے تقوٰی کی تعلیم دیتا اور پھر اپنی صفت واسع کے تقاضا کے موافق اس میں وعدہ وسعت فرماتا ہے + اور متقی کی صفات میں سے مما رزقنٰھم ینفقون ہے + اور یہاں انفاق کی ہدایت کرتا ہے۔ الغرض یہ دونوں صفات اپنے تقاضاؤں کی وجہ سے مومن کی اُمید کو وسیع اور اسکے علوم میں وسعت کا موجب ہیں۔ اسی لیے ان کے تحت میں فرمایا۔

یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔

اللہ تعالے جسکو چاہتا ہے حکمۃ عطا فرماتا ہے اور جسکو حکمۃ دی گئی اُسے خیر کثیر دی گئی۔

حکمۃ سے کیا مراد ہے

حکمۃ کے معنے قرآن شریف۔ فہم سلیم اور نبوۃ بھی ہے اور حکمۃ کے معنے یہ بھی ہیں کہ جس چیز کا مآل خیر ہو یعنی جس کا انجام نیک نتائج کا موجب ہو + حکمۃ کے معنے قرآن شریف نے جمیع اخلاق فاضلہ کے بھی کیے ہیں چنانچہ دیکھو وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ سے لیکر ذلک مما اوحی الیک ربک من الحکمۃ۔ ولا تجعل مع اللہ الٰھا اخر فتلقی فی جھنم ملوما مدحورا۔ تک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

اب حکمۃ کے ان معانی پر غور کرکے معلوم ہوتا ہے کہ حکمۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ہوئی ہر اور ... آپ کو دی گئی ہے۔ اس لیے خیر کثیر کا وارث اور مالک دنیا میں ایک ہی انسان کامل ہے رصلے اللہ علیہ وسلم جس کا نام ہے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ اس کا ثبوت سورۃ کوثر کے ان الفاظ سے صاف ملتا ہے انا اعطینٰک الکوثر + اور ایسا ہی اس دعا کی تعلیم سے قل رب زدنی علما۔ یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمۃ فضیلۃ اور عصمۃ کے دلائل ہیں لیکن انسے فائدہ کون اُٹھاتے ہیں ؟ ما یذکر الا اولوا الالباب سوائے دانشمندوں کے اور کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتا۔ اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد وبارک وسلم

پس چونکہ انفاق فی سبیل اللہ بہت سے مدارج خیر کا باعث ہے اور اللہ تعالے کی نصرتوں کا جاذب ہے۔ اسلیے فرماتا ہے

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

سو ایسا ہی آدم کے حق میں اُس نے کہا کہ آدم صفی اللہ خلیفۃ اللہ ہے اس کا انجام ہرگز بد نہ ہوگا اور خدا کے محبوب بندوں میں سے ہے گا چنانچہ یہ امر ایسا ہی ظہور میں آیا اور خدا نے اخیر میں بھی آدم کو ایسا ہی چُن لیا جیسا کہ وہ پہلے برگزیدہ تھا غرض یہ اعتراض معترض بھی سراسر تعصب اور جہالت پر مبنی ہے نہ انصاف اور عقلمندی پر۔

شیطان کے وجود کی علت غائی

پھر شیطان کے وجود سے کیا فائدہ ہے؟ سو یاد رہے کہ قرآن کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ شیطان گمراہ کرنے کے لیے جبر کر سکتا ہے اور نہ صرف یہ تعلیم ہے کہ بدی کی طرف بُلانے کے لیے شیطان کو مقرر کر رکھا ہے۔

ہمارے مخالف آریہ اور برہمو اور عیسائی اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے قرآن کریم کی تعلیم پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس تعلیم کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے دانستہ انسان کے پیچھے شیطان کو لگا رکھا ہے گویا اسکو آپ ہی خلق اللہ کا گمراہ کرنا منظور ہے مگر یہ ہمارے شتاب باز مخالفوں کی غلطی ہے اُن کو معلوم کرنا چاہیے کہ قرآن کریم کی یہ تعلیم نہیں ہے کہ شیطان گمراہ کرنے کے لیے جبر کر سکتا ہے اور نہ یہ تعلیم ہے کہ صرف بدی کی طرف بُلانے کے لیے شیطان کو مقرر کر رکھا ہے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ آزمایش اور امتحان کی غرض ✱ سے لمہ ملک اور لمہ ابلیس برابر طور پر انسان کو دئے گئے ہیں یعنی ایک داعی خیر اور ایک داعی شر تا انسان اس ابتلا میں پڑ کر مستحق ثواب یا عقاب کا ٹھہر سکے کیونکہ اگر اس کے لیے ایک ہی طور کے اسباب پیدا کیے جاتے مثلاً اگر اس کے بیرونی اور اندرونی اسباب جذبات فقط نیکی کی طرف ہی اُسکو کھینچتے یا اُسکی فطرۃ ہی ایسی واقع ہوتی کہ وہ بجز نیکی کے کاموں کے اور کچھہ کر ہی نہ سکتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ نیک کاموں کے کرنے سے اُسکو کوئی مرتبہ قرب کا مل سکے کیونکہ اُسکے لیے تو تمام اسباب و جذبات نیک کام کرنے کے ہی موجود ہیں یا یہ کہ بدی کی خواہش تو ابتدا سے ہی اُس کی فطرت سے مسلوب ہے تو پھر بدی سے بچنے کا اسکو ثواب کس استحقاق سے ملے مثلاً ایک شخص ابتدا سے ہی نامرد ہے جو عورت کی کچھہ خواہش نہیں رکھتا اب اگر وہ ایک مجلس میں یہ بیان کرے کہ میں فلاں فلاں وقت جوان عورتوں کے گروہ میں رہا جو خوبصورت بھی تھیں مگر ایسا پرہیزگار رہوں کہ میں نے اُن کو شہوت کی نظر سے ایکدفعہ بھی نہیں دیکھا اور خدا تعالے سے ڈرتا رہا تو کچھہ شک نہیں کہ سب لوگ اس کے بیان پر ہنسیں گے اور طنز سے کہیں گے کہ اے نادان کب اور کس وقت تجھہ میں یہ قوت موجود تھی تا اُسکے روکنے پر تو فخر کر سکتا یا کسی ثواب کی اُمید رکھتا پس جاننا چاہیے کہ سالک کو اپنی ابتدائی اور درمیانی حالات میں تمام اُمیدیں ثواب کی مخالفانہ جذبات سے پیدا ہوتی ہیں اور ان منازل سلوک میں جن امور میں فطرت ہی سالک کی ایسی واقع ہو کہ اُس قسم کی بدی وہ کر ہی نہیں کر سکتا تو اس قسم کے ثواب کا بھی وہ مستحق نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ہم بچھو اور سانپ کی طرح اپنے وجود میں ایک ایسی زہر نہیں رکھتے جس کے ذریعہ سے ہم کسیکو اُس قسم کی ایذا پہنچا سکیں جو کہ سانپ اور بچھو پہنچاتے ہیں۔ سو ہم اس قسم کی ترک بدی میں عنداللہ کسی ثواب کے مستحق بھی نہیں۔

اب اس تحقیق سے ظاہر ہوا کہ مخالفانہ جذبات جو انسان میں پیدا ہو کر انسان کو بدی کیطرف کھینچتے ہیں درحقیقت وہی انسان کے ثواب کا بھی موجب ہیں کیونکہ جب وہ خدا تعالے سے ڈر کر اُن مخالفانہ جذبات کو چھوڑ دیتا ہے تو عنداللہ بلاشبہ تعریف کے لائق ٹھہر جاتا ہے اور اپنے رب کو راضی کر لیتا ہے۔ لیکن جو شخص انتہائی مقام کو پہونچ گیا ہے اُس میں مخالفانہ جذبات

✱ حاشیہ اس جگہ آزمایش کے لفظ سے کوئی دھوکا نہ کھاوے کہ خدائے عالم الغیب کو امتحان اور آزمایش کی کیا ضرورۃ ہے کیونکہ بلاشبہ اُسکو کوئی ضرورت نہیں لیکن چونکہ اصل مقصد امتحان سے اظہار حقائق مخفیہ ہوتا ہے اسلیے یہ لفظ خدا تعالے کی کتابوں میں پایا جاتا ہے وہ امتحان میں اسلیے نہیں ڈالتا کہ اسکو معلوم نہیں بلکہ اس لیے کہ تا شخص زیر امتحان پر اُس کی حقیقت ظاہر کرے کہ اُس میں یہ فساد یا صلاحیت ہے اور نیز دوسروں پر بھی اُس کا جوہر کھول دیوے۔ منہ۔

ترجمہ تمپر ان کی ہدایت کا ذمہ نہیں لیکہ اللہ تعالے جسکو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اور جو کچھ بھی تم اپنا مال خرچ کروگے ہیں وہ تمھارے اپنے لیے ہی مفید ہے اور جو کچھ تم اللہ تعالے کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کرو ہو۔ جو کچھ بھی تم خیرات کرو اس کا بدلہ تمھیں پورا دیا جاوے گا اور تمپر ظلم نہ کیا جاوے گا۔

تفسیر یعنی لوگوں کو نیک اور مومن بنانا یہ تیرا کام نہیں ہے اللہ تعالے جسکو چاہے ہدایت کرے ایمان کی بنا پر خیرات وصدقات کا حساب نہ کرو۔ جو کچھ خیرات کرتے ہو مساکین اور مستحقین کو دو۔ یہ خیرات وصدقات تو تمھاری ذات کے لیے مفید اور سودمند ہے جو کچھ اللہ تعالے کی راہ میں کسی مومن غیر مومن مستحق کو دوگے اس کا پورا اجر تم کو ملے گا۔

آخر میں خیرات کا مصرف بتایا جاتا ہے فرمایا

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

ترجمہ اور یہ صدقات تو ان محتاجوں کے واسطے ہیں جو اللہ تعالے کی راہ میں گھر گئے ہیں اور کہیں زمین پر سفر نہیں کرسکتے جو ان کے حال سے ناواقف ہے وہ ان کو ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے دولت مند جانتا ہے تم ان کو ان کے بُشرہ سے پہچان لوگے (کہ محتاج ہیں) یہ لوگوں سے مصر ہوکر سوال نہیں کرتے جو کچھ تم مال میں سے خرچ کروگے اللہ اسکو جانتا ہے۔

جو لوگ اپنے مالوں کو رات کو اور دن کو خفیہ طور پر اور علانیہ طور پر خرچ کرتے ہیں اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس اجر ہے اور اُن پر کوئی خوف اور حزن نہیں ہے۔

تفسیر احصروا فی سبیل اللہ سے مراد وہ ہیں جو اللہ تعالی کے لیے راہ میں رُک گئے ہیں یعنی کسی دینی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ تعفف کے معنے ہیں سوال سے بچنا۔ اور لایسئلون الناس سے مراد ہے کہ لوگوں سے اَڑ کر سوال نہیں کرتے

الغرض

یہاں تک اللہ تعالی نے انفاق فی سبیل اللہ کی ضرورت اور کہاں خرچ کیا جاوے اور اس کے نتائج اور ثمرات پر بحث فرمائی ہے۔ چونکہ انفاق کا تعلق جہاں سے تھا۔ اور امورات تمدن کے ساتھ انفاق کا بھی ایک تعلق ہے اس لیے اس کے ساتھ ہی ملتے ہوئے ایک ضروری امر پر اب بحث فرمائی۔ یعنی سُود کے متعلق۔

ترجمہ اور جو کچھ تم خیرات کے طور پر خرچ کرو۔ یا نذر کے طور پر مانو پس بیشک اللہ تعالےٰ اسکو جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار و ناصر نہیں۔

اگر تم صدقات کو ظاہر کرو۔ تو یہ بھی اچھا ہے اور اگر اسے چھپاؤ اور فقیروں کو دو پس وہ تمھارے لیے بہتر ہے اور تمھارے گناہوں کو و ہا دیگا۔ اور اللہ تعالےٰ جو کچھ تم کرتے ہو اُس سے آگاہ ہے۔

تفسیر مطلب صاف ہے کہ جو کچھ تم اللہ کے لیے خرچ کرو۔ یا اللہ کے لیے نذر مانو اللہ تعالےٰ اسکو خوب جانتا ہے۔

ظالم کے ایک معنی تو مشہور عام ہیں جو ناحق تعدی کرتا ہو اور مشرک کو کہا گیا ہو لیکن ہم نے ہی تفسیر القرآن کے پہلے نمبر میں پہلے رکوع کی تفسیر کرتے وقت دکھایا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ سے انکار کرنے والوں پر بھی ظالم کا لفظ بولا گیا ہے چنانچہ فرمایا

یا یہا الذین امنوا انفقوا مما رزقنکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیه ولاخلة ولا شفاعة والکٰفرون هم الظٰلمون ۔

اس آیت کے ساتھ ملا کر ما للظلمین من انصار کے معنے صاف حل ہو جاتے ہیں ۔ ظالم بمعنی مشرک بھی ہو تو اس صورت میں بھی مشرک کو اللہ تعالےٰ معاف نہیں کرتا مطلب واضح ہے ان الله لا یغفر ان یشرك بالله ویغفر مادون ذلك پھر خرچ کرنے کی دونوں صورتیں بتا دی ہیں کہ سرًّا وعلانیة دونوں طرح جائز ہے۔ اصل غرض ابتغاء مرضات اللہ ہو۔ البتہ اس آیت سے مخفی دینے کو ترجیح معلوم ہوتی ہے ۔

خیرات کفارہ سیأت ہے

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خیرات سیأت کے لیے کفارہ کا کام دیتی ہیں۔ اور یہ مسلم بات اور فطرتی اور طبعی قانون ہے کہ ہر ملک ہر قوم ہر طبیعت کے انسان میں یہ مادہ ودیعت رکھا ہوا ہے کہ وہ مشکلات ومصائب کے وقت صدقات اور خیرات کی طرف دوڑتا ہے ۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خیرات سیأت کا کفارہ ہو جاتی ہیں کیونکہ مشکلات اور مصائب سیأت کا نتیجہ ہوتے ہیں جب خیرات نے سیأت کو دور کر دیا تو تمام مصائب کا خاتمہ ہو گیا

ایک یہ مطلب بھی ہے کہ خیرات کرنے سے نیکی کی تحریک ہوتی ہے اور دوسرے لوگوں کو دی جاوے تو دعا کا خیال پیدا ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے بدی کی قوتوں کو دبا دیتا ہے۔

پھر ابھی ہم بیان کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انفاق کے نتائج میں مغفرة بھی بیان کی ہے اور مغفرة کے معنے ہیں بدیوں کے برے نتائج سے محفوظ رکھنا اور آئندہ کے لیے بدی کی قوتوں کو دبا دینا غفر اور کفر قریبًا ایک ہی معنوں کا مفہوم اپنے اندر رکھتے ہیں پس خیرات سیأت کی زہروں کے لیے تریاق ہے ۔ حدیث میں آیا ہے کہ آگ سے بچو اگرچہ خرمہ کا ایک ٹکڑا دیکر ہی ہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات کا ذریعہ خیرات ہے اور ایسا ہی اوپر ... قول معروف ومغفرة خیر من صدقة ۔ الآیہ کی تفسیر جو ہم بیان کر چکے ہیں اسپر بھی اس کے ساتھ ملا کر غور کرو۔

گناہوں سے بچنے کی راہ

گناہوں سے بچنے کا یہ گر اور اصل ہے کہ اللہ تعالےٰ کی صفات پر ایمان کامل ہو اور اسکو اپنے اعمال کا نگران اور خبیر یقین کیا جاوے اس لیے فرمایا واللہ بما تعملون خبیر جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالےٰ اس سے آگاہ ہے۔

فائدہ شعبی کا قول ہے کہ یہ آیت حضرة ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے حق میں ہے ۔ ابن کثیر

پھر خیرات کے فوائد اور منافع بتا کر خیرات کے منکروں کا کوئی مددگار نہ ہوگا یہ بیان کرکے فرمایا

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ

رکوع ۳۸

انفاق فی سبیل اللہ کے نتائج بتلائے جاتے ہیں اور صدقات وخیرات سے بڑھ کر متمدن دنیا کے معاملات کی اصلاح کی جاتی ہے اور **سود خواری** کے مسئلہ پر جو نوع انسان پر شفقت اور ہمدردی کا مانع ہے روشنی ڈالی جاتی ہے۔ سود خواری کے نقصان ظاہر کیے جاتے ہیں اور وہ امتیاز دکھایا جاتا ہے جو **بیع** اور ربا میں ہے + حکم دیا جاتا ہے کہ سود حرام ہے اور بیع **حلال** + احکام الٰہی کے نزول کے بعد جو توبہ کرتا ہے وہ پہلی غلطیوں کے لیے معاف کیا جاتا ہے لیکن بعد منع بھی اگر باز نہیں آتا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ سود کا آخری انجام بتایا جاتا ہے کہ اس میں آخرکار خسارہ ہی خسارہ ہے اور صدقات کا انجام موجب ترقی مال و دولت ہے۔ **سود خوار** کبھی خدا تعالیٰ کا محبوب نہیں ہوسکتا۔ **ایمان** جب کہ اس کے ہمرہ اعمال صالحہ یعنی قیام نماز ایتاء زکوٰۃ ہو انسان کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل اجر بنا دیتا ہے اور اسکو ہر قسم کے خوف وحزن سے نجات دیتا ہے۔ **تقویٰ اللہ** کی ہدایت کی جاتی اور سود کے چھوڑنے کی تعلیم دی جاتی ہے اور اسکو ایمان کا نشان قرار دیا جاتا ہے اور جو سود نہیں چھوڑتا اُسکو متنبہ کیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اسکو اعلان جنگ دیا جاتا ہے جو سود چھوڑ دیتا ہے اُس کا اصل تو محفوظ ہوجاتا ہے + **سود ظلم** ہے اس سے منع کیا جاتا ہے۔ **داد و ستد کے معاملات** کو صاف کیا جاتا اور اسکے متعلق ہدایتیں دیجاتی ہیں کہ اگر مقروض تنگدست ہو تو چاہیے کہ قرضخواہ اسے سہولت کے وقت تک مہلت دے۔ اور **معاف** کردینے کی فضیلت بتائی جاتی ہے۔ اور آخر میں **یوم الجزاء** سے ڈرنیکی ہدایت کی جاتی ہے جو تمام نیکیوں کی اصل ہے۔

عام مطالب اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے تمدنی زندگی کے اصل الاصول پر بحث فرمائی ہے اور مسئلہ **سود** جسپر آجکل کی متمدن قوموں کو ناز ہے یا یہ کہو کہ بظاہر انکی ترقیوں کا اسے مایہ ناز سمجھا جاتا ہے اس پر پوری روشنی ڈالی ہے اور اسکو حرام ثابت کیا ہے۔ اور دکھایا ہے کہ **سود خواری** انسان کے ایمان اور اعمال کو ضائع کر دیتی ہے کیونکہ ایمان کا وہ جزو جو شفقت علی خلق اللہ کے نام سے موسوم ہے اسکے باعث ضائع ہوجاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر **ایمان باللہ** بھی نہیں رہ سکتا کیونکہ ایمان باللہ کے ثمرات میں سے ہے کہ انسان اسکی مخلوق کے ساتھ بھلائی کرے اور ان کی ہمدردی میں حصہ لے۔

یہ مسئلہ بڑا ہی مہتم بالشان مسئلہ ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اسپر بہت کچھ شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی جاوے اسلیے ہم کوشش کرینگے کہ جہانتک ہمسے ہوسکتا ہے اس مسئلہ کے قریباً تمام پہلوؤں پر نظر کریں + **وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب** +

اصل غرض جیساکہ پچھلے کئی رکوعوں میں یہ سلسلہ چلا آتا ہے اللہ تعالیٰ کی بڑی بھاری تعلیم یہی ہے کہ **مخلوقات پر شفقت کرنیکی روح** انسان میں پیدا ہو۔ کیونکہ انسان چونکہ مدنی الطبع پیدا ہوا ہے اسلیے اگر ایک دوسرے کا رفیق اور مددگار نہ ہو تو اسکی زندگی تلخ اور دوبھر ہو جاوے یہی وجہ ہے کہ **ایمان** کے دو عظیم الشان شعبوں میں **شفقت علی خلق اللہ** بڑا بھاری شعبہ رکھا گیا۔ ہاں پچھلے رکوعوں میں مختلف پیرایوں اور طریق سے یہہ تعلیم دی گئی ہے۔

اس رکوع کے حل کی کلید اور ہماری رائے میں اس مضمون کے مضامین کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پچھلے تین چار رکوعوں پر خوب غور کیا جاوے اور ان کے مضامین میں جو باہم تعلق اور ارتباط ہے اسکو سوچ لیا جاوے جب ہمارے ناظرین اس سلسلہ کو مد نظر رکھینگے تو ہم اُمید کرتے ہیں کہ انکو بہت بڑی سہولت مسئلہ ربا کے سمجھنے میں ہوجاویگی۔ اگرچہ اس نمبر میں ہم نے قریباً وہ آیات لکھدی ہیں لیکن یکجائی طریق پر درج نہ ہونیکی وجہ سے ان مضامین پر پورا غور کرنا شاید کسی قدر مشکل ہو۔ اور یہ ہماری غرض چونکہ قرآن شریف کے مضامین کو عام فہم بنانے کیلیے سعی کرنا ہے لہٰذا ہم ساری آیات کو پھر یکجا لکھتے ہیں تاکہ ناظرین کو پورا موقع اپنر غور کرنے کا ملے اور اس کے بعد جو نتائج ان آیات کے باہم تعلقات اور روابط سے نکالکر ہم پیش کریں وہ آسانی سے سمجھہ میں آجائیں +

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر القرآن

جلد اوّل — بابت ماہ جنوری ۱۹۰۵ء — نمبر ۳ سوم

جسکو

خاکسار شیخ یعقوب علی تراب احمدی ایڈیٹر الحکم قادیان نے حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریروں یا تحریروں اور حضرت حکیم الامۃ مولانا و بالفضل اولانا مولوی حافظ حاجی حکیم نور الدین صاحب بھیروی کے درس قرآن مجید میں سے لیے ہوئے نوٹس اور آپ کی پرانی یادداشتوں اور مولانا مولوی عبد الکریم صاحب کے خطبات سے لیکر مرتب کیا اور حضرت حکیم الامۃ اور مولانا مولوی عبد الکریم صاحب کی اصلاح کے بعد شائع کیا

اور

اخبار الحکم و تفسیر القرآن کے کارخانہ انوار احمدیہ پریس دار الامان

قادیان میں

شیخ یعقوب علی تراب احمدی مالک و مہتمم نے چھپوایا

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے

تفسیر القرآن

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

اگر آپ مسلمان ہیں؟ اور قرآن کریم کے حقائق و معارف اور اس کی تعلیم کی خوبیوں کے عاشق ہیں؟ تو آپ تفسیر القرآن جس کا پہلا پارہ شائع ہو چکا ہے ضرور پڑھیں۔ ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ اس طرز اور ڈھنگ کی تفسیر آپ کے ملاحظہ سے نہ گذری ہو گی۔ زمانہ حال کی ضرورتوں کے لحاظ سے قرآن کریم کو نہ صرف علمی رنگ میں پیش کیا ہے بلکہ مخالفین کے تمام اعتراضوں کا بھی جو وہ قرآن کریم پر کرتے ہیں قرآن کریم ہی سے معقول جواب دیا ہے اس تفسیر میں جو خوبیاں ہیں وہ اس مختصر اشتہار میں بیان نہیں ہو سکتی ہیں یہ تفسیر عالیجناب حافظ حاجی حکیم **نور الدین** صاحب بھیروی کے درس قرآن مجید سے لیگئی ہے اور آپ کی اصلاح اور نظر ثانی کے بعد شائع ہوئی ہے۔ قرآن شریف کی آیتوں کی ...... باہم ترتیب نہایت عجیب طرز پر دکھائی ہے اور ہر ہر رکوع کا خلاصہ اور ان مطالب کی تفصیل جو اس میں بیان ہوئے ہیں تفسیر شروع کرنے سے پہلے دکھائی ہے۔ الغرض یہ عجیب و غریب تفسیر ہے اور اس اشتہار کے ذریعہ صرف ان لوگوں کو مخاطب کیا جاتا ہے جو قرآن شریف سے عشق و محبت رکھتے ہیں وہ اسے پڑھیں **قیمتہ فی پارہ عہ**۔ شروع جنوری ۱۹۰۳ء سے ان شاء اللہ ماہوار دو جزو کلاں پر شائع ہوتی ہے **سالانہ قیمتہ ۓ** مع محصول ڈاک

درخواستیں بنام ایڈیٹر الحکم آنی چاہئیں۔

تفسیر القرآن

رکوع ۳۸

انفاق فی سبیل اللہ کے نتائج بتائے جاتے ہیں اور صفات و خیرات سے بڑھکر تمدن دنیا کے معاملات کی اصلاح کی جاتی ہے اور سود خواری کے مسئلہ پر جو نوع انسان پر شفقت اور ہمدردی کا مانع ہے روشنی ڈالی جاتی ہے۔ سود خواری کے نقصان ظاہر کئے جاتے ہیں اور وہ امتیاز دکھایا جاتا ہے جو بیع اور ربا میں ہے + حکم دیا جاتا ہے کہ سود حرام ہے اور بیع حلال + احکام الٰہی کے نزول کے بعد جو توبہ کرتا ہے - وہ پہلی غلطیوں کے لئے معاف کیا جاتا ہے لیکن بعد منع ہی اگر باز نہیں آتا تو اوسکا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ سود کا آخری انجام بتایا جاتا ہے کہ اسمیں آخرکار خسارہ ہی خسارہ ہے اور صدقات کا انجام موجب ترقی مال و دولت ہے۔ سود خوار کبھی خدا تعالےٰ کا محبوب نہیں ہو سکتا - ایمان جب اسکے موافق اعمال صالحہ یعنی قیام نماز ایتاء الزکوٰۃ سے انسان کو اللہ تعالےٰ کے نزدیک قابل اجر بنا دیتا ہے اور اوسکو ہر قسم کے خوف حزن سے نجات دیتا ہے - تقوی اللہ کی ہدایت کی جاتی اور سود کے چھوڑنے کی تعلیم دیجاتی ہے - اور اوسکو ایمان کا نشان قرار دیا جاتا ہے اور جو سود نہیں چھوڑتا اوسکو متنبہ کیا جاتا ہے اور خدا تعالےٰ کی طرف سے اُسکو اعلان جنگ دیا جاتا ہے جو سود چھوڑ دیتا ہے اسکا اصل تو محفوظ ہو جاتا ہے + سود ظلم ہے اوس سے منع کیا جاتا ہے - داد و ستد کے معاملات کو صاف کیا جاتا اور اُسکے متعلق ہدائتیں دیجاتی ہیں کہ اگر مقروض تنگدست ہو تو چاہئے کہ قرض خواہ اُسے سہولت کے وقت تک مہلت دے اور معاف کر دینے کی فضیلت بتائی جاتی ہے اور آخر میں یوم الجزاء سے ڈرنے کی ہدایت کیجاتی ہے جو تمام نیکیوں کی اصل ہے -

عام مطالب اس رکوع میں اللہ تعالےٰ نے تمدنی زندگی کے اصل الاصول پر بحث فرمائی ہے اور مسئلہ **سود** جسپر آجکل کی تمدن قوموں کو ناز ہے یا یوں کہو کہ بظاہر اپنی ترقیوں کا اسے مایہ ناز سمجھا جاتا ہے - اسپر پوری روشنی ڈالی ہے، اور اسکو حرام ثابت کیا ہے اور دکھایا ہے کہ سود خواری انسان کے ایمان اور اعمال کو ضائع کر دیتی ہے کیونکہ ایمان کا وہ جزو جو شفقت علی خلق اللہ کے نام سے موسوم ہے اسکے باعث ضائع ہو جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ پھر ایمان باللہ بھی نہیں رہ سکتا کیونکہ ایمان باللہ کے ثمرات میں سے ہے کہ انسان اسکی مخلوق کے ساتھ بھلائی کرے اور انکی ہمدردی میں حصہ لے -

یہہ مسئلہ بڑا ہی مہتم بالشان مسئلہ ہے - اور اس قابل ہے کہ اسپر بہت کچھہ شرح و بسط کے ساتھہ روشنی ڈالی جاوے اسلئے ہم کوشش کرینگے کہ جہانتک ہمسے ہو سکتا ہے اس مسئلہ کے قریبًا تمام پہلوؤں پر نظر کریں + وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ +

اصل غرض جیسا کہ پچھلے کئی رکوع میں یہہ سلسلہ چلا آتا ہے اللہ تعالےٰ کی بڑی بھاری تعلیم یہہ ہے کہ مخلوقات پر شفقت کرنیکی روح انسان میں پیدا ہو - کیونکہ انسان چونکہ مدنی الطبع پیدا ہوا ہے اسلئے اگر ایک دوسرے کا رفیق اور مددگار نہ ہو تو اسکی زندگی تلخ اور دوبھر ہو جاوے - یہی وجہ ہے کہ ایمان کے دو عظیم الشان شعبوں میں **شفقت علی خلق اللہ** بڑا بھاری شعبہ رکھا گیا - ہاں پچھلے رکوعوں میں مختلف پیرایوں اور طریق سے یہہ تعلیم دی گئی ہے -

اس رکوع کے حل کی کلید اور ہماری رائے میں اس مضمون کے مضامین کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پچھلے تین چار رکوعوں پر خوب غور کر لیا جاوے اور ان کے مضامین میں جو باہم تعلق اور ارتباط ہے اسکو سوچ لیا جاوے جب ہمارے ناظرین اس مرحلہ کو طے کر لیں گے تو ہم امید کرتے ہیں کہ انکو بہت بڑی سہولت مسئلہ ربا کے سمجھنے میں ہو جاوے گی - گذشتہ نمبر میں ہم نے

عذر اور اطلاع

تفسیر القرآن کو ماہوار شائع کرتے وقت مجھے اس امر کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ دو نمبر نکل کر یہ دو سال کے واسطے معرض التوا میں جا پڑے گا لیکن خدا تعالیٰ کے منشاء اور مشیت میں جو ہوتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔ مقدمات کا سلسلہ کچھ ایسا بطرح شروع ہوا کہ میں تفسیر القرآن کی طرف بالکل توجہ کر ہی نہ سکا۔ یہانتک کہ دوسرے پارہ کا جو حصہ باقی رہ گیا ہوا تھا اُسے مکمل کرنا بھی میرے لیے مشکل ہو گیا۔

تفسیر القرآن کی اشاعت میں توقف اور تعویق ناظرین کیلیے سخت شاق اور جانگداز تھی انھوں نے مجھے پوری طرح متنبہ اور بیدار کیا مگر میں حقیقۃً میں بے بس تھا۔ ہر چند اپنی طرف سے سعی کرنی چاہتا مگر توفیق نہ ملتی۔ چار و ناچار مجھے ہر قسم کی شکایتوں کو سننا پڑا۔ اور میں اسدن کا انتظار کرنے لگا جب خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے پھر اس **مبارک کام** کے کرنے کی توفیق دیگئی۔ چنانچہ اول تو میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و تائید سے تفسیر القرآن کا دوسرا پارہ جو باقی رہا ہوا تھا مکمل کر کے شائع کیا از اں بعد میں سلسلہ ماہوار کیطرف متوجہ ہوا۔

اور آج خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلہ کا تیسرا نمبر بالکل مکمل ہو کر شائع ہوتا ہے اس نمبر کے ساتھ **سورۃ البقرۃ** ختم ہو گئی ہے۔ میں خدا تعالیٰ کے شکر و سپاس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جسنے مجھ ایسے ناتوان گمنام و کس مپرس اور بے علمی اور عملی پہلو میں محض تہیدست انسان سے یہ مقدس کام لیا۔ اس **فضل ربی** پر جسقدر سجدات شکر بجا لاوں وہ کم ہیں۔

ایک وقت تھا کہ جب صرف سورہ فاتحہ کی مرتب کی ہوئی تفسیر کو میرے مخدوم و محسن حضرت **حکیم الامۃ** نے پڑھ کر ایک **مجمع احباب** میں فرمایا تھا کہ میں اسکو بھی بڑی کامیابی سمجھوں گا اگر ایک پارہ بھی شائع ہو جاوے لیکن خدا نے اپنے فضل اور محض فضل سے مجھے یہانتک توفیق دی کہ میں پورے دو سیپارے ختم کر چکا ہوں تیسرا شروع ہے اور دو سورتیں بھی ختم ہو لیں ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ ۱۳۲۱ھ میں پہلا پارہ شائع ہوا تھا گویا چار سال میں دو پارے ختم ہوے۔ اسقدر عرصہ کے لیے کسکو اُمید ہو سکتی تھی کہ اس تفسیر کے لکھنے والا آیندہ چار سال تک زندہ رہیگا اور یہ کام اس سے ہو سکے گا۔ مگر یہ محض فضل ربی ہی تھا جسنے مجھے عظیم الشان فضل کا مورد کیا۔

بہر حال

اس قدر عرصہ تک یہ سلسلہ معرض توقف میں رہا اور اب میں خدا ہی کے فضل و کرم پر بھروسا کر کے امید کرتا ہوں کہ آیندہ یہ سلسلہ ان شاء اللہ العزیز جاری رہیگا۔ اور ماہ بماہ یہ دو جزو کا رسالہ نکلتا رہے گا۔ میں ناظرین کی ہرگز شکایت نہیں کرتا جنھوں نے اس عرصہ میں مجھے **ہدف ملامت** بنایا۔ اتنا لمبا توقف انھیں ایسا کرنے کا محرک تھا اور اس سے انکے اس عشق کا پتا لگتا ہے جو قرآن کریم سے انھیں ہے لیکن اگر وہ مجھے حوادث زمانہ کے ماتحت سمجھکر معذور سمجھ لیتے اور اپنے ایک بھائی پر حسن ظن کر لیتے تو زیادہ مفید ہوتا جیسا کہ میں متعدد مرتبہ الحکم میں اعلان شائع کر چکا ہوں آیندہ ماہوار رسالہ اخبار کی موجودہ تقطیع کے نصف پر شائع ہو گا حجم بھی دو جزو رہے گا اس لیے ان تین **رسالوں کی قیمت** بارہ آنے کے حساب سے جداگانہ وصول ہو گی۔

اس قدر اطلاع و عذر کے بعد میں اپنے احباب کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس **تفسیر القرآن** کے لیے کثرت سے خریدار بہم پہنچائیں تا کہ مالی پہلو کے لحاظ سے یہ کام زیادہ اطمینان اور امن سے ہوتا رہے اور بالآخر اپنے خادم مرتب کے لیے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اسکو اس خدمت کی اہلیت اور قابلیت عطا فرماوے اور اپنے فضل سے اسے توفیق دے کہ اُس کی حمید کتاب کی اشاعت کا ذریعہ ٹھیرے۔ سب توفیقیں اسی کے ہاتھ میں ہیں **وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین**۔

ادارۃ الحکم قادیان دارالامان
۲۴ فروری ۱۹۰۸ء

خاکسار یعقوب علی تراب احمدی مرتب تفسیر القرآن

رکوع ۳۶ / ۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ○ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ○ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ○ إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○ لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ○ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ○

رکوع ۳۷ / ۵

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ الَّذِينَ

رکوع ۳۶ / ۴

ترجمہ۔ ایمان والو! جو کچھہ تم نے کمایا ہے اور جو کچھہ ہمنے تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں سے طیب چیزیں خرچ کرو۔ اور اس میں سے ایسی خبیث چیزیں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو۔ جنکو تم خود بھی بلا چشم پوشی لینے والے نہیں ہو اور جان لو کہ اللہ تعالے غنی اور حمید ہے۔ شیطان تمکو محتاجی اور تنگی سے دھمکاتا ہے اور بخل کا وعدہ دیتا ہے اور اللہ تعالے تم کو اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے اور اللہ وسعت والا اور علیم ہے حکمت عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور جسکو حکمت عطا کرتا ہے بیشک اُسے خیر کثیر دیجاتی ہے۔ مگر سوائے دانشمند لوگوں کے اور کوئی بصیرت نہیں پکڑتا۔ اور جو کچھہ تمنے خرچ کیا پس بیشک اللہ تعالے اسکو جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار و ناصر نہیں۔ اور اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو یہ بھی اچھا ہے اور اگر چھپاؤ اور فقیروں کو دو پس وہ تمھارے لیے بہتر ہے اور تمھارے گناہوں کو دور کر دے گا۔ اور اللہ تعالی جو کچھہ تم کرتے ہو اُس سے آگاہ ہے کچھہ تیرے ذمہ انکا ہدایت دینا نہیں بلکہ اللہ تعالی جسکو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جو کچھہ بھی تم اپنا مال خرچ کروگے پس وہ تمھارے اپنے ہی لیے مفید ہے درحالیکہ جو کچھہ تم خرچ کرو اللہ تعالے کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کرو اور جو کچھہ بھی تم خیرات کرو۔ اس کا بدلہ تمھیں پورا دیا جاوے گا اور تم پر ظلم نہ کیا جاوے گا۔ اور یہ صدقات تو ان محتاجوں کے واسطے ہیں جو اللہ تعالے کے واسطے ہیں جو اللہ تعالے کی راہ میں روکے گئے ہیں اور کہیں زمین پر سفر نہیں کرسکتے جو انکے حال سے ناواقف ہے وہ انکے سوال نہ کرنیکی وجہ سے انکو دولتمند جانتا ہے تم انکے بشرہ سے پہچان سکتے ہو کہ (محتاج ہیں) وہ لوگوں سے مصر ہوکر سوال نہیں کرتے جو کچھہ تم مال میں سے خرچ کروگے اللہ اُسکو جانتا ہے۔

رکوع ۵

جو لوگ اپنے مالوں کو رات اور دن خفیہ طور پر اور علانیہ طور پر خرچ کرتے ہیں انکے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور ان پر کوئی خوف اور حزن نہیں ہے۔ جو لوگ ربا کھاتے ہیں وہ اس شخص کی طرح